

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابد تک اب نہ سر اٹھا کے چلے گا کوئی یزید زادہ
غرورشاہی کو خاک میں یوں ملا گئی ہے علیؑ کی بیٹی

سوانح حیات

علیؑ کی بیٹی

مریمؑ کر بلا، نقیب خونِ سید الشہداء علیہ السلام

مؤلف

ڈاکٹر علی قائمی

ترجمہ و اضافہ جات

سید محمد حسین زیدی الباہروی

ناشر

بسم اللہ پبلیکیشنز جعفر کمالہ فی، شارع ڈاکٹر الباہر

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ملک مقیم ہیں
مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔

منجانب۔

سبیل سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب	:	علی کی بیٹی
مؤلف	:	ڈاکٹر علی قاضی
ترجمہ و اضافہ جات	:	سید محمد حسین زیدی الباہروی (مرحوم و مغفور)
کمپوزنگ	:	سید قارب حسین زیدی الباہروی
زیر اہتمام	:	حسن پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور
ناشر	:	بسم اللہ پبلی کیشنز، جعفریہ کالونی، لاہور
بار دوم	:	دسمبر 2007ء
ہدیہ	:	400/-

واحد تقسیم کار

حسن پبلی کیشنز

38- غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور۔ فون: 7223842

ای میل: hasanpublication@yahoo.com

فہرست

صفحہ نمبر	عنوانات		
9	انتساب		
11	نذر عقیدت		
13	عرض مترجم		
17	تقریظ (جناب سید حسن ظفر نقوی صاحب)		
19	تقریظ (جناب حسن رضا ندیری صاحب)		
23	مقدمہ کتاب از مترجم		
45	پیش لفظ از مصنف		
	خاندان و ولادت مبارکہ		باب 1
51	آپ کا خاندان ذی وقار اور عزیزانِ عالی مرتبت	✽	
56	ولادت و باسعادت اور تاریخ ولادت	✽	
59	اسماء، القاب اور کنیت ہائے مکرم	✽	
	حالات زندگی و ازدواج		باب 2
67	بچپن کے عالم میں آغوشِ مادرِ عالیہ، زیر سایہ جناب رسالت مآب اور امیر المؤمنینؑ کے زیرِ عاطفت ثانی زہرا کی تربیت	✽	
71	آپ کے اپنے خاندان کی تشکیل، حضرت عبداللہ ابنِ جعفر سے آپ کی شادی، حضرت عبداللہ کا تعارف اور آپ کی اولادِ مبارک	✽	
95	بچپن سے وفات تک ثانی زہرا کے ادوارِ حیات پر ایک نظر	✽	
	روابط و ارتباطات		باب 3
99	ثانی زہرا کا تعلق اور محبت، پیغمبر اکرم کے ساتھ — محبت رسولؐ	✽	

101	گھریلو زندگی کے روابط۔ یعنی زیر سایہ والدین	✿	
109	بی بی کے اپنے بھائیوں کے ساتھ تعلقات۔ بھائیوں کے ہم قدم	✿	
	حوادثِ زندگی		باب 4
121	سر آغاز۔ سیدہ زینب کا مصائب و آلام کی دنیا میں ورود	✿	
124	بچپن کے مصائب۔ شفیق نانا اور مادرِ مہربان کی وفات	✿	
128	پیرانہ سالی اور جوانی کے مصائب۔ ہنگامہ سقیفہ سے شہادتِ امام حسین تک۔	✿	
137	بحرِ حوادث، سکوتِ امیر المؤمنین کے دورانِ یورشِ دشمنان اور استقامتِ ثانی زہرا	✿	
	حالاتِ زمانہ		باب 5
145	وفاتِ رسولِ اکرم کے بعد مدینہ کے حالات	✿	
151	کوفہ اور اہلِ یان کوفہ کا کردار	✿	
160	اہلِ یانِ شام اور حکومتِ وقت کا کردار	✿	
167	اُس دور کے لوگوں کے عمومی افکار	✿	
	ثانی زہرا کے کمالات، میلانات اور رجحانات		باب 6
175	ثانی زہرا کا مقامِ علم و فراست	✿	
182	ثانی زہرا کا معیارِ اخلاق	✿	
186	ثانی زہرا کا مقامِ صبر و رضا	✿	
192	ثانی زہرا کی فصاحت و بلاغت	✿	
	ثانی زہرا کا مقام و منصب		باب 7
199	زینبِ کبریٰ کی عفت و حجاب	✿	
201	عبادت و مناجاتِ زینبِ عالیہ	✿	
207	ثانی زہرا کا مقامِ عصمت و نیابت	✿	
212	سیدہ زینب کی شان و منزلت کے دیگر پہلو	✿	

	جناب زینب عالیہ کی قوت و عظمت روحانی		باب 8
221	سیدہ زینب کی جرأت و تقدس	✽	
225	آپ کا معیار عزت نفس	✽	
229	آپ کا حسن تدبیر و نظام	✽	
233	آپ کے گریہ ہائے فاتحانہ	✽	
236	آپ کے مقامات عظمت	✽	
	سیدہ زینب کی تبلیغ مقصد سید الشہداء اور آپ کا احساس ذمہ داری		باب 9
243	سیدہ زینب کا ہدف فرائض جو آپ کے فکر کی اساس ہے	✽	
248	سیدہ زینب کا مقام ولایت الہیہ سے اتصال جس کے نور سے حصول مقصد کے نشیب و فراز کی آپ کو معرفت حاصل تھی۔	✽	
251	حصول مقصد کی خاطر آپ کا طریق و احساس جو مبنی براخلاص مقصد تھا	✽	
	ثانی زہرا کا اپنے مقصد کی طرف اقدام اور آغاز پیغام حق		باب 10
261	ثانی زہرا کا سید الشہداء کے ہمراہ قیام بہ نظر فکر و طریق عمل	✽	
264	شب عاشور جو خالق کے حضور شب دعا و راز و نیاز و اخلاص تھی	✽	
271	وداع امام و سپردگی اسرار امامت	✽	
280	گیارہویں شب جو خاندان رسالت کے لئے دشوار ترین شب تھی	✽	
290	حالت اسیری جس میں سیدہ زینب کے فرائض کو ناگہانی حالات کا سامنا تھا	✽	
	نگہبانی و دفاع		باب 11
299	سیدہ زینب کے ہاتھوں اصول اسلام کا دفاع، یہ وہی اصول و مکتب فکر ہے جس کی خاطر آپ کے مقدس پاؤں تک خون آلود ہوئے۔	✽	
303	امام وقت کا دفاع، حضرات علی و حسین و سید سجاد کی ولایت حقیقی کے مقام کی اشاعت	✽	
316	وقار اسلام کی حمایت جو حالت ضعف بلکہ مقام نزع میں تھا۔	✽	

	ثانی زہرا کا طریق جہاد		باب 12
323	مردم شناسی جو ہر جہاد کی روح و اہمیت کو سمجھنے کی شرط اول ہے	✽	
326	شفقت و محبت جس میں ثانی زہرا معجز نما کا مقام رکھتی ہیں	✽	
333	اسوہ سیدہ زینب عالیہ کے اثرات جو اس جہاد کی اصل و جان ہیں	✽	
	انجام فرائض کا طریق		باب 13
353	ثانی زہرا کی گفتگو طرز استدلال جس نے لوگوں کو ان کی وضع و حیثیت کا احساس دلایا	✽	
359	ثانی زہرا کی بت شکنی جو کارِ عظیم اور معجزہ کا درجہ رکھتی ہے	✽	
364	ثانی زہرا کے وعظ و نصیحت جو فرائض رسالت میں شامل ہیں اور سیدہ زینب خود رسولِ عاشرہ ہیں۔	✽	
	خطبات سیدہ زینب		باب 14
369	ثانی زہرا کا خطبہ کوفہ جو آپ کی اسیری کے بارے میں ہماری قوی ترین سند ہے	✽	
375	اس خطبہ کے اہم نکات اور ان کی تفصیل	✽	
381	دربارِ ابنِ زیاد ملعون اور وہاں مخدومہ کونین کی گفتگو	✽	
458	سیدہ زینب کا دمشق (شام) اور دربارِ یزید میں خطاب جو آپ کی خطابت کا معجزہ ہے	✽	
484	دربارِ یزید ملعون میں آپ کی گفتگو کے مختصر مطالب	✽	
490	دشمن کے مواقع و کیفیت کا خلاصہ	✽	
	مصائب و آلام اور ظلم و ستم		باب 15
501	زخم ہائے دل جو ثانی زہرا کو جھیلنا پڑے، جن سے شعلہ ہائے غم بلند ہوتے تھے	✽	
505	طول سفر کے صدمات و مصائب اور تازیانوں کا تشدد	✽	
508	مقررہ منزل تک کوہ و دشت و بیابانوں کا سفر (بھوک اور تشمیر)	✽	
	دشمن کی پشیمانی اور اہل بیتِ عظام کی واپسی		باب 16
519	یزید ملعون کی پشیمانی جس میں ندامتِ عمل کی نسبت اس کی ذاتی اور اس کی حکومت	✽	

کی مصلحت زیادہ کارفرما تھی۔

- 524 کر بلا میں اربعین شہداء، جس کا واقعہ ہونا تاریخی ابہامات و شکوک سے خالی نہیں۔ ❖
- 537 مدینہ میں اہل بیت رسولؐ کی والہی جو لوگوں کی بیداری اور بغاوت کا باعث بنی۔ ❖
- 545 ایک اور سفر جس میں ثانی زہراؑ اپنی حسنگی کے باوجود ایک بار پھر مدینہ سے باہر تشریف لے گئیں، دیار غربت میں پہنچیں اور انجام کے طور پر عالم غربت میں اللہ تعالیٰ کے نام پر ہجرت کے دوران ہی دنیا سے رخصت ہوئیں۔ ❖
- تبلیغ و نشر واقعہ کر بلا کے نتائج

باب 17

- 551 آپؐ کے خطبات کے ذریعہ عوام الناس کا معیار بیداری اور آپؐ کے نصائح کے نتائج ❖
- 555 آپؐ کے اس اقدام سے پیدا ہونے والی عمومی تکفیر، نفرت، لوگوں کے ضمیر کی خود اپنے خلاف طعن و شامت اور اس کے اثرات ❖

- 560 ثانی زہراؑ کے تاریخی کردار کا بیان جس نے واقعات کر بلا کو دوام بخشا ❖
- 564 معظمہ کا پے درپے کر بلا کے قتل عام کے سلسلہ میں قیام جو اس قتل عام کے ذمہ دار افراد کے خلاف تھا جو بنی اُمیہ کی سلطنت کی شکست و ریخت کی شکل میں منبج ہوا۔ ❖

باب 18

- ثانی زہراؑ کی وفات اور آپؐ کا مزار
- 569 شمع پر سوز جو ثانی زہراؑ کے کردار کو مختصر انداز میں پیش کرتی ہے ❖
- 573 وفات ثانی زہراؑ جس میں تاریخ وفات اور مزار اطہر کا ذکر ہے ❖
- 584 ثانی زہراؑ اور ہم۔ ثانی زہراؑ کا مختصر تعارف اور اس سلسلہ میں ہمارے فرائض ❖

باب 19

- زیارة المفجعه للسيدة زينب
- 592 ثانی زہراؑ کی دردناک اور درد انگیز زیارت مع بین السطور ترجمہ ❖

باب 20

- مرثیہ جات
- 613 اردو زبان کے مرثیہ جات جن سے محدودہ عالم کی واقعہ کر بلا میں اہمیت کو ظاہر کرنے کی ادنیٰ کوشش کی گئی ہے۔ ❖

انتساب

جناب شریکۃ الحسین سلام اللہ علیہا کی حیات مبارک سے متعلق یہ حقیر سطور پیش کرتے ہوئے اپنے والدین مرحومین اور اپنے استاد محترم سید وزیر حسن مرحوم کو کسی طرح بھلانے کی جرأت نہیں کر سکتا جن کی دعاؤں نے مجھے اس قابل کیا کہ یہ سوانح حیات معرض تحریر میں لانے کے قابل ہوا ہوں۔ پروردگار عالم کی بارگاہ میں ان حضرات کی مغفرت کیلئے زندگی کے ہر سانس کے ساتھ دست بدعا ہوں اور عرض پرداز ہوں کہ جس عظیم ہستی کی حیات پاک کے متعلق یہ حقیر الفاظ لکھ رہا ہوں، ان کی عظمت کے طفیل یہ میرے محسنین بھی اگر اپنی تمام انسانی کمزوریوں کے باوجود مقام نجات اخروی حاصل کر لیں تو خالق بے نیاز کی عین نوازش ہوگی جبکہ ہر حالت میں اس کی رحمت اس کے غضب پر حاوی ہے۔

سال 1995ء کی بہار کا موسم تھا کہ میرے آقا و مولا امام ہاشم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شرف بخشا کہ اپنی اہلیہ، دو بچوں اور اپنے محترم استاد مرحوم کے کچھ فرزندان کے ہمراہ مشہد مقدس کی پاک سرزمین پر حاضری دوں۔ اس سفر کے دوران ایک شب قم کے قریب مسجد جمکران میں امام زمانہ علیہ السلام کی نماز ادا کرنے کے بعد مسجد کے کتب خانہ سے کتاب ”زندگی حضرت زینب سلام اللہ علیہا“ خریدنے کی سعادت نصیب ہوئی جس کا اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں ترجمہ پیش کرنے کی سعی جناب سید الشہداء علیہ السلام اور ان کی شریکۃ کار کے نام لیواؤں کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں کہ مؤخر الذکر معظمہ کے متعلق جہاں تک ممکن ہو، اُن کے ماننے والوں کو اُن کے تعارف سے واقفیت بہم پہنچا سکوں۔

کام بہت مشکل ہے، اس قدر مشکل کہ مشکل کشا کی عظیم صاحبزادی کی خدمت میں ہی اپنی مشکل کشائی کی درخواست پیش کر سکتا ہوں، اس اُمید کے ساتھ کہ یہ وہ دروازہ ہے جہاں سے کبھی کوئی سائل مایوس نہیں لوٹا۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

نذرِ عقیدت

میں اپنی اس حقیر کاوش کو حضورِ رحمت ابنِ احسن امامِ زمانہ عجل اللہ فرجہ کی خدمتِ اقدس میں اس گزارش کے ساتھ پیش کرتا ہوں کہ جس مقدس و عظیم ہستی کی حیاتِ اقدس سے متعلق یہ سطور قلم بند کرنے کی میں نے سعی کی ہے، اس کا مقام میرے وہم و گمان سے ہر حالت میں اس قدر بلند و ارفع ہے کہ طائرِ خیال کی پرواز وہاں تک قطعاً کوتاہ ہے، دامنِ الفاظ اس قدر تہی کہ زبانِ یارائے بیان سے بالکل عاری ہے۔ ذکر ایسی ہستی کا ہے جو کر بلا کے عظیم واقعہ اور اس کے نتائج کے تصور میں رنگ بھرنے کی ذمہ دار اور سید الشہداء علیہ السلام کی شریکِ کار ہے۔

حقیر کے پیشِ نظر خریدارانِ یوسفؑ میں اپنا نام لکھوانے والی وہ بڑھیا ہے جو اپنے کاتے ہوئے سوت کے عوض یوسفؑ کو خریدنا اپنی جگہ پر ناممکن جانتے ہوئے صرف خریداروں میں اپنا نام لکھوانے کی آرزو لے کر آئی تھی۔ اس کی اس آرزو کو ایسا نوازا گیا کہ جب تک ذکرِ یوسفؑ دنیا میں باقی ہے، اس بڑھیا کا نام بھی خریدارانِ یوسفؑ میں باقی رہے گا، لہذا یہ حقیر سطور بحضورِ رحمتِ زمانہ عجل اللہ فرجہ پیش کرنے کی ہمت کر رہا ہوں کہ:

”شاہاں چہ عجب گھر بنوازند گدارا“



عرض مترجم

ثانی زہر اسلام اللہ علیہا کے حالات زندگی زیر عنوان 'علی کی بیٹی' ہدیہ قارئین پیش کئے جاتے ہیں۔ ہم یہ دعویٰ ہرگز ہرگز نہیں کر سکتے کہ یہ مخدومہ کربلا کی سوانح حیات ہے کیونکہ سید الشہداء علیہ السلام کی شریک کار بہن کا مقام اتنا بلند ہے کہ ہم اسے بجا طور پر جلال الدین رومی کے الفاظ میں 'امی سروں از وہم وقال وقیل من' کہہ سکتے ہیں، البتہ اتنی عظیم ہستی کے مقام تاریخ کو بیان کرنے کی ایک کمزور ناتواں سعی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ مخدومہ عالم کے مقام شراکت کربلا کے بارے میں ہم جناب سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کا یہ جملہ کہہ سکتے ہیں کہ جب حسین عازم جہاد ہوئے تو زینب ان کے ساتھ تھیں لیکن جب زینب کا جہاد شروع ہوا تو حسین ان کے ہمراہ نہ تھے۔

اتنی عظیم ہستی کیلئے ہم اپنی اس کمزور کاوش کو ایک سعی ناتواں سے زیادہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ وہ شخصیت ہیں جن کے بغیر تصویر کربلا میں رنگ بھرتے نظر نہیں آتے۔ ہم تو صرف یہ استدعا اپنے قارئین سے کرتے ہیں کہ اس سعی کو ہمارے لئے توشیح آخرت بننے کی دعا فرمائیں۔

اس مرقعہ کی تدوین میں دو قسم کے حضرات نے ہماری استعانت فرمائی ہے جن کے ہم تہ دل سے اس اصول کے تحت شکر گزار ہیں کہ جو شخص اللہ کے بندوں کا شکر یہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتا۔ ان میں پہلی قسم ان حضرات کی ہے جنہوں نے ہمارے مسودہ کو باری باری مطالعہ فرمایا تاکہ اس میں کم سے کم غلطیاں پائی جائیں۔ پھر بھی ہم عرض کریں گے کہ اگر کوئی غلطی قارئین کرام کو نظر آئے تو ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ اس کاوش کے آئندہ ایڈیشن میں اسے دور کر دیا جائے۔ ہم اپنے ان معاونین کی عالی ظرفی کی تعریف کیلئے مناسب الفاظ نہیں پاتے جنہوں نے ہمیں اپنے اسمائے گرامی کے اظہار سے بھی منع فرمایا ہے البتہ ہم اپنے قارئین کیلئے بھی دست بدعا ہیں کہ ان کی مساعی مخدومہ عالم قبول فرمائیں اور یہ قبولیت ان کیلئے توشیح آخرت بن جائے۔ اس مسودہ کا پانچ مرتبہ مطالعہ کیا گیا ہے۔ پھر بھی اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو اس کو ہماری بے بضاعتی اور مخدومہ عالم کی بلندی مقام پر محمول کیا جائے۔

دوسرا طبقہ ان حضرات کا ہے جنہوں نے اس مسودہ کی اشاعت کے لئے ہماری مالی استعانت فرمائی ہے۔ خداوند تعالیٰ

سے درخواست ہے کہ وہ ان سب حضرات کی مساعی کو درجہ قبولیت پر سرفراز فرمائے۔ آمین ثمرہ آمین۔ ہم ان سب حضرات کے تہ دل سے شکر گزار ہیں اور اپنے معزز قارئین سے بھی استدعا کرتے ہیں کہ ہماری اس کاوش کی قبولیت کیلئے دعا فرمائیں۔ شخصیت اتنی عظیم ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس جیسے حضرات جنہیں امام المفسرین کہا جاتا ہے، جب کوئی قول رسولؐ پیش کرتے ہیں اور ان سے اس کی سند دریافت کی جاتی ہے تو یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ اس قول رسولؐ کی ہم سے ہماری عقیدہ نے روایت فرمائی ہے۔ ان کے اس ارشاد کو سب سننے والے قبول کرتے ہیں۔ یہی واقعات اس عظیم ہستی کے سامنے ہماری بے بضاعتی کا ثبوت ہیں۔

ہمیں کامل امید ہے کہ ہماری اس سعی کو قارئین کرام پسند فرمائیں گے۔

احقر

محمد حسین زیدی الباہروی

بسم اللہ پہلی کیشنز، جعفریہ کالونی، بند روڈ، لاہور۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

اهداء

ہدیہ

- ✽ امام شاہد و شہید حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے حضورِ اقدس
 - ✽ بحضورِ شہیدۂ اسلام جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا
 - ✽ بحضورِ سیدہ زینب علیہا السلام جو
 - ✽ پدرِ بزرگوار کے دامنِ ادب کی زینت
 - ✽ والدہ گرامی کے دل کا چین اور نورِ نظر،
 - ✽ پدرِ بزرگوار کی ہم زبان و ہم سخن،
 - ✽ مادرِ عظیم کی ہمراز،
 - ✽ ہستی تارخ ساز،
 - ✽ سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے مشن کی کامیابی کی ذمہ دار،
 - ✽ وہنِ مبارک میں زبانِ علی کی حامل،
 - ✽ حیاتِ اقدس میں قتلِ دو قاری فاطمہ کی ورثہ دار،
 - ✽ جس کے کارناموں پر عقول حیران و ششدر،
 - ✽ جس کی توصیف میں زبانیں عاجز،
- راقم الحروف بھی دیگر توصیف کنندگان کی طرح اس ناچیز ہدیہ کی قبولیت کا آرزو مند ہے۔

مؤلف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک مرتبہ ایک بہت ہی معزز اور قوم کا درد رکھنے والی علم دوست شخصیت سے ملاقات ہوئی کیونکہ وہ ہمیشہ کوئی نہ کوئی علمی خدمت انجام دینے کی فکر میں رہتے ہیں اور اُن کے بعض کام واقعی اُن کی علم دوستی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ میں نے اس ملاقات کے دوران اُن سے حسب معمول دریافت کیا کہ اب اُن کا کیا ارادہ ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اب میں علامہ سید محمد حسین طباطبائی کی مشہور زمانہ تفسیر ”المیزان“ کا اردو ترجمہ کروا رہا ہوں اور جلد ہی وہ ترجمہ آپ کے ہاتھوں میں ہوگا۔ میں یہ سن کر بہت خوش ہوا اور میں نے مترجم کا نام دریافت کیا تو جو نام انہوں نے بتایا، وہ یقیناً عربی زبان پر عبور رکھنے والی شخصیت کا نام تھا لیکن میں جانتا تھا کہ فلسفہ اور بالخصوص، جو علامہ طباطبائی کا خاص موضوع ہے، اس پر اُس ادبی شخصیت کی گرفت نہیں ہے۔ اس لئے میں نے دوبارہ پوچھا کہ وہ صاحب تو فلسفہ پر عبور نہیں رکھتے، پھر ترجمے کا حق کیسے ادا کر پائیں گے؟ اس پر وہ بڑے تعجب سے کہنے لگے: ”اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ انہیں تو عربی سے اردو ترجمہ کرنا ہے اور وہ عربی اور اردو دونوں پر مکمل عبور رکھتے ہیں۔“

پھر میں نے انہیں سمجھایا کہ صرف زبان پر عبور حاصل کر لینا کافی نہیں ہوتا، ترجمے کیلئے ضروری ہے کہ جو آدمی ترجمہ کر رہا ہے، اُس کا بھی اُس موضوع یا شعبہ سے تعلق ہونا چاہئے جس سے متعلق کتاب ہے۔ پھر میں نے انہیں مثال میں دے کر سمجھایا کہ ہر انگلش جاننے والا کیمسٹری یا فزکس اور دیگر موضوعات کی کتابیں، جنہیں اُس نے نہ پڑھا ہو، اُن کتابوں کا ترجمہ کر سکتا ہے۔ میرے دوست کو میری بات کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگی۔ پھر ذرا میں نے تفصیل سے بات کی کہ علامہ طباطبائی بنیادی طور پر فلسفی ہیں۔ لہذا پہلے تو اُن کے بیان کے مزاج اور اصطلاحوں کو، جس انداز میں وہ استعمال کرتے ہیں، وہ سمجھنا ضروری ہے۔ اس کے بعد ہی ترجمہ کا حق ادا ہو سکتا ہے ورنہ اس تفسیر کا بھی وہی حشر ہوگا (ترجمے کے بعد) جو بہت ہی عمدہ تفاسیر اور دیگر کتب کا ہو چکا ہے۔

بعض جگہ مصنف یا مؤلف کے مقصود و مطلوب کے بالکل برخلاف بات ہو جاتی ہے۔ ہاں! بعض ترجمے اتنے عمدہ اور شائستہ ہیں کہ لگتا ہے کہ مصنف یا مؤلف نے اردو ہی میں کتاب لکھی ہے۔ ان عمدہ ترجموں کی پذیرائی اسی سے ہوتی کہ مترجم

مصنف یا مؤلف کے مزاج بیان اور اصطلاحات کے استعمال کو بخوبی جانتا ہے۔

بہر حال میری اس گفتگو کا اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ وہ اُس وقت اپنے ارادے سے منحرف ہو گئے۔ اب جو ایک جہد کا ترجمہ آیا ہے، وہ میری نظر سے نہیں گزرا، اس لئے تبصرہ کا حق بھی نہیں رکھتا۔

اتنی لمبی تمہید باندھنے کا مقصد یہ تھا کہ جناب سید محمد حسین زیدی الباہروی کی شخصیت کا تعارف کرانے میں تسانی ہو جائے۔ جن اہل علم کی نظر سے ڈاکٹر علی قاضی کی کتاب ”زندگانی حضرت زینب سلام اللہ علیہا“ گزری ہے، وہ میری اس بات کی تائید کریں گے کہ اصل نسخہ کو پڑھنے کے بعد جب انسان اُس کتاب کے ترجمہ بعنوان ”علی کی بیٹی“ کا مطالعہ کرتا ہے تو بے ساختہ یہ کہہ اُٹھتا ہے کہ یہ کتاب اردو ہی میں لکھی گئی ہے۔

محمد حسین زیدی الباہروی صاحب نے صرف کتاب کا ترجمہ نہیں کیا بلکہ ہماری علاقائی ضرورتوں اور مشکلات کو سامنے رکھتے ہوئے نہایت جانفشانی سے وضاحتیں اور حاشیہ جات رقم فرمائے ہیں اور اصل کتاب میں جہاں حوالہ نہیں تھا، اُس جگہ ترجمہ میں حوالہ درج کر کے اردو کے قارئین کیلئے ایک عظیم خدمت انجام دی ہے۔

ترجمہ میں اتنی روانی ہے کہ پڑھنے والا کتاب میں کھو جاتا ہے اور وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں کرتا۔ جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا کہ کتاب کے مترجم کیلئے خود اُس کے رجحانات بہت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں اور محمد حسین زیدی الباہروی کی تاریخ کے موضوع سے دلچسپی اور تاریخ کا گہرا مطالعہ اصل کتاب کے اسلوب سے مطابقت رکھتا ہے۔

صرف ”علی کی بیٹی“ نہیں، محمد حسین زیدی صاحب کی دیگر کاوشیں بھی میری نظر سے گزری ہیں، وہ اب ہمارے درمیان نہیں رہے مگر جو خدمت وہ انجام دے کر گئے ہیں، وہ انہیں ہمیشہ زندہ رکھے گی۔ اب اُن کے نیک اور صالح وارثوں نے اُن کے کام کو سنبھالا ہے اور اس کام کو آگے بڑھانے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ میری دُعا ہے کہ دین کی خدمت کا یہ جذبہ اُن کے وارثوں میں اسی طرح، بلکہ اس سے بھی زیادہ برقرار رہے اور محمد حسین زیدی صاحب کی رُوح کو اُن کے وارثوں کے عمل سے ہمیشہ خوشی ملے۔ خدا ہم سب کو مذہبِ حقہ کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

والسلام

سید حسن ظفر نقوی

03 اکتوبر 2007ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاریخ اسلام ہی نہیں بلکہ تاریخ انسانیت میں جن شخصیتوں کے منفرد ممتاز اور اعلیٰ و پاکیزہ کردار کا تذکرہ اپنی روحانی آب و تاب کے ساتھ دلوں میں روشنی اور ذہنوں میں تازگی بکھیرتا ہے، اُن میں ایک معتبر ترین نام شیر خدا کی شیر دل بیٹی حضرت زینب بنت علی بن ابی طالبؑ کا ہے جنہوں نے دامنِ امامت و آغوشِ عصمت میں آنکھ کھولی۔ دبستانِ عظمت میں علم و معرفت کی متاعِ فکر و عمل پائی اور دینِ خداوندی و شریعتِ محمدیؐ کی بقا و دوام کو یقینی بنانے میں علوی شجاعت و فاطمی شہامت کے ایسے درخشندہ و تابندہ اور پائندہ مظاہرے دکھائے جو رہتی دنیا تک آنے والی نسلوں اور عاشقانِ حق و حقیقت اور ہر وہ راہِ صداقت کیلئے مشعلِ راہ و چراغِ منزل ہیں۔

وہ بی بی جس کی رگوں میں علیؑ و فاطمہؑ کے لہو کی گرمی ہو، جس کی آنکھوں میں رسالت کا نور، کانوں میں امامت کی صدا اور زبان پر ذکرِ خدا ہو، یقیناً ایسے باپ کی زینت، ماں کی عزت اور دین کی دولت ہی کہا جائے گا۔ جس کی زندگی کے پاکیزہ سفر کا پہلا مرحلہ مودت کی عظمتوں اور بندگی پروردگار کی رفعتوں کا امین ہو، وہ یقیناً عصمتِ صغریٰ کی مقدس صفت کی حامل اور عالمہِ غیر معلّمہ ہونے کے خدائی اعزاز کی حقدار و پاسدار ہوگی۔

اس ہستی کی حیاتِ طیبہ کے فرازوں کی تصویر کشی محال و ناممکن نہ سہی مگر آسان و معمولی اور ہر کس و نہ کس کا کام بھی نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس مقصد کیلئے باطنی و روحانی پاکیزگی، فکری و اعتقادی پختگی، علمی و ادبی بلندی اور ان سب سے بڑھ کر یا ان سب سے پہلے اور ان کے ساتھ ساتھ خدائی توفیق کی نعمت سے بہرہ مندی بنیادی و اصولی شرط اور لازمی و ناقابلِ انکار رکن و اساس ہے۔ جن خوش نصیبوں کو یہ سب نعمتیں حاصل ہوئیں اور انہوں نے ان نعمتوں کی قدر دانی و عملی شکرگزاری کی توفیق بھی پائی، ان میں ایک نام بلکہ مقبول بارگاہ نام جنابِ مستطاب، دانش مندرگرامی قدر سید محمد حسین زیدی نور اللہ مرقدہ کا ہے جنہوں نے پوری زندگی خدمتِ دین و نشرِ معارفِ ائمہِ معصومین علیہم السلام کی خاطر وقف کر رکھی تھی۔ ان کی متعدد علمی کاوشوں اور تحریری آثار میں نمایاں بلکہ نہایت آشکار و شاہکار وہ عظیم و ضخیم کتاب ہے جس کا کعبہ بحث اور قبلہ موضوع علیؑ کی بیٹی یعنی حضرت زینب سلام اللہ علیہا ہیں۔

زیدی صاحب مرحوم نے اس سلسلہ میں جس غیر معمولی انہماک و التفات اور ہمت و استقامت سے کام لیا، اس کا ثبوت کسی بیان و وضاحت کا محتاج نہیں بلکہ کتاب کا ہر قاری زبانی و عملی طور پر اس کا معترف نظر آتا ہے۔ یہ کتاب تالیف و ترجمہ اور تحقیق و حواشی کے حسین امتزاج کا خوبصورت نمونہ ہے اور تاریخ کے پس منظر و پیش منظر نامہ کی صورت میں گفتہ و نہ گفتہ حقائق کا ایسا منفرد مجموعہ ہے جس کی روشنی راہِ حق کے ہر راہی کو نشانِ منزل دکھاتی ہے اور تاریخ کے بھولے بھٹکے مسافر کو اس کی مطلوبہ راہ پر لا کھڑا کرتی ہے۔

مجھے اُمید ہے کہ زیدی صاحب کی یہ مخلصانہ کوشش اور مؤمنانہ کاوش جناب سیدہ کی بارگاہ میں شرفِ قبولیت پائے گی اور ان کیلئے بہترین زادِ راہ قرار پائے گی۔ مرحوم زیدی صاحب کے فرزندِ انِ نیک نام اس عقیدتی و عبادتی عمل کو باقی اور جاری و ساری رکھنے میں لائقِ تحسین اور ہماری دُعاؤں کے حقدار ہیں۔ خداوندِ عالم ”علی کی بیٹی“ کے صدقہ میں ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے، آمین۔

العبد

حسن رضا غدیری

21.08.20007

لندن۔



آہ! سَیِّدُ مُحَمَّدٍ حَسَنِ حُسَيْنِ زَيْنِی!

سید محمد حسین زیدی جو بلاشبہ ملت جعفریہ کا گرانقدر سرمایہ تھے، شب نیمہ شعبان (12 نومبر 2000ء) 12 بجہ 40 منٹ پر رات کو اس دیرفانی سے دایر بقا کی طرف رحلت کر گئے (إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ)۔ مرحوم جون 1923ء میں ایک خالص مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت کے مراحل مکمل کرنے کے بعد سرکاری ملازمت سے منسلک ہو گئے اور 1983ء میں ایڈمنسٹریٹو آفیسر کے عہدے سے محکمہ انہار سے ریٹائر ہوئے۔ انہیں اردو، انگریزی اور فارسی زبانوں پر گہری دسترس حاصل تھی اور اسلامی تاریخ پر اُن کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ اردو اور انگریزی تحریر میں بھی انہیں کمال حاصل تھا اور وہ ایک فصیح البیان مقرر بھی تھے۔ انہوں نے متعدد کتب کا فارسی سے اردو اور انگریزی میں ترجمہ کیا جن میں زندگانی امام حسین علیہ السلام اور زندگانی حضرت زینب سلام اللہ علیہا خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آخر الذکر کتاب ”علی کی بیٹی“ کے نام سے شائع ہو چکی ہے جس کا دوسرا ایڈیشن اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اردو زبان میں حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے بارے میں اس سے بہتر کوئی کتاب موجود نہیں ہے۔ مصباح القرآن کی طرف سے شائع شدہ اکثر کتب کی اصلاح بھی انہی کے قلم سے ہوئی ہے اور آیت اللہ جعفر سبحانی کی تفسیر موضوعی ”منشور جاوید قرآن“ کی دو جلدوں کا ترجمہ بھی انہوں نے ہی کیا ہے۔

چونکہ مرحوم عام معنی میں عالم یا مولانا کے طور پر معروف نہ تھے، لہذا عوامی سطح پر ان کی شخصیت کو شہرت نہ مل سکی لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ علمی لحاظ سے اُن کی شخصیت ایسی تھی کہ بہت سے جانے پہچانے علماء بھی ان کے سامنے کوتاہ قد دھاک دیتے تھے۔ وہ انتہائی خلیق، ملنسار، متواضع، مخلص اور صاحب تقویٰ انسان تھے۔

اُن کی وفات ملت کیلئے ایک ناقابل تلافی نقصان اور اُن کے اہل خانہ، دیگر اقارب اور دوستوں کیلئے ایک بڑا صدمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے درجات کو بلند فرمائے اور انہیں جو آرامہ معصومین علیہم السلام میں قیام رافع عطا فرمائے، (آمین)۔

فرزندان

اکتوبر 2007ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ کتاب

حق و باطل کی کشمکش اتنی ہی قدیم ہے جتنا خود انسان۔ قایمیل کے ہاتھوں ہابیل کا قتل، اقوامِ نوح و عدوِ ثمود کا اپنے اپنے قائدین کے خلاف برسرِ پیکار ہونا، طالوت و جالوت کی جنگ، بنی اسرائیل کی موسیٰ و ہارون سے مسلسل مخالفت، نمرود و ابراہیمؑ کے واقعات، حضرت یوسفؑ سے برادرانِ یوسف کا حسد، حضراتِ عیسیٰؑ و زکریاؑ کی پر بنی اسرائیل کے مظالم، وغیرہ سب حق و باطل کی طویل کشمکش کے مظہر ہیں۔ یہ تمام واقعات جہاں استقلالِ حق کو ثابت کرتے ہیں وہیں باطل کے رنگ بدل بدل کر حق کے خلاف نبرد آزما ہونے میں باطل کی فطرت کے مظہر بھی ہیں۔ یہ کشمکش فرمانِ خداوندی ”جاء الحق و زهق الباطل ان الباطل كان زهوقاً“ کے عملی نفاذ تک جاری رہے گی۔

حق و باطل کی اس طویل جنگ میں اُن واقعات کا ذکر بھی ناگزیر ہے جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد مسلمان حکومتوں میں پیش آتے رہے اور جن کا نتیجہ صریح بلکہ منطقی نتیجہ (Corollary) واقعہ کر بلا کی صورت میں صفحاتِ تاریخ پر ابھرا۔ یہ واقعہ دنیا میں تاریخِ انسانیت کے واقعات کے درمیان نہایت جلی الفاظ میں نظر آتا ہے اور اس کے متعلق دنیا کی مختلف زبانوں میں اور مختلف اوقات میں بہت کچھ معروضِ تحریر میں آچکا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مسلمان حکومتوں کے اربابِ اختیار نے اپنے اختیار کا ہر طریقہ استعمال کرتے ہوئے اس عظیم و حیرت انگیز واقعہ کو اپنے اپنے مفادات کے مطابق ڈھالنے کی ہر زمانہ میں کوشش کی ہے۔ اس کے باوجود اس واقعہ کے بنیادی کردار اتنے عظیم ہیں کہ ان کا ذکر کسی طرح لوحِ تخیل سے نہ مٹایا جاسکا ہے اور نہ ہی کسی طرح اسے فراموش کرنا ممکن ہوا ہے، اس لئے کہ عالمِ انسانیت کے عقلمند ترین انسانوں نے ان کے وجود کو بنی نوعِ انسان کے لئے ایک متاعِ بے بہا کے طور پر تسلیم کیا ہے۔

ہم اس سلسلہ میں اپنی بے بضاعتی و کم علمی کا اعتراف کرتے ہوئے جنابِ ثانی زہرا، حضرت زینبؑ کبریٰ، امیر المؤمنین

حضرت علی علیہ السلام کی بڑی صاحبزادی، عقیلۃ القریش، عالمہ غیر معلمہ، شریکۃ الحسینؑ، انقلاب کردہ کی روح رواں، سید الشہداء کے مشن کی سرچشمہ تکمیل، کی حیات اقدس کے حالات کو سپردِ قلم کرنے کی جسارت کر رہے ہیں کہ بہت ممکن ہے یہ سعی ہماری بخشش کا بہانہ بن جائے، ورنہ آپؑ کے مقامِ عالی کے بارے میں صرف یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ جب زینتِ دہ منبر سلوئی کی نورِ نظر نے دوشِ شتر کے منبر سے خطاب شروع فرمایا تو عرب کے عربی دان حیران و پریشان ہو کر یہ سمجھنے پر مجبور ہو گئے کہ خود علیؑ خطاب فرما رہے ہیں۔

یہ کہنا عین مطابق واقعہ ہو گا کہ اسلام نے ہماری مہدومہ ہی کے خانہ اقدس میں جنم لیا تھا۔ جن لوگوں کے سامنے اسلام کے عالم گیر تخیل کو پیش کیا گیا تھا، وہ ایک آزاد قوم کے آزاد افراد تھے، ایسے آزاد کہ ہر فرد کسی قیمت پر اپنی انفرادیت سے الگ ہونے کو کسی طرح تیار نہ تھا۔ اس سلسلہ میں ایڈورڈ گھن کی کتاب Decline and Fall of Roman Empire سے کچھ اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جو ایک غیر جانبدار مؤرخ ہے۔ عرب کی آزاد انفرادیت کے بارے میں یہ مؤرخ اس طرح رقمطراز ہے:

"The slaves of domestic tyranny may vainly exult in their national independence; but the Arab is personally free, and he enjoys in some degree, the benefits of society, without forfeiting the prerogatives of nature". page 216, Vol: V, (Everymen's Library Edition).

”داخلی استبداد کے غلام ممکن ہے اپنی قومی آزادی کے تخیل پر بلاوجہ اتراتے ہوں، لیکن عرب شخصی و انفرادی طور پر بالکل آزاد ہے اور وہ کسی حد تک معاشرہ کے جملہ فوائد سے، کسی قسم کی پاداش کے بغیر، اپنے فطری استحقاق سے بہرہ مند ہونے کا حقدار ہے۔“

یہ وہ لوگ تھے جن کے لئے اپنے امراء و حکمرانوں کے اختیارات کے استعمال میں ذرا سی بے اعتدالی بھی ناقابلِ برداشت تھی۔ جہاں کہیں ان کی آزادی خیال سے کوئی بات ٹکراتی، وہ فوراً پوری جماعت سے علیحدگی کا اعلان کرنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتے۔ چنانچہ یہی مؤرخ آگے چل کر لکھتا ہے:

"If the Arabian princes abuse their power, they are quickly punished by the desertion of their subjects, who had been accustomed to a mild and parental jurisdiction. Their spirit is free, their steps are unconfined,

the desert is open, and the tribes and families are held together by a mutual and voluntary compact.....

In the more simple state of the Arabs, the nation is free, because each of her sons disdains a base submission to the will of a master. His breast is fortified with the austere virtues of courage, patience and sobriety; the love of independence prompts him to exercise the habits of self-command; and the fear of dishonour guards him from the meaner apprehension of pain, of danger and death. The gravity and firmness of the mind is auspicious in his outward demeanour; his speech is slow, weighty and concise; he is seldom provoked to laughter; his only gesture is that of stroking his beard, the venerable symbol of manhood; and the sense of his own importance teaches him to accost his equals without levity, and his superiors without awe __p.p. 217-218.

”اگر عرب حکمران اپنے اختیار کا غلط استعمال کریں تو رعایا کی علیحدگی کی صورت میں جلد ہی انہیں سزا مل جاتی ہے جو ایک معتدل اور شفیق و حلیم آبائی دائرۂ اختیار کے زیر اثر رہنے کے عادی ہوتے ہیں۔ ان کی روح آزاد، آمدورفت غیر محدود، صحرا کشادہ و منصف، جس میں قبائل اور خاندان آپس میں مشترکہ طور پر باہمی رضا کارانہ عہد و پیمان کے ذریعہ منسلک ہوتے ہیں۔

”عربوں کے بارے میں سہل تر زبان میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک آزاد قوم ہے کیونکہ اس قوم کا ہر فرد امیر قوم کی غلامانہ ماتحتی سے نفرت کرتا ہے۔ اس کا سینہ و قلب شجاعت، صبر اور شکیبائی جیسی عمدہ صفات سے معمور ہوتا ہے، آزادیِ خیال کی محبت اس کو ذاتی جرأت پر ابھارتی ہے جس کا وہ فطری طور پر عادی ہوتا ہے، بے حرمتی کا خوف اس کو تکلیف کے سمایہ احساس، دیگر خطرات اور موت کے ڈر سے دور رکھتا ہے۔ اس کے خارجی طور و طریق اس کی ذہنی و اخلاقی چٹنگی و متانت کے مظہر ہوتے ہیں۔

اس کی شگفتہ آہستہ، وزن دار اور مختصر و بامعنی ہوتی ہے۔ وہ ہتھیار لگانے پر کم ہی ترغیب پاتا ہے۔ اس کا واحد اظہار جذبات دائرہ ہی پر ہاتھ پھیرنا ہوتا ہے جو ایک باعزت مردانگی کی علامت ہوتی ہے۔ اس کی ذاتی اہمیت اس بات کی متقاضی ہوتی ہے کہ وہ اپنے برابر والوں کے سامنے کبھی اونچے پن کا مظاہرہ نہیں کرتا اور نہ ہی اپنے سے بڑوں کی طرف سے خوفزدہ ہوتا ہے“ (ص ۲۱۷، ۲۱۸، ج ۵)۔

ایسی آزاد قوم کے سامنے، جس کے افراد کا تصور آزادی تمام دنیا سے مختلف تھا، اسلام کو پیش کیا گیا اور یہ اسلام و رسول

اسلام کا عظیم ترین معجزہ ہے کہ آزادی کے اپنے انفرادی تخیل کو صدیوں سے اپنے دلوں میں پالنے والی یہ قوم ایک خدا کی بندگی اور ایک نبی کی اطاعت پر مرکب ہو گئی، جیسا کہ یہی فاضل مؤرخ رقمطراز ہے:

"It is not the propagation, but the permanency of his religion, that deserves our wonder: the same pure and perfect impression which he engraved at Mecca and Madina is preserved, after the revolution of twelve centuries, by the Indian, the African and the Turkish proselytes of the Koran....."

" 'I believe in one God, and Mohammad the apostle of God' is the simple and invariable profession of Islam. The intellectual image of the Deity has never been degraded by any visible idol; the honours of the prophet have never transgressed the measure of human virtue; and his living precepts have restrained the gratitude of his disciples within the bounds of reason and religion....."

"From the Atlantic to the Gauges the Koran is acknowledged as the fundamental code, not only of theology but of civil and criminal jurisprudence; and the laws of which regulate the actions and the property of mankind are guarded by the infallible and immutable sanction of the will of God. p.p. 290-292 (Vol: V).

”ہماری حیرت اس کے دین کی صرف توسیع ہی کی نہیں بلکہ اس کے استقلال و استحکام کی مستحق ہے؛ وہی پاکیزہ اور مکمل نقش جو اس نے مکہ اور مدینہ کی سرزمینوں پر قائم کیا تھا، بارہ طویل صدیوں کے انقلابات کے بعد آج بھی ہندی، افریقی اور قرآن کے ترکی جدید الایمان افراد کے قلوب پر اسی طرح مستقل طور پر قائم ہے.....“

”میں ایک خدا پر ایمان رکھتا ہوں اور محمد اللہ کے رسول ہوں، اسلام کا بالکل سہل اور مستقل کلمہ ہے۔ معبود کا اپنی تصور کبھی کسی نظر آنے والے بت کی موجودگی نے کم نہیں کیا، رسول کی عظمت نے کبھی اقدار انسانیت کی خلاف ورزی نہیں کی اور اس کے زندگی کے امور نے اس کے ماننے والوں اور پیروان کے مقام شکر کو کبھی عقل و دین کی حدود سے باہر نہیں نکلنے دیا.....“

”بحر اوقیانوس سے لے کر گنگا کی وادی تک قرآن کو نہ صرف بنیادی آئین کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے بلکہ ضروریات دین و دیوانی اور فوجداری مقدمات کے فیصلوں کیلئے اور تمام قوانین عمل و وراثت کیلئے، قرآن کو ہر حالت میں حکم آخر اور غیر متغیر

قانون پروردگار تسلیم کیا جاتا ہے۔“ (ص: ۲۹۰-۲۹۲، ج ۵)۔

اسلام کی یہ حیات مستقل نواسہ رسول خدا سید الشہداء علیہ السلام کی مرہون منت ہے کیونکہ وقت کا حکم تو برہم کہہ رہا تھا کہ بنی ہاشم نے نبوت کا ایک کھیل کھیلا تھا ورنہ ان پر نہ کوئی وحی نازل ہوتی تھی، نہ فرشتے آتے تھے۔ نیز یہ کہ کاش کشتگان بدر و احد آج زندہ ہوتے تو دیکھتے کہ میں نے بنی ہاشم سے ان کا بدلہ لے لیا۔

لیکن ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں، بلکہ دنیا کا ہر ذی شعور انسان کر بلا کے خونین واقعات کا مطالعہ کر کے تسیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حسینؑ مظلوم کے اس عظیم کارنامہ میں ثانی زہرا برابر کی شریک ہیں۔ جس طرح بھائی بقائے اسلام کا ذمہ دار ہے، جس طرح بھائی کے خون ناحق کی لہروں نے باطل کی حشر سامانیوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مٹا کر رکھ دیا، اسی طرح بہن کے کردار و مظلومیت نے حسینیت کو حیات دوام دے کر دم لیا۔ پس جس طرح اسلام حسینؑ سے زندہ ہے، اسی طرح حسینیت نہبؑ سے زندہ ہے۔ ناممکن ہے کہ حسینؑ کا ذکر ہو اور اس کے ساتھ نہبؑ کا ذکر نہ ہو۔ لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ جس طرح اسلام کیلئے ذکر حسینؑ ناگزیر ہے، اسی طرح تذکرہ نہبؑ کے بغیر تصور اسلام میں رنگ بھرنا ممکن نہیں۔ اسی لئے آج دنیا یہ کہنے پر مجبور ہے:

سلام عصمت زہراؑ کی ورثہ دار سلام سلام جرأت حیدرؑ کی یادگار سلام

سلام سبط نبیؑ کی شریک کار سلام سلام مملکت غم کی تاجدار سلام

وقار مریمؑ و حواؑ سلام ہو تجھ پر

سلام ثانی زہراؑ ہو تجھ پر

گواہ ہے تری ہمت پہ کر بلا کی زمیں امام وقت کو کی تو نے صبر کی تلقین

بجھا کے شمع تمنا جلا کے شمع یقین لٹا کے اپنی کمائی بچا کے دولت دین

سکون و صبر کی اک کائنات لے کے چلی

اجل کی گود سے نکلی حیات لے کے چلی

نفس نفس میں مقاصد کی عظمتوں کا خیال قدم قدم پہ بھیجے کی زندگی کا سوال

کھلے جو بال تو بکھرا حسینیت کا جمال ردا چھنی تو بڑھا عصمتوں کا اور جلال

نقیب فتح شہر مشرقین بن کے اٹھی

نہ تھے حسینؑ تو نہبؑ حسین بن کے اٹھی

اپنی مخدومہ کی تاریخ حیات کو کسی قسم کے مناظرہ یا اختلاف فکر میں ملوث کرنا اس عظیم ہستی کی توہین ہوگی، تاہم ان حالات کو بلاکم و کاست اور بلا تبصرہ بیان کرنا ایک اخلاقی مجبوری ہے جو وصالِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صرف پچاس برس بعد، جو تاریخی اعتبار سے چند لمحوں سے زیادہ عرصہ نہیں بنتا، رسول اکرم کی پیاری بیٹی کی اولاد پر اس قدر سنگین و گراں گزر گئے کہ اس کے بیٹوں کو بیدردی سے تیر و شمشیر کا تختہ مشق بنا کر ان کی لاشوں پر گھوڑے دوڑا دیئے گئے اور اس کی بیٹیوں کی اسیری و در بدری کے باعث بنے۔ یہ سب کچھ کرنے والے اسی رسول اعظم کا کلمہ پڑھنے والے تھے، جو حافظ قرآن بھی تھے، نماز گزار بھی تھے، کہہ رہے تھے کہ حسین کو جلدی قتل کرو مبادا کہ نماز عصر قضا ہو جائے۔ اسی کو معین الدین چشتی نے اپنے الفاظ میں اس طرح پیش کیا ہے:

سنگیں دلاں کہ سبطِ نبی را بہ کیس کشند دعوائے دیس کنند و خداوند دیس کشند

قرآن کنند حفظ و ظہ کنند بہ تیغ یسین کنند حرز و امام مبین کشند

لہذا واقعات سے نتائج کا اخذ کرنا قاریانِ کرام کا کام ہے، ہمارا مقصد تو صرف اُس عظیم الشان کردار کو سامنے لانا ہے جس کی وجہ سے آج بھی حسینیت زندہ ہے، انسانیت زندہ ہے، شرافت زندہ ہے، خدا اور رسول کا نام زندہ ہے، حتیٰ کہ اسلام زندہ ہے۔

ہمارا ہدف کر بلا کی ہمہ گیر و بے مثال المیہ کے اس انتہائی اندوہناک حصہ کی وضاحت ہے جس کا تعلق مولائے کائنات حضرت علی کی نورِ نظر اور سیدۃ النساء العالمین جنابِ زہرا کی لختِ جگر سے ہے۔ ہمیں اُس بے سرو سامانی سے متعلق حقائق کو بے نقاب کرنا ہوگا جن کے باعث ثانی زہرا کر بلا کے لئے ہوئے قافلہ کی کر بلا سے کوفہ، کوفہ سے دمشق اور پھر دمشق سے مدینہ تک کی در بدری کی قاعدہ نظر آتی ہیں۔ ہمیں ان حالات کا تجزیہ کرنا ہوگا جن نے بنی امیہ کے لئے، جو بدترین دشمنانِ رسول اسلام تھے، حکومتِ اسلام کے تمام راستے ہموار ہوتے گئے، یہ لوگ فتح مکہ میں غلامی سے آزاد ہو کر اتنی طاقت و قوت پکڑ گئے کہ ان کے گستاخ ہاتھ اولادِ رسول ہاشمی کی گردنوں تک بڑھ آئے۔

ہم ایک بار پھر اپنے قارئین کی توجہ اُسی متعصب مؤرخ ایڈورڈ گین کی طرف مبذول کرواتے ہیں جس کی تحریر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نبی کے پیاروں پر جو مظالم روا رکھے گئے، عیسائی و دیگر غیر مسلم دنیا بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

"The persecutors of Mohammad usurped the inheritances of his children; and the champions of idolatry became the supreme heads of his religion and empire. The opposition of Abu Sophian had been fierce and obstinate; his conversion was tardy and reluctant; his new faith was fortified by necessity and interest; he served, he fought, perhaps he believed; and the sins of the time of ignorance were expiated by the recent merits of the family of Ommiyah. Moawiyah, the son of Abu Sophian, and of the cruel Hinda, was dignified in his early youth with the office or title of secretary of the prophet; the judgement of Omar intrusted him with the government of Syria; and he administered that important province above forty years, either in a subordinate or supreme rank". (Decline & Fall of Roman Empire, by Edward Gibbon, page 285, Vol: V, Everyman's Library Edition).

”(حضرت) محمدؐ پر ظلم کرنے والوں نے ان کی اولاد کی وراثت کو غصب کر لیا، اور بت پرستی کے ماہرین ان کے دین اور سلطنت کے سربراہ بن بیٹھے۔ ابوسفیان کی مخالفت ظالمانہ اور متردد واقع ہوئی تھی۔ اس کا قبول اسلام بہ تعویق اور بہ اکراہ تھا، اس کا نیا دین اس کی ضرورت اور طمع کی پیداوار تھا۔ اس نے جنگیں کیں، خدمتِ خلق بھی کی، شاید ایمان بھی لیا اور اس کے خیال میں بنی امیہ کی تازہ اقتدار نے اس کے جاہلیت کے گناہوں کا کفارہ بھی کر دیا ہو۔ ابوسفیان اور ظالم و بے رحم ہندہ کے بیٹے امیر معاویہ نے اپنے عفو و انصاف میں کاتبِ وحی ہونے کا اعزاز بھی حاصل کیا، حضرت عمرؓ کے عدل نے اسے شام کی حکومت کے لئے بھی اعتماد میں لیا، اس نے شام کے اہم صوبہ پر چالیس سال سے کچھ زیادہ عرصہ حکمرانی کی جس میں ماتحتی اور سرداری دونوں کیفیات شامل تھیں۔“

ملاحظہ فرمائیے! اس مستشرق مؤرخ کا تخیل، جس کی بنیاد اسلام کے مختلف فرقوں کے باہمی تعصب پر نہیں بلکہ قطعاً غیر جانبدارانہ احساس پر ہو سکتی ہے، کس قدر حقیقت کے قریب ہے۔ اگر ہم یہ کہیں تو فطرت کے عین مطابق ہوگا کہ ابوسفیان اور ہندہ نے جب دیکھا ہوگا کہ دنیوی اقتدار بنی ہاشم سے ہٹ کر دیگر قبائل کے افراد میں منتقل ہو سکتا ہے، بلکہ ہو گیا ہے تو یقیناً ابوسفیان نے بھی حصولِ اقتدار کا خواب ضرور دیکھا ہوگا اور اس کی اولاد و افراد قبیلہ نے عرب کی وحشت ناک اور کینہ پرور حسرت کے زیر اثر بنی ہاشم سے بدرواؤد کے کشندگان کے انتقام لینے کے لئے کیا کیا ارمان نہ کئے ہوں گے! ہم اس سلسلہ میں جنس

امیر علی مرحوم کی مشہور زمانہ کتاب "Spirit of Islam" سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔ فاضل مؤلف حضرت امام حسن علیہ السلام کی امیر معاویہ کے ساتھ صلح اور خلافت سے عارضی دستبرداری کے بعد رقم طراز ہے:

"But the Ommeyyade's animosity pursued him even there (in Madina), and before many months were over he (Imam Hasan A.H.) was poisoned to death. The star of Hind's son was now in the ascendance, and Abu Sufian's ambition to become the king of Mecca was fulfilled on a grander scale by Mu'awiyah. Thus was the son of two most implacable foes of the Prophet, by the strangest freak of the fortune recorded in history, seated on the throne of the Caliphs. Lest it be considered our estimate of Mu'awiyah's character is actuated by prejudice, we give the words of a historian who cannot be accused of bias in favour of either side. 'Astute, unscrupulous, and pitiless, says Osborn, 'the first Khalifa of the Ommayas shrank from no crime necessary to secure his position. Murder was his accustomed mode of removing a formidable opponent. The grandson of the Prophet he caused to be poisoned; Malek-al-Ashtar, the heroic lieutenant of Ali was destroyed in a like way. To secure the succession of his son Yazid, Mu'wiyah hesitated not to break the word he had pledged to Husain, the surviving son of Ali. And yet this cool, calculating, thoroughly atheistic Arab ruled over the regions of Islam, and the sceptre remained among his descendants for the space of nearly one hundred and twenty years. The explanation of this anomaly is to be found in two circumstances, to which I have more than once averted. The one is, that the truly devout and earnest Mohammadan conceived that he manifested his religion most effectually by withdrawing himself from the affairs of the world. The other is the tribal spirit of Arabs.'

"(Spirit of Islam, page-299).

”لیکن بنی امیہ کے عناد نے وہاں (مدینہ میں) بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا اور چند ماہ کے بعد ہی انہیں (امام حسن کو) زہر سے شہید کر دیا گیا۔ ہند کے بیٹے کا ستارہ اقبال اب عروج پر تھا اور ابوسفیان کی مکہ پر حکمرانی کی امنگ اب امیر معاویہ کے ذریعہ

بلند تر پیمانہ پر پوری ہو گئی۔ اس طرح رسول اسلام کے دو بدترین و سنگین ترین دشمنوں کا بیٹا، تقدیر کی عجیب ترین ستم ظریفی کے ذریعہ، جس کا کوئی اور نمونہ تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے، تحت خلافت پر متمکن ہو گیا۔ مبادا کہ امیر معاویہ کے کردار کے بارے میں ہمیں کسی تعصب کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے، ہم ایک ایسے مورخ کے الفاظ پیش کئے دیتے ہیں جس کو طرفین میں کسی کے خلاف کسی طرح کے تعصب کا الزام نہیں دیا جاسکتا۔

مورخ Osborn لکھتا ہے: "نبی امیہ کا عیار بے باک و بے رحم پہلا خلیفہ اپنی حکومت کو پختہ و مضبوط کرنے کی خاطر کسی قسم کے جرم کرنے میں کوئی کمزوری نہ دکھاتا تھا۔ اپنے کسی خوفناک دشمن کو راستہ سے ہٹانے کے لئے دشمن کو قتل کروا دینا اس کا قطعی معمول تھا۔ نواسہ رسول کو اس نے زہر سے شہید کروایا؛ مالک اشتر کو جو حضرت علی علیہ السلام کے دست راست کی حیثیت رکھتے تھے، اسی طرح راستہ سے ہٹایا گیا۔ اپنے بیٹے یزید (لع) کی جانشینی کی خاطر امیر معاویہ نے ام حسین علیہ السلام کے ساتھ کئے گئے معاہدہ کو توڑ ڈالنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی، جو اب حضرت علی علیہ السلام کے وارث صاحبزادے تھے۔ اس کے باوجود اس سنگدل اور خود غرض اور مکمل طور پر ملحد عرب نے بلاد اسلام پر مطلق طور پر حکمرانی کی اور اس کے جانشین تقریباً ایک سو بیس سال تک اقتدار پر ہر طرح قابض رہے۔ اس بے قاعدگی کی وجوہات دو باتوں میں پائی جاتی ہیں جن کی طرف میں ایک سے زیادہ مرتبہ اشارہ کر چکا ہوں۔ ایک بات تو یہ ہے کہ ایک سچا و پاکباز مسلمان یہ عقیدہ رکھنے لگا تھا کہ اس کا دین صحیح معنی میں دینی مقلبات سے واضح طور پر الگ رہنے میں ہی مضمر ہے جبکہ دوسری کیفیت کا تعلق عربوں کی قبائلی ذہنیت سے ہے....."۔ (سپرٹ آف اسلام، ص ۲۹۹)۔

یہی مورخ و دانشور آگے چل کر لکھتے ہیں:

"With the rise of Mu'awiyah the oligarchical rule of the heathen times displaced the democratic rule of Islam. Paganism, with all its attendant depravity, revived, and vice and immorality followed everywhere in the wake of Ommeyyade governors and the Syrian soldiery. Hijaz and Irak groaned under the usurper's rule; but his hold on the throat of Islam was too strong to be shaken off with impunity. The wealth which he pitilessly extracted from his subjects, he lavished on his mercenaries, who in return helped him to repress all murmurings. Before his death, he convened the chief officers of his army and made them take the oath of fealty to his

son Yazid, whom he had designated as his successor to the throne. This was Yazid's title to Caliphate! On Mu'awiyah's death, the Domitian of the house of Ommeyya ascended the throne founded by his father on fraud and treachery. As cruel and treacherous as Mu'awiyah, he did not, like his father, possess the capacity to clothe his cruelties in the guise of policy. His depraved nature knew no pity or justice. He killed and tortured for the pleasure he derived from human suffering. Addicted to the grossest of vices, his boon companions were the most abandoned of both sexes. Such was the Caliph____the Commander of the Faithful"____ p.p. 299-300.

”امیر معاویہ کے اقتدار حاصل کر لینے سے زمانہ جاہلیت کے اقتدار امراء کے رواج نے ایک بار پھر اسلام کے جمہوری طرز حکومت کی جگہ لے لی۔ کفر نے فسق و فجور کی قوت کے ساتھ دوبارہ زندگی پالی۔ علیٰ ہذا القیاس بنی امیہ کے عاموں اور فوج نے ہر طرح کے عیوب اور بد اخلاقیوں کی جگہ پالی۔ حجاز اور عراق غاصب حکمران کے تحت نالہ و فریاد کرنے لگے۔ لیکن اسلام کی گردن پر اس کا شکنجہ اس قدر شدید تھا کہ کسی قسم کا خوف اس پر غالب نہ آ سکتا تھا۔ وہ اپنی رعایا سے نہایت بے رحمی سے دوست و صلہ کر کے اپنے خود غرض خوشامدیوں پر لٹاتا جو اس کے عوض ہر قسم کی احتجاجی آواز کو دبانے میں اس کے معاون تھے۔ اپنی موت سے پہلے اس نے اپنے سالاران فوج کو جمع کیا اور ان سے اپنے بیٹے یزید کے لئے بیعت لی جسے اُس نے تحت خلافت کے لئے اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ اس عمل کو آپ یزید کے لئے حق خلافت تصور کریں۔ لہذا امیر معاویہ کی موت پر بنی امیہ کا یہ عیاش شہزادہ اس تخت پر متمکن ہوا جسے اس کے باپ نے غاصبانہ عیاری اور بغاوت سے حاصل کیا تھا۔ اگرچہ وہ غداری اور ظلم میں امیر معاویہ کے بالکل ہم پلہ تھا، تاہم اپنے باپ کی اس قوت کا مالک نہ تھا جس سے وہ اپنے مظالم و حکمت عملی کے پردہ میں چھپا لیتا تھا۔ وہ انسانوں کو اذیت دینے کی مسرت سے صرف لطف اندوز ہونے کی خاطر لوگوں کو قتل کرتا اور دکھ پہنچاتا تھا۔ بدترین قسم کے عیوب کا عادی ہوتے ہوئے دونوں اصناف، مرد و عورت، کے بد قماش انسان اس کے ساتھی تھے۔ یہ خلیفہ اس نوعیت کا ’امیر المؤمنین‘ تھا۔“

یزید بن امیر معاویہ اور خود امیر معاویہ کی اس کردار نگاری کی تشریح کے بعد یہی دانشور امام حسین علیہ السلام کے کردار کو جن الفاظ میں پیش کرتا ہے، اس سے ہر ذی شعور قاری اندازہ لگا سکتا ہے کہ حسینؑ جیسے عظیم کردار کا مالک یزید جیسے بد کردار شخص

کی بیعت کس طرح کر سکتا تھا۔ اسی لئے جب عاملِ مدینہ نے آپ کو بیعتِ یزید (لح) کے لئے طلب کیا تو آپ نے یہ کہہ کر اس مطالبہ کو ٹھکرا دیا کہ مجھ جیسا آدمی یزید جیسے شخص کی بیعت کیسے کر سکتا ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ اس مسلمہ حقیقت کا کسی طرح انکار نہیں کر سکتی کہ یزید ہر لحاظ سے نقوشِ اسلام کو مسخ کرنے پر ٹٹلا ہوا تھا، جس کی تفصیل اسی کتاب میں انشاء اللہ تعالیٰ اپنے مقدمہ پر آئے گی۔

جسٹس امیر علی آگے لکھتے ہیں:

"Husain, the second son of Ali, had inherited his father's chivalric nature and virtues.....

He united in his person the right of descent from Ali, with the holy character of grandson of the Apostle. In the terms of peace signed between Mu'awiyah and Hasan, his right to the caliphate had been expressly reserved. Husain had never deigned to acknowledge the title of the tyrant of Damascus, whose vices he despised, and whose character he regarded with abhorrence ___p.300 ibid.

”حضرت علی علیہ السلام کے دوسرے صاحبزادے امام حسین علیہ السلام کو اپنے پدر بزرگوار کی شجاعت اور حسنِ سیرت و رشہ میں ملی تھیں..... وہ اپنے مقام پر حضرت علی علیہ السلام کی وراثت کے حقدار تھے اور رسولِ اکرم کے نواسہ کے طور پر حقیقی پاکیزہ کردار کے مالک تھے۔ امیر معاویہ اور امام حسن علیہ السلام کے صلح نامہ کی شرائط کے مطابق ان کا حقِ خلافت واضح طور پر تسلیم کیا جا چکا تھا۔ لہذا امام حسین علیہ السلام نے دمشق کے غاصب فرمانروا کی خلافت کو تسلیم کرنے کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہ تھا جس کے عیوب سے آپ کو نفرت تھی اور جس کے کردار کو وہ حقارت و نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔“

مندرجہ بالا تشریح ہر ذی شعور انسان کے لئے حسین و یزید کے کردار کے موازنہ میں معاون ثابت ہوگی۔ تاریخِ انسانیت کے ان دونوں کرداروں کا موازنہ شاعرِ مشرق نے بھی کیا ہے۔ وہ اپنی مثنوی ’رموزِ بے خودی‘ میں لکھتے ہیں:

رمزِ قرآن از حسینِ آموختیم ز آتشِ او شعلہ ہا اندوختیم

موسٰی و فرعون و شبیر و یزید ایس دو طاقت از حیات آمد پدید

علیٰ ہذا القیاس اسرارِ خودی میں امام حسین کی شخصیت سے مرعوب ہو کر کہتے ہیں:

در نوائے زندگی سوز از حسین اہل حق حریت آموز از حسین

ایک طرف امام حسین علیہ السلام کی ذات گرامی اسلام کو پیش آنے والے خطرات کے سامنے سینہ سپر ہے، دوسری طرف دمشق کا ناز پروردہ غاصب و جابر خلیفہ علی الاعلان شریعت اسلام کا مذاق اڑا رہا ہے۔ شاعر مشرق اسی لئے کہتے ہیں:

چوں خلافت رشتہ از قرآن گسیخت حریت را ز ہر اندر کام ربخت
خاست آن سر جلوہ خیر الامم چوں سحاب قبلہ باران در قدم
برزمین کربلا بارید و رفت لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت
بہر حق در خاک و خون غلطیدہ است پس بنائے لا الہ گردیدہ است

کربلا کی تاریخ کا ہر ورق گواہ ہے کہ کربلا میں نہ صرف یہ کہ نواسہ رسولؐ نے قربان گاہ ایمان پر اپنا خون نذر کر کے دین کو بچا لیا، اسلام کو حیات جاوید دے دی، بلکہ اپنے ہمراہ ایسے انسانوں کا انتخاب کیا جو ہر صورت اور ہر حالت میں اپنے قائد کے ہم نوا اور ایسے پیروکار ثابت ہوئے جنہوں نے ہر کیفیت میں اپنے عظیم قائد کے مشن کی خاطر اپنی جانیں اسی قربان گاہ کی نظر کر دیں، جنہوں نے اپنے معصوم قائد کے اپنی بیعت کو ان پر سے اٹھالینے کے باوجود کربلا کو چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ مرزا غالب نے یہ خوب کہا ہے:

عشرت قتل کہ اہل تمنامت پوچھ عید نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

ہم تو یہ کہتے ہیں کہ سید الشہداء علیہ السلام نے اپنے تمام ہمراہیوں کو، مرد ہوں یا خواتین، بچے ہوں یا بوڑھے، عربی النسل ہوں یا عجمی، اپنے اپنے مقام پر حسین بنا دیا تھا اور بنی نوع انسان کے لئے ایک کلیہ پیش کر دیا کہ کردار سازی کا انحصار صرف اور صرف رہبر کے اپنے کردار پر ہوا کرتا ہے۔ انہی انصاران سید الشہداء میں ہماری مخدومہ جناب ثانی زہرا بھی ہیں جو آپ کی تمام ذمہ داریوں میں برابر کی شریک ہیں۔ پیام شاہجہان پوری نے ہماری مخدومہ کے بارے میں اس طرح خراج عقیدت پیش کیا ہے:

یزیدیت کو پینے نہیں دیا تو نے قدم قدم پہ بنا دی ہے کربلا تو نے

بہر حال کربلا کے واقعہ میں، جو بعد وفات رسول اکرمؐ پیدا ہونے والے بعض واقعات کا فطری و منطقی نتیجہ ہے، ثانی زہرا کے مقام بلند پر روشنی ڈالنے کے لئے اُن حالات کا جائزہ لینا ہوگا جو اس خوریزی بلکہ قتل عام کا باعث بنے۔ ہم اس سلسلہ میں چند جملے مولانا عبد الرزاق بلخ آبادی کے پیش کرتے ہیں جو ترجمہ ”نہج البلاغہ“، حصہ دوم، مطبوعہ شیخ غلام علی ایندلسز، لاہور کے مقدمہ کی ابتداء کرتے ہیں۔ مولانا مذکور اس طرح رقم طراز ہیں:

”امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے۔ مگر قریش کو اندیشہ تھا کہ ایک دفعہ خلافت خاندان رسالت میں چلی گئی تو پھر کبھی نہ نکلے گی، اور وہ اس سے کھیل نہ سکیں گے۔ اسی لئے قریش خلافت کو اہل بیت سے دور رکھنے کی کوشش کرتے رہے۔

”دور جاہلیت میں بنی امیہ نے قریش کی قیادت کی تھی۔ اب اسلام میں بھی سرداری چاہتے تھے۔ پہلے دو خنساء کے زمانہ میں ابھر نہ سکے۔ مگر تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ بنی امیہ ہی سے تھے۔ اب امویوں کو اپنی سلطنت قائم کر لینے کا موقع ملا اور انہوں نے طے کر لیا کہ حکومت ہاتھ سے نہ جانے دیں گے۔

”خلافت کا معاملہ اب تک اسی طرح طے ہوا کرتا تھا کہ مدینہ کے اکابر مہاجرین و انصار کسی شخص پر اتفاق کر لیتے تھے اور اسی کو خلیفہ مان لیا جاتا تھا۔ مگر یہ دستور بنی امیہ کے مفید مطلب نہ تھا کیونکہ حضرت عثمانؓ کے بعد تین ہی سربراہ آوردہ مہاجر باقی رہتے تھے، علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ۔ پرانے دستور کے مطابق انہی میں سے کوئی خلیفہ ہوتا۔ مگر اُن میں سے کوئی بھی اموی نہ تھا۔ یہ صورت حال بنی امیہ کو منظور نہیں ہو سکتی تھی۔ اُن کے مقاصد کے لئے یہ ضروری تھا کہ پرانا دستور ٹوٹ جائے، انتشار پیدا ہو اور خلافت کا فیصلہ تلوار کے سپرد ہو جائے۔ امویوں کو انتشار اور خانہ جنگی میں اپنی کامیابی اس لئے دکھائی دیتی تھی کہ صوبوں کی حکومتیں انہی کے ہاتھوں میں تھیں اور اُن کے لیڈر امیر معاویہ بن ابی سفیان، گورنر شام، بہت طاقتور ہو چکے تھے۔

”ایک طرف یہ اموی سیاست تھی، دوسری طرف اکابر مہاجرین میں طلحہؓ اور زبیرؓ بہت دو تہند ہو گئے تھے اور اقتدار حکومت میں نمایاں شرکت چاہتے تھے۔ یہ خواہش پوری نہ ہوئی تو عثمانی حکومت کی خرابیاں اچھالنے اور لوگوں کو مخالفت پر ابھارنے لگے۔“

مولانا موصوف کی تمام تحریر کا تجزیہ تو اپنے اپنے مقام پر آتا رہیگا، یہاں تجزیہ پیش کرنا طوالت کا باعث ہو سکتا ہے، تاہم یہ تحریر ایسے حضرات و شخصیات کی طرف اشارہ ضرور کرتی ہے جو اہل بیتؑ کے حصول اقتدار کے خلاف تھے۔ مولانا نے جس جرأت سے کام لے کر بعض اسماء پیش کئے ہیں، ہم اس کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ایک اور بات بھی ہمیں عرض کرنا ہوگی، وہ یہ کہ خلافت رسول اکرمؐ کے سلسلہ میں مذکورہ اندیشہ جات صرف قریش ہی کے دل میں پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ انصار مدینہ کی جماعت بھی اس اندیشہ میں برابر کی شریک ہے اور حصول اقتدار کی کوشش میں اکابر انصار کی قریش سے جو بحث ہوئی ہے، اس کو اوراق تاریخ سے نہ تو نکالا جاسکتا ہے اور نہ ہی تاریخ کا کوئی طالب علم اسے نظر انداز کر سکتا ہے۔ بالفاظ دیگر یہ فکر صرف قریش ہی

کو نہ تھی کہ خلافت کو اہل بیت رسولؑ میں جانے سے روکا جائے بلکہ اور لوگ بھی اس میں برابر کے شریک تھے۔ بہر حال جو جماعت بھی کامیاب ہو جاتی اس کا مقصد و ہدف ایک ہی تھا، یعنی حصول اقتدار۔ اسی حصول اقتدار کی خواہش کا نتیجہ صریح اختلاف کا باعث بنا جو حادثہ کربلا پر منج ہوا۔

ہم بہر حال میں مولانا موصوف کی صاف گوئی کے متشکر ہیں۔ ان کے یہ چند جملے اپنے اندر حقائق کا ایک سمندر لئے ہوئے ہیں۔ یہی وہ حالات ہیں جن کے تحت اولاد رسولؑ اکرم لقمہ شمشیرِ ظلم و ستم بنی اور رسولؑ کی بیٹیاں جن میں ثانی زہراؑ سرفہرست ہیں، ظلم و در بدری کا شکار بنیں۔

آئیے اب مولانا کے چند جملوں پر غور کرتے ہیں:

”قریش خلافت کو اہل بیت سے دور رکھنے کی کوشش کرتے رہے“۔ یہ اس لئے ہوا کہ ”قریش کو اندیشہ تھا کہ ایک دفعہ خلافت خاندان رسالت میں چلی گئی تو پھر کبھی نہ نکلے گی“۔

ہم اس سلسلہ میں چند سوالات کی جرات کرتے ہیں:

ا۔ یہ اندیشہ کیوں پیدا ہوا؟

ب۔ یہ اندیشہ کب پیدا ہوا؟

ج۔ اگر یہ اندیشہ رکھنے والے قریش اپنی کوشش میں ناکام رہتے تو کیا ہوتا، اور خلافت اگر ان کے خیل میں خاندان رسالت میں چلی جاتی تو کیا دین اسلام کے لئے نقصان دہ صورت پیدا ہو جاتی؟

د۔ کیا اس اندیشہ کے مالکوں کا خیال تھا کہ خاندان رسالت کے حصول اقتدار سے ان کے مفادات مجروح ہوں گے؛ نیز ان کے مفادات کی نوعیت کیا خاندان رسالت کے لئے نقصان دہ تھی؟

ه۔ کیا خلافت کو خاندان رسالت سے روکنے والے افراد کے افکار و معیار فکر خاندان رسالت کے افکار سے مختلف نہ تھے؛ اگر مختلف نہ تھے تو اس اندیشہ کی اساس کیا تھی؟

و۔ کیا خاندان رسالت کے افکار و اقدامات اندیشہ بین افراد کے لئے مضر ہوتے ہوئے اسلام کے لئے بھی ضرر رساں تھے، یا ہو سکتے تھے؟

ز۔ اگر خاندان رسالت کی فکر میں اسلام کی بقا مضمحل تھی تو پھر قریش کو یہ اندیشہ کیوں پیدا ہوا؟

ح۔ خاندان رسالت کی زندگیاں اسلام کے لئے وقف تھیں۔ لہذا قریش کے اندیشہ بین حضرات کے اندیشے اصول اسلام سے کیسے مطابقت رکھ سکتے تھے؟

ط۔ ان حالات میں ان قریش کو دینی اعتبار سے کیا سمجھا جائے جو بظاہر جامعہ اسلام میں ملبوس تھے؟

ی۔ قریش نے اپنے اندیشوں کی کامیابی و تکمیل کے لئے کیا ذرائع اختیار کئے؟

ک۔ کیا ان ذرائع کی کامیابی کے لئے اختیار کردہ طریق کار اسلامی فکر کے مطابق تھا؟

ل۔ خاندان رسالت کو اقتدار سے دور رکھنے میں کامیابی کے نتائج کیا نکلے؟

م۔ کیا قریش کی یہ کامیابی ان کے لئے سودمند ہوتے ہوئے خاندان رسالت کے استحصال و استیصال کا باعث نہ ہوئی؟

ن۔ رسول اکرم کی وفات کے وقت بنی امیہ کی کوئی امتیازی حیثیت باقی نہ تھی، بلکہ فتح مکہ میں یہ قبیلہ آزاد کردہ غلاموں کا

مقام حاصل کر چکا تھا۔ ان حالات میں قریش کے اندیشوں کی کامیابی کیا بنی امیہ کی دنیوی طاقت کی بحالی کا باعث بنتی

نظر نہیں آتی؟

س۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مکہ کو فتح کیا، اُس وقت بنی امیہ کی طاقت و اہمیت ختم ہو چکی تھیں۔ اُن کا تصور

سرمداری جس کی طرف مولانا نے ایام جاہلیت کے حوالہ سے اشارہ فرمایا ہے، خاک میں مل چکا تھا، لیکن اندیشہ بین

قریش کی حصول خلافت میں کامیابی نے ان کو دوبارہ طاقتور بنا کر ہوئے اقتدار کو ان کے دماغ میں ایک بار پھر تازہ کر

دیا۔ اس طرح کیا قریش کا یہ طرز عمل اور طریق کار سنت رسول سے متصادم نہ ہوا؟

ع۔ ظاہر ہے کہ بنی امیہ کی طاقت کی بحالی انہیں اندیشہ بین حضرات کی کامیابی کی مرہون منت ہے۔ ہذا ان اندیشہ بین

قریش کی ناکامی کیا خاندان رسالت کے لئے بالخصوص اور اسلام کے لئے بالعموم سودمند نہ ہوتی؟

ف۔ کیا ان اندیشوں اور اندیشہ بین قریش کی ناکامی سے اہل بیت رسالت غارتگری و در بدری سے نہ بچ جاتے؟

ص۔ بنی امیہ کے برسر اقتدار آنے سے اہل بیت رسول تباہ و برباد ہوئے۔ اس طرح کیا درحقیقت اندیشہ بین اور کامیاب

قریش اہل بیت اور اسلام کی بربادی کا باعث اور ذمہ دار نہ ہوئے؟

اس تمام بحث اور تجزیہ تاریخ کا منطقی نتیجہ اس حقیقت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ تمام افکار و واقعات اہل بیت کی اس

تباہی اور کربلا کے خونین حادثہ کے، جس کو جنس امیر علی نے Massacre of Karbala (کربلا کا قتل عام) کا مودی

ہے، کے ذمہ دار ہیں جنہوں نے بنی امیہ کی کھوئی ہوئی طاقت کو بحال کیا۔ لہذا کیسے ممکن ہے کہ اندیشہ بین حضرات کو، وہ قریش ہوں یا کوئی اور، قبل حسین اور اسیری زینب کی ذمہ داری سے مبرا قرار دیا جائے؟ تاریخ کی اس حقیقت سے چشم پوشی بہت بڑا ظلم ہوگا کہ وہ لوگ جن کی تمام معاشرتی و جنگی قابلیت رسول اکرم نے اپنے ہاتھوں بالکل نیست و نابود کر دی تھی، بعض عواقب کے زیر اثر، صرف پچاس برس کے قلیل عرصہ میں اس قدر طاقت پکڑ گئے کہ انکے ہاتھ اسی معلم اخلاق و انسانیت کی اولاد کی گردنوں تک جا پہنچے، اس پٹے ہوئے گروہ کو اس قدر قوت و غلبہ حاصل ہو گیا کہ یہ لوگ فرش خاک سے اٹھ کر نبی کے پیاروں کی لاشوں کو اپنے گھوڑوں کے سموں سے پامال کرتے ہوئے تخت خلافت کی سیڑھوں کو پھلانگتے چلے گئے اور ساتھ ہی لبادہ دین کو اپنے ناپاک جسم پر تانے رکھنے کے لئے ”امیر المؤمنین“ کا لقب بھی بلاروک ٹوک اپنے ناموں کے ساتھ استعمال کرنے لگے۔

مولانا موصوف کا دوسرا غور طلب جملہ: ”جاہلیت میں بنی امیہ نے قریش کی قیادت کی تھی۔ اب اسلام میں بھی سرداری چاہتے تھے۔“

ا۔ اسلام میں سرداری کا خواب بنی امیہ نے کب سے دیکھنا شروع کیا جبکہ رسول اکرم نے ان کی طاقت و دنیوی وجہت کو خاک میں ملا دیا تھا؟

ب۔ اپنے مکمل استیصال کے بعد بنی امیہ کے ذہنوں میں یہ خیال کیسے پیدا ہوا؟

ج۔ کیا اس خیال کی محرک ان کی بنی ہاشم سے روایتی دشمنی نہ تھی جس کا اظہار بعد میں یزید نے بالکل کھلے الفاظ میں کر دیا؟

د۔ کیا بنی ہاشم کی خلافت سے علیحدگی ان کی اس ذہنی تحریک کا باعث نہیں ہوئی؟

تیسرا غور طلب جملہ: ”امویوں کو انتشار اور خانہ جنگی میں اپنی کامیابی اس لئے دکھائی دیتی تھی کہ صوبوں کی حکومتیں انہی کے ہاتھوں میں تھیں اور ان کے لیڈر امیر معاویہ بن ابوسفیان، گورنر شام بہت طاقتور ہو چکے تھے۔“

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ:

فتح مکہ میں مکمل تباہی کے بعد یہ لیڈر شپ اور طاقت امیر معاویہ کو کیسے مل گئی جبکہ یہ وہ موقع تھا جب فتح مکہ میں ابوسفیان کی طاقت کا چراغ بجھ چکا تھا۔ اب اس کی حیثیت، ہماری مخدومہ کی زبان میں، ایک آزد شدہ غلام سے زیادہ نہ تھی۔

وہ اور اس کی جگر خوارہ بیوی کسی نہ کسی حیثیت سے رسول اکرم کی بیعت میں داخل ہو کر اپنے زمانہ جاہلیت کے وقار کو دفن کر چکے تھے۔ پھر ان کے نورِ نظر کو یہ قوت کیسے حاصل ہوئی؟ نہ صرف یہ بلکہ یہ طاقت اتنی بڑھی کہ ابوسفیان کا بیٹا ایک

صوبہ کی گورنری سے امیر المؤمنین کے لقب پر قابض ہو گیا۔ اس طاقت اور لیڈری کا سہرا ہرگز صرف حضرت عثمانؓ کے سر پر نہیں بلکہ وہ تمام حالات اور افراد اس کے ذمہ دار قرار پائیں گے جن کی وجہ اور مدد سے شام کی گورنری کا استمراری پتہ امیر شام کے نام لکھ دیا گیا۔

مسلمانوں کی تاریخ میں ہمیں اور بھی کئی نام ملتے ہیں جو ہر مرحلہ پر حصول اقتدار کے لئے کوشاں نظر آتے ہیں۔ ہمارے اس خیال کا مؤید مولانا موصوف کا اگلا فقرہ ہے:

”دوسری طرف اکابر مہاجرین میں طلحہ اور زبیرؓ بہت دولت مند ہو گئے تھے اور اقتدار حکومت میں نمایاں شرکت چاہتے تھے۔“

ہم کہتے ہیں وہ ایسا کیوں نہ چاہتے! وہ دیکھ رہے تھے کہ بنی امیہ کا پٹا ہوا قبیلہ تخت خلافت کی طرف آنکھیں پھڑپھڑ کر لپچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہے، بلکہ اس کو اپنے قدموں تلے روندنے کے خواب بھی دیکھ رہا ہے، تو بقول مولانا یہ دونوں تو ”اکابر مہاجرین“ میں سے تھے۔ اگر ان کے قلوب میں عربوں خلافت سے متمتع ہونے کی آرزو کروٹ لے رہی تھی تو اس میں حیرت کی کون سی بات ہے!

یہ سب امور و حالات حضرت علیؓ ابن ابی طالب علیہ السلام کو خلافت سے دور رکھنے سے پیدا ہوئے جن کی شخصیت کو ہر زمانہ اور ہر عقیدہ کے مفکرین نے رہنما تسلیم کیا ہے۔ یہی وہ حالات ہیں جن کا صریح و واضح نتیجہ کربلا کے قتل عام کی صورت میں ظاہر ہوا جس کا بیان مخدومہ عالم ثانی زہراؓ جناب زینبؓ کبریٰ کی عظیم شخصیت کے شمول کے بغیر پایہ تکمیل تک ہرگز نہیں پہنچتا۔ اپنے دعویٰ کی تصدیق کیلئے ہم ’تھامس کارلائل‘ کا صرف ایک مقولہ پیش کر کے اپنے بیان کو آگے بڑھائیں گے۔ یہ مفکر اپنی مشہور زمانہ کتاب "On Heroes and Heroworship" میں اپنے مقالہ "Hero as a Prophet" میں لکھتا ہے:

"As for this Ali one cannot but like him. A noble-minded creature as he shows himself, now and always afterwards, fiercely daring, something chivalrous in him, brave as a lion, yet with a grace, truth and affection, worthy of a Christian Knight".

”جہاں تک علیؓ کا تعلق ہے، کوئی شخص اس کو پسند کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ اپنے آپ کو (دنیا کے سامنے) ایک نہایت ہی

شریف النفس ہستی کے طور پر پیش کرتا ہے، جو ہمیشہ ہر میدان میں بے انتہاد لیر و شجاع، اپنے کردار میں اوبوالعزم، جری و باخلاق فرد، شیر بہر کی طرح بہادر، لیکن بڑے وقار کا حامل، اپنے اندر صداقت و محبت کے مجموعہ کے ساتھ، جو ہر صورت میں ایک عیسائی مرد میدان سردار کی شایان شان ہیں۔

جہاں تک فکر اسلامی کا تعلق ہے، شاعر مشرق کا خراج عقیدت ملاحظہ فرمائیں، وہ مثنوی ”اسرار خودی“ میں کہتے ہیں:

مرسل حق کرد نامش بو تراب	حق ید اللہ خواند در اُم الکتاب
ہر کہ دانائے رموز زند گیسٹ	سرِ اسمائے علی داند کہ چیست
ہر کہ در آفاق گردد بو تراب	باز گرداند ز مغرب آفتاب
از خود آگاہی ید اللہی کند	از ید اللہی شہنشاہی کند

ملاحظہ فرمائیں کہ ان صفات کے مالک علی ابن ابی طالب کو اگر اس بہانہ سے کہ..... قریش کو اندیشہ تھا کہ ایک دفعہ خلافت خاندان رسالت میں چلی گئی تو پھر کبھی نہ نکلے گی، خلافت سے دور نہ رکھا جاتا تو کیا اور اقی تاریخ کر بلا کے خونین واقعہ سے رنگین ہو سکتے تھے، جس کو تا قیامت زندہ رکھنے میں ہماری مخدومہ سید الشہداء علیہ السلام کے ساتھ برابر کی شریک ہیں؟

حادثہ کر بلا میں ہماری مخدومہ کے عظیم کردار نے ثابت کر دیا کہ عظیم علی کی عظیم صاحبزادی کو ایسا ہی ہونا چاہئے جیسی کہ وہ صفحات تاریخ پر نظر آرہی ہیں اور قیامت تک نظر آتی رہیں گی۔ اسی لئے کوئی تعجب کی بات نہیں کہ جب علی کی بیٹی کی آواز کوفہ کے بازار میں پالان شتر سے بلند ہوئی تو وہ لوگ جنہوں نے اپنی آنکھوں سے منبر سلونی پر علی کو دیکھا تھا اور اپنے کانوں سے ان کے فرمودات کو سنا تھا، گھبرا کر ایک دم بول اٹھے کہ اتنے عرصہ کے بعد علی کہاں سے آ گئے ہیں!

امیر المؤمنین علیہ السلام کی عظمت کردار کی طرف چند اشارے ضروری تھے، اس لئے کہ انہی بنیادوں پر علی کی اس عظیم نور نظر کے کردار کی عظیم الشان عمارت استوار ہوتی نظر آرہی ہے۔ جس طرح باپ کی پوری حیات پاک میں کردار کے اعتبار سے کہیں کوئی جھول نظر نہیں آتا، بلکہ مزاج میں ’مزاج‘ کا بہانہ بنا کر علی کے حق میں خلافت کا فیصلہ نہ کرنے والی زبان سے ایک بار نہیں بلکہ بار بار الفاظ نکلتے سنائی دیتے ہیں: ”خداوند! میری زندگی میں وہ دن طلوع نہ ہو جب میں کسی مشکل میں گرفتار رہوں اور ابوالحسن میرے پاس نہ ہوں“، اسی طرح مدینہ سے مکہ، مکہ سے کر بلا، کر بلا سے کوفہ، کوفہ سے دمشق، قید ہو یا بازار یا دربار، کسی جگہ علی کی لخت جگر نے کسی قسم کی کوئی کمزوری ظاہر نہیں ہونے دی۔ نہ صرف یہ بلکہ استقامت کی اس بلند چٹان، استقلال کے

اس عظیم پیکر کو دیکھ کر دنیا کے سب ذی شعور انسان علی جیسے انسان کامل اور رسول اکرم جیسے مصلح اعظم کے کردار کی جھلک دیکھ سکتے ہیں اور عقل انسانی کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ کربلا کا موقع کس قدر نامکمل و بے رنگ رہ جاتا اگر اس میں سید الشہداء علیہ السلام کے ساتھ ثانی زہرا نظر نہ آتیں۔

ان تمام اشارات کی تشریحات کتاب ہذا میں اپنے مقام پر آئیں گی۔ ہماری خدمت کو ایسا ہونا ہی چاہئے تھا کہ یہ سیدہ طاہرہ کی نور نظر تھیں اور کردار سیدہ اپنے پورے وجود کے ساتھ آپ کی ہستی میں نظر آ رہا ہے۔ ایسا کیوں نہ ہوتا کہ عظیم شخصیات کے کرداروں کی نمائندگی صحیح طور پر ان کی اولاد میں ہی کیا کرتی ہیں۔ اسی لئے اولاد سیدہ طاہرہ کے متعلق شاعر مشرق نے ”رموز بے خودی“ میں کہا ہے:

سیرتِ فرزند پا از امہات جو ہر صدق و صفا از امہات

ہماری اس ناچیز و کمزور کاوش میں قارئین دیکھ لیں گے کہ عالم انسانیت کو جس قدر حسین کی ضرورت ہے، زمین کی ضرورت کسی طرح اس سے کم نہیں۔

تاریخ کی ستم ظریفی ہے کہ اتنی عظیم ہستیوں پر بھی ناواقفیت کے دیوار پردے پڑے ہوئے ہیں۔ مسئلوں کی تاریخ نے جہاں ان عظیم کرداروں کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی ہے وہاں ایسے حالات و واقعات کو بھی جنم دیا ہے جن سے ان کے کردار کے خدوخال سعی مسلسل کے بغیر نظر نہ آسکیں۔ تاریخ کا کتنا بڑا المیہ ہے جو ہجرت کفار مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر رسول اکرم کو اختیار کرنا پڑی، ان کی اولاد کو اسی طرح ہجرت سے متعدد مقامات پر دوچار ہونا پڑا جس کی انتہا یہ ہے کہ اولاد رسول کی قبور حج و زیارت عراق و شام و ہندوستان و مصر جیسے دور دراز ملکوں میں بکھر کر رہ گئی ہیں، یہاں تک کہ کئی مواقع میں ان بزرگوں کے مدفن تک کا صحیح تعین کرنا ناممکن ہو گیا ہے۔ انتہا یہ ہے کہ خود امیر المومنین علیہ السلام جیسی شخصیت کے مزار کا تعین کرنا بھی مشکل ہو گیا ہے کیونکہ حضرت سے منسوب ایک عظیم الشان مزار افغانستان کے شہر مزار شریف میں خلائق عالم کی نگاہوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔

علی ہذا القیاس تاریخ کا کتنا بڑا المیہ ہے کہ ثانی زہرا کے مزار مبارک کے بارے میں بھی اسی قسم کی مشکلات درپیش ہیں۔ آپ کا مزار شام میں دمشق کے قریب بتایا جاتا ہے، اسی طرح قاہرہ کے قریب بھی حضرت کا ایک مزار بنا ہوا ہے، نیز مدینہ منورہ میں بھی آپ کا مدفن بتایا جاتا ہے۔

اسی طرح کربلا کے المیہ کے بارے میں بھی، جو اپنے مقام پر احیائے دین کا ذمہ دار ترین واقعہ ہے، بہت زیادہ اختلافی واقعات موجود ہیں جن میں صحیح و غلط معلوم کرنے کے لئے قاری کو صرف اپنی درایت کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ مزید یہ کہ مؤرخین اپنی

تمام کاوش کے باوجود کسی ایک قاتلِ امام حسین علیہ السلام کا تعین نہیں کر سکتے۔ کئی ملائین کے نام لئے جاتے ہیں جو یزید کی فوج میں سرداروں کے عہدوں پر تھے۔ پھر اہل بیتؑ کا لٹا ہوا قافلہ کب کر بلا سے روانہ ہو کر کوفہ پہنچا، کوفہ میں کب تک ان کا قیام رہا، کب اسیرانِ اولاد رسولؐ کو دمشق بھیجا گیا، دمشق میں کب تک قیام رہا، کتنے دن بعد انہیں رہائی نصیب ہوئی، کس راستہ سے اور کتنے عرصہ بعد یہ قافلہ مدینہ واپس پہنچا وغیرہ کا تعین کسی طرح ممکن نہیں۔ غرضیکہ دشمنانِ خاندانِ رسولؐ کے برسرِ اقتدار رہنے کی وجہ سے اس عظیم خانوادہ کے تمام حالات زمانہ کی گرد کے نیچے دب کر رہ گئے ہیں۔

ہم نے جس معظلہ کی حیاتِ پاک کے بیان کرنے کی یہ حقیر سے کوشش کی ہے، وہ تاریخِ انسانیت کی کوئی کمزور یا انجانہ شخصیت نہیں ہیں۔ ان کے شوہر، جیسا کہ اس سوانحِ عمری میں اپنے مقام پر آئیگا، کسی معمولی شخصیت کے مالک نہ تھے۔ ابھی حجاز اور دوسری عرب دنیا میں وہ اشخاص زندہ موجود تھے جنہوں نے دورانِ حیاتِ رسولؐ پاک ان ہستیوں کے ساتھ اللہ کے حبیبؐ کا برتاؤ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ان کی عظمت کے سلسلہ میں خود ابنِ زیاد ملعون کے لشکر میں کچھ لوگ متذبذب تھے، اُن کے ذہن یہ قبول کرنے پر آمادہ نہ تھے کہ کوئی حکومتِ فرزندِ رسولؐ کے قتل اور دخترِ انِ رسولؐ کو اسیر و در بدر کرنے کی جسارت بھی کر لے گی۔ ایسے لوگوں کی زندگی میں جب یہ تباہ حال قافلہ ثانی زہرا کی سربراہی میں مدینہ پہنچا تو مدینہ کے لوگوں کا کیا ردِ عمل ہوا ہوگا۔ واقعہ کر بلا کے بعد مدینہ کا لٹنا، خانہ کعبہ پر آتشباری، مسلم بن عقبہ جیسے سفاک شخص کے مدینہ میں مظالم، اسی ردِ عمل کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ایسے حالات میں شریکۃً اُحسینؑ اور ان کے افرادِ خاندان کی مدینہ میں صرف موجودگی ہی حکومتِ وقت کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہی ہوگی اور واقعہ کر بلا کے صرف ایک برس بعد تک ہماری مہدومہ کی زندگی اور مدینہ میں قیام سے حکمران جماعت کس قدر خوفزدہ ہوگی۔ سوچنا پڑے گا کہ اربابِ اختیار کا یہ خوف کیا رنگ لایا ہوگا اور کیسے حالات پیدا ہوئے ہوں گے جن کی وجہ سے حضرت عبداللہ ابنِ جعفر کو مدینہ چھوڑنا پڑا ہوگا۔

اس سوانح میں مختصراً ان حالات کا جائزہ لینے کی کمزور و حقیر سی کوشش کی گئی ہے جو اس کیفیت کا باعث بنے جو مقابرِ اہل بیتؑ کے مقامات متعین کرنے میں دشواری کا باعث بنے ہوئے ہیں۔

مقدمہ کتاب کو ختم کرنے سے پہلے ہم اپنے مسلک و ہم خیال حضرات کی خدمت میں چند گزارشات پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ ثانی زہرا کی ہستی کو بہت بڑی اکثریت نے ضرورتِ گریہ سے بڑھ کر نہیں سمجھا۔ آج ایسی عظیم المرتبت ہستی کو جس کی نموشی اور پھر گفتگو نے کاخِ حکومت کی بنیادوں کو متزلزل کر کے رکھ دیا تھا، جس نے کوفہ و شام کے بازاروں

اور درباروں میں حق و صداقت کے پرچم کو دائمی طور پر ایسا بلند کیا کہ بدترین دشمن بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، جس نے ان تمام ذمہ داریوں کو جو امام وقت سے متعلق تھیں، زمانہ کے امام و اولی الامر کی علالت کے باعث پورا کر کے شریکۃ الحسین کا لقب حاصل کیا، نہایت بے بس و مجبور شخصیت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ وہی شخصیت ہے جس کی گفتگو نے مقابلہ میں اس وقت کے جابر ترین حکمران کو بچھتاوے اور ندامت کے الفاظ کہنے پر مجبور کر دیا، حالانکہ وہ اس وقت بھی جھوٹ بول رہا تھا۔ یہ تمام واقعات کتاب ہذا میں اپنی اپنی مناسب جگہ پر ہدیہ قارئین کئے جائیں گے۔

ہمیں یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ کوفہ و شام کے درباروں اور بازاروں میں بھیبت و بربریت کے مقابلہ میں حق و صداقت کے علم کو بلند رکھنے والی شخصیات ہرگز بے بس و مجبور قرار نہیں دی جاسکتیں، بلکہ ان کا ہر فرد زندگی کے ہر لمحہ اور ہر قدم پر شجاعت و استقامت کی مستقل چٹان نظر آتا ہے۔ جو خود و مہ اس قدر ہمت و استقلال و شجاعت و صبر کی مالک ہو کہ کربلا کی خونین جنگ کے بعد جلتے ہوئے اور لٹے ہوئے خیام میں سے اسلام کی قیمتی ترین متاع، خاندان رسول کی آخری یادگار اپنے مریض بھتیجے کو اپنی ضعیف کمر پر اٹھا کر بچالائی ہو، اس کے بارے میں بے بسی، مجبوری، بے صبری اور بے چارگی کے الفاظ بیان کرنا سوء ادبی اور غلط بیانی کی بدترین مثال ہے یا نہیں؟

ہم کوشش کریں گے کہ ضروری مقامات پر مستند روایات کو پیش کریں جن سے قارئین کرام کو اخذ نتائج میں سہولت و آسانی ہو۔ ہم ایسے حالات و واقعات مناسب و موزوں مواقع پر بطور حاشیہ لکھیں گے اور حوالہ ہائے کتب بھی پیش کریں گے۔ تاہم یہ نہایت ہی نحیف اور کمزور کوشش سے زیادہ نہیں اس لئے کہ یہ وہ ہستیاں ہیں جن کی حقیقت یا تو خود انہی کو معلوم ہے یا پھر ان کے خالق کو اس کا علم ہو سکتا ہے۔ ہم تو اس بیان میں خریداران یوسفؑ میں شامل اس ضعیف سے بھی کمزور تر ہیں جو جانتی تھی کہ اپنے ہاتھ سے کاتے ہوئے سوت کے عوض وہ یوسفؑ کو خرید تو نہیں سکتی، تاہم اسے یہ افتخار ضرور حاصل ہو جائے گا کہ جب تک تاریخ کے صفحات پر یوسفؑ اور خریداران یوسفؑ کا ذکر باقی ہے، اس ضعیف کا نام بھی خریداران یوسفؑ کی صف میں سے نہیں نکالا جاسکتا۔ لہذا یہ حقیر کی کوشش اس سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی کہ شاید ہمارا کوئی جملہ شہنشاہ ولایت، قسیم النار والجنة کی عظیم نور نظر کو پسند آجائے اور ہماری نجات کا باعث بن جائے، کہ یہ وہ ہستیاں ہیں جن کے دروازہ سے کبھی کوئی سائل خالی نہیں گیا۔

مگر قبول افتد زہرے عز و شرف

پیش لفظ

مقدمہ

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے نام نامی سے نہ صرف مکتب تشیع کے افراد آشنا ہیں بلکہ یہ وہ ہستی ہیں جن کی ذات گرامی سے تاریخ دان طبقہ مکمل طور پر واقف ہے۔ یہ وہ عظیم خاتون ہیں جو عالم بشریت کی طویل تاریخ میں بنیادی نقوش کی حامل ہیں۔ آپ کا اسم گرامی دنیائے اسلام کی تاریخ میں ایسی بنیادی حیثیت رکھتا ہے جس کو موجودہ تاریخ گردانتے ہوئے عنوان ہائے درخشاں کا مالک قرار دیا جاتا ہے۔ تاریخ بشریت میں آپ نے اہم ترین کردار کی بنیاد رکھی جس سے دامن تاریخ اسلام روشن و مزین ہے۔

کتب مقاتل میں آپ کا اسم گرامی جناب سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ نظر آتا ہے۔ مؤرخین نے آپ کو واقعہ کربلا کی شخصیت دوم قرار دیا ہے، اہم ترین حصہ تاریخ جانا ہے اور تاریخ انسانیت میں عظیم ترین فریاد گریہ کر بلا تسلیم کیا ہے۔ شعرائے عالم نے آپ کے صبر و تحمل اور علمائے اخلاق نے آپ کی عفت و تقویٰ و استقامت کو بے مثال جانا ہے۔ دنیا بھر کے انقلابیوں نے آپ کو خونِ ناحق کی تشہیر اور پیغامِ حسینیت کی تبلیغ و اشاعت کے لئے ایسی عظیم خاتون تسلیم کیا ہے جو اپنے مقام پر نمونہ ہیں۔ دنیائے شیعیت نے تو بجا طور پر آپ کو سید الشہداء علیہ السلام کی فتح و کامرانی، مکتب و اصول اسلام کی دفاع کنندہ اور امامتِ حقہ کی ولایت کی مؤسسہ کے طور پر متعارف کروایا ہے۔

جناب زینب کا تعارف

جناب سرور کائنات، پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گرامی قدر نواسی، امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور جناب سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی دخترِ عقیلہ، امام حسن و امام حسین علیہما السلام کی خواہر شجاع، واقعہ فاجعہ کربلا کی یادگار، نمونہ صبر و استقامت، سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کے بعد بے نظیر شجاعت و پامردی کی حامل خاتونِ عظیم، زینبؓ عالیہ امام حسینؑ کی عظیم قربانی کی حصہ دار ہیں۔ آپ حادثہ کربلا کی امانت دار، مقصدیت کی جاں نثار اور شہادت و خونِ ناحق کی مبلغ ہیں۔

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا وہ خاتون ہیں جن کا وجود عظیم خدمتِ اسلام کے لئے وقف رہا، دفاعِ دین کی خاطر ہر طرح کی قربانی دی، شریعت و اصول اسلام کی حفاظت میں اپنی جان، اپنے خاندان، اپنے بچوں، اپنی جان اور آبرو تک کسی چیز کی پرواہ

نہی۔ آپؐ نے اپنی زندگی میں بے شمار مصائب کا مقابلہ کیا، یہاں تک کہ آپؐ کی حیاتِ طیبہ کے آخری برسوں میں ہولناک سانحات اور خوفناک حادثات آپؐ کے سر سے گزرے لیکن سب بے مثال صدمات و بے پناہ مصائب میں آپؐ نے اپنے ہدفِ زندگی کو ہرگز فراموش نہ کیا۔ آپؐ نے اپنے آپؐ کو اسلام کے لئے ہر فردِ کاری کا ذمہ دار جانا اور اُمتِ مسلمہ کیلئے مثالی خاتون کا کردار پیش کیا۔

عظمتِ سیدہ زینبؓ

ہم سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کی عظمت کے بیان کا یا رِ او طاقت نہیں رکھتے۔ علامہ ماسقانی مرحوم کہتے ہیں: ”میں اپنی زبان سے اسمِ زینبؓ ادا کرتا ہوں اور آپؐ اسے سُن لیتے ہیں۔ لیکن آپؐ کو کیا معلوم کہ زینبؓ کیا ہے، کون ہے؟ آپؐ عقیلہ بنی ہاشم ہیں۔ ایسی صفاتِ حمیدہ کی مالک ہیں کہ آپؐ کی والدہ گرامی کے بعد دنیا کی کوئی خاتون ان صفات کی حامل نہیں ہوئیں۔ آپؐ اپنی عظمت و افتخار میں اُس مقامِ عالی پر فائز ہوئیں کہ صدیقہٗ صغریٰ کہلانے کی بجائے طور پر مستحق ہیں۔

(اقول زینبؓ۔ وما زینب؟ وما ادريک ما زینب؟ هِيَ عَقِيلَةُ بَنِي هَاشِمٍ، وَقَدْ حَارَتْ مِنَ الصِّفَاتِ الْحَمِيدَةِ مَا لَمْ يَجْزُهَا بَعْدَ أُمِّهَا أَحَدٌ، حَتَّى أَنْ يُقَالَ هِيَ الصِّدِّيقَةُ الصَّغْرَى) (فاطمۃ الزہر علیہا السلام، ص 644)۔

آپؐ آغوشِ سیدہ فاطمہ علیہا السلام کی تربیت یافتہ، علومِ اسلامیہ کو وسعت عطا کرنے والی، مقامِ ولایتِ حقہ کے دفاع کی ذمہ دار اور تاریخِ عاشورا میں درخشاں ترین حیثیت کی حامل ہیں۔ آپؐ کا مقام ایک ایسے پیغامِ رساں کا پیغام ہے جس نے خونِ ناحقِ شہداء کو دنیا کے غافل ترین انسانوں کے کانوں تک پہنچایا اور اُس کی بازگشت سے صفحاتِ تاریخ کو روشن کیا۔ کربلا کے شہدائے ناحق کے پیغام کی نشر و اشاعت میں اگرچہ آپؐ کو ناگفتہ بہ صدمات اور در بدری کا سامنا کرنا پڑا، تاہم آپؐ نے اپنے بے مثل و عدیل کردار و شجاعت و پرہیزگارانہ طریقِ کار کی مدد سے اس پیغام کو شمر آ کر کیا۔

سیدہ زینبؓ زنانِ عالم کی صحیح پیشوا، صنفِ خواتین کے لئے اللہ تعالیٰ کی حجت، نمونہ برائے کردارِ خواتین، سید الشہداء علیہ السلام کے موقف کی تصدیق کنندہ اور مسلمان خواتین میں سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کے بعد درخشاں ترین شخصیت کی مالک ہیں۔ آپؐ وہ خاتونِ معظم ہیں کہ اپنے مقامِ عفت و تقویٰ کے تحفظ میں اپنی بے مانگی و در بدری کے دور، اغیار کے مجمع میں بحیثیتِ سیدہ فاطمہؓ سامنے آئیں اور اپنے اُسوۂ تبلیغِ اسلام کی نوعیت سے بنی امیہ کے قصرِ حیات میں لرزہ پیدا کر دیا۔

آپ کی داستانِ حیات

ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کی زندگی احساسِ ذمہ داری سے روشن، دینِ اسلام سے متعلق اور ایک تحفظ اور اپنے ہدفِ زندگی کی خاطر ترکِ لذاتِ دنیا سے معمور تھی۔ آپ نے ایسے گھر میں آنکھ کھولی جو کاشانیہ وحی اور قرآن و رسالت کے نور سے روشن تھا، جس کے تمام افراد ابلاغِ قرآن کی خاطر شہادت و قربانیوں کے خوگر تھے، جن کی جملہ اقدار حیاتِ حدودِ امکانی تک اپنے اہداف کی خاطر قربان تھیں۔ رعد و برق کے مثال اپنی مختصر زندگی میں ایسے غوغائے بے پناہ کے مقابل آئیں جو کبھی فلک نے سنے نہ تھے، ایسی ایسی برق ہائے حوادث سے دوچار ہوئیں جن سے چشمِ ہائے زمانہ خیرہ ہوتی تھیں، ایسے شدید و ناگفتہ بہ حوادث و حالات سے دوچار ہوئیں جن میں پاکیزہ ترین سر ہائے جوانان کو گردن سے جدا ہوتے دیکھا۔

سیدہ زینبؓ اپنی حیاتِ اقدس کے دورِ آخر میں المیہ کر بلا سے دوچار ہوئیں جس میں اسلام کا مقابلہ اپنی تمام اقدار و اصول کے ساتھ کفرِ کامل سے تھا اور جس میں امام حسین علیہ السلام، نواسہ پیغمبرِ خدا، جو دینِ اسلام کی حقیقی نمائندگی فرما رہے تھے، درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ لیکن سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نے ہرگز یہ بات برداشت نہ کی کہ سید الشہداء علیہ السلام اور ان کے ہمراہیوں کے خون کے آثار مٹ جائیں۔ لہذا آپ نے اقدامِ سید الشہداء علیہ السلام کو لباسِ ابدیت سے مزین فرمایا۔

پس اس عظیمِ مخدومہ کی داستانِ ہمتِ بلند کو مقامِ تحسیم سے سرفراز کرتی ہے۔ آپ نے اپنی ہمت و استقلال کو فداۓ اسلام کیا اور قیامِ سید الشہداء علیہ السلام کو مقامِ جاوداں مہیا کیا۔ دراصل جاودانی واقعہ کر بلا زینبؓ عالیہ کی عظیم ہمت و شجاعت کی مرہونِ منت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر زینبؓ عالیہ کا وجود نہ ہوتا تو نہ قیامِ حسینی کو اس قدر استقلال حاصل ہوتا اور نہ ہی اس عظیم واقعہ سے دنیا اس قدر واقفیت حاصل کرتی۔ اصل حقیقت یہی ہے کہ کر بلا میں سید الشہداء علیہ السلام کی عظیم قربانی سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے ماہرانہ لائحہ عمل کے بغیر دامنِ فنا میں روپوش ہو جاتی کیونکہ ثانی زہرا کے بغیر اور کوئی نہ تھا جو پیامِ شیری کو اس کے مقصدِ حقیقی کی منزل تک پہنچاتا۔ واقعہ کر بلا میں بہت سی خواتین شامل تھیں جن کے کمالِ اخلاص کی مثال نہیں ملتی، تاہم کوئی بی بی جلال زینبؓ عالیہ کی حامل نہ تھی۔ بس یہی وہ عظیم شخصیت تھی جس نے اپنے لباسِ اسیری سے عمارتِ شہادت کو سہارا دے کر اقدامِ و قیامِ شیری سے عالمِ انسانیت کو روشناس کیا۔

حیاتِ زینبؓ کے مطالعہ کی اہمیت

سوال یہ ہے کہ دورِ حاضر میں چودہ صدیوں کا عرصہ گزرنے کے بعد سیدہ فاطمہ الزہرا اور زینبؓ علیہا السلام جیسی

عظیم خواتین کو عنوان بنا کر کچھ لکھنے کی کیا ضرورت پیش آتی ہے۔ اس سلسلہ میں صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ اُن کے کارہائے نمایاں کو زندہ رکھنے کی خاطر ہے۔ تاریخ کے نشیب و فراز میں نسلیں فنا ہو کر ختم ہو جاتی ہیں، تاہم جو کچھ اُن سے متعلق باقی رہ جاتا ہے، وہ اُن سے منسوب لافانی حقائق اور درس ہائے مستقل کا سلسلہ ہوتا ہے جن کا نور متعلقہ مردوں اور خواتین کے چہرہ ہائے مہار کہ سے ساطع ہو کر نسل انسانی کی ہدایت کے لئے نمونہ بننا رہتا ہے۔ اُن کی حیات اقدس کی تاریخ کا مطالعہ درس آموز، اُن کی عظمت و جلالت کی تابندگی مشعل راہ، اُن کے فیوضات معنوی حیات بخش اور اُن کے آستانہ ہائے مقدس با عشب برکت ہیں۔ لازم ہے کہ اُن بزرگوں کی معرفت حاصل کی جائے اور انہیں دیگر افراد تاریخ سے الگ پہچانا جائے تاکہ بنی نوع انسان اُن کی پیروی سے کردار نیک کی طرف رجوع کریں۔ اصولی طور پر بزرگان دین کے سوانح کا تذکرہ اُن کی پیروی، اُن کی شریعت کے سیکھنے اور زندگی کے مستقل فضائل اختیار کرنے کا باعث ہوتا ہے۔

انسانی معاشرہ میں ان بزرگ خواتین کے اسوۂ حسنہ و حیات مقدسہ کا مطالعہ اشد ضروری ہے، بالخصوص جبکہ دورِ حاضر میں نیک و بد کی شناخت کے لئے شدید دشواریاں پیش آتی ہیں اور جبکہ دونوں قسم کے بے شمار نمونے سامنے آتے ہیں۔ دورِ حاضر میں ہمیں زندگی کی صحیح روش کی تلاش کی خاطر سیدہ طاہرہ و سیدہ زینب علیہما السلام جیسی عظیم ہستیوں کی تاریخ حیات کا مطالعہ پہلے کی نسبت بہت ضروری ہو گیا ہے تاکہ ہم اپنے دور کی اس ضرورت سے بہ طرز احسن عہدہ براہو سکیں۔ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کی حیات مہار کہ کا مطالعہ ہماری مستورات کی راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اُن کے قلوب کو مستحکم کرتا ہے، انہیں اسلوبِ زندگی، سلیقہ حیات اور فرائض روزمرہ سکھاتا ہے، انہیں اُس طریق کار کا درس دیتا ہے جو عورت کو صحیح معنی میں عورت بناتا اور اُس کے لئے شرافت و آبرو کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ اُسے بتاتا ہے کہ عورت کا امتیاز اُس کی عزت نفس، خود آگہی، احساسِ فرائض اور اُن تمام اقدار کے نتائج کے تلاش کرنے میں ہے۔ اُس کی کامیابی و کامرانی ہرگز اس کی جھل پرستی میں نہیں بلکہ روحانیت، اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ راستہ پر چلنے اور زندگی کی گراوٹوں سے آزادی کے حصول کی کوشش میں مضمر ہے، نہ کہ ایسے اعمال پر کار بند رہنے میں۔

اس موضوع پر دیگر تصنیفات

اس موضوع پر ایسی تصنیفات، جو ایسی بزرگ خواتین کا مفصل تعارف پیش کرتی ہوں جن کے کردار و افکار زمانِ عالم کے لئے نمونہ بن سکیں، بالخصوص ایسی کتب جو جوان نسل کے احاطہ مطالعہ میں آسکیں، بہت کم ہیں۔ بزرگ مصنف و محققین

اصول ہائے اسلام نے اپنے مقام پر ان ہستیوں کے اسوہ و احوال کی طرف اشارے کئے ہیں۔ علی ہذا القیاس کبھی کبھی مقررین بھی ایسی عظیم خواتین کے حالات اور ان کے تعارف کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں جس کے لئے اللہ تعالیٰ انہیں انشاء اللہ اجر جزیل مرحمت فرمایگا، تاہم لازم ہے کہ جس کثرت کے ساتھ ان کے مصائب بیان کئے جاتے ہیں، اُسی تفصیل کے ساتھ ان کے فضائل کا ذکر بھی کیا جائے کہ اصل حالات و واقعات سامنے آسکیں اور ان کی وضاحت ہو۔ ہم نے اس کاوش میں اسی ہدف و موقف کو سامنے رکھا ہے اور حالات کو تلاش کیا ہے۔ نیز کوشش کی ہے کہ ان تاریخ ساز و شرافت انسانی کی عمبردار ہستیوں کا عام فہم و پسندیدہ زبان میں اسوہ پیش کریں۔ ہماری کوشش ہے کہ جناب زینب سلام اللہ علیہا کے تاریخی واقعات زندگی کو عام فہم مباحث کی صورت میں پیش کریں کہ آپ کا اسوہ حسنہ خواتین کے اذہان میں جاگزیں ہو کر درس عمل کا ذوق پیدا کرے اور وہ اس عظیم مخدرہ کے تصور حیات سے سبق حاصل کر کے اس کو عملی طور پر مشعل راہ بنا سکیں۔ ہم نے اس سلسلہ میں سعی کی ہے کہ اس قدر بعد زمانی کے باوجود سیدہ زینب علیہا السلام کے نمونہ کردار کو قارئین کے اذہان میں اجاگر کریں کہ صحیح تربیت اسلامی کے زیر اثر کیسی کیسی پُر افتخار مخدرات جامعہ بشری میں نظر آتی ہیں اور عظمت کردار کی کون سی حدود کی یہ مظہر ہیں۔ ہمارے اس مقصد کے حصول کے لئے جو حقیقت ہمارے سامنے ہے وہ یہ ہے کہ سیدہ زینب صحیح ترین اسوہ اسلامی کی نمائندگی کرتی ہیں۔

ہماری عاجزی و تمنا

ہمارا یہ دعویٰ ہرگز نہیں کہ ہمیں اس کٹھن منزل تک پہنچنے کے لئے توفیق کامل حاصل ہے، اس لئے کہ ہمارا موضوع بحث و گفتگو ایک عظیم، گرانقدر، دریا دل معظّمہ کا اسوہ حسنہ ہے، جن کی پرواز کردارِ لاحدود کے سامنے مرغِ تخیل کی پرواز کی حدود متعین نہیں ہو سکتیں اور ہمیں صدقِ دل سے اعتراف ہے کہ ہمارا مقام ایک بحرِ بیکراں میں حقیر تنکے سے زیادہ ہرگز نہیں۔

یہ مسئلہ حقیقت ہے کہ ہم ثانی زہرا کے مقام بلند کے مقابل اپنے آپ کو قطعی طور پر خوار و زبوں، بے مقدار، بلکہ ناقابلِ ذکر جانتے ہیں۔ اپنی ہستی و وجود کو اس خاندان کے دریائے عظمت میں بصورتِ ارادت و عقیدت غریق جانتے ہوئے بھی ہمارے لئے ممکن نہیں کہ اس خانوادہ کے ذکرِ معرفت کے کسی چھوٹے سے چھوٹے گوشہ کا ادراک بھی صحیح کر سکیں۔ ہم ان کی عظمت کے سامنے سر تسلیم و تعظیم خم کر کے اپنے قلم کو ان کی معرفت کی کوشش اور ان کے مقامِ عالی کی توصیف میں حرکت دے رہے ہیں۔ تاہم ہمیں اعتراف ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم اس باعظمت خاندان کی حضرت زینب علیا جیسی فردِ بزرگ کے حالات گوش ہائے قارئین تک پہنچانے کے مشکل ترین فرض کے ساتھ انصاف کر پائیں؟ صرف یہ امید و آرزو ہے کہ ہم اپنی

باقی عمر میں اس خاندانِ مکرم کی دہلیز پر سر رکھ کر کسی حد تک ان کے فضائل کی معرفت حاصل کر سکیں۔ اس کوشش میں ہم جناب سیدہ نذیبہ سلام اللہ علیہا کے پدِ برِ عالی مقدار (مشکل کشائے مخلوق کائنات) حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے امداد کے طالب ہیں کہ اس خاندان کی ارواحِ پُر فتوح کی معرفت کے تحقق کو ہمارے لئے ممکن فرمادیں کہ ذکرِ مخدومہ آپؑ ہی کی شہادت کا دیباچہ ہے۔

علی قاسمی

صبح ۲۱ رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ ق

مطابق ۱۴/۱۲/۱۳۷۱ھ ش



۱۔ ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کا خاندانِ پاک

بنیادی طور پر طہارت اور خاندانی شرافت وہ اساسی مسائل ہیں جن کو اسلام نے بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔ امور مسلمین کی سپردگی کیلئے انتخاب افراد اور شریک زندگی کے طور پر اختیار کرنے کیلئے صحیح انتخاب کے بارے میں اصول اسلام میں بہت زیادہ احتیاط کی تاکید کی گئی ہے تاکہ ایسے اہم موارد میں صرف اُن لوگوں کی طرف رجوع کیا جائے جو شرافت و نجابت کے حامل اور خاندانی اصالت کے مالک ہوں۔ انہی اصولوں کی روشنی میں ہم ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کے خاندانِ پاک کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے آپ کے بابرکت و نجیب خاندان کے سلسلہ میں اپنے فکر کی بنیاد رکھیں گے۔

جناب زینب سلام اللہ علیہا کے بابرکت و عظیم خاندان جیسا کائنات بھر میں اور کونسا خاندان دارائے نجابت و بزرگی ہو سکتا ہے! آپ وہ مولود ہیں جن کے خاندان کی طہارت، حسب و نسب کی پاکیزگی و نجابت، عظمتِ نسب میں زنانِ عالم میں کوئی نظیر نہیں مل سکتی۔

آپ کے جدِ امجد

آپ کے جدِ اَبَر رگوار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خاتم الانبیاء، سلسلہ نبوت پروردگار کے آخری فرد، منزلِ الہام و وحی، بہترین دین و کتاب لانے والے، مقام ”وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ“ (سورہ قلم: 4) کے مالک، رحمت پروردگار کے نمائندہ مجسم اور کائنات کے لئے اللہ تعالیٰ کی مہربانی و عنایات کا باعث ہیں۔ ”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ“ (سورہ انبیاء: 17) جن کی شان کی توصیف ”لَوْلَاكَ لَمَّا خَلَقْتُ إِلَّا فَلَاکَ“ (حدیث قدسی) جن کا قصیدہ اور ”وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ“ (سورہ ضحیٰ: 5) جن کی شان ہے۔

علامہ محسن امین آنجناب کو شجرہ طیبہ نبوت کی شاخوں میں سے ایک شاخ جو نبوت کی اصل کے ساتھ پیوستہ ہو، قرار دیتے ہیں اور آپ کے اسوہ حسنہ کو آپ کی تاریخ حیات میں آپ کی اہمیت و عظمت کے مقامِ بلند کے لئے سزاوار و شائستہ تسلیم کرتے ہیں۔ علمائے اہل سنت سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کو راوی احادیثِ رسول اکرم تسلیم کرتے ہیں اور اُن کے بہت سے محدثین نے آپ کی تصدیق کی بناء پر احادیثِ نقل کی ہیں (اسد الغابہ، ج ۵)۔

ثانی زہر آ کے والد بزرگوار

آپ کے والد بزرگوار حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھائی، آنحضرت کے چچ زاد، آپ کے وصی و خلیفہ حق، ”أَعْلَمُ النَّاسَ بَعْدَ رَسُولٍ، احادیث ”أَقْضَاكُمْ، أَعْدَلَكُمْ، أَدْرَعَكُمْ، أَعْبَدَكُمْ“ کے مصداق ہیں (ان تمام کلمات کیلئے معتبر احادیث موجود ہیں)۔ پیغمبر اکرم کے بعد اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق کی آپ نورِ نظر ہیں کہ چشمِ عالم نے عرصہ گیتی پر جن کی نظیر نہیں دیکھی۔

آپ کی وہ ہستی ہے جس نے معرکہ ہائے صدر اسلام میں دستور رسالت کو اپنی نوکِ شمشیر سے فقر و اسلام کی کشمکش کے دوران رقم فرمایا اور غزوہ خندق میں اپنی کاری ضربت کی مدد سے اپنے لئے عبادتِ ثقلین سے برتری کا تمغہ حاصل کیا (حدیث: ”ضَرْبَةُ عَلِيٍّ يَوْمَ الْخَنْدَقِ أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ“)

زیبِ عالیہ اس عظیم باپ کی نورِ نظر ہیں جو ان تمام قوتوں کے حامل ہوتے ہوئے بھی تاریخ کی مظلوم ترین فرد اور غریب سقیفہ ہیں۔ آپ اُس عظیم ہستی کی پارہ جگر ہیں جن کی شان کے بارے میں متعدد آیاتِ قرآن گواہی دیتی ہیں۔ قرآینِ کرام آیہ طعم (سورہ دہر: 8)، آیہ زکوٰۃ (سورہ مائدہ: 55)، آیہ ولایت (سورہ نساء: 59)، آیہ تطہیر (سورہ احزاب: 33)، آیہ مہابلہ (سورہ آل عمران: 61) وغیرہم کی طرف رجوع فرمائیں۔

آپ اُس عظیم باپ کی بیٹی ہیں جس نے اپنی خلافتِ ظاہری کے زمانہ میں بہترین نظامِ حکومت قائم کیا، مملکت میں بلند ترین نظامِ عدل و انصاف کو رواج دیا، ایسا عدل کہ اپنی حکومت کے اختتام پر خود اپنی جان کی قربانی دے دی۔ اپنے دورِ اقتدار میں بے انتہا مصروفیات و مشاغل کے باوجود خوراک کے بوجھ اپنی پشت مبارک پر اٹھاتے، کوفہ کے فقراء اور بھوکے لوگوں کے گھروں پر اس طرح تشریف لے جاتے کہ انہیں شناخت بھی نہ ہو پاتی (کہ اُن کیلئے خوراک لانے والا ان کے امیر المؤمنین کے سوا اور کوئی نہیں)۔ اس طرح بھوکے رعایا کو سیر فرماتے اور مظلوموں کی دعائیں حاصل کرتے۔

آپ کی والدہ گرامی

سیدہ زینبِ عالیہ کی والدہ گرامی جناب فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا، سیدۃ النساء العالمین اور قرآن حکیم کے مطابق خیرِ کثیر (إِنَّا أَعْظَمْنَاكَ الْكَوْفَرُ) کی مصداق ہیں۔ یہ وہ بیٹی ہیں جن کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے وسیلہ سے خلق خدا کیسے تمام زمانوں میں حجتِ خدا قرار دیا۔ آنحضرت سیدہ طاہرہ کے دست ہائے مبارک کو چومتے اور فرماتے: ”میری بیٹی

فاطمہ بہشت کے پھولوں میں سے ایک پھول ہے اور مجھے فاطمہ سے بہشت کی خوشبو آتی ہے۔“

مؤرخین تحریر کرتے ہیں کہ جناب فاطمہ زہرا رسول اکرمؐ کی پیاری صاحبزادی تھیں۔ آپ سب سے زیادہ مخضرتؑ سے مشابہ اور ختم الانبیاء کی عظیم و اہم ترین یادگار تھیں۔ یہی وہ ہستی ہیں جن کیلئے ”اُمّ ابیہا“ کی کنیت بتائی گئی ہے 1۔

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا ایسی مجاہدہ و شہیدہ مادر گرامی کے بطن مبارک سے دنیا میں تشریف لائیں، ایسی مخدومہ کے

1۔ شاعر مشرق علامہ اقبالؒ ”رموز بے خودی“ میں زیر عنوان ”در معنی اس کہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا اسوۃ کاملہ ایست برائے نساء اسودہ“

سیدہ طاہرہ کی خدمت میں اس طرح خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

مریم از یک نسبت عیسی عزیز	از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز
نور چشم رحمتہ اللعالمین	آن امام اولین و آخرین
بانوائے آن تاجدارِ ہل آتی	مرتضیٰ، مشکل کشا، شیرِ خدا
پادشاہ و کلبائے ایوان او	یک حسام و یک زرہ سامان او
مادرِ آن مرکزِ ہر کارِ عشق	مادرِ آن کاروانِ سالارِ عشق
آن یکے شمع شبستانِ حرم	حافظِ جمعیتِ خیرِ الامم
تانشیند آتشِ ہیکار و کیں	ہشتِ بازو و بر سر تاج و نگین
وان دگر مولائے ابرارِ جہان	قوتِ بازوئی احرارِ جہان
در نوائے زندگی سوز از حسین	اہلِ حق حریت آموز از حسین
سیرتِ فرزندہا از امہات	جوہرِ صدق و صفا از امہات
مزرعِ تسلیم را حاصل بتول	مادران را اسوۃ کامل بتول
نوری و ہم آتشی فرمانِ برش	گم رضایش در رضائے شوہرِش
آن ادب پروردۂ صبر و رضا	آسیا گردان و لب قرآن سرا
گریہ ہائے او زبالیں بے نیاز	گوہرِ افشاندے بدامانِ نماز
اشکِ او برچید جبریل از زمیں	ہمچو شبنم ریخت بر عرشِ بریں
رشتہ آئینِ حق زنجیرِ پاست	پاسِ فرمانِ جنابِ مصطفیٰؐ است
ورنہ گردِ تربتش گردیدمے	سجدہا بر خاکِ او پاشیدمے

دودھ سے پرورش پائی جو عالم اسلام میں واحد معصومہ ہیں۔ آپ ہی کے دامنِ عاطفت میں زینبؓ پلٹی رہیں، ایسی مادرِ عظیم کی نورِ نظر میں جن کے مقامِ طہارت پر قرآن حکیم کی آیت گواہ ہے ("إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَ كُمْ تَطْهِيرًا" (ازاب: 33) اور آپ کا رشتہ رسولِ اکرم سے آیہ مہلبہ کے ذریعہ بھی پیوستہ ہے جس میں آپ کی والدہ محترمہ اصطلاح 'بِسَاءَ نَا' (سورہ آل عمران: 61) کی مصداق ہیں۔ بایں ہمہ آپ آغوشِ رسالت کی پروردہ بھی ہیں۔

آپ اپنی مادرِ محترمہ کی محرمِ راز ہیں۔ جناب سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی وفات سے متعلق بہت سے رموز، وفاتِ رسالت مآب کے بعد اختلافات رونما ہونے والے مسائل، حتیٰ کہ شہادت و تدفین امیر المومنین علیہ السلام سے مربوط روایات جناب زینبؓ عالیہ کی اسناد سے حاصل ہوتی ہیں (فاطمۃ الزہراء۔ الرحمانی)۔

برادرانِ ذی وقار

ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کے بھائی معصوم اور مقامِ خلافت و امامت کے مالک ہیں۔ بڑے بھائی حضرت امام حسن بن علیؓ سبطِ اوّل اور جوانانِ اہلِ جنت کے دوسر داروں میں پہلے سردار ہیں۔ آپ امام ہیں، آپ کا لقب مجتبیٰ ہے جس کی تائید رسولِ اکرم صلی اللہ وآلہ وسلم نے خود فرمائی ہے۔ آپ اُس ہستی کے مالک ہیں جس کے ارادہٴ معصم اور جسکی شجاعت کے باعث تاریخ کے حساس ترین موقعہ کا فیصلہ ہوا جس سے اسلام نے بہت فائدہ اٹھایا۔ آپ نے جہلاء کے عائد کردہ اتہامات و الزامات کو قبول فرمایا لیکن ذلتِ اسلام اور قرآنِ فراموشی کو ہرگز پسند نہ کیا (صلح امام حسنؓ، ترجمہ: آیۃ اللہ خامنہ ای)۔

آپ کے دوسرے بھائی حضرت امام حسینؓ ابنِ علیؓ جوانانِ جنت کے دوسرے سردار ہیں۔ اس سلسلہ میں حدیثِ رسولِ اکرم مشہور و موجود ہے:

”الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ“.

سیدہ زینبؓ امام حسین علیہ السلام کے جہاد میں ان کی برابر کی شریک کار ہیں، وہ حسینؓ جنہوں نے اپنے لئے شہادت کا انتخاب کر کے ایک عظیم و جاوید شہادت کی بنیاد قائم کی اور اس طرح اسلام کو زندگی اور مکتب تشیع کو حیات و شہرت جاوید و دائم سے ہمکنار کیا۔

آپ کے ایک اور بھائی حضرت ابوالفضل العباسؓ ہیں جو واقعہ کربلا میں سپاہِ حسینی کے ذمہ دارِ سقایت اور علمدارِ لشکر ہیں، جن کے خلوص و محبتِ راہِ حق کے عاشقان و دلدادگان کیلئے سبقِ مہیا کرتے ہیں۔ آپ روزِ عاشورا امام حسینؓ کے قوتِ بازو اور

زور پشت و کمر میں، جیسا کہ امام عالی مقام نے آپ کی شہادت کے بعد فرمایا، ”اب میری کمر ٹوٹ گئی ہے“ (فتہی الآمل)۔

ان کے علاوہ حضرت ام البنین سلام اللہ علیہا کے دوسرے صاحبزادگان ثانی زہراؑ کے بھائی ہیں جنہوں نے جہادِ شوریہ میں ہدفِ جناب سید الشہداء کی اعانت میں بے نظیر شجاعت کا مظاہرہ کیا اور خورشیدِ امامت کے گرد مستعد و قمر ہائے درخشش کی مانند ہالہ کئے رہے۔ اس طرح انہوں نے اپنی شہادتوں سے کربلا کے ہدفِ مقدس کی خاطر اپنا مقام رفیع پیدا کیا۔

آپ کے ایک اور بھائی حضرت محمد بن علی (المشہور محمد حنفیہ) ہیں جو شہیدِ عدالت کے باعث (حکمِ امام سے) میدانِ کربلا میں حاضر ہونے سے معذور رہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کے مقدس خاندان کی شان

سیدہ زینبؑ علیا نسل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہیں جو ہر قسم کی خطا سے معصوم و محفوظ ہیں۔ آپ کے والد ماجد بھی معصوم ہیں، معصوم مادرِ گرامی کی نو نظر اور امام حسن و امام حسین علیہما السلام جیسے معصوم بھائیوں کی خواہر محترم ہیں۔ ایسے گھر کی فرد ہیں جس میں والدینِ نامدار شہیدِ محراب، والدہ معظمہ شہیدہ و معصومہ و مظلومہ، ایسے شہیدانِ راہِ خدا بھائیوں کی بہن جو نسل در نسل راہِ خدا میں قربانیاں پیش کرتے رہے۔

آپ کے خاندان کی شان میں آیہ تطہیر (احزاب: 33)، آیہ مباہلہ (آل عمران: 61)، آیہ مؤذۃ (شوری: 23)، آیہ اطعام (دھر: 8)، آیہ زکوٰۃ (مائدہ: 55)، آیہ ولایت (نساء: 59) اور دیگر بہت سی آیاتِ قرآن نازل ہوئیں۔

علی بذالقیاس آپ کے پاک خاندان کی شان میں حدیثِ ثقلین (انی تارک فی کم الثقلین....)، حدیثِ ولایت (من کنت مولاه....)، حدیثِ منزلت (انت منی بمنزلہ ہارون....)، حدیثِ مواخاۃ (انت اخي....)، حدیثِ سفینہ (مثل اهل بیتی کمثل سفینۃ نوح....) وغیرہ وارد ہوئی ہیں۔

پس زینبؑ عالیہ جمالِ ظاہر و باطن کی حامل، اہل بیتِ عظام کے شجرِ مقدس کی فرد، مصداقِ غیرتِ رسولؐ، نسلِ ابوطاہب کی نمائندہ، خدیجہ الکبریٰ علیہا السلام کی نواسی، امامِ معصوم کی بیٹی، امامِ معصوم کی بہن، امامِ معصوم کی پھوپھی، تابعِ معصوم اور نسلِ معصوم سے ہیں۔

لہذا ایسی صاحبِ عظمت ہستی، زینبؑ، کے مانند کون ہو سکتا ہے؟ کون ہے جو آپ کی شان و مرتبت اور حسب و نسب میں برابری کر سکے؟ یہی وجہ ہے کہ زبانِ آپ کے بیانِ اوصاف سے عاجز ہے۔

نوٹ مترجم

آپ کے بھائی بہنوں میں سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی اولاد کے علاوہ درج ذیل حضرات گرامی کے اسمائے مبارک آتے ہیں:

- 1- محمد الاوسط، شہدائے کربلا میں شامل ہیں۔ آپ کی والدہ گرامی کا نام امامہ بنت ابی العاص ہے۔
- 2- عبداللہ، عثمان اور جعفر، حضرت عباس کے بھائی ہیں۔ ان کی والدہ محترمہ فاطمہ بنت خرام کلابیہ المعروف امہ البنین ہیں۔ یہ سب حضرات کربلا میں شہید ہوئے۔
- 3- محمد الاصفیٰ، یہ بھی شہدائے کربلا میں شامل ہیں۔ ان کی والدہ محترمہ لیلیٰ بنت مسعود دارمیہ ہیں۔ اسما بنت عمیس بھی بتایا جاتا ہے۔ (سیرت امیر المومنین مؤلفہ علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم)۔
- 4- عون بن علی، کربلا کے شہداء میں ہیں۔ ان کی والدہ گرامی حضرت اسماء بنت عمیس ہیں۔

(سراج المسبین مؤلفہ سید اولاد حیدر فوق بلگرامی)۔

۲۔ ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کی ولادت با سعادت

تاریخ کے مطابق حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی تین صاحبزادیاں تھیں، جبکہ تینوں کے نام زینب ہی ہیں۔ تفصیل اس طرح ہے:

- 1- زینب، جن کا دوسرا نام رقیہ ہے۔ ان کا دفن مشہور روایات کے مطابق مدینہ میں ہے۔
- 2- زینب کبریٰ جو عقیلہ بنی ہاشم کہلاتی ہیں، شام میں مدفون ہیں۔ (بعض روایات کے مطابق ان کا مزار مصر میں ہے)۔
- 3- زینب صغریٰ جو ام کلثوم کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی قبر مبارک شام میں ہے۔ بعض روایات کے مطابق آپ بھی مصر میں مدفون ہیں (روایت ڈاکٹر بنت الشاطی)۔

بہر حال ہماری گفتگو جناب زینب کبریٰ علیہا السلام سے متعلق ہے۔ آپ حضرات علیٰ وفاطمہ کے گلشن اقدس کا تیسرا اثر ہیں۔ روایات کے مطابق آپ کا مزار شام میں 'زینبیہ' کے مقام پر واقع ہے۔ بعض راوی آپ کا مزار اقدس مصر میں اسی نام یعنی 'زینبیہ' ہی کے مقام پر بتلاتے ہیں۔ (ممکن ہے ان کا خیال حقیقت کے قریب تر ہو، تاہم مناسب مقام پر ہم آئندہ صفحات میں اس بارے میں بحث کریں گے)۔

امیر المومنین علیہ السلام کی دختر اکبر

جناب زینب علیہ، جن کے متعلق ہم گفتگو کر رہے ہیں، حضرت علی علیہ السلام کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں۔ آپ کی اولاد میں ان کا مقام تیسرا ہے۔ اگرچہ اس سلسلہ میں اقوال مؤرخین میں کسی قدر اختلاف پایا جاتا ہے، تاہم جو بات ہم عرض کر رہے ہیں اس پر شیعہ مؤرخین متفق ہیں۔ (بعض حضرات جناب فاطمہ طاہرہ کی پہلی صاحبزادی کا نام رقیہ بتاتے ہیں اور روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر سے ان کی شادی ہوئی تھی جن سے زید نامی بیٹا متولد ہوا تھا جو امام حسن کی خلافت کے زمانہ میں انتقال کر گیا تھا۔ ہم اس روایت کو تسلیم نہیں کرتے، نہ ہی اسلام کے بزرگ افراد مؤرخین نے اس قول کو قبول کیا ہے)۔

مکتب ہائے تشیع و تسنن دونوں کے صحیح و دلائل اس امر پر موجود پائے جاتے ہیں کہ زینب علیہ سلام اللہ علیہا حیات جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیدا ہوئیں:

”أَنَّهَا وَلِدَتْ فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ“ (تاریخ ابن کثیر)۔

یہ بات کہ آپ نے کتنا عرصہ حیات رسول اکرم دیکھا، مؤرخین کے درمیان ایک امر مورخ اختلاف ہے۔ مؤرخین نے مختلف اسانید تاریخ کی بنا پر چھ یا سات برس کا عرصہ تحریر کیا ہے (آپ کی تاریخ ولادت کا تعین اسی تناظر میں کیا جانا چاہئے)۔

آپ کا سن ولادت

سن وفات کی طرح آپ کی تاریخ ولادت میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، اس سلسلہ میں یہ روایات ملاحظہ فرمائیں:

بعض حضرات نے آپ کی ولادت 9 ہجری میں ذکر کی ہے جس کی سب اسناد ضعیف ہیں۔ معلوم ہوتا ہے انہیں ولادت حضرت ام کلثوم سے اشتباہ ہوا ہے۔

بعض مؤرخین نے آپ کا سن ولادت 6 ہجری ذکر کیا ہے۔ اس بارے میں کافی روایات موجود ہیں۔

بعض لوگوں نے سن ولادت 5 ہجری بتلایا ہے۔

کچھ حضرات نے 4 ہجری حضرت کا سن ولادت قرار دیا ہے جو ضعیف روایت ہے اور شیعہ مؤرخین کے نزدیک اس کی کوئی سند نہیں۔

ثقل ترین روایت یہی ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت 5 ہجری میں ہوئی۔

علامہ مجلسی اور دیگر علمائے اعلام نے اسی روایت کو قبول فرمایا ہے جو ہر حالت میں ولادت امام حسین علیہ السلام کے دو

سال بعد قرار پاتی ہے۔ مصری مؤرخ ڈاکٹر بنت الشاطی نے بھی اسی روایت کو صحیح قرار دیا ہے (نہب الکبریٰ: نقدی، ص 33۔ نهضة الحسين، شہرستانی۔ نبات النبی، ص 199)۔

”وَلَدَتْ الزَّهْرَاءُ طِفْلَتَهَا الْأُولَى فِي الْعَامِ الْخَامِسِ مِنَ الْهِجْرَةِ“

آپ کی ولادت 6 ہجری میں بھی مابین مؤرخین مشہور ہے جنہوں نے اس روایت کو مستند جانتے ہوئے اس بارے میں روایات تحریر کی ہیں۔ وہ مقرر ہیں کہ آپ کی ولادت باسعادت وفات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پانچ سال قبل ہوئی۔

”فَإِنَّ الْحَسَنَ وَلِدَ قَبْلَ وَفَاتِ جَدِّهِ بِثَمَانٍ سِنِينَ، وَالْحُسَيْنَ بِسَبْعٍ سِنِينَ، وَزَيْنَبَ الْكُبْرَى بِخَمْسٍ سِنِينَ“۔ (باب زینبیہ: سیوطی)۔

آپ کی ولادت کا مہینہ و تاریخ

اس سلسلہ میں بھی روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

بعض مؤرخین آپ کی تاریخ ولادت ۵ جمادی الاول قرار دیتے ہیں اور یہ رائے مستند بھی جاتی ہے (نہب کبریٰ)

بعض تاریخ ولادت ماہ رمضان کی آخری تاریخوں میں تحریر کرتے ہیں لیکن یہ روایت ضعیف ہے (فاطمہ زہرا: 646)۔

بعض نے ماہ شعبان کے آخر میں یوم ولادت لکھا ہے لیکن یہ روایت بھی ضعیف ہے۔

المختصر اہل تشیع کے بزرگ مؤرخین نے ۵ جمادی الاول ہی کو زینبؑ عالیہ کی تاریخ ولادت باسعادت تسلیم کیا ہے۔

آپ کی ولادت باسعادت مدینہ منورہ میں حضرت امیر المومنین علیؑ علیہ السلام کے بیت الشرف میں واقع ہوئی اور آپ کے والدین کے لئے بہت زیادہ مسرت و شادمانی کا باعث ہوئی۔

حالہ غم

روایات مستند سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت کے دن جبکہ ہر طرف انبساط و شادمانی نظر آ رہی تھی، حضرت رسول خدا، امیر المومنین حضرت علیؑ علیہ السلام اور جناب سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کے چہرہ ہائے اقدس پر یکا یک غم و اندوہ کے سائے نظر آنے لگے۔ ڈاکٹر بنت الشاطی اور دیگر مؤرخین نے بھی یہ روایات رقم کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”حضرت سلمانؓ فارسی، جو خاندانہ رسولؐ کے دوستانہ خاص میں شمار ہوتے ہیں، امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت اقدس میں ولادت ثانی زہراؑ کی خوشخبری پر مبارکباد کیلئے حاضر ہوئے۔ اس ملاقات میں انہوں نے حضرت علیؑ علیہ السلام کو

رجیدہ پاکر وجہ غم دریافت کی۔ حضرت نے سیدہ زینب کی آئندہ زندگی کے حوادث اور اُن واقعات کا ذکر فرمایا جو اس مخدومہ کو کربلا میں پیش آنے والے تھے، اور بیان کرتے ہوئے گریہ فرمایا (زینب بانوئے قہرمان کربلا: ص 27)۔

اس کے علاوہ بھی کئی روایات نقطہ استناد کو پہنچتی ہیں کہ آپ کی ولادت کے بعد بہت سے حالات غم اور حکایات اندوہ آپ کے بارے میں ذکر ہوتی رہیں جن میں اُن واقعات کا تذکرہ پایا جاتا ہے جو واقعات کربلا کے مصائب کے سلسلہ میں محترمہ کو پیش آنے والے تھے۔

اس پیش گوئی کے مواقع

ان واقعات کی پیش گوئی کس نے اور کب کی، اس بارے میں بہت سی روایات ملتی ہیں۔ بعض مؤرخین کے مطابق آپ کے قبل از ولادت جبکہ آپ سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کے شکم مبارک میں تھیں، آپ نے اپنی اس عظیم صاحبزادی سے متعلق یہ خبر خود جناب رسول خدا سے سُن لی تھی۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ روایت حضرت علی علیہ السلام کی زبان مبارک سے شہزادی محترمہ کی ولادت کے بعد نقل ہوئی اور آپ نے بھی یہ خبر دہن مبارک رسول ہی سے حاصل کی تھی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم نے شہزادی کی ولادت کے بعد آپ کا نام رکھتے ہوئے ان حالات و واقعات کی خبر دی تھی۔

روایات صحیحہ میں وارد ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت کے بعد رسول گرامی اسلام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص زینب کبریٰ پر گریہ کرے گا، اس کو اُن کے برابر ثواب ملے گا (چہارہ معصومین، عماد زادہ: ص 17)۔

(ہمیں یہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کہ رسول اکرم کے اس فرمان سے مراد صرف حضرت کی جناب زینب کے ساتھ محبت اور معرفت کی وجہ سے ہے یا اُن پر گزرنے والے واقعات و مصائب کے خیال سے ہے)۔

۳۔ سیدہ زینب کے اسما و القاب گرامی

اسم گرامی زینب کبریٰ ہے، بنی ہاشم کی بزرگ ترین خواتین میں سے ہیں۔ یہ وہ اسم گرامی ہے جو جناب رسول خدا نے آپ کے لئے اُس دور میں تجویز فرمایا جب عربوں کے ذہنوں میں ابھی اندیشہ ہائے دور جاہلیت باقی تھے، جب وہ بنی کی ولادت کو نہ صرف یہ کہ مبارک و مسعود نہ جانتے تھے بلکہ بیٹی کی پیدائش کو اپنے خاندان کیلئے باعثِ ننگ و عار سمجھتے تھے۔

جاہلیت کے اُس تاریک دور میں جب بیٹیاں اکثر پیدا ہوتے ہی موت کی آغوش میں پہنچا دی جاتی تھیں، ظہور اسلام

کے بعد رسول اکرم کے خانہ اقدس میں جناب سیدہ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کی ولادت باسعادت سے، جن کی ذاتِ رami مخلوقِ خدا یعنی حجت خدا کا مقام رکھتی ہے، خواتین کی صنف کو احترام و محبت سے دیکھا جانے لگا۔ پیغمبر اکرم نے سیدہ فاطمہ سدم اللہ علیہا کی عزت و احترام کر کے لوگوں کو سکھلا دیا کہ بیٹی کی جانب کس طرح رجوع کرنا اور اس کے مقام کا کس طرح ادراک کرنا چاہئے۔ نتیجہ کے طور پر لوگوں کے اذہان کم و بیش بدلنے لگے اور انہوں نے اسلامی تصور کو اپنانا شروع کیا، تاہم ابھی کچھ متعصب و بداندیش ایسے تھے جو بیٹی کے وجود سے کراہت رکھتے تھے کہ اسی دور میں حضرت علی علیہ السلام کے مقدس گھر میں جناب زینب کی ولادت ہوئی جن کو وہی احترام و عزت حاصل ہوئی جو جناب رسول اکرم کی جانب سے اُن کی والدہ محترمہ جناب سیدہ طہرہ کو ملی تھی۔ اس طرح یہ دوسری ہستی تھی جس پر مخلوق خدا میں خواتین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہوئی۔ یہ ایسی حجت تھی جس نے جاہلانِ عرب کے تاریک ذہنوں اور غلط افکار پر تازیانہ جدید و تازہ کا کام کیا کہ آپ کا اسمِ رami ”زین اب“ یعنی اپنے والد بزرگوار کی زینت قرار پایا، خاندانِ امیر المومنین علی علیہ السلام نے آپ کی ذات سے فروغِ تازہ حاصل کیا، درآنحالیکہ ابھی وہ دور جاری تھا جب کئی دوسرے خاندانوں میں بیٹی کی ولادت کی خبر سن کر غم و اندوہ سے باپ کا چہرہ سیاہ ہو جایا کرتا تھا۔ (وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ - نحل: 58)۔

ثانی زہرا کا نام تجویز کرنے کی کیفیت

جب آپ دُنیا میں تشریف لائیں تو جناب فاطمہ الزہرا نے اپنے شوہر نامدار سے درخواست کی کہ نوزائیدہ بیٹی کا نام تجویز فرمائیں۔ حضرت علی نے فرمایا کہ وہ اس کام میں جناب رسول خدا پر، جو اُن دنوں سفر پر تھے، سبقت نہیں کر سکتے۔ جب رسول اکرم سفر سے واپس تشریف لائے تو اُن سے درخواست کی گئی کہ نومولود شہزادی کے لئے نام تجویز فرمائیں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ وہ اس کام میں اللہ تعالیٰ پر سبقت نہیں لے جائیں گے۔ پس جبریل امین نازل ہوئے اور عرض کی کہ پروردگار آپ پر سلام بھیجنے کے بعد ارشاد فرماتا ہے کہ شہزادی کا نام زینب رکھا جائے۔ (زینب الکبریٰ: ص 329)

آپ کا نام تجویز کرنے کے سلسلہ میں دیگر مورخین، بلکہ محققین اہل سنت نے بھی رسول اکرم کی موجودگی و منشاء کی تائید کی ہے۔ (چہارہ معصوم: ص 337)

ڈاکٹر بنت الشاطی، مصنفہ کتاب ”زینب بطللة کربلا“ (کربلا کی شیردل خاتون) اپنی ایک اور کتاب میں، جو انہوں نے دخترِ رسول اکرم کے بارے میں تحریر کی ہے، لکھتی ہیں:

”فاطمۃ کی بیٹی دنیا میں آئیں تو اُس کے نانا نے اُس کے نام کو ”زینب“ کی زینت بخشی۔“

”وَلَدَتْ الزَّهْرَاءَ طِفْلَتَهَا وَ..... وَ سَمَّاهَا جَدُّهَا زَيْنَبُ.....“ (بنات النبی ص 199)

جناب زینب سلام اللہ علیہا کی کئی کنیات ذکر ہوئی ہیں جن میں سے چند ایک کتب تاریخ میں زیادہ مشہور ہیں۔ آپ کی مشہور ترین کنیت ”اُم کلثوم“ ہے اور اس کی نسبت بھی رسول خدا ہی کی طرف دی جاتی ہے (حوالہ اولیٰ) فرق صرف یہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ جناب سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا سے حضرت علی علیہ السلام کی دو بیٹیاں ہوئیں، ایک کا اسم گرامی زینب کبریٰ ہے جو اُم کلثوم کبریٰ کہلاتی ہیں اور دوسری بیٹی کا نام زینب صغریٰ ہے جن کو اُم کلثوم صغریٰ کہتے ہیں (دروضة الشهداء)۔

آپ کی ایک اور کنیت ”اُم الحسن“ ہے (تحفة العالم - سید جعفر آل بحر العلوم)۔ اس کنیت کی نسبت بھی جناب رسول خدا ہی کی طرف دی جاتی ہے، اگرچہ بعض محققین اس کو تسلیم نہیں کرتے تاہم اسناد تاریخ سے اس کی تائید ہوتی ہے (اسباب الطالین: ابن عتیبة)۔

اس سلسلہ میں ایک اور نکتہ قابل ذکر ہے، وہ یہ کہ عربوں میں دستور تھا کہ وہ لڑکپن کے دوران ہی افراد کی کنیت مقرر کر دیتے تھے۔ اس بات کو ضروری نہ جانتے تھے کہ کوئی بڑا ہو کر ماں یا باپ بنے اور اس کے بعد اس کی اولاد کے نام پر اس کی کنیت مقرر کی جائے۔

ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کے القاب

جناب زینب عالیہ کی حیات اقدس کا کچھ زمانہ گزرنے اور آپ کی عظیم صفات کے ظاہر ہونے کے بعد آپ کے متعدد القاب کی تعیین کی نوبت آئی اور آپ کی مخصوص صفات کے اعتبار سے لوگ آپ کو موسوم کرنے لگے۔ ہم ان تمام مباحث کو جمع کرنے اور آپ کی جملہ صفات و القاب کا ذکر کرنے کی قوت نہیں رکھتے، تاہم بعض کتب تاریخ و سیر میں جن بعض موارد کا ذکر فرمایا گیا ہے، ہم وہ پیش کئے دیتے ہیں:

آپ کو عظیم و خردمند خاتون کو طور پر ”عقیلہ“ کا نام دیا گیا ہے، لغت کی کتب میں لکھا ہے (ابو الفراج اصفہانی):

”العقیلہ الکریمة المخدّرة“ (المنجد)۔

”لَبِیَّةٌ جَزُلَةٌ عَاقِلَةٌ“ یعنی تیز فہم، تیز ادراک و خردمند خاتون۔ (سیوطی: زینبیہ)

”عقیلة جلیلة“ یعنی ہر شوکت و ہر جلال بی بی۔ (فرید وجدی)

”اھراة عاقلة“ یعنی خردمند و مخدومہ۔ (ابن اثیر)

”عقيلة طالبین“ یعنی عقیلہ خاندان ابوطالب۔ (زینب اخت الحسین، ص 13)

”محدثہ“، چونکہ آپ احادیث پیغمبرؐ کی راوی ہیں، اس لئے کہ آپ کا اسم گرامی موردِ اہام اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا اور یہ وہ بخشش ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے پاک و نیک بندوں پر رحمت فرماتا ہے (زینب الکبریٰ)۔

”بطلة کربلا“ یعنی کربلا کی شجاع خاتون۔ (بنت الشاطی)

”اہل التقی“ یعنی جو اہل تقویٰ اور شب و روز مصروفِ عبادت ہوں۔ (الانوار القدسیہ: شرف الدین)

آپ کیلئے سب سے بڑا لقب فرمودہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام ہے، آپ نے فرمایا:

”اَنْتَ بِحَمْدِ اللَّهِ عَالِمَةٌ غَيْرُ مُعَلَّمَةٍ، فَهَمَّةٌ غَيْرُ مُفَهَّمَةٍ“۔

یعنی ”الحمد للہ! آپ وہ عالمہ ہیں جس نے کسی انسان سے سبق نہیں لیا اور ایسی با فہم خاتون ہیں کہ کسی بشرِ عامہ نے آپ کو عقل و فہم تعلیم نہیں کی“۔ (بارہ محرم: کوفہ)

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے خاندان میں آپ زیادہ تر عقیلہ یعنی ہاشم کے نام سے مشہور ہیں، یہاں تک کہ کہیں کہیں تو اس لقب نے آپ کے اسم گرامی کی جگہ لے لی ہے۔ ادباء کی زبان میں زیادہ تر نگہبان و امین، ”مھین“، بنی ہاشم کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔

آپ کے دیگر القاب

کتاب ”فاطمۃ الزہراء“ کے مصنف نے اپنی مختصر لیکن جامع تحقیق کے دوران اولادِ جناب سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کے حالات رقم کرتے ہوئے سیدہ زینب کا تذکرہ کیا ہے۔ اپنی تحقیق کے سلسلہ میں انہوں نے بعض اسناد کے حوالہ سے ثانی زہراء کے القاب کی ایک فہرست تحریر فرمائی ہے جس کا ترجمہ ہم یہاں ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔ مصنف کتاب ”احمد الرحمانی الہمدانی“ نے درج ذیل کتب سے استناد فرمایا ہے:

زینب الکبریٰ: النقدي

خصائص الزینبیہ: الجزائری

الانوار القدسیہ: سید شرف الدین

عقيلة الوحی: سید شرف الدین

دیوانِ کمپانی: آیۃ اللہ غردی اصفہانی وغیرہ وغیرہ

- 1- عالمہ غیر معلمہ عالمہ بغیر استاد و معلم
- 2- فہمہ غیر مفہمہ سمجھانے والے سے بے نیاز فہمیدہ
- 3- کعبۃ الرزایا مصائب بزرگ کی آماجگاہ
- 4- نائبة الزہراء سیدہ فاطمۃ الزہرا کی جانشین
- 5- نائبة الحسین نائبة الحسین امام حسین علیہ السلام
- 6- ملیکتۃ النساء خواتین کی سرادار
- 7- عقیلۃ النساء دنیائے خواتین کی خاتونِ ثر و مند
- 8- عدیلۃ الخامس من اہل الکساء خامس آلِ عباس امام حسین کی ہمت
- 9- شریکۃ الشہداء شہداء کی شریک شہادت
- 10- کفیلۃ السجاد سید الساجدین علیہ السلام کی سرپرست
- 11- ناموس رواق العظمتہ آستانہ عظمت کی ناموس
- 12- سیدۃ العقائل صنفِ خواتین کی سردار
- 13- سرِ ابیہا اپنے پدر بزرگوار کی رازدراں
- 14- ولیدۃ الفصاحۃ فصاحت و بلاغت کی پیداوار
- 15- سلالۃ الولایۃ خلاصۃ ولایت
- 16- شقیقۃ الحسن امام حسن علیہ السلام کی خواہر عزیز
- 17- عقیلۃ خدر رسالۃ حریم رسالت کی خند و مہ
- 18- رضیعۃ الولایۃ دامانِ ولایت کی پروردہ
- 19- البلیغۃ بلاغت پر عبور رکھنے والی خاتون
- 20- الفصیحۃ فصاحت کی مالک خاتون
- 21- الکلمۃ خاتونِ کاملہ

- 22- عابدہ آل علیؑ خاندانِ علیؑ کی عابدہ
- 23- الصديقة الصغرى صدیقہ صغریٰ (ثانی زہرا)
- 24- الموثقه موروثوق واعتماد بی بی
- 25- عقيلة الطالبين خاندانِ ابوطالب کی عاقلہ
- 26- الفاضله ملکہ فضل و فضیلت
- 27- عقيلة الوحى خاندانِ وحی کی عقیلہ
- 28- شمه قلادة الحلاله شوکت و جلال کی ذرِ درخشاں
- 29- نجمة سماء النبالة آسمانِ نجابت و شرافت کا ستارہ
- 30- المعصومة الصغرى معصومہ صغریٰ
- 31- قرنية النوائب مصائب کی ہمد
- 32- محبوبة المصطفىؐ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب
- 33- قرة عين المرتضىؑ علی مرتضیٰ علیہ السلام کی نورِ چشم
- 34- صابرة محتسبة نگہبان (مخدومہ صبر)
- 35- عقيلة النبوة خاتہ نبوت کی خاتونِ اعلیٰ
- 36- ربة خدرا لقدس حریمِ قدس کی نگہبان
- 37- قبلة البريا نیک و ابرار کی قبلہ نما
- 38- رضية الوحى پستانِ وحی کے دودھ سے پلّی ہوئی بی بی
- 39- باب حطة الخطايا گنہ گاروں کی پناہ گاہ
- 40- حضرة على وفاطمة علیؑ و فاطمہؑ کی پارہ جگر
- 41- ربية الفضل خاندانِ فضیلت کی پرورش یافتہ
- 42- بطله كربلا کربلا کی ذمہ دارِ سستی (قہرمان)

- 43- عظیمۃ لواہا رایت بزرگ کی مالکہ
- 44- عقیلۃ القریش قریش کی عقیلہ
- 45- البالیۃ گریہ کرنے والی اشک ریز بی بی
- 46- سلیلۃ الزہراء خلاصہ فاطمۃ الزہرا
- 47- امین اللہ اللہ تعالیٰ کی امانت دار
- 48- آیۃ من آیات اللہ آیات خدا میں سے ایک آیت
- 49- مظلومۃ وحیدہ بے مثل مظلومہ
- 50- عارفہ عارف و مرشد شاس بی بی (فاطمۃ الزہرا: ص 636)

اسناد مزید

بعض اسناد میں آپ کو معینۃ المولایۃ بھی کہا گیا ہے، اس لئے کہ آپ یا در مقام ولایت تھیں، جس کی تفصیل یہ ہے:

”دور امیر المومنین علیہ السلام میں اپنی شوہر داری، خانہ داری، پرورشِ اولاد کے باوجود اپنے والدِ بزرگوار کے ذاتی امور کی آپ ہی منتظم تھیں۔

”اپنے امام بھائیوں کے زمانہ میں آپ ہر شخص سے زیادہ اپنے بھائیوں کی ولایت کی محرمِ راز اور ان کے ہمراہ رہتیں۔

”امام حسینؑ کے واقعہ کے دوران نہ صرف یہ کہ آپ امام کی مددگار و شریکِ جنگ بلکہ شریکِ مصائب و عسور تھیں۔

”شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بعد امام زین العابدین علیہ السلام کی مددگار، خطراتِ موت میں آپ کی محافظ، بیماری میں آپ کی منس و کفیل، مشاورت دہندہ اور آپ کی رازدار تھیں۔

”بعض اسناد میں آپ کو اس لئے عقیلہ کہا گیا ہے کہ عظیم القدر حضرات کے درمیان اور اپنے خاندان پر عظمت میں آپ محبوب ترین اور عقل مند ترین مخدومہ تھیں۔

”آپ بیک وقت خاتونِ سرپرست، کربلا کی شیردل، محدثہ اور دیگر ایسے ہی اسمائے گرامی کی مالک ہیں، جن کی تفصیل کو ہم مختصر کر رہے ہیں۔“



۱۔ ثانی زہرا کا بچپن اور آپ کی تربیت

عالم انسانیت میں کم ہی ایسی بچیاں ہوئی ہوں گی جن کو ایسا عمدہ ماحول ملا ہو اور جنہوں نے اس قدر بلند پایہ تربیت حاصل کی ہو۔ ثانی زہرا کو بہترین ماحول تربیت نصیب ہوا۔ آپ نے گہوارہ عصمت میں آنکھ کھولی اور ایسے ماحول میں سن رشد کو پہنچیں جو منصب وحی کا حامل اور سایہ تطہیر سے ملا تھا۔ کون ایسا خوش نصیب بچہ ہوگا جو آغوش رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پرورش پاتا ہو، سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا جیسی عظیم مادر گرامی سے مادی و معنوی خوراک حاصل کرتا ہو، جو اپنے سر پر جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام جیسے پدر عالی قدر کا سایہ رکھتا ہو اور بچپن میں جناب حسن اور جناب حسین علیہما السلام جیسے دو معصوم بھائیوں کے ساتھ کھیلا ہو جو جوانانِ جنت کے دوسر دار ہیں!

کیا ایسی فضا و ماحول میں خیر و سعادت کے علاوہ اور بھی کچھ ہو سکتا ہے؟ کیا ایسے گھرانے میں یہ توقع ممکن ہے کہ جناب زینب عالیہ کے علاوہ کسی اور فطرت و مزاج کی خاتون پیدا ہو جو اپنے مقام پر خواتینِ عالم کیلئے باعث افتخار بن جائے؟

آغوش پاکِ مادر گرامی

سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی پارہ جگر، آپ کے سایہ عاطفت میں پرورش پا کر سن رشد کو پہنچیں۔ زینب علیا کا گوشت و خون سیدہ طاہرہ کے گوشت و خون سے بنا، ایسی بیٹی جو دو بیٹیوں کے بعد پہلی بچی کے طور پر دنیا میں آتی ہے، جس کی آمد گھر کی رونق اور خوشیوں کو زندہ کرتی ہے اور جس کو دیکھ کر ماں کا دل مسرت و شادمانی حاصل کرتا ہے، سیدہ فاطمہ زہرا کا دودھ پیا جو سبزِ عظمت و عصمت و تقویٰ کی مالک ہیں۔ تقریباً چھ برس اپنی والدہ مخدومہ کے ہمراہ رہیں اور اس تمام عرصہ میں اپنی مادرِ گرامی کی ہمراز و ہم آواز تھیں۔ سیدہ طاہرہ کی تنہائی اس بیٹی کے دم سے باقی نہ رہی اور وجودِ زینب نے خانہ سیدہ کی خلوت کو منور کیا۔

زینب عالیہ اپنی والدہ گرامی کے ساتھ منسلک رہیں، آپ کی ہم نوا و ہمراز وہم خیال بنیں، اس طرح کہ آپ کی شخصیت اپنی والدہ محترمہ کی شخصیت کے ساتھ اس طرح استوار ہوئی کہ آپ نہ صرف فاطمہ ثانی و صدیقہ صغریٰ کہلائیں بلکہ آپ کو عصمتِ کبریٰ کا پرتو تسلیم کیا گیا۔ اپنی مادرِ اقدس کے مقامِ بزرگ، اُن کے اخلاق و صفات و راہ و رسم، رسول اکرم کے

ساتھ اُن کے تعلق و متعلقہ فرائض، پدر عالی مقام کی خدمت، رسول خدا کی اطاعت اور ان کا مددگار نبوت کا مقام، سب باتیں سیدہ زینب کے لئے ایسے اسباق بنے جن کے مستقل اثرات ثانی زہرا کی مدت العمر میں باقی رہے۔

سیدہ زینب کا معاون و ولایت کا کردار، قرآن آموزی اور تعلیم قرآن کے لئے تکفیل درس، اللہ تعالیٰ کی عبادت اور محبت خداے بزرگ، امدادِ پیارگان اور سب سے بڑی بات آپ کا راہِ خدا میں ایثار و مبارزہ، قرآن کی خاطر اپنی تمام قوتوں اور زندگی کی قربانی وغیرہ، سب باتوں کیلئے چاہئے کہ قارئین کرام سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے اسوۂ حسنہ کی جستجو کریں۔ 1۔

پیغمبر کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کنارِ عاطفت کا زمانہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کا اسم گرامی 'زینب' رکھا۔ ثانی زہرا کو دیکھ کر آنحضرت کو آپ کی دختر گرامی 'زینب' (2) یاد آتی تھیں جنہوں نے صدیقہ صغریٰ کی ولادت سے تھوڑا عرصہ قبل وفات پائی تھی اور آنحضرت اُن کے فراق میں غمگین رہتے تھے۔

آنحضرت کو اُن سے گہری محبت تھی، انہیں اپنی آغوش میں بٹھاتے اور اُن سے راز و نیاز بھی کرتے۔ اُن کی تربیت بھی اپنی مادر گرامی کی طرح آنحضرت کے زیر سایہ ہوئی۔ بہ الفاظِ دیگر یہ بات مقدر ہو چکی تھی کہ یہ اور اُن کی والدہ محترمہ ایک ہی طریق پر پرورش پائیں۔

چنانچہ ثانی زہرا پیغمبر اکرم سے بہت زیادہ مانوس تھیں، آپ آنحضرت کی نوازشات سے بہت زیادہ بہرہ مند ہوئیں، آنحضرت سے بہت سی ایسی باتیں سنیں اور سیکھیں جن کو مستقبل کے محدثین نے ثانی زہرا سے نقل کیا۔ ہم جانتے ہیں کہ اہل سنت حضرات کے محدثین اس اعتبار سے سیدہ زینب کو صحابیات رسول خدا میں شامل کرتے ہیں (اسد الغابہ، ج 5، 'زینب')۔

آپ کی تربیت کے چند اولین برس بیت رسالت، محیط نبوت اور خانۂ وحی میں بسر ہوئے، وہ گھر جو خمسہ آل طیب کا

1۔ شاعر مشرق علامہ اقبال کہتے ہیں:

جوہرِ صدق و صفا از امہات

سیرتِ فرزندا از امہات

مادران را اسوئہ کامل بتول

مزدع تسلیم را حاصل بتول

2۔ یہ زینب حضرت ام المومنین ام سلمہ کی صاحبزادی، ربیبہ رسول تھیں۔ تھوڑی سی رسول اللہ کی صحبت اور اُن کے فیض سے انہوں نے نمایاں فقیہی شخصیت تعمیر کر لی تھی۔ ملاحظہ ہو "کربلا کی شیردل خاتون" ص ۳۷، مطبوعہ امامیہ مشن، لاہور، مقدمہ از علامہ ڈاکٹر مجتبیٰ حسن کامونپوری۔ رسول اکرم کی ان سے محبت کی وجہ حضرت ام سلمہ کی محبت رسول بھی ہو سکتی ہے (مترجم)۔

خانہ سعادت اور مرکز حیات و رشد و ہدایت تھا۔ اسی گھر میں آیہ تطہیر اور پورے کا پورا قرآن نازل ہوا، اس گھر کے شاگرد علی و فاطمہ جیسے عظیم افراد تھے جن کے معلم خود حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔

اس طرح ثانی زہراؑ نے آغوش پیغمبر اسلام میں ہوش سنبھالا اور نبوت و ولایت کے شجرہ طیبہ کی اہم ترین شاخ قرار پائیں۔ اسی دامن تربیت میں آپ نے مدارج کمال طے کر کے علم، عفت، تقویٰ، عبادت، محبت خداوند تعالیٰ اور خدمت دین کی صفات میں اکملیت پا کر تربیت روحانی کے بلند ترین درجات کو طے کیا۔

دورِ ولایت پدربزرگوار

صدیقہ صفریؑ نے دامان ولایت علی مرتضیٰ علیہ السلام میں پرورش پائی۔ آپ اپنے والد گرامی کی محبت و عنایت کا مرکز اور آپ کی مبارک آنکھوں کا نور تھیں۔ (قرۃ العین المرتضیٰ - زینبۃ)

ایک وقت وہ تھا جب امیر المومنینؑ نے خود اپنے دست مبارک سے لقمہ غذا آپ کے دہن مبارک میں دیتے اور اپنے لطف و عنایت کی حرارت سے آپ کی پرورش فرماتے۔ آپ نے آغوش پدرو مکتب ولایت سے درس پایا، باب مدینہ عظمیٰ میں ہوش سنبھالا اور پرورش پائی۔ وفات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے تھوڑے عرصہ بعد آپ کی والدہ گرامی کی دنیا سے رحلت آپ کے پدیر عالی قدر کی آپ کی طرف زیادہ محبت کا سبب بنی۔ ایسے عظیم باپ کی نگہداشت، زندگی کے مراحل میں اپنے ذاتی مسائل میں گرانقدر باپ سے حصول درس و اسباق اخلاق، دیانت و توحید، برداشت و تحمل کی تربیت پائی اور یہ، حول و کیفیت محبت و ربط ۳۴ یعنی روزِ شہادت امیر المومنین علیہ السلام تک مستقل طور پر جاری رہا۔

ان عظیم باپ بیٹی کی تاریخِ زندگی مفصل موجود ہے۔ بعض اسناد تاریخ نشان دہی کرتی ہیں کہ بعض اوقات باپ اور بیٹی کے درمیان راز و نیاز کی رد و بدل بھی ہوا کرتی تھی جن کی طرف ہم بطور نمونہ اشارہ کرتے ہیں:

”الْتَفَّتْ (علی) اِنِّی زَيْنَبٌ وَ کَانَ عَلٰی یَسَارَہُ“

حضرت علی علیہ السلام نے حضرت زینبؑ کی طرف، جو آپ کے بائیں طرف تھیں، توجہ فرمائی۔
”فَقَالَتْ يَا اَبْتَاهُ اَتَحْبُبُنَا“

خورد سال زینبؑ نے اپنے پدربزرگوار سے پوچھا: ”بابا جان! کیا آپ کو ہم سے محبت ہے؟“
”قَالَ نَعَمْ، اَوْلَادُنَا اَكْبَارُنَا“

فرمایا: ”یقیناً میری بیٹی! میری اولاد میرے جگر کے ٹکڑے ہیں۔“

”فَقَالَتْ يَا أَبَتَاهُ، حُبَّانٍ لَا يَجْتَمِعَانِ فِي قَلْبِ الْمُؤْمِنِينَ“.

عرض کیا: ”بابا جان! مومن کے دل میں دو محبتیں تو جمع نہیں ہوتیں۔“

”حُبُّ اللَّهِ وَحُبُّ الْأَوْلَادِ“.

”یہ دو محبتیں اللہ کی محبت اور اولاد کی محبت ہیں۔“

”وَإِنْ كَانَ لِأَبَدٍ“.

”اور اگر یہ محبت ناگزیر ہو تو پھر چاہئے کہ.....“

”فَالشَّفَقَةُ لَنَا وَالْحُبُّ لِلَّهِ خَالِصًا“.

”ہماری طرف نظر مہر ہو اور محبت اللہ تعالیٰ کی جانب مخصوص ہو۔“

”فَازِ دَادَ عَلَيَّ حُبًّا“.

”اپنی عزیز بیٹی کی اس تیر فہمی کے باعث ہی حضرت علیؑ کی محبت آپ سے اور زیادہ ہوتی تھی“ (الحدیث، ج 1، ص 74)

برادرانِ عظیم کی ہمراہی

صدیقہ صغریٰ کا تعلق اُس گھرانے سے ہے جہاں آپ نے ایسے دو بھائیوں کے ساتھ بچپن گزارا اور دواپسے بھائی آپ کے ہم تربیت رہے جو دونوں حاملِ مقامِ عصمت ہیں، دونوں اس امت کے امام ہیں خواہ کھڑے ہوں یا بیٹھے ہوں.

”الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ إِمَامَانِ قَامَا أَوْ قَعَدَا“ (صلح امام حسن علیہ السلام).

دونوں اُن پانچ ہستیوں میں شامل ہیں جن کو اصحاب کساء کہا جاتا ہے۔ (مفتاح الجنان).

یہ بہن بھائی مدینہ میں مقامِ رشد کو پہنچے، وہیں پرورش پائی اور اُس گھر میں رہتے تھے جو مرکزِ وحیِ الہی تھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُن پر تربیتِ روحانی کی خاطر خاص نظرِ عنایت تھی اور جتنی دیر تک اپنے پاک والدین کی نظروں کے سامنے رہتے اُن کے دیدار سے ماں باپ کی آنکھیں روشن رہتیں۔

زیستِ عالیہ بچپن میں اپنے اس گھر میں بے حد خوش و خرم رہتی تھیں جبکہ ابھی تک کسی رنج و غم کا سایہ اُن پر نہیں پڑا تھا اور یہی اس بی بی کا دورِ شادمانی تھا۔ یہی وہ دور تھا جس کے آخر میں وفاتِ جناب رسالت مآب، حق والدِ بزرگوار کا نہ منہ، پھر وفاتِ وادۂِ رومی، ایسے واقعات ہوئے جنہوں نے ثانیِ زہر آ کے ظاہری دو راہِ نسا و شادمانی کو اُن سے چھین لیا۔

۴. ثانی زہرا کے اپنے گھر کی تشکیل

جناب ثانی زہراؑ کا بچپن گزرا، مصائب و مشکلات زندگی یکے بعد دیگرے ہجوم کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے خورد سالی کے دوران پدر بزرگوار کے سایہ عاطفت، اپنی کیفیت مزاج اور نرم خوئی کی بدولت جو آپ کی فطرت کا حصہ تھی، آپ اس قابل ہوئیں کہ ان تمام حادثات و واقعات ناخوشگوار کو برداشت کیا اور اُس عظیم پیام و پیغام پر نظر رکھی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کیلئے مقدر ہو چکا تھا۔ انتہایہ ہے کہ دنیا کا کون سا ذی شعور انسان ہے جو آپ کے کردار سے متاثر اور آپ کا مربوب منت نہ ہو!

آخر آپ کے دور جوانی و شباب کا آغاز ہوا۔ آپ باغ فاطمہؑ زہرا کا شمر تھیں۔ موقعہ آیا کہ آپ کے خانوادہ کی تشکیل کی نوبت آئے اور آپ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوں۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جس سے ہر انسان کو دوچار ہونا پڑتا ہے اور یہ ہر انسان کے فرائض حیات میں شامل ہے۔

ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کی خواستگاری

جب زینبؑ عالیہ جوانی کی عمر کو پہنچیں تو بہت سے اشراف و رؤسائے قبائل عرب نے آپ کے رشتہ کی خواستگاری کی۔ ان میں بعض دولت مند و مالدار تھے جو یہ زعم رکھتے تھے کہ اپنی دولت و ثروت کے بل پر سیدہ زینبؑ سے ازدواج کا افتخار حاصل کر لیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ اشعث بن قیس، جو قبیلہ کنده کے رؤساء سے تھا اور حضرت ابوبکرؓ کا بہنوئی تھا، اپنے مقام پر یہ غرور رکھتا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ اُس کے رشتے کے پیش نظر حضرت امیر المومنین علیہ السلام اس کو دادہ کے طور پر قبول فرمائیں گے۔ وہ ایک روز حضرت علیؑ علیہ السلام کے خانہ اشرف میں تھا کہ اُس نے دور سے شہزادی کو گزرتے دیکھا اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے شہزادی کیلئے خواستگاری کی۔ حضرت نے نہ صرف یہ کہ اس کی درخواست کو مسترد فرما دیا بلکہ اُس کے اُس غرور کی وجہ سے جو اُس کی درخواست کا سبب بنا تھا، اُس کی سرزنش بھی فرمائی۔ (عقد الفرید، ج 3، ص 301)

ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کے خواستگاروں میں ایک حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ طیار بھی تھے جو امیر المومنین علیہ السلام کے خانہ اقدس میں آمد و رفت رکھتے تھے اور جن سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خود جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام دلی محبت رکھتے تھے۔

عبداللہ ابن جعفر کے دل میں بھی زینبؑ عالیہ سلام اللہ علیہا سے شادی کی حسرت پرورش پاری تھی لیکن فطری شرم و حیا

مانع تھی کہ براہ راست حضرت سے خواستگاری کریں۔ پس انہوں نے ایک قاصد کو تیار کر کے حضور امیر المومنین علیہ السلام میں درخواست پیش کی۔ حضرت نے اس بات کو پسند فرمایا اور اُن کی درخواست قبول فرمائی 1۔

حضرت عبداللہ ابن جعفر

آپ حضرت جعفر طیار کے فرزند تھے، (وہ شہید جن کے بارے میں رسول اکرم نے فرمایا، بہشت میں وہ دو ہشتی پروں کے ساتھ پرواز کرتے ہیں)۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ حضرت جعفر طیار، امیر المومنین علیہ السلام کے حقیقی بھائی آپ سے پہلے مجاہدین راہ خدا کے ہمراہ اسلام کی خاطر درجہ شہادت پر فائز ہو چکے تھے۔ حضرت جعفر طیار کی بخشش و سخاوت اس بات کا سبب بنی کہ لوگ انہیں ”ابا لساکین“ یعنی مساکین کا باپ کہنے لگے۔ یہی میراث معنوی بعد ازاں اُن کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کو نصیب ہوئی۔

1 (i) امیر المومنین پیغمبر اسلام کی زبان مبارک سے وہ جملہ بھی سن چکے تھے جو آنحضرتؐ نے علیؑ و جعفرؑ کی اولاد کی بابت فرمایا تھا:

”بنا تالبنینا و بنو تالبننا“۔ ”ہماری بیٹیاں ہمارے بیٹوں کیلئے اور ہمارے بیٹے ہماری بیٹیوں کے لئے ہیں۔“

ظاہر ہے کہ خاندان کے بزرگ کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس کے نواسے اور نواسیاں، پوتے اور پوتیاں آپس میں ازدواجی سلسلوں میں منسلک ہو جائیں تاکہ اس کی نسل کا پاکیزہ سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے اور اس کے وجود کے ظاہری آثار مٹنے نہ پائیں۔ علیؑ ابن ابی طالب کو رسول خدا کا یہ جملہ کیونکر بھول سکتا تھا اس لئے علیؑ نے اپنی مقدس زندگی کے پاکیزہ مراحل کو تعلیمات نبوی سے پوری طرح ہم آہنگ کر لیا تھا، علیؑ اس حقیقت سے بھی آگاہ تھے کہ پیغمبر اسلام نے اُن جلیل القدر بھائی اور اسلام کے عظیم سپاہی جناب جعفر طیار شہید کی اولاد کے سلسلہ میں اپنے اس حقیقت آمیز جملہ میں کیا رہنمائی فرمائی ہے۔

(”زیعت، زیعت ہے“ ص ۶۷-۶۸، مؤلفہ۔ صادق، ترجمہ: آغا حسن رضا غدیری)

(ii) ثانی زہر آور عبداللہ ابن جعفر، عون اور حضرت ام کلثومؑ کے عقد رسول اللہ کی مخصوص وصیت کی بنا پر ہوئے۔ علامہ ابن شہر آشوب (م ۵۸۸ھ) نے منقب ص ۱۶۳ میں کتاب الاحکام الشریعہ کے حوالہ سے خوافی سے نقل کیا ہے کہ سرور انبیاء نے اولاد علیؑ و جعفرؑ کو دیکھا تو فرمایا: ”بنا تالبنینا و بنو تالبننا“، ”ہمارے لڑکے ہماری لڑکیوں کیلئے ہیں اور ہماری لڑکیاں ہمارے لڑکوں کیلئے ہیں۔“ اس سے عموماً خاندان کی لڑکیاں آپس میں ہی منسوب ہوتیں..... عبداللہ ابن جعفر اور اُن کے بھائی پہلے ہی سے امیر المومنین کی تربیت میں تھے اور انہی کی سرپرستی میں رہتے۔ حضرت زیعت سے شادی کے بعد بھی دونوں امیر المومنین ہی کے ساتھ رہے۔ حضرت ام کلثومؑ کے شوہر عون بھی اپنی بیوی کے ساتھ اپنی سسرال ہی میں رہتے (کر بلا کی شیر دل خاتون، ص ۴۸، مقدمہ از ڈاکٹر مجتبیٰ حسن کامونپوری)۔

مسلمانوں کی پہلی ہجرت میں حضرت جعفر طیار جماعتِ مہاجرین میں شامل (بلکہ ان کے سردار) تھے۔ آپ کے صاحبزادے عبداللہ حبشہ میں ہی پیدا ہوئے (الاصابہ، ج 4، ص 48)۔ 1۔

حضرت عبداللہ ابن جعفر طیار کی کنیت ابو محمد و ابو جعفر ہے۔ آپ جناب زینب کبریٰ کے چچا زاد ہیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ کے لئے دعائے خیر فرمائی۔

حضرت عبداللہ نے مصابحتِ رسول اکرم کا شرف بھی پایا۔ آنحضرتؐ نے انہیں اپنا موردِ عنایت قرار دیا۔ حتیٰ کہ انہیں اپنے ہمراہ مرکب پر سوار فرماتے اور راستہ میں اُن سے باتیں کرتے ہوئے احادیث بھی القاء فرماتے۔ کہتے ہیں کہ بعد میں حضرت عبداللہ رسول اکرم کے ساتھ ہونے والے مباحث کا تذکرہ فرمایا کرتے (اسد الغابہ، ج 3، ص 144)۔

اُن کی بیان کردہ روایات مستند تسلیم کی جاتی تھیں (مقاتل الطالین، ص 91)۔
وفاتِ پیغمبر اسلام کے وقت اُن کی عمر تقریباً دس سال تھی۔

حضرت عبداللہ ابن جعفر کی شخصیت

حضرت عبداللہ ابن جعفر سے جناب رسول خدا کو حد درجہ محبت تھی اور آنحضرتؐ نے، جیسا کہ قبل ازیں مذکور ہوا، انہیں دعائے خیر دی۔ ابن حجر انہیں شبیہ پیغمبر اسلام بتاتے اور اُن کے لئے آنحضرتؐ کا یہ قول تحریر کرتے ہیں:

”وَأَمَّا عَبْدُ اللَّهِ فَيَسْبُهُ خُلُقِي وَ خَلْقِي“

یعنی ”عبداللہ اخلاق و صفات میں بالکل میری شبیہ ہے“۔ (الاصابہ، ج 3، ص 49)

تمام مؤرخین جنہوں نے عبداللہ ابن جعفر کے بارے میں لکھا ہے انہیں کرامت و عزتِ نفس کی صفات سے یاد کرتے ہیں، بالخصوص اُن کی سخاوت پر بہت بحث کی گئی ہے۔ اُس دور کی تاریخ میں عرب کے دس افراد کا سخاوت کی شہرت کے سلسلہ 1۔ (i) حضرت عبداللہ کی ولادت حبشہ میں ہوئی اور ظہورِ اسلام کے بعد حبشہ میں پیدا ہونے والے وہ پہلے فرد ہیں۔

(”زینب، زینب ہے“، ص ۷۹، م۔ صادق، ترجمہ آغا حسن رضا غدیری)۔

(ii) عبداللہ ابن جعفر حبشہ میں پیدا ہوئے۔ عبداللہ ابن جعفر ہی کے نام پر حضرت جعفر طیار کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ چند روزہ قیام میں حضرت جعفر کا حبشہ کے بادشاہ نجاشی پر اتنا اثر ہو گیا کہ جب اُس کے یہاں بچہ پیدا ہوا تو عبداللہ کے نام پر اپنے بیٹے کا نام بھی اس نے عبداللہ رکھا اور اسماء کی تربیت میں اپنے بیٹے کو دے دیا۔ عبداللہ ابن جعفر اور فرزندِ نجاشی دونوں رضاعی بھائی تھے۔ (تذکرہ خواص الامہ، سبط ابن جوزی، ص ۱۰۶ ”کر بلا کی شیر دل خاتون“، ص ۴۰-۴۱، مقدمہ علامہ ڈاکٹر مجتبیٰ حسن کامونیوری، مطبوعہ امامیہ مشن، لاہور۔

میں ذرا آتا ہے۔ جن میں سب نے حضرت عبداللہ ابن جعفر کو اُن سب سے اونچی جگہ پر شمار کیا ہے بلکہ بعض مؤرخین نے تو حضرت عبداللہ کو قطب السخاء یعنی سخاوت کا منبع و مرکز قرار دیا ہے۔ (الاستیعاب: ابن عبدالبر)

حضرت عبداللہ ابن جعفر بڑے مالی استحکام کے مالک تھے۔ اپنے اس مال کو سخاوت و بخشش کی راہ میں صرف کرتے۔ اکثر مؤرخین نے انہیں اسی بنا پر کریم و نیک لوگوں کا سید و سردار تسلیم کیا ہے۔ ایک شاعر نے ان کی توصیف میں یہ شعر بھی کہا ہے:

وَلَوْ لَمْ يَكُنْ فِي كَفِّهِ غَيْرُ رُوحِهِ
لَجَادَ لَهَا فَلْيَتَّقِ اللَّهَ سَائِلُهُ

یعنی ”اگر اس کے ہاتھ میں اُس کی جان کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تو اُس کو بھی بخش دینے کو تیار تھا اور اُس کے پاس آنے والے سائل کی کیفیت یہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ پر نظر رکھتا اور ایسی درخواست اُس سے نہ کرتا“۔ 1

1۔ حضرت عبداللہ ابن جعفر کی یہ سخاوت جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کا نتیجہ تھی، جیسا کہ بہت سے مؤرخین کے تذکروں میں ذکر کیا گیا ہے۔ ہم یہاں دورِ حاضر کے چند مؤرخین کے اقوال ہدیہ قارئین کرتے ہیں جو حضرت عبداللہ کی دوست، اُن کے معیارِ سخاوت اور اس سلسلہ میں اُن کی فطرت کے آئینہ دار ہیں۔

(۱)۔ حضرت عبداللہ ابن جعفر مدینہ کے متمول اکابرین میں سے تھے۔ آپ کا مال و دولت دراصل نتیجہ دعائے سرکارِ دو عالم تھا۔ حضرت جعفر طیار کی شہادت کے بعد آنحضرتؐ نے دعا فرمائی کہ پروردگار! عبداللہ ابن جعفر کے کاروبار میں برکت دے۔ چنانچہ اسی دعا کے اثر سے وہ مدینہ کے مشہور سوداگر تھے۔ اس قدر سخاوت فرمایا کرتے تھے کہ ”منع جو دو سخا“ مشہور ہو گئے تھے۔ آپ کا درِ دولت ہمیشہ حاجت روائے فقراء رہا (حیات طیبہ حضرت زینبؓ، آیت اللہ عبدالحسین دستغیب، ترجمہ مولانا سید ہادی حسن نقوی، ص ۲۰، لاہور)۔

(ب)۔ ابو جعفر عبداللہ ابن جعفر ہاشمی آپ کے شریکِ حیات تھے۔

اُن کی والدہ اسماء بنت عمیس اور والد جعفر طیار دونوں مکہ سے ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے۔ حبش میں عبداللہ ابن جعفر پیدا ہوئے۔ عبداللہ باپ کے ساتھ مدینہ آئے۔ حضرت جعفر طیار جنگِ موتہ میں شہید ہو گئے۔ اس سانحہ کو رسول اللہؐ نے بہت محسوس کیا۔ عبداللہ اور اُن کے بھائیوں کے متعلق فرمایا: ”أَنَا وَلِيُّهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ“ (استیعاب، عبدالبر، ج ۱، ص ۲۴۲) یعنی ”میں دنیا و آخرت دونوں جگہ ان کا ولی ہوں“..... عبداللہ ابن جعفر کہتے ہیں..... ”رسول اللہ ایک دن گھر میں آئے۔ میں ایک بھری کی خرید کیلئے گفتگو کر رہا تھا۔ حضرت نے دعا دی۔ فرمایا: خداوند! عبداللہ کی تجارت میں برکت دے۔ اس دعا کا اثر یہ ہوا کہ میری تجارت میں ہمیشہ برکت ہوتی رہی (تذکرہ خواص الامہ، ص ۱۰۹) ایک دن رسول اللہؐ نے عبداللہ ابن جعفر کو دیکھا کہ وہ مٹی سے بچوں کے کھلونے تیار کر رہے ہیں۔ حضرت نے پوچھا کہ اسے کیا کرو گے؟ کہا: ”اے بچوں کا“۔ حضرت نے فرمایا: اُس کی قیمت کا کیا کرو گے؟“ کہا (جاری)

دورِ حکومتِ حق

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو حضرت عبداللہ پر مکمل اعتماد تھا۔ حضرت کی جنگوں اور دیگر امور میں عبداللہ شریک رہتے اور حضرت کی توجہ کا مرکز ہوتے تھے۔ جنگِ صفین میں تو عبداللہ حضرت کی فوج کے کمان دار اور حکام میں نظر آتے ہیں۔ لوگ جب حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے کوئی حاجت رکھتے اور حاضر ہونے میں شرم محسوس کرتے، یا اور کوئی وجہ حضرت کے سامنے پیش ہونے میں مانع ہوتی تو حضرت عبداللہ کو واسطہ قرار دے کر اپنی گزارشات خدمتِ امام میں پیش کرتے۔ لوگوں کا یہ طریق کار حضراتِ حسین علیہم السلام کے ہوتے ہوئے بھی بروئے کار لایا جاتا اور دونوں اماموں کے احترام و مرتبت کے پیش نظر لوگ حضرت عبداللہ کے توسل سے ہی درخواست گزار ہوتے۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

”کھانے کیسے کھجوریں خریدوں گا۔“ حضرتؑ نے فرمایا: ”اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُ صَفْقَةً بِمَنَّةٍ“ یعنی ”پروردگار عبداللہ کی تجارت میں برکت عطا فرما۔“ اس دعا کا اثر یہ تھا کہ عبداللہ جو تجارتی کاروبار کرتے اُس میں نفع ہوتا۔ ایک دن اُن کی تجارت اس درجہ کو پہنچی کہ ضرب المثل بن گئی۔ (مناقب سرودی ماژند رانی، ج ۱، ص ۱۳۶، مطبوعہ: ممبئی، ۱۴۰۲ھ)

سبط ابن جوزی نے بھی تذکرہ خواص الامہ میں لکھا ہے کہ جناب رسول خداؐ نے عبداللہ کے کاروبار میں برکت کی دعادی..... حضرت ابو بکرؓ کے انتقال کے بعد اسماء بنت عمیس امیر المومنین علیہ السلام کے عقد میں آگئیں۔ حضرت جعفر طیار کی شہادت کے بعد ہی سے عبداللہ اور اُن کے بھائی امیر المومنین کی تربیت میں آگئے تھے۔ عبداللہ کی والدہ اسماء سے امیر المومنین علیہ السلام کے عقد کے بعد عبداللہ اور اُن کے بھائی بہنوں کو اسی گھر کا قرب حاصل ہو گیا۔ عبداللہ ابن جعفر اور اُن کے بھائی بہن حضرت علیؓ کی تربیت میں رہے اور حضرت علیؓ سے فیض اٹھاتے رہے۔ النہیاتی مسائل، حربی واقفیت، اخلاقی و سیاسی تعلیم حضرت ہی سے پائی۔ تفسیر و حدیث، فقہ و خطابت میں عبداللہ نے اپنی ممتاز حیثیت بنائی..... سپاہیانہ تربیت عبداللہ کی حضرت علیؓ کی نگرانی میں ہوئی۔ وہ اُن کی جنگوں میں اُن کے دستِ راست رہے۔ امیر المومنین علیہ السلام کی تلوار اُن کے پاس رہتی۔ ایک بار عبداللہ سواری پر تھے کہ اچانک ایک سائل نے اُن سے سواں کیا۔ وہ گھوڑے پر سے اترے اور سواری اور جو سامان اُس پر تھا، وہ سب سائل کو دے دیا۔ اس سامان میں حضرت علیؓ کی تلوار بھی تھی۔ انہوں نے سائل سے کہا: ”تلوار سے دھوکہ نہ کھا جانا۔ یہ علیؓ کی تلوار ہے۔ (ہدایہ و نایہ، ابن کثیر دمشقی، ج ۸، ص ۱۰۱)۔ عبداللہ تجارت کا کاروبار کرتے تھے۔ جتنے بڑے وہ دولت مند تھے اُسی دریا دلی سے ضرورت مندوں کی خبر گیری کرتے، علم و ادب کی سرپرستی کرتے۔ ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ عبداللہ کریم و جواد و ظریف و خلیق و عقیق و خنّی تھے۔ ”دریائے سخاوت (بحر الجود)“ اُن کا لقب پڑ گیا تھا۔ وہ بڑے ادب نواز تھے۔ شعر و سخن کی ترقی میں اُن کی دولت کام آتی تھی۔ ”نصیب“ یا ”قیس الرقیات“ شاعر نے ایک بار اُن کی مدح کی (جاری)

حضرت عبداللہ امیر المومنین علیہ السلام کی جنگوں کے دوران اپنے عظیم چچا کے ہمراہ ہوتے۔ اُن کی شجاعت و جرأت کا یہ عالم تھا کہ انہیں موت کی پرواہ نہ تھی۔ لہذا امیر المومنین علیہ السلام اکثر مواقع پر انہیں سالاری جنگ اور سپہ سالاری لشکر کے منصب پر فائز کرتے (زینبؓ بطلة کربلا)۔

اس بات میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ امام حسن و امام حسین علیہما السلام کے ہر طرح اطاعت گزار رہے۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) انہوں نے اُسے اونٹ، گھوڑا، کپڑے، درہم و دینار بخش دیئے۔ اُسے بہت کہا گیا تو انہوں نے کہا: ”یہ کیا ہے، ایک ’فنی دولت‘ ہے۔ اس کے مقابلے میں اس کا ادب ایک زندہ خدمت ہے۔“ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابن عبدالبر، ص ۳۵۴) تجارت کا مشغلہ بھی ان کا خاندانی تھا اور بخشش و سخاوت بھی ان کی میراث تھی۔ سخاوت ہی کی وجہ سے عبداللہ کے والد ماجد حضرت جعفر طیار کا لقب ”ابو الماسکین“ پڑ گیا تھا۔ (ترجمہ اسد الغابہ، ج ۲، ص ۲۲۲، تذکرہ خواص الامہ، ص ۱۰۶، ماخوذ از ”کربلا کی شیر دل خاتون، ص ۳۰ تا ۴۷، مطبوعہ امامیہ مشن، لاہور، مصنفہ بنت الشاطلی، مصری)۔

(ج) جناب عبداللہ ابن جعفر عہد طفولیت سے عالم شباب تک اپنے بھائیوں کے ہمراہ اپنے چچا امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی خدمت میں رہے اور اولاد علیؑ کے ساتھ رہ کر مولائے کائنات سے علم و معرفت کے اعلیٰ مراتب کسب کئے، اسلامی اخلاق کی روحانی غذا حاصل کی اور اپنے آپ کو اسلامی تعلیمات سے اس قدر ہم آہنگ کیا کہ مسلمانوں کی بزرگ اور با عظمت شخصیتوں میں شمار ہونے لگے۔

جناب عبداللہ اپنے زمانہ میں سخاوت و توانگری میں معروف تھے..... ایک دن کچھ لوگ مسلمانوں میں سب سے زیادہ مخی و توانگر کے متعلق آپس میں بحث کر رہے تھے۔ اُن میں سے ایک گروہ نے دعویٰ کیا کہ اس وقت مسلمانوں میں سب سے زیادہ مخی عبداللہ ابن جعفر ہیں۔ دوسروں نے اس کا ثبوت طلب کیا تو اُن میں سے ایک شخص حضرت عبداللہ ابن جعفر کے پاس آیا اور دیکھا کہ آپ اپنی سواری پر سوار ہو کر شہر سے باہر جا رہے ہیں..... وہ شخص آگے بڑھا، آپ کی سواری کی بائیں تھام لیں اور اُن سے کہا: ”میں مسافر ہوں اور میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔“ یہ سن کر عبداللہ اپنی سواری سے اتر پڑے اور فرمایا کہ اس اونٹنی پر سوار ہو جاؤ اور اس پر رکھی ہوئی تھیلی سے جس قدر چاہے رقم لے لو، البتہ اس پر رکھی ہوئی شمشیر نہ اٹھانا کیونکہ وہ علیؑ ابن ابی طالبؑ کی یادگار ہے..... وہ (تھیلی) قیمتی جواہرات سے بھری ہوئی تھی اور نقد رقم چار ہزار دینار بھی تھے، اور علیؑ کی شمشیر بھی تھی جو ان جواہرات اور نقدی کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ قیمتی تھی۔ اُس شخص نے واپس آ کر وہ تمام واقعہ لوگوں کے سامنے بیان کیا تو سب نے کہا کہ عبداللہ ابن جعفر کا عمل بتاتا ہے کہ جس نے اُن کا نام ”بحر الجود“، دریائے سخاوت رکھا اس نے بالکل بجا اور ٹھیک کیا ہے۔ (زینبؓ بنت علیؑ، مؤلفہ عبدالعزیز سید الامل، ص ۶۰) (جاری)

امام حسین علیہ السلام سے ان کی اطاعت و ارادت کا معیار ذیل کے واقعہ سے ظاہر ہو جاتا ہے:

”جب ان کے صاحبزادوں عون و محمد کی خبر شہادت حضرت عبداللہ کو مدینہ میں ملی تو انہوں نے اپنے صاحبزادوں کیسے مجلس عزائم عقدہ کی بلکہ صرف عزائے امام حسین علیہ السلام کے لئے صف ماتم بچھائی۔ کہتے تھے کہ میرے بیٹوں کا المیہ مجھ پر آسان و سہل ہے کیونکہ انہوں نے میرے بھائی اور دیگر مجاہدوں کے ہمراہ جہاد و فداکاری کو اختیار کیا اور درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ اگرچہ میں خود نصرت حسینؑ کے لئے موجود نہ تھا، اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں کہ میرے فرزندوں نے یہ سعادت حاصل کی۔“

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

عبداللہ ابن قیس اور معقل ابن ضرار اپنے زمانہ کے معروف شعراء میں سے تھے۔ انہوں نے حضرت عبداللہ ابن جعفر کی شان میں جو اشعار کہے ہیں اُن میں حضرت عبداللہ کی سخاوت اور عظمت کو دار کو نمایاں طور پر بیان کیا گیا ہے۔ ابن قیس کہتا ہے:

وما كنت الا كاعراب بن جعفر دایء الہال لا یبقی فالبقى له ذكر

(زینب کبریٰ، مؤلفہ جعفر نقدی، ص ۸۹)

جعفر طیار کے فرزند کی عظمت یہ ہے مال دنیا دے کے اپنا نام زندہ کر دیا
کس طرح اُس کی شان کا ادائق میں کروں جس نے ظرفِ عشقِ حق کو عظمتوں سے بھر دیا (غدیری)

ابن ضرار نے کہا:

انک یا بن جعفر نعم الفتی ونعم ماوی طارق اذا اتی

ورب ضعف طرق الحی سری صادق زاداً وحیداً ما اشتہی

ترا عزم جوان اے ابن جعفر ترے جود و سخا کا ترجمان ہے

ترے در سے ہر اک نے فیض پایا ترا گھر بے کسوں کا آستان ہے (غدیری)

حضرت عبداللہ خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے عام طور پر کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اپنی نعمتیں فراوان کر کے احسان فرمایا ہے اور میں اُس کے عظیم احسان کا بدلہ اُن نعمتوں کو اُس کے بندوں پر خرچ کر کے ہی دے سکتا ہوں کیونکہ یہ سب کچھ اسی کا عطا کردہ ہے اور میں اس کی نعمتوں کا شکر اس طرح ادا کرتا ہوں کہ اُس کے مستحق بندوں کو اُن نعمتوں سے فیضیاب کرتا ہوں، جس پر خدا مجھے مزید عنایت فرماتا ہے۔ (ماخوذ از ”زینب، زینب ہے، مصنفہ۔ صادق، ترجمہ علامہ آغا حسن رضا غدیری، ص ۷۵ تا ۷۸)۔

(۵) روایت شدہ کہ پیغمبر عبداللہ بن جعفر گزشت و اوبعادۃ اطفال چیز سے از گل ساخته بود۔ (جاری)

حضرت عبداللہ کی کربلا میں عدم موجودگی کی وجہ

امام حسین علیہ السلام کے ساتھ حضرت عبداللہ کی اس قدر محبت و عقیدت کے باوجود واقعہ کربلا میں ان کی عدم موجودگی کی کئی وجوہات پیش کی جاتی ہیں، تاہم ان کی اس عدم موجودگی میں کسی طرح کی بے ارادتی کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا۔

روایت میں آتا ہے کہ وہ اس زمانہ میں تقریباً نابینا ہو چکے تھے اور صعوبات سفر یا جنگ میں شرکت کے قابل نہ تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ اس زمانہ میں شام میں تھے جبکہ انکی زوجہ محترمہ جناب زینب سلام اللہ علیہا اپنے برادر بزرگ امام حسین علیہ السلام کی زیارت کیلئے مدینہ گئی ہوئی تھیں، تاہم انہوں نے پہلے ہی سے کربلا کی جانب اپنے بھائی کے ہمراہ سفر کرنے (باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

فرمودند چہ میکنی بایں؟ عرض کرد میخواهم بفروشم۔ فرمودند پولش را چہ میکنی؟ عرض کرد خرما بخرم و بخورم۔ پیغمبر فرمود اللہم بارک فی صفاقہ بمینہ۔ بعد ازیں چیزی نخرید نگر اینکہ فائدہ نمود۔

و در عقد الفرید است کہ جناب عبداللہ بزن فقیرنہ مال زیادی داد۔ عرض کردند این زن ترا نمیشناخت و بعتاء قلیل راضی بود۔ فرمود اگر او مرا نمیشناخت من خودم را میشناسم و اگر او بعتاء کم راضی بود من راضی نبودم مگر بعتاء زیاد۔

و از بعضی تواریخ نقل شدہ کہ فرزندق شاعر آمد نزد مروان بن حکم ازو و عطینہ طلبید۔ پس ادا با کرد از عطاء۔ جناب عبداللہ ابن جعفر فرمود چہ مقدار متوقع بودی کہ مروان بتو بدهد گفت سالی ہزار اشرفی؟

فرمود چند سال امید داری کہ زندگی بنمائی؟ گفت چہل سال۔ عبداللہ بغلامش فرمود وکیل مرا حاضر کن۔ ادرا حاضر کرد۔ فرمود چہل ہزار اشرفی بفرزندق بده۔ گرفت و خوشنود مراجعت کرد۔

و گفتہ شدہ کہ مردے قدرے شکر آورد بمدینہ طیبہ کہ ادرا بفروشد۔ کساد شدو کسے شکر ازو نخرید۔ گفتند اگر بروی نزد عبداللہ ابن جعفر او خواہد خرید و پول شکر را خواہد داد آمد خدمت آن بزرگوار، عرض کرد۔ جناب عبداللہ شکر ہارا زو گرفت و نثار کرد بفقراء۔ چون آن مرد دید کہ فقراء آن شکر ہا را میرند عرض کرد خدمت شوم خود منہم بردارم۔ فرمود بردار۔ فرمود پول شکر چہ میشود؟ عرض کرد چہار ہزار۔ فرمود با و دادند و دو مرتبہ آمد، مطالبہ پول شکرش را کرد۔ باز دگر چہار ہزار بوی دادند۔ بعد فرمود این دوازہ ہزار: پس آنمرد معجبا بر گشت و انشاء کرد:

لا خیر فی المجدی فی الخیر تشلہ
فاسمطرو امن قریش خیر مختدع
تخال فیہ اذا حاورتہ بلہا
من جودہ و هو وافی العقل و الورع (جاری)

کی اجازت اپنے شوہر نامدار سے حاصل کر رکھی تھی۔ ہماری نظروں میں مؤخر الذکر روایت بالکل ضعیف و ناقابل قبول ہے۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ مدینہ ہی میں تھے اور اپنے کاروبار وغیرہ کی درستی کے بعد امام حسین علیہ السلام کے قافلہ کے ساتھ جا کر ملنے کا عزم رکھتے تھے۔ لیکن جب اس کام سے فارغ ہوئے تو بہت دیر ہو چکی تھی اور امام حسین علیہ السلام شبید ہو چکے تھے۔

ہمارے نزدیک یہ روایت پہلی روایت سے بھی ضعیف تر اور خلاف عقل ہے۔ کیونکہ امام مظلوم کی مدینہ سے روانگی اور حضرت کی شہادت کے درمیان کچھ مہینوں کا عرصہ ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ اس تمام طویل عرصہ کے دوران تمام واقعہ سے غافل و بے خبر رہے، یا یہ کہ اتنے عرصے میں اپنے کاروبار و مشاغل کو سنبھال نہ پائے۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

”روایت ہے کہ پیغمبر اکرم عبداللہ ابن جعفر کے پاس سے گزرے۔ وہ بچوں کی طرح مٹی سے کچھ بناتے تھے۔ فرمایا ”اے کیا کرو گے؟“ عرض کیا: چاہتا ہوں کہ اسے بچ دوں۔ آنحضرتؐ نے پوچھا: ”رقم کا کیا کرو گے؟“ عرض کیا: ”بھوریں خرید کر کھاؤں گا۔“ آنحضرتؐ نے فرمایا: ”پروردگار عبداللہ کی تجارت میں برکت عطا فرما۔“ اس کے بعد عبداللہ نے جو بھی خرید اس میں انہیں فائدہ ہوا۔ عقد الفرید میں روایت ہے کہ جناب عبداللہ نے ایک فقیر عورت کو بہت سا مال دے دیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ عورت آپ کو نہیں پہچانتی تھی اور تھوڑی عطا پر راضی ہو جاتی۔ فرمایا کہ اگر وہ مجھے نہیں پہچانتی تھی تو میں تو اپنے آپ کو پہچانتا ہوں۔ اگر وہ کم بخشش پر راضی تھی تو کیا ہوا میں تو کم بخشش پر راضی نہ تھا۔

بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ شاعر فردق مروان بن حکم کے پاس آیا اور اس سے خیرات مانگی۔ اس نے دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت عبداللہ ابن جعفر نے پوچھا کہ مروان سے کس قدر بخشش کی تھی تو فتح تھی؟ عرض کیا کہ ایک ہزار اشرفی سالانہ۔ فرمایا کہ کتنے سال زندہ رہنے کی توقع رکھتے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ چالیس سال۔ فرمایا کہ ہمارے وکیل کو بلاؤ۔ اسے بلایا گیا تو فرمایا کہ فردق کو چالیس ہزار اشرفی دے دو۔ اس نے یہ رقم لی اور خوشی خوشی واپس ہوا۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص مدینہ طیبہ میں کچھ شکر فروخت کرنے کیلئے لایا۔ وہ پریشان ہو گیا کیونکہ کسی نے اس سے شکر خرید نہ کی۔ لوگوں نے کہا کہ اگر تو عبداللہ ابن جعفر کے پاس جائے تو وہ خرید لیں گے اور تیری شکر کی قیمت تجھے دے دیں گے۔ پس وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور معاملہ اُن بزرگوار کے سامنے پیش کیا۔ جناب عبداللہ نے اس سے شکر لے لی اور اور فقراء کو بخش دی۔ جب اس شخص نے دیکھا کہ فقراء وہ شکر لے جا رہے ہیں تو عرض کیا کہ کیا میں خود بھی اس میں سے کچھ لے لوں؟ فرمایا کہ لے لو۔ پھر پوچھ تیری شکر کی قیمت بنتی ہے؟ اس نے عرض کیا۔ چار ہزار۔ فرمایا کہ رقم اسے دے دو۔ وہ شخص دوسرے آیا اور شکر کی قیمت مانگی۔ فرمایا اسے چار (جاری)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اُن کا مدینہ میں رہ جانا امام حسین علیہ السلام کے اصلاح احوال کی خاطر تھا جس کیسے امام نے انہیں پابند کر دیا تھا۔ ہمارے نزدیک یہ بات بھی قابل قبول نہیں کیونکہ اگر امام کا مقصد یہ تھا کہ مدینہ میں اپنا کوئی نائب چھوڑ کر (باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

ہزار اور دے دو۔ پھر تیسری مرتبہ مطالبہ کیا۔ پھر چار ہزار دیدیئے اور فرمایا کہ یہ بارہ ہزار ہو گئے۔

پس وہ شخص تعجب کرتا ہوا واپس ہوا اور مندرجہ بالا شعر کہے: (منتخب التواریخ، ص ۱۲۷، ۱۲۸)۔

(ھ)..... نجاشی کو حضرت جعفر علیہ السلام کے ساتھ الفت و محبت ہو گئی۔ اس عرصہ میں بطن اسماء بنت عمیس سے تین بڑے پیدا ہوئے جن میں عبد اللہ سب سے بڑے تھے۔ ابن جوزی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ جب عبد اللہ پیدا ہوئے تو چند روز کے بعد نجاشی کو بھی خدا نے ایک لڑکا عطا فرمایا۔ چونکہ نجاشی کو مدت سے لڑکا ہونے کی آرزو تھی جواب پوری ہوئی، اس نے خیال کیا کہ بہ برکت قدم عبد اللہ ایسا ہوا ہے۔ لہذا اس نے اپنے فرزند کا نام بھی عبد اللہ رکھا اور جناب جعفرؑ سے استدعا کی کہ آپ کی زوجہ اسماء بنت عمیس تھوڑا سا دودھ اس لڑکے کو بھی پلا دیا کریں تاکہ اُس شیر پاک سے پرورش ہونے کی وجہ سے یہ لڑکا بھی خوش خود جمع مکارم ہو۔

..... ابن جوزی نے اپنے تذکرہ میں روایت کی ہے کہ عبد اللہ نے یحییٰ ابن ابی العلیٰ سے کہا کہ مجھے وہ وقت یاد ہے جب جناب رسولؐ مختار نے تشریف لا کر میری مادر کو میرے باپ کی خبر شہادت سنائی، مجھے اور میرے بھائی کو حضرتؑ اپنے سینہ سے لگا کر ہمارے سروں پر دست شفقت پھیرتے تھے اور آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور ہمارے حق میں یہ دعا فرمائی:

”بارا لہی! جعفر نے عمدہ ثوابوں کی طرف سبقت کی۔ تو اس کی ذریت میں ایسا اچھا قائم مقام پیدا کر جیسا کہ سب کی ذریت میں اچھا قائم مقام ہوا کرتا ہے..... آپؐ مجھے ساتھ لئے ہوئے مسجد میں تشریف لائے اور بحالت حزن و اندوہ منبر پر گئے اور مجھے ساتھ بٹھایا اور لوگوں کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ منبر سے اتر کر آپؐ مجھے اپنے ہمراہ دولت سرا میں لے گئے اور ارشاد کیا کہ ہمارے لئے کھانا لایا جائے۔ پہلے میں نے کھانا کھایا۔ اس کے بعد میرے بھائی کو طلب کر کے کھانا کھلایا۔ تین روز تک ہم جناب رسولؐ خدا کے ہمراہ آپؐ کی ازواج کے گھروں میں رہے۔ اس کے بعد ہم اپنے گھر چلے گئے اور پھر آنحضرتؑ ہماری ملاقات کے لئے ہمارے مکان پر تشریف لائے جبکہ میں اپنی بکری کو دانہ کھلا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرتؑ نے چشم بزمِ آب ہو کر میرے حق میں یہ دعا فرمائی: ”اللھم بارک فی صفقہ“ (خداوند! ان کے گروہ میں برکت عطا فرما)۔ یہ جناب سید الانبیاءؑ کی دعا کی برکت ہے کہ ہر روز گارا اور معاملہ میں مجھے نفع ہوا۔

تذکرہ ابن جوزی میں ہے کہ جب ماتم جعفرؑ کے تین روز گزر گئے تو جناب خاتم الانبیاءؑ اولاد جعفرؑ کے مکان پر تشریف لے گئے اور محمد و عون و عبد اللہ پسرانِ جعفرؑ کو اپنے پاس طلب فرمایا۔ پھر حجام کو بلا کر اُن کے بال ترشوائے اور فرمایا کہ محمد تو میرے چچا ابو طالب سے، عون خلق میں مجھ سے مشابہ ہے۔ پھر عبد اللہ کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد کیا: ”خداوند! خیر و برکت کے ساتھ جعفرؑ کا قائم مقام (جاری)

جائیں تو اس کیلئے اور کئی حضرات بھی موجود تھے۔ لہذا ہمارے نزدیک سب سے پہلی روایت ہی قبولیت سے قریب ترین باقی رہ جاتی ہے 1۔ (حاشیہ صفحہ 84 پر ملاحظہ فرمائیں)۔

(حاشیہ صفحہ سابقہ)

مقرر فرما اور عبد اللہ کے کاروبار میں برکت عطا کر۔“

اس کے بعد اسماء نے آکر اس الطاف و عنایت پر اظہار تشکر کیا جو آنحضرتؐ نے اولادِ جعفر کے ساتھ کیا تھا۔ آنحضرتؐ نے اسماء سے فرمایا: ”ان کی نسبت کیا تمہیں مفلسی کا خوف ہے؟ دنیا و آخرت میں میں ان کا ولی ہوں۔“

..... جناب رسولؐ خدا کا یہ قاعدہ تھا کہ جب کسی سفر پر مراجعت فرماتے تو سب سے پہلے اہل بیت کے لڑکوں سے ملاقات فرماتے تھے۔ ایک سفر سے واپس ہونے کے وقت، عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں پہلے پہنچ گیا۔ آنحضرتؐ نے اول مجھے سینہ سے لگایا اور بعد ازاں مجھے اپنے سامنے بٹھالیا۔ پھر فرزند ان جناب فاطمہؑ میں سے ایک صاحبزادہ آیا۔ یہ یاد نہیں کہ حسنؑ تھے یا حسینؑ۔ اُسے بھی آنحضرتؐ نے سینہ سے لگا کر اپنے آگے بٹھالیا اور اُسی طرح واردِ مدینہ ہوئے۔

..... کتاب تاریخ التواریخ میں معجزات رسولؐ کے ذیل میں لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے عبد اللہ ابن جعفر کے حق میں برکت کی دعا کی تھی جس کا یہ اثر ہوا کہ عبد اللہ ابن جعفر مال و حشمت سے مالا مال ہو گئے اور سخاوت کا یہ حال تھا کہ اہل مدینہ جب کسی سے قرض لیتے تھے تو اُس کی ادائیگی کا وعدہ عبد اللہ کی عطا پر مشروط کر دیتے تھے۔

ابو الفراج نے کتاب آغانی میں روایت کی ہے کہ ایک روز جناب سید الانبیاءؑ نے عبد اللہ کو دیکھا جبکہ وہ طفل تھے کہ بیٹھے کہیں رہے تھے اور مٹی کا ایک اونٹ بنا رکھا تھا۔ آنحضرتؐ نے تبسم فرما کر دریافت کیا کہ اسے کیا کرو گے؟ عرض کیا کہ میں اسے فروخت کروں گا۔ آنحضرتؐ نے پوچھا کہ اس کی جو قیمت ملے گی اُسے کس کام میں لاؤ گے؟ عرض کیا کہ اس کے خرے خرید کر کھاؤں گا۔ آپؐ نے عبد اللہ کے حق میں دعائے خیر کی جس کے اثر سے آپؐ کبھی محتاج نہ ہوئے اور جو معاملہ کیا اُس میں نفع ہوا۔

..... زندگی بھر جناب رسولؐ خدا فرزند گانِ جعفر علیہ السلام پر شفقت فرماتے رہے۔ آپؐ کی رحلت کے بعد اُسی طرح حضرت علیؑ بھی عنایت و مرحمت فرمایا کرتے، یہاں تک کہ عبد اللہ بالغ ہو گئے۔ تمام بنی ہاشم میں عبد اللہ کو خُسنِ صورت و مال و حشمت و سخاوت کی وجہ سے امتیازِ خاص حاصل تھا اور جناب امیرؑ بھی آپؐ پر خاص عنایت فرماتے تھے۔ جب جناب زینبؑ کی عمر شادی کے قابل ہو گئی تو عبد اللہ نے اپنے چچا حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس محترمہ سے عقد کی درخواست کی اور دیگر بزرگانِ بنی ہاشم نے بھی حضرت سے اس درخواست کی تائید کی۔ اُس زمانہ میں عبد اللہ میں اتنی خوبیاں جمع تھیں کہ قریش میں کسی کو حاصل نہ تھیں۔ آپؐ ایسے خوش روا اور صبیح تھے کہ آپؐ کو حضرت عبد اللہؑ، پدرِ بزرگوارِ جناب رسالتؐ اب سے مشابہہ پا کر ان کا نام عبد اللہ رکھا تھا۔ آپؐ بڑے ہو کر عام (جاری)

حضرت عبداللہ کا امام حسینؑ کو سفر عراق سے منع کرنا اور نصرتِ امامؑ کا عزم

اسنہ تاریخ گواہ ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن جعفرؑ نے بہت کوشش کی کہ امام حسین علیہ السلام کو سفر عراق سے روکیں۔ حضرت عبداللہ جناب سید الشہداء علیہ السلام کے لئے عراق میں خطرات محسوس کر رہے تھے اور انہیں یہ اندیشہ دامن گیر تھا کہ (باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

اور فقیہ تھے۔ چنانچہ مفسرین قرآن اور روایان حدیث میں آپ کا شمار ہے۔ علاوہ علم و دانش کے آپ حقوقِ امام کے عارف اور نصحت و بلاغت میں بے مثل تھے۔ دربار معاویہ و یزید میں آپ کے مناظرے مشہور ہیں۔ صحاح عامہ و خاصہ میں آپ سے بکثرت روایات مروی ہیں۔ شرافتِ نسب اسی سے ظاہر ہے کہ آپ کو حضرت ختمی مرتبت سے نسبتِ قرابت حاصل تھی، اس طرح کہ عبداللہ حضرت جعفرؑ کے فرزند اور ابوطالب و عبدالملک کے فرزند زادہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور سید الانبیاء کے ذوی القربی میں داخل تھے۔ اس کے سوا آپ مالدار اور ایسے نخی تھے کہ جواد کے لقب سے مشہور تھے۔ اکثر شاعروں نے جو اشعار آپ کی سخاوت کی تعریف میں بکثرت نظم کئے وہ آج تک کتب میں درج ہیں۔ آپ کی استدعائے بارگاہِ مرتضویٰ میں درجہ اجابت حاصل کیا اور جناب امیرؑ نے بعد عقد حضرت زینبؑ کو زنانہ بنی ہاشم کے ہمراہ عبداللہ کے گھر روانہ فرمادیا۔ اُس وقت اُس مخدومہ کا سن مہرک تقریباً گیارہ سال کا تھا۔ چند روز کے بعد عبداللہ نے دعوتِ ولیمہ کی۔

جناب امیر المومنین علیہ السلام حضرت زینبؑ کے دیکھنے کے لئے روزانہ عبداللہ کے مکان پر تشریف لے جاتے تھے۔ آپ کو زینبؑ سے بہت محبت تھی اور اُن کے حق میں آپ دعائے خیر فرماتے۔ اول تو اولادِ جعفرؑ ہونے کی وجہ سے اور دوسرے جناب زینبؑ کے سبب سے جو شفقت و عنایت آپ امام حسین علیہ السلام سے کرتے تھے اسی قدر عبداللہ سے فرماتے تھے۔ زمانہ خلافتِ ظاہری میں جب حضرت علیؑ نے کوفہ کو ہجرت کی تو ان دونوں کو بھی ہمراہ لیا۔ وہاں جناب زینبؑ کی یہ جلالتِ شان تھی کہ کوفہ اور عراق کی عورتیں اور امیر زادیاں آپ کی زیارت کی تمنیٰ رہتی تھیں اور جنہیں یہ شرف حاصل ہو جاتا تھا وہ فخر یہ اس کا اظہار کرتی تھیں۔ حضرت عبداللہ تمام غزوات اور جنگوں میں علیؑ مرتضیٰ کے ہم رکاب رہے تا آنکہ حضرت نے شہادتِ پائی اور خلافتِ امام حسنؑ کی طرف منتقل ہوئی۔ امام حسنؑ نے پہلے معاویہ سے جنگ کی مگر پھر حسبِ مصلحت اس سے صلح کر کے ۴۰ھ میں مع اہل بیت مدینہ مراجعت فرمائی، ان میں جناب زینبؑ بھی شامل تھیں۔ پس تمام اہل بیت عصمت مدینہ میں رہنے لگے۔ جب امام حسن علیہ السلام زہرِ دغا سے شہید ہو گئے تو خاص آلِ عبا حضرت امام حسین علیہ السلام نے بھی اسی عہد پر عمل کیا جو حسنؑ نے کیا تھا اور کچھ مخالفت نہ کی۔ اب بنی ہاشم میں امام حسین علیہ السلام ہی سید و سردار تھے۔ آپ بھی اپنی خواہر اور حضرت عبداللہ سے بے حد محبت فرماتے تھے۔

(ماخوذ از ”رضا کار، لاہور، شریکہ الحسین نمبر ۱۹۱ھ“ ص ۲۳۵۹) (جاری)

وہاں کے لوگ اُن کے ساتھ وہی سلوک روا رکھیں گے جو اُن کے والد بزرگوار کے ساتھ رکھا تھا۔ تاہم اس کے برعکس وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اُن کے لئے مدینہ بھی جائے امن نہیں رہا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عبداللہ نے عمرو بن سعید حاکم مدینہ سے اہم حسین (باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

مندرجہ بالا اقتباسات نہایت مختصر طور پر حضرت عبداللہ ابن جعفر کی شخصیت و کردار کی وضاحت کرتے ہیں۔ کوئی شبہ نہیں کہ بنی ہاشم کے فرد حضرت جعفر طیار کی اولاد کو ایسے ہی کردار کا مالک ہونا ایک فطری امر ہے۔ اسلام کی خاطر محسن اسلام حضرت ابوطالب کی جاں فشانیاں ہر ذی شعور انسان کے سمجھنے کیلئے کافی ہیں کہ اولاد ابوطالب کس طرح مقاصد اسلام کی ترویج و تحریک میں پیچھے رہ سکتی ہے۔ جعفر طیار فتح خیبر کے موقع پر حبش سے واپس جب مدینہ منورہ پہنچے تو اس روز حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ میں فیصلہ نہیں کر پا رہا کہ جعفر کے آجانے سے مجھے زیادہ خوش ہوئی ہے یا خیبر کی فتح سے، حالانکہ یہ فتح وہ تھی کہ جس نے نوزائیدہ مسلم معاشرہ کی اقتصادی کیفیت کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ نہ صرف اقتصادی حالت بلکہ قوم مسلم اس وقت کی اقوام عالم کے سامنے ایک ٹھوس قوت بن کر سامنے آگئی اور ایران و روم کی مہذب و طاقتور مملکتیں سوچنے پر مجبور ہو گئیں کہ ریگزار عرب کے تند و خود غیر مہذب خانہ بدوش ایک زندہ قوت بن چکے ہیں، لہذا ان سے ٹکرانا ہر قسم کے خطرات سے ٹکرانے کے مترادف ہوگا۔ اسی زمانہ میں جعفر طیار کے فرزند اکبر حضرت عبداللہ نے بنی ہاشم کے قبیلہ میں آنکھ کھولی اور سب سے پہلے محسن انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر سایہ تربیت کا شرف پایا، آنحضرت کی دعاؤں کا مصداق بنے اور انہی دعاؤں کی برکت سے اقتصادی و معاشرتی و علمی تربیت حاصل کر کے منزل حیات کی ابتدا کی۔ آنحضرت کے وصال کے بعد مستقل طور پر حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے زیر تربیت رہ کر اسباقی کردار سازی میں ترقی حاصل کر کے آپ کی دامادی کا شرف پایا۔ اسی تربیت کا اثر اور اقی تاریخی کی زینت بن ہوا نظر آتا ہے کہ تیم جعفر طیار ہر موقعہ و معرکہ میں سایہ کی طرح اپنے عظیم عم بزرگوار کے ساتھ موجود پائے جاتے ہیں۔ ان تمام معرکوں میں شجاعت و شرافت و سخاوت و نجابت کے وہ مناظر بنی ہاشم کے اس شہزادے سے دیکھنے میں آتے ہیں کہ جب اس دور کے شجاع ترین انسانوں کا ذکر آتا ہے تو ان میں عبداللہ ابن جعفر کا نام سر فہرست نظر آتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ شجاعت میں کوئی آپ کا ہم پلہ نہ تھا بلکہ فیاضی و سخاوت میں بھی معصومین علیہم السلام کو چھوڑ کر تاریخ عالم ان کے برابر کوئی فرد پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آخر کیوں نہ ایسا ہوتا کہ یہ وہ شخصیت ہے جس کو کاروبار و معیشت میں برکت کیلئے اللہ تعالیٰ کے حبیب بھی عظیم ہستی کی دعائیں حاصل ہیں جو نہ صرف یہ کہ حبیب پروردگار ہیں بلکہ باعث تحقیق کائنات اور عالمین کیلئے رحمت کا تاج جن کے سر مبارک کی زینت بنا ہوا ہے۔

عبداللہ ابن جعفر نے اسی ماحول میں آنکھ کھولی جس کا سربراہ قرآن حکیم کی اصطلاح میں خلق عظیم کا مالک بنا۔ اسی خلق عظیم کے اخلاق اور حیدر و کرام جیسی شخصیت کی شجاعت کا پر تو آپ کے ہر لمحہ زندگی میں نظر آتا ہے۔

علیہ السلام کیلئے امن نامہ حاصل کیا تھا۔ تاہم امام حسینؑ حالات و مسائل کو بہتر اور وسیع تر زاویہ سے ملاحظہ فرما رہے تھے۔ اس لئے انہوں نے حضرت عبداللہ ابن جعفر کے مشورہ اور طریق خیر خواہی کو قبول نہ فرمایا۔ بعض مؤرخین نے خیال ظاہر کیا ہے کہ عبداللہ ابن جعفر اپنے دل سے نہ چاہتے تھے کہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا ہمراہی امام علیہ السلام اختیار کریں، اس لئے امام علیہ السلام کو سفر عراق سے روک رہے تھے۔ لیکن حضرت عبداللہ ابن جعفر کی شان و مقام کا تقاضا ہے کہ ہم اُن کے اس خیال سے کسی طرح متفق نہیں ہیں۔ اُن کا اپنے صاحبزادوں کو امام کے ہمراہ بھیجنا مؤرخین کے اس خیال و مصلحت کی تائید نہیں کرتا۔

(حاشیہ صفحہ 81) حضرت عبداللہ ابن جعفر کی کربلا میں عدم موجودگی تاریخ اہل بیت کا ایک بڑا مسئلہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ افراد اہل بیت کے کردار کو مسلمان مؤرخین نے کئی طرح کے تاریخی دھندلکوں سے دوچار کر دیا ہے۔ اس کی اصل وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں، جیسا کہ کربلا کے مشہور مؤرخ سید ریاض علی ریاض بناری نے اپنی کتاب ”شہید اعظم“ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ ہماری سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ کربلا کی تاریخ لکھنے والا سب سے پہلا فرد دشمن کا آدمی تھا۔ اس حقیقت سے انکار کرنا حقائق سے انکار کے مترادف ہوگا۔ تاریخ کا ادنیٰ طالب علم بھی مسلمانوں کی تاریخ میں بنی ہاشم کے افراد کے مخالفین کی نیت اور ان کے دشمنوں کے تعصب سے انکار نہیں کر سکتا۔ جس طرح بنی امیہ نے بنی ہاشم کو براہ کرنے کی کوشش میں اپنی تمام قوت صرف کر دی، یا جس طرح بنی عباس نے بنی فاطمہ کے قلع قمع کرنے میں اپنی طرف سے کوئی کسر باقی نہ چھوڑی، یہ سب تاریخ کے چند ایک ایسے گھٹاؤں ابواب ہیں جن سے کسی ذی شعور قاری کیلئے فراموش نہیں۔ انہی ابواب میں اہم ترین واقعات میں سے ایک عبداللہ ابن جعفر کی شخصیت کو رنگ آلود کرنے کی کوششیں ہیں جس تحریک میں مؤرخین مخالف نے بڑی بڑی مضحکہ خیز کیفیات کا ذکر کیا ہے۔ یہی مؤرخین اپنے اپنے مقام پر عبداللہ ابن جعفر کی عظمت کو دار کا ذکر کرتے ہیں، اس محبت کا ذکر کرتے ہیں جو ان کو رسول پاک، امیر المومنین، حضرات حسنین کے ساتھ حاصل تھی، ان دعاؤں کا ذکر کرتے ہیں جن کے نتیجہ میں انہیں فروغ تجارت اور جذبہ جفاوت حاصل ہوا، اور پھر یہی مؤرخین ان کے اور ثانی زہر اسلام اللہ علیہا کے درمیان اختلافات کا ذکر بھی کرتے ہیں۔

ہم گزشتہ صفحات میں عبداللہ ابن جعفر کی شخصیت پر روشنی ڈال چکے ہیں، تاہم ایک بار پھر ہمیں تاریخ کے دھندلکوں میں جھانکنے کیلئے اس موضوع کی طرف پلٹنا ہوگا اور چند ایک مصنفین کے مندرجات کا ذکر کرنا ہوگا جن سے یہ اندازہ لگانا صحیح طور پر ممکن ہوگا کہ ان کی کربلا میں عدم موجودگی کی اصل وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص اپنے جوان بیٹوں کو خدمتِ امامت میں پیش کر رہا ہو، امام علیہ السلام کو پیش آنے والے خطرات سے اچھی طرح واقف ہو، اپنی متاعِ حیات زوجہ محترمہ کو تمام صعوبات کو جانتے ہوئے امام کے ہمراہ بھیج رہا ہو، حسینؑ اور ان کے مشن و موقف سے پوری طرح اپنی آگہی کا ذکر کر رہا ہو، عقل سلیم کیسے تسلیم کرے گی کہ وہ شخص اپنے دنیوی حالات کے پیش نظر جان دینے سے بچنے کیلئے ہمراہیانِ سید الشہد علیہ السلام میں شامل نہ ہو رہا ہو۔ اس مقصد کے پیش نظر ہم ذیل میں (جاری)

حقیقت یہ ہے کہ جب عبد اللہ نے دیکھا کہ امام حسین علیہ السلام اپنے عزمِ عراق کو ملتوی نہیں فرما رہے تو انہوں نے اپنے فرزند ان عون و محمد کو امام کے ہمراہ کر دیا (زندگانیِ فاطمہ زہراءؑ، ڈاکٹر شہیدی، ص 247) اور انہیں تاکید فرمائی کہ کسی صورت میں نصرتِ امام سے کنارہ نہ کریں بلکہ اگر لازم ہو تو رکابِ امام میں جہاد کریں۔ حضرت عبد اللہ ابن جعفر کا یہ عمل ان کی وفاداری و کمالِ خلوص کا آئینہ دار ہے۔

(حاشیہ صفحہ سابقہ) چند ایک اقتباسات پیش کر کے ان کے نتائج پر نہایت مختصر بحث بذریعہ قارئین کریں گے۔ علامہ ڈاکٹر سید مجتبیٰ حسن کا مون پوری اس سلسلہ میں اپنے تحقیقی مقالہ میں اس طرح رقم طراز ہیں:

”عبد اللہ ابن جعفر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ نے مجھے اپنے پیچھے سواری پر بٹھالیا اور مجھ سے ایک ایسی بات بیان فرمائی کہ میں اسے کبھی بیان نہ کروں گا۔ وَأَسْرَرْتُ إِيَّيْ حَدِيثًا لَا أَحَدُهُ أَبَدًا (خواص الامم، ص ۱۰۹) ”عبد اللہ ابن زبیر نے ایک دن عبد اللہ ابن جعفر سے کہا: آپ کو وہ دن یاد ہے کہ ہم اور آپ اور ابن عباس کی رسول اللہ سے ملاقات ہوئی۔ عبد اللہ ابن جعفر نے کہا: خوب یاد ہے۔ حضرت نے ہمیں سوار کر لیا اور تمہیں چھوڑ دیا۔“ (مسلم و بخاری۔ تذکرہ خواص الامم، ص ۱۰۹)۔

”..... عبد اللہ ابن جعفر اور اُن کے بھائی بہن حضرت علی علیہ السلام کی تربیت میں رہے اور حضرت علی علیہ السلام سے فیض اٹھاتے رہے۔ السہیاتی مسائل، حربی واقفیت، اخلاقی و سیاسی تعلیم حضرت سے ہی پائی۔ تفسیر و حدیث، فقہ و خطابت میں عبد اللہ نے اپنی ممتاز حیثیت بنائی۔

”عبد اللہ کا کوئی بیٹا بیمار ہو گیا تھا۔ وہ اس کی دیکھ بھال کیلئے اُس کے پاس آئے اور کہا یہ پڑھو: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ، سُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، اللَّهُمَّ ارْحَمْنِي اللَّهُمَّ تَجَاوِذْ عَنِّي، اللَّهُمَّ اَعْفُ عَنِّي فَانْكَ عَفْوٌ غَفُورٌ، اس کے بعد کہا کہ یہ وہ کلمات ہیں جو میرے چچا علی نے تعلیم فرمائے ہیں۔ خود انہیں جناب رسول خدا نے یہ کلمات تعلیم فرمائے تھے۔ حلیۃ الاولیاء، ج ۷، ص ۲۳۱)۔

”پہلے نہ تربیت عبد اللہ کی حضرت علی کی نگرانی میں ہوئی۔ وہ اُن کی جنگوں میں اُن کے دست راست رہے۔ امیر المومنین کی تلوار اُن کے پاس رہتی تھی۔ ایک بار عبد اللہ سواری پر تھے کہ اچانک ایک سائل نے اُن سے سوال کر لیا۔ وہ گھوڑے سے اتر پڑے اور سواری اور اُس پر جو سامان تھا وہ سب سائل کو دے دیا۔ اُس سامان میں حضرت علی کی تلوار بھی تھی۔ انہوں نے سائل سے کہا کہ تلوار سے دھوکا نہ کھا جاتا۔ یہ علی کی تلوار ہے (ہدایہ و نہایہ، ابن کثیر دمشقی، ج ۸، ص ۱۰۱)۔

”عبد اللہ ابن جعفر کی ساری زندگی انسانی کمالات سے مالا مال ہے۔ انہوں نے جناب رسول خدا سے حدیثیں سنی تھیں۔ اُن سے اُن کی اولاد نے یہ روایتیں لیں۔ دوسرے حلقہ کے لوگ بھی کہتے ہیں کہ اُن کے پاس بھی اُن کی روایات ہیں۔ مثلاً: عروہ (جاری)

ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کی شادی

حضرت عبداللہ ابن جعفر کے اس مقام و کردار کے پیش نظر صدیقہ صغریٰ کی اُن کے ساتھ شادی ہوئی۔ یہ شادی اگرچہ رسول اکرم کی وفات کے بعد ظہور میں آئی تاہم یہ رشتہ آنحضرت کی خواہش کے مطابق طے ہوا تھا (زینب الکبریٰ، ص 128)۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) بن زبیر، سعد بن ابراہیم اکبر، شعصی، مورخ عجمی، عبداللہ ابن شداد، ابن بن سعد، عباس بن سعد بن کھل وغیرہ (استیعاب عبدالبر، ج ۱، ص ۲۵۴)۔

”دوسرے مکتب خیال کے جن لوگوں نے بنی ہاشم، بنی فاطمہ اور حضرت علیؑ سے روایتیں لی ہیں ان کے متعلق عموماً یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ ہوشیاری سے انہیں پرکھیں۔ کچھ لوگوں نے اپنے اوپر یہ لازم کر لیا تھا کہ وہ آل محمدؐ کے نظریات کے خلاف حدیثیں گھڑیں اور اُن سے منسوب کر دیں۔ اُن کی کوشش رہی ہے کہ آل محمدؐ اور اُن کے حلقہ فکر میں اختلاف رائے اور بے اعتمادی دکھائیں۔“

”..... عبداللہ ابن جعفر کے معاملہ میں بھی ایسا ہوا ہے..... اس طرح کے واقعات خاص مقصد سے تصنیف کئے گئے ہیں۔ انہیں مردہ واقعات سے زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہئے۔

”..... عبداللہ میں اپنے علم و فضل اور بہترین خدمات کی وجہ سے یہ اہمیت تھی کہ وہ حضرت علیؑ کی دامادی کا شرف حاصل کریں اور عقیدہ بنی ہاشم، ہاشمی زہراؑ، حضرت زینب کبریٰؑ کے شریک زندگی بن سکیں، بلکہ میرا یہ خیال ہے کہ ثانی زہراؑ اور عبداللہ ابن جعفر، اور عون اور حضرت ام کلثومؑ کے عقد رسول اللہ کی مخصوص وصیت کی بنا پر ہوئے..... عبداللہ ابن جعفر اور اُن کے بھائی پہلے ہی سے امیر المومنین کی تربیت میں تھے اور انہی کی سرپرستی میں رہتے۔ حضرت زینبؑ سے شادی کے بعد بھی دونوں امیر المومنین ہی کے ساتھ رہے۔ حضرت ام کلثومؑ کے شوہر عون بھی اپنی بیوی کے ساتھ اپنے سرسراں ہی میں رہتے۔

”امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کے بعد امام حسنؑ کے ساتھ رہے۔

”نرخل الحسن بن علی ومعہ اخوہ الحسین وبقیہ اخوتہم وابن عمہم عبداللہ ابن جعفر من ارض العراق الی ارض المدینة“ (البدایہ والنہایہ ابن کثیر دمشقی، ج ۸، ص ۱۹۹)

”کوفہ سے مدینہ کو حسنؑ ابن علیؑ واپس آ گئے۔ اُن کے ساتھ اُن کے بھائی حسینؑ اور دوسرے بھائی اور اُن کے چچیرے بھائی عبداللہ ابن جعفر بھی تھے۔

”امام حسنؑ کی شہادت کے بعد یمن اور بہنوئی امام حسینؑ کے ساتھ رہنے لگے۔ عبداللہ، عون، یہ سب امام حسینؑ کو اپنا دینی سرپرست سمجھتے..... عبداللہ اپنے مسائل میں امام حسینؑ کے حکم کے منتظر رہتے۔ اگر ان کی اولاد کی کوئی نسبت لانا تو برجستہ کہتے کہ اس مسئلہ میں امام حسینؑ سے رجوع کرنا چاہئے اور امام حسینؑ جو فیصلہ کرتے وہ عبداللہ کیلئے خوشی کا باعث ہوتا۔ امام حسینؑ کے دوستوں کو (جاری)

روایات میں آیا ہے (نیز ہم گذشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں) کہ رسول اکرم جب اولاد جعفر و اولاد علیؑ کو دیکھتے تو فرماتے: ”ہماری بیٹیاں ہمارے بیٹوں کیلئے ہیں اور ہمارے بیٹے ہماری بیٹیوں کیلئے“ (بانوئے شجاع زینب کبریٰ، ص 55)۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) دوست سمجھتے اور اُن کے دشمنوں کو دشمن سمجھتے۔ زندگی کے متعلق اُن کے نقطہ نظر کے خاص حامی تھے....

”ثانی زہراؑ کا حضرت امام حسین علیہ السلام کا ہم سفر ہونا عبد اللہ ابن جعفر کی عین مرضی تھی۔ وہ سو فیصدی اہم کے مسلک پر یقین رکھتے تھے۔ رسول اللہ کے ساتھ ایک دن جب وہ سواری پر سوار تھے اور حضرت نے اُن سے کوئی بھید کی بات کہی جسے عبد اللہ نے کہا میں کبھی ظاہر نہ کروں گا، غالباً اس کا تعلق واقعہ کربلا کی پیشین گوئی سے تھا۔ کیا بعید ہے کہ اس پیشین گوئی میں حضرت زینب اور بچوں کا ذکر بھی آیا ہو اور عبد اللہ نے اُس کی روشنی میں بیوی کو امام کے ساتھ کر دیا اور بچوں کو بھی ساتھ کر دیا ہو....

”جب سانحہ کربلا کی اطلاع مدینہ آئی تو عبد اللہ کے غلام ”ابو السلاک“ نے بچوں کے قتل پر احمقانہ تاثرات کا اظہار کیا۔ حضرت عبد اللہ اُس کی گستاخی پر اپنے غصہ کو ضبط نہ کر سکے، اُس کو جوتا پھینک کر مارا کہ کم بخت تو یہ کہتا ہے؟ والدہ اگر میں وہاں ہوتا تو میں بھی اُن کے ساتھ قتل کیا جاتا۔ واللہ آج میرے بیٹوں کا قتل ہی میرے لئے سبب تسلی ہے کہ اگر میں خود حسین کی مدد نہ کر سکا تو میری اولاد نے یہ کام کر لیا۔ (شہید کربلا، مؤلفہ مولانا مفتی محمد شفیع، سابق مفتی دیوبند، ص ۹۰، مطبوعہ ۱۹۵۷ھ)۔

”مشہور مؤرخ طبری کے الفاظ یہ ہیں:

”واللہ لو شہدہ لا حبیب ان لا افارقہ حتی اقبل معہ، واللہ انہ لمما یسخر بنفسی من ولدی و یھون علی المصاب بہما انھما أصیبا مع اخی و ابن عمی موامین لہ صابریں معہ ثم اقبل مع جلسانہ و قال: الحمد للہ لقد عزّ علی المصاب بمصرع الحسین ان لا اکون اسلیة بنفسی فلقد اساء ولدای“ (طبری، ج ۶، ص ۲۶۸)۔

”بخدا اگر میں وہاں موجود ہوتا تو میری بھی یہ تمنا ہوتی کہ اُن کے ساتھ قتل ہو جاؤں۔ میرے دل کو اس سے کچھ تسکین ہوتی ہے کہ میرے دونوں بیٹے میرے بھائی کی خدمت کرتے کرتے ثابت قدم کے ساتھ کام آئے۔ پھر انہوں نے حاضرین کی طرف رخ کر کے کہا کہ اگر حسین پر میں اپنی جان قربان نہ کر سکا تو میرے دونوں بیٹوں نے یہ فرض انجام دیا۔“

”ان تمام معتبر واقعات کی کڑیوں کو ملانے کے بعد کون ایسا عقلمند ہو گا جو یہ کہے گا کہ عبد اللہ ابن جعفر امامؑ کے سفر کو جائز نہیں سمجھتے تھے اور انہوں نے اپنی بیوی کو اس جرم پر طلاق دے دی کہ وہ کیوں امامؑ کے ساتھ ہم سفر ہوئیں۔“

(ماخوذ از ”کربلا کی شیر دل خاتون“، ص ۶۳ تا ۶۴، مقدمہ علامہ سید مجتبیٰ حسن کامونپوری، مطبوعہ امامیہ مشن، لاہور)

مندرجہ بالا اقتباسات سے جہاں عبد اللہ ابن جعفر کی عظمت و کربار کی وضاحت ہو جاتی ہے وہاں یہ بات بھی روز روشن کی طرح آشکار ہوتی ہے کہ عبد اللہ ابن جعفر کے کربلا میں موجود نہ ہونے اور ان کے ثانی زہراؑ سلام اللہ علیہا سے اختلافات کی حقیقت (جاری)

روایات صحیح تصدیق کرتی ہیں کہ دونوں کی عمر میں تقریباً چار سال کا فرق تھا کیونکہ رسول خدا کی وفات کے وقت حضرت عبداللہ دس سال کے اور سیدہ زینب تقریباً چھ سال کی تھیں (مقاتل الطالین، ص 91)۔ بعض لوگوں نے دونوں کی عمروں میں دس برس کا فرق بھی لکھا ہے لیکن یہ امر بعید از حقیقت ہے۔ اگرچہ قطعی طور پر تعین ممکن نہیں تاہم شادی کے وقت سیدہ زینب کی عمر بارہ برس اور حضرت عبداللہ کی سولہ تا بیس برس بتائی جاتی ہے۔ یہ ازدواج پہلی صدی ہجری کی دوسری دہائی کے درمیان یا تیسری دہائی کے اوائل میں حضرت عثمانؓ کے دور حکومت میں قرار پایا۔

(حاشیہ صفحہ سابقہ) اور بنی عباس کے حکمرانوں اور درباری مؤرخین کی اہل بیت سے دشمنی کے ذہنوں کی پیداوار ہے۔ اس سلسلہ میں ہم مزید تحقیقی تخیل آگے پیش کرتے ہیں۔

”جب امام حسینؑ نے مدینہ کو خیر باد کہنے کا عزم کیا تو اس وقت جناب عبداللہ ابن جعفر سخت بیمار تھے اور ان کی آنکھوں میں سخت تکلیف تھی۔ چنانچہ امامؑ نے جب مکہ سے عراق کی جانب سفر کرنے کا پختہ ارادہ کیا تو عبداللہ ابن جعفر کو اس کی خبر ہوئی اور انہوں نے امامؑ کی خدمت میں ایک خط اپنے دو بیٹوں محمد اور عون کے ہاتھوں روانہ کیا جس میں آپ کے عزم سفر کے فیصلہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا: ”اما بعد! میں نے سنا ہے کہ آپ مکہ سے عزم سفر کر چکے ہیں۔ آپ خدا کے واسطے میرا خط دیکھتے ہی مکہ سے سفر کرنے کا ارادہ ترک کر دیں کیونکہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ اس خطرناک سفر میں آپ کے دشمن آپ کو قتل کر ڈالیں گے اور آپ کے اہل بیت کو اذیت و آزار پہنچائیں گے اور اگر آپ قتل ہو گئے تو لوگ نور الہی سے بہرہ ور ہونے سے محروم ہو جائیں گے کیونکہ آپ ہی دنیائے بشریت کو راہ حقیقت دکھانے والے ہیں اور اہل ایمان کی امیدیں آپ ہی سے وابستہ ہیں۔ لہذا آپ عراق جانے میں جلدی نہ کریں۔ میں آپ کیلئے یزید سے امان حاصل کر لوں گا اور آپ کی جان، مال، اولاد اور خاندان کو بنی امیہ کے شر سے نجات دلاؤں گا، والسلام۔“

”عبداللہ نے اپنے بیٹوں یہ سوچا کہ مدینہ کے گورنر عمرو بن سعید سے تحفظ و امان کی ضمانت لے کر امامؑ کو بنی امیہ کے ظلم و استبداد سے نجات دلائی جاسکتی ہے اور اس طرح امامؑ وقت کی جان بچ سکتی ہے۔ چنانچہ اسی تصور کی بنیاد پر جناب عبداللہ ابن جعفر مدینہ کے گورنر عمرو بن سعید کے پاس آئے اور اُس سے امامؑ کو تحفظ کی ضمانت دینے کے متعلق بات چیت کی۔ عمرو بن سعید کے پاس مدینہ اور مکہ دونوں شہروں کی حکومت تھی۔ گورنر کو جناب عبداللہ ابن جعفر کی بات پسند آئی اور اُس نے فوراً امام حسینؑ کے نام خط روانہ کیا جس میں لکھا تھا۔

”مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ عراق کی طرف عزم سفر کر چکے ہیں۔ میں اس سفر کو آپ کیلئے نہایت خطرناک سمجھتا ہوں۔ لہذا میں اپنے بھائی یحییٰ بن سعید کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔ آپ اس کے ہمراہ واپس تشریف لے آئیں اور ہم آپ کو ہر طرح کا تحفظ فراہم کرنے کیلئے تیار ہیں اور آپ کی شان و عظمت میں کسی قسم کی کمی واقع نہ ہونے دیں گے، بلکہ آپ ہمیں ایک اچھے اور نیک ساتھی کی طرح پائیں گے۔ میری ان باتوں پر خدا گواہ ہے اور وہی صحیح معنوں میں اپنے بندوں کی حفاظت اور تحفظ کا ضامن ہے۔ والسلام۔“ (جاری)

حضرت علی علیہ السلام نے جناب زینب کا مہر اُن کی مادر گرامی کے مہر کے برابر ۲۸۰۔۵۰۰ درہم مقرر فرمایا (مولائے کائنات نے اپنی بیٹی زینب کیلئے اسی مقدار میں حق مہر معین کیا جو اُن کی ماں فاطمہ زہراؑ کا تھا یعنی ۲۸۰ درہم)۔ (زینب، زینب ہے، مصنفہم۔ صادق، ترجمہ علامہ حسن رضا ندیری، ص ۶۸)۔

اس ازدواج کی ایک شرط یہ رکھی گئی تھی کہ اگر امام حسینؑ عازم سفر ہوں گے تو زینبؑ ان کی ہمراہی اختیار کرنے کی مجاز ہوں گی اور عبد اللہ اس بات میں مانع نہ ہوں گے۔ اسی طرح دونوں بہن بھائی یعنی سیدہ زینبؑ اور امام حسینؑ کی ملاقات پیہم کی شرط بھی رکھی گئی جبکہ شاید ہی کوئی ایسا دن ہو جب یہ دونوں ایک دوسرے سے ملاقات نہ کرتے ہوں (زینبؑ کبریٰ، ص 89)۔

(حاشیہ صفحہ سابقہ) (یاد رہے کہ یہ خط ملنے سے پہلے ہی امام حسینؑ مکہ سے روانہ سفر ہو چکے تھے)۔

”امام حسین علیہ السلام نے اپنے چچا زاد بھائی جناب عبد اللہ ابن جعفر کے نام جو خط بھیجنا اس میں آپ نے اپنے سفر کے مقاصد اور اسباب پر مکمل روشنی ڈالی اور جناب عبد اللہ کی تجویز کو مسترد کرتے ہوئے اپنا مضبوط موقف مکمل طور پر واضح کر دیا تاکہ حالات کا کوئی پہلو اُن سے پوشیدہ نہ رہے۔ امامؑ نے اپنے خط میں لکھا:

”مجھے آپ کا خط ملا ہے اور میں نے اُسے اچھی طرح پڑھ لیا ہے اور آپ کے مقصد سے مطلع ہو چکا ہوں۔ میں آپ کو حقیقت حال سے باخبر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ میں نے خواب میں اپنے جد بزرگوار محمد مصطفیٰؐ کو دیکھا ہے۔ آنحضرتؐ نے مجھے ایک حتمی اور یقینی امر کی خبر دی ہے۔ لہذا اب صورت حال جو بھی ہو میں اس پر صبر و استقامت کا مظاہرہ کروں گا۔ اے میرے مخلص چچا زاد! خدا کی قسم! اگر میں زمین کی تاریک گہرائیوں کے دامن میں چھپ جاؤں تب بھی یہ لوگ مجھے وہاں سے نکال کر قتل کر ڈالیں گے اور خدا کی قسم! بنی امیہ کے مجھ پر ظلم و استبداد کی مثال ویسی ہی ہے جیسے ”یوم السبت“ کی بابت یہودیوں کا عمل۔ والسلام“

”جب جناب عبد اللہ ابن جعفر کے پاس امام حسین علیہ السلام کا مکتوب گرامی پہنچا تو انہیں امامؑ کے عزم و ارادہ کے پس منظر سے آگاہی حاصل ہو گئی اور ہر قسم کا ابہام دور ہو گیا۔

”تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام نے عزم سفر کیا تو سیدہ زینبؑ جناب عبد اللہ ابن جعفر کے پاس آئیں اور اُن سے اپنے ماں جائے کے ساتھ شریک سفر ہونے کی اجازت طلب کی اور اپنے شوہر سے کہا: ”اے میرے سر تاج! کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں اپنے بھائی کے ساتھ شریک سفر ہو جاؤں؟“

عبد اللہ نے کہا: اے میری پاکباز رفیقہ حیات! اگر مجھے یہ ناگہانی مرض لاحق نہ ہوتا تو میں بھی اپنے آقا کے ہمراہ جاتا اور اُن کی خدمت میں رہنے کا شرف حاصل کرتا۔

”اس کے بعد جناب عبد اللہ نے سیدہ زینبؑ سے ایسا جملہ کہا جو نہ فقط عبد اللہ کی عظمت و جلالت کا ترجمان تھا بلکہ (جاری)

ثانی زہرا اور حضرت عبداللہ کی شادی ایک امر طبعی بھی قرار پاتی ہے، اس لئے کہ حضرت عبداللہ کی والدہ اسماء بنت عُمیس حضرت جعفر طیار کی زوجہ تھیں۔ اُن کی شہادت کے بعد اُن کی شادی حضرت ابو بکرؓ سے ہوئی جن کی وفات کے بعد اُن کی شادی حضرت علی علیہ السلام سے ہوئی۔ ان حالات سے ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ کی والدہ تو موجود تھیں جبکہ سیدہ زینب بغیر والدہ کے تھیں۔ اسی طرح امیر المومنین علیہ السلام جناب زینب کے پدر نامہ اب بھی تھے اور حضرت عبداللہ کی بے پدری میں اُن کے عم بزرگوار بھی۔ اس طرح یہ شادی قریب ترین عزیزوں ہی کے درمیان واقع ہوتی ہے۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت زینب کی اُمیدوں کی تکمیل کا سبب بھی تھا۔ عبداللہ نے کہا: کیا آپ اس بات سے اتفاق کریں گی کہ ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کے سہارے بیٹے محمد اور عون بھی اپنے ماموں کی خدمت میں اس سفر کے شریک بنیں؟

”عبداللہ کا یہ جملہ درحقیقت سیدہ زینب کے دل کی آواز تھی۔ چنانچہ آپ نے اس پیشکش کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی قرار دیتے ہوئے قبول کیا۔ سیدہ زینب اپنے با معرفت اور جلیل القدر شوہر سے رخصت ہو کر اپنے دونوں نو بہ نظر محمد اور عون کے ساتھ امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہو گئیں۔“ (”زینب زینب ہے“ مؤلفہ: صادق، ترجمہ: آغا حسن رضا غدیری، ص ۱۳۳ تا ۱۳۵)

ہم ایک بار پھر کتاب ”منتخب التواریخ“ کی جانب رجوع کرتے ہیں۔ مؤلف کتاب حضرت عبداللہ ابن جعفر کی کربلا میں عدم شرکت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

”در عمدة المطالب است کہ جناب جعفر ہشت پسر داشت و مادرِ ہمہ اسماء بنتِ عمیس بود و عقبِ جناب جعفر منحصر شد از جناب عبداللہ ابن جعفر زوجِ حضرت زینب و جناب عبداللہ در سنہ ہشتاد یاد رستہ نود در مدینہ یاد را بوا از دنیا رفت و در بقیع دفن شد.

و در انوار العلویہ است و قتیکہ سید الشہداء خواست بر دو جانبِ عراق عبداللہ ابن جعفر عازم شد با آن بزرگوار بیرون شود سید الشہداء راضی نشد چون عبداللہ مکفوف البصر بود و چشمہایش نابینا بود عرض کرد یاسیدی حال کہ راضی نمیشوی من در خدمت باشم اذن بدہ دو پسر من در رکابت حاضر شوند.

حضرت قبول فرمودند چون خبر شہادت حضرت سید الشہداء بمدینہ رسید جناب عبداللہ ابن جعفر و غلامش از واقعہ کربلا سوال کردند خبر شہادت دو فرزندش را شنید غلامش کہ مربی این دو طفل بود، گفت آنچه از سید الشہداء بمارسید. عبداللہ گفت این سخن را بسید الشہداء جسارت کردی خواست عصابِ سرِ آن غلام بزند فرار کرد بعد ابدأ اورادر منزلِ خود راہ نداد.

و از زیارتِ ناحیہ مقدسہ استفادہ میشود کہ دو پسر جناب عبداللہ کربلا شہید شدند یکے جناب عون ابن عبداللہ و دیگری محمد بن عبداللہ و متحمل است کہ ہر دو از حضرات زینب بودند. (جہری)

ثانی زہر اسلام اللہ علیہا کی اولاد

مؤمنین اس ازدواج کے نتیجہ میں چار یا پانچ اولادوں کا اس طرح ذکر کرتے ہیں:
 ”جعفر (محمد) اور عون جن کی نسل باقی نہیں کیونکہ ان دونوں نے کربلا میں شہادت پائی۔“
 ”علی، جن سے حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی نسل چلی۔“

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) کتاب عمدة الطالب میں وارد ہے کہ جناب جعفر طیار کی آٹھ اولادیں تھیں جن سب کی والدہ گرامی اسماء بنت عمیس تھیں لیکن حضرت جعفر کی نسل جناب عبداللہ ابن جعفر سے چلی جو حضرت زینب کے شوہر تھے۔ جناب عبداللہ نے ۸۰ھ یا ۹۰ھ میں مدینہ یا البوا میں اس دار فانی سے کوچ فرمایا اور بقیع میں مدفون ہوئے۔

کتاب انوار العلویہ میں وارد ہوتا ہے کہ جب جناب سید الشہداء علیہ السلام نے چاہا کہ عازم عراق ہوں تو عبداللہ ابن جعفر نے ارادہ کیا کہ اُن بزرگوار کے ہمراہ جائیں لیکن جناب سید الشہداء علیہ السلام اس بات پر راضی نہ ہوئے کیونکہ عبداللہ اس وقت نابینہ ہو چکے تھے اور ان کی آنکھوں کی روشنی جاتی رہی تھی۔ لہذا انہوں نے خدمتِ امام میں عرض کیا کہ اے میرے آقا! اب جبکہ آپ اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں تو اجازت دیجئے کہ میرے دو بیٹے آپ کی رکاب میں حاضر رہیں۔

جناب سید الشہداء علیہ السلام نے اس درخواست کو قبول فرمایا۔ جب سید الشہداء کی شہادت کی خبر مدینہ میں پہنچی جناب عبداللہ ابن جعفر اور ان کے غلام نے کربلا میں رونما ہونے والے واقعہ کے بارے میں سوال کیا۔ آپ کے دونوں بیٹوں کی شہادت کی خبر سن کر آپ کے غلام نے، جس نے دونوں شاہزادوں کو پالا تھا، کہا کہ یہ رنج ہمیں سید الشہداء کی وجہ سے پہنچا۔

حضرت عبداللہ نے (سخت ناراضی سے) غلام سے کہا کہ تو نے جناب سید الشہداء کے لئے یہ بات کہنے کی جسارت کی؟ آپ نے چاہا کہ اپنا عصا اس غلام کے سر پر ماریں۔ وہ بھاگ گیا اور اس کے بعد کبھی اس غلام کو اپنے درِ دولت پر آنے کی اجازت نہ دی۔
 زیارت ناحیہ مقدسہ سے پتہ چلتا ہے کہ جناب عبداللہ ابن جعفر کے دو فرزند کربلا میں شہید ہوئے۔ ایک جناب عون ابن عبداللہ ابن جعفر اور دوسرے محمد ابن عبداللہ ابن جعفر جو دونوں حضرت زینب سلام اللہ علیہا سے تھے۔

مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اگر حضرت عبداللہ ابن جعفر کی بیٹی کی درست ہوتی اور جناب سید الشہداء علیہ السلام اجازت مرحمت فرماتے تو وہ امام کے ہمراہ ہر حالت میں شریکِ جہاد کربلا ہوتے بالخصوص جبکہ حضرت عبداللہ زمانہ بھر میں عرب کے شجاع ترین افراد میں شمار ہوتے تھے۔ اپنے جوان بیٹوں کو رکابِ امام میں حاضر رہنے کیلئے پیش کر دینا، نیز اپنی زوجہ محترمہ جناب ثانی زہرا کو بخوشی ہمراہی امام کی اجازت دے دینا، جیسا کہ ہم سابق میں پیش کر آئے ہیں، اس بات کی مزید تصدیق کرتا ہے کہ عبداللہ ابن جعفر ہرگز ہرگز اقدامِ امام سے کوئی اختلاف نہ رکھتے تھے۔ لہذا اس قسم کی تمام روایات قابلِ قبول (جاری)

”ام کلثوم، جناب زینبؓ کی صاحبزادی۔ ان کیلئے معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کیلئے رشتہ مانگا لیکن حضرت عبداللہ نے اُن کی شادی کا اختیار امام حسین علیہ السلام کے سپرد کر دیا جنہوں نے اس بیٹی کا عقد قاسم ابن محمد ابن جعفر کے ساتھ کر دیا (زندگانی فاطمہ زہرا، شہیدی، ص 245)۔

بعض تاریخ نگاروں نے آپ کے بیٹوں میں علی، عون، عباس وغیرہ کا ذکر کیا ہے لیکن اُن کی کوئی وضاحت بیان نہیں کی (المجدی، ص 18)۔

علامہ طبرسیؒ سیدہ زینبؓ کی چار اولادوں کا ذکر کرتے ہیں، جو جعفر، عون، علی اور ام کلثوم پر مشتمل ہیں (اعلام الوری)۔ بعض بوگوں نے زینبؓ علیا کے چار بیٹوں اور دو بیٹیوں کا ذکر کیا ہے (تاریخ طبری)۔

کچھ اور لوگوں نے حضرت کے پانچ بچوں علی، عون، عباس، محمد اور ام کلثوم کا تذکرہ کیا ہے (اسد الغابہ، ج 5، ص 469)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) قرآن میں پائیں اور ان کی حقیقت ہوا خواہ ان بنی امیہ و بنی عباس کے متعصب رویہ سے زیادہ کچھ نہیں جو ان لوگوں کو اہل بیت رسولؐ اکرم کے خلاف حاصل تھا۔ علاوہ ازیں واقعہ کربلا میں اولادِ عقیل و جعفر کی فداکاریاں صفحات تاریخ کی زینت ہیں۔ لہذا کیسے ممکن ہے کہ ان کے بزرگ ترین فرد یعنی حضرت عبداللہ ابن جعفر، جن کو حضور سید الانبیاء اور امیر المومنین علیہ السلام کی خصوصی محبت و شفقت و دعائیں حاصل تھیں، کس طرح نہضتِ امام سے اختلاف کر سکتے تھے۔

اب ایک سوال باقی رہ جاتا ہے یعنی حضرت عبداللہ ابن جعفر کا حضرت امام حسین علیہ السلام کو عزمِ عراق سے روکنا، حضرت کے افکار کے باعث اُن کی بے چینی، عمرو بن سعید، حاکم مکہ و مدینہ سے حضرت کیلئے امان نامہ کا حصول، یہ سب ایسی باتیں ہیں جن کو تقاضائے بشریت سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی۔ ہر ذی شعور قاری کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت عبداللہ یادِ دیگر مقتدر حضرات جو اس زمانہ میں موجود تھے، کسی صورت میں بھی سید الشہداء علیہ السلام کی سیاسی بصیرت کی برابری نہیں کر سکتے۔ جو لوگ حضرت کو عازمِ عراق ہونے سے روک رہے تھے ان کے جذبہ محبت و عقیدتِ امام میں شک کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، اگرچہ انفرادی طور پر ہر فرد کے کردار کے بارے میں تاریخی تنقید میں کوئی مانع نہیں ہے۔ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ جناب سید الشہداء علیہ السلام عبداللہ ابن زبیر کو بتلاتے ہیں کہ آپ وہ مینڈھانیں بننا چاہتے جس کے خون سے حرم کی زمین رنگین ہوگی، گویا حضرت واضح الفاظ میں عبداللہ ابن زبیر کو مکہ بلکہ مسجدِ احرام میں، ان کے قتل کی خبر دے رہے ہیں، ایسا واقعہ جو کربلا کے سانحہ کے کئی سال بعد رونما ہوا، تو ہمیں جناب سید الشہداء علیہ السلام کی سیاسی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے جو ان کے دیگر ہم عصروں کو حاصل نہ تھی۔

اس کے علاوہ ہر قاری کو یہ بات بھی ذہن نشین کرنا ہوگی کہ یزید جو اپنے والد امیر معاویہ کی اس ہدایت کے باوجود کہ اپنے تمام خلیفین میں فرزندِ رسولؐ کا احترام ہر قسم کی دشمنی ہوتے ہوئے بھی ملحوظ رکھنا، فرزندِ رسولؐ سے بیعت لینے پر کس قدر مصر تھا۔ پھر (جاری)

مؤرخین نے آپ کے تین بیٹے اور ایک بیٹی یعنی علی، عون، عباس اور ام کلثوم بھی لکھے ہیں۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) اس کا حاکم مدینہ کے نام امام سے بیعت لینے کے بارے میں تہدید آمیز خط، نیز بصورت انکار امام کا سر قلم کر کے شام بھیجنے کی ہدایت، ایسے واقعات ہیں جن کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے برعکس یزید کے یہ تمام احکامات کسی طرح ایک لمحہ کیلئے بھی اس کے تاکید نصب العین کو مخفی نہیں رہنے دیتے۔ دوسرے لفظوں میں ہمیں کہنا پڑیگا کہ یزید اپنے مقام پر یہ سمجھ رہا تھا کہ اگر اسے امام حسین علیہ السلام کی بیعت حاصل نہیں ہوتی تو باقی تمام مسلمانوں کا اس کی بیعت میں آ جانا ایک بے معنی عمل ہوگا۔ ہمارے خیال میں دور حاضر کے اسلام میں جمہوریت کے قائلین تو یقیناً اس بات کو تسلیم کریں گے کہ یزید اگر امام حسین علیہ السلام کی بیعت کو نظر انداز کر دیتا تو کسی طرح اصول جمہوریت پر زور نہ پڑتی۔ لیکن یزید کا امام سے بیعت لینے پر اصرار اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ وہ اپنے تمام تر اقتدار و اختیار و شاہانہ شان و شوکت کے باوجود یہ سمجھ رہا تھا کہ حضرت کے انکار بیعت سے اس کا قصر جمہوری اقتدار خاک میں مل جائیگا۔ اسی لئے تاریخ کے اوراق اس کے اصرار کی تمام صورتوں کو ظاہر کر رہے ہیں یعنی کبھی وہ اپنے اطاعوں کو بیعت امام سے مایوس ہو کر حج کے موقع پر حاجیوں کے لباس میں اپنے کارندوں کو مامور کر رہا ہے کہ دوران حج امام کو قتل کر دیں۔ یہ سب باتیں اور اقدامات امام کی موجودگی کو اس کے اقتدار کیلئے کس قدر خطرہ کا باعث قرار دے رہے ہیں۔

ان حالات میں کیسے کوئی ذی شعور ذہن عمرو بن سعید، عامل مکہ و مدینہ کی طرف سے امام کیلئے امان نامہ کی حیثیت سے چشم پوشی کر سکتا ہے۔ اگر حضرت عبداللہ ابن جعفر کے حاصل کردہ اس امان نامہ کی کوئی قدر و قیمت و حیثیت ہو سکتی تھی تو وہ امام کے علاوہ دیگر افراد زمانہ کے لئے ہو سکتی تھی۔ لہذا حضرت عبداللہ ابن جعفر کے اس اقدام کو صرف امام سے محبت و عقیدت سے زیادہ کسی جذبہ کی کیفیت قرار دینا واقفیت سے گریز کے مترادف ہوگا۔ چونکہ جناب سید الشہداء عبداللہ ابن جعفر اور دیگر اکابرین زمانہ سے زیادہ سیاسی بصیرت کے مالک تھے اس لئے آپ اس امان نامہ کی اہمیت کو دیگر افراد سے زیادہ سمجھتے تھے۔ علاوہ ازیں یزید کے حکم سے ان دو مقدس شہروں کی شہادت حسین کے بعد جو تباہی و بربادی عمل میں لائی گئی جبکہ بہت سے اصحاب رسول اور ان کی اولادیں وہاں موجود تھیں، یزید کی نیت میں کسی طرح کا حسن ظن رکھنے کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑتیں۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) عبداللہ ابن جعفر کی اولاد میں جو بطن حضرت زینب سے ہوئی، مؤرخین نے اختلاف کیا ہے۔ جو بات درست معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے، جیسا کہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ آپ کے لطن سے چار لڑکے علی و عون والا کبر و محمد و عباس اور ایک لڑکی ام کلثوم ہوئی۔ منجملہ ان کے عون و محمد میدان کربلا میں شہید ہوئے.....

بحار الانوار اور دیگر کتب میں مسطور ہے کہ ام کلثوم دختر جناب زینب تمام صفات و کمالات و ذکاوت میں اپنا مثل نہ رکھتی تھیں۔ امام حسین علیہ السلام کے زمانہ میں وہ حدیث کو پہنچ گئی تھیں۔

معاویہ ابن ابی سفیان نے جو ہوشیاری اور سیاست میں یگانہ عصر تھا، استحکام سلطنت یزید کی یہ تدبیر خیال کی کہ اگر بنی (جاری)

تاہم سند قوی تر چار بیٹوں اور ایک بیٹی ہی کی ہے (تاریخ الخمیس، ج 2، ص 317)۔

بہر حال اس بات پر سب متفق ہیں کہ صدیقہ صغریٰ کے دو بیٹے کر بلا میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے اور حضرت زینب و حضرت عبداللہ کی نسل اُن کے صاحبزادے علی سے آگے بڑھی (ایمان الشیعہ، ج 33، ص 191)۔

(باقی صفحہ سابقہ) ہاشم کے ساتھ پیوند موصلت ہو جائے تو پھر ممکن ہے کہ یہ مخالفت جاتی رہے۔ چنانچہ اُس نے اپنے عامل مروان کو لکھ کہ وہ یزید کے لئے ام کلثوم دختر عبداللہ کی خواستگاری کرے۔ مروان نے عبداللہ کے پاس آکر معاویہ کا پیغام پہنچایا۔ عبداللہ نے جواب دیا کہ ام کلثوم کا مجھے اختیار نہیں بلکہ ہمارے سید و سردار امام حسین علیہ السلام اس امر میں مختار ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ وہ حضرت بنی ہاشم کے سردار ہیں، وہ ام کلثوم کے ماموں بھی ہیں۔ یہ سن کر مروان نے خدمت امام حسین میں حاضر ہو کر آپ کو بھی معاویہ کے منشاء سے مطلع کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں استخارہ کروں گا۔

جب مسجد رسول میں آدمی جمع ہو گئے تو مروان بھی اپنے ساتھ کچھ آدمی لئے ہوئے حاضر خدمت امام حسین علیہ السلام ہوا اور کہا کہ معاویہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ یزید کے لئے ام کلثوم بنت عبداللہ کی خواستگاری کروں اور بنی ہاشم و بنی امیہ کے درمیان صلح و دوستی کا یظ کرتے ہوئے اس کا وہ مہر ادا کروں جو عبداللہ مقرر کریں۔ علاوہ اس کے عبداللہ کے ذمہ جو قرض ہو گا وہ بھی ادا کیا جائے گا۔ میں یزید سے واقف ہوں۔ یہ کفو و پیوند بے نظیر ہو گا۔ یہ مجھے معلوم ہے کہ اس پیوند پر سب لوگ آپ پر غبطہ کریں گے اور اب بھی اکثر آدمی یزید پر غبطہ کرتے ہیں۔ یزید وہ شخص ہے کہ ابراہیم کے دیدار کا محتاج ہے (یہ کلمہ زبان عرب میں نہایت تعظیم کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے)۔

جب مروان یہ کہہ کر خاموش ہوا تو ستائش یزیدوں و ادائے خطبہ کے بعد جناب خاس آلِ عبا نے ارشاد فرمایا کہ اے مروان! تو نے جو یہ کہا کہ ام کلثوم کا مہر عبداللہ مقرر کریں تو جو کچھ جناب رسول خدا نے اپنی دختر و اور عورتوں کے لئے سنت مقرر کر دی ہے ہم اُس کے خلاف نہیں کر سکتے۔ تیرا جو یہ بیان ہے کہ عبداللہ کا قرض ادا کیا جائے گا، میں دریافت کرتا ہوں کہ ہماری عورتوں نے کب اپنے ہاپ کا قرض ادا کر لیا ہے۔ تمہارا یہ کہنا بھی کہ اس رشتہ سے بنی ہاشم اور بنی امیہ میں صلح و آشتی ہو جائے گی، غلط ہے۔ ہمیں خدا کیسے تم سے مخالفت ہے، دنیا کے لئے ہم صلح کرنا نہیں چاہتے۔ تمہارا یہ بیان بھی درست نہیں کہ اس رشتہ سے ہمارا فائدہ ہے اور یزید سے زیادہ لوگ ہم پر غبطہ کریں گے۔ آگاہ ہو کہ جو ہم پر غبطہ کرتے ہیں وہ جاہل ہیں اور اس پر غبطہ کرنے والے اہل عقل ہیں۔ تمہارا یہ کہنا بھی خلاف عقل ہے کہ صاحب دیدار یزید کا محتاج ہے کیونکہ یہ مقام سوائے ہمارے جد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور کسی کیلئے نہیں ہے۔

یہ کہہ کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ سب لوگ گواہ رہیں کہ ام کلثوم دختر عبداللہ کا عقد میں نے اُس کے پسر عم قاسم ابن محمد ابن جعفر سے کر دیا اور مہر سنت قرار دیا اور اُسے میں نے اپنی وہ زمین بہہ کر دی جس کی آمدنی آٹھ ہزار دینار سالانہ ہے تاکہ ان دونوں کی معیشت کیلئے وہ زمین کفیل ہو۔

حضرت عبداللہ نے ۸۰ھ میں مدینہ میں جناب زینب کبریٰ کی وفات کے اٹھارہ سال بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔

۳. ثانی زہرا کی حیاتِ مبارکہ پر ایک نظر

ہم نے بتایا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن جعفر امیر و دولت مند آدمی تھے اور عرب کے نئی حضرات میں مشہور و معروف حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کے گھر کا شمار عرب کے اشراف جاگیرداروں میں ہوتا تھا جن کے بہت سے خدمت گار و کارندے ہوتے تھے۔ تاہم تاریخ گواہ ہے کہ زینب عالیہ سلام اللہ علیہا نے اپنی زندگی کو ہرگز امارت میں گرفتار نہ کیا اور نہ ہی کبھی دولت و ثروت سے دل لگایا۔

ثانی زہرا صحیح معنی میں زاہدہ تھیں۔ آپ کے پدر گرامی کے قول کے مطابق زہد کی تعریف یہ ہے کہ انسان دنیا و دولت کا مالک ہو لیکن یہ نہیں کہ دنیا اور اس کی دولت انسان کو اپنا غلام بنالیں (ماخوذ از نہج البلاغہ)۔
(الزُّهْدُ أَنْ لَا تَمْلِكَ الدُّنْيَا وَأَنْتَ مَالِكُهَا) اس زہد کی بہترین دلیل یہ ہے کہ آسائش و آرام، دولت و ثروت، نوکر و غلام، نرم و گرم بستر اور زیب و زینت و زیور کو ترک کر دے کہ یہی اسلام کا مقدس ہدف ہے۔

کتنی عجیب و حیران کن بات ہے کہ اس قدر دولت و ثروت و اختیار و ناز و نعمت کی مالکہ ہوتے ہوئے ثانی زہرا کو ان میں کسی چیز سے وابستگی نہ تھی! ایسی کتنی ہستیاں ہیں جو ہرگز آرام و آسائش گھر کی مالک ہوں، مہربان شوہر اور محبوب و عزیز اولاد رکھتی ہوں اور پھر اپنے مقدس اہداف کے حصول کی خاطر در بدری و بھوک و پیاس کو گوارا اختیار کریں! کیا یہ سب کچھ زہدِ اسلامی کا حصہ ہے؟

ثانی زہرا کی قبل از وواج زندگی

ثانی زہرا نے بہت جلد زندگی کی ذمہ داریوں میں قدم رکھا۔ ابھی صرف چھ سال کی تھیں کہ آپ کے عظیم نانا اور اس کے تھوڑے عرصے کے بعد ہی آپ کی مادر گرامی داغِ مفارقت دے گئیں۔ لہذا آپ کو امورِ خانہ داری اور گھر کے فرائض کی سرپرستی میں مصروف ہونا پڑا۔ آپ کے اس دور کے بارے میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ گھر کی زندگی و رونق والدہ محترمہ کی وفات کے باعث ویرانی میں بدل چکی ہے، صحنِ خانہ آپ کیلئے تاریک ہے، گھر کا ایک حصہ اس دہشتناک منظر کی یاد دلا رہا ہے جہاں مادر گرامی ضربِ شدید سے زخمی فرشِ خاک پر گر کر تڑپتی رہیں، گھر کے سب درو دیوار اس یاد کو تازہ کر رہے ہیں، انہی حالات میں مظلوم باپ کے چہرہ اقدس کے اذیت ناک تاثرات، جن کا حق چھینا گیا ہے اور جن کی رفیقہ حیات کو موت کی آغوش تک پہنچا دیا جاتا

ہے، پھر دونوں بہن بھائی اللہ تعالیٰ کے حرم پاک کے مقدس کبوتروں کی مانند پروبال متبرک سے آراستہ، لیکن بال و پر شکستہ ہیں، گوشہ نشین ہیں اور اپنے خاندان کے مصائب کو یاد کر کے آنسو بہاتے ہیں۔

ان حالات میں ایک طرف تو آپ کو ماں باپ کی جگہ امور خانہ داری کی زندگی اختیار کرنا پڑی اور دوسری طرف بہن بھائیوں کی دیکھ بھال و استعانت کا بوجھ بھی آپ پر ہی آن پڑا۔ لہذا خورد سالی ہی میں آپ کو خاندان کیلئے خاتون خانہ کی ذمہ داریاں سنبھالنا پڑیں ورنہ خالیکہ ابھی آپ کا لڑکپن و کھیل کود سے لطف اندوز ہونے کا زمانہ تھا۔ انہی حالات میں آپ اس نوعیت سے سن بلوغ کو پہنچیں گویا بہن بھائیوں کیلئے بدرجہ ماں تھیں اور آپ کے جملہ امور خانہ داری سے بھی بطریق شائستہ عہدہ برابھونا پڑا۔

ثانی زہرا کی شادی کے بعد کی زندگی

تاریخ نہایت عالیہ کی زندگی میں صدق و صفا و اخلاق و محبت کے سوا اور کسی چیز کا ذکر نہیں کرتی۔ آپ نے ایک ایسے شفیق شوہر کے زیر اثر زندگی کی ابتداء کی جن کے اہل خانہ اُن کے چچا زاد اور آپ کے مقام عالی کی اقدار کو سمجھتے تھے۔ شوہر نامدار ثانی زہرا کی معرفت رکھتے، آپ کی شان و مرتبہ سے آگاہ اور جانتے تھے کہ یہ سیدہ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کی یادگار اور حضرت علی علیہ السلام کی نورِ نظر ہیں۔

اسی طرح صدیقہ صغریٰ حضرت عبداللہ کے لئے ایک مہربان زوجہ اور اُن کی اولاد کے لئے مادرِ مہربان و فرض شناس نظر آتی ہیں۔ آپ اپنی زندگی کو اپنے فرائض کی مطابقت سے آراستہ کرتی اور تیزی کے ساتھ واقعات و حالات کے حساس مواقع کا ادراک کرتے ہوئے صحیح لائحہ عمل اختیار کر لیتی ہیں۔

علی کی عظیم بیٹی کا گھر مصیبت زدوں کے لئے جائے امید، بے پناہوں کے لئے پناہ گاہ، گرد و نواح کی خواتین کے لئے علم و دانش اور تفسیر قرآن و فرائض دینی کی تعلیم کا مرکز قرار پاتا ہے۔ آپ کی زندگی کا نصب العین اس طرح منظم ہوتا ہے کہ جس میں کسی طرح کی رکاوٹ کا شائبہ نہیں ہے۔

زینب عالیہ اپنی خانہ داری، اپنے شوہر کی خدمت اور اپنی اولاد کی تربیت کی ذمہ داری خود سنبھالتی ہیں، اپنی عبادت و دعا و مناجات کے لئے بھی اوقات مقرر فرماتی ہیں، اپنے پدر بزرگوار اور برادرانِ ذی وقار کی خاطر اس طرح لائحہ عمل وضع کرتی ہیں کہ کسی طرح بھی یہ تمام فرائض نہ تو آپس میں الجھتے ہیں اور نہ ہی ان میں کہیں کمی نظر آتی ہے۔ ہمارے قارئین کو ہماری اس

سعی کے مطالعہ سے اس تمام طریق کار کا ثبوت مل جائے گا۔

ثانی زہرا کی حیاتِ حیرت انگیز

زمینِ عالیہ کی زندگی اور آپ کا طریق کار حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے۔ آپ ایک خاتون کی حیثیت سے نرم دل و رقیق القلب ہیں لیکن جہاں حالات و ضرورت تقاضا کرتے ہیں تو یہی نرم خو خاتونِ معظمہ اپنے ہدف کے حصول کی خاطر پہاڑ کی طرح مستقل و مضبوط دکھائی دیتی ہیں۔ وہ ایک ماں ہیں اور ہر ماں کی طرح مرکزِ مہر و محبت و رحمت ہیں، لیکن جہاں فرائضِ دینی، اسلام کی حفاظت اور وجودِ قرآن کا دفاع مقصود ہو تو اپنے عزیز ترین بیٹوں کو قربان کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

خواتین اپنے مصائب میں جب پناہ کی طالب ہوتیں تو سیدہ زمین پناہ فراہم کرتیں۔ خواتین عام طور پر جنگ و جراحت کے موقع پر اپنے عزیزوں کی اموات سے دوچار ہوتیں تو بے ہوش ہو جاتیں اور ضعف و نقاہت کے باعث ایسے منظر سے اپنے آپ کو دور رکھتیں لیکن جنابِ زمین نے واقعات کا ایسی قوتِ قلب کے ساتھ مقابلہ کیا کہ آپ کا عزم و استقامت جنابِ سید الساجدین علیہ السلام کیلئے باعثِ تسکین ثابت ہوا۔

آپ کا اپنا گھر ہے، زندگی کا ساز و سامان ہے، شوہر و اولاد ہیں۔ فطری امر ہے کہ ان سب کے ساتھ انس و محبت ہو۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود آپ اپنے آئندہ پیش آنے والے حالات سے، ان حالات میں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے پوری واقفیت رکھتے ہوئے اپنی شادی کی شرائط میں امام حسین علیہ السلام کی ہمراہی کو اہم ترین شرط قرار دیتی ہیں تاکہ اس عظیم شہادت اور پیغام جنابِ سید الشہداء علیہ السلام کو پایہ تکمیل تک پہنچائیں اور یہی بات ہمارے لئے سب سے زیادہ تعجب کا باعث بنتی ہے۔

حیاتِ زمینِ کبریٰ کا حاصل

ثانی زہرا کی تمام مقدس زندگی جدوجہد میں گذری۔ آپ کی پوری زندگی میں کوئی دم آسودگی کا میسر آتا نظر نہیں آتا۔ تمام عمر تکمیلِ ہدف، احساسِ ذمہ داری اور عبادت پروردگار کی نذر کردی۔ ایسے ایسے شائد و مصائب کو برداشت کیا جو اگر سخت پتھروں پر پڑتے تو وہ یقیناً ریزہ ریزہ ہو کر ختم ہو جاتے۔ ایک خاتونِ خانہ نشین اور ان تمام مشکلات و کشمکش کا مقابلہ، مقامِ تعجب کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے! اپنی مقدس زندگی کے آخری ایک دو سال تو آپ نے اس قدر جدوجہد اور مسلسل ذہنی کشمکش میں بسر کئے کہ ان حالات نے مؤرخین کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ آپ کی حیاتِ اقدس اور کاروبارِ زندگی اس نہج پر انجام پائے کہ

مغرب کے اکثر دانشور اس کو معجزہ اور خود خاتونِ کربلا کو زندگی کے عجائبات میں شمار کرتے ہیں۔ آپ ایسی خاتون ہیں جن کو دیکھ کر زمانہ کے بڑے بڑے مرد غرقِ حیرت ہیں اور جن کے لائحہ عمل نے دنیا کے بڑے بڑے سیاست دانوں کو میدانِ سیاست کے بحرِ تعجب میں غوطہ زن کر کے رکھ دیا ہے۔

خاتونِ کربلا اُس وقت دنیا سے تشریف لے گئیں جب سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کے دقیق مشن میں اپنے کردارِ فرض کو انتہا تک پہنچا لیا۔ آپ نے امام حسین علیہ السلام کے روزِ عاشور کے اقدام کو پوری تفصیل کے ساتھ تاریخ کے اوراق پر دشمنانِ دین کی بد اعمالیوں سمیت انتہا کی پختگی کے ساتھ ثبت کیا، خود نہد ہو کر دشمن کے ہتھیاروں کو ٹنڈ کر دیا اور اپنی فصاحت و بلاغت کے زور سے دلائل کے ساتھ بنی اُمیہ کی حکومت کے تزک و احتشام کو پارہ پارہ کر دیا۔

جب آپ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا اور ان کے لائحہ عملِ حیات کا اس زاویہ نظر سے مطالعہ کریں گے تو آپ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہ رہیں گے کہ سیدہ زینبؓ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت ہیں (مخدومہ کے القاب میں ایک لقب ”آیۃ اللہ“ بھی ہے)۔



۱. محبت و انسِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سفر سے واپس لوٹے تو اطلاع پائی کہ آپ کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے ایک بیٹی متولد ہوئی ہے۔ آنحضرتؐ مبارکباد کیلئے خانہ سیدہ طاہرہؑ میں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ نووارد مہمان کا آپ کو دیدار کرایا جائے۔ پس شہزادی کو رسول خدا کے حضور پیش کیا گیا۔ آنحضرتؐ نے نومولود بچی کو آغوش مبارک میں لیا، اپنا چہرہ مبارک اُس کے چہرہ پر رکھا اور اپنی فوت شدہ بیٹی (قبل ازیں ذکر ہوا کہ وہ جناب ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی پہلے شوہر سے صاحبزادی تھیں جن سے آنحضرتؐ بہت پیار کرتے تھے) کے نام پر نومولود بچی کا نام زینب تجوین فرمایا۔ نام رکھنے کے بعد آنحضرتؐ قدرے غم ناک ہوئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا سیدہ زینبؓ کی آئندہ کی پر از مصائب زندگی کا نقشہ آنحضرتؐ کی آنکھوں میں پھر گیا۔ اچانک آنحضرتؐ گریہ فرمانے لگے۔ جب وجہ و راز گریہ پوچھا گیا تو آنحضرتؐ نے جناب سیدہ سے فرمایا کہ میری اور آپ کی وفات کے بعد یہ دختر بے انتہا شداکد و مصائب سے دوچار ہوگی اور یہی میرے گریہ کا سبب ہے (الطراز المذہب، ص 47)۔

محبت رسول اکرم کی کیفیت

زینبؓ عالیہ نے حیات رسول اکرمؐ کا چھ برس مشاہدہ کیا۔ اکثر آنحضرتؐ کی آغوش کی زینت رہیں۔ آنحضرتؐ مافی زہراؑ سے بہت محبت کرتے تھے کیونکہ ایک تو وہ سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی نور نظر تھیں، دوسرے اُن سے دخترِ رپیہ رسولؐ کی یاد تازہ ہوتی جو تھوڑا عرصہ قبل ہی فوت ہوئی تھیں۔ شاید ہی کوئی دن ایسا گذرتا کہ رسول اکرمؐ شہزادی کو نہ دیکھتے یا اپنی زینتِ آغوش نہ بناتے۔ نواسی کی بچپن کی پیاری پیاری باتیں جو کبھی سمجھ بوجھ و دانش سے، خالی نہ ہوتیں اور جن کو آنحضرتؐ دوسروں کے سامنے دہرایا کرتے، آنحضرتؐ کی بہت زیادہ خوشی و پیار کا باعث بنتیں۔ اسی طرح تمام پند و نصائح جو آنحضرتؐ نواسی کے بچپن میں انہیں بتاتے وہ اُن کی آئندہ زندگی کے لئے درس ہائے بے بہا بن جاتے۔

مؤرخین و محدثین نے سیدہ زینبؓ کو آنحضرتؐ کے صحابہ میں قرار دیا ہے (اسد الغابہ، ج 5)۔

حضرت عبداللہ ابن عباس جیسے افراد، جنہیں ”جبر الامۃ“، سب سے پہلے مفسر قرآن اور دانشور کہا جاتا ہے، شہزادی

سے نقل حدیث کرتے اور کہا کرتے: قَالَتْ عَقِيلَتُنَا زَيْنَبُ (ہماری عقیلہ زینب نے یوں فرمایا ہے.....) اس کے بعد فرمودہ زینب عالیہ سے اپنی بات کا دوسرے لوگوں کے سامنے استناد فرماتے (اسد الغابہ، ج 5)۔

محبت رسول کا حاصل

صدیقہ صغریٰ رسول اکرم سے بہت مانوس تھیں۔ آپ کو اپنے عظیم نانا کی زیارت کا بے حد شوق تھا۔ جب بھی فراغت پاتیں اس سے فائدہ اٹھاتیں اور زیارت محبوب خدا سے شرفیاب ہوتیں۔ اس سلسلہ میں حسین علیہما السلام اکثر سبقت کر لیتے تاہم سیدہ زینب بھی ان کے پیچھے پیچھے پہنچ کر اس محفل محبت کی شمع ہائے تجلی میں اضافہ کرتیں اور یہ سب خانہ مبارک رسول خدا کی رونق و روشنی کا سبب بنتے۔

خانہ رسول مقبول مرکز نزول وحی تھا، برکات پروردگار یہاں نازل ہوتی تھیں۔ یہاں کے ماحول و فضا عطر فردوس سے مملو ہوتے تھے۔ لہذا فطری طور پر یہ سب اس فضائے جاں فزا کے مشتاق رہتے اور ان کی ارواح اس ماحول میں زندگی بسر کرنے کی آرزو مند رہتیں۔ اس ماحول پر مستزاد پیغمبر خدا کے زمزمہ ہائے ہدایت ان کی رہنمائی، شوق اور محبت میں اس لئے بھی اضافہ کا سبب بنتے کہ اس طرح ان کیلئے آئین مقدس رسول سے واقفیت میں مستقل اضافہ ہوتا رہتا۔

زینب عالیہ نے ایسی فضا و ماحول میں پرورش پائی۔ نانا کی زیارت کا شوق اس درس آموزی میں شوق مزید کا باعث تھا۔ تحمل و برداشت میں اضافہ کا سبق، مسائل دینی سے واقفیت، بحث و دلائل کے اسباق، توحید و خدا شناسی کا تعارف، عبادت و زہد و تقویٰ کی منازل و مقامات، صراطِ مستقیم اور فرض شناسی کے جذبات کے درس اور دیگر متعدد رہنما اصولوں کی تعلیم وغیرہ..... پھر یہ سب اسباق دانش جو بچپن کے دوران شہزادی نے اخذ کئے، پھر پر لکیر ثابت ہوئے، بمصداق حدیث رسول اکرم:

”أَلْعِلْمُ فِي الصَّغْرِ كَالنَّقْشِ فِي الْحَجَرِ“.

معصوم باپ اور معصومہ ماں کے سایہ تربیت نے اس پر مزید اضافہ کیا، پھر حسن و حسین علیہما السلام جیسے عظیم بھائیوں کی محبت و ہمراہی نے ان کیفیات کو اور آگے بڑھایا کہ ثانی زہرا ان سب حضرات کے آنکھوں کا نور اور ایسی کامیاب و عظیم ہستی بن گئیں کہ اس تمام عقل و دانش کے آثار ہم آپ کی آئندہ زندگی میں ہر لحظہ دیکھ سکتے ہیں۔ آپ کی عظمت کے یہی آثار ہمیں واقعات روزِ عاشورا اس کے بعد کے حالات میں جگہ جگہ نظر آتے ہیں۔¹

1۔ مسلمہ حقیقت ہے کہ بچہ کی شعوری نشو و نما اور فکری قوت کا راز حسن تربیت کی معنوی تاثیر میں مضمر ہے اور والدین کے (جاری)

۲. مقدس والدین کی معیت یعنی زیر سایہ والدین

صدیقہ صغریٰ سلام اللہ علیہا حضرت علی علیہ السلام جیسے عظیم باپ اور جناب سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا جیسی مقدس مادر گرامی کے گھر میں دنیا میں تشریف لائیں۔ آپ دو بھائیوں کے بعد پیدا ہوئیں۔ علی و فاطمہ کے مبارک ازدواج کا تیسرا نتیجہ آپ بنیں۔ چونکہ سب سے پہلی بیٹی تھیں اس لئے فطری امر ہے کہ گھر میں اہم ترین و عزیز ترین مقام کی مالک قرار پائیں۔ گھر والے آپ کو بہت عزت و محبت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ علاوہ ازیں دو بھائیوں سے چھوٹی ہونے کی وجہ سے آپ خصوصی حمایت و توجہ و محبت کی مالک تھیں۔ دونوں بھائی بھی بہن سے بہت محبت رکھتے تھے، چھوٹی بہن کے ساتھ بچپن کے مشاغل میں مصروف رہتے، ان کو گود میں اٹھانے اور اپنے ساتھ رکھنے کے آرزو مند رہتے۔ گھر کا ہر فرد چاہتا تھا کہ زیادہ سے زیادہ انہیں اپنے ساتھ رکھے اور ان سے محبت کو ظاہر کرے۔ لہذا اس گھر میں زینبؓ عالیہ کو کسی طرح کی تنہائی نہ تھی۔ ہر وقت یا تو غوغا رسولؐ میں (باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) اخلاق و عادات، بچے کی ابتدائی زندگی کے ہر پہلو پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

سیدہ زینبؓ وہ با عظمت خاتون ہیں جن کا عہد طفولیت، فضیلتوں کے ایسے پاکیزہ ماحول میں گزرا جو اپنی تمام جہتوں سے کمالات میں گہرا ہوتا اور اُس پر ہر سمت روحانی اقدار محیط تھیں۔ رسول اکرمؐ نے انہیں اپنی روحانی عنایتوں سے نوازا اور اپنے اخلاقی کریم سے سیدہ زینبؓ کی فکری تربیت کی بنیادیں مضبوط و مستحکم کیں.....

سیدہ زینبؓ کا شمار اُن عظیم شخصیتوں میں ہوتا ہے جنہوں نے پاکیزہ ماحول کی تاثیر سے فکر و نظر اور اخلاق و کردار کی عظمتوں کو حاصل کیا کیونکہ جناب زینبؓ نے مرکز وحی میں نشو و نما پائی اور درگاہِ وحید میں فکری تربیت حاصل کی۔ سیدہ زینبؓ کو اپنے جد امجد رسولؐ خدا کی خدمت میں رہنا نصیب ہوا، وہ رسولؐ خدا جنہوں نے ایک انسانِ کامل ہونے کی حیثیت سے دنیائے بشریت کو عدل و انصاف کی روشنی سے منور کر دیا اور فضیلتوں و کمالات کی بنیادیں مستحکم کر دیں۔ حضرت محمد مصطفیٰؐ اخلاق کی عظمت سے عالم انسانیت پر چھا گئے اور لوگوں کو کلمہ توحید کے سایہ میں توحید کا پاکیزہ درس دیا۔ سیدہ زینبؓ نے اپنے جد رسولؐ خدا کے اخلاقی کریمہ کو اپنی زندگی کا معیار عمل بنایا۔

سیدہ زینبؓ نے ایک پاک و پاکیزہ گھر میں اپنی حیات طیبہ کی ارتقائی منزلیں طے کیں اور اپنے عظیم المرتبت جد بزرگوار کی نگاہِ لطف و عنایت کا مرکز بن کر اہل بیتؑ اطہار کی شفقتوں اور محبتوں سے بھرپور استفادہ کیا۔

(زینبؓ، زینبؓ ہے، مؤلفہ۔ صادق۔ مترجمہ آغا حسن رضا غدیری)

ہوتیں، یا بھائیوں کے ہمراہ بچپن کے مشاغل سے لطف اٹھاتیں، یا آغوشِ پدر و سایہٴ مادر آپ کو میسر رہتا۔ لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ سیدہ زینبؓ کا بچپن خوش حالی و شادمانی کا زمانہ تھا۔

مادرِ اقدس کے زیرِ سایہ

پیدائش کے بعد پرورش کا زمانہ مادرِ گرامی کے زیرِ سایہ گزرا۔ شیرخواری کے دوران بھی اپنی عظیم ماں سے نگاہِ رموز آمیز کا تبادلہ کرتی تھیں۔ سفرِ آخرت اختیار کرنے کے دن تک ہمیشہ سیرتِ والدہ کو سامنے رکھا اور یہی کوشش رہی کہ روزگارِ حیات اور امورِ خانہ داری کو پوری تہدیبی کے ساتھ اُسی روش پر قائم رکھیں۔ بچپن کے اختتام تک لڑکپن کی تمام باتوں میں اپنی والدہ محترمہ کی پیروی کرتیں اور اُن کی ہم سخن رہیں۔ گفتگو بھی انہی کی زبان میں سکھی۔ اپنی والدہ کی ہمد و ہمراز ہیں۔ بیٹے تو ہمیشہ بیٹیوں کی نسبت زیادہ تر گھر سے باہر ہی رہا کرتے ہیں اور بچپن کی تمام سرگرمیوں کو اپنے ہم سن لڑکوں میں جاری رکھتے ہیں۔ لیکن سیدہ زینبؓ بیٹی ہونے کی وجہ سے ہمیشہ اپنی مادرِ عالیہ کے پہلو میں ہی رہیں۔

اس بناء پر ہم دیکھتے ہیں کہ ثانی زہرِ آ زندگی کے تمام فرائض اور چھوٹی چھوٹی باتیں سب مادرِ گرامی ہی سے سیکھتی ہیں۔ آپ کی عبادت کو دیکھتی ہیں، اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز کی کیفیت مشاہدہ کرتی ہیں، آپ کی آسیہ گردانی کی شاہد بنتی ہیں، اور ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ امورِ خانہ داری کی انجام دہی، باورچی خانہ کے امور، یہ سب زینبؓ عالیہ کے لئے سبق آموزی کا باعث بن جاتے ہیں۔

اسی دوران رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے ناپائیدار سے کوچ فرماتے ہیں، تمام خاندان سوگوار ہو جاتا ہے جبکہ سیدہ طاہرہ علیہا السلام دخترِ رسولؐ ہوتے ہوئے، ایسی بیٹی جن کو باپ کی ہستی خود اپنی جان سے عزیز تر ہے، سب سے بڑی عزادارِ رسول اکرمؐ نظر آتی ہیں۔ اُس زمانہ میں زینبؓ عالیہ ہی وہ شخصیت ہیں جو سب سے زیادہ گھر ہو یا باہر، حتیٰ کہ اپنی والدہ محترمہ کے بیت الحزن میں نہ صرف اُن کی اشک افشانی کی سب سے بڑی شاہد ہیں بلکہ کسی وقت اُن کی تسلی کا اہتمام بھی کرتی ہیں۔ صحیح ہے کہ زینبؓ عالیہ اپنی مادرِ گرامی کی اشک ریزی میں انہیں تسلی دیتی ہوں گی اور اپنی بچپن کی زبان میں کہتی ہوگی: ”اماں جان! زیادہ نہ رونیں، یارو تائب کر دیں“، تاہم بیٹی ہوتے ہوئے اگر چہ ماں کی ہمدرد و مانوس ہیں، گہری محبت رکھتی ہیں، پھر بھی کم سنی کے باعث اظہارِ غم و ہمدردی محدود ہی رکھتی ہیں¹۔ نتیجہ یہ کہ اپنی عظیم ماں کو اشک ریز دیکھ کر خود بھی رونے لگتی

1۔ سیدہ طاہرہؓ کے غم کی عکاسی خود اپنے اس شعر سے ہوتی ہے جس سے بہتر مفہوم غم ادا نہیں ہوتا:

ہیں اور یہ نوبت آتی ہے کہ خود مادرِ گرامی اُن کو تسلی دیتی ہیں، اُن کے آنسو پونچھتی ہیں، گود میں لیتی ہیں اور فرماتی ہیں: ”پیارے بیٹی! مت رو۔“

زینبؓ عالیہ کو اس سے آرام تو ملتا ہے، خاموش ہو جاتی ہیں، پھر بھی اپنی محترم والدہ کے غم و احساسِ مظلومیت و صدمات و مصائب کا کیا علاج کریں؟ مصیبت یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ چند روز ہی گزرتے ہیں کہ ثانی زہراؓ کو اپنی مقدس والدہ کے بے جان جسم کے قریب بیٹھنا پڑتا ہے اور اب زینبؓ عالیہ ایک اور طوفانِ گریہ کی آماجگاہ نظر آتی ہیں۔
پدرِ بزرگوار کے سایہ تلے

شہزادی کو بچپن میں پدرِ بزرگوار کا سایہ عاطفت اور قرب حاصل ہے۔ آپ اُن کے اُنس و محبت سے بہرہ ور ہوتی ہیں اور اُن سے بہت سے اسباق حاصل کرتی ہیں۔ حضرت علیؓ علیہ السلام بمصداق ”اَنَّا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيُّ بَابُهَا“ بابِ مدینہِ علم ہیں جبکہ ثانی زہراؓ ہر وقت اس گھر اور دروازہ میں موجود ہیں۔ حضرت علیؓ علیہ السلام کے دہنِ مبارک سے نکلا ہوا ہر لفظ آپ کے لئے درس اور افزائشِ دانش کا سبب ہے۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) ”بابا! آپ کے بعد جو مصیبتیں مجھ پر پڑیں اگر روشن دنوں پر پڑتیں تو وہ تاریک راتوں میں بدل جاتے۔“
 1 (حاشیہ صفحہ ہذا)۔ سیدہ زینبؓ نے جنابِ فاطمہؓ زہراؓ کی عصمت پر درآغوش میں اپنی زندگی کے بنیادی اصول سیکھے اور جب آپ نے ابتدائی تربیت کے دور کے آخری مراحل طے کر لئے تو اپنے آپ کو نبوت و امامت کی رفعتوں میں گہرا ہوا پایا اور مرکزِ رسالت و محورِ امامت سے بہرہ ور ہونے پر اپنی اکتسابی عظمت کے احساس کو قوت بخشی۔

تاریخ کے مطالعہ سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ ولادت کے بعد کسبِ کمال کی جو منزلیں سیدہ زینبؓ نے پائیں وہ کسی دوسری نومولود بچی کو نصیب نہیں ہوئیں اور تربیت کی جن اقدار کو سیدہ زینبؓ نے حاصل کیا وہ کسی کو میسر نہ آ سکیں۔ یہ سب کچھ اُس معظمہ کی فطری عظمتوں اور ذاتی رفعتوں کے مبارک آثار کے سوا کچھ بھی نہیں۔

سیدہ زینبؓ نے کسبِ کمال کی عظیم منزلیں طے کرنے کے لئے صبر و استقامت کو اپنا شعار بنالیا۔ چنانچہ آپ کے معراجِ عرفان کی بابت کہا جاتا ہے کہ جب بھی سیدہ زینبؓ قرآن مجید کی تلاوت کا شرف حاصل کرتیں اور حقائق و معارفِ الہیہ کے ادراک کے لئے اپنے والدِ گرامی کے حضور اپنی کیفیتِ اخلاص کا اظہار کرتیں تو مولائے کائنات سے آیاتِ الہی کی تفسیر دریافت کر کے احساسِ عظمت حاصل کرتی تھیں اور اپنے مضبوط ارادے کے ساتھ حقائق و علوم کے ادراک کے لئے زانوئے ادب خم کر کے اپنی فضیلتوں میں اضافہ کرتی تھیں یہاں تک کہ جنابِ امیر المومنینؑ اپنی باعظمت بیٹی زینبؓ کی پاکیزگی افکار سے متاثر ہو کر مستقبل کے حالات اور خوفناک (جاری)

والدہ گرامی کی وفات کے بعد باوجود یکہ ثانی زہرا کا ابھی بچپن کا زمانہ ہے تاہم آپ جملہ امور خانہ داری کو سنبھالیتی ہیں۔ اپنی عظیم والدہ گرامی کی تربیت و نصیحت کی بنا پر پدر بزرگوار کی خدمت حتیٰ کہ بھائیوں سے متعلق کام کاج کی دیکھ بھال کی ذمہ داری بھی سنبھالتی ہیں۔ امیر المؤمنین علیہ السلام خواہش رکھتے ہیں کہ اپنی اس کم سن مگر عظیم صاحبزادی کو مستقبل میں پیش آنے والے حوادث اور رموز سر بستہ سے تھوڑا تھوڑا آگاہ کرتے رہیں۔ لیکن آپ کو دیکھتے ہی زینبؓ عالیہ ایسی سب اطلاعات کے جواب میں بغیر کسی حیرت و تعجب کے جواب دیتی ہیں کہ میری ماں نے مجھے یہ سب کچھ بتا رکھا ہے (زینبؓ الکبریٰ)۔

اپنے والد محترم کے گھر میں ثانی زہرا کو معمول کے خلاف مقام و اہمیت و منزلت حاصل تھی۔ زمانہ کے حوادث کے پیش نظر آپ کی تربیت اس طریقہ پر صورت پذیر ہوئی کہ وہ اپنی والدہ محترمہ کے خلا کو اُن کے خانہ اقدس میں پُر کر سکتی تھیں۔ یہ حقیقت اس حد تک زیر عمل تھی کہ شادی سے پہلے اور اس کے بعد بھی ثانی زہرا نہ صرف اپنے والد ماجد سے متعلق تمام امور کی (باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) واقعات کو یاد کر کے اشکبار ہو جاتے تھے اور جب سیدہ زینبؓ نے مولائے کائنات کو اپنی آزمائش و امتحان کی سخت گھڑیوں سے باخبر ہونے کے متعلق بتایا تو علی کے پاس خاموشی اور دل کی دھڑکن کو قابو میں رکھنے کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہا (السیدہ زینبؓ، مؤلفہ بنت الشاطی)۔

(۱)۔ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا گھر پیغمبر اسلام کے سر و قلب کا مرکز تھا اور آنحضرتؐ اپنے شب و روز کے مقدس لمحات میں اپنی لخت جگر بیٹی کے کاشانہ عصمت میں تشریف لا کر اپنا دل بہلاتے اور جب بھی بیت الزہراء میں قدم رنج فرماتے تو اپنے نواسے اور نواسیوں کو ہاتھوں پر اٹھ کر بوسے دیتے نہ تھکتے تھے۔ اسی ماحول میں سیدہ زینبؓ نے اپنی ماں فاطمہؓ کو صفات اور اخلاقی محمدیؐ سے آراستہ و پیراستہ ہوتے دیکھ اور اپنی آنکھوں سے اس حقیقت کا مشاہدہ کیا کہ پیغمبر اسلامؐ نے اپنی نازنین دختر کو اپنی خصوصی عنایتوں سے کیونکر نوازا ہے۔ فاطمہ زہرا کی تمام فضیلتیں سیدہ زینبؓ کے مقدس وجود میں سما گئیں، خواہ وہ فاطمہؓ کا زہد و تقویٰ ہو یا مصائب و آلام میں صبر و تحمل، سب ہی زینبؓ کو میراث میں ملیں.....

سیدہ زینبؓ کو اپنی زندگی کے پانچ برس اپنے جد بزرگوار محمد مصطفیٰؐ کی خدمت میں رہنے کی سعادت نصیب ہوئی اور چھ سال کے لگ بھگ اپنی والدہ گرامی فاطمہؓ زہرا کے حضور رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب وہ اپنی والدہ گرامی محترمہ عالم، صدیقہ کبریٰ فاطمہؓ زہرا کے شب و روز کے معمولات کو نزدیک سے دیکھتی رہیں کہ وہ بی بی بارگاہ الہی میں کس قدر خضوع و خشوع کے ساتھ سر بسجود ہوتی ہیں اور خود بھوک و پیاس کو برداشت کر کے شہر کے فقراء، مساکین اور نادار غریب لوگوں کو اپنی غذا دے دیتی ہیں۔ رات کی تاریکی میں فاطمہؓ زہرا کی عبادت کا روح پرور منظر ہمیشہ سیدہ زینبؓ کی آنکھوں کے سامنے رہا۔ (جاری)

گلبداشت کرتی تھیں بلکہ بھائیوں کا بھی پورا خیال رکھتی تھیں اور ان تمام فرائض سے بطریق احسن عہدہ براہوری تھیں۔ 1۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) عہد طفولیت میں سیدہ زینب نے جن مناظر کا مشاہدہ کیا اور گھر کے مقدس ماحول میں جن روحانی اقدار کو دیکھا وہ سب کچھ ان کے دل پر نقش ہو چکا تھا اور زندگی کے آخری لمحوں تک سیدہ زینب نے ان اقدار کو معیارِ عمل قرار دیا، اس لئے کہ بچپن میں جو کچھ صفحہ ذہن پر ثبت ہو جائے وہ زندگی کے ہر مرحلہ میں اپنا اثر ظاہر کرتا ہے اور یہ بچپن کی پاکیزہ تربیت کے آثار تھے جو سیدہ زینب کی پوری زندگی میں نمایاں رہے (زینب، زینب ہے، ص ۵۶۲)۔

(ب) خاتونِ کربلا کی والدہ گرامی لختِ جگر سرورِ انبیاء، فخرِ مریم عذرا، حضرت فاطمہؑ زہرا تھیں۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال کہتے ہیں:

مذرع تسلیم و احاصل بتوں مادرانِ اُسوۂ کامل بتوں

تاریخِ انسانی میں پہلی بار پیکرِ خاتونِ جنت میں عورت اپنی تمام حیثیتوں میں تکمیل کے ساتھ جلوہ گر ہوئی۔ وہ بہترین بیٹی اپنے بہترین باپ کی، وہ بہترین بیوی اپنے بہترین شوہر کی، وہ بہترین ماں اپنے فرزندانِ سردارانِ جوانانِ جنت کی تھیں۔

حضرت زینب و ام کلثومؑ یہ دو بہنیں اپنی ماں کی زندہ تصویر تھیں، خصوصاً خاتونِ کربلا اندازِ طبیعت، اندازِ فکر، تصویرِ حیات میں خاتونِ جنت کا نقشِ عانی معلوم ہوتی تھیں..... خاتونِ کربلا نے ماں سے بیان و اظہار اور احتجاج و استدلال کی غیر معمولی صلاحیت وراثت میں پائی (کربلا کی شیر دل خاتون، مقدمہ از علامہ ڈاکٹر مجتبیٰ حسن کامونپوری، مطبوعہ امامیہ مشن لاہور، ص ۲۹، ۳۰)۔

اسی پاکیزہ تربیت کا نتیجہ ہے جو حادثہ کربلا میں صبر و استقلال کے مجسمہ کے طور پر عانی زہرا کی صورت میں نظر آتا ہے۔ کربلا کے خونین واقعہ کے بعد جبکہ اولادِ رسولِ اکرم کے تمام مردِ متبع ہو چکے، پھر ان کے جسم ہائے نازنین و معصوم پامال، سم اسپاں کئے گئے، خیامِ اہل بیت کو نذرِ آتش کیا گیا، سید الشہداء علیہ السلام کے لشکر کا تمام سامان لوٹ لیا گیا، مخدراتِ عصمت و طہارت کے سروں سے چادریں تک چھین لی گئیں، غرضیکہ بہیمیت و بربریت کے ایسے مظاہرے کئے گئے جن کے سامنے شرافتِ انسان انگشتِ بدنداں ہے اور شرمسار بھی کہ اشرف المخلوقات کہلانے والا انسان اس حد تک بھی اپنے آپ کو گرا سکتا ہے۔ اس سب کچھ کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ علیؑ و سیدہ کی یہ عظیم بیٹی، کربلا کے لٹے ہوئے خیام ہوں یا کوفہ و شام کے ہیبت ناک قید خانے، سر ہائے شہداء سامنے نیزوں پر سوار ہوں یا دربار و بازار کی اذیت ناک کیفیات، کسی حالت میں نہ صبر و استقلال و استقامت کا دامن ہاتھ سے چھوڑتی ہیں، نہ ہی عبادت و ریاضت میں کسی طرح کمی کا کوئی شائبہ نظر آتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے اور انسانیت لرزہ بر اندام ہے اس صبر کو دیکھتے ہوئے اور معیارِ ایمان و عبادت کو مشاہدہ کرتے ہوئے کہ اس تمام خوفناک سلسلہ مظالم سے گزرنے کے بعد بھی نماز و واجب تو ایک طرف، ہماری مخدومہ کی نماز نافلہ و تہجد تک کسی طرح قضا نہیں ہوتی بلکہ اسی پابندی و خشوع و خضوع سے پورا سلسلہ عبادت پروردگار اور اظہارِ تشکرِ خالق جاری ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) (۱)۔ ایک دن پیغمبرِ اکرم گھر میں تشریف لائے اور حسن کو کاندھوں پر اٹھا لیا۔ جب حضرت علیؑ نے دیکھا تو (جاری)

خدمتِ پدرِ بزرگوار

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی وفات کے بعد اُن کی وصیت کے مطابق جد ہی عقدِ ثانی فرمایا۔ جناب سیدہ کی وصیت یہ تھی کہ مرد کبھی زوجہ کے بغیر بے نیاز زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ میرے بچے بھی ماں کے خواہش مند ہوں گے۔ لہذا میری بہن (سوتیلی بہن) کی بیٹی امامہ اُن کی سرپرستی کے لئے بہت زیادہ مناسب ہو گی (منتہی الآمال، ج 1)۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) انہوں نے حسین کو کاندھوں پر اٹھالیا اور جب حضرت فاطمہؑ نے دیکھا تو انہوں نے زینب کو اٹھ کر کاندھوں پر بٹھایا۔

یہ واقعہ شعوری محبت کی ایک تابندہ مثال ہے۔

سیدہ زینب ایک دن اپنے والدِ بزرگوار امیر المومنین حضرت علیؑ کی خدمت میں آئیں جبکہ آپ کے بچپن کا زمانہ تھا اور بچوں کی عادت کے مطابق کان سے لگ کر ایک بات پوچھنے لگیں:

باباجان! کیا آپ ہمیں محبوب رکھتے ہیں؟

امیر المومنینؑ نے جواب دیا: میں تمہیں محبوب کیوں نہ رکھوں، تم میرے جگر کا ٹکڑا ہو۔

زینب نے عرض کی: باباجان! محبت تو صرف خدا کے لئے ہے، ہمارے لئے تو شفقت ہے۔

امیر المومنینؑ نے سیدہ زینب کی عالمانہ بات سن کر فرمایا: خدا کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے ایسی با عظمت بیٹی عطا فرمائی ہے۔

عہدِ طفولیت ہی میں ایمان کی نورانی عظمتیں سیدہ زینب کے وجود میں راسخ ہو چکی تھیں۔ ایک دن سیدہ زینب اپنے والدِ بزرگوار کی گود میں بیٹھی ہوئی تھیں اور امیر المومنین علیہ السلام اپنی پیاری بیٹی کو گفتگو کے ذریعہ بہلاتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

”کہو، ایک“۔

زینب نے کہا، ”ایک“۔

”کہو، دو“۔ حضرت زینب خاموش رہیں۔

امیر المومنین علیہ السلام نے پوچھا: ”بیٹی خاموش کیوں ہو گئیں؟ کہو: دو“۔ زینب نے عرض کیا: ”باباجان! جس زبان سے ’ایک‘ کہا ہے اس سے ’دو‘ نہیں کہہ سکتی“۔

یہ واقعہ سیدہ زینب کی معرفتِ توحید کے کمال کی بہترین مثال ہے کہ بچپن ہی میں توحید و یکتائی پروردگار کی پاسداری رہی۔

حضرت فاطمہؑ زہرا بسترِ مرگ پر تھیں اور آپ کے پہلو میں آپ کی غزدہ بیٹی زینب بیٹھی تھیں۔ اس وقت جناب (جاری)

نہذا جناب امیر المومنین علیہ السلام نے اُن کے ساتھ شادی کر لی۔ اب لازم تو یہ تھا کہ امیر المومنین علیہ السلام کی نئی زوجہ آپ کی زندگی کے امور کی نگہداشت کرتیں، لیکن مورخین بیان کرتے ہیں کہ جن خدمات کی ذمہ داری ثانی زہرا نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی، وہ انہوں نے اپنے پدر بزرگوار کی زندگی کے آخر تک انجام دیں۔ باپ کی خدمت کا معیار وہی رہا جو اُن کی والدہ محترمہ یعنی جناب سیدہ طاہرہ نے شہزادی کے پدرِ ذی وقار کیلئے روا رکھا تھا۔ اس میں کوئی فرق نہ آنے دیا۔ حق یہ ہے کہ (باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) زینب کی عمر چھ برس تھی اور اپنی ماں کی زندگی کے آخری لمحات کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔ اس حالت میں جبکہ سیدہ فاطمہ دنیا کو اوداع کہنے والی تھیں زینب کی خواہش تھی کہ اپنی جلیل القدر ماں سے باتیں کرتی رہوں تاکہ آخری گھڑیوں میں اُن کی نصیحتوں سے فیض یاب ہوتی رہوں۔

سیدہ فاطمہ نے اپنی بیٹی کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے بعد اپنے بھائیوں کی دیکھ بھال میں پوری توجہ دینا اور اُن کے ساتھ ایک ”شفیق ماں“ جیسا سلوک کرنا۔

ظاہر ہے کہ اگر سیدہ زینب میں ایک شفیق ماں کا کردار پیش کرنے کی صلاحیتیں نہ ہوتیں تو حضرت فاطمہؑ یہ اہم ذمہ داری ان کے سپرد نہ کرتیں جبکہ اُن سے بڑے بھائی بھی موجود تھے جو امامت و خلافت رسولؐ کی نہایت اہم ذمہ داری کے حامل تھے۔ سیدہ زینب نے اپنی ماں کی وصیت کے مطابق زندگی کے آخری لمحات تک اس ذمہ داری کو نبھایا۔

(سیدہ زینب، مولفہ بنت شاطی، ص ۴۰ زینب، زینب ہے، ص ۶۰۵۸)

(ب) خاتونِ کربلا کو اس عظیم باپ کی ذہنی و عملی وراثت ملی جس کی شخصیت سرورِ انبیاء کے بعد تمام دنیا کے تاریخی انسانوں میں نمایاں مقام رکھتی تھی..... انہوں نے اپنے باپ سے اپنے دونوں بھائی حسن و حسین علیہما السلام کے بعد ذہن کا ورثہ سب سے زیادہ پایا تھا۔

وہ اپنے نانا، نانی، دادا، دادی اور اپنے والدین کے علاوہ بھائیوں میں امام حسن و حسینؑ سے متاثر تھیں اور خود اُن سے اُن کے چھوٹے بھائی بہن اور عزیز و متعلقین مستفید ہوئے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے نسوانی ترقی پر اپنے عہد میں بہت کام کیا۔ اُن کے عہد میں اتنی بڑی صلاحیت کی عورتیں پیدا ہوئیں کہ آج بھی اُن کا نام تاریخ میں آتا ہے۔ خاتونِ کربلا ان سب کی پیش رو تھیں.....

تقریباً ۵۵ھ میں ثانی زہرا کی ولادت ہوئی اور ۴۰ھ میں امیر المومنین کی شہادت ہو گئی۔ پینتیس (۳۵) سال کی طویل مدت میں بیٹی نے باپ کے فکر و عمل سے کتنا فیض پایا، اس کے اندازہ کیلئے علمِ فن کا کوئی پیمانہ نہیں ہے۔ زینب بنتِ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ رہبرِ رسول تھیں۔ تھوڑی سی رسول اللہؐ کی صحبت میں اور ماں کے فیض سے انہوں نے نمایاں فقہی شخصیت تعمیر کر لی۔ ابن عبد البر ان کے متعلق لکھتے ہیں: ”كَانَتْ مِنْ أَفْقِهِ أَهْلُ زَمَانِهَا“ (استیعاب، ج ۲، ص ۷۵، ۷۶)۔

یعنی زینب بنتِ ام سلمہؓ اپنے زمانہ میں بہت بڑی فقیہہ خاتون تھیں۔ خاتونِ کربلا کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ ان کا (جاری)

سیدہ طاہرہ کا اپنے پدر بزرگوار پیغمبر اسلام کی طرف بھی بیعت ایسا ہی رویہ تھا (زندگانی فاطمہ زہرا، ص 245)۔

ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کے اپنے پدر بزرگوار سے متعلق مقام کی اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے ہو سکتا ہے کہ جو لوگ اس خاندان کی روش سے آشنا تھے وہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو ”ابی زینب“ کہا کرتے تھے۔ بعض کتب تاریخ میں تو اس قسم کی روایت درجہ استناد سے ثابت ہیں کہ روایت کرتے ہوئے راویان اس طرح کہتے ہیں: ”قال ابو زینب“، یعنی حضرت امیر المومنین نے اس طرح فرمایا۔

یہی معیار خدمت گزاری پدر عالی قدر ثانی زہرا کی شادی کے بعد تک مستقل طور پر جاری رہا۔ ہم تو یہاں تک کہنا چاہتے ہیں کہ جناب زینب کی حضرت عبداللہ کے ساتھ شادی، آپ کے اپنے گھر کی تشکیل اور آپ کی خانگی زندگی کسی طرح اس طریق کار میں کسی حد تک بھی ممانع نہ ہو سکی۔ یہ خدمت والد بزرگوار پوری باقاعدگی و تندہی کے ساتھ اُس زمانہ میں بھی بدستور جاری رہی جب امیر المومنین علیہ السلام کی دوسری ازواج مطہرات صاحب اولاد ہونے لگیں اور خود سیدہ زینب بھی صاحب اولاد ہو گئیں۔ بہر حال بی بی کسی زمانہ میں کسی وقت بھی خدمت پدر بزرگوار سے غافل نہ رہیں بلکہ ہمیشہ اس اندیشہ میں مبتلا رہیں کہ مبادا اُن کے پدر عالی قدر اُن کی جدائی محسوس کرتے ہوئے کسی طرح اُن سے دور ہو جائیں۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) ذہن صرف اپنے زمانہ کی خواتین سے نہیں بلکہ بعد میں آنے والی خواتین سے بھی برتر تھا۔ حضرت علی علیہ السلام کے فلسفہ انہیات، فلسفہ زندگی، فلسفہ معاشرت اور تقریر و تقریر سے خاتون کربلا پوری طرح مستفید ہوئیں۔ واقعہ کربلا کے بعد اسیری کی حالت میں آپ کی ہوشربا تقریر پر خزیمرہ اسدی نے برجستہ تبصرہ کیا تھا کہ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ خاتون کربلا کے باپ حضرت علی علیہ السلام تقریر فرما رہے تھے۔ حضرت علی سے مشابہت پر سامعین کے ذہن کا اُدھر متوجہ ہونا غیر معمولی مناسبت کی وجہ سے تھا۔ حضرت علی اور خاتون کربلا دونوں کی فکری یک رنگی سے صحیح واقفیت ہی چہ لگا سکتی ہے کہ باپ بیٹی کا ذہنی تعلق کتنا شاندار تھا۔ کوفہ میں امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے عہد حکومت میں سینکڑوں تقریریں کیں تھیں۔ کوفہ میں ثانی زہرا کی تقریر پر اہل کوفہ کا تبصرہ کہ اس میں علی کا رنگ جھک رہا ہے، حقیقت پر مبنی تبصرہ ہے (ثانی زہرا کی تقاریر کی تفصیل آئندہ اپنے اپنے مواقع پر پیش کی جائیں گی)۔

تکلم کردنش را هر که دید می فاش میگفتند لسان حیدری گویا کہ در طے لسان دارد

نسلی ورثہ اور ذاتی صفات دونوں اہمیت رکھتے ہیں، اور خاتون کربلا ان دونوں زیوروں سے آراستہ و پیراستہ ہیں۔ آپ کے خاندانی فضائل اور ذاتی کمالات دونوں ہی آپ کی شخصیت و عظمت کی روح ہیں۔ (کربلا کی شیر دل خاتون۔ مقدمہ از علامہ ڈاکٹر سید مجتبیٰ حسن کامونپوری، ص ۳۴، ۳۶، ۳۸، ۴۰، مطبوعہ امامیہ مشن، لاہور)۔

ہمراہی پذیر بزرگوار

آخر حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی خلافت (ظاہری) کا دور آیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں فتنہ حضرات طلحہ و زبیر شروع ہو گیا اور حضرت علی علیہ السلام کو خلافت سے علیحدہ کرنے کی ریشہ دوانیاں ہونے لگیں۔ حضرات طلحہ و زبیر کی بغاوت کو فرو کرنے کیلئے ۳۶ھ میں امیر المومنین علیہ السلام عازم کوفہ ہوئے۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ اپنی شہادت تک کوفہ ہی میں مقیم رہے اور آپ نے کوفہ ہی کو اپنا دار السلطنت قرار دے دیا۔ اس زمانہ میں باپ کی محبت اور آپ کے شوہر حضرت عبداللہ کا امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ انس اس بات کا سبب بنا کہ یہ بھی اُن کے ہمراہ کوفہ چلے جائیں اور وہیں قیام پذیر ہوں۔

سیدہ زینب کا یہ سفر عام مسافرت کی طرح مکان و پریشانی کا سفر نہ تھا کیونکہ اس سفر کا ایک ہدف و مقصد تھا۔ دیکھ جائے تو یہ ایک مسلسل سلسلہ سفر تھا، یعنی باپ کے ہمراہ کوفہ، کبھی بھائیوں کے ساتھ مدینہ کو واپسی، پھر کچھ ہی عرصہ کے بعد مدینہ سے مکہ، کربلا، شام وغیرہ کے طویل سفر..... لیکن سب بابد سفر! آپ کا سفر اپنے والد گرامی کے ہمراہ بطرف کوفہ پانچ سال کے طویل عرصے پر محیط تھا لیکن اس سفر میں آپ کو کبھی بھی احساس دشواری و ملال نہ ہوا۔

ثانی زہر آ کوفہ میں اپنے شوہر نامدار کے ہمراہ اسی طرح خدمت پذیر بزرگوار میں مصروف اور اُن کی توجہ کا مرکز بنی رہیں۔ اُس زمانہ میں سیدہ زینب امیر المومنین علیہ السلام کے رموز و تعلقات کی ایسی امانت دار رہیں کہ کسی اور کو ان باتوں کا علم یا ان سے آگہی نہ ہوتی تھی۔ آپ دار الخلافہ میں رہتی تھیں اور امیر المومنین کو پیش آنے والے جملہ حوادث و مہمات کی، جو آپ کے تاریخی دور حکومت میں پیش آتے رہے، کا محققہ طور پر شاہد اور اُن سے آگاہ رہیں۔

آپ کی یہ محبت اور اطلاعات تاریخ ساز تھیں جو زمانہ رشد میں پیش آرہی تھیں۔ آپ نے ایسے واقعات ملاحظہ کئے اور ایسے حالات سے دوچار ہوئیں جو کسی خاتون کی دسترس اور پہنچ میں نہیں آسکتے۔ یہ سب رموز و واقعات و حوادث آپ نے اپنے پذیر بزرگوار کی معیت میں تجربہ کئے جو بعد کی زندگی میں آپ کیلئے عملی اسباق ثابت ہوئے۔ آپ کی اپنے پذیر بزرگوار کے ساتھ یہ معیت اُس دن تک جاری رہی جب آپ کو اپنے مشفق و عظیم باپ کا شگافہ سر مبارک اپنی آنکھوں سے دیکھنا پڑا اور اُس کے بعد.....

۳۔ بھائیوں کے ہم قدم

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نے اپنی زندگی کا طویل حصہ اپنے برادران باصفا کے ہمراہ بسر کیا۔ یہ ہمراہی و اتحاد زندگی

جس محبت، استقلال، عقیدت اور خلوص کا مظہر ہے وہ کسی بھائی بہن کے درمیان نہیں دیکھا گیا۔ آپ نے صحبتِ معصومین کو بہت زیادہ ملاحظہ فرمایا، اس صحبتِ معصومین میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شہزادی کی والدہ گرامی کا ماحول بھی شامل ہے جس میں آپ کی اوائل عمر کا کافی حصہ گزرا۔ آپ کے والد بزرگوار حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کی رفاقت، جو خود معصوم اور پیغمبرِ اسلام کے خلیفہ برحق ہیں، سیدہ فاطمہ الزہراء کی تربیت جو تنہا خاتونِ معصومہ ہیں، جن کا بی بی نے دودھ پیا اور بچپن و طفولیت جن کی آغوشِ مبارک میں گذرا، نیز دیگر آئمہ معصومین علیہم السلام کا زمانہ بھی دیکھا جو زمانہ امام حسن مجتبیٰ، امام حسین سید الشہداء، امام علی ابن الحسین، زین العابدین و سید الساجدین، اور ایک روایت کے مطابق کچھ عرصہ امام محمد ابن علی باقر علیہم السلام پر مشتمل ہے۔ ان آئمہ معصومین کی ہمراہی کا طرہ امتیاز ثانی زہرا کا اُن فیوضات سے بہرہ اندوز ہونا ہے جن کے باعث آپ ثانی زہرا، یادگارِ معصومین اور قبلہ خلائق قرار پائیں۔ نتیجے کے طور پر آپ اس شان کی مالک نہیں کہ اپنے والدِ معظم، برادرانِ مکرم اور اپنے معصوم بھتیجے کی مشورہ گردان تسلیم کی گئیں۔

ثانی زہرا کا دوسرا سفر

پہلے سفر میں ثانی زہرا اپنے شوہر باوقار اور اولادِ سعادت آثار کے ہمراہ کوفہ تشریف لے گئیں۔ پانچ سال سے کم عرصہ آپ نے اس شہر میں گزارا۔ آپ کا یہ قیام کوفہ امیر المومنین علیہ السلام کی شقی ترین شخص کے ہاتھوں شہادت پر اختتام کو پہنچا۔ شہادتِ امیر المومنین علیہ السلام کے بعد لوگوں نے امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی بیعت کی، لیکن کوفیوں کی عہد شکنی حیاتِ اسلام کے لئے خطرہ کا باعث بنی، جس کے باعث امام حسن علیہ السلام کو امیر معاویہ سے صلح کرنا پڑی جو اپنے مقام پر آتشِ پیکار کو خاموش کرنے کے لئے تاریخ کا سب سے بڑا کارنامہ ہے¹۔

امام حسن علیہ السلام بعد صلح عازمِ مدینہ ہوئے۔ اس مرتبہ سیدہ زینب نے اپنے شوہر و اولاد کے ہمراہ قیام کوفہ کو ترک کیا اور اپنے برادرانِ محترم کے ہمراہ مدینہ تشریف لائیں۔ یہ ترک کوفہ بالکل مختلف کیفیت رکھتا تھا۔ ایک دن وہ تھا جب ثانی زہرا اس شہر میں ملکہِ بلادِ اسلامیہ کے جلال کی مالک تھیں اور کوفہ کی خواتین آپ سے کسبِ علم کرتی تھیں۔ اس طرح آپ وہاں بہت ہی معزز و محترم مقام کی حامل تھیں۔

1۔ صلح امام حسن، ترجمہ: سید علی خامنہ ای۔

شاعر مشرق اسی سلسلہ میں کہتے ہیں:

اس نقل مقام کے بعد آپ میں (20) سال مدینہ میں قیام پذیر ہیں، دس سال امام حسن علیہ السلام کے زمانہ امامت میں اور دس سال حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی امامت کے دور میں۔ اس تمام مدت کے دوران امام حسن اور امام حسین علیہما السلام دونوں بھائی اپنے اپنے گھروں میں اپنی ازواج و اولاد کے ہمراہ رہتے تھے جبکہ خود سیدہ زینب سلام اللہ علیہا اپنے شوہر و اولاد کے ساتھ اپنے گھر میں قیام رکھتی تھیں۔ تاہم معمول یہی تھا کہ زندگی کے خصوصی و اہم مسائل میں دونوں امام بھائی مشورہ کے لئے اکثر ثانی زہرا کے طرف رجوع فرماتے اور اپنے مسائل و رموز کے حل کی خاطر اپنی عزیز بہن کو مشاورت میں شریک فرماتے۔

اس تمام مدت میں زینبؓ عالیہ نے ماحول کی بہت زیادہ نامردیاں و پریشانیاں اور نشیب و فراز ملاحظہ فرمائے۔ آپ نے حوادثِ روزگار کے بے انتہا کمزور و فریب اور فسادات کو ان کی پوری اہمیت کے ساتھ محسوس کیا۔ آپ دیکھ رہی تھیں کہ کس طرح اسلام کے خلاف کینہ پرور لوگ طاقت پکڑ چکے ہیں اور کس طرح وہ اُن کے برادرانِ گرامی سے جو حضرت رسول اکرم اور جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی یادگار ہیں، اپنے مشرک کشتیگان کا انتقام لینے کے درپے ہیں۔ اسی سلسلہ میں آپ کو امام حسن مجتبیٰ کی زہر سے شہادت کا مشاہدہ کرنا پڑا اور اُن کے بعد امام حسین علیہ السلام کے خلاف دشمنی اور سازشوں کو دیکھنا پڑا جن کا انجام حضرت کی شہادت کی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔ ان تمام مراحل میں سیدہ طاہرہ کی عظیم بیٹی کو اپنے بھائیوں کے ہم قدم ساتھ ساتھ اور ان کے مصائب میں شریک و حصہ دار رہنا پڑا۔

محبتِ امام حسین علیہ السلام

تاریخ نے سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کی امام حسین علیہ السلام سے محبت کا بڑی وضاحت سے ذکر کیا ہے۔ مقررین و مؤلفین نے اس موضوع پر سیر حاصل مباحث کئے ہیں۔ بعض مؤرخین تو اس سلسلہ میں مبالغہ آمیزی تک جا پہنچے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سیدہ زینبؓ کی یہ محبت اسی صورت میں بے مثل و بے نظیر زمانہ شیر خوارگی و طفولیت ہی سے موجود تھی۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح بیان کی گئی ہے:

اس محبت کی کیفیت یہ تھی کہ اگر گہوارہ میں آپ گریہ کناں ہوتیں تو دیدارِ حسین یا اُن کی صرف آواز سن لینا ہی بی بی کے لئے باعثِ آرام ہو جاتا (مقتلِ الحسین علیہ السلام)۔

”بچپن میں سب سے زیادہ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ہی کھیلتی تھیں اور اپنے اس بھائی کا دیدار آپ کیلئے خوشی و

شادمانی کا باعث ہوتا“ (لہوف، سید ابن طاووس)۔

”حضرت عبداللہ ابن جعفر کے ساتھ صدیقہ صغریٰ کے عقد میں دیدار حسین علیہ السلام اور سفر میں امّکم کیساتھ چہننے کی شروع ہی میں شرط رکھی گئی تھی (زیئٹ الکبریٰ، ص 89)۔

”روایت ہے کہ شادی کے بعد ایک روز سیدہ زینب کو گریہ کرتے ہوئے پایا گیا۔ سبب گریہ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ بی بی نے تین روز سے امام حسین علیہ السلام کو نہیں دیکھا (زیئٹ اخت الحسین علیہ السلام)۔

”اپنا گھر چھوڑ کر ثانی فاطمہ کا امام حسین کے ہمراہ سفر پر روانہ ہو جانا اس عشق حسین کی ایک اور علامت ہے۔

”شب عاشور شہادت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں گفتگو و اشعار سید الشہداء کوں کر آپ کا غش کر جانا (بسا دھرا لک من خلیل..... برسی (تحقیق) تاریخ عاشورا)۔ نیز اس کے بعد کے دیگر واقعات اور اسی سلسلہ کی کڑیاں وغیرہ اسی جذبہ کی شاہد ہیں۔

سید الشہداء علیہ السلام کے نزدیک منزلت زینب علیہ

بے شمار تاریخی روایات شاہد ہیں کہ یہ عشق و ربط دونوں طرف سے تھا۔ امام حسین علیہ السلام بھی اپنی اس بہن کو عام بہن بھائی کے رشتہ سے زیادہ عزیز اور محبوب رکھتے تھے۔ آپ نے اپنی بہن کو محرم راز بنا رکھا تھا اور اسرار ہائے امامت تک آپ کے سپرد کر کے اپنا امانت دار قرار دیتے تھے۔ غرضیکہ ان دونوں بہن بھائی کی زندگی سے متعلق اس قسم کی شدید محبت کی بے شمار داستانیں موجود ہیں۔

مستند روایات نشان دہی کرتی ہیں کہ زینب علیہ اپنے بھائی کی امین تھیں۔ زندگی کے عمومی اور خاندان اہل بیت کے مسائل میں آپ کو ماہر تسلیم کیا جاتا تھا۔ دینی امور سے متعلق ہدایات ان کی محافظت میں قرار دی جاتیں اور سب انہی سے دریافت کرتے تھے (زیئٹ الکبریٰ، ص 22)۔

ثانی زہرا کی شان و مقام ان باتوں سے ظاہر ہیں کہ:

”امام حسین ایک روز تلاوت قرآن مجید میں مصروف تھے کہ سیدہ زینب ان کے پاس تشریف لائیں۔ امام حسین نے قرآن کو ایک طرف رکھ دیا اور ان کے احترام کی خاطر اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے (ریاحین الشریعہ، ج 3، ص 67)۔

ایک اور روایت میں ہے کہ امام حسین علیہ السلام انہیں دیکھتے ہی جگہ خالی کر دیتے، خوش ہو کر اپنے پہلو میں بٹھالیتے

اور خود قریب تشریف فرما ہوتے (ریاضین الشریعہ، ج 3، ص 67)۔

''ایک مرتبہ دن کا وقت تھا، دھوپ نکلی ہوئی تھی، ثانی زہراؑ خواب تھیں اور سورج کی شعائیں آپ کے چہرہ پر پڑ رہی تھیں، ممکن نہ تھا کہ امام حسین علیہ السلام اُن کے لئے کسی سایہ کا انتظام کر پاتے، لہذا خود اس طرح اپنی بہن کے قریب کھڑے ہو گئے کہ آپ کا سایہ اُن پر پڑنے لگے اور آپ تمازتِ آفتاب سے بچی رہیں (روایت ابنِ مصفور)۔

معیارِ احترام

دوسرے بھائیوں کے نزدیک بھی زینبؑ عالیہ کے لئے معیارِ احترام مختلف نہ تھا۔ کہتے ہیں کہ جب کبھی بی بی گھوڑے پر سوار ہونا چاہتیں اور عازمِ سفر ہوتیں تو آپ کے برادر عزیز ابو الفضل العباس علیہ السلام آگے بڑھ کر اپنے زانو کو جھکا دیتے تاکہ ثانی زہراؑ اس پر پاؤں رکھ کر آسانی سے سوار ہو جائیں (مقتل الحسین علیہ السلام)۔

دوسرے لفظوں میں ہر شخص کی کوشش ہوتی کہ آپ کے احترام کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے۔ جب آپ کہیں جانا چاہتیں تو آپ کے بھائی ہمیشہ آپ کی حفاظت کی خاطر آپ کی ہمراہی اختیار کرتے کہ تہانہ رہیں۔ جب بھی شہزادی کو خواہش ہوتی کہ بھائی اُن کے پاس ہوں تو وہ سب اُن کی خدمت میں حاضر رہتے اور ان کی ہر خواہش بجالاتے۔ خاندان کے تمام افراد، مرد ہوں یا خواتین، سیدہ زینبؑ کی بات کو حرفِ آخر جانتے اور سب آپ کا حکم من و عن بجالاتے۔ مصائب و شہداء کے مواقع پر ہر شخص کی یہی کوشش ہوتی کہ ایسے واقعات کی زینبؑ علیا کو کم سے کم اطلاع ہو مبادا کہ وہ پریشان ہوں اور حالات کے تاثرات آپ پر اپنا سایہ ڈالیں۔

جب امیر المومنین علیہ السلام ابنِ ملجم ملعون سے مجروح ہوئے آپ کے صاحبزادوں نے صدائے ''قد قُتل'' سنی تو مسجد کی جانب دوڑے جہاں اپنے پدرِ بزرگوار کو خون میں غلٹاں پایا۔ انہوں نے سب طرف سے آپ کے جسم کو سہارا دے کر اٹھایا کہ گھر لے جائیں۔ گھر کے قریب پہنچ کر امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے صاحبزادوں سے فرمایا کہ انہیں زمین پر کھڑا کر دیں تاکہ آپ اپنے قدموں سے چل کر خانہٴ اقدس میں وارد ہوں۔ مبادا کہ سیدہ زینبؑ اور آپ کی دیگر دختران آپ کو اس کیفیت میں دیکھ کر پریشان و خوف زدہ ہو جائیں (منتہی الآمال، ج 1)۔

علیٰ ہذا القیاس جب امام حسن علیہ السلام کو زہراؑ اور سیدہ زینبؑ کو خبر ہوئی تو بہ سرعت آپ نے اپنے آپ کو امام حسنؑ کے خانہٴ اقدس میں پہنچا دیا۔ آپ کی آمد سے پہلے امامؑ نے ایک طشت میں خون کی قے کی تھی۔ سیدہ زینبؑ کی اطلاع پاتے ہی

امام نے حکم دیا کہ اُس طشت کو اٹھا کر لے جائیں تاکہ زینبؓ عالیہ اسے دیکھ کر مضطرب نہ ہو جائیں (مثنوی الآمال، ج 1)۔

ثانی زہرا کا تیسرا سفر

امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے بعد ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کی تمام توجہ اور محبت اپنے دوسرے بھائی امام حسینؑ پر مرکوز ہو گئی۔ دس برس آپ اُن کے ساتھ رہیں اور شاید ہی کوئی ایسا دن ہوگا جب دونوں بھائی بہن ایک دوسرے سے ملاقات نہ کرتے ہوں۔ دونوں بہن بھائی کے درمیان اظہارِ اُلفت و محبت اور جملہ راز و رموزِ الہی حسبِ معمول انجام پذیر رہتے۔

کچھ عرصہ بعد امیر معاویہ اپنی موت سے ہم کنار ہوا تو یزید تخت نشین ہوا اور اُس کی بیعت لی گئی۔ یہ بہت بڑا سانحہ تھا اور عظیم مرحلہ۔ عالم خواب میں امام حسین علیہ السلام کو حکم ہوا:

”أَخْرُجْ إِلَى الْعِرَاقِ إِنْ شَاءَ أَنْ يَرَاكَ قَتِيلًا“ (چہرہ خونین حسین علیہ السلام)۔

یعنی ”عراق کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ اللہ چاہتا ہے کہ اپنے دین کی خاطر تمہیں خاک و خون میں غطاں دیکھے“۔

پس امام حسین علیہ السلام نے اپنے لئے سفر اور مدینہ سے روانگی کو واجب جانا اور اپنے مقصدِ حیات کی طرف روانہ

ہوئے (لبوف)۔ یہ یک شب (اتوار) ۲۸ رجب ۶۰ھ کی شب تھی ۱۔

۱۔ (۱) شاعر مشرق ان کیفیات کی اپنی مثنوی ”رموز بے خودی“ میں اس طرح تصویر کشی کرتے ہیں:

چوں خلافت رشتہ از قرآن گسیخت	حریت را زہر اندر کام ریخت
خاست آن سر جلوہ خیر الامم	چوں سحاب قبلہ باران در قدم
برزمین کربلا بارید و رفت	لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت
بحرق در خاک و خون غلطیدہ است	پس بنائے لالہ گزدیدہ است
تاقیامت قطع استبداد کرد	موج خون او چمن ایجاد کرد

(ب)۔ آغا شاعر دہلوی مرحوم نے ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کا ایک مرثیہ لکھا ہے جس میں شہزادی کا تعارف اس طرح پیش کرتے ہیں:

کہتے ہیں کوئی زمانہ تھا کسی بی بی کا باپ تھا حاکم کوفہ و رئیس بطنی
علم کا باب جسے کہتی تھی ساری دنیا جس سے تھا حسی علی خیر العمل کا چرچا

سب اُسے عدل کا سلطان کہا کرتے تھے

(جاری)

اُس کی تلوار کو میزان کہا کرتے تھے

سیدہ زینب نے پہلے ہی سے حاصل کردہ اجازت اور حضرت عبداللہ کے ساتھ اپنے عقد میں مقرر شدہ شرط کے مطابق امام حسینؑ کے قافلہ کے ہمراہ روانگی اختیار کی۔ آپ نے بڑی عزت و حرمت کے ساتھ اپنے کجاوہ سفر کو زینت بخشی اور بعد از طے منازل 3 شعبان کو مکہ تشریف لائیں۔ اسی سال موسم حج میں آپ عراق کو روانہ ہوئیں اور روایات کے مطابق 3 محرم الحرام 61ھ کو کربلا میں وارد ہوئیں۔ اس کے بعد جناب امام حسینؑ اور اپنے دوسرے بھائیوں کی شہادت تک وہیں قیام فرمایا۔

۴۔ دیگر افراد کے ساتھ روابط یعنی خدمتِ عامہ

ثانی زہر آہنی مادر گرامی کی وفات و حسرتِ آیات (بلکہ شہادت) کے بعد خانہ امیر المومنین علیہ السلام کے نظم و نسق کی

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

اقتدار ایسا تھا دنیا میں نہیں جس کی مثال جن تو کیا جان، فرشتے نہ ہلاکیں پر وہاں

کانپتے اک نظرِ غیظ سے تھے دشت و جبال بارہا لے کے مصلتے کو گئی ہر شمل

آسمانوں کی خبر صاف ملا کرتی تھی

واقعات اپنے زمیں روز کہا کرتی تھی

عزت پاک تھا شہزادی عالم کا لقب خاندانوں کے بڑے کرتے تھے چھوٹوں کا ادب

اپنی مخدومہ سمجھتی تھیں نساہین عرب نہ کسی کا یہ حسب تھا نہ کسی کا یہ نسب

سب سے افضل تھے وہ بی بی کے گھرانے والے

جن کے محتاج تھے دنیا کے خزانے والے

بھائی بھی دو تھے اُسی بی بی کے باشوکت و شان دونوں تھے قوت بازو وہ برابر کے جوان

لوگ سردارِ جناں کہتے تھے، یہ تھی پہچان جس طرف جاتے تھے ہوتی تھیں نگاہیں قربان

سب میں مشہور تھے مکہ و منی کے فرزند

نازشِ خلق تھے خاصانِ خدا کے فرزند

ہاں مگر نام میں اُس سیدہ کے تھا یہ اثر صاحبِ دل ہو اگر کوئی تو ہل جائے جگر

مرجعِ رنج و الم موردِ آفات و ضرر بنتِ زہرا و نبیؐ شیرِ خدا کی دختر

کیا اثر ہے نہیں معلوم کہ جی کتنا ہے

نام پر حضرت زینب کے جگر پھٹتا ہے

(جاری)

ذمہ دار قرار پائیں۔ آپ نے خاتونِ خاندان اور منتظم خانہ کا مقام حاصل فرمایا۔ اسی زمانہ میں امامہؑ جو حضرت زینبؑ (دخترِ ربیہؑ رسولِ اکرمؐ، جن کی والدہ گرامی حضرت ام المومنین ام سلمہؓ تھیں) کی صاحبزادی تھیں، امیر المومنین علیہ السلام کی زوجیت میں داخل ہوئیں۔ یہ رسولِ اکرمؐ کی نواسی بھی کہی جاسکتی ہیں۔ انہی رشتوں سے یہ جنابِ زینبؑ کبریٰ کی خاندان بھی تھیں اور ان کی والدہ مقدسہ کی جانشین بھی بنیں (چہارہ معصوم، جواد فاضل)۔

حضرت امامہ فضل و کمال کی مالکہ، عارفہ حقوقِ اہل بیتؑ، صالحہ در دین، سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا سے محبت رکھنے والی اور آپؐ کی وفات کے بعد امیر المومنین علیہ السلام کی زوجیت کیلئے وصیتِ فاطمہؑ زہراؑ کی حامل تھیں۔ سیدہ عالیہؑ کی اوباد سے بے انتہا محبت رکھتی تھیں اور اپنے آپ کو ان کی خدمت گزار جانتی تھیں۔ امیر المومنین علیہ السلام اور سیدہ طاہرہؑ کی اولادِ امجاد کی سرپرستی و محبت میں انہوں نے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔

زینبؑ عالیہ ان کی زیرِ سرپرستی آگئیں در آنحالیکہ ان کو خود بھی امورِ خانہ داری اور نظمِ خاندان میں کسی طرح کی نا تجربہ کاری نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بہت تھوڑے عرصہ میں ثانی زہراؑ نے گھر کے نظم و نسق، خدمتِ والدِ بزرگوار اور برادرانِ عالی قدر سے متعلق جملہ امور کی نگہداشت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ ہم یہاں تک دیکھتے ہیں کہ بہت سے امور میں خود امیر المومنین حضرت علیؑ علیہ السلام اس عظیم صاحبزادی کی جانب رجوع فرمانے لگے۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

کون زینب! جسے بچپن میں بھی راحت نہ ملی
چاشنی درد نے بخشی کوئی لذت نہ ملی
نام کو بھی خوشی غم کی بدولت نہ ملی
تھی وہ دکھیا ری کہ دم بھر کو فراغت نہ ملی

باپ نے آب کشی کر کے بھرے ہوں بھرنے

چکیاں پیس کے پالا ہو جسے مادر نے

پہلے نانا سے چھٹیں پھر ہوئی ماں کی رحلت
ہوش آیا تھا کہ بابا نے اٹھائی ضربت

پھر بڑے بھائی حسن سے ہوئی ان کی فرقت
کربلا میں تو وہ گزری کہ نہ پوچھو حالت

تیر پر تیر پڑے مبر کا پہلو نہ گیا

لاش پر لاش گری آنکھ سے آنسو نہ گیا

سیدہ زینب کا خانہ امیر المومنین میں قیام

زمانہ زُشد میں پہنچ کر ثانی زہرآ نے امیر المومنین علیہ السلام کے خانہ اقدس کا پورا انتظام سنبھال لیا۔ آپ سے متعلق تمام امور کا شہزادی خود خیال رکھنے لگیں۔ یہ گھر لوگوں کے لئے پناہ گاہ اور مسائل میں مقام رجوع تھا۔ مصیبت زدہ، ستم رسیدہ، مضطرب، مسائل دین سے ناواقف، حتیٰ کہ موردِ شکوک، گرفتارانِ بلا وغیرہ کی مستقل طور پر اس پاک گھر میں آمد و رفت رہتی تھی۔ مردوں سے متعلق جملہ مسائل ذاتی طور پر خود حضرت علیؑ یا ثانی زہرآ کے بھائی صاحبان سرانجام دیتے تھے اور جہاں معاملہ خواتین سے متعلق مسائل کا آجاتا تو وہاں ثانی زہرآ اُن تمام مسائل کو حل فرماتیں۔ آپ کی یہ اہمیت اس لئے تھی کہ آپ یادگار جناب سیدہ اور اُن کی جانشین تھیں، لہذا مدینہ منورہ کی تمام خواتین آپ کو نامۃ الزہراء تسلیم کرتی تھیں (فاطمہ زہراء ص 636)۔

اس زمانہ میں لا تعداد مباحث و مسائل علمی سامنے آتے جن کو صدیقہ صغریٰ حل فرماتیں، بے شمار بھوکے، غریب اور ستم رسیدہ لوگ خانہ علیؑ پر حاضر ہوتے اور کبھی ایسا نہ ہوتا کہ ثانی زہرآ کے دروازہ سے کوئی ناامید لوٹتا کیونکہ آپ کی یہی کوشش ہوتی کہ مصیبت زدہ لوگوں کی حاجات کو پورا کریں اور مشکلات میں گرفتار لوگوں کی مشکلات کو ہر ممکن طریقہ سے رفع کریں۔

اپنے شوہر نامدار حضرت عبداللہ کے خانہ اقدس میں

آخر ثانی زہرآ سلام اللہ علیہا کی شادی ہوئی اور آپ نے اپنے گھر کی تشکیل فرمائی۔ آپ کے لئے ہر قسم کا سامان آرام و آسائش موجود تھا۔ نہایت عیش و عشرت سے بالمشناز کا سہارا لے کر خدمت گزاروں سے خدمت لے سکتی تھیں۔ عین ممکن تھا کہ عیش و آرام سے نہایت خوشگوار ولذت بخش زندگی بسر کریں، لیکن سیدہ طاہرہ کی عظیم بی بی ان تمام امور سے بلند تر شان کی مالکہ تھیں۔ ثانی زہرآ اپنے آپ کو اور اپنی حیات مقدس کو ذاتی عیش و عشرت و آرام و آسائش کی خوگر ہونے کی بجائے دوسرے لوگوں کے کام آنے اور اُن کی امداد و دھگیری کا ذمہ دار جانتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے تمام عمر خدمتِ انسانیت کے لئے اپنے آپ کو وقف رکھا۔

حضرت عبداللہ کے اموال میں جو ذاتی اختیارات تصرف آپ کو حاصل تھے اُن سے آپ نے اپنے شوہر کے گھر کو محتاجوں کی پناہ گاہ اور ستم خوردہ لوگوں کی امید گاہ بنادیا۔ کوئی کمزور و غرض مند ایسا نہ ہوتا جو آپ کے درِ عنایت سے خالی ہاتھ اور مایوس چلا جائے۔ کسی ستم خوردہ کو ناامید نہ پلاتیں، سائل کبھی انکار نہ سنتا اور فقیر کبھی اس دروازہ سے اپنے فقر کو لے کر واپس نہ جاتا۔ حدیث کہ مستند روایات کے مطابق فقراء کی درخواستوں سے پہلے ہی آپ انہیں اپنی عطا سے مالا مال فرمادیتیں۔

اس تمام خدمتِ انسانیت کے باوجود اپنے زمانہ کی خواتین کی رہبری و ہدایت کا سلسلہ بھی اپنے مقام پر قائم تھا۔ بے شمار خواتین اپنی مشکلات لے کر ثانی زہرا کی خدمت میں پیش ہوتیں اور مشکلات کو حل کروا کر واپس ہوتیں۔ آپ کے مکتبِ علم سے لاتعداد شاگردوں نے استفادہ کیا، زیورِ علم سے آراستہ ہوئیں اور عالمِ خواتین میں درخشندہ مقامات کی حامل ہوئیں۔

قیامِ کوفہ

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام کی کوفہ تشریف آوری کے بعد آپ کے دورِ خلافت میں، ثانی زہرا اپنے شوہرِ نادر حضرت عبداللہ ابنِ جعفر طیار اور اپنی اولادِ امجاد کے ہمراہ کوفہ تشریف لے آئیں اور وہیں رہنے لگیں۔ یہاں جنابِ زینبؓ کبریٰ علی مرتضیٰ کی بڑی صاحبزادی ہوتے ہوئے خواتین کے درمیان ملکہِ دُنیاۓ اسلام کے طور پر بلند ترین مقام کی مالک تھیں۔ آپ اپنے پدرِ بزرگوار کے دارِ السلطنت میں فطری طور پر زنانِ کوفہ کیلئے درجہٴ مرجعیت رکھتی تھیں۔ آپ کی کوفہ میں موجودگی زنانِ کوفہ کیلئے نہ صرف باعثِ افتخار تھی بلکہ معاملاتِ دین میں اُن کیلئے کسبِ علم کا موقعہ فراہم کرتے ہوئے سرمایہٴ خلافتِ امیر المومنین علیہ السلام سمجھی جاتی تھی۔ یہ اس لئے تھا کہ اس زمانہ میں اُس عظیم مملکت کے لئے سیدہ زینبؓ جیسی صالحہ جامعہٴ صفات، نمونہٴ رہبری، مظہرِ عفت و اخلاق، ہمہ صفت موصوفِ عالمہ و فاضلہ خاتون کا وجود سرمایہٴ افتخارِ سلطنت تھا۔

کوفہ میں ثانی زہرا کا خانہٴ اقدس محتاجِ خواتین کی پناہ گاہ، معلوماتِ دینی کی خواہش مند مستورات کے لئے مقامِ آگہی، فقراء و تہی دست افراد کے لئے منزلِ حاجتِ روائی سمجھا جاتا تھا۔ لاتعداد مسائلِ دینی جن کا تعلق صنفِ نازک سے ہوتا وہ آپ کے توسط سے حل ہوتے۔ علیٰ ہذا القیاس آپ کے ذریعہٴ معارف و دانائی کے بے شمار مطالبِ خواتین کو القاء ہوتے۔ مستند روایات سے پتہ چلتا ہے کہ زینبؓ عالیہ نے کوفہ میں تفسیرِ قرآن کا درس شروع کر رکھا تھا، زنانِ کوفہ اُس میں شریک ہوتیں، یہاں تک کہ خود امیر المومنین علیہ السلام بعض اوقات اپنی بیٹی کے عملِ تدریس کو ملاحظہ فرماتے اور بہت سے نکات آپ کو تعلیم فرماتے (علی و فرزندانش)۔

ابا یانِ کوفہ کے لئے شہزادی کی خدمات کی تفصیل کو بیان کرنے کی خاطر ایک الگ تصنیف کی ضرورت ہے اور زندگانیِ زینبؓ سے متعلق بے شمار کتب آپ کی اس مصروفیت کے متعدد گوشوں سے پردہ اٹھاتی ہیں 1۔

1۔ (۱)۔ جب سیدہ زینبؓ کوفہ میں تشریف لائیں تو وہاں کی اہلِ ایمان خواتین رسولِ زادتی کی خدمت میں جمع ہو گئیں اور اُن سے درخواست کی کہ انہیں معارفِ الہیہ سے مستفید فرمائیں۔ چنانچہ سیدہ زینبؓ نے کوفہ کی مستورات کے لئے درسِ تفسیرِ قرآن (جاری)

ملکہ اسیران

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کا روانہ کر بلا کی سردار ہیں۔ اسیران کر بلا کی حفاظت و خبر گیری اپنے ذمہ لے رکھی ہے اور اس ذمہ داری میں پوری طرح کوشاں ہیں۔ سید الشہداء علیہ السلام کے اہل بیت اور دیگر شہداء کے در ثاء بالخصوص بچوں پر لطف و مدارات ملحوظ ہے۔ آتش زدگی کے مرحلہ میں اور اس اندوہناک موقعہ پر اپنے آپ کو عظیم پیغام کی حامل اور جملہ شہداء کی عظیم قربانیوں کے پیام کی تشہیر کی ذمہ دار جانتی ہیں۔

ثانی زہرا کو امام حسین علیہ السلام کی اولاد سے خصوصی محبت تھی۔ اسیری کے دوران بچوں کو پوری خوراک نہ ملتی تھی۔ آپ اکثر اپنے حصہ کا کھانا بچوں میں تقسیم کر کے خود بھوک رہ جاتیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ضعف و ناطا طاقی کی شدت کے باعث آپ بیٹھ کر نماز پائے ناقلاً وافر ماتیں (زیبت از عاشورا تا اربعین)۔

آپ کے فرائض سنگین و مشکل تھے تاہم سب کچھ تحمل سے برداشت کرتیں۔ ان کی سرپرستی بھی کرتیں اور دورانِ گریہ ان کی تسلی و تشفی بھی۔ مصیبت زدہ خواتین کو تسلی دیتیں اور سید الساجدین علیہ السلام کی خدمت و تسکین فرماتیں کہ بخدا یہ انتہائی تعجب خیز کیفیت تھی۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

شروع کیا اور خواتین کی کثیر تعداد کو علومِ الہی سے فیضیاب فرمایا۔ ایک روز سیدہ زینب ”کھجیص“ کی تفسیر بیان کر رہی تھیں۔ ابھی اپنے بیان کا آغاز ہی کیا تھا کہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام تشریف لائے اور دیکھا کہ سیدہ زینب ”کھجیص“ کی تفسیر بیان کر رہی ہیں۔ امّ نے فرمایا: ”اے میری نور نظر بیٹی! کیا تو جانتی ہے کہ ان کلمات میں کیا رموز پوشیدہ ہیں؟“ سیدہ نے عرض کی: ”باباجان! آپ وضاحت کے ساتھ فرمائیے۔“

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: ”بیٹی ان کلمات میں تم پر آنے والے مصائب کے رموز و اسرار پوشیدہ ہیں اور تمہاری اُن مصیبتوں کے اشارے ہیں جو آلِ رسول پر آنے والی ہیں۔“

سیدہ زینب نے عرض کی: ”باباجان! اُن مصائب کی تشریح فرمائیے۔“

امیر المومنین علیہ السلام نے کر بلا و کوفہ و شام میں پیش آنے والے تمام حالات کی تصویر کشی کی اور تفصیل سے سب کچھ بتا دیا۔ مصائب و آلام کی شدت کا سن کر سیدہ دھائیں مار کر رونے لگیں۔ (زیبت، زینب ہے، مؤلفہ م۔ صادق، ترجمہ علامہ حسن رضا غدیری، ص ۸۹)۔

(جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

(ب) جب امیر المومنین علیہ السلام کوفہ میں قیام پذیر ہوئے تو اشراف کوفہ کی مستورات اپنے مردوں کے ذریعہ آپ سے گزارش کرتیں کہ جناب ثانی زہرا کی زیارت سے مشرف ہونے اور اُن سے کسب فیض کی اجازت دیں۔ عورتیں آتیں، قدم بوسی کے بعد وہیں بیٹھ جاتیں اور قرآن مجید کی تفسیر کا علم حاصل کرتیں۔ ایک دن خود جناب امیرؑ اس درس میں تشریف لے گئے۔ اُس دن آپ کا موضوع سورہ مریم تھا۔ آپ نے کچھ اس طرح سے تفسیر بیان کی کہ خود حضرت داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔ خواتین کے چلے جانے کے بعد حضرت نے فرمایا: ”بیٹی! اس سورہ کے شروع میں جو حروف مقطعات ”کہیحص“ ہیں یہ واقعہ کربلا کے اندوہناک مصائب اور آلِ م پر دلالت کرتے ہیں۔ ’ک‘ سے کربلا، ’ہ‘ سے ہلاکتِ حسینؑ، ’ی‘ سے یزید (قاتلِ حسینؑ)، ’ع‘ سے عطش (پاس) اور ’ص‘ سے صبرِ حسینؑ“ (حیاتِ طیبہ حضرت زینبؑ، مؤلفہ شہیدہ آئیہ اللہ سید عبدالحمین دستغیب، ترجمہ: مولانا ہادی حسن نقوی، ص ۱۲، ۱۱)۔

(ج) جب امیر المومنین علیہ السلام کوفہ میں تشریف فرما تھے تو یہ مندرہ اپنے مکان میں مجلس کر کے عورتوں کے سامنے تفسیر قرآن بیان فرمایا کرتی تھیں۔ ایک روز آپ ”کہیحص“ کی تفسیر بیان فرما رہی تھیں کہ جناب امیر المومنینؑ بھی تشریف لے آئے اور فرمایا کہ اے نورِ دیدہ! میں نے اس تفسیر کو سنا جو تم عورتوں کے سامنے بیان کر رہی تھیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ اے لختِ جگر! ان حروف میں بطور رمز اشارہ اُن مصیبتوں کا ذکر کیا گیا ہے جو تم پر اور نیز عزتِ پیغمبرؐ پر وارد ہوگی۔ پھر حضرت نے اُن تمام مصائب کو اپنی دختر نیک اختر کے سامنے بیان کیا جو گزرنے والے تھے۔ یہ سن کر اُس مظلومہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے اور فرمایا وہ و نالہ بلند ہوئی۔ تعجب ہے کہ اُس معظمہ کو اپنے مصائب کا علم تھا مگر پھر حضرت کی زبانِ مہرک سے سن کر دل بے قابو ہو گیا (رضا کار، لاہور، شریکیۃ الحسین نمبر 61، ص 23، 24)۔



۱۔ سرِ آغاز ۔ دنیائے مصائب و آلام میں ورود

ثانی زہرا کی زندگی بعض خصوصیات اپنے دامن میں رکھتی ہے۔ آپ نے تقریباً چھپن (56) سال عمر پائی۔ اس میں چھ سال معمول کے مطابق زمانہ طبعی تھا۔ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی زندگی کا یہ عرصہ خوشی و شادمانی کا زمانہ تھا، اگرچہ اس دور میں بھی امیر المومنین علیہ السلام کی پُر از فقر زندگی تکالیف سے خالی نہ تھی جو تلخیوں کا موجب ہو جاتی تھی۔ تاہم بچپن کے اس عالم میں یہ حقیقت باعث اطمینانِ قلب تھی کہ قوی و شجاع والدِ بزرگوار کا سایہ، مادرِ مہربان کا پہلو، برادرانِ ارجمند و عزیز کی معیت جیسے حالات حاصلِ زندگی تھے۔ ان تمام کیفیات کے علاوہ جدِ بزرگوار جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شفیق سایہ نصیب تھا جن کی محبت و شفقت تمام خلا ہائے مادی و ظاہری کو پُر کر کے ہر قسم کی کمی و محرومی کو دور کر رہی تھی۔

شہزادی کو اچانک طوفانِ حوادث نے گھیر لیا۔ دستِ اجل آپ کے باغِ حیات پر حملہ آور ہوا اور غل ہائے حیات اُس کی زد میں آنے لگے۔ گلشنِ حیات پر یکے بعد دیگرے یلغارِ حوادث ہونے لگی اور مصائب و آلامِ عظیمِ خرمنِ ہستی پر پورش کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زندگی کے باقی پچاس (50) سال میں زینب علیا کو رنج و مصائب، بلیات و حرماں نصیبی کے پہاڑوں کا سامنا کرنا پڑا۔

عجیب و غریب خواب

سیدہ زینب نے بچپن کے زمانہ ہی میں ایک عجیب و غریب خواب دیکھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفاتِ حسرتِ آیات کے سال کا آخر تھا۔ آپ نے اپنے بچپن کی زبان میں اپنے شفیق نانا جنابِ رسولِ خدا کی خدمت میں اس طرح اپنا خواب بیان کیا:

”میں یکہ و تنہا بیابان میں ایک بلند مکان پر کھڑی تھی کہ یکا یک بلا خیز آندھی اٹھی، بہت تیز ہوا چلنے لگی، ہر طرف اس قدر گرد و غبار اٹھا کہ روزِ روشن شبِ تاریک میں بدل گیا۔ میرے قریب ایک درخت تھا۔ میں پناہ کی خاطر اُس درخت کی طرف بڑھی اور اس سے لپٹ گئی، لیکن درخت جڑ سے اکھڑ گیا۔ میں نے پناہ کے لئے درخت کی ایک شاخ کو پکڑا لیکن وہ شاخ ٹوٹ گئی۔ میں نے دوسری شاخ کا سہارا لیا، لیکن وہ بھی ٹوٹ گئی۔ ایک دو شاخہ کی طرف بڑھی اور اُس کی پناہ لی۔ وہ دو شاخہ بھی ٹوٹ

گیا۔ میں سرگردان و پریشان و حیرت زدہ ہو کر اپنی جگہ پر خوفزدہ کھڑی تھی کہ میری آنکھ کھل گئی.....

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پریشان خواب کو سن کر سخت مضطرب ہوئے، آپ کے چہرہ اقدس کا رنگ اتر گیا، آپ نے اس خواب کی تعبیر کو سمجھا اور اس طرح بیان فرمایا:

”وہ درخت جو جڑ سے اکھڑ گیا، میں ہوں، گویا میری موت کا وقت قریب آن پہنچا ہے۔

”وہ شاخ جس کی تم نے پناہ لینا چاہی، تمہاری والدہ گرامی ہیں۔

”دوسری شاخ تمہارے والد بزرگوار ہیں۔

”اُس کے بعد جس دو شاخ کی طرف تم بڑھیں، وہ تمہارے دونوں بھائی حسن اور حسین ہیں“ (فاطمہ الزہراء ص ۵۸)۔

تعبیر خواب کے آخر میں فرمایا: ”یہ خواب آزمائش تقدیر میں تمہاری بزرگی و استقامت کا مظہر ہے۔ تم اس آزمائش میں بہ طریق احسن پورا اترو گی۔ بعد کے مصائب میں تمہاری استقامت بہت بلند درجہ پر ہوگی۔“ (واقعات مابعد سے آپ کی مراد واقعہ کربلا تھی) (چہارہ معصوم، عماد زادہ)۔

سیدہ طاہرہؑ کا خواب رسول خداؐ سننا اور اُس کی تعبیر

سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا نے بھی اُسی سال پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک خواب سنا اور حضرت سے اُس خواب کی تعبیر معلوم کی۔ پس ایک روز آنحضرتؐ نے سیدہ فاطمہؑ الزہراء سے فرمایا:

”جبرئیل امین ہر سال میرے ہمراہ ایک بار قرآن کریم کا اعادہ کرتے ہیں۔ اس سال انہوں نے دوبار ایسا کیا ہے۔“

سیدہ طاہرہؑ نے عرض کیا: ”بابا جان! اس کے کیا معنی ہوئے؟“

آنحضرتؐ نے فرمایا: ”معلوم ہوتا ہے یہ میری عمر کا آخری سال ہے اور یہ امر اسی بات کی نشاندہی کرتا ہے۔“

یہ سن کر سیدہ طاہرہؑ کے آنسو جاری ہو گئے اور آنحضرتؐ نے اُن کی تسلی و تشفی فرمائی (فاطمہؑ، فاطمہؑ ہے)۔

یہ دونوں واقعات مشابہ ہیں، اس لئے کہ دونوں خواب ایک ہی حادثہ کی خبر دیتے ہیں، یعنی حادثہ وفات حضورؐ ختمی

مرتب اور اہل بیتؑ پر آغازِ مصائب 1۔

1۔ اس قسم کے متعدد خواب صفحات تاریخ کی زینت پائے جاتے ہیں جس سے ثانی زہر آ کے مصائب اور اہل بیتؑ عظام کیساتھ زمانہ کی چیرہ دستیوں کی خبر ملتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ سب کچھ اُن کے مستقل اذہان کو مستقبل میں ہونے والے واقعات و آلام سے خبردار (جاری)

بالفاظ دیگر مصائب کے جام ہائے تلخ ایک ایک کر کے بھر رہے ہیں اور پینے والوں کے طلبگار ہیں:

ہر کہ این دار مقرب تر است جام بلا بیشتر می دهند

”اس دار فانی میں جو شخص جس قدر مقرب (بارگاہ الہی) ہے اسی قدر اُس کو جامِ بلا و مصیبت زیادہ دیا جاتا ہے۔“

حیاتِ سیدہ زینبؓ میں یہیں سے تبدیلی بصورتِ مصائبِ بلا خیز شروع ہوتی ہے جس کی ابتدا وفتِ رسولِ مقبول اور حالاتِ سقیفہ بنی ساعدہ سے ہوتی ہے۔ انہی مصائب کی انتہا کر بلا میں شہادتِ امام حسین علیہ السلام، اسیریِ ثانی زہراؓ، خونِ حسینؓ کے پیغام کی تشبیہ اور نتیجہ کے طور پر خاندانِ بنی اُمیہ کی تیغ کئی پر ہوئی، جس کا انجام بالآخر ان دو امور پر منتج ہوا:

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) کرنے کیلئے نظامِ قدرت کا حصہ ہو، تاہم جب واقعات درحقیقت رونما ہو گئے تو اُن کے مقابلہ میں افرادِ اہل بیتؑ، بالخصوص ثانی زہراؓ کی استقامت و صبر و استقلال اور طوفانِ حوادث میں پائے ثبات کی پختگی عالمِ انسانیت کے ہر شعبہ کیلئے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ صاحبِ کتاب ”زینبؓ، زینبؓ ہے“ رقم طراز ہیں:

”پیغمبرِ اسلام کی زندگی کے آخری ایام کا واقعہ ہے کہ ایک دن امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب اور سیدہ عالم حضرت فاطمہ زہراؓ حسبِ معمول آنحضرتؐ کے حضور شریاب ہوئے اور ہر ایک نے پیغمبرِ خدا کو اپنا خواب بیان کیا۔

”سرورِ انبیاءؐ نے اُن کے خوابوں کی تعبیر بیان کرتے ہوئے اپنے سفرِ آخرت کی خبر دی تو علیؑ و فاطمہؓ بلند آواز سے گریہ کناں ہو گئے اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ سیدہ زینبؓ بھی وہاں موجود تھیں جن کا سن بہت چھوٹا تھا۔ انہوں نے بھی اپنا خواب پیغمبرِ خدا کی خدمت میں بیان کرتے ہوئے کہا:

”نانا جان! میں نے کل ایک خواب دیکھا ہے جس کی تفصیل یوں ہے: ایک سیاہ آندھی چلی جس نے پوری دنیا کو اپنی پلٹ میں لے لیا اور ہر طرف تاریکی ہی تاریکی چھا گئی اور آندھی کی شدت مجھے ایک جگہ سے دوسری جگہ ہٹا کر لے گئی۔ اس حالت میں میں نے ایک بہت بڑا درخت دیکھا اور میں ہوا کے تیز جھونکوں کی شکار ہو کر اُس درخت سے لپٹ گئی، مگر آندھی نے اُس درخت کو اکھیر ڈالا اور اسے زمین پر گرا دیا۔ پھر میں اُس درخت کی ایک مضبوط ٹہنی سے لپٹ گئی مگر وہ بھی آندھی کے تیز جھونکوں کا شکار ہو کر گر پڑی۔ پھر میں نے درخت کی دو شاخوں میں سے ایک کو تھام لیا لیکن آندھی کے بے رحم جھونکوں نے اُسے بھی توڑ ڈالا اور وہ ٹکڑا بالآخر مجھ سے دور چلا گیا۔ یہ خواب دیکھنے کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔“

”پیغمبرِ اکرمؐ سیدہ زینبؓ کا خواب سن کر زار و قطار رونے لگے اور فرمایا:

”درخت سے مراد تیرا جد رسولِ خداؐ، پہلی مضبوط ٹہنی سے مراد تیری والدہ فاطمہ زہراؓ، دوسری ٹہنی سے مراد تیرے والدِ گرامی علی مرتضیٰؑ اور دو شاخوں سے مراد تیرے دونوں بھائی حسنؑ اور حسینؑ ہیں (ناخِ التوارخ، حیاتِ سیدہ زینبؓ، ص ۳۴۲)۔ (جاری)

- 1- شجر اسلام کی نشوونما کیلئے سید الشہداء علیہ السلام نے اپنے خون سے اس درخت کی آبیاری کی، اور
- 2- ثانی زہراؑ نے پیغام حسین علیہ السلام کو پہنچانے کی خاطر اپنا پورا وجود صرف کر دیا اور خود اپنی جان بھی نذر کر دی۔

۲۔ بچپن کے مصائب

ثانی زہراؑ کا سن مبارک ابھی چھ برس سے بھی زیادہ نہ ہوا تھا (بلکہ بروایت آپ صرف پانچ سال کی تھیں۔ مترجم) کہ یکے بعد دیگرے مصائب کی یورش شروع ہونے لگی۔ مستند روایات سے ثابت ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کی دنیا سے رحلت کے وقت ابھی چھ سال سے زیادہ عمر نہ ہوئی تھی جبکہ آنحضرتؐ شہزادی کو اپنی جان سے زیادہ پیارے اور اُن کی محبت کا مرکز تھے (ناسخ التواریخ، سپہر)۔

سفینہ بنی ساعدہ کا واقعہ اور آپؐ کے والدِ گرامی کی خانہ نشینی کا آغاز بھی اسی سال میں ہوا۔ اس طرح زمانہ خورد سالی ہی سے اس قدر مصائب حملہ آور ہوئے جو قلبِ نازنین کی شکستگی کا باعث بنے۔ تاہم شہزادی نے ان تمام آلام و مصائب کو برداشت کیا۔ ان حالاتِ نامساعد سے زینبؑ عالیہ اس درجہ مانوس ہوئیں کہ آخر کار ”اُم المصائب“ قرار پائیں۔ اس تمام کثرتِ آلام کو اس قدر تحمل سے برداشت کیا جس کی مثال نہیں ملتی بلکہ یہ مصائب اتنی شدید نوعیت کے حامل تھے کہ اگر وہ کسی پہاڑ پر پڑتے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا۔

وفاتِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ثانی زہراؑ کے بچپن کی یہ پہلی مصیبت تھی جس میں آپؐ کے سامنے دورِ نچ تھے جن کو برداشت کرنا تھا۔ ان میں ایک تو وفاتِ رسولِ اکرمؐ کا غم تھا، وہ ہستی جو آپؐ پر پدرِ مہربان کی طرح شفیق تھیں اور انہیں بھی ذاتِ رسولِ اکرمؐ یعنی اپنے عظیم نانا سے اس قدر محبت تھی جو عام طور پر بچوں میں نہیں پائی جاتی۔ دوسرا غم اپنی مادرِ مہربان کے جگر خراش آہ و بکا و نالہ چیم کون کر پیدا ہو رہا (باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) ”یہ تقدیر کے فیصلے تھے جن سے حضرت زینبؑ کو اُم المصائب بننا پڑا اور جدِ بزرگوار، ماں، باپ اور بھائی کے ساتھ مصائب میں شریک ہو کر نبوت و امامت کی شریک کار بنیں اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ سیدہ زینبؑ نے عصمت کی پاکیزہ عادات اپنے جدِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھیں، وقار و سکینہ کی صفات اپنی جدہ کریمہ سے میراث میں لیں، فصاحتِ کلام کا درس اپنے والدِ علیؑ مرتضیٰ سے لیا، حیاء و عفت کی ادائیں اپنی ماں سیدہ زہراؑ سے سیکھیں، حلم و بردباری اپنے بھائی حسنؑ سے اور شجاعت و شہامت اپنے بھائی حسینؑ سے حاصل کی۔ اس اعتبار سے یقیناً سیدہ زینبؑ سلام اللہ علیہا نبوت و امامت کی عظمتوں کا شاہکار ہیں۔“ (زینب، زینب ہے، مؤلفہ۔ صادق، ترجمہ علامہ حسن رضا غدیری، ص ۶۱، ۶۲)۔

تھا کیونکہ کوئی لمحہ ایسا نہ تھا جس میں سیدہ طاہرہ کا قلب نازک اپنے پدر بزرگوار کے فراق کے سلسلہ میں تسکین پاتا۔ یہ دونوں غم صرف چھ سال کی عمر میں پیش آئے۔ (بحار الانوار، مجلسی)۔

بعض روایات کے مطابق چار سال کی عمر میں پیش آئے (ابن اثیر وطبری)۔

وفات رسول اکرم پورے خانوادہ کے لئے شدید مصیبت تھی جس خانوادہ میں سیدہ زینب کی کیفیت یہ تھی کہ اس قدر خور و سالی میں ہی آپ حادثہ موت کو سمجھنے اور عظمت رسول مقبول کا ادراک کرنے لگی تھیں۔ اس مصیبت کا دردناک ترین پہلو یہ ہے کہ آپ گھر بھر کی پریشانی، غم و اندوہ، تمام مردوں اور خواتین کے نالہ و شیون کو دیکھتیں اور محسوس کرتی تھیں جن میں آپ کے والد بزرگوار، والدہ محترمہ اور برادران باوقار سب شامل تھے۔

وفات رسول اکرم سب کیلئے دردناک واقعہ تھا۔ پھر کیا یہ ممکن تھا کہ سیدہ زینب اسے فراموش کر سکتیں؟ کیا یہ ممکن تھا کہ اہل خانہ اُن کی خاطر شور و گریہ کو کم کرتے؟ زینب عالیہ نے اپنی آنکھوں سے اپنے جد بزرگوار کو بستر مرگ پر اور اپنے والدین کو آنحضرتؐ کے بستر کے قریب دیکھا تھا۔ انہوں نے اپنے والدین کو تدفین رسولؐ کے بعد سب سے زیادہ گریاں و نالہ کناس پایا۔ اس تمام واقعہ میں سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ اُسی گھر میں شب و روز اس عزاداری کا شور رہتا اور آپ شب و روز اس تمام کیفیت کا مشاہدہ کرتیں۔

مادِ گرامی کی علالت

اس شب و روز کی عزاداری اور شور و نالہ و شیون میں، جو فراق رسولؐ میں برپا تھا، آپ کو ایک اور دکھ کا سامنا کرنا پڑا جو سیدہ طاہرہ کی بیماری اور صاحبِ فراش ہونے سے پیدا ہوا۔ فراقِ پدر میں آپ کی عزاداریاں والدہ گرامی کو ظلم و ستم کا نشانہ بن کر بستر پر دراز ہونا پڑا۔ (ظاہر ہے کہ یہ علالت شہادتِ محسنؐ کا نتیجہ تھی، مترجم)۔

تاریخِ ان واقعات کو پوری طرح بے نقاب نہیں کرتی جو سیدہ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا پر ان کے پدر بزرگوار کی وفات کے بعد گذر گئے۔ ان واقعات کا تعلق سیدہ طاہرہ کو طمانچہ مارنے اور بی بی کے دروازہ و دیوار کے درمیان پھنس جانے سے ہے جس کے نتیجہ میں اسقاطِ (حضرت محسنؐ) رونما ہوا (آیۃ اللہ غروی اصفہانی، کمپانی)۔

ہمیں تو یہ بیان کرنا ہے کہ خانہ زہرا کو نذر آتش کیا گیا (فاطمہ زہراؑ)۔ آپ زمین پر گر گئیں جس سے ایک پبلی بھی نوٹ لگئی، بازوؤں کو تازیانہ کی ضربات برداشت کرنا پڑیں (بیت الاحزان، ص 97)۔

کیا ممکن ہے کہ زینب علیا نے اپنی مادرِ مظلومہ پر ہونے والے ان مظالم کو دیکھا نہ ہو؟

یہ سب روح فرسا واقعات وفاتِ رسولؐ کے بعد دو تین روز یا آنحضرتؐ کی رحلت کے پہلے ہی میں رونما ہو گئے، تاہم تاریخ نے سیدہ فاطمہؑ کی علالت سے ہرگز انکار نہیں کیا (بحار الانوار، ج 43، ص 188)۔

ان حوادث کے نتیجے میں سیدہ طاہرہؑ صاحبہ فراش ہو گئیں جبکہ اس دورِ علالت میں آپؐ کی بیٹی زینبؑ ہی آپؐ کی مونس و غم خوار تھیں۔ سب گھر والے گھر سے باہر چلے جاتے۔ گھر میں صرف حضرت زینبؑ ہی اپنی والدہ کے درد و غم کو دیکھنے اور آپؐ کے آہ و نالہ کو سننے کیلئے باقی رہ جاتیں۔ ان حالات میں کیا اس کے علاوہ بھی کچھ سوچا جاسکتا ہے کہ شہزادی اپنی والدہ کے پہلو میں ان کے بسترِ علالت پر حاضر رہتیں اور ان کے ہمراہ نالہ و فریاد و فغاں میں مصروف رہتیں؟

مادرِ گرامی کی وفاتِ حسرتِ آیات

وفاتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سیدہ فاطمہ الزہراؑ سلام اللہ علیہا زیادہ عرصہ زندہ نہ رہیں۔ اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں۔ بعض لوگوں نے وفاتِ رسولِ اکرم کے بعد سیدہ طاہرہؑ کی صرف چالیس (40) دن اور بعض نے پچھتر (75) دن کی زندگی بیان کی ہے (ابن شہر آشوب، کلینی)۔

بعض مؤرخین نے ایک سو (100) دن بھی لکھے ہیں (شہید اول، الدروس)۔ لیکن طویل ترین مدتِ حیات بعد از رسولؐ خدا چھ یا آٹھ ماہ سے زیادہ کسی نے نہیں لکھی (صحیح بخاری)۔

ان میں کوئی روایت بھی صحیح ہو، کسی حالت میں یہ عرصہ طویل قرار نہیں پاتا اور تمام راویان کو باوجود اس مصیبت کے لئے جناب زینبؑ خود رسال ہی نظر آتی ہیں، اس قدر خود رسال کہ اس کے لئے ماں کی موجودگی ناگزیر سمجھی جاتی ہے اور پھر آپؐ کی عمر اس وقت ہے ہی کتنی، صرف چھ سے سات سال! (طراز المذہب)۔

غرض شہزادی اپنی والدہ گرامی کے پہلو سے لگی ہوئی ہے۔ کون ماں! ایسی ماں جو مظلوم، مصیبت زدہ، دُڑے کھائے ہوئے، درد و غم میں گرفتار ہے۔ کس قدر تحمل و برداشت ہے اور کتنے قابلِ رحم حالات ہیں! زینبؑ کو ان حالات میں ماں کی وصیتیں سننا ہیں، گویا سیدہ طاہرہؑ کا آخری وقت ہے، دمِ واپس قریب ہے، ایسا وقت کہ جب وفاتِ سیدہؑ زیادہ دور نہیں اور ان حالات میں غمزہ بٹی کو مظلوم ماں کے وصال سننا ہیں۔ سیدہؑ فرماتی ہیں:

”زینبؑ! میری جان! میرے بعد تم میری جگہ لوگی۔ زندگی کی ذمہ داریاں اور امورِ خانہ داری تمہیں برداشت کرنا ہوں

گے۔ اپنے بھائیوں کو تنہا نہ چھوڑنا۔ اُن کی دیکھ بھال اور باپ کی خدمت و محبت میں پوری کوشش کرنا.....“ (خصائصِ زینبیہ) اور تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ سیدہ طاہرہ نے اس دنیا سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

تحلِ مصائب کا معیار

ثانی زہراؑ اپنی مادرِ گرامی، جناب سیدہ طاہرہؑ کے غسلِ آخر، تکفین و تدفین کا مشاہدہ کر رہی ہیں۔ دیکھ رہی ہیں کہ کیسے آدھی رات کے وقت آپ کے بند کفن درست کئے گئے، کس طرح آپ کو قبر میں اتارا گیا اور پھر اس پر خشتِ لحد رکھی گئی۔ ماں کی موت آپ کے لئے نہایت دردناک واقعہ تھا۔ یہ ایسا واقعہ تھا جس سے گویا آپ کے لئے وفاتِ رسولِ اکرمؐ کی یا مکمل طور پر تازہ ہو گئی تھی۔ شہزادی اپنی مادرِ گرامی کی وفات کے دن آپ کی تدفین کے بعد جلدی سے مزارِ رسولؐ پر تشریف لے گئیں اور وہاں جا کر اس طرح اپنے جذباتِ رنج و الم کا اظہار کیا:

”يَا رَسُولَ اللَّهِ الْآنَ حَقًّا فَقَدْ نَاكَ“ (ریاضِ الشریعہ، ج 3، ص 51)۔

یعنی اے اللہ کے رسولؐ آج وہ دن ہے جب واقعاً خود آپ کو ہم نے اپنے آپ سے جدا کر دیا (یہ اس طرح کہ آپ کی وفات کے بعد ہم آپ کی یادگار کی زیارت سے، جو ہماری ماں تھی، اپنے دل کو ڈھارس دے لیا کرتے تھے اور آج وہ بھی ہمارے درمیان سے رخصت ہو گئیں)۔

”الآن عَرَفْنَا الْحَرَمَانَ مِنَ النَّظَرِ إِلَيْكَ“ (چہارہ معصوم)۔

یعنی ”ہمیں اب آپ کے دیدار سے محرومیت کی انتہا معلوم ہوئی.....“۔

زینبؑ عالیہ پر اپنی والدہ گرامی کی وفات اپنی جگہ ایک مصیبتِ عظمیٰ تھی، لیکن اُن کی وصیت کے مطابق اس عظیم مصیبت پر خموشی اختیار کرنا اور اسے مخفی رکھنا اس سے بھی بڑی مصیبت کیونکہ حکمرانوں کی اجازت نہ تھی کہ گھر میں شورِ نالہ و شیون بلند ہو مبادا کہ ہمسایگان سُن کر ہر طرف اس خبرِ مصیبت کو پہنچا دیں اور لوگ سیدہ فاطمہؑ زہراؑ کے جنازہ میں شرکت کے لئے آنے لگیں۔ غرض خبرِ وفاتِ دخترِ پیغمبرؐ کی شہرت نہ ہونے پائے (زندگانیِ فاطمہؑ زہراؑ، شہیدی، ص 244)۔

تاہم زینبؑ عالیہ اپنی خورد سالی کے باوجود گریہ کنائیں ہیں لیکن آہستہ آہستہ بے آواز رو رہی ہیں۔ یہ کام بچوں کے لئے بہت زیادہ دشوار ہوتا ہے بلکہ مصیبتِ خیز بھی۔ بچوں کے لئے کیونکر ممکن ہے کہ چھپ کر اور آواز بلند کئے بغیر گریہ کریں، نہ ہی یہ ممکن ہے کہ وہ اپنے سوزِ دروں کو چھپائے رکھیں۔

۳. مصائب و آلام حیات

ثانی زہراؑ کو اپنی زندگی کے دوران جیسے مصائب سے دوچار ہونا پڑا، طول تاریخ میں ہمیں کم ہی ایسے افراد نظر آتے ہیں، بالخصوص خواتین، جن کو اس قسم کے غم و اندوہ کا سامنا کرنا پڑا ہو۔ جن مشکلات و گونا گوں صدماتِ روزگار کو جس تحمل و بردباری سے آپ نے برداشت کیا، اس طرح کے حالات میں شجاع ترین افرادِ زمانہ بھی گھٹنے ٹیک دیتے ہیں۔ ہم از کم اتنا تو ضرور ہوتا ہے کہ انبوہِ آلامِ قوتِ کلام کو سلب کر کے خموشی پر مجبور کر دیا کرتا ہے۔ لیکن سیدہؑ کی عظیم بیٹی جنابِ زینبؑ کی کبریٰ کی کیفیت یہ ہے کہ کشمکشِ روزگار کے مقابلہ میں اگرچہ آپ کا جسم لاغر ہو گیا، اشہبِ عمر بطرفِ منزلِ آخرتیز رفتاری سے روانہ ہو گیا، تاہم حالتِ ناسازگار و نامساعد کا پورے تحمل و وقارِ قوت کے ساتھ اپنے مقدس ہدفِ زندگی کو سامنے رکھ کر مقابلہ کیا۔ یہ وہ ہستی ہے جس نے پورے بیس برس کا طویل عرصہ اپنے والدِ بزرگوار کی نہ صرف گوشہ نشینی کا مشاہدہ کیا بلکہ امیر المومنین علیؑ علیہ السلام کے مقاماتِ صبر میں، جو انتہا سے زیادہ تلخ اور جاں گزاتھے، آپ کا اس طرح مکمل طور پر ساتھ دیا کہ کسی موقع پر بھی بے قراری کا مظاہرہ نہ کیا۔

ثانی زہراؑ کے پدرِ بزرگوار کی شہادت

سیدہ عالیہؑ کی عظیم نورِ نظر اپنے پدرِ عالی مقام کی قدر و عظمت کی معرفت رکھتی ہیں، جانتی ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام صرف آپ کے باپ ہی نہیں، نوعِ انسانیت کے معلم و مربی اور قابلِ پیروی اسوۂ حیات کے مالک، مرشدِ آدمیت و مقصدِ حیاتِ انسانی کے محور بھی ہیں۔ آپ جانتی ہیں کہ آپ کے بابا علی مرتضیٰؑ امتِ اسلامیہ میں علم، ان میں بزرگ ترین قاضی اور عظیم ترین عادل بھی ہیں (احادیثِ رسولِ خدا)۔

فرمانِ رسولؐ کے مطابق اس امت کے باپ ہیں اور باوجودیکہ فرزندِ ان امت آپ کی قدر کو نہیں پہچانتے، پھر بھی آپ اُن کے محافظ و نگران ہیں۔ (اَنَا وَ عَلِيٌّ أَبَوَاهُذِ الْأُمَّةِ: حدیث)۔

ثانی زہراؑ اپنے پدرِ بزرگوار کی خموشی میں قلبِ مبارک کے خون ہونے کی کیفیت کو دیکھ رہی ہیں۔ خدمتِ بنی نوعِ انسان کے سلسلہ میں آپ کے خلوص اور صفائیِ قلب سے اچھی طرح واقف ہیں، آپ کی مصروفیات کی قدر و قیمت اور اُن کے نتائج سے کما حقہ آگاہ ہیں، یہ بھی جانتی ہیں کہ یہ عظیم باپ کس قدر ابتدائے شب سے صبح ہونے تک عبادت میں مصروف رہ کر ایک خشک روٹی اور تھوڑے سے نمک پر زندگی گزار رہے ہیں۔

اس سب کچھ کے باوجود وہ دن آتا ہے کہ شہزادی کو اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے ”اَلْاَقْلَدُ قُتِلَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ“ کی

آواز سننا پڑتی ہے۔ یعنی ”عالم انسانیت و بشریت جان لے کہ علی علیہ السلام کو قتل کر دیا گیا“ اعتبار نہیں آتا، یہ پریشان کن، ہولناک خبر کانوں میں پہنچتی ہے، دروازہ خانہ کی جانب بڑھتی ہیں اور معلوم کرتی ہیں کہ جو کچھ سنا ہے درست ہے، مسجد میں موجود لوگوں کا شور شیون سنتی ہیں اور تھوڑی دیر بعد ہی اپنے بابا علی مرتضیٰ کا نیم جان جسم اور شگافتہ و خون آلود سر دکھائی دیتا ہے۔

اس کیفیت و حالت میں سیدہ زینبؓ اپنے عظیم باپ کے فراق مستقل سے دوچار ہوتی ہیں، وہ باپ جو صرف باپ ہی نہیں آپ کے مقصدِ حیات و رہبرِ زندگانی اور اُمتِ مسلمہ کے دو باپوں میں ایک باپ کی حیثیت کے مالک بھی ہیں۔ شہادتِ امیر المومنین علیہ السلام شہزادی کے احساسِ غم و اندوہ میں زیادتی کا باعث ہے، وفاتِ سید الانبیاء اور مظلومہ ماں کی وفات و مظلومیت کی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں، ماضی کے جاں گداز واقعات یعنی امیر المومنین علیہ السلام کے غصہِ حقوق اور حضرت کا سکوت و صبر، سب دوبارہ زندہ ہو کر اُڑ دیا ورنجِ عالم کا موجب بن جاتے ہیں۔ 1۔

برادرِ بزرگوار کی زہر سے شہادت

حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کی شہادت کے بعد ثانی زہر اُکے برادرِ بزرگ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی امامت کا دور آیا۔ لوگوں نے آپ کی بیعت کی لیکن ان بیعت کرنے والوں کا نصب العین بیعتِ شکینی پر منتج ہوا۔ جن لوگوں نے امیر المومنین علیہ السلام پر مظلومیت و تنہائی کے ابر کو محیط کیا تھا انہوں نے ہی امام حسن علیہ السلام کو ایسا تنہا چھوڑا کہ امیر معاویہ کی تاخت و 1۔ یہاں ہم مناسب جانتے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کے موقع پر ثانی زہر اسلام اللہ علیہا کی کیفیت اور آپ پر عظیم ہبا کی عائد کردہ ذمہ داریوں کا کسی قدر تذکرہ کریں۔ اس سلسلہ میں ہم علامہ حسن رضا عری صاحب کی کتاب ”زینبؓ، زینبؓ ہے“ سے مختصر اقتباسات ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔ علامہ موصوف اپنی کتاب میں عنوان ”امامت کی امانتیں“ کے تحت لکھتے ہیں:

”حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی دختر سیدہ زینبؓ کو رسول خدا کا حنوط جو کہ امامت کی مخصوص امانت تھی، دیا اور فرمایا کہ اسے سنہال کر رکھیں۔ جب ۴۰ھ کو ۲۱ رمضان، شبِ جمعہ، امام امیر المومنین نے داعیِ اجل کو بلکہ کہا تو پورے گھر میں نوحہ و ماتم شروع ہو گیا۔ سیدہ زینبؓ و ام کلثومؓ سمیت تمام مستورات منہ پیٹ رہی تھیں، سب نے غم کی شدت کے سبب اپنے اپنے زبان چاک کر دیئے اور چھین مار مار کر رونے لگیں جس سے تمام اہلِ کوفہ کو امیر المومنین کی شہادت کا علم ہو گیا۔ امام حسن و حسین علیہما السلام نے امیر المومنینؓ کو غسل دینے کی تیاری کی تو جب امام حسنؓ غسل دے رہے تھے اور امام حسینؓ پانی ڈال رہے تھے تو امام حسنؓ نے سیدہ زینبؓ کو پکار کر فرمایا کہ جلدی جلدی رسول اللہ کا مخصوص حنوط لے آئیں۔ سیدہ فوراً وہ حنوط لے آئیں جو امیر المومنین نے امانت کے طور پر دیا تھا۔ جب اُسے کھولا گیا تو سارا گھر اور پورا شہر کوفہ معطر ہو گیا اور اس کی خوشبو ہر طرف پھیل گئی (ص ۱۰۱)۔

تاراج کے لئے میدان مہیا کر دیا اور انتہایہ ہوئی کہ امیر معاویہ کا اثر امام حسن علیہ السلام کے اندرون خانہ آپ کی زوجہ تک پہنچ گیا (صلح امام حسن)۔

ان حالات میں لوگوں کی شورش کے پیش نظر امام حسن علیہ السلام کے لئے امیر معاویہ سے صلح کرنا ناگزیر ہو گیا اور امیر معاویہ کو بلا مقابلہ اقتدار و اختیار حاصل ہو گیا۔ لوگوں کی آنکھیں اس وقت کھلیں جب گونا گوں مصائب و آلام اور نئی نئی مصیبتیں وارد ہونے لگیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہی لوگ جنہوں نے امام حسنؑ کے خانہ اقدس کا گھیراؤ کر کے آپ کے سب مال و اسباب کو غارت کیا تھا، آپ کی ران کو تلوار سے زخمی کیا تھا اور آپ کو امیر معاویہ سے صلح پر مجبور کیا تھا، دوبارہ آپ کے خلاف شورش کرنے لگے کہ آپ نے یہ صلح کیوں قبول کی (صلح امام حسن)۔

ہائی زہر کی نظروں کے سامنے یہ تمام واقعات رونما ہوئے اور آپ کو اپنے برادر بزرگ کے مصائب و آلام میں شریک ہونا پڑا۔ اچانک خبر ملتی ہے کہ آپ کے اس عظیم برادر بزرگ کو زہر دے دیا گیا ہے۔ فوراً امام حسن علیہ السلام کے پاس پہنچیں، دیکھا کہ جگر کے ٹکڑے منہ سے باہر نکل رہے ہیں اور تھوڑی دیر میں امام حسن علیہ السلام کی آنکھ ہمیشہ کے لئے بند ہونے والی ہے۔ اسی عزا و ماتم کے دوران حیرت و استعجاب کی انتہا ہو جاتی ہے جب پتہ چلتا ہے کہ لوگ خاندان رسالت مآب کے کسی بھی فرد کو زندہ نہ چھوڑنے کا مصمم ارادہ کر چکے ہیں۔

والد بزرگوار کا سانحہ شہادت، سرگزشت والدہ گرامی، برادر بزرگ کو زہر خورانی اور ان کی وفات، یہ سب واقعات صدیقہ صغریٰ کے سر اقدس پر گزر گئے، تاہم ابھی ایک بات باعث تسکین باقی تھی کہ رسول خدا کی واحد و تنہا یادگار امام حسینؑ ابھی موجود ہیں 1۔

شہادت امام حسین علیہ السلام

ظلم و استبداد کی حکومت کے چالیس سال بعد امیر معاویہ دنیا سے رخصت ہوا اور خلافت کو موروثی بنا کر اپنے بیٹے یزید

1۔ یہاں ہم شاعر مشرق علامہ اقبالؒ کے دو شعر امام حسن علیہ السلام کے تعارف کے بارے میں پیش کرتے ہیں۔ اپنی مثنوی ”رموز بے خودی“ میں علامہ سیدہ طاہرہؒ کا تعارف کرواتے ہیں۔ ایک خاتون کا تعارف اس کے والد، شوہر اور اولاد کی نسبت ہی سے بالعموم کرایا جاتا ہے۔ سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کا بیٹوں کے ذریعہ تعارف کرواتے ہوئے علامہ مرحوم فرماتے ہیں:

حافظ جمعیت خیر الامم

آن یکے شمع شبستان حرم

بشتِ یازد بر سر تاج و نگین

تانشیند آتش پیکار و کیس

کے سپرد کر گیا۔ حسن بصری کہتے ہیں کہ صرف یہی ایک واقعہ اسلام کی تباہی کیلئے کافی تھا (صلح امام حسن)۔

حکومت کی بے حیائی اور اسلام دشمنی کی انتہا یہاں تک پہنچ گئی کہ یزید نے اپنی حکومت کے اثبات اور جواز کی خاطر امام حسین علیہ السلام تک سے بیعت کا مطالبہ کر دیا۔

امام حسین علیہ السلام کے سامنے اب دو ہی راستے تھے، بیعت یزید کو اختیار کرنا، یا اس سے انکار۔ اول الذکر صورت میں اسلام اور اصول اسلام کا خاتمہ ہوتا ہے اور مؤخر الذکر صورت میں اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑتے ہیں۔ تاہم ہمت مردانہ اور محبت و استقامت دین کا تقاضا یہی تھا کہ دوسرے راستے کو اختیار کریں۔ نتیجہ کے طور پر امام حسین علیہ السلام نے وطن اور گھریلو کو خیر باد کہا، صحرا و بیابان کا سفر اختیار کیا اور سرزمین مکہ پر پہنچ کر سکون فرمایا۔ اس طرح آپ حرم خدا میں زندگی گزارنے اور وہیں اپنے نانا کے دین کی تبلیغ میں مصروف ہو گئے۔ اب حکومت وقت نے ارادہ کیا کہ موسم حج کے دوران آپ کی زندگی کے چراغ کو گل کر دیا جائے۔ اس کیفیت کے پیش نظر جبکہ کوئیوں کے متواتر خطوط آپ کو مل رہے تھے، آپ کے احساس ذمہ داری نے مجبور کیا کہ مکہ کو چھوڑ کر عازم عراق ہوں۔ اس طرح آپ کو کر بلا پہنچنا پڑا اور اس گرم و سوزاں بیابان میں حضرت کو شہید اور آپ کے خاندان بھر کو اسیر کر لیا گیا۔

ثانی زہر! اس تمام واقعہ داروگیر کی نہ صرف شاہد ہیں بلکہ اپنے برادرِ عالی قدر کے مصائب و آلام میں برابر کی شریک ہیں۔ کسی حال و کیفیت میں آپ سید الشہداء اے جدائیں ہوئیں۔ حضرت کی دردناک شہادت اور تمام عزیزان و اقارب و ہمراہیان کی شہادتوں کے بعد مستقبل میں پیش آنے والے تمام تلخ و جاں سوز واقعات کو بنظر حقیقت ملاحظہ کرتے ہوئے آپ قافلہ اسیران کے ہمراہ روانہ ہو گئیں۔ مصائب و آلام کا شہزادی پر ہجوم تھا۔ دوستوں اور غمخواروں کی قلت، دشمنوں کی کثرت، لشکرِ امام اور خود امام علیہ السلام کی پیاس و شہادت، خواتین اور خور و سال بچوں کی بے بسی، ان سب حوادث میں ثانی زہر! اب سالارِ قافلہ کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان کی متحمل ہونے کے بغیر کوئی چارہ کار نہ رکھتی تھیں۔ اسی لئے حقیقت یہ ہے کہ آپ صحیح معنی میں ام المصائب کے لقب کی حق دار ہیں 1۔

1۔ ()۔ ان تمام روح فرسا حالات میں ثانی زہر! کا صبر و تحمل و استقلال و احساس ذمہ داری کی مثال تاریخ انسانیت پیش کرنے سے قاصر

ہے۔ جناب آیہ اللہ سید عبدالحسین دستغیب شہید اپنی تالیف موسومہ ”حیات طیبہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا“ میں لکھتے ہیں:

”جس طرح کے صبر کا مظاہرہ مخدّرہ کونین نے کیا ہے، عالم میں بے مثال ہے۔ اسی لئے زیارت ناحیہ میں امام زمانہ علیہ السلام

نے آپ کے صبر و تحمل کو اس جملہ سے خراج تحسین پیش کیا:

(جاری)

اجو غم

اصل واقعہ یہ ہے کہ خورد سالی سے ہی غم و اندوہ نے زینبؓ کی ہستی کے گرد احاطہ کیا ہوا تھا۔ یہ غم و اندوہ خفیہ طور پر یا آشکار کیفیت میں ہمیشہ کے لئے آپ کے درپے رہا۔ مادرِ گرامی سیدہ طاہرہؓ دنیا سے تشریف لے گئیں تو ان کی لختِ جگر کو اتنی اجازت نہ ملی کہ جی بھر کر آزادی کے ساتھ صدائے گریہ بلند کریں اور اس طرح دل کو غبارِ رنج و الم سے خالی کریں۔ ثانی زہراؓ اس تمام عالم میں مرکزی کردار کی حامل تھیں۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

’آپ کے صبر کو دیکھ کر ملائکہ عرش بریں انگشت بدنداں رہ گئے۔‘

’واقعی حقیقت یہی ہے کہ آپ کی شدتِ آرام کی منزل کو جانچنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ روزِ عاشور، جو مظلوم کر بلا کے مصائب کی انتہا تھی، جنابِ زینب سلام اللہ علیہا کی مصیبتوں کا پہلا مرحلہ قرار پایا اور اس کے بعد کیا کیا قیامتیں ٹوٹیں۔ بھوک، پیاس، زخم ہائے جگر، دشتِ دیباہاں، بے پردگی، پریشان و گم شدہ اطفال کی جمع آوری و نگہداشت..... بڑوں کے دل کی ڈھارس..... اللہ اللہ کیا قوت برداشت تھی اس مخدومہ سلام اللہ علیہا کی، ابتدائے آفرینش سے شامِ ابد تک ڈھونڈے سے اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ مختصر یہ کہ آپ کا صبر بے مثال۔ آپ کا یقین بے نظیر، کون ہے جو آپ کی شخصیت کا اندازہ لگا سکے.....‘

’کوئی نعمت تھی جو آپ کے گھر میں نہ تھی۔ اچانک خبر ملی کہ امام حسین علیہ السلام نے سفر کا پروگرام بنایا ہے۔ بغیر کسی قسم کی ہچکچاہٹ کے فوراً تمام آرام و آسائش کو چھوڑا اور مصیبتوں کے بحرِ تلاطم میں غوطہ زن ہو گئیں۔ کوئی زہد کی اس منزل و درجہ کا اندازہ کر سکتا ہے؟..... اگر واقعتاً مستقبل سے لاعلم ہوتیں تو اور بات تھی مگر کمال تو یہ ہے کہ اپنے نانا، بابا اور مادرِ گرامی علیہم الصلوٰۃ والسلام سے سب کچھ سن لینے کے باوجود رات کے اندھیرے میں بھائی کے ساتھ اس خوف و ہراس کے عالم میں وطن سے بے وطن ہوئیں۔ کیا کہنا اس شیر دل خاتونِ معظمہ کا کہ شہنشاہِ حقیقی کی بیٹی، عبداللہ ابنِ جعفر جیسے شوہر کی شریکِ حیات ایک ایسے معرکہ میں جاری ہے جس کا انجام قید و بند، صحراؤں میں در بدری اور طویل تکلیف دہ سفر ہے۔‘ ص ۱۸ تا ۲۱۔

(ب)۔ ’’خاتونِ کر بلا نے وہ آہ و کراہ چھوڑی جس سے تیرہ سو سال سے فضا گونج رہی ہے۔ مجلسوں کا سارا سوز و ساز خاتونِ کر بلا کا ورثہ ہے۔ وہ آنسو چھوڑے جو اب غم بن کر ہر سال موسمِ عزاء میں برستے ہیں۔ خاتونِ کر بلا نے ایسا ذہن چھوڑا جس میں ظلم کے خلاف احتجاج کا شدید میلان ہے۔ یہ میلان قوموں کی آزادی کا سرمایہ ہے، حسینی پیام چھوڑا، اسلام کی حفاظت کا جذبہ چھوڑا، عورتوں میں خود اعتمادی، پامردی، باطل کے سامنے سر جھکانے سے انکار کا حوصلہ چھوڑا۔‘

(کر بلا کی شیر دل خاتون، ص ۹، مقدمہ از علامہ محبتی حسن کامونپوری، مطبوعہ امامیہ مشن پاکستان، لاہور)

آپ کے پدر بزرگوار امیر المومنین علیہ السلام کو شہید کر دیا گیا۔ اس وقت اُن کے جنازہ کی بے حرمتی کے خوف سے، جس کا خوارج (نیز بنو امیہ) سے اندیشہ تھا، لازم ہوا کہ آپ کی قبر مبارک کو عوام الناس کی نظروں سے اوجھل رکھا جائے۔ لہذا آپ کی قبر اطہر کی زیارت مخفی طریقہ ہی سے ممکن ہو سکتی تھی اور یہ حقیقت بذلتِ خود ایک مصیبت زدہ بیٹی کے لئے کس قدر تلخ و اندوہناک ہو سکتی ہے، اس کا اندازہ خود ہی لگالیں۔

برادرِ معصوم کی بے وفاز دوجان کو زہر دے دیتی ہے، لیکن امامِ معصوم کی وصیت کی بنا پر آپ کے پس ماندگان نہیں چاہتے کہ اُس زوجہ بے وفا کو زہر سوا کریں۔

صدیقہ صغریٰ کے والدین عالی اور دیگر افرادِ خاندان کے حقوقِ غصب کر لئے جاتے ہیں لیکن اسلام کو بچانے کی مصلحتیں اجازت نہیں دیتیں کہ صدائے فریاد و نالہ بلند کریں اور نو خیز شجرِ اسلام کو پیش آمدہ خطراتِ عظیم میں اضافہ کا موجب بنیں۔

یہ تمام مصائب و آلام اپنے اپنے مقام پر ہجوم کر کے آئے۔ ان کے نتیجہ میں شدتِ غم کی انتہا یہ ہے کہ یہ سب واقعات جانکاہ متقاضی ہیں کہ جن آلام کی برداشت کے لئے مجبور ہیں، ان کے لئے کسی طرح کی صدائے احتجاج بلند کرنے اور حق گوئی تک کی ہرگز جرأت نہ کی جائے۔

صرف صبر ہی شہزادی کے لئے چارہ ساز تھا، وہ صبر بھی اس قدر مشکل اور چٹانوں سے زیادہ سخت کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

”وَصَبْرٌ وَفِي الْعَيْنِ قَذَى وَفِي الْحَلْقِ سَجَى“ (سُجُجُ الْبَلَاءِ، خطبہ شمشقہ)۔

یعنی ”میں نے صبر کیا در آنحالیکہ میری آنکھ میں کاغذ اور میرے گلے میں ہڈی پھنسی ہوئی تھی۔“

امیر المومنین علیہ السلام کے خاندان کے ہر فرد پر یہی کیفیت صادق آتی ہے، بالخصوص عظیم باپ کی اس عظیم بیٹی پر جس کا اسم گرامی زینب بنت علیؑ ہے۔

الغرض یہ وہ عظیم خاتون ہیں کہ جس نے اپنے پورے طویل حیات میں مصائب سے پُر جام ہائے تلخ کے آخری گھونٹ تک کو برداشت کیا۔ ان مصائب کی برداشت نے بی بی کے جسم کو بالکل لاغر، بالوں کو سفید اور شکل کو منقلب کر دیا۔ جس دن شہزادی قیدِ ظلم سے رہا ہو کر مدینہ وارد ہوئیں تو آپ کے شوہر حضرت عبداللہ آپ کے استقبال کے لئے تشریف لائے۔ بہت ضعیف بینائی (جو نابینائی کے قریب تھی) کے باعث انہیں بی بی کا چہرہ اقدس دکھائی نہ دیا، لہذا انہیں پہچان نہ پائے اور اُن سے

دریافت کیا: ”کیا تم واقعی وہی زینب ہو؟“ 1

1۔ یہ تمام واقعات اس حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ثانی زہرا کی حیات اقدس آپ کے بچپن ہی سے مصائب و آلام کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ پھر مصائب و آلام کی انتہا اور ان کی برداشت کا ہر انسان کے معیار تدبر اور ارتقاء شعور و احساس سے براہ راست تعلق ہونا، جبکہ یہ صفات ہر حالت میں متعلقہ انسان کے حصول علم سے متناسب ہوتی ہیں۔ یعنی جس قدر کوئی شخص حدود و علم طے کرے گا اسی قدر اس کے شعور و احساس بیدار ہوں گے اور پھر اسی نسبت سے یورش تاسف و انبساط اس کے ذہن و حیات پر اثر انداز ہوں گی۔ ثانی زہرا عالمہ غیر معلمہ کے لقب سے ملقب ہوتے ہوئے عقلیہ بنی ہاشم کا نام پاتی ہیں جس سے ان کے معیار علم اور اس کے نتیجے میں بیداری احساس و شعور کی نشاندہی ہوتی ہے۔ پھر اس کیفیت کے ساتھ ساتھ آپ کا واقعات کے مقابلہ میں معیار صبر و استقامت، سید الشہداء کی دردناک شہادت کے بعد بطور شریکۃ الحسین آپ کا احساس ذمہ داری، اُن تمام فرائض کی ادائیگی جو ایک امام معصوم و محتسب خدا کے ذمہ ہوتے ہیں، اس عظیم ذمہ داری کا سید الساجدین علیہ السلام کی علالت و قید سخت تک، جس میں آپ برابر کی شریک ہیں، جاری رہنا، عبادت پروردگار کے اس معیار کو برقرار رکھنا کہ خود حضرت سید الشہداء علیہ السلام خواہش کرتے ہیں کہ بی بی اپنی نماز شب میں انہیں یاد رکھیں، نیز اس قسم کی لاتعداد ایسی کیفیات جن کا شمار ہمارے کز و قلم کے امکان سے باہر ہے، کسی طرح معجزہ سے کم نہیں۔

ہم یہاں علامہ حسن رضا ندیری صاحب کے الفاظ پیش کرتے ہیں جو کسی حد تک بی بی کے مقام ابتلاء کی ترجمانی کرتے ہیں۔
علامہ مذکور رقم طراز ہیں:

”حوادث روزگار نے زینب کبریٰ کی زندگی کا امن و سکون لوٹ لیا اور ساری زندگی غم و الم سے دوچار ہو گئی۔ عہد طفولیت ہی میں بڑی بڑی مصیبتیں آنا شروع ہو گئیں جو زندگی کی آخری گھڑیوں تک باقی رہیں۔

”..... لیکن جو بات توجہ طلب اور اہمیت کی حامل ہے وہ یہ ہے کہ بچپن سے لے کر زندگی کے آخری لمحوں تک مصیبتوں میں گھر جانا انسانی طبیعت کو مضطرب کر دیتا ہے اور اس کی خداداد صلاحیتوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ یہ بات عقلیہ بنی ہاشم سیدہ زینب کی زندگی میں نمایاں تھی اور آپ نے مصائب کی شدت اور غم و آلام کی کثرت سے دوچار ہو کر اپنی زندگی کے مراحل کو طے کیا، یہاں تک کہ ابھی پہلی مصیبت کے آثار باقی ہوتے تو دوسری اُس سے بڑی مصیبت آن پڑتی تھی۔ گویا مصیبتیں زینب عالیہ کی زندگی کا ایک حصہ بن گئیں۔ اسی لئے زینب کی بجائے ”ام المصائب“ کا لفظ آپ کی پہچان کا ذریعہ بن گیا۔

”زینب ابھی اپنی زندگی کے پانچویں سال میں داخل ہوئی تھیں کہ اپنے جد بزرگوار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بستر مرگ پر کروٹیں لیتے دیکھا جبکہ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہؑ، والد ماجد حضرت علیؑ اور دیگر قریبی سرور انبیاء کے فراق کا تصور کر کے اپنا سکون و اطمینان کھو چکے تھے اور انہیں رسول خدا کے بعد اسلام اور مسلمین پر آنے والے حالات ہراساں کر رہے تھے۔ (جاری)

مقام ثانی زہرا

ہم دیکھتے ہیں کہ ثانی زہرا کا ان مصائب و آلام کے مقابلے میں قیام استقلال و استقامت کا قیام تھا۔ سخت و شدید ترین مصائب و آلام یکے بعد دیگرے ہجوم کرتے اور ثانی زہرا کو ہر مرتبہ ایک نئی اور تازہ مصیبت کے لئے آمادہ و تیار رہنا پڑتا۔ سیدہ زینب کی عظمت اس حقیقت میں مضمر ہے کہ انہوں نے ان تمام آلام و مصائب و بد نصیبی سے شکست نہ کھائی، نہ ہی (باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

”بالآخر سب سے پہلی مصیبت سیدہ زینب کے لئے یہی تھی کہ اپنے جدِ امجد کی شفقتوں سے محروم ہو گئیں اور سرورِ انبیاء کے سفرِ آخرت کے تمام مراحل اپنی آنکھوں سے دیکھنا پڑے۔

”زینب عالیہ نے اپنے والدِ گرامی علی ابن ابی طالب کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا: پیغمبرِ خدا کی وفات سے مجھ پر وہ عظیم مصیبت وارد ہوئی ہے کہ میرے خیال میں اگر یہ مصیبت مضبوط پہاڑوں پر پڑتی تو ریزہ ریزہ ہو جاتے۔

”..... یہ بات واضح ہے کہ اہل بیت اطہار پیغمبرِ اسلام کی عظمت اور انجام رسالت کے سلسلہ میں پیش آنے والی تمام مشکلات سے دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ آگاہ تھے اور عالمِ انسانیت پر آنے والے کٹھن ایام بھی اُن کی آنکھوں کے سامنے تھے۔ وہ اُن تمام خطرات کا احساس کر چکے تھے جو نام نہاد مسلمانوں کے ہاتھوں اسلام اور اہل بیتِ رسول پر آنے والے تھے، کیونکہ منافق صفت لوگ اپنی استبدادی حرکتوں کے ارتکاب کے لئے پیغمبرِ اسلام کی آنکھیں بند ہونے کے منتظر تھے۔

”سیدہ زینب ان تمام حالات کا مشاہدہ کر رہی تھیں اور یہ بھی دیکھ رہی تھیں کہ اُن کے والدِ گرامی اور والدہ معظمہ پر کتنی مصیبتیں ڈھائی جا چکی ہیں۔ یہ سب کچھ زینب عالیہ کے لئے دردناک اور غم انگیز تھا۔

”زینب عالیہ نے اپنی ماں فاطمہ زہرا کی کٹھن آزمائشوں کا دور بھی دیکھا کہ خندومہ کو نین اپنے باپ کے غم میں بیت الحزن کی دیواروں سے لپٹ کر کس طرح اشک ریز ہوتی تھیں، اور نام نہاد مسلمان کتنی بے دردی کے ساتھ رسول کی بیٹی کے گھر میں زبردستی گھس کر مرثیہ کی حرمت کو مجروح کر رہے تھے اور فاطمہ کے مسلمہ حق..... ان کی میراث پر قابض ہو گئے اور سیدہ کے پہلو پر حملہ کر کے محسن کو شکرِ مادر میں شہید کر دیا جبکہ فاطمہ زہرا صدائے استغاثہ بلند کر کے لوگوں سے پیغمبرِ اسلام کی وصیت پر عمل کرنے کی تاکید کرتی رہیں مگر کسی نے سیدہ کی فریاد نہ سنی اور اور نہ ہی اہل بیت کے بارے میں رسول کی وصیت کا احترام کیا۔

”عقیلہ بنی ہاشم زینب الکبریٰ اپنی معصومہ ماں کی معصومیت بھری سسکیوں پر آئیں بھر بھر کر اپنے دکھی دل کو بہلاتی رہیں۔ زینب کی درد بھری چیخوں سے کلیجہ پھٹ جاتا اور پورے گھر میں کہرام مچ جاتا تھا۔

”..... زینب عالیہ نے اپنی دکھیا ماں کی لاش کو تختہ غسل پر اس وقت بھی دیکھا جب اسماء بنت عمیس اور جنابِ فضہ (جاری)

حکمرانِ وقت کے جبر و عناد سے مرعوب ہوئیں۔ اس کے برعکس اپنے استقلال و پامردی سے دشمن کو اس قدر وحشت زدہ کر دیا کہ وہ خود اپنے حواس کھو بیٹھا۔ آپ کے دشمنوں کی یہ حالت ہو گئی کہ اب وہ اپنے مظالم کے سلسلہ میں ایک دوسرے کو موردِ الزام و اتہام ٹھہرانے لگے، ان میں ہر ایک کی یہ کوشش ہونے لگی کہ اپنے آپ کو ان جرائم سے جہاں تک ممکن ہو، بری رکھے۔
 ثانی زہراً کا قیام محل و استقلال کی مستقل علامات کا مظہر ہے۔ ہم آپ کی پہلے ہی سے ان مظالم کے مقابلہ کی آمادگی کی طرف مندرجہ ذیل واقعہ سے توجہ دلاتے ہیں:

ایک دن زینبؓ عالیہ تلاوتِ قرآن مجید میں مصروف تھیں کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام تشریف لے آئے۔ آپ (باقی صفحہ سابقہ) اپنی محرومہ کو آرام گاہِ ابدی کی طرف لے جانے کے لئے تیار کر رہی تھیں..... ماں کو تختہٴ غسل پر دیکھ کر سیدہ زینبؓ آگے بڑھیں جبکہ آپ کی ردائیں پر لگ رہی تھی اور اس طرح بین کرنے لگیں: 'ہائے نا رسول اللہ! آج ہم یتیم ہو گئے، آج ہم آپ کے سایہ سے محروم ہو گئے، آج آپ کی پیاری بیٹی ہمیں اکیلا چھوڑ کر جا رہی ہیں۔'
 زینبؓ کو ابھی اپنی معصوم ماں کا غم نہ بھولا تھا کہ اپنے جلیل القدر باپ کو تلوار کی کاری ضرب سے مجروح دیکھ جو سیدہ زینبؓ کے لئے ناقابلِ برداشت تھا۔ اپنے عظیم اور شفیق باپ کی عنایتوں سے محروم سیدہ زینبؓ ہمیشہ گریہ و بکا میں مصروف رہیں اور امیر المومنینؓ کی مظلومانہ شہادت پر انک ریز رہتی تھیں۔ ماں کے بعد باپ کا عظیم سایہ سر سے اٹھا تو زینبؓ کا دل ٹوٹ گیا۔
 'باپ کا غم سیدہ زینبؓ کے سکون و چین کو ختم کر چکا تھا کہ اپنے دل بند اور پیارے بھائی حسنؓ کو زہر سے شہید ہوتا بھی دیکھنا پڑا۔ اب زینبؓ عالیہ کا یہ عالم تھا کہ نہ تو رات کو آرام اور نہ دن کو سکون۔ مصائب و آلام کی طوفانی موجوں میں گھری ہوئی زینبؓ کبریٰ امتحان و آزمائش کی خوفناک کیفیت سے دوچار ہو گئیں۔

'حوادث و آلام اور یکے بعد دیگرے مصائب کے آنے سے زینبؓ عالیہ کی زندگی نیا رخ اختیار کر گئی، اور آپ کی شخصیت ان المناک واقعات سے اس طرح آمیختہ ہوئی کہ رسولِ زادی نے اپنے آپ کو ایک نہایت دردناک مصیبت کیلئے آمادہ کر لیا، یعنی کربلا میں عاشور کی خوفناک گھڑیوں اور اس کے بعد کے مصائب کی شدت کا مقابلہ کرنے کی خاطر زینبؓ کا حوصلہ بلند ہو گیا اور آپ صبر و استقامت کا کوہِ گراں بن گئیں۔' (زینبؓ، زینبؓ ہے، مؤلفہ۔ صادق، ترجمہ: آغا حسن رضا غدیری، ص ۶۳ تا ۶۶، ناشر: بعثت فاؤنڈیشن، ماڈل ٹاؤن، لاہور)۔

(حاشیہ صفحہ ۱۱۱)۔ اس سلسلہ میں یزید اور عبید اللہ ابن زیاد کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ قتلِ حسینؓ کے بارے میں یزید مدعی تھا کہ اُس نے قتلِ حسینؓ کا حکم نہیں دیا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ خدا ابنِ مرجانہ (ابنِ زیاد) پر لعنت کرے کہ اُس نے خود اپنے ارادہ سے ایسا کیا۔ اسی طرح ابنِ زیاد بھی یزید پر لعنت بھیجتا اور کہتا تھا کہ یزید جھوٹ بولتا ہے۔ یزید نے خود یہ حکم صادر کیا تھا۔

نے قرآن سے متعلق چند سوالات شہزادی سے دریافت فرمائے اور بی بی کے جوابات سن کر اُن کی ذکاوت سے محفوظ ہوئے۔ آپ نے ارادہ کیا کہ اپنی بیٹی کے صبر و تحمل کا امتحان لیں۔ لہذا اشارتاً مستقبل میں پیش آنے والے بعض مصائب کی طرف اشارہ فرما کر کسی قدر اُن کی تفصیل و تشریح فرمائی۔

زینبؓ عالیہ نے پورے تحمل و استقلال سے ان سب باتوں کو سنا اور عرض کیا: ”بابا جان! میں ان سب واقعات کو پہلے ہی سے جانتی ہوں۔ میری مادر گرامی نے مجھے یہ سب باتیں پہلے ہی بتا رکھی ہیں تاکہ اپنے آپ کو مستقبل کے ان تمام حوادث کیلئے تیار رکھوں اور خوف و ہراس کو جگہ نہ دوں“ (الزہراء، ص 259)۔

۲۔ بحرِ حوادث

یاد رہے کہ سیدہ زینبؓ سلام اللہ علیہا حضرات علی و فاطمہ علیہما السلام کی نورِ نظر ہیں اور اُنہی سے آپ نے مشکلات و حوادث کا مقابلہ کرنے کی تربیت حاصل کی تھی۔ آپ نے وفاتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد صدرِ اسلام میں پیش آنے والے حوادث کی یورش اور اپنے والدین کے مثبت و منفی ردِ عمل کو غور سے مشاہدہ کیا تھا۔ ساتھ ہی اپنے بھائیوں کے گونا گوں اقدامات اور اس سلسلہ میں اُن کے مبارزات کا بغور مطالعہ کیا تھا۔ لہذا آپ بعد میں پیش آنے والے تمام حالات کی نوعیت کو پوری طرح جانتی اور پہچانتی تھیں۔

سیدہ طاہرہؓ کی عظیم نورِ نظر کندن کی مانند تھیں جس کو اگر کھالی میں ڈالا جائے تو اس کی آب و تاب مزید نکھر کر ظاہر ہونے لگتی ہے۔ آپ اپنی مادرِ عالیہ کے تمام راز و رموز سے اچھی طرح واقف تھیں، اپنے باپ اور بھائیوں کی مشاورت میں شریک تھیں اور خوب جانتی تھیں کہ کسی موقع پر ان حضرات نے مقاماتِ امتلاء میں نہ ہی اپنے ہوش و حواس و اوسان کو خطا ہونے دیا اور نہ ہی کبھی مصائب و مشکلات کے ہجوم میں کسی طرح کی گھبراہٹ و خوف کو جگہ دی۔

علاوہ ازیں ثانی زہراؓ محدثہ اور عالمہ غیرِ معطلہ ہیں، معارفِ اسلام سے کراحتہ واقف ہیں، نظامِ آفرینش کے اہداف کی شہاسا ہیں اور جانتی ہیں کہ باطل بہر حال نقشِ بر آب کی مانند ضعیف ہے۔ مستقل اور باقی رہنے والی چیز عزت و عظمت کی آب و تاب ہے۔ اسی نیت و احساس اور اعتقاد و یقین کے ساتھ کہ زندگی فرائض سے عبارت ہے، آگے بڑھتی اور استقلال و استحکام سے قدم اٹھاتی رہیں۔ 1۔

واقعہ سقیفہ

سیدہ زینبؓ نے خود رسالی ہی میں سقیفہ بنی ساعدہ کا ماجرا مشاہدہ فرمایا۔ آپؐ نے دیکھا کہ آپؐ کے والد بزرگوار حضرت علیؑ علیہ السلام کس طرح تجہیز و تکفین رسول خداؐ میں مصروف ہیں جبکہ دوسرے لوگ جو اس مصروفیت سے کنارہ کش ہیں کس طرح اپنے اپنے اقتدار و مقام کے حصول میں سرگرداں ہیں۔ آپؐ نے اپنے پدر بزرگوار کے حق کو افراد قوم کی طرف سے زبردستی غصب ہوتے ملاحظہ کیا اور اس کے بعد اپنی مظلوم والدہ کے غصب حقوق کے طریق کار کا بخوبی مشاہدہ کیا۔

مسند اقتدار پر قبضہ کرنے کے سلسلہ میں دشمن کی جرأت آفریں کارروائیاں، والد بزرگوار کو حصول بیعت کی خاطر مسجد کی جانب زبردستی کھینچنا، مادر گرامی کا اپنی وراثت و ولایت کے دفاع میں دُڑے کھانا اور اسقاطِ فرزند کی نوبت تک پہنچنا شہزادگی نے (حاشیہ صفحہ سابقہ)

”کتاب ریاضین الشریعہ میں لکھا ہے کہ حضرت ثانی زہرا سلام اللہ علیہا نے زندگی بھر نماز تہجد سے غفلت نہیں کی۔ امام سید سجاد علیہ السلام سے روایت ہے کہ شامِ غریباں کو اُس خونین لیلِ ودق صحرا میں تمام اندوہناک روح فرسا مصیبتوں کے باوجود میری پھوپھی اماں اگر کھڑے ہو کر نماز تہجد نہیں پڑھ سکتی تھیں تو انہوں نے بیٹھ کر تہجد ادا کی۔ کتاب ’کبیرۃ الاضرار‘ میں ہے کہ سید سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب میرے بابا زخصتہ آخر کے لئے خیمہ میں تشریف لائے تو پھوپھی اماں سے فرمائش کی کہ نماز شب میں مجھے یاد رکھنا۔ چنانچہ کر بلا سے شام تک سفر کی تمام تر کرہنایکی کے باوجود میری پھوپھی اماں نے بشمول نماز تہجد کسی نفل کو ترک نہیں کیا..... اسی طرح جس صبر کا مظاہرہ مخدرہ کو نمین نے کیا ہے عالم میں بے مثال ہے۔ اسی لئے زیارت ناحیہ میں امام زمانہ علیہ السلام نے آپؑ کے صبر و تحمل کو اس جملہ سے خراج تحسین پیش کیا ہے: ’آپ کے صبر کو دیکھ کر ملائکہ عرش بریں انگشت بدنداں رہ گئے۔‘

”حقیقت یہ ہے کہ آپؑ کی منزل شدتِ آلام کو جانچنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ رُوزِ عاشوراء جو مظلوم کر بلا کے مصائب کی انتہا تھی جناب زینبؓ کی مصیبتوں کا پہلا مرحلہ قرار پایا، اس کے بعد کیا کیا قیامتیں ٹوٹیں۔ بھوک، پیاس، زخم ہائے جگر، دشت و بیاباں، بے پردگی، پریشان دگم شدہ اطفال کی جمع آوری و نگہداشت..... بڑوں کے دل کی ڈھارس..... کیا قوت برداشت تھی اس مخدومہ کی، کہ ابتدائے آفرینش سے شامِ ابد تک ڈھونڈے سے مثال نہیں مل سکتی۔ مخقر یہ کہ مخدومہ کا صبر بے مثال، آپؑ کا یقین بے نظیر، کون ہے جو آپؑ کی شخصیت کا اندازہ لگا سکے۔“ (حیاتِ طیبہ حضرت زینبؓ، ص ۱۸، ۱۹)۔

(ب) ”امام وقت کے پاکیزہ افکار کی مقدس حقیقتوں کی معرفت رکھنے والی سیدہ زینبؓ انقلابِ حسینؑ کے تاریخی آثار سے بھی باخبر تھیں اور انہیں امامؑ کے مقدس قیام کا پس منظر و پیش منظر پوری طرح معلوم تھا۔ لہذا رسولِ زادیؑ کسی تامل و سستی کے بغیر اپنے عزم و جذبہ ایثار کا اظہار کرتے ہوئے امامؑ کے بلند مقصد میں شریک ہو گئیں۔“ (زینبؓ، زینبؓ ہے، ترجمہ: علامہ حسن رضا ندیری، ص ۱۷۲)

اپنی آنکھوں سے دیکھا 1۔ ان تمام حالات کی سنجیدگی کی حد یہ ہے کہ ہر سننے والے کے رونگٹے کھڑے کر دیئے کیسے کافی ہے۔ ان سب شہداء کی داستان سے دل لرز جاتا ہے۔ بہت لوگ ان حالات کو سننے کی تاب نہیں لاتے اور ان کے بیان کو سن کر شدت گریہ و غم سے بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ لیکن سیدہ طاہرہ کی عظیم لخت جگر نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ فرمایا۔

شہزادی اپنے نانا کے لائے ہوئے دین کی خاطر متواتر جن تمام حالات سے دوچار ہیں، ان سے متاثر ہیں، اپنی والدہ گرامی کی شدید علالت سے سوگوار ہیں، دیکھ رہی ہیں کہ مقدس ماں ڈرے کھا کر بسترِ علالت پر پڑی ہیں، پدر عالی قدر کو دشمن گردن کے گردی ڈال کر گھسیٹ رہے ہیں۔ باپ کے حقوق کی تاراجی سے پوری طرح واقف، امیر المومنین سے خلافت چھین جانے کی اہمیت کو سمجھ رہی ہیں اور زیادہ عرصہ نہیں گزرتا کہ ماں کی حسرتاں موت کے لئے ماتم کناں دیکھی جاتی ہیں اور مصروف دعا ہوتی ہیں کہ خداوند تعالیٰ میری ماں کو موت سے ہسکار نہ فرماتا۔

حضرت علی علیہ السلام کا سکوت

آخر کار جانی زہراؑ کی غم نصیب والدہ گرامی کا انتقال ہو گیا، یا شاید یہ کہنا حقیقت سے قریب تر ہوگا کہ انہیں مار ڈالا گیا اور اُن کی خورد سال بیٹی کو اشک افشانی کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ اگر سیدہ طاہرہ کو گھر سے دور سپردِ خاک کیا جاتا تو بعید نہ تھا کہ شہزادی اپنے ننھے ننھے پاؤں سے ماں کے جنازے کے پیچھے دوڑی چلی جاتیں، تاہم حالات حاضرہ مجبور کرتے ہیں کہ شہزادی روئیں بھی تو اپنی آواز گریہ کو بلند نہ ہونے دیں۔

پھر اس کے بعد اس عزائے عظیم میں اپنے والدِ بزرگوار کے اندوہ و غم کو دیکھا، کسی حد تک حضرت علی علیہ السلام کے احتجاج کی بھی آپ شاہد ہیں 2۔ لیکن اُن کے ساتھ بچپن برس کے طویل و جاں گداز سکوت کی حصہ دار ہوئیں۔ پھر وہ دن بھی دیکھا جب علی مرتضیٰ سریر آرائے حکومت ہوئے جس کے فوراً بعد عراق میں بصرہ کے حالات جنگ، جن میں امیر معاویہ کے توسط سے خون عثمانؓ کے انتقام کا شوشہ چھوڑا گیا، حضرت عائشہؓ کے جنگِ جمل میں حضرت عثمانؓ کے خون کے انتقام کے بہانے

1۔ ہم ان حالات کی ترجمانی کیلئے صرف ایک شعر پیش کرتے ہیں جو واقعات کی سنگینی کو مکمل طور پر پیش کرتا ہے:

چوں صحابہ حبِ دنیا داشتند

مصطفیٰ را بے کفن گذاشتند

2۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ حضرت علی علیہ السلام مسجد یا محلہ میں لوگوں کا مجمع دیکھتے تو انہیں اس امر کی شہادت کیلئے قسم دیتے کہ کیا وہ غدیرِ خم کے اجتماع میں حاضر تھے اور انہوں نے آپ کی خلافت و وصایت کے بارے میں حکم رسولِ خدا کو اپنے کانوں سے سنا تھا یا نہیں؟

اقدامات، وہی عثمان، جنہیں حضرت عائشہ تھوڑا عرصہ قبل نعلیٰ یہودی کے نام سے پکارتی تھیں، یہ سب کچھ شہزادی کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا پڑا۔ اس کے بعد بیس ماہ کی طویل جنگ صفین، طاہری دوستوں کی عیاریاں، مقدسین کی مجبوریاں، حضرت پر قیام حکمین کیلئے دباؤ، اور اس سب کچھ کے بعد ماہ رمضان کا حادثہ فاجعہ وغیرہ..... 1۔ یہ سب زینب علیا کیلئے مقامات درس تھے، ایسے درس جن کا سمجھنا اور سیکھنا آپ کے لئے بے حد دشوار اور تلخ و لازم ہو گیا تھا، تاہم آپ نے ان اسباق کی نوعیت و اصلیت سے قیمتی تجربات حاصل کئے جو بعد میں اُن مقامات و حالات میں ثانی زہرا کے لئے مؤثر و قیمتی تجربات ثابت ہوئے جو شہزادی کو مستقبل میں پیش آنے والے تھے۔

شہادتِ امیر المومنینؑ کے بعد محافلین علیؑ کی ریشہ دوانیاں

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد بھی دشمنوں نے آپ کے افرادِ خاندان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ پہلی تین 1۔ ”امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ کا معمول تھا کہ ماہ رمضان المبارک کی راتوں میں ایک شب اپنے بیٹے امام حسنؑ کے گھر میں افطار کیا کرتے تھے، ایک شب امام حسینؑ کے گھر میں اور ایک شب سیدہ زینبؑ کے ہاں عبد اللہ ابن جعفر کے ساتھ افطار کیا کرتے تھے۔ ”جس دن صبح کی نماز کے وقت امیر المومنینؑ کو ضرب لگی اُس سے پہلی رات آپ اپنی بیٹی زینبؑ کے گھر میں تھے اور بار بار کمرے سے باہر آ کر آسمان کی طرف رخ کر کے یہ الفاظ کہتے تھے:

’خدا کی قسم! یہ ایک حقیقت ہے اور اس میں کسی قسم کا مبالغہ یا وہم و خیال نہیں کہ یہ رات وہ ہے جس میں وعدہ الہی پورا ہونے والا ہے۔‘

”..... آلِ محمدؑ کے گھر میں قیامت کا منظر تھا، حسنؑ و حسینؑ ایک دوسرے سے پٹ کر رو رہے تھے۔ ماں کی جدائی کے غم سے نڈھال زینبؑ اپنے عظیم و شفیق باپ کی موت کیونکر برداشت کر سکتی تھیں۔ زینبؑ کی دردناک آہیں، چیخیں اور فریادیں کائنات کا دل دہلا رہی تھیں۔ ۱۹ رمضان کی صبح کو لگنے والی ضرب ۳۱ رمضان کو علیؑ کی روح کو تن سے جدا کر گئی، روح ملائے اعلیٰ کی طرف پرواز کر رہی تھی مگر زبانِ علیؑ پر لقاؤں الہی کی خوشی میں یہ الفاظ جاری تھے:

”فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ، فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ، فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ“

زینبؑ، زینبؑ ہے، مترجمہ علامہ حسن رضا غدیری، ص ۹۸، ۱۰۰

گویا ثانی زہرا کے قلبِ حزین پر یہ تیسرا سانحہ گزر رہا تھا کیونکہ ابھی تو وفاتِ رسولِ اکرمؐ اور شہادتِ سیدہ طاہرہؑ کے زخم تازہ تھے۔ ان کی موجودگی میں حضرت علیؑ کے دردناک واقعہ شہادت کا جو اندازِ غم شہزادوں کے ذہن پر واقعہ ہوا، اس کے بیان کیلئے دنیائے الفاظ قطعاً تہی دامن ہے۔

خلافتوں کے زمانہ کی سیاسی شعبہ بازیاں تو آپ کی شہادت کے بعد موجود نہ تھیں لیکن جن باتوں کی بنیاد اُس دور میں رکھی گئی تھی، جو اُمور سیاست اس زمانہ میں چٹنگی کو پہنچ چکے تھے اور جو نچ اسی سیاست کے عہدہ داروں نے بوئے تھے، اب اپنے ثمرات پیدا کر رہے تھے۔

آپ کی شہادت کے بعد رونما ہونے والے تمام واقعات گونا گوں، واقعہ سقیفہ بنی ساعدہ سے پیدا ہونے والے تمام سیاسی بحران، بعد رسول خدا صاحبان اقتدار کے ہاتھوں معزولیاں اور تقررات، جنگ و جدل، حضرت عثمانؓ کے قتل کے دعویداروں کی شورش و ہنگامے، اُن کی موت کا دفاع کرنے والوں کا قیام، یہ سب ایک ہی مرکزی سازش کے آئینہ دار واقعات تھے جو اس حقیقت پر مرکوز ہو رہے تھے کہ جیسے بھی ہو میدان سیاست سے حضرت علیؓ کو خارج کیا جائے۔ اب حضرت علیؓ تو دنیا سے تشریف لے جا چکے تھے لیکن اُن کے فرزند ان رشید موجود تھے جو ان تمام سیاسی شعبہ بازوں اور طالع آزمائوں کی آنکھوں میں کھٹک رہے تھے۔

لہذا سازش اپنے مقام پر دوام کی نشان دہی کر رہی تھی۔ ضروری تھا کہ سازشی اقدامات کو آگے بڑھایا جائے تاکہ خاندان علی مرتضیٰ کیلئے کسی طرح کوئی مفید سیاسی صورت حال باقی نہ رہے۔ امام حسن علیہ السلام کی مختصر خلافت کے اندوہناک واقعات اور پھر امام حسین علیہ السلام سے طلب بیعت کے پس پردہ یہی رموز و اسرار پائے جاتے ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ صلح امام حسن کے بعد حضرت علیؓ علیہ السلام کے خاندان کی کوفہ سے مدینہ کی طرف واپسی پر بھی مخالفین قناعت نہ کر سکے اور وہ نئے سے نئے حالات و حوادث کی ایجاد میں مصروف رہے۔

حالات کی انتہا یہ ہوئی کہ وہ لوگ جو امام حسن علیہ السلام کی بیعت کر چکے تھے، ایک روز آپ کے خیمہ میں گھس آئے، آپ کے سامان کو تباہ و برباد کیا، حملہ کر کے آپ کو زخمی کیا، سات مرتبہ آپ کو زہر دیا گیا (زندگانی امام حسنؓ) حتیٰ کہ ایک دن نیزہ سے آپ کی ران کو زخمی کیا (صلح امام حسنؓ، ج 2) اور مجبور کیا کہ آپ امیر معاویہ سے صلح کریں۔ اس پر بھی بس نہ کیا بلکہ اس کے بعد امام حسن علیہ السلام کو زخم ہائے زبان لگاتے رہے، آپ کو مُذِل المؤمنین کہتے اور سرزنش کرتے کہ آپ نے صلح کیوں کی۔ آخر انجام یہ ہوا کہ آپ کی زوجہ جعدہ بنت اُحعث کے ذریعہ آپ کو زہر دلو کر شہید کر دیا گیا۔

صلح و امن کیلئے سازشیں

دُشمنانِ خاندانِ اہل بیت ایک اور طریقہ سے اس کوشش میں تھے کہ حِیَعانِ علیؓ پر قابو پائیں اور سازش کر کے ان کی

قوت کو اپنے مفاد میں استعمال کر کے خاندان رسالت کو نقصان پہنچائیں۔ لہذا ضروری ہوا کہ اس قسم کی سازشوں کا اہتمام کیا جائے۔ شیطان صفت دشمنوں نے اپنی شیطنت کے طریقے ایجاد کئے۔ اُن کے خیال میں سیدہ زینب سے بہتر اور کوئی ہستی ہو سکتی تھی جو امام حسینؑ کی مقدس بہن تھیں۔ انہوں نے سازش کی کہ اگر جناب زینب اور اُن کے خاندان کے ساتھ رشتہ داری کے سلسلہ کو قائم کیا جائے تو یہ دراصل امام حسینؑ بن علیؑ کے ساتھ رشتہ داری ہوگی اور اس طرح تمام شیعیان علیؑ کے ساتھ صلح کی راہ پیدا ہوگی۔ لہذا امیر معاویہ نے جناب زینبؑ کی صاحبزادی ام کلثومؑ کا اپنے بیٹے یزید کے لئے رشتہ مانگا۔ حضرت عبداللہ ابن جعفر نے سیدہ زینبؑ سے مشورہ کر کے اس امر کو امام حسینؑ علیہ السلام کی طرف موڑ دیا۔ پس امامؑ نے اس بچی کا عقد اس کے چچا زاد قاسم یا محمد کے ساتھ کر دیا۔ اس طرح امام حسینؑ علیہ السلام نے اس شرمناک سازش کا خاتمہ کر دیا، تاہم دشمن کی باقی سازشیں اس سے بہت زیادہ گہری اور سنگین تھیں۔

غرض دشمن کا اگر بس چلتا تو خاندان امیر المؤمنین علیہ السلام کو بے آبرو کرنے کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرتے۔ امام حسن علیہ السلام اور کبھی امام حسین علیہ السلام یا دیگر فرزندان علیؑ کے بارے میں ذلیل خبروں کی اشاعت انہی سازشوں کا نمونہ ہیں۔ چنانچہ سب جانتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام کو عورتوں کا رسیا اور ہوس کے مارے ہوئے فرد کے طور پر مشہور کیا گیا، حد یہ ہے کہ مشہور کیا گیا کہ آپؑ نے اپنی زندگی میں سینکڑوں عورتوں سے شادی کی اور انہیں طلاق بھی دی۔ یہ عجیب و غریب خبریں جاہل شیعوں میں بھی رواج پا گئیں اور وہ کوشش کرنے لگے کہ اس معاملہ کے لئے شرعی جواز تلاش کریں۔ ہذا روایت تراشی گئی کہ چونکہ آپؑ رسول اکرمؐ کے نو نظر تھے، جو انسان جنت کے سردار تھے، پس عورتیں خواہش رکھتی تھیں کہ آپؑ کے جسم مبارک سے مس ہو کر حقدار بہشت ہو جائیں۔ اسی طرح روایت گھڑی گئی کہ حضرت علیؑ نے برسر منبر ارشاد فرمایا کہ میرے بیٹے حسنؑ کو بیٹی نہ دو اس لئے کہ وہ طلاق دینے کے شوقین ہیں۔ ان سازشوں سے نہ صرف زبردستی اقدام صلح کی کوشش کی جاتی تھی بلکہ اُن سے حضرتؑ کو بدنام کرنے کی سازش کی راہیں بھی ہموار ہوتی تھیں۔

ثانی زہر اسلام اللہ علیہا کی قوت برداشت

ثانی زہر اسلام اللہ علیہا ان تمام حالات کے هجوم میں گہری ہوئی تھیں، صرف ان سے دور کا تعلق نہیں رکھتی تھیں، آپؑ اسیرِ حوادث نہ تھیں بلکہ حوادث آپؑ کا پیچھا کر رہے تھے۔ ایسے پیش آنے والے تمام واقعات میں آپؑ سالارِ قافلہ کا کردار ادا کر رہی تھیں اور نہایت دلیری و صبر کے ساتھ اس طرح زندگی بسر کر رہی تھیں کہ ایک عارف کے بقول آپؑ کے صبر کے سامنے خود

صبر احتیاج کر رہا تھا۔

سیدہ نہ نب سلام اللہ علیہا تمام سیاسی امور میں بصیرت رکھتی تھیں، تمام سیاسی لائحہ عمل سے آشنا تھیں اور جانتی تھیں کہ اپنی عزت و وقار کو کس طرح دوام بخشا جاتا ہے جس کی مثالیں ہم ابن زیاد اور یزید کے درباروں میں دیکھیں گے۔ غرض آپ واقعات کی قدر و قیمت سے کما حقہ واقف اور ان کو برداشت کرنے کی پوری قوت رکھتی تھیں۔ مستقبل کے واقعات میں زمینِ عالیہ کی استقامت ان امور کو بدرجہ اتم ثابت کرتی ہے۔

زمینِ عالیہ کے بچپن کے تجربات، آپ کی زمانہ جوانی کی آزمودہ کاری، اپنے والد بزرگوار اور برادرانِ باوقار کی ہمراہی و ہم قدمی نے آپ کو اس قدر جہاں دیدہ و تجربہ کار بنا دیا تھا کہ لباسِ اسیری میں بھی دشمن کے ارکانِ حکومت لرزہ بر اندام تھے اور آپ کے ایامِ اسیری میں حکومتِ وقت ضروری جانتی تھی کہ آپ کے رعب و دبدبہ کو دبانے کے لئے قافلہ اہل بیعت کی شہر بھر میں تشہیر کی جائے۔

ہجومِ حوادث میں ثانی زہرا نے اپنے آپ کو اس قدر خوشگرمصائب بنالیا تھا اور اس کیفیت میں آپ کی یہ حالت تھی گویا دستِ تقدیر آپ کی کمک کے لئے خود موجود تھا۔ مصائب و ابتلاء میں آپ اس قدر سکون و استقلال کی حامل تھیں کہ آپ امام زین العابدین علیہ السلام کی تسلی و دلداری بھی کرتی تھیں۔



۱۔ وفاتِ رسولِ اکرمؐ کے بعد حالاتِ مدینۃ النبیؐ

یثرب جسے بعد میں مدینۃ الرسول یا مختصر مدینہ کا نام دے دیا گیا، پہلی صدی ہجری کی ابتدائی دہائیوں (دس سال) میں عظیم حوادث کا مرکز رہا۔ اس شہر کو دارالہجرت، دارالحکومت، دارالولایت اور دارالاسلام کے ناموں سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے اسی سرزمین پر تشریف لائے اور اہالیانِ یثرب کے مہمان بنے۔ اسی شہر سے آنحضرتؐ کے احکام کی نشر و اشاعت اور حقائقِ اسلام کا تعارف کرایا گیا۔ یہی وہ شہر ہے جہاں مقدماتِ دین کا استقلال، جنگ و صلح کے فیصلہ جات اور زمانہ رسولؐ و خلفائے راشدین میں مختلف عہدوں پر لوگوں کے عزل و نصب کے احکام کا اجراء ہوا کرتا تھا۔

امیر المومنین حضرت علیؑ علیہ السلام شبِ ہجرت بسترِ رسولؐ خدا پر سوئے، صبح کو اماناتِ رسولؐ اکرمؐ واپس کیں، فواطم (چار محترم خواتین جن سب کا نام فاطمہ تھا) کو ساتھ لے کر مدینہ تشریف لائے، اولینِ مہاجرین میں شامل ہو کر اسی شہر کو اپنا مستقل مسکن قرار دیا اور ہمتِ خدمتِ فخر الانبیاءؑ میں مصروف ہو گئے۔ امیر المومنین علیہ السلام اُس زمانہ میں بالکل نوجوان تھے۔ ابھی آپؐ کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ چند ایک معرکہ ہائے جنگ میں نمایاں کارکردگی اور اسلام و مسلمین کو قوت و طاہتِ قدمی بہم پہنچانے کے بعد آپؐ نے دخترِ جنابِ رسولؐ خدا جنابِ سیدہ طاہرہؑ سے شادی کر کے اپنے خاندان کی بنا ڈالی۔

حضرت علیؑ اور اُن کے خاندان کا مقام اور اس کی اہمیت

پیغمبرِ اسلامؐ کی وفات کے وقت جنابِ سیدہ طاہرہ اور حضرت علیؑ کی چار اولادیں موجود تھیں۔ ان میں ہر ایک پیغمبرِ خدا کا نورِ نظر تھا۔ انہیں میں سیدہ زینب سلام اللہ علیہا بھی تھیں جن کا سن چھ برس کا تھا اور جو رسولؐ اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ کے آخری ایام کا بخوبی و مکمل ادراک رکھتی تھیں۔ حضرت علیؑ علیہ السلام نہ صرف مدینہ بلکہ پوری دنیائے اسلام میں اہم مقام رکھتے تھے اور لوگ جانتے تھے کہ: ”صدرِ اسلام کی تمام جنگیں و مہمات حکمِ رسولؐ خدا اور شمشیرِ علیؑ کے سہارے انجام کو پہنچی تھیں۔

”جنگِ احزاب میں علیؑ کی ضربت نے کفر و اسلام میں حدِ فاصل متعین کی تھی اور یہ ضربت ایسی بے حساب عبادتِ قرار پائی تھی، جس کی کوئی مثال طویل تاریخ میں نہیں ملتی (ضَرْبَةُ عَلِيٍّ يَوْمَ الْخَنْدَقِ أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ)۔

”علیؑ برادرِ رومی و وارثِ رسولؐ اکرمؐ قرار پائے“ (أَنْتَ أَخِي وَوَصِيَّ وَوَارِثِي)۔

”حضرت علیؑ کی رسول اکرمؐ سے وہی منزلت قرار پائی جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے حاصل تھی (اَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى)۔

”علیؑ کی شان میں قرآن حکیم کی متعدد آیات نازل ہوئیں، مثلاً آیۃ اطعام (وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا)۔ آیۃ زکوٰۃ (إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَكَعُونَ) وغیرہ۔

ان حالات میں حضرت علیؑ علیہ السلام کا مقام و اہمیت بعد پیغمبر اسلامؐ آپ کی جانشینی رسولؐ اور آپ کی مرکزیت کے ساتھ ساتھ خود آپ کے اپنے قول سے اس طرح واضح ہوتی ہے کہ آپ کی مثال چکی کی مرکزی کھوئی کی مثال ہے جس کے گرد چکی گھومتی ہے، جیسا کہ آپؑ نے فرمایا:

”وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّ مَحَلِّي مِنْهَا مَحَلُّ الْقُطْبِ مِنَ الرَّحَى.....“ (خطبہ شمشیر، منہج البلاغہ)۔

ان حالات میں فطرتاً آپ کے خاندان و اولاد کو آپ کی اس شان و شوکت اور آپ کے انتہائی قرب کی بدولت آپ سے بہت زیادہ بہرہ مند ہونا چاہئے، بلکہ خوش قسمتی سے حقیقتاً ایسا ہی تھا۔ لوگ واقعی آنحضرتؐ کی پیاری بیٹی جناب فاطمہ الزہراؑ سلام اللہ علیہا کو سیدۃ النساء العالمین تسلیم کرتے تھے، امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کو سیدۃ اشبابِ اہل الجنتہ جانتے تھے، اُن کی محبت کو فرض اور انہیں دکھ پہنچانے کو ایسا مانتے تھے گویا خود آنحضرتؐ کو دکھ دیا گیا۔

بنیادی بدخواہان

امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں ایک صورت تو یہ تھی جس کا تذکرہ کیا گیا۔ حضرت کے متعلق ایک اور موقعہ بھی موجود تھا، وہ یہ کہ حضرت کے ہاتھوں لا تعداد اہم ترین افراد، جنہیں شیوخ عرب کہا جاسکتا ہے، قتل ہوئے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ اُن کے پسماندگان کسی نہ کسی طرح مختلف وجوہ کی بنا پر مسلمان ہو کر زمرۃ اسلام میں شامل ہو چکے تھے لیکن جس طرح کی عقیدت بھی انہیں دین اسلام سے حاصل تھی اس کے باوجود اپنے قلوب میں حضرت علیؑ کے خلاف کینہ رکھتے تھے۔ ایسے لوگ کافی تعداد میں موجود تھے جو اپنی جانوں کی حفاظت کی غرض سے مسلمان تو ہو چکے تھے لیکن مخلص نہ تھے، اس بات کے منتظر تھے کہ کسی روز موقعہ ایسا آجائے کہ اسلام کی مخالفت ممکن ہو 1۔

1۔ قاتلانِ امام حسین علیہ السلام میں بہت سے لوگ انہی کی اولاد تھے جنہیں اہل بیت کے خلاف بغض و کینہ وراثت میں ملا تھا۔ (جاری)

اسی لئے سفیف بنی ساعدہ کے موقع پر چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں پھوٹ پڑے اور ان میں خانہ جنگی کی صورت پیدا کی جائے۔ اس کی سب سے بڑی مثال ابوسفیان جیسے شخص کا وجود ہے جو اس واقعہ کی عین گرامر میں حضرت علی علیہ السلام کے پاس آ کر کہتا ہے کہ آئیے، ہاتھ بڑھائیے کہ آپ کی بیعت کروں (الامام علی ابن ابی طالب)۔

ایک اور جماعت بھی موجود تھی جو حضرت کے فضائل سے تواقف تھی لیکن عدل علی کی تحمل نہ تھی۔ یہ جماعت جانتی تھی کہ آپ کی حکومت کے تحت اپنے مقاصد حیات کو حاصل نہ کر پائیں گے، لہذا علی کے علاوہ کوئی حکمران ہو تو بہتر ہے۔ اس جماعت کے اندیشہ جات اور حکومت علی کی بدخواہی ظاہر و واضح ہے۔ ان کے علاوہ ایسے لوگوں کی بھی کمی نہ تھی جو بمصدق ”چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی“ جیسے کردار کے مالک تھے۔ ایسے لوگ حقیقی دوستدارانِ امیر المؤمنین کے ساتھ مل کر اکثریت پیدا کر رہے تھے۔

حقوقِ علی کی بتدریج نظر اندازی

حضرت ابوبکر کے خلیفہ ہو جانے کے بعد بھی کچھ لوگ حقوقِ علی کے بارے میں بیدار تھے کیونکہ حضرت کے ساتھ رسول اکرم کی محبت اور آنحضرت کے طریق کار کو ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ فراموش کر دیتے۔ مشکل یہ آن پڑی کہ حضرت ابوبکر کے بعد بھی خلافت کو حضرت علی سے دُور رکھا گیا اور اس سے بڑی مصیبت یہ ہوئی کہ حضرت عمر کے بعد حضرت عثمان غنی سریرائے سلطنت اسلامی قرار پا گئے۔

ان واقعات میں پچیس سال کا طویل عرصہ گزر گیا۔ وفاتِ رسول اکرم کے وقت جو بچے پانچ سال کے تھے اب تیس برس کے ذمہ دار افراد بن چکے تھے۔ یہ لوگ حکومت و خلافتِ اسلام کی وہی حیثیت جانتے تھے جو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی 1۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) اسی لئے خواجہ معین الدین چشتی ایک رباعی میں کہتے ہیں:

سنگیں دلاں کہ سبطِ نبی را بہ کیں کشند دعوائے دیں کنند و خداوند دیں کشند

قرآن کنند حفظ و طہ کشند بہ تیغ یس کنند حرز و امام میں کشند

(حاشیہ صفحہ 141) 1۔ بالفاظ دیگر وفاتِ رسول اکرم سے لے کر حضرت علی کے خلافت تک پہنچنے میں کم و بیش پچیس برس کا طویل عرصہ گزر گیا۔ اس دوران ایک نئی قوم تیار ہو چکی تھی جو حضرت علی کی اس اہمیت و حیثیت سے قطعاً ناواقف تھی جو مختلف اقوالِ رسول کے ذریعہ حضرت کو حاصل تھی۔ یہ قوم حضرت کی اسلام پر فدا کاریوں سے بالکل ناواقف تھی اور ان کے بزرگ شکارِ نسیان ہو چکے تھے (مترجم)۔

جو لوگ حیاتِ رسولِ اکرم کے دوران جواں سال تھے اب اس قدر ضعیف و شکارِ نسیان ہو چکے تھے کہ موجودہ دور کے طرزِ حکومت سے نہ صرف مانوس ہو چکے تھے بلکہ اس سے انہیں دلی لگاؤ پیدا ہو چکا تھا، حتیٰ کہ یہ لوگ اب اسلام کے صحیح نصب العین اور لائحہ عمل کو کم ہی سمجھ سکتے تھے۔ اُن کی فکری و روحانی کیفیت اب اس مقام پر تھی کہ وہ اب اپنے نزدیک صدر اسلام کے اصول و مناسک کے رواج کو تجدیدِ نظر کے مترادف جان کر اسکی ضرورت کو بالکل نہیں سمجھتے تھے۔ ان حالات و ماحول کے بھنور میں حکومت حضرت علی علیہ السلام تک پہنچی۔ سیدہ زہرا سلام اللہ علیہا بھی اسی ماحول میں زندہ رہنے پر مجبور تھیں اور حالات سے اپنے آپ کو جدا نہ کر سکتی تھیں۔

حالاتِ مابعد

اس طویل مدت کے دوران حضرت علی علیہ السلام کی مخالف جماعت بے کار و بے عمل نہیں رہی تھی۔ یہ لوگ اپنے خیر خواہ پیدا کر رہے تھے، موقعہ کے مطابق اپنے مناسب افراد کو قائم کرتے، مخالفین کو ہٹاتے، موافقین کیلئے انتظامِ استمراری مروج کرتے، لوگوں کو لالچ و رشوت کا خوگر بناتے، یہاں تک کہ حلال و حرام کا بھی خیال نہ کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا: ”زمانہ رسولِ خدا میں دو متعہ حلال تھے، میں انہیں حرام قرار دیتا ہوں۔“ رواجِ بدعات (اذان میں تبدیلی کر دی گئی) بلکہ شخصیات کی کردار کشی تک اور ایسی ہی دوسری چیزوں کے عادی بن چکے تھے۔

حضرت علی علیہ السلام کی اولاد اسی طویل مدت میں پل بڑھ کر جوان ہوئی اور تمام بد بختیاں ان کی دامگیر ہوئیں۔ اسی عالم میں حضرت کو حکومت حاصل ہوئی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ آپ ان حالات سے سمجھوتہ کر لیتے اور یہ سب کچھ اسی طرح برداشت کر لیتے، لیکن لوگ ”وا اسلاما، وا ابو بکر اور وا عمراہ“ کی آوازیں بلند کرنے لگے (کتاب ”عواملِ ضدِ انقلاب در حکومتِ علیؓ“ کی طرف رجوع فرمائیں)۔

اب مدینہ پہلے کی نسبت بالکل مختلف جگہ بن گئی تھی۔ اب وہ پہلے جیسا مدینہ الرسول اور مدینہ علی نہیں رہا تھا۔ اسی لئے اور بعض دیگر عوامل کی بنا پر آپ نے کوفہ کو دار الخلافہ قرار دیا، تاہم آپ کی شہادت کے فوراً بعد آپ کے خاندان کے جملہ افراد مدینہ ہی واپس ہو گئے۔ اب بھی کچھ لوگ ایسے موجود تھے جو دوسروں کی نسبت ان کو محترم جانتے تھے۔ تاہم اولادِ علی کے افراد اپنے اپنے کارہائے زندگی اور عبادتِ الہی میں مصروف رہتے، کسی کے معاملات میں دخل انداز نہ ہوتے۔ ظاہر ہے کہ ان

حالات میں ان کے خلاف شرآ میزی زیادہ نہ ہوئی۔ لیکن حقوق علی و فاطمہ کو زمانہ بتدریج فراموش کرتا جا رہا تھا (جبکہ نسل تو ان کے مقام و احترام سے بالکل ناواقف تھی۔ مترجم) اور ان کا مقام اب لوگوں کے ذہنوں سے بالکل محو ہوتا جا رہا تھا۔ یہی وہ دور تھا جب ثانی زہرا علم و فراست میں اپنی والدہ گرامی کی یادگار سمجھی جاتی تھیں اور خواص مدینہ کے نزدیک ایک خاص مقام و اہمیت اختیار کر چکی تھیں۔

مصیبت عظمیٰ

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے دردناک واقعہ اور امام حسن علیہ السلام کے اقدام صلح کے بعد، جن سے عوام الناس کے دین و احیائے حق کے خلاف ظلم و تشدد اور عدم اعتقاد کا اظہار واضح و آشکار ہو چکا تھا، اہل مدینہ کے لئے ایک اور مصیبت عظمیٰ ظہور پذیر ہوئی جس کا انہیں تصور بھی نہ تھا بلکہ وہ سوچتے تھے کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا، جو یہ تھی کہ اب انہیں یہ دیکھنا پڑا کہ ان کو ایسے لوگوں کی حکومت کے تحت زندگی بسر کرنا ہوگی جو امیر معاویہ کے حکم سے منصوب ہوں گے۔ یہ بات اگرچہ غیر جانب دار لوگوں کے لئے تو اہم نہ تھی تاہم خاصان امت اسلامیہ کے لئے بہت بڑی مصیبت اور سمجھ دار عوام الناس کو لرزہ بر اندام اور مایوس کرنے والی تھی۔ اس کیفیت نے بہت سے غافل لوگوں کو بیدار کر دیا حتیٰ کہ بعض مخالفین خاندان علی بھی اس مرحلہ پر پہنچنے پر مجبور ہو گئے کہ وہ بھی حکومت کے اس اقدام سے اپنے آپ کو گرفتار بلا و مصائب جاننے لگے۔

ان حالات نے خاندان علی پر بالعموم اور امام حسن، امام حسین و سیدہ زینب علیہم السلام پر بالخصوص کیا اثر کیا، شہید اس کا نہ تو کوئی اندازہ کر سکتا ہے اور نہ ہی اس سلسلہ میں کسی طرح بہتر حالات کا گمان کر سکتا ہے۔ ثانی زہرا کا قلب درد مند اس واقعہ فاجعہ سے سب سے زیادہ متاثر ہوا کیونکہ آپ وہ معظمہ ہیں جن کو امام حسن اور امام حسین علیہم السلام جیسے اپنے عظیم بھائیوں کی طرف بے مثال جذبہ محبت، رقت قلب اور احساس درد مندی حاصل تھا۔

اولاد علی کی غریب الوطنی

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد بیس سال کے طویل عرصہ تک امام حسن، امام حسین اور زینب کبریٰ علیہم السلام امیر معاویہ کے مقرر کردہ والیان مدینہ کے مظالم کے تختہ مشق بنے رہے۔ یہ لوگ کسی حد تک اپنی طاقت کے استعمال میں محتاط رویہ رکھتے تھے، تاہم گرد و نواح میں خاندان رسول اکرم کے خلاف زہرا لگتے رہتے تھے جس کے اثرات آہستہ آہستہ مدینہ پر نظر آتے رہتے تھے۔ یہی وہ حالات تھے جو سیاسی طور پر خانوادہ علی مرتضیٰ کے افراد کی گوشہ نشینی کا باعث بنے۔

مدینہ اب اولاد علی کے لئے مقامِ غربت بن چکا تھا، حتیٰ کہ امام حسین علیہ السلام کے زمانہ میں مدینہ ان کیلئے قطعی طور پر اجنبی بن گیا تھا۔ مدینہ آپ کیلئے ہر طرح کے یاور و مددگاروں سے خالی تھا۔ نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ اب شہر مدینہ اولاد علی مرتضیٰ کیلئے جائے امن نہ رہا تھا اور ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی صورت باقی نہ تھی سوائے اس کے کہ امام حسین علیہ السلام رات کی سیاہی میں عالمِ خوف میں مکہ اور مکہ سے کربلا کی طرف روانہ ہو جائیں۔

امیر معاویہ کی موت کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام اپنے وطن اور خود اپنے شہر میں سیاسی طور پر یکہ و تنہا رہ جاتے ہیں۔ اسی زمانہ میں اہل یانِ کوفہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے امام حسین علیہ السلام کو دعوت دی کہ کوفہ تشریف لا کر ایک متوازی حکومت تشکیل دیں، درآنحالیکہ آپ کے اپنے شہر مدینہ کی حالت یہ تھی کہ وہاں مروان جیسا شیطان صفت شخص اپنا اثر پیدا کر چکا تھا جس نے والی مدینہ کو مشورہ دیا کہ اب موقعہ ہے کہ وہ امام حسینؑ سے یزید کی بیعت لے لے یا مخالفت کی صورت میں ان کا سر جسم سے جدا کر دیا جائے (تاریخ عاشورا)۔

اس نے کہا کہ حسینؑ کے سوا کسی کو یزید کی مخالفت کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ لہذا سب لوگ حسبِ معمول زندگی بسر کرتے رہیں اور ان سے کوئی شدید باز پرس نہ کی جائے۔

حالاتِ حاضرہ میں مقامِ ثانی زہراؑ

ثانی زہرہ خاتونِ معظم ہیں جو ان تمام حالات کی نوعیت و اہمیت سے مکمل طور پر آگاہ اور ان کی شاہدِ یعنی ہیں۔ اُن کی کیفیت و حیثیت یہ ہے کہ:

- ☆ فتنہ گری کی تمام حیلہ سازیوں سے واقف ہیں؛
- ☆ اپنے عظیم قدر و الدین کے ساتھ لوگوں کی خیانت، غصبِ خلافت اور غصبِ فدک جیسے حالات سے بخوبی آگاہ ہیں؛
- ☆ سقیفہ بنی ساعدہ کے حالات، ایک جماعت کی خلیفہ سازی، پھر خلافت کے ہاتھوں انتقال اور حکومتِ اسلام کے حالات کی یعنی شاہد ہیں؛
- ☆ مدینہ میں حضرت عثمانؓ کے قتل کے واقعات کی مکمل اطلاع رکھتی ہیں جنہیں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے نعلِ یہودی کا نام دے رکھا ہے؛
- ☆ جمل و صفین کے واقعات کا مکمل ادراک رکھتی ہیں؛

☆ خوارج کے قیام اور ان کی تمام سازشوں سے آگاہ ہیں جن کا نتیجہ ۱۹ ماہ رمضان کو ظاہر ہو چکا تھا؛

☆ امام حسن علیہ السلام سے لوگوں کی بیعت اور پھر لوگوں کی بیان بخشی اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہیں؛

☆ ان سب واقعات پر منج ہونے والی امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اعزاء کی شہادتوں کے مناظر کی گواہی ہیں۔

انتہائیہ ہے کہ لوگ فرزند ان علی مرتضیٰ کی تنہائی و غربت اور خود امام حسین علیہ السلام کو خلاف اسلام قرار دیتے ہیں، گویا کہ دین اسلام کے پیروکاران کی شان و مقام کو پچھانتے تک نہیں۔

ابن خلدون کہتا ہے: ”یزید و حسین علیہ السلام کی جنگ میں صحابہ و تابعین کا امام حسین علیہ السلام کا ساتھ نہ دینا اس لئے نہ تھا کہ وہ یزید کے خلاف جنگ کو غیر شرعی خیال کرتے تھے بلکہ دراصل وہ لوگ خونریزی کو پسند نہیں کرتے تھے“ (مقدمہ ابن خلدون، ص 254)۔

(اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ امام حسین علیہ السلام جو بذات خود واقعہ کربلا میں قیام فرما رہے تھے، اس مسئلہ شرع سے واقف نہ تھے، انہیں خونریزی میں شریک نہ ہونا چاہئے تھا بلکہ انہیں سر تسلیم خم کر کے ایسا عمل کرنا لازم تھا جس سے خونریزی کی صورت ہی پیدا نہ ہوتی) 1۔

۲. حالاتِ کوفہ

عراق میں عرب و عجم کی وسطی سرحد پر کوفہ ایک آباد، بارونق، سرسبز و شاداب شہر تھا جو تجارت و خوشحالی کا مرکز تھا۔ یہ شہر ظہور اسلام کے بعد خلفائے راشدین کے دور حکومت میں ایک نہایت حساس مقام پر آباد ہوا تھا۔ اس شہر کے باشندوں نے آہستہ آہستہ سیاسی رنگ اختیار کرنا شروع کیا، حتیٰ کہ ایک وقت آیا جب یہ شہر مرکزِ حوادثِ سیاسی قرار پایا۔

1۔ ابن خلدون جیسے ماہر تاریخ کا یہ بالکل لنگڑا اور بے معنی استدلال ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جن میں بہت سوں نے زہ نہ رسول و خلفاء اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ کیا یہ اتنی سیاسی بصیرت بھی نہ رکھتے تھے کہ یزید کے کردار کو دیکھتے اور جانتے ہوئے بھی اس غیر جانبداری کو ذریعہ حفاظت اور خونریزی سے تحفظ سمجھ لیتے؟ پھر واقعہ کربلا کے بعد یزید کے حکم سے افواجِ یزید نے مکہ و مدینہ کے مقدس شہروں میں کیا کچھ نہ کیا، کس قدر بے رحمانہ و غیر اسلامی طور پر خونریزی نہ ہوئی، عبد اللہ ابن زبیر کو مسجد الحرام میں قتل کیا گیا، وغیرہ، کیا یہ سب خونریزی نہ تھی؟ اس طرح ان لوگوں کے غیر جانبدار رہنے اور فرزند رسول کی کمک نہ کرنے سے افواجِ یزید نے کہاں تک انہیں اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنانے سے احتراز کیا!

2۔ کوفہ کو عام طور پر شیعانِ علی کا شہر سمجھا جاتا ہے، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں، صرف یہی نہیں بلکہ عراق میں بھی طرفدارانِ علی کی (جاری)

حضرت علی علیہ السلام کے سریر آئے خلافت ہونے کے بعد 36ھ میں طلحہ و زبیر کی شورش کو فرو کرنے کے لئے کوفہ

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

اکثریت خیال کی جاتی تھی۔ لہذا ہم یہاں کوفہ و عراق کے بارے میں تاریخ کے حوالہ سے مختصراً کچھ عرض کریں گے جس سے یہاں کے باشندگان کے عقائد و تلمون مزاج پر روشنی پڑے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ کوفہ ایک فوجی چھاؤنی کے طور پر دوسری خلافت کی ابتداء میں مقام اور آب و ہوا کی موزونیت کے اعتبار سے قائم کیا گیا تھا۔ جو لوگ وہاں آباد تھے انکا مقصد زندگی صرف جنگیں لڑنا اور حصول غنیمت تھا۔ اس سلسلہ میں درج ذیل تفصیلات ملاحظہ فرمائیں:

(I) The city of Kufa was founded in the year 17/638, about three years after 'Umar Ibn-ul-Khattab assumed the Caliphate at Madina. (Baladhuri, Futuhal-Buldan, trans: Philip K. Kitti,

The Origins of the Islamic State, p.434, Bairut, 1966, Tabari, I, p.2485, yaqut, Mu'jam al-Buldan (Tehran, 1965) IV, p.323.

After the Muslim victories at the battles of Al-Qadisiya in 15/636 and that of Jalula in the following year, the Caliph ordered Sa'ad b. Abi Waqqas, the commander of the Muslim Control of Iraq and then making further advances into Persia whenever this might prove advisable subsequently Sa'ad ordered his forces to encamp there and make it their home. This was the beginning of Kufa. The choice of the place for the envisaged city was not a hasty one, but was made after careful consideration and a thorough search of the area lasting almost two years. (ibid).

The description of the founding of Kufa given by the sources leave us in no doubt that at first it was not meant so much to develop a township as to establish a strong, permanent and strategically located garrison for the Arab Armies in the newly conquered distant territory of Iraq. This is clear from Umar's directive when he wrote to Sa'ad: "Choose for the Muslims a place for migration (dar hijra) and a centre (for carrying out)(Manzil jihad)_____ Tabari I, p.2360, Yaqut, Muajam al-Buldan, IV, p.322.....In 'Umar's mind Kufa was meant as a garrison town where different contingents from different places could stay and should be readily available whenever required..... (جاری)

تشریف لائے تو اسی شہر میں قیام فرمایا اور اسے اپنا دار الخلافہ مقرر کیا۔ آپ کی اولاد کے جملہ افراد بھی آہستہ آہستہ یہیں ہجرت کر آئے۔ حضرت زینبؓ بھی اپنے شوہر حضرت عبداللہ بن جعفر کے ہمراہ وہیں تشریف لے آئیں اور حضرت عبداللہ نے امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے دور خلافت میں اسی شہر کو اپنے کاروبار زندگی کے لئے منتخب کر لیا۔

(باقی حاشیہ صفحہ مسابقہ)

At Kufa, the number of those who came to live from far-off places, ranged between 15,000 and 20,000, and were exceedingly heterogeneous in tribal composition. There was a marked absence of large dominating class or groups of class _____ "Origins and Early Development of Shia Islam, by S. Husain M. Jafri, published at Qum, Iran.

(ترجمہ): "شہر کوفہ کی بنیاد 17ھ بمطابق 638ء میں حضرت عمرؓ کے خلیفہ ہونے کے تقریباً تین سال بعد رکھی گئی۔ (بلاذری، فتوح البلدان، ترجمہ: فلف کے۔ ہتی۔ حکومت اسلامی کا آغاز، ص 434، بیروت 1966ء، تاریخ طبری جلد اول، ص 2485، یا قوت، معجم البلدان، مطبوعہ تہران، 1965ء، جلد 4، ص 323)۔

15ھ بمطابق 636ء کے آئندہ سال میں قادیسیہ اور جلولہ کی فتوحات کے بعد خلیفہ نے سعد بن ابی وقاص کو جو عراق میں مسلم افواج کے سپہ سالار تھے، حکم دیا کہ وہ جہاں ہیں وہیں رک جائیں۔ بلاشبک و شبہ اس حکم کا ہدف صرف یہ تھا کہ پہلے عراق پر مسلمانوں کے قبضہ کو مستحکم کیا جائے، اس کے بعد موقع کی مناسبت کے اعتبار سے ایران میں پیش قدمی کی جائے..... نتیجہ کے طور پر سعد بن ابی وقاص نے اپنی افواج کو وہیں رک جانے اور اسی مقام پر قیام کرنے کی ہدایت کی۔ اس طرح کوفہ کا آغاز ہوا۔ نئے شہر کے مقام کے انتخاب میں کسی عجلت سے کام نہ لیا گیا بلکہ بہت سوچ و بچار اور احتیاطی تدابیر کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے تقریباً دو برس تک مناسب مقام تلاش کر کے فیصلہ کیا گیا۔ (حوالہ جات باقی)۔

کوفہ کی بنیاد رکھنے کے سلسلہ میں تاریخی تشریحات کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں چھوڑتے کہ شروع شروع میں اس شہر کی بنیاد رکھنے کا ہرگز یہ مقصد نہ تھا کہ ایک مضبوط، مستقل اور فوجی اعتبار سے عرب افواج کی کوئی پختہ قسم کی چھاؤنی قائم کی جائے جس کی نئے نئے مقبوضہ عراق پر قبضہ قائم رکھنے کی ضرورت ہو..... یہ بات حضرت عمرؓ کے اس حکم نامہ سے واضح ہو جاتی ہے جو انہوں نے سعد بن ابی وقاص کے نام بھیجا تھا اور جس کے الفاظ یہ تھے: "مسلمانوں کے لئے ایک دارالہجرت کا انتخاب کرو، ایک مرکز بطور منزل جہاد قائم کرو جہاں سے افواج متحرک ہو سکیں۔" طبری، جلد اول، ص 2320، یا قوت، معجم البلدان، ج 4، ص 323.....

حضرت عمرؓ کا مطمح نظر کوفہ کی شکل میں ایک چھاؤنی کا قیام تھا جہاں مختلف علاقوں کی مختلف افواج کو رکھا جائے اور (جاری)

کوفہ میں خانوادہ امیر المومنینؑ کی مصروفیات

امیر المومنین علیہ السلام اور آپ کی اولاد کی کوفہ میں موجودگی اہالیان کوفہ کے لئے بہت بڑی نعمت تھی کیونکہ لوگ ان حضرات سے دین و اخلاق کی تعلیم کا شرف پاتے تھے۔ ثانی زہراً کا وجود کوفہ کی خواتین کے لئے اسی اہمیت کا حامل تھا جو اہمیت جناب سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کو مدینہ کی خواتین میں حاصل تھی۔ تمام اسلامی حلقوں میں سیدہ زینبؑ کی موجودگی سبق آموزی اور تبلیغ دین کی خاطر لازمی سمجھی جاتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خانہ زینبؑ کبریٰ خواتین کی پناہ گاہ سمجھا جاتا تھا۔ لا تعداد حاجت مند خواتین اس گھر میں آمد و رفت رکھتی تھیں اور سیدہ طاہرہؑ کی لخت جگر اور ان کے شوہر گرامی حضرت عبداللہ کی داد و دہش و عطا و بخشش سے بہرہ ور ہوتی تھیں۔ لا تعداد غریب و بے نوا خاندان جناب زینبؑ کے سایہ عاطفت و عنایات کے نیچے پناہ حاصل کرتے اور بے انتہاء درمندان زمانہ کی مشکلات بی بی کے در پر حل ہوتی تھیں۔ کوفہ کے یتیموں کیلئے امیر المومنینؑ ایک شفیق باپ اور سیدہ زینبؑ ایک مہربان ماں کی حیثیت رکھتے تھے۔ حضرت علیؑ اور آپ کے خاندان کا پانچ سالہ قیام کوفہ اس شہر کے اہالیان کیلئے ایسی عظیم نعمت کی کیفیات کا حامل تھا کہ تاریخ انسانیت اس کی کوئی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ لیکن افسوس کہ اسی شہر میں (باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) جہاں سے بوقت ضرورت وہ حرکت کرنے کے لئے دستیاب ہوں.....

کوفہ میں دور دراز سے آن کر مقیم ہونے والے لوگوں کی تعداد ۱۵۰۰۰ سے ۲۰۰۰۰ افراد کے لگ بھگ تھی جو قبائلی نقطہ نظر سے انتہائی مختلف العناصر لوگ تھے۔ ان میں قابل قدر قبائل کے اجتماعات کا واضح فقدان تھا۔“

مندرجہ بالا گفتگو سے واضح ہو جاتا ہے کہ کوفہ کسی ایک ایسی قوم یا قبیلہ نے آباد نہیں کیا تھا جن کی کسی روایتی پختگی کردار کا حوالہ دیا جاسکے۔ یہ مختلف النوع عناصر کی سر زمین تھی جس میں سب کے مفادات مختلف تھے، قدر مشترک صرف جنگ اور اس سے حاصل ہونے والے غنائم کا لالچ تھا اور یہ وہ اقدار ہیں جو کبھی کسی قسم کی مستقل کردار سازی کو جگہ نہیں دیتیں۔

اس سلسلہ میں ہم ایک اور حوالہ اور نقطہ نظر پیش کرتے ہیں جس سے کوفیوں کے کردار پر روشنی پڑتی ہے:

(ب) ”درس کتاب جہوں جاری تاریخ چندیں بار مارا بکوفہ میکشانند تا از آنجا باز دید کنیم نا چار باید تاریخ جغرافیائی این شهر را اجمالاً بنمائیم تا حوادث واقعہ آن را بہتر تحلیل و قضاوت کنیم:

قبل از اسلام حیرہ پایہ تخت کشور عراق بود مانند بغداد در قرون اخیرہ و حیرہ تا کوفہ ۳ میل راہ فاصلہ برداشت ولی از لحاظ آب و ہوا بسیار بد بود و مردم در آنجا نا راحت بودند۔ حیرہ در سال ۲۱ ہجری بدست خالد فتح شد و قصر خورنق و سدہ دیر مہم در آنجا بود کہ بدست مسلمین افتاد (تاریخ کوفہ ص ۱۲۹، تاریخ نجف ص ۱۵۵، تاریخ جغرافیائی کوفہ نگارندہ ص ۵۵۸ تا ۵۴۶)۔ (جاری)

مولائے کائنات کو بے پناہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، حتیٰ کہ یہی وہ شہر ہے جہاں ابنِ کجملہ ملعون کے ہاتھوں حضرت کی شہادت واقع ہوئی۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

بنائے کوفہ __ مسلمین پس از فتح عراق محتاج بیک محلی بودند کہ با مدینہ از راہ خشکی ارتباط داشته باشد۔ لہذا پس از مخص و بحث و تامل بعد از ساختن شہر بصرہ محل کوفہ را انتخاب کردند و سعد و قاص آن شہر را بنا کرد و قشون اسلام در عراق در کوفہ متمرکز شدند مخصوصاً پس از فتح ایران گروہ بسیار از ایرانیان در کوفہ سکنان نمودند بطورے کہ در زمان امیر المومنین علی علیہ السلام جمعیت آنجا را تیک ملیون ہم نوشته اند کہ بیش از دوازده ہزار خانوادہ ایرانی در کوفہ مسکن داشتند (تاریخ تمدن جرجی زیدان ج ۲، ص ۱۳۸، چہارہدہ معصوم، ج ۵۴، ص ۶)۔

چون مادر کتب دیگر تاریخ جغرافیائے کوفہ را نوشته ایم اینجا تکرار نمی کنیم۔ کوفہ یک مسجدی دارد کہ قبل از اسلام معبد پھرہ و نصاری بود کہ پیغمبر (ص) می فرماید:

در شب معراج از مسجد الحرام بسوئے اقصیٰ بکوفہ رسیدم۔ این مسجد از معابد قدیم است کہ بیست مرتبہ خراب شدہ و بیست بار آباد گشتہ و بین ہر دو دفعہ خرابی و آبادی پانصد سال فاصلہ بودہ است (کتاب من لایحضر الفقیہ، شیخ صدوق)۔

مینویسند این مسجد را نیز آدم ابو البشر بنا نمودہ است و دارائے مقامائے است کہ در آنجا انبیاء عبادت میکردہ اند۔ مسجد کوفہ در اسلام اہمیت فراوانی گرفت خاصہ در زمان امیر المومنین علیؑ کہ کوفہ پایتخت شد و مسجد کوفہ رونقے داشت و در خلافت آنحضرتؐ مسجد کوفہ بسیار مورد اہمیت قرار گرفت و خانہ امیر المومنینؑ پشت مسجد کوفہ در طرف غربی واقعہ است و دارالامارہ ہم در طرف جنوب غربی بود و از آن عصر کوفہ دارائے جمعیت بسیار شد ولے پس از شہادت امام حسن علیہ السلام کوفہ مشہور و مطون شیعہ قرار گرفتہ کسانی کہ بہ کوفہ میروند فقط برائے درک مقامات مسجد و عبادت در مسجد سہلہ و مساجد دیگر است۔“ (زندگانی امام حسینؑ، ص ۲۳۵-۲۳۶، مؤلفہ حسین عمادزادہ، تہران)۔

یہی مؤلف اہالیان کوفہ کے بارے میں رقمطراز ہے:

”یکے از مباحث روان شناسی این است کہ ہر قوم و ملت را از حوادث واقعہ آنها میتوان شناخت۔ عزیزنہ کوفیین این بود کہ خوش استقبال و بد بدرقہ بودند یعنی بسیار زود و سریع و بے تامل بیعت میکردند و بایک پیش آمد کو چک پنہاں و متوازی و مخفی شدہ نقص عہد می نمود۔ تاریخ اسلام از بنائے کوفہ تا عصر امام حسین علیہ السلام این حقیقت را چنان ثابت کردہ کہ ضرب المثلی مردم جواز شدہ بود (جاری)

کوفہ کے تغیرات

شہادتِ امیر المومنین علیہ السلام کے بعد امام حسن علیہ السلام کے ہاتھ پر لوگوں کی بیعت مستقل ثابت نہ ہوئی۔ لہذا امام حسن علیہ السلام کی چھ ماہ کی حکومت بہت زیادہ سختی و دشواری کا شکار رہی۔ بیعت کرنے والوں نے بزدلی و بے وفائی کا مظاہرہ کیا، یہاں تک کہ لشکرِ امام کے بعض سرداروں نے خفیہ طور پر امیر معاویہ سے عہد و پیمان کر کے آپ کو بے یار و مددگار تنہا چھوڑ دیا۔ انتہایہ ہوئی کہ بعض سالارانِ فوج نے امیر معاویہ کو یہاں تک لکھ بھیجا کہ وہ امام حسن علیہ السلام کو پابہ زنجیر ان کی تحویل میں دینے کو تیار ہیں (صلح امام حسن، ترجمہ: علی خامنہ ای)۔ کئی بار آپ کو خوفزدہ کرنے کی کوشش کی حتیٰ کہ ایک عصا سے جس کے نیچے زہر آلود میخیں لگی ہوئی تھیں، آپ کے پائے مبارک کو زخمی کیا جس سے آپ کو مسموم کیا گیا (منتہی الآمال)۔

(ہاتی حاشیہ صفحہ سابقہ)

در ایس موقعه که پسر مرجانه تسلط یافت و تهدید و ارغاب نمود اکثر مردم کوفه پنهان یا متوازی شده و عہد خود را کان لم یکن پنداشتند۔

مردم کوفه ثبات و پائیداری در هیچ کارند اشتند و در عقیده هم راسخ و پابرجا نبودند مگر خانواده هائی کہ ایرانی یا حجازی بودند و در انتقالِ پایہ تختِ امیر المومنین علی علیہ السلام بکوفه رفته بودند۔۔۔ گروہی از شیعیان بودند کہ در عقیده و ایمان خود آنقدر پافشاری کردند کہ جان خود را روئے عقیدہ خوش نهادند۔ (حوالہ سابقہ، ص ۲۴۴)

ترجمہ: اس کتاب میں میان واقعات چونکہ ہم بار بار کوفہ کے ذکر کو لاتے ہیں اس لئے ہم نے ضروری جانا کہ اس شہر کی جغرافیائی کیفیت کا مختصر جائزہ پیش کریں تاکہ واقعہ کو بلا سے متعلق حادثات کی بہتر طور پر تفصیل و تشریح معرضِ تحریر میں لاسکیں۔

دروود اسلام سے پہلے حیرہ ملک عراق کا پایہ تخت تھا جس طرح بعد کے زمانہ میں بغداد دار السلطنت قرار پایا۔ حیرہ کوفہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھا لیکن آب و ہوا کے اعتبار سے یہ جگہ نہایت خراب اور باشندگان شہر کیلئے نہایت تکلیف کا باعث تھی۔ حیرہ 12ھ میں خالد کے ہاتھوں فتح ہوا اور خورنق و سدیر کے قلعے جو وہاں اہمیت کے حامل تھے، مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

کوفہ کی بنیاد و قیام۔ عراق کی فتح کے بعد مسلمانوں کو ایک ایسے مقام کی ضرورت تھی جہاں سے وہ خشکی کے راستہ مدینہ سے رابطہ قائم رکھ سکیں۔ لہذا کافی بحث و تمحیص اور سوچ بچار سے بعمرہ کا شہر بنا چکنے کے بعد کوفہ کے لئے جگہ کا انتخاب کیا گیا اور سعد بن ابی وقاص نے اس شہر کی بنیاد رکھی جس کے بعد عراق میں موجود اسلامی لشکر کوفہ میں جمع ہوا۔ کوفہ شطِ فرات کے کنارے پر واقع تھا، اس کی آب و ہوا خوشگوار تھی لہذا اتمامِ افواج کا مرکز قرار پایا، بالخصوص ایران کی فتح کے بعد ایرانیوں کی بہت بڑی تعداد نے کوفہ کو اپنا (جاری)

امام حسن علیہ السلام سے صلح کے بعد امیر معاویہ کو مکمل اقتدار حاصل ہو گیا۔ اُس نے خوفزدہ و پریشان لوگوں کے سامنے صلح نامہ کو پھاڑ کر اپنے قدموں کے نیچے رکھ لیا اور کوفہ کی فضا کو لوگوں کے لئے مکمل طور پر پُر خطر و خوفناک بنا دیا۔ آخر کوفہ والے امیر المؤمنین علیہ السلام اور آپ کے خاندان سے بے وفائی کے باعث دشمن کے ظلم و ستم اور مکر و فریب کا نشانہ بنے۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ امیر معاویہ کے عوامل ان کے ہر قسم کے احتجاج کی سرکوبی کرتے اور اس کے خلاف ہر آواز کو بزور دبا دیتے تھے۔

(حاشیہ صفحہ سابقہ) مسکن بنالیا، یہاں تک کہ امیر المؤمنین علی مرتضیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں مؤرخین نے اس شہر کی آبادی دس لاکھ افراد تک تحریر کی ہے، جن میں ایک ہزار سے زائد ایرانی سے لے کر دس ہزار خاندانوں تک یہاں آباد ہو گئے۔

چونکہ ہم کوفہ کی تاریخ کی دیگر کتب میں وہاں کے جغرافیہ کے بارے میں لکھ چکے ہیں، اس لئے ان کا یہاں دہرانا ضروری نہیں جانتے۔

کوفہ میں ایک مسجد ہے جو اسلام سے پہلے یہود و نصاریٰ کی جائے عبادت تھی جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ”شب معراج مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ جاتے ہوئے میں کوفہ پہنچا۔ یہ مسجد قدیم عبادت گاہوں میں سے ہے جو بیس مرتبہ تباہ ہوئی اور پھر آباد ہوتی رہی جبکہ ہر تباہی و آبادی کے درمیان پانچ سو سال کا عرصہ رہا۔“

لکھا گیا ہے کہ اس مسجد کی بنیاد ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام نے رکھی تھی۔ اس میں ایسے مقامات ہیں جہاں انبیائے کرام عبادت کرتے رہے۔ مسجد کوفہ نے اسلام میں بڑی اہمیت حاصل کی۔ بالخصوص امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے زمانہ میں جب کوفہ پایہ تخت بنا تو اس مسجد کی رونق بہت بڑھی اور آپ کے دور حکومت میں مسجد کوفہ نے بہت زیادہ اہمیت حاصل کی۔ امیر المؤمنین علیہ السلام کا خانہ اقدس مسجد کی پشت پر مغرب کی جانب واقع ہے۔ دارالامارہ بھی جنوب مغرب ہی کی طرف بنا۔ اس زمانہ سے کوفہ کی آبادی بہت بڑھی لیکن شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بعد کوفہ شیعوں کے نزدیک ایک منحوس اور قابلِ طعن مقام قرار پانے لگا۔ اس حادثہ کے بعد یہ لوگ صرف مسجد کی زیارت، مقاماتِ مقدس کے ادراک اور مسجدِ سہلہ و دیگر مساجد کی خاطر وہاں جانے لگے.....

کسی مقام کی اہمیت و شہرت کے سلسلہ میں جو ضروری مباحث و وجود پاستے ہیں ان میں ایک ہر قوم و ملت سے متعلق حوادث کا بیان ہوا کرتا ہے جو انہیں وہاں پیش آتے ہیں۔ کوفہ والوں کی فطرت یہ رہی ہے کہ وہ بڑے جوش سے خوش آمدید اور بہت برے خدا حافظ کہنے والے تھے، یعنی یہ لوگ بہت جلد، بڑی غلٹ اور سوچ و بچار کے بغیر ہر کسی کی بیعت کر لیا کرتے تھے لیکن کسی نہایت ہی چھوٹے سے ظاہر یا مخفی معمولی سے واقعہ کے بعد نقصِ عہد کرنے میں دیر نہیں کرتے تھے۔ تاریخ اسلام کو کوفہ کی ابتداء سے امام حسین علیہ السلام کے زمانہ تک اس حقیقت کو ثابت کرتی ہے کہ اہل ایران حجاز کے لئے کوفہ کی یہ فطرت ضرب المثل بن گئی تھی۔

اس واقعہ میں جب پسرِ مرجانہ یعنی ابن زیاد نے کوفہ پر اپنا تسلط جمایا اور اپنا قبضہ و رغبت ظاہر کیا تو کوفہ کے لوگوں کی (جاری)

اس طرح امام حسن علیہ السلام سے صلح کے بیس سال، ۳۱ھ تا ۶۱ھ کا طویل عرصہ، بلکہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت تک کوفہ خاندانِ علی کے خلاف ہر قسم کی زہر افشانی کا مرکز بنا رہا۔ اس شہر پر بدترین دشمنانِ علی کو حکمران بنایا جاتا رہا جن کے خلاف لوگوں کو صدائے احتجاج بلند کرنے کی جرات نہ تھی حتیٰ کہ وہ دن آن پہنچا جب سیدۃ طاہرہ کی عظیم نورِ نظر ثانی زہر آ بحتِ اسیری کوفہ میں دوبارہ وارد ہونے پر مجبور ہوئیں۔ آپ ہی کی وہ عظیم ہستی ہے جس نے اس زہر آلود فضا کو منقلب کرنے کی ہمت کی۔ یہ درست ہے کہ شیعانِ کوفہ نے ایک بار پہلے بھی اس مسموم فضا کے خلاف امام حسین علیہ السلام کو مدعو کیا تھا کہ کوفہ تشریف لائیں اور ان کی رہبری فرمائیں لیکن ہم آئندہ کے حالات میں مشاہدہ کریں گے کہ ان کی یہ دعوت برق کی گھن گرج کی مانند تھی جو یکا یک روشنی بکھیرتی اور اس کے فوراً بعد ہر طرف تاریکی چھا جاتی ہے۔

امیر معاویہ کی موت کے بعد کوفہ کی حالت

امیر معاویہ نے چالیس سال شام پر حکومت کی جس میں بیس برس اس نے تمام مملکتِ اسلامی کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنائے رکھا۔ آخر کار اس نے اس دنیا سے سفرِ آخرت اختیار کیا لیکن مرنے سے قبل اُس نے تمام روایاتِ اسلامی بلکہ سیرتِ شیخین کے بھی خلاف قیصر و کسریٰ کے طریق کار کو اختیار کرتے ہوئے اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد و جانشین مقرر کر دیا۔

امیر معاویہ کی موت سب کیلئے اطمینان کا باعث بنی، بالخصوص اہلِ یانِ کوفہ و مدینہ کے لئے جہاں کے شیعہ خوش و شدہ مان ہوئے اس لئے کہ وہ اسلامی حکومت کی سربراہی کے لئے کسی کو امام حسین علیہ السلام کے برابر نہ جانتے تھے۔ جو لوگ بنی اُمیہ کی (باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

اکثریت نے مخفی طور پر یا ظاہراً بھی اپنے عہد و بیعت کو توڑ ڈالا۔

غرض کوفہ کے لوگ کسی کام میں ثابت قدمی اور استقامت نہ رکھتے تھے۔ یہ لوگ اپنے عقائد میں بھی راسخ و پختہ نہ تھے سوائے ان لوگوں کے جن کے خاندانِ امیر المومنین علیہ السلام کے انتقال دار الخلافہ کے وقت ایران یا حجاز سے یہاں نقل مکانی کر کے آباد ہوئے تھے۔ یہ تھی شیعانِ علی کی وہ جماعت جو اپنے ایمان و عقیدہ میں اس قدر پختگی و استقلال کے حامل تھے کہ اپنے عقیدہ کی خاطر اپنی جانیں تک قربان کر دیتے تھے۔

کوفہ کے اس مختصر جائزہ سے قارئینِ کرام اندازہ لگا سکیں گے کہ کوفہ کی آبادی کے مختلف النوع ہونے کی وجہ سے کسی طرح بھی کوئی انصاف پسند مؤرخ یہاں کے لوگوں کو خالصتاً شیعانِ علی کی جماعت قرار نہیں دے سکتا بلکہ یہ صرف ایک چھوٹی تھی جہاں کی آبادی کے افراد اپنے اپنے مفادات کی پرستش کے علاوہ کسی طرح بھی کسی مستقل عقیدہ کے مالک نہ تھے۔

حکومت کو اپنے لئے مرقعہ جو روستباد جانتے تھے، اُن کے قلوب نے خبر مرگِ امیر معاویہ سے احساسِ راحت و اطمینان حاصل کیا۔ اس طرح کوفہ بالعموم خوشی و شادمانی کا مرکز بنا۔ کوفہ کے اکثر انقلاب انگیز قلوب نے اپنی گردنیں اٹھانا شروع کیں۔ اس قسم کی باتیں سنائی دیئے لگیں کہ کسی صورت میں بھی یزید کو لوگوں پر مسلط ہونے نہیں دیا جائیگا، نیز چاہئے کہ اب حق کو حق دار کی طرف لوٹایا جائے..... وغیرہ وغیرہ۔

لوگوں کی اکثریت خاندانِ علی کے بارے میں احساسِ عقیدت کا اظہار کرنے لگی اور اس خواہش کو ہوا دینے لگی کہ اب حکمرانی فرزندِ انِ علی کے سپرد ہونی چاہئے۔ لہذا متواتر خطوطِ فرزندِ رسولؐ کی طرف بھیجے جانے لگے کہ کوفہ شریف لانے میں جلدی کریں اور اگر آپ تشریف نہ لائے تو آپ اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہ ہونگے۔

کوفہ کی لاتعداد خواتین اپنے آپ کو ثانی زہرا کی شاگرد جانتیں اور اپنے دلوں میں آپ کی زیارت کی خواہش رکھتی تھیں۔ ان خواتین کو یقین تھا کہ اگر امام حسین علیہ السلام کوفہ تشریف لائے تو یقیناً ثانی زہرا آپ کے ہمراہ آئیں گی۔ ان کی یہ آرزو روز بروز قوت پکڑ رہی تھی، حتیٰ کہ امام حسین علیہ السلام کے مدینہ چھوڑنے کی اطلاعات موصول ہونے لگیں۔

کوفہ والوں کی بزدلی اور روایتی بے وفائی

سیدہ زینبؓ اور امام حسین علیہ السلام، دونوں بہن بھائی، ہنوز مکہ ہی میں تھے کہ عراق کے لوگوں کے خطوط کا ایک سیلاب آپ کو موصول ہونے لگا۔ نتیجہ کے طور پر آپ کے سفیر حضرت مسلم بن عقیل کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ کوفہ میں اٹھارہ ہزار، بلکہ اس سے بھی زیادہ لوگوں نے حضرت مسلم کی بیعت کی (مثنیٰ الآمال)۔

چنانچہ انہوں نے امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں بذریعہ خط درخواست کی کہ کوفہ کے لوگ اور وہاں کا ماحول بالکل سازگار ہیں، لہذا آپ تشریف لا کر اُن کی رہنمائی کا اہتمام فرمائیں۔ امام حسین علیہ السلام نے مکہ سے روانگی اختیار فرمائی لیکن اس سلسلہ میں دشمن بھی خاموش و بے خبر نہ تھا۔ یزید نے عبید اللہ ابن زیاد کو امارتِ کوفہ پر مقرر کیا جبکہ اس کا تقرر پہلے ہی سے سوچی سمجھی بات تھی۔

عبید اللہ ابن زیاد بڑی چالاکی سے اہالیانِ کوفہ کو خوفزدہ کرتا ہوا وارِ کوفہ ہوا۔ وہاں کے لوگوں کو مزید خوفزدہ کرنے کی خاطر اُس نے حضرت مسلمؓ کے خلاف اقدام کر کے اُن کو اُن کے میزبان ہانی بن عروہ سمیت ایک ہی دن میں قتل کروا دیا اور لوگوں کو اُس کی اس غیر اسلامی حرکت یا خود اُس کے خلاف زبان کھولنے کی قطعی جرأت نہ ہوئی۔ وہ لوگ جنہوں نے حضرت مسلمؓ

کی بیعت کی تھی، اپنی اس بیعت کے تقدس کو قائم رکھنے کیلئے کسی طرح آگے نہ بڑھے، یہاں تک کہ حضرت ہانیؒ کے قبیلہ والے، جن کے وہ سردار تھے، انہیں قتل سے نہ بچا سکے۔ اس سے کوفہ والوں کی بزدلی اور بے وفائی دونوں کی وضاحت ہو گئی۔

اب ایک بار پھر لوگ مخالفت میں جمع ہونے لگے، دشمنوں کا شور و غوغا دوبارہ بلند ہونے لگا۔ خاندانِ علیؑ کے خلاف چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں، درباری خوشامدی و چاپلوس از سر نو پیدا ہو گئے، منبروں سے امیر المؤمنین علیہ السلام اور آپؑ کے خاندان کے افراد پر دشنام طرازی اور معاویہ و یزید کی مدح سرائی ہونے لگی۔

اس ماحول میں ثانی زہر آ کو وارِ کوفہ ہونا پڑتا ہے لیکن امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد، لباسِ اسیری میں اور اسیرانِ اہل بیتؑ کی قافلہ سالاری کرتے ہوئے۔ لہذا کوئی بعید نہیں کہ اہالیانِ کوفہ نے شہادتِ حسینؑ پر جشن نہ منایا ہو اور آپؑ کی اسیری پر خوشیاں نہ منائی ہوں کیونکہ اس زمانہ میں خوشامدیوں کے لئے بہت رنگین اور سودمند موقع تھا۔

۳. حالاتِ شام

شام کا علاقہ 13ھ میں پہلی خلافت کے دوران خالد بن ولید کی سربراہی میں اسلامی فوج نے فتح کیا (تاریخ اسلام)۔ شام کی امارت کیلئے یزید بن ابوسفیان کو چنا گیا جو بنی امیہ کے سربراہ آوردہ لوگوں میں سے تھا۔ یہ شخص 8ھ میں فتح مکہ کے دوران مسلمان ہوا۔ اس کے کئی ہم قبیلہ ورشتہ دار اور بزرگ اسلام و شرک کے معرکوں میں قتل ہوئے تھے (جنگِ بدر و احد وغیرہ)۔

یزید بن ابوسفیان 18ھ میں طاعون سے مر گیا اور اس کا بھائی معاویہ بن ابی سفیان اس کی جگہ عاملِ شام مقرر ہوا۔ یہ امارت اس کو حکومتِ حضرت عمرؓ میں حاصل ہوئی۔ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد حضرت عثمانؓ کی وساطت سے امیر معاویہ کی شام میں حکومت مستقل ہو گئی، وہ اپنے اسی دوام کو سامنے رکھ کر اپنے کارِ امارت کو سرانجام دینے لگے اور اپنے اقتدار کے استحکام کی خاطر انہوں نے اپنے ہوا خواہوں کی جماعت تشکیل دینا شروع کر دی۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے خلیفہ بننے کے بعد امیر معاویہ کو ان کے مقامِ امارتِ شام سے معزول کر دیا لیکن امیر معاویہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے اور انہوں نے خلیفہ برحق اور اپنے امام کے خلاف خروج کر دیا جس کے نتیجہ میں انہوں نے حضرت سے جنگیں کیں جن میں بے دریغ ہزاروں مسلمانوں کا خون بہا (تاریخ طبری، ج 4)۔

یہ واقعات امیر المؤمنین علیہ السلام کی شہادت، امام حسن مجتبیٰ کی زہر خورانی، اور آخر کار حکومتِ معاویہ کے تاحِ عمرِ استمرار

پر منتج ہوئے۔

شام کا ماحول و محل وقوع

شام عراق کا ہمسایہ ملک ہے جسے آج کل سوریا (Syria) کہتے ہیں۔ اس کا شہر دمشق امیر معاویہ کا دار السلطنت تھا۔ یہ مقام مرکز خلافت سے بہت فاصلہ پر واقع تھا جس کی وجہ سے وہاں کے حالات کی مرکز خلافت تک اطلاع پہنچنے میں عرصہ دراز صرف ہوتا تھا۔ یہ امر بذات خود امیر معاویہ کی حکومت کے استحکام کا باعث بنا۔

خلفائے مابقی، عمداً یاسبوع، امیر معاویہ سے غیر معمولی خوش عقیدگی رکھتے تھے۔ انہوں نے جملہ امور میں امیر معاویہ کو خود مختاری دے رکھی تھی۔ یہ کیفیت بالخصوص حضرت عثمانؓ کی ضعیف و کمزور حکومت کے دوران اس حد تک تجاوز کر گئی کہ شام بالفاظ دیگر ایک طرح سے بالکل خود مختار علاقہ بن گیا، اس ملک کے تمام کام اور مسلمانوں کے جملہ امور امیر معاویہ کے شخص افکار کے مطابق حل ہونے لگے۔ اب وہ ضرورت ہی نہ جانتے تھے کہ کسی معاملہ میں خلیفہ وقت سے مشورہ کریں یا ان کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت محسوس کریں۔

شام کا ماحول بالعموم کوفہ کے ماحول کے مقابلہ میں پرامن و خاموش تھا۔ شام کے لوگ سمجھتے تھے کہ اسلام کی وہی صحیح و واقعی صورت ہے جس کا اجراء قصر الحمراء سے ہوتا تھا جسے امیر معاویہ نے اپنے لئے تعمیر کروایا تھا۔ وہ اس کے خلاف کسی طرح احتجاج یا شکایت نہ کرتے اور نہایت پختگی کے ساتھ سمجھتے تھے کہ ایک اسلامی حکمران کی شان و شوکت وہی ہونا چاہئے جو وہ امیر معاویہ کی حیثیت و صورت میں دیکھ رہے تھے۔

ثانی زہراً جب شام میں وارد ہوئیں، وہ بھی بطور ایک امیرِ ظلم، اُس وقت وہاں بنی امیہ کی حکومت کو چھپالیس برس گزر چکے تھے۔ اس تمام مدت میں وہاں کے باشندے اسلام محمد مصطفیٰ سے بالکل بے خبر اور بے بہرہ محض ہو چکے تھے۔ خاندانِ علیؑ سے بغض اس قدر بڑھ چکا تھا کہ لوگ لعن علیؑ (معاذ اللہ) کو اپنے لئے بالکل جائز جانتے تھے۔ انتہا یہ ہے کہ جب لوگوں نے سنا کہ حضرت علیؑ علیہ السلام کو محرابِ مسجد میں شہید کر دیا گیا ہے تو یہ امر ان کے لئے باعثِ حیرت و استعجاب تھا۔ وہ کہتے تھے کہ علیؑ کا مسجد اور اس کی محراب سے کیا تعلق؟

شامیوں کا نظریہ اسلام

شام کے لوگ اسلام اور مسلمانی افکار کو افکار و اعمالِ امیر معاویہ کے مطابق ہی درست جانتے تھے یا شام کے فاتح خالد بن ولید کو نمونہ اسلام تسلیم کرتے تھے۔ وہاں کوئی ایسا شخص موجود نہ تھا جو ان کے سامنے سیرتِ رسولِ اکرمؐ یا سیرتِ حضرت علیؑ

کے خدوخال بیان کرتا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو امیر معاویہ جیسے لوگ عوام الناس کے حکمران کسی طرح نہیں ہو سکتے تھے۔

عام مسلمان یعنی مہاجر و انصار شام کی طرف دوری راہ اور امیر معاویہ سے فکری اختلاف کے باعث بہت کم سفر کرتے تھے۔ لہذا عوام الناس امیر معاویہ کے متعلق بہت کم واقفیت رکھتے تھے۔ صرف وہی لوگ زیادہ تر ادھر جاتے تھے جو امیر المومنین علیہ السلام سے ترساں و گریزان ہوتے۔ ظاہر ہے ایسے لوگ فطرتاً امیر معاویہ کے حق میں ہی باتیں کرتے تھے نہ کہ حضرت علی علیہ السلام کے حق میں۔

ایک روایت کے مطابق 61ھ میں شام میں صرف ایک سو کے لگ بھگ ایسے آدمیوں کا پتہ چلتا ہے جنہوں نے دور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تھا (اکمل ابن اثیر)۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کی عمر ساٹھ یا ستر سال سے زیادہ ہوگی۔ ایسے لوگ بالعموم اپنی کبرسنی کی وجہ سے گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہے تھے یا ذکر و عبادت میں مصروف فکر و قبت میں موت کے منتظر تھے۔ ان کے لئے ممکن نہ تھا کہ کسی کے کار و افکار میں دخل انداز ہوتے یا عوام الناس کی ہدایت و رہنمائی کی فکر کرتے۔

شام کے اکثر لوگوں کا اعتقاد تو یہ تھا کہ بنی امیہ کے علاوہ پیغمبر اسلام کا کوئی خاندان یا قبیلہ نہ تھا۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ امیر معاویہ کے لئے خال المومنین کے لقب کی تبلیغ کی جاتی تھی۔ یہ بات ان کے عقیدہ کی مزید پختگی کا باعث تھی، بالخصوص درباری مبلغین کو شش کرتے تھے کہ اس طریقہ سے وجود امیر معاویہ کے احترام و تقدس کو عوام الناس کے قلوب میں مزید پختہ کریں۔

شام: شکار بے حسی

شام میں امیر معاویہ کے اقتدار کے زیر اثر، نیز ان کی حکمت عملی و تبلیغات سے خلفائے وقت کی بے خبری، صاحبان اقتدار افراد کی رسول اکرم کے خلاف زہر آلود مباحث کی وجہ سے اس قسم کے غلیظ ماحول سے آلودہ ہونے کے باعث بہت زیادہ بے حسی، احمقانہ طرز عمل اور دینی اعتبار سے دگرگونی کا شکار ہو گیا، یہاں تک کہ دمشق میں برسرِ منبر اہانت علی ہوتی اور لوگ اس اہانت آمیز رویہ کو اللہ تعالیٰ سے باعثِ اجر و جزیل اور قرب پروردگار کا ذریعہ سمجھنے لگے۔ جنگ صفین میں ایک جوان بڑی دلیری کے ساتھ میدانِ قتال میں وارد ہوا اور امیر المومنین علیہ السلام پر سب و شتم کرنے لگا۔ اس سے پوچھا گیا کہ یہ اب تو رب کون ہے جس کو تو مورِ لعن قرار دے رہا ہے؟ وہ بولا کہ وہ (معاذ اللہ) ایک چور ہے، سر راہ لوگوں کی گردنیں مارتا اور ان کے اموال لوٹ لیتا ہے (علی کیست؟)۔

امیر معاویہ نے شام کے بڑے لوگوں کی زندگی کو اس قدر آسودہ و پُر آسائش بنا دیا تھا اور انہیں عیش و عشرت کا اس قدر

دلدادہ بنادیا تھا کہ وہ لوگ اخلاق و خوش عقیدگی سے بالکل عاری ہو گئے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ستر سال کے طویل عرصہ تک برسرِ منبر حضرت علی علیہ السلام پر سب و شتم ہوتا رہا اور اس سب و شتم کے عوض وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب طلب کرتے تھے (امام شاہد و شہید)۔

بنی امیہ کے بارے میں یہ تصور لوگوں کے ذہن نشین کروادیا گیا تھا کہ صرف بنی امیہ ہی رسول اکرم کے قریب ترین عزیز ہیں۔ چنانچہ 132ھ میں جب بنی عباس نے بطور خلفائے برحق پیغمبر اسلام اقتدار سنبھالا تو شام کے لوگ کہتے تھے کہ انہیں معلوم ہی نہ تھا کہ بنی امیہ کے علاوہ بھی کوئی خاندان یا اقرباء آنحضرت رکھتے تھے (تاریخ طبری)۔

اہل شام کے انعقادِ جشن کی وجوہات

ان حالات میں شام کے لوگوں کا اسیرانِ اہل بیت کے شام میں ورود پر جشن منانا کوئی تعجب خیز بات نہیں۔ چھبیس سال تک علی و خاندان علی کے خلاف حکومتی سطح پر تبلیغ ہوتی رہی تھی۔

1۔ ثانی زہرا کی زندگی کا جو تعلق شام سے ہے وہ کسی خاص تعارت کا محتاج نہیں۔ اہل بیت عظام پر بالعموم اور سردارِ قافہ کی حیثیت سے بالخصوص جو مصائب ثانی زہرا پر ملکِ شام میں گزرے، ان کو سوچتے ہوئے کلیجہ مند کو آتا ہے اور لکھتے ہوئے قلم لرزاں ہے۔ شام والے خصوصیت کے ساتھ خاندانِ رسول سے کیوں اس قدر ناواقف تھے اور وہاں ان پر مصائب و آلام کی انتہا کیوں ہوئی، اس کو جاننے کیلئے ہمیں اور اہل تاریخ کا بغور مطالعہ کرنا پڑے گا۔ شام اور وہاں کے رہنے والوں کے کردار کا مطالعہ کئے بغیر اہل بیت رسول کے وہاں کے حالات سمجھ میں نہ آسکیں گے۔ اس سلسلہ میں ہم قارئینِ کرام کی توجہ سید امیر علی مرحوم کی مشہور زمانہ کتاب "Sprit of Islam" کی طرف مبذول کرواتے ہیں۔ فاضل مؤلف بنی امیہ اور ان میں حکومت کرنے والے افراد کا اس طرح تعارف کرواتے ہیں۔ تفصیلات کا آغاز خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کی شہادت، ان کی مقرر کردہ چھ حضرات کی مجلسِ شوریٰ اور حضرت عثمانؓ کے خلیفہ ہونے سے ہوتا ہے:

His (Hazrat Omar's) character, stern and yet just, his practical common sense and knowledge of men, had eminently fitted him to repress and hold in check the ambitious designs of the children of Ommayya. On his death-bed Omar entrusted to six electors the task of nominating a successor to the office. The Caliphate was offered to the son of Abu-Talib but Ommeyyade intrigue had annexed to the proposal a condition which they knew Ali would not accept. He was required to govern, not only in accordance with laws and precedents of the Prophet, but also with those established by his two (جاری)

اس طویل تبلیغ کا اثر یہ تھا کہ لوگوں کے عقائد و احساسات پر اس طرح پردے ڈال دیئے گئے تھے کہ اُن کے عقدِ بالکل مسخ ہو چکے تھے۔

دمشق اہل بیت رسولؐ کی دشمنی کا محور، ان سے عداوت کا مرکز اور بنی ہاشم خصوصاً امیر المومنین علیہ السلام کے خلاف جنگ آمیزی کا بنیادی مقام تھا (تاریخ عاشوراء، ص 228)۔ توہینِ علیؑ سے منع کرنے والے ابوذرؓ جیسے حضرت علیؑ کے دوست بدنام اور بنی امیہ کے خوشامدی اور ان کی چاپلوسی کرنے والے باعزت تھے۔ مؤخر الذکر لوگ برسرِ منبرِ علیؑ و خاندانِ علیؑ کی اہانت اور بنی امیہ اور اُن کے دوستوں کی توصیف بیان کرتے تھے۔

(ہاشمیہ صفحہ سابقہ)

predecessors. With characteristic independence Ali refused to allow his judgement to be so fettered. The Caliphate was then offered, as it was expected by the Ommeyyades, to their kinsman Osman. The accession of this venerable chief to the vicegerency of the Prophet proved in the sequel an unqualified disaster to the commonwealth of Islam. He was a member of that family which had always borne a deep-rooted animosity towards the children of Hashim. They had persecuted the teacher with rancorous hatred, and had driven him from his home. They had struggled hard to crush the faith in its infancy, and had battled against it to the last. Strongly united among themselves, and exercising great influence among all the tribes of Mozar, of which they were the prominent members, the Ommayyades had watched with ill-concealed jealousy the old power and prestige slip away from their hands.

After the fall of Mecca they had accepted the inevitable, but never forgave the house of Hashim or Islam for the ruin which the son of Abdullah had wrought to them. Whilst the Prophet lived, his commanding personality overawed all the traitors.The first two successors of the Prophet had kept their ambition within bounds and repressed their intrigues and treacherous designs. With the election of Osman, they flocked to Madina like vultures scenting the prey. His accession was the signal for that outburst of hatred, that pent-up profligacy on the part of the Ommayyades, which convulsed (جاری)

ثانی زہرا 61ھ میں جب دارِ شام ہوئیں تو دشمنوں میں چہ انماں ہوتے دیکھا۔ آپ نے اپنے معجزاتی کلام و حسن بیان سے پردہ ہائے بے خبری کو چاک کر دیا، حقائق کو آشکار کیا، بنی امیہ کی جھمیں (26) سالہ تبلیغ مخالفت آلِ رسول کو پارہ پارہ کر دیا اور خاندانِ رسولِ اکرم کی عظمت سے لوگوں کو متعارف کروایا۔ آپ نے بنی امیہ کے کرتوت و کردار کی اس قدر وضاحت و تشہیر کی کہ یزید کا جگر خوارہ کی نسل سے ہونا مشہور و معروف و زبان زدِ خلایق بات ہو گئی اور آپ نے لوگوں پر واضح فرمادیا کہ

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

the Islamic World to its innermost core, and destroyed its noblest and most precious lives.

Under Usman there was a complete reversal of the policy and administration of his two predecessors, whose decisions he had engaged to follow... offices of trust and emolument were seized by the Ommayyades. The governorships of the provinces were bestowed on men who had proved themselves most inimical to Islam, and the treasury was emptied in their favour. (p.p. 281-282).

"Astute, unscrupulous, and pitiless", says Osborn, "the first Khalifa of the Ommayas shrank from no crime necessary to secure his position. Murder was his accustomed mode of removing a formidable opponent.To secure the succession of his son Yazid, Muawiyah hesitated not to break the word he had pledged to Husain, the surviving son of Ali."

(ترجمہ): حضرت عمرؓ کا کردار یعنی ان کی سخت گیری اور انصاف، ان کی عامیہ نہ سوجھ بوجھ، عوام الناس سے واقفیت، ایسی صفات تھیں جن سے انہوں نے بنی امیہ کے اندازِ فکر سرداری و حکمرانی کو دبائے رکھا۔ اپنی وفات کے موقع پر حضرت عمرؓ نے چھ اشخاص کی شوریٰ کو اپنے جانشین کے انتخاب کے لئے نامزد کر دیا۔ خلافت علیؓ ابن ابی طالبؓ کو پیش کی گئی لیکن اس پیشکش میں بنی امیہ کی سازش سے ایک ایسی شرط رکھ دی گئی جس کے متعلق وہ جانتے تھے کہ یہ حضرت علیؓ کے لئے کبھی قابلِ قبول نہ ہوگی۔ آپ سے عہد مانگا گیا کہ آپ نہ صرف رسولِ اکرم کے قائم کردہ قوانین اور سنت پر عمل کریں گے بلکہ اپنے سے پہلے دو خلفاء کی سیرت کا بھی اتباع کریں گے۔ اپنی فطری آزادی خیال کے تحت حضرت علیؓ نے اپنے نظریہ عدل کو اس طرح مقید کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد خلافت، بنی امیہ کی توقع کے عین مطابق ان کے قبیلہ کے فرد حضرت عثمانؓ کو پیش کی گئی۔ بنی امیہ کے اس اہم سردار قبیلہ کا بطور خلیفہ رسولِ انتخاب بالآخر دولتِ اسلامیہ کے لئے ہر لحاظ سے ضرر کا باعث ثابت ہوا۔ آپ ایک ایسے قبیلہ کے فرد تھے جس نے ہمیشہ بنی ہاشم کے خلاف نہایت گہرا کینہ اپنے دلوں (جاری)

بنی امیہ کی رگ و پے اور ریشہ ریشہ میں دشمنی اسلام و عداوت رسول اسلام پیوند ہو چکی ہے۔ یہی وہ موقع تھا جب اہل شام کے عمومی کردار میں انقلاب کی صورت اور آثار پیدا ہونے لگے۔ نہ صرف یہ بلکہ علی و خاندانہ علی کی حمایت کے جذبات بیدار ہونے لگے۔ لیکن اتنا وقت گزرنے کے بعد اس کا فائدہ کیا ہو سکتا تھا؟ اب کوئی دوسرا حسین تو دنیا میں موجود نہ تھا نہ ہو سکتا تھا۔ دشمن تو انہیں پہلے ہی ظلم و ستم کا نشانہ بنا کر شہید کر چکا تھا۔ (انصاف پسند دنیا فیصلہ کرے کہ ظلم کی انتہا یہ ہے کہ جنگ کر بلا تو عصرِ عاشور کو ختم ہو چکی تھی، قتل حسین کے بعد بنی امیہ یعنی یزید کا مقصد تو حاصل ہو چکا تھا، اس کے باوجود خیام اہل بیت کی آتش زدگی، رسول زاد یوں کی در بدری، خیام حسین میں لوٹ مار، یہ سب کچھ کس تہذیب و انسانیت کے درجہ میں آئے گا۔ یزید اور اس کی فوج کی دشمنی آل رسول کا جذبہ گویا مردوں کے قتل و پامالی لاش ہائے مقتولین سے بھی سرد نہ ہوا تھا)۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) میں رکھا تھا۔ انہوں نے مصلح اعظم کے خلاف ہمیشہ معاندانہ کینہ رکھتے ہوئے انہیں مصائب سے ہمکنار کیا تھا جو آخر کار آنحضرتؐ کے وطن کو خیر باد کہنے پر منتج ہوا۔ اس قبیلہ نے پوری کوشش کی تھی کہ اس دین کو جنم لیتے ہی کچل ڈالیں اور اس مقصد کے حصول کیلئے یہ لوگ آخری دم تک آنحضرتؐ سے برسرِ پیکار رہے۔ آپس میں سختی سے متحد ہوتے ہوئے اور قبائل 'مضر' کے درمیان، جن کے یہ لوگ نہایت اہم حصہ دار تھے، اہم ترین اثر رکھتے ہوئے بنی امیہ غیر مخفی حسد کے جذبہ کے ساتھ اپنی طاقت و ثروت و اقتدار کو اپنے ہاتھوں سے نکلتے ہوئے بے بسی سے دیکھ رہے تھے۔ فتح مکہ کے بعد انہیں حقائق کو بہر حال تسلیم کرنا پڑا لیکن ایسا کرتے ہوئے انہوں نے کبھی اسلام یا ابن عبد اللہ (جناب رسول خدا) کو اپنی اس تباہی و نامرادی کے لئے معاف نہ کیا جو ان پر واقع ہوئی تھی۔ آنحضرتؐ کی زندگی میں آپ کی عظیم شخصیت کے مقابلہ میں تمام مخالفین خوفزدہ رہے..... رسول اکرم کے پہلے دو خلفاء نے ان کے عزائم کو ان کی حدود میں رکھا اور ان کی تمام سازشوں اور غاصبانہ حکمت عملی کو بھی دبائے رکھا۔ لیکن حضرت عثمانؓ کے برسرِ اقتدار آتے ہی یہ لوگ اس طرح مدینہ پر پورش کر آئے جس طرح گدھ اپنے شکار کی بوسوگھ کر دور دور سے جمع ہو جاتے ہیں۔ ان کا تختِ خلافت پر متمکن ہونا بنی امیہ کی اسلام دشمنی کے آتش فشاں کے پھٹنے کا باعث بن گیا، ان کی بدکرداری نے اسلامی دنیا کے آخری رگ و ریشہ کو بھی نچوڑ کر رکھ دیا، اور اس طرح انہوں نے اسلام کی بہترین اور قیمتی جانوں کو نیست و نابود کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رہنے دی۔

حضرت عثمانؓ کے دور میں ان کے دو پیش رو خلفاء کے طریق کار اور امور انتظامیہ کی مکمل مخالفت نظر آتی ہے جن کی سیرت پر عمل پیرا ہونے کا انہوں نے عہد کیا تھا..... تمام اہل اعتماد و عہدے اور مالی حالات پر بنی امیہ کا قبضہ ہو گیا۔ صوبوں کی حکومت ان لوگوں کے حوالہ کر دی گئی جنہوں نے ہمیشہ اسلام دشمنی کا مظاہرہ کیا تھا، حتیٰ کہ خزانہ کو بھی انہی لوگوں کے لئے خالی کر دیا گیا۔ (ص ۲۸۱، ۲۸۲)

مؤرخ آسبرن (Osborn) کہتا ہے: ”بنی امیہ کا پہلا خلیفہ انتہائی بداندیش اور بے رحم تھا، اپنی قوت و اقتدار کے حصول کی خاطر کسی طرح کے جرائم سے پرہیز نہ کرتا تھا۔ قوی مخالفین کو راستہ سے ہٹانے کیلئے قتل اس کا ایک عمومی ہتھیار تھا..... اپنے (جاری)

۳. افکار عمومی

آئیے اب افکار عمومی اور ان کے اثرات کا جائزہ لیتے ہیں۔

61ھ کا زمانہ ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کو تقریباً پچاس برس گزر چکے ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کو بھی بیس سال کا عرصہ گزر گیا ہے۔ سربراہان اسلام اور صدر اسلام کے مجاہدین اپنی زندگیاں ختم کر کے زیر خاک آرام کناں ہیں۔ حضرات سلمانؓ و ابوذرؓ و مقدادؓ اور دیگر ایسے ہی مقتدر اصحاب رسولؐ کے بارے میں بھی اب کوئی کچھ نہیں جانتا۔ تقریباً نصف صدی سے عوام الناس مختلف وضع حالات کے خوگر ہو چکے ہیں۔ اب وہ وقت ہے جب انہوں نے اصول

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

بیٹے یزید کی تخت نشینی کے حصول کے لئے اس نے حضرت علیؓ کے باقی ماندہ فرزند حسینؑ کے ساتھ کئے گئے معاہدہ کو توڑ ڈالنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی.....“

یہی مورخ اپنی شہرہ آفاق کتاب "A Short History of the Saracens" میں اسی موضوع پر لکھتا ہے:

"Unfortunately, under Osman, there was a complete reversal of the main features of his great predecessor's policy. He not only removed the efficient and capable governors whom Omar had placed in charge of the Provinces, but, in order to gratify the grasping demands of his kinsmen, made a new distribution of the appointments. The state domains, which were public property, were granted by this ill-advised Caliph to his relatives. In this way Myawiyah obtained all the public lands in Syria and in part of Mesopotamia. The Sawad, which was sacredly reserved by Omar for the purposes of the State, was given to another kinsman. The State treasury, which was a public trust under Abu Bakar and Omar, was emptied time after time for these unworthy favourites and the wealth of the provinces went to enrich the Ommayyades, and to help them in preparing for the struggle for power." — p.p. 59-60.

"With the accession of Osman, the old gay and reckless life was resumed by many of the patrician youth, belonging chiefly to the Ommayade family. His own nephew started a gambling club, and the seranading of (جاری)

اسلام کو اور قسم کی زبانوں سے سنا اور اسی کے مطابق ان کی توجیہ کر رہے ہیں۔ علی و خاندان علی کے بارے میں نہایت قبیح و نامبارک تصور پیدا ہو چکا ہے۔ نوبت یہ آن پہنچی ہے کہ لوگ اب اس کوشش میں مصروف ہیں کہ ان احادیث اور اقوال رسول کا ذکر ہی نہ کیا جائے جو علی اور خاندان علی کے لئے وارد ہوئی ہیں تاکہ ایسے تمام اقوال جو ان حضرات کے اوصاف کو بیان کرتے ہیں زینت طاق نسیاں ہو کر ذہنوں سے محو ہو جائیں۔

(باقی حاشیہ صفحہ ساقبہ)

ladies again became the fashion. The frivolity of Mecca was reproduced in a worse form at Damascus under the Ommayyades". __ p.p.66-67

"Upon the abdication of Hasan, Muawiyah became the defacto ruler of Islam. Thus, by one of the strongest freaks of fortune recorded in history, " 'did the persecutors of Mohammad usurp the inheritance of his children, and the champions of idolatry because the supreme heads of his religion and empire'. The seat of government, which Ali had fixed at Kufa, was now removed to Damascus, where Muawiyah surrounded himself with the pomp and pageantry of the Persian and Byzantine monarchs. Like the Borgias and the Medicis in later times, he frequently resorted to poison and the dagger to remove an inconvenient enemy or an impossible friend. Neither claims of kinship nor services to Islam formed any protection". __ p.71.

"The accession of Yazid gave the death-stroke to the republican principle that 'the Commander of the faithful should be elected by the plebiscite of the people, _____ a principle to which the Arabs were so devoted, and which had led them to ignore the right of the Prophet's family to the spiritual and temporal headship of Islam.....'

"Yazid was both cruel and treacherous; his depraved nature knew no pity or justice. His pleasures were as degrading as his companions were low and vicious. He insulted the ministers of religion by dressing up a monkey as a learned divine and carrying the animal mounted on a beautifully caparisoned Syrian donkey wherever he went. Drunken riotousness prevailed at court, and was naturally initiated in the (جاری)

افراد قوم کی دوسلیں گزر چکی ہیں اور اس طویل مدت میں اصولی اسلامی میں امت مسلمہ کے لئے لاتعداد احق نہ غیر اسلامی شعار داخل کئے جا چکے ہیں جن پر عام مسلمان عمل پیرا ہیں۔ اصولی اسلام کے مسخ کرنے والے لوگوں نے اپنے زور بیان سے غاصبان حقوق اہل بیت کے لئے ایسا ماحول پیدا کر دیا ہے کہ وہ اب ان تمام باتوں کی تائید کر رہے ہیں۔ یہ امور بذات خود دشمنان اسلام کے کینہ پن و بے حیائی و بے شرمی کے مظہر بن چکے ہیں۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

streets of the Capital." __ p.83.

(ترجمہ): بد قسمتی یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے تحت ان کے عظیم پیش رو کے طریق کار کو بالکل نہ و بالا کر دیا گیا۔ انہوں نے نہ صرف حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ لائق اور عقلمند عاقلوں کو تمام صوبوں کی حکومتوں سے ہٹا دیا بلکہ اپنے رشتہ داروں کے بڑھتے ہوئے مطالبات کو پورا کرنے کیلئے ایک نیا سلسلہ عوامل اختیار کر لیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت کے عہدہ جات جو عام مسلمانوں کی ملکیت سمجھے جاتے تھے اس غلط مشیر خلیفہ نے اپنے عزیزوں میں تقسیم کر دیئے۔ اس طرح امیر معاویہ کو شام اور میسوپوٹامیہ میں تمام سرکاری علاقہ جات کا قبضہ حاصل ہو گیا۔ لہذا سواؤ جس کو حضرت عمرؓ نے تقدس کے طور پر حکومت کے لئے مخصوص کر رکھا تھا، اپنے ایک اور رشتہ دار کو دے دیا۔ خزانہ عامرہ جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک قومی امانت ہوا کرتا تھا، وہ خلیفہ کے نااہل رشتہ داروں اور منظور نظر افراد میں بار بار خالی ہو جاتا تھا جبکہ صوبوں کی دولت بنی امیہ کو دولت مند بنانے اور ان کے لئے طاقت و قوت کے حصول پر صرف ہوتی تھی۔ (ص ۵۹-۶۰)۔

حضرت عثمانؓ کے تحت نشین ہوتے ہی پرانا طرز زندگی پر از قیض و محفل ہائے انبساط و جوان طبقہ نے دوبارہ شروع کر دیا جو بالعموم بنی امیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ خود خلیفہ کے ایک بھتیجے نے ایک قمار خانہ قائم کیا اور خواتین کی رقص و سرود کی محفلیں عام طور پر رواج پا گئیں۔ مکہ کے دور کفار کی ہرزہ سرائیاں اپنی بدترین صورت میں دمشق میں عہد بنی امیہ میں اختیار کر لی گئیں۔..... ص ۶۶، ۶۷۔

امام حسنؓ کی دستبرداری کے بعد امیر معاویہ مسلمانوں کا مطلق العنان خلیفہ بن گیا۔ اس طرح تاریخ کا یہ المنک و عجیب ترین حادثہ وقوع پذیر ہوا کہ ”وہ لوگ جو رسول اکرمؐ کے لئے بدترین مصائب و آلام کا باعث بنے تھے آنحضرتؐ کی اولاد سے ورثہ رسول کو غصب کرنے میں کامیاب ہو گئے اور بت پرستی کے توانا و طاقتور نمائندگان آنحضرتؐ کے دین کی سرداری پر متمکن ہو گئے“۔ مملکت اسلامیہ کا دار الخلافہ جسے حضرت علیؓ نے کوفہ میں منتقل کر دیا تھا اب دمشق میں منتقل ہو گیا جہاں امیر معاویہ نے ایرانی و بازنطینی حکمرانوں کی پوری شان و شوکت کو اپنے گرد جمع کر لیا۔ انہی غیر اسلامی ارباب اختیار کی طرح امیر معاویہ نے اپنے تنگ کرنے والے دشمنوں یا متفق نہ ہو پانے والے دوستوں کو راستہ سے ہٹانے کیلئے زہرا و رتکو کا استعمال عام کر دیا اور اس مقصد کے حصول کیلئے ان کے دور حکومت میں نہ تو کسی قسم کی رشتہ داری کا کوئی لحاظ تھا اور نہ ہی اسلام کی سابقہ خدمات کسی طرح بچاؤ کی کوئی صورت پیدا کرتی تھیں (ص ۷۱)۔ (جاری)

حیلہ سازی کا ماحول

ثانی زہر آ کے دور زندگی کے ماحول کی خصوصیت صفحات تاریخ سے یہ سامنے آتی ہے کہ وہ ایسا ماحول تھا جس میں ارباب اقتدار حیلہ سازی و سیاسی شعبہ بازی کے ذریعہ عوام الناس کے قلوب و اذہان کو اپنی طرف مائل کرتے تھے۔ اس سیاست نے عقول عوام پر ایسے پردے ڈال رکھے تھے جنہیں اس مخدومہ کے پدر بزرگوار یا برادران ذی وقار ہٹا نہیں سکتے تھے۔ ان پردوں کے ہٹانے کی صورت صرف خون سید الشہداء علیہ السلام اور اسلام کی حیات ثانیہ کے لئے شہزادی کی اپنی جدوجہد ہی ہو سکتی تھی۔ عوام الناس کی ذہنی کیفیت یہ تھی کہ لوگ سمجھتے تھے کہ ایک اسلام کا نمائندہ امیر معاویہ اور دوسرے اسلام کے نمائندہ حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ وہ کسی کو اختیار کر لیں یا دونوں میں کسی کے دامن سے منسلک ہو جائیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لوگوں

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

یزید کی تخت نشینی اس اصول جمہوریت کے لئے کہ امیر المومنین کا انتخاب عوام کے حق خود ارادیت کے ذریعہ ہو چاہئے، پیغام موت واقع ہوئی۔ یہ ایسا اصول تھا عرب جس کے اس قدر شیدائی و پابند تھے کہ اس کے پیش نظر انہوں نے اولاد رسول اکرم کے روحانی و دنیوی حقوق تک کو نظر انداز کر دیا تھا.....

”یزید عالم بھی تھا اور باغی و دغا باز بھی۔ اس کی بد اخلاق فطرت رحم و انصاف سے بالکل عاری تھی۔ اس کے پسندیدہ مشاغل اتنے ذلت آمیز تھے جتنے ذلیل و بد قماش اس کے ہم جلس تھے۔ وہ علماء کے ساتھ اس طرح ہٹک و توہین آمیز سلوک کرتا کہ ایک بندر کو عالم دین کا لباس پہنا کر شام کے خوب سنوارے ہوئے گدھے پر سوار کر کے جہاں بھی جاتا اپنے ہمراہ رکھتا۔ اس کے دربار میں شراب خوار شور و فغا کرتے اور ظاہر ہے کہ اس کے دار الخلافہ کے کوچہ و بازار میں بھی یہی کچھ ہوتا تھا.....“ ص 83۔

متذکرہ بالا مندرجات ملک شام کے حالات کو سمجھنے کیلئے کافی ہوں گے بالخصوص یہ جاننے کیلئے کسی مزید کاوش کی ضرورت نہیں کہ وہاں کس قسم کا اور کون سا اسلام رائج تھا۔ یہ اسلام وہاں کے عوام کو بانیان اسلام سے کس قدر دور لے جا رہا تھا اور کن حالات سے ثانی زہر آ کو گزر کر دنیا بھر کو بھٹکانا تھا کہ رسول اکرم کے لائے ہوئے اسلام اور وہاں کے مروجہ اسلام میں کوئی قدر مشترک تھی یا نہیں۔ اس فرق کو سمجھنے کیلئے تاریخ کے ان اوراق و حالات سے گزرتا ہوگا جن کے تحت شام کی خالد بن ولید کے ہاتھوں وہاں کی حکومت کیلئے آل ابو سفیان کو استمراری حکم نامہ حاصل ہو گیا اور وہاں کے عامل نے مقتدر اصحاب رسول مثلاً حجر بن عدی، ابوذر وغیرہ کے ساتھ کیا سلوک کیا، ان حضرات کا کیا قصور تھا جس کی وجہ سے اول الذکر کو مع اس کے ساتھیوں کے بے دردی کے ساتھ قتل کیا گیا جبکہ مؤخر الذکر خلیفہ وقت کے ہاتھوں امیر معاویہ کی شکایت کے نتیجہ میں مدینہ سے جلا وطن ہو کر ربذہ کے غیر آباد مقام پر اپنی زندگی کے آخری ایام گزارتا (جاری)

کے ذہنوں میں تصور دین کی کیفیت یہ ہو گئی تھی کہ امیر معاویہ نے ہفتہ کے وسط میں لوگوں کو نماز جمعہ کے لئے طلب کر لیا لیکن کسی نے کوئی اعتراض نہ کیا (حکومت امیر المومنین کے خلاف عوامل میں سے ایک عمل یہ بھی ظہور پذیر ہوا)۔

بہت سے ایسے موارد بھی سامنے آتے ہیں جہاں مظلومیت کی نمائش کی گئی۔ اسکی ایک مثال اپنے زمانہ خلافت میں کئی مواقع پر حضرت ابوبکر کا گریہ فرماتا ہے۔ اسی طرح جنگ صفین میں فریاد کے طور پر قرآن کا نیزوں پر بلند کرنا ایسی ہی مظلومیت کا بہانہ بنانا ہے (عمر بن عاص کی یہ تجویز بطور حیلہ و بہانہ اختیار کی گئی تھی)۔ لوگوں کے ذہن سوچ سے اس قدر عاری ہو چکے تھے کہ وہ اس سیاسی شعبہ کی گہرائی کو سوچنے کے اہل ہی نہ رہے تھے کہ اس کو تسلیم نہ کرتے۔

ان سیاسی حیلہ سازیوں کے مقابلہ میں امیر المومنین علیہ السلام اور آپ کے افرادِ خاندان نے گوشہ نشینی ہی کو ترجیح دی جس کے نتیجہ میں ان حضرات کے حقوق پامال ہوئے۔ سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کو ایسے بہانوں کی مدد سے معاشرہ سے ہٹایا گیا، بہانہ یہ ہوا کہ فدک کی آمدنی کو محروم و مستحق لوگوں کے لئے وقف کرنا چاہتے ہیں۔ اس مقصد کے پیش نظر عوام کو دخترِ رسولؐ کے خلاف متحرک کیا گیا جس کے نتیجہ میں فدک اُن کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ اس طرح حق زہراً کو پامال کیا گیا اور اسی قسم کی بہت سی اور کارروائیاں عمل میں لائی گئیں۔

عام زندگی کی پستی وابتدال

حکام کے اختیارات، مکاری و فریب کاری کا منبع تھے۔ عوام الناس سے بے شمار وعدے کئے جاتے لیکن عوام کو کچھ بھی نصیب نہ ہوتا۔ صرف شام و کوئٹہ کے مخصوص عوام کو، وہ بھی جو امیر معاویہ کے خیر خواہ ہوتے، اس قدر دیا جاتا کہ جس سے وہ کاروبار زندگی بہ آرام انجام دے سکتے۔ ایسے لوگوں کو فتنہ و فجو عیاشی کی کھلی اجازت تھی حالانکہ یہ لوگ بھی دوسروں کے مال و دولت کو فتنہ و فجو رہی میں اڑاتے تھے جبکہ نیک و پاک لوگوں کے قلوب ان عیاشیوں کو مشاہدہ کر کے خون کے آنسو بہاتے تھے۔ اس طرزِ عمل کی جہاں مخالفت پائی جاتی اس کی شدت و ظلم کے ساتھ سرکوبی کی جاتی۔ زمانہ کی اصطلاح کے مطابق ایسے

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) پڑے۔ مروان جیسا دشمن اسلام برسرِ اقتدار آ گیا جس کو اللہ کے رسولؐ نے حدودِ مدینہ سے نکال دیا تھا اور جسے اُن خلفاء نے ان حدود سے اور دُور کر دیا جن کی سیرت پر عمل کرنے کا تیسرے خلیفہ نے وعدہ کیا تھا اور جس وعدہ کی بنا پر انہیں خلافت ملی تھی۔

اس کتاب کے قارئین کو ان سب حالات کو سامنے رکھ کر دیکھنا ہوگا کہ سیدہ طاہرہؓ کی نوِ نظر، علیؓ کی لختِ جگر اور سید الشہداءؑ کی عظیم خواہر کو سالارِ قافلہ کی حیثیت اور اسلام کی سر بلندی، اپنے نانا کے دین کی حیاتِ ابدی کی خاطر جن حالات سے گزر رہا تھا، ان کی سنگینی کا

معیار کیا تھا۔ اس سلسلہ میں مزید حالات درجہ بدرجہ سامنے آتے رہیں گے۔ انشاء اللہ

لوگوں کے لئے غیب سے تیر آ جاتے اور کبھی نظر نہ آنے والے جنات کی افواج سے کام لیا جاتا تھا (سعد بن عبادہ کو بیابان میں قتل کیا گیا اور لوگوں سے کہا گیا کہ انہیں جنات نے مار ڈالا ہے)۔ امیر معاویہ ایسے افراد کو تحائف کے بہانہ زہر دلا دیتے (معاویہ کا مشہور جملہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہد میں بھی اپنے سپاہی رکھے ہوئے ہیں) اور اس طرح اپنے دشمنوں سے نجات پالیتے۔

امام حسین اور سیدہ زینب علیہما السلام کے زمانہ کے لوگ ایسے گلوں کی مانند تھے جو تند خو، ظالم گلہ بانوں کے اسیر ہوتے ہیں۔ یہ گلہ بان کبھی کبھی اپنی شان اور قوت کے مظاہرہ کی خاطر اپنے گلوں کو آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ جہاں کہیں لوگ ست اور نرم خو ہوتے، یہ گلوں کو پھیلا دیتے اور جہاں حکام ست اور نرم خو ہوتے تو لوگ خود اس سے فائدہ اٹھاتے۔ عوام اپنے فرائض سے واقف نہ تھے بلکہ ضروریات دین کو اپنی ضرورت کے مطابق ڈھال لیتے۔ لوگوں کا کوئی ہادی و رہبر نہ تھا۔ درحقیقت عوام کے پاس زندگی تھی ہی نہیں بلکہ پستی و ناقدری ان کا حصہ تھیں۔ لوگ خواری و بے بسی، خموشی و بد عہدی کا شکار تھے۔ اکثر حالات میں اپنی جان و ہستی کے خطرہ میں گرفتار، طوفانِ حوادث میں گھرے ہوئے بے روح اجسام کی مانند تھے۔ یہ لوگ اربابِ اقتدار کی سرزنش، تحقیر اور ان کے جائز و ناجائز احکام کی پابندی کے خوگر تھے۔ کوفہ جیسے مقامات کے ماحول کا یہ حال تھا گویا ابھی بخار چڑھا ہوا اور پھر تھوڑی دیر بعد پسینہ میں تر ہو چکے ہوں۔ لوگ یکدم جوش میں آ جاتے اور فوراً ہی پشیمان بھی ہو جاتے۔ ان کا نہ تو کوئی واضح نصب العین تھا اور نہ ان میں استقامت کا کوئی شائبہ پایا جاتا تھا۔

عمومی پستی و فرومایگی

عوام الناس بہت تیزی سے اسلام کی فطری بلند نظری سے دور ہو گئے تھے اور مزید ہوتے جا رہے تھے۔ یہ دوری انہیں بتدریج پستی و ذہنی فرومایگی کی طرف لے جا رہی تھی۔ طولِ تاریخ میں ہم اس پستی کا دشمنانِ خاندانِ امیر المؤمنین علیہ السلام میں زیادہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ اس دور کو نامردی، نجاست اور فریب کا دور کہا جاسکتا ہے۔ آزادی و انسانیت فنا و نابود، حریت فکر مفقود اور ان تمام اقدار کی فضیلت و ضرورت پر تاریک سائے پھیلنے چلے جا رہے تھے۔

دشمن علی الاعلان ظاہر ہو کر کینہ و بغض کے زیر اثر احساس برتری و غلبہ کی خاطر ہر قسم کے جرائم کا ارتکاب بے دریغ کرتے تھے بلکہ بدترین و پست ترین جرائم و عصیان کی پشت پناہی کی جاتی تھی۔ ایک مٹھی گندم یا جو کے بدلہ اور سربراہ کمزور لوگوں پر حکمرانی کی خاطر مہمان کشی، ترک بیعت جیسے اور دیگر ایسے ہی امور کے مرتکب ہوتے کہ عرب کی تاریخ میں جن کی کوئی مثال نہیں پائی جاتی تھی۔

لوگوں کی پستی و کمینہ فطرت اس حد کو پہنچ چکی تھی کہ روزِ عاشور کچھ لوگ خوشامد کے طور پر خود اپنی رضا و رغبت سے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور شہداء کے اجساد کو پامال و ستم کیا تا کہ اُن پر مہمان نشی کی تہمت و خفت قائم نہ ہونے پائے۔ عرب مہمان نشی کو ننگِ عظیم جانتے تھے لیکن اُن لوگوں نے اپنے اس رواج و طریق کی کوئی پرواہ نہ کی، مہمانوں کو قتل کیا لیکن بلا وجہ و بے تصور اور یہ سب اس طرح سرانجام دیا گویا وہ نسلِ علیؑ کو ختم کرنے کا مصمم ارادہ کر کے آئے تھے۔ ہم تو ظلم کی کیفیت کی یہ انتہا دیکھتے ہیں کہ انہوں نے طفل شیر خوار تک کو رحم کے قابل نہ جانا۔

حکامِ پست و کمینہ خو

دنیا اسلام کا کاروبار اب پستی کی اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ پست ہمت اور کمینہ نسل کے حکام لوگوں کے امیر بن گئے تھے۔ یہ لوگ اپنے دلوں میں علیؑ و فرزندانِ علیؑ کے خلاف بدترین کینہ و بغض کو پال رہے تھے۔ انہوں نے قلبِ سیدہ فاطمہؑ کو خون کے آنسو رلایا، نہ چاہا کہ ٹھنڈے پانی کے چند قطرے گلوئے علیؑ اصغرؑ تک پہنچ پائیں اور پھر اولادِ رسولِ اکرمؐ کیلئے ہر قسم کی اقدارِ انسانی کو بالائے طاق رکھ دیا گیا۔

قارئینِ کرام! ذرا اس واقعہ پر غور کریں کہ ابنِ زیاد ملعون سیدہ زینبؑ جیسی مصیبت زدہ و ستم کشیدہ خاتون کو نشانہِ ظلم بناتا ہے، انہیں طعن و سرزنش کرتا اور اُن کے برادران و عزیزان کے قتل کو اپنے لئے تسکینِ قلب قرار دیتا ہے (زندگانیِ امام حسینؑ ص: 712)۔ امام حسینؑ علیہ السلام کی صاحبزادیوں کے سامنے چھڑی سے سرِ امام کے ساتھ بے ادبی کرتا ہے اور شہادتِ حسینؑ مظلوم کو اپنی فتح قرار دیتا ہے۔

اس کمینہ پن کا دوسرا مظاہرہ ہم دربارِ یزید میں دیکھتے ہیں۔ سرِ جنابِ سید الشہداء علیہ السلام منگوا یا جاتا ہے۔ کتنے ظلم ہے کہ لب و دندانِ مبارک پر چوبِ زنی کی جاتی ہے اور وہ بھی سیدہ زینبؑ اور حسینؑ مظلوم کی روتی ہوئی بینویں کی آنکھوں کے سامنے، جبکہ سید الشہداء علیہ السلام کی نہایت خورد سال بیٹی بے بسی کے عالم میں ثانیِ زہراؑ کی طرف دیکھتی اور با چشمِ گریاں پوچھتی ہے کہ پھوپھی جان آخر یزید یہ ظلم کیوں کر رہا ہے؟

اس ماحول میں پیامِ حسینؑ کا اعلان

یہ حالات دعوتِ فکر مہیا کرتے ہیں کہ ایسے ماحول میں امام حسینؑ احتجاج و مبارزہ کے لئے قیام فرماتے ہیں اور شہادت قبول کرتے ہیں۔ پھر یہی ماحول مقتضی ہے کہ سیدہ زینبؑ حسینؑ مظلوم کو خون و شہادت کا پیغام لوگوں کے کانوں تک پہنچائیں۔

نبی زہراؑ کی عظمت اسی کارکردگی و پیغام رسانی سے روشن ہے اور خدا گواہ ہے کہ یہ کام کس قدر دشوار و کٹھن و صبر آزمائے تھا۔ کیا اولاد علیؑ کا یہ انجام، جو بانیان و مالکانِ اسلام تھے، لازم و ضروری تھا؟ اگر ثانی زہراؑ یہ اقدام نہ کرتیں تو ہم آج کیسے اسلام سے متعارف ہوتے؟ کیا یہ سب بے ادبیاں اور گستاخیاں مستقل نہ ہو جاتیں؟ پھر اس صورت میں فرائضِ اسلام کی کیا صورت باقی رہ جاتی؟ (بنی اُمیہ کی حکومت کے آغاز، ان کی دشمنیِ اسلام و بانیِ اسلام، دشمنیِ اہل بیتِ رسولؐ کیلئے کتب ”زندگانی امام حسین علیہ السلام“ مؤلفہ عمادزادہ ملاحظہ فرمائیں)۔



۱۔ ثانی زہرا کا مقام علم و فراست

ثانی زہرا عالمہ و فاضلہ ہیں۔ آپ نے خانہ علم میں آنکھ کھولی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آغوش مبارک میں پرورش پائی جو خود شہر علم ہیں، امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام جیسے عظیم باپ کی سرپرستی سے بہرہ مند ہوئیں جو باب العلم ہیں۔ (اَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا: حدیث)

جناب سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا جیسی والدہ گرامی کی گود میں سن رشد کو پہنچیں جو فاضلہ زمانہ و معصومہ ہیں، اُن کے بعد امام حسن و امام حسین علیہما السلام جیسے بھائیوں کے ساتھ رہیں جو دونوں امامان معصوم اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے علم و وحی رکھنے والے ہیں۔ ان سب بزرگ ہستیوں کے بعد آپ اپنے بھتیجے سید الساجدین علی بن الحسین علیہ السلام کے ساتھ زندگی کا باقی حصہ بسر کرتی ہیں جو خود امام معصوم ہیں۔

ان حالات و اساس کے باعث آپ علم کے بلند مقام کی حامل ہیں 1۔

1۔ سیدہ زینب کی پاکیزہ و مقدس زندگی کے علمی پہلو صفحات تاریخ پر نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ مختصر عرض ہے کہ: (۱)۔ منصف نسواں کی علمی و عملی تربیت کیلئے آپ نے ایک پاکیزہ محفل درس قائم کی جس میں آپ خواتین کو قرآنی حقائق سے آگاہ کرتی اور دین مقدس اسلام کی بنیادی تعلیمات سے روشناس کرواتی تھیں (زینب الکبریٰ، ص ۳۵)۔

(ب) علامہ طبرسی نے لکھا ہے کہ سیدہ زینب نے اپنی والدہ گرامی حضرت فاطمہ زہرا کی زبان مبارک سے سنے ہوئے علمی جواہر پارے بھی کثیر تعداد میں لوگوں تک پہنچائے۔

(ج) شیخ صدوق نے لکھا ہے کہ حضرت زینب امام وقت کی نیابت میں لوگوں کی رہنمائی و ہدایت کا فریضہ سرانجام دیتی رہیں اور امام زین العابدین علیہ السلام کی شفا یابی تک شیعان اہل بیت اپنے تمام دینی مسائل اور حلال و حرام کے احکام میں سیدہ زینب کی طرف ہی رجوع کیا کرتے تھے۔

(د) حضرت زینب کی شان میں امام زین العابدین نے فرمایا کہ آپ علم و دانش میں وہ مقام رکھتی تھیں کہ انہیں دنیا کے ارباب دانش کے سامنے زانوئے تلمذ خم کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی اور فہم و ادراک کی اُس منزل پر فائز تھیں کہ انہیں کسب فیض کیلئے کسی صاحب فکر و نظر کی دہلیز پر جھکنے کی احتیاج نہ تھی۔ (زینب، زینب ہے، ص ۱۳)

آپ کو پاک ماحول و آغوش عصمت حاصل ہوئی اور آپ کا مرتبہ آپ کے معصوم بھائیوں کی ولایت کے قریب جا پہنچتا ہے۔ 1۔ ثانی زہرا ہمیشہ دانش و فضیلت کے جواہر کی جمع آوری میں سرگرم عمل رہتی تھیں۔ اس سلسلہ میں آپ نے اپنے لئے بے شمار کمالات عم و فضل جمع کئے اور آپ کی کیفیت علم یہاں تک پہنچی کہ بہت سے دانشور جن میں ایک ابن حجر بھی ہیں، یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ آپ ناقل روایات و احادیث ہیں (الاصابہ)۔

سیدہ زینب نہایت خردمند اور صاحبِ درایت و خردمندی تھیں۔ سیوطی کہتے ہیں:

”وَكَانَتْ لَبِيبَةً وَعَاقِلَةً لَهَا قُوَّةٌ جَنَانٍ“۔ (رسالہ زینبیہ)۔

یعنی آپ خردمند و تیز بین و خرد، قوتِ ادراک و استنباط میں قوی تھیں۔ یہ باتیں جناب کی شان میں صرف کتبِ شیعہ ہی میں نہیں بلکہ اہل سنت حضرات کے یہاں بھی بہت پائی جاتی ہیں۔

نقل روایات و احادیث از سیدہ زینب

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا خود روایات و احادیث کی ناقل ہیں۔ علامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ انہوں نے بہت سی علمی روایات اپنی مادرِ گرامی سے نقل کی ہیں جو حصہ تاریخ ہیں (اعلام الوری)۔

ابو الفراج اصفہانی لکھتے ہیں:

”هِيَ اللَّيْثَى رَوَى ابْنُ عَبَّاسٍ عَنْهَا كَلَامَ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ فِي فَذَكَ فَقَالَ حَدَّثْتَنِي عَقِيلَةُ زَيْنَبِ بِنْتِ عَلِيٍّ“۔ (مقاتل الطالبین)۔

یعنی آپ ہی سے ابن عباسؓ نے فدک کے بارے میں حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا قول روایت کیا اور کہا کہ عقیلہ زینب نے مجھ سے بیان کیا۔

ان روایات میں بہت سی احادیث مذکور ہیں، مثلاً حدیثِ اُمّ ایمنؓ، (فاطمہ زہراؓ ص 529) فدک میں حقِ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کا نہ دیا جانا (ریاضین الشریعہ، ج 3 ص 37) محمد بن علی طوسی کے رقم کردہ سیدہ طاہرہ کے لئے غذائے بہشت کے نزول کی روایت (ثاقب الناقب)، آپ کے پدر بزرگوار کی تدفین کا واقعہ، نمازِ شب میں پڑھی جانے والی جناب

1۔ شاربِ غدیری نے خوب کہا ہے:

شعورِ عشقِ الہی کی آبتار ہے تو	حریمِ فکرِ محمدؐ کی پاسدار ہے تو
تو اپنے باپ کی زینت، اے زینبِ کبریٰ	نبوت اور امامت کا شاہکار ہے تو

سیدہ عالم کی دعا وغیرہ۔

علاوہ ازیں سیدہ زہراؓ سلام اللہ علیہا نے بہت زیادہ روایات رسول اکرمؐ، اپنی مادر گرامی، اپنے بھائیوں، حضرت ام سلمہؓ اور اپنی پھوپھی ام ہانیؓ سے نقل کی ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس بہت سے بزرگوں نے ان سے آگے اقوال نقل کئے ہیں جن میں امام زین العابدین علیہ السلام، عبداللہ ابن جعفر، فاطمہ بنت الحسین شامل ہیں۔ علاوہ ازیں لا تعداد روایات ایسے واقعات کی موجود ہیں جن کی توثیق و اصابت ثانی زہراؓ سے ہوتی ہے، مثلاً امیر المومنین علیہ السلام کی وصیت اور تدفین کے بارے میں آپ کی ہدایات، امیر المومنین علیہ السلام سے سیدہ طاہرہؓ کی اپنے دفن کے بارے میں وصیت، نیز یہ کہ جب سیدہ طاہرہؓ دنیا سے تشریف لے جا رہی تھیں تو ان کی اپنے غسل و حنوط کے متعلق ہدایات، نیز تمام وہ روایات جو سیدہ زینبؓ نے اپنی وادہ گرامی کے حوالہ سے بیان فرمائی ہیں، ان سب سے تمام مؤرخین نے اتفاق کیا ہے (المجدی، ص 18)۔

منبع علم ثانی زہراؓ

حصول علم کے سلسلہ میں ثانی زہراؓ کا دامن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امامان معصوم علیہم السلام کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ لہذا ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ مقام نزول وحی خدائے لایزال کے ساتھ متصل ہیں۔ پس اس صورت میں کوئی تعجب کی بات نہ ہوگی اگر ہم کہیں کہ آپ کا تمام علم و فضل، تمام علمی مشکلات پر ہر طرح حادی ہے (فاطمہ زہراؓ، ص 644)۔

فاضل در بندی مرحوم ثانی زہراؓ کے بارے میں اس طرح رقم طراز ہیں:

”سیدہ زینبؓ علم رویا کی حامل تھیں اور زندگی کی آزمائشوں سے خبردار تھیں۔ اس سلسلہ میں آپ کی کیفیت میثمؓ تمار اور رشید ہجری جیسے اصحاب امیر المومنین علیہ السلام کی مانند تھی (تاریخ عاشورا)۔

علوم و معارف کے بارے میں آپ کے متعلق یہ کہنا کسی طرح حقیقت سے کمتر نہ ہوگا کہ یہ دریائے علم سمندر علم سے ملحق اور متصل تھا کیونکہ آپ کا میدان علم چشمہ خدائے لایزال سے سیراب ہو رہا تھا۔

آپ نے مباحث میں وہ باتیں ارشاد فرمائی ہیں جن سے علوم زمانہ کے مباحث تکمیل کو پہنچتے ہیں۔ علوم معاشرہ میں آپ کے اقوال حرف آخر کا درجہ رکھتے ہیں۔ آپ کے عصرِ روزِ عاشورہ یا گیارہ محرم کی صبح کے قتل گاہ امام حسین علیہ السلام و اصحاب حسینؓ میں فرمودہ اقوال وہ باتیں ہیں جو اس علم میں آج تک سند تسلیم کئے جاتے ہیں۔ آپ نے امام حسینؓ کی لاش مبارک پر اس قسم کے الفاظ بیان فرمائے:

”صَلَّى عَلَيْكَ مَلَائِكَةُ السَّمَاءِ، يَا بَنِي مَنْ..... فُسْطَاطُهُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ لَهَا“.

”میری جان تجھ پر قربان! اے وہ کہ جس کی خیمہ گاہ کو روزِ دو شنبہ تاراج کیا گیا۔“

اس بات میں ثانی زہرا کا اشارہ سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف ہے جب حقیقی خلیفہ رسولؐ کے طور پر حق علیؑ کو روک لیا گیا جس کا اثر پچاس برس بعد شہادتِ حسینؑ اور اولادِ رسولؐ کی اسیری کی صورت میں اپنے انجام کو پہنچا۔

سید الساجدین علیہ السلام کی تائید

سید الساجدین علیہ السلام سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے بھی امام ہیں۔ امام نے ثانی زہرا کے مقامِ عیسیٰ کی تائید فرمائی ہے۔ آپؑ نے سن رکھا تھا کہ اہل بیت کی اسیری کے سلسلہ میں سیدہ زینبؑ جب اپنے ہمراہی دیگر اسیروں کے ساتھ واردِ کوفہ ہوئیں تو آپؑ نے کوفیوں سے ملامت خیز باتیں کیں، اپنی تقریر میں انہیں اپنے مصائب و آلام کا ذمہ دار قرار دیا۔ ابھی آپؑ کی تقریر جاری تھی کہ سید الساجدین علیہ السلام نے آپؑ کے خطاب کو قطع کرتے ہوئے فرمایا:

”أَنْتِ بِحَمْدِ اللَّهِ عَالِمَةٌ بِلَا مُعَلِّمَةٍ، فَهَمَّةٌ غَيْرُ مُفَهِّمَةٍ“.

یعنی ”چھو بھی اماں! بس کریں۔ الحمد للہ! آپؑ وہ دانش مند ہستی ہیں جس کو تکلیفِ مدرسہ و معلم کی ضرورت نہیں پڑی، آپؑ وہ فہمیدہ ہستی ہیں کہ کسی نے فہم و درایت کے ایسے اسباق حاصل نہیں کئے“ (مقتلِ الحسینؑ)۔

سید الساجدین علیہ السلام کے اس کلام سے ہی واضح ہو رہا ہے کہ ثانی زہرا کے کلمات الہامی زبان رکھتے ہیں اور آپؑ کا علمِ لدنی سے مربوط ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اگر سیدہ زینب سلام اللہ علیہا علوم و معارف پر اس قدر مضبوط دسترس کی مالک نہ ہوتیں تو ہرگز ممکن نہ تھا کہ آئمہ معصومین علیہم السلام اپنے مہجوروں میں انہیں شامل کرتے، نہ ہی یہ ممکن تھا کہ آپؑ ہدفِ زندگی کے حصول کی راہ میں اس قدر عقلمندی و دور بینی سے پیش رفت کر کے اپنی عظمت کا اظہار فرمائیں۔

سیدہ زینبؑ کا مدرسہ تدریسِ خواتین

ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ ثانی زہراؑ ان ہستیوں میں سے ہیں جو تدریس و تفسیرِ قرآنِ کریم کی اہل تھیں۔ روایات و اسنادِ تاریخ اس امر کی نشاندہی کرتی ہیں کہ قیامِ کوفہ کے دوران تفسیرِ قرآنِ حکیم کی خاطر شہزادی نے خواتین کے لئے ایک درس قائم کر رکھا تھا۔ ایک روز حضرت امیر المومنین علیہ السلام تشریف لے آئے اور دیکھا کہ آپؑ کی صاحبزادی تفسیرِ قرآن میں

مصروف ہیں۔ یہ مولائے کائنات کی خلافت کا زمانہ تھا (خصائص زینبیہ، جزاری، ص 27)۔

کوفہ کی خواتین نے اپنے شوہروں کے ذریعہ حضرت سے درخواست کی تھی کہ وہ چاہتی ہیں کہ سیدہ زینب سے علم حاصل کریں (ریاض الشریعہ، ج 3، ص 57)۔

امیر المومنین علیہ السلام نے شہزادی سے پوچھا کہ سنا ہے کہ تم تفسیر قرآن مجید کرتی ہو۔ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ حضرت نے کھتے سے متعلق کچھ نکات بیان فرمائے اور فرمایا کہ اس میں خاندانِ رسول اکرم پر مستقبل میں آنے والے مصائب کی طرف اشارہ اور اس سے متعلق رموز شامل ہیں۔ آپ نے ان مصائب کی تشریح کی اور گریہ فرمایا (خصائص زینبیہ، جزاری، ص 27)۔

امیر المومنین علیہ السلام اپنی بیان کردہ تفسیر و تفصیل سے دیکھنا چاہتے تھے کہ آپ کی نظر ان مصائب و آلام کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں یا نہیں۔ جناب ثانی زہرا نے آپ سے عرض کیا کہ وہ ان تمام واقعات کی پہلے ہی اطلاع رکھتی ہیں کیونکہ ان کی مادرِ گرامی نے پہلے ہی انہیں ان واقعات کی خبر دے رکھی ہے۔ چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام کا قلب مبارک صاحبزادی کے لئے مضطرب ہوا اور حضرت اپنی بیٹی کے لئے دل گرفتہ ہوئے (سفینہ، ج 1، ص 558)۔

ثانی زہرا کے مقامِ علم کی نوعیت یہ ہے کہ بہت سے مسائلِ دینی جو جناب امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہیں، ان کی نسبت سیدہ زینب کی طرف دی جاتی ہے تاکہ امام کی جان کو خطرہ لاحق نہ ہو اور یہ سلسلہ ایک یا دو بار، ایک یا دو دن کا نہیں بلکہ مسلسل ہے۔ اسی سے عظمتِ زینب کی خبر ملتی ہے (فاطمہ زہرا، توفیق ابو علم، ص 104)۔

ثانی زہرا کے خطاب کی عظمت

سیدہ زینب کے مقامِ علم و فکر کی عظمت کا صرف دو شہروں کوفہ و دمشق میں آپ کی خطابت کے مطالعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ آپ کے ان خطابات کے درجہ علمی و ادبی کا، ان کے اختصار کے باوجود، مقام یہ ہے کہ اگر سیدہ زینب نے انکے علاوہ اور کوئی مواقع علمی اپنے بعد نہ چھوڑے ہوتے تب بھی صرف یہ خطبات ہی آپ کے علمی و ادبی مقام کی بلندی کے اظہار کے لئے کافی ہوتے۔ یہ خطبات اس جلیل القدر مخدّرہ کی زبان سے ادا ہوئے جو مصائب و آلام میں گھری ہوئی تھیں، اپنے عزیز ترین لوگوں کی شہادت کا غم و صدمہ دیکھ چکی تھیں اور اپنی محبوب ترین ہستیوں کے سوگ و ماتم میں جن کا دل گریاں و سوزاں تھا۔ آپ کے ان خطابات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سیدہ زینب کس حد تک تفسیر و معارفِ قرآن حکیم، تاریخ اسلام، فقہ و ادب وغیرہ پر

عبور رھتی تھیں۔ آپ کے خطبات ان تمام عنادین پر آپ کے عبور کو ظاہر کرنے کیلئے کافی ہیں۔ ہم آئندہ مباحث میں کوشش کریں گے کہ آپ کے بیان کردہ خطبات کے کچھ نمونے ہدیہ قارئین کریں۔

ثانی زہرا کے شاگرد

سیدہ زینب مدینہ یا کوفہ یا اس کے علاوہ کسی بھی اور مقام پر رہی ہوں، کسی زمانہ میں بھی تبلیغ اور اقتدار انسانیت کے بیان سے غافل نہ تھیں۔ آپ نے بہت بڑی تعداد میں شاگردوں کی تربیت فرمائی۔ ان میں بعض وہ خواتین متی ہیں جن کے شوہر نظمِ حکمرانی و سیاست میں بہت اونچے مقام رکھتے تھے۔ ان خواتین نے اپنے شوہروں کے اذہان پر مثبت اثرات چھوڑے اور ان کی ذہنی بردباری میں بہت حد تک معاون رہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم زینب کبریٰ کے شاگردوں کی تعداد اور شخصیات کا احاطہ کرنے کی قوت نہیں رکھتے، تاہم بنظرِ اختصار ایک شخصیت کا ذکر کرتے ہیں، جن کا نام نامی حضرت فضہ ہے۔ یہ ثانی زہرا کی ایک شاگرد و کنیز تھیں۔ ان کا نام فضہ ہے جو آپ سے پہلے آپ کی مادرِ گرامی جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی خدمت گزاری کا شرف بھی پا چکی تھیں۔ جناب فضہ بنیادی طور پر اہل ہند سے تھیں (مقاتل کی کتب میں جناب فضہ کا تعلق حبشہ سے بتایا گیا ہے۔ ممکن ہے مؤلف کو اشتباہ ہوا ہو، مترجم)۔

آپ ایک کنیز کے طور پر خانہ جناب سیدہ طاہرہؓ میں داخل ہوئیں۔ آپ ایک صالحہ خاتون تھیں، خاندانِ امیر المومنین علیہ السلام کی محبت و دوستی میں ممتاز تھیں، جناب سیدہ زینب سلام اللہ علیہا اور حسنین علیہما السلام کے عشق میں سرشار تھیں۔ حسنین علیہما السلام ایک مرتبہ بچپن میں علیل ہوئے تو حضرت علی اور جناب فاطمہ علیہما السلام نے ان کی صحت یابی کے لئے روزہ رکھنے کی نذر مانی۔ جناب فضہؓ نے بھی اس نذر میں شرکت کی (مجمع، ج 1، ص 404)۔

اس واقعہ میں جب خاندانِ جناب امیر المومنین علیہ السلام نے اپنا سامانِ افطار یتیم، مسکین اور اسیر کو بخش دیا تو جناب فضہؓ نے بھی ان معصومین کے اقدام میں ان کا بھرپور ساتھ دیا۔

عظمتِ جناب فضہؓ

روایات کے مطابق جناب فضہؓ حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا علیہا السلام کی وفات کے بعد بیس سال تک زندہ رہیں۔ دیگر اس تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جناب فضہؓ اس کی نسبت بہت طویل عرصہ تک زندہ رہیں اور یہ روایات کربلا کے واقعہ میں آپ کی

موجودگی کو ثابت کرتی ہیں (چہرہ خونین حسین علیہ السلام)۔

جناب فضہ کی کوشش ہوتی تھی کہ تمام گفتگو آیات والفاظ قرآن مجید میں کریں، حتیٰ کہ روزمرہ کی اپنی شخصی زندگی میں بھی آیات قرآن ہی سے ہر بات کا جواب دیں۔ ہم اس بحث میں آپ کے اس معمول کا ایک نمونہ پیش کرتے ہیں۔

ابوالقاسم قشیری لکھتے ہیں: (مصابح الحرمین، ص 63)۔

میں نے ایک خاتون کو صحرا میں دیکھا جو قافلہ سے پیچھے رہ گئی تھیں۔

میں نے پوچھا: ”آپ کون ہیں اور کہاں سے آئی ہیں؟“

انہوں نے کہا: وَقُلْ سَلَامٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ پہلے سلام کرو، پھر بات جلدی سمجھ میں آئے گی۔

ابوالقاسم: اس بیابان میں آپ کیا کر رہی ہیں؟

خاتون: مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَعَمَلَهُ مِنْ مِثْلٍ یہ اشارہ تھا کہ میں راستہ گم کر چکی ہوں۔

ابوالقاسم: کیا آپ جنات میں سے ہیں یا انسان ہیں؟

خاتون: يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ اشارہ تھا کہ انسان ہوں۔

ابوالقاسم: آپ کہاں سے آرہی ہیں؟

خاتون: إِنَّا دُونَ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ اشارہ تھا کہ بہت دور سے آرہی ہوں۔

ابوالقاسم: کس طرف کا قصد ہے؟

خاتون: وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ اشارہ تھا کہ مکہ کا قصد رکھتی ہوں۔

ابوالقاسم: کیا کچھ کھانے کی حاجت ہے؟

خاتون: وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَداً لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ اشارہ کہ خواہش رکھتی ہوں۔

ابوالقاسم کہتے ہیں کہ میں نے انہیں کچھ کھانے پینے کو دیا اور عرض کیا کہ تیز چلیں تاکہ قافلہ سے جا ملیں۔

خاتون: لَا يَكِلُفُ اللَّهُ نَفْساً إِلًا وَسَعَهَا اپنی بساط کے مطابق راہ طے کر رہی ہوں۔

ابوالقاسم: آئیے میرے پیچھے سوار ہو جائیں۔

خاتون: لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا اشارہ کہ یہ امر خالی از فساد نہیں۔

ابوالقاسم:

کیا اس قافلہ میں آپ کا کوئی عزیز ہے؟

خاتون:

يَا دَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْاَرْضِ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ... يَا يَحْيٰى هٰذَا الْكِتَابُ... يَا
مُوسٰى اِنِّىْ اَنَا اللّٰهُ.

اشارہ کہ چار افراد میرے عزیز ہیں جن کے نام داؤد، محمد، یحییٰ اور موسیٰ ہیں۔

ابوالقاسم:

یہ آپ کے کون ہیں؟

خاتون:

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اشارہ کہ چاروں میرے بیٹے ہیں۔

ابوالقاسم کہتے ہیں کہ جب ہم اُن کے بچوں سے جا ملے تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا: يَا اَبَتِ السُّتٰجِرُوْهُ۔

یعنی ان کو اجرت دو۔

انہوں نے مجھے اجرت ادا کر دی۔

خاتون:

وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ۔

یعنی اللہ مزدوری کو دو گنا فرماتا ہے۔

ابوالقاسم کہتے ہیں میں نے اُن کے بیٹوں سے پوچھا کہ یہ بی بی کون ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ سیدہ فاطمہ الزہرا

علیہا السلام کی کنیز ہیں۔

۴. ثانی زہرا کا معیارِ اخلاق

صاحبِ اعیان الشیعہ علامہ ماسقانیؒ سے نقل کرتے ہیں:

”میں صرف لفظ زینب کہوں تو سوچنا ہوگا ’کون زینب؟‘ اس سے کسی کو کیا معلوم ہوگا کہ زینب کیا ہے اور کون ہے؟“

گویا و منا ادریک زینب؟ جان لو کہ سیدہ زینب عقیلہ بنی ہاشم ہیں، ایسے صفاتِ حمیدہ کی مالکہ جن کا جناب سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے بعد کوئی حامل نہ ہوا۔ ان صفاتِ حمیدہ کی انتہا یہ ہے کہ ان کو صدیقہ صغریٰ کہا جاتا ہے (اعیان الشیعہ، ج 33، ص 191)۔

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے فضائل صرف مسلمانوں ہی نے نہیں بلکہ غیر مسلموں نے بھی بیان کئے ہیں اور انہوں نے

آپ کی شان و حیثیت کے سامنے سر ہائے تسلیم خم کئے ہیں، اس لئے کہ آپ مظہرِ فضیلت و تقویٰ اور شجاعت و استقامت کی پیکر ہیں۔ آپ عالمِ نسا کے لئے اس صنف کی نمونہ کامل ہیں۔ سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے زمانہ میں صرف یہی ایک

ہستی ہیں جو حسینؑ مظلوم کے کارنامہ میں برابر کی شریک ہیں۔ آپ ہی کی ہمت و استقامت ہے کہ روزِ عاشور کے شہدائے حق کے ہمراہ میدانِ عمل میں اتر کر اُن کے خون کو صفحہٴ تاریخ پر ثبت کریں۔

مقامِ اخلاق

مقامِ اخلاق میں آپ اُس منزل پر ہیں کہ معصومین کی صلاح کار نظر آتی ہیں۔ علامہ شرف الدینؒ لکھتے ہیں کہ سیدہ زینبؑ کے پدر بزرگوار اور مادر گرامی کے علاوہ مقامِ اخلاق میں کوئی خاتون اُن کی نظیر دکھلائی نہیں دیتی، فطرتی پاکیزگی میں آپ جیسی کوئی خاتون دیکھی نہیں گئی اور روحانیت و وجدان میں کوئی آپ سے پاکیزہ تر نہ تھا (عقیلۃ الوحی، ص 24)۔

صاحبِ حیات اخلو دعلامہ ابو الفرج اصفہانی سے نقل کرتے ہیں کہ سیدہ زینبؑ بلاغت و زہد و تدبیر و شجاعت میں اپنے عظیم و معصوم والدین کے ہم پلہ تھیں۔ شہادتِ امام حسینؑ کے بعد کاروانِ اہل بیتؑ کا تمام انتظام آپ ہی کی رائے و تدبیر سے طے پاتا تھا کیونکہ صرف آپ ہی تمام متعلقہ امور کے انجام دینے پر قادر تھیں (مقاتل الطالبین)۔

ابنِ عتبہ کہتا ہے:

”وَقَدْ اُمْتَارَتْ بِمَخَابِيهَا الْكَبِيرَةِ وَأَوْصَافِهَا الْجَلِيلَةِ وَخِصَالِهَا الْحَمِيدَةِ وَشَمِيْهَا السَّعِيدَةِ وَمَفَاخِرِهَا الْبَارِزَةِ وَفَضَائِلِهَا الطَّاهِرَةِ“ (انساب الطالبین)۔

”یعنی سیدہ زینبؑ سلام اللہ علیہا اپنی لاتعداد صفاتِ نیک، گراں قدر و ہر شکوہ اوصاف اور پسندیدہ خصائل میں دوسروں کی نسبت ممتاز تھیں۔ آپ کے سعادت آفریں اخلاق و عادات، نمایاں صفاتِ اخلاقی و با افتخار پاک و طاہر فضائل نے آپ کو تمام لوگوں سے زیادہ صاحب امتیاز بنا دیا تھا۔

دیگر بہت سے لوگوں نے بھی اس سلسلہ میں طویل گفتگو کی ہے جن سب کا جمع کرنا بہت زیادہ تفصیل و طوالت کا باعث ہوگا۔ علامہ نقذی کہتے ہیں کہ اگر وفا، سخاوت، صدق، شجاعت، صفا، علم و عبادت، عفت و تقویٰ جیسی صفات کے نمونے تاریخِ عالم میں جمع کرنے لگیں تو سیدہ زینبؑ سلام اللہ علیہا ان سب میں بلند ترین پائی جائیں گی (زینبؑ کبریٰ، ص 29)۔

اخلاقی میدان میں! خلاصِ عمل

ایک شخص اپنے اخلاق کی تصنع و ریا کی خاطر نمائش کرتا ہے۔ ایک اور شخص اپنے اخلاق کی اندرونی کیفیت و ضمیر کی قوت کے ذریعہ اظہار کرتا ہے، ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ سیدہ زینبؑ کو تصنع و ریا سے کوئی علاقہ نہ تھا۔ جو معیار اخلاق آپ سے

ظاہر ہوتا تھا وہ دکھلاوے کیلئے نہ تھا بلکہ آپ منزلِ خلوص و اخلاص کی مالک تھیں اور جو عمل بھی سرانجام دیتیں قبولیت پروردگار کی خاطر ہوتا۔ کسی کام میں دوروی و نفاق کا شائبہ تک نہ ہوتا۔ راہِ حیات کو صحیح و سالم متخص کر رکھا تھا اور اسی پر مستقلاً گامزن تھیں۔ اپنے پدر بزرگوار اور برادرانِ معصوم سے عقیدت کس طرح ظاہر داری کی متحمل ہو سکتی تھی! خانوادہٴ عصمت و تقویٰ میں ظاہر داری کیسے ممکن ہو سکتی ہے!

آپ کے تمام اعمال، نصب العینِ حیات اور جملہ خطبات میں ایک جذبہٴ دروں جوش مارتا تھا اور جو کچھ بھی آپ کے پاس تھا آپ نے اپنے اخلاصِ عمل کے زیرِ اثر راہِ خدا میں نثار کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ پروردگارِ عالم نے آپ کے کردار و گفتار کو شرفِ قبولیت بخشا اور انہیں صفاتِ بشریت کی تاریخ میں حیاتِ جاودانی عطا فرمائی، بمصدق ”إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ“ (سورہ قاطر: 10)۔

ذرا خیال فرمائیں اور اپنے تصور میں ایک ایسی خاتون کو لائیں جو صاحبِ اولاد ہو، اپنے گھر میں خود مختار، تمام امورِ خانہ داری میں با اختیار، امورِ معیشت میں اُس کی طرف رجوع کیا جاتا ہو، زندگیِ فخر و ناز سے گزار رہی ہو، کنیریں و غلامِ خدمت کیلئے حاضر ہوں اور وہ ان تمام آسائشوں کو چھوڑ کر ایسی راہ اختیار کر لے جس میں آوارگی و وطن، بھوک، پیاس، ظلم و ستم سے واسطہ ہو جائے، آخر وہ یہ سب کچھ کس لئے اختیار کرے گی! کیا یہ سب کچھ خود اپنی شہرت و عزت افزائی کی خاطر ممکن ہے؟

درس آموزیِ اخلاق

ثانی زہر آنے کمالِ علم و اخلاق رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کیا تھا اور اپنے والدینِ شریفین کی سیرت پر عمل کر کے درجاتِ بلند پر فائز ہوئی تھیں۔ ایسا کیوں نہ ہوتا؟ آخر اُن کے جدِ امجد رسولِ خدا اللہ تعالیٰ کے خطاب ”إِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ“ کا مصداق تھے، پھر یہ بھی کہ دامنِ رسالت میں ہی شہزادی نے تربیت پائی تھی اور محدثین کی نظر میں آپ کا شمار صفِ صحابہٴ رسول میں ہوتا تھا (اسد الغابہ، ج 5)۔

بزرگی و عظمت آپ نے امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام سے ورثہ میں پائی اور آپ کا رتبہ و عظمت آسمان کی بلندی تک پہنچا۔ وہ خود جس کی تعظیم کرتیں صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر کرتیں۔ آپ نے وقار و شکوہ کا درس اپنی والدہ گرامی سے لیا جس کی مثال ہم سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ میں سیدہ طاہرہ کے طرزِ عمل میں پاتے ہیں۔ صبر و استقلال و نرم طبعی اپنے برادرِ بزرگ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے سیکھے اور درسِ شجاعت و جرأت اپنے دوسرے برادرِ بزرگ جناب سید الشہداء امام حسین علیہ السلام سے

حاصل کیا۔

مثنیٰ زہرا کا معیار فکر حضرت علی و جناب فاطمہ زہرا علیہما السلام کی بدولت خاندانی و نسلی معیار فکر تھا۔ بصیرت و پیش بینی کے بھی آپ کے لئے وہی منابع ہیں۔ سیدہ زینب کی تمام زندگی ایسے بزرگوں کے زیر سایہ گزری جو سب معصوم اور ہر قسم کی خط سے محفوظ تھے اور یہی ان کے مقام و منزل احترام کا سبب ہے کیونکہ ہر وقت نشست و برخاست ایسے بزرگوں ہی کے ساتھ رہی۔ لہذا فطری امر ہے کہ آپ اسی قسم کی عادات و راہ و رسم کی خوگر ہوئیں۔ علاوہ ازیں آپ کے بعض اوصاف بالکل فطری اور ودیعت پروردگار تھے۔¹

1۔ ہم یہاں حجۃ الاسلام جناب آغا حسن رضا غدیری صاحب کی کتاب ”زینب، زینب ہے“ سے چند ایک اقتباسات پیش کرتے ہیں جن سے محد و مدہ محترمہ جناب مثنیٰ زہرا سلام اللہ علیہا کی سیرت پاک پر آپ کی ذمہ داریوں، علم و دانش، بیان روایات میں آپ کی اہمیت، عبادت، فہم و ذکاوت، خانہ داری و پردہ داری اور دیگر بہت سی صفات پر روشنی پڑتی ہے۔ علامہ موصوف کی تحریر ہم من و عن نقل کرنے کا شرف حاصل کر رہے ہیں تاکہ ہمارے معزز قارئین اس عظیم شخصیت کا سیرت کے پہلوؤں سے آشنائی حاصل کر سکیں، نیز یہ سب منزل بنی نوع انسان کیلئے بالعموم اور ہماری خواتین کیلئے بالخصوص مشعل راہ ثابت ہوں۔

علامہ غدیری تحریر فرماتے ہیں:

”یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہر شخص اپنے وجود کی پاکیزہ صفات اور کمالات کی اثر آفرینی سے معاشرہ کے دوسرے افراد کو بہرہ اندوز کرتا ہے، فرد کی شخصی خصوصیات معاشرہ کی اجتماعی حیثیت پر اثر انداز ہوتی ہیں اور کسی کے کمالات کے دائرہ تاثیر کی وسعت و سروں کو اس طرح اپنی پلیٹ میں لے لیتی ہے کہ پھر اظہار عظمت کے لئے الفاظ کا سہارا لینے اور عبادات کا مہربان منت ہونے کی ضرورت باقی نہیں رہتی بلکہ اس کی عظمتوں کی نورانی تاثیر سے کائنات انسانی منور و درخشندہ نظر آتی ہے۔ سیدہ زینب کی پاکیزہ صفات اور کمالات وجود کی اثر آفرینی، تاریخ کی ان مقدس ہستیوں میں سے ہے جن کے لئے کسی دلیل و برہان کی احتیاج نہیں اور وہ اپنی عظمتوں سے عالم بشریت کو روشن کئے ہوئے ہیں۔ ہم سیدہ کی حیات طیبہ کے جس جس پہلو پر نظر کرتے ہیں، اس کی اثر انگیزی کا احساس ہمارے سامنے مجسم ہو جاتا ہے۔ ان کی فردی خصوصیات پر نظر کریں یا معاشرتی عظمتوں کو دیکھیں، گھریلو زندگی کے اطوار پر نگاہ کریں یا اجتماعیات کا جائزہ لیں، ایک بیٹی ہونے کی حیثیت میں ان کے مراحل تربیت کا ذکر کریں یا ایک ماں ہونے کے عنوان کے پیش نظر ان کے تدبیر و تدبیر کو بیان کریں، ایک بہن کے ناطے بھائیوں سے محبت و عقیدت کے پہلوؤں کا تذکرہ کریں یا ایک شریک مقصد ہونے کی بابت ان کے عظیم کارناموں پر نگاہ ڈالیں، علی و فاطمہ کے لئے جگر ہونے کی وجہ سے ان کی وقعت وجود پر نظر کریں یا حسن و حسین کی اُمیدوں کا سہارا سمجھتے ہوئے ان کے کمال عمل کو دیکھیں، عبد اللہ ابن جعفر کی شریک حیات ہونے کی روشنی میں ان کی (جاری)

۳. ثانی زہرا کا مقام صبر و رضا

ثانی زہرا کی عظمت آپ کے جذبہ صبر و رضا سے بہت اچھی طرح ثابت ہے۔ آپ کا صبر وہ صبر نہیں جس کے اختیار کرنے کے لئے ہرزبوں حال و پریشان آدمی مجبور ہوتا ہے اور جسے مصائب و تکالیف کو قبول کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ آپ کا صبر فعال اور باہدف، سوچا سمجھا ہوا، اصولی اور ایسا صبر ہے کہ اگر دنیا بھر کے ارباب سیاست اس معیار کو اختیار کرنا چاہیں تو مجبور و ضعیف دکھائی دینے لگیں۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

زندگی کا جائزہ لیں یا صنفِ نسواں کی فکری تربیت کی ذمہ دار شخصیت سمجھتے ہوئے سیدہ زینب کی عظمتوں کا تذکرہ کریں اور بالآخر کربلا کی شیردل خاتون سمجھتے ہوئے ان کی زندگی کا مطالعہ کریں یا کوفہ و شام کی اسیر تصور کرتے ہوئے اُن کے حالات پر غور کریں، ہر پہلو میں کمال و عظمت کی آئینہ دار اور نبوت و امامت کی رفعتوں کی امین نظر آتی ہیں۔ لہذا ان کی زندگی کا ہر پہلو نمونہ کمال ہے۔“ (ص ۱۶)

اب ہم اسی کتاب سے ثانی زہرا کی حیاتِ اقدس کے چند نمایاں پہلو پیش کرتے ہیں، جس کے مؤلف م۔ صادق اور مترجم علامہ غدیری صاحب ہیں، یہ وہ پہلو ہیں جن کو مخدومہ کی پاکیزہ و مقدس زندگی کے سلسلہ میں صفحاتِ تاریخ پر نمایاں حیثیت دی جاتی ہے۔

1- صنفِ نسواں کی علمی و عملی تربیت کے لئے آپ نے ایک پاکیزہ محفلِ درس قائم کی جس میں آپ خواتین کو قرآنی حقائق سے آگاہ کرتی اور دینِ مقدس اسلام کی بنیادی تعلیمات سے روشناس کراتی تھیں۔ (کتاب زینب الکبریٰ، ص ۵۳)۔

2- ”آپ نے اپنے والدِ گرامی امام علیؑ اور اپنے بھائیوں امام حسنؑ اور امام حسینؑ سے سنی ہوئی پاکیزہ علمی حقیقتوں اور احادیث و روایات کو لوگوں تک پہنچایا۔

3- ”سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نے اپنی والدہ گرامی حضرت فاطمہ زہراؑ کی زبانِ مبارک سے سنے ہوئے علمی جوابہر پارے بھی کثیر تعداد تک پہنچائے۔

4- ”امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ علم و دانش میں وہ عظیم مقام رکھتی تھیں کہ انہیں دنیا کے اربابِ دانش کے سامنے زانوئے تلمذ خم کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی اور فہم و ادراک کی اس منزل پر فائز تھیں کہ انہیں کسبِ فیض کیلئے کسی صاحبِ فکر و نظر کی دہلیز پر جھکنے کی احتیاج نہ تھی۔

5- ”امام جعفر صادق علیہ السلام نے سیدہ زینب سے کئی روایات بیان فرمائی ہیں اور ان روایات کو بیان کرتے ہوئے امام اس طرح فرماتے تھے: ”میری پھوپھی نے یوں فرمایا ہے۔“ (جاری)

سیدہ زینبؓ اس ہستی کی مالکہ ہیں جو اپنے پورے وجود و عزم کے ساتھ جب دشمن کے ظلم و طغیان کے مقابل کھڑی ہوئیں تو اس قدر بلند قامت نظر آئیں اور ایسی استقامت کا اظہار کیا کہ تاریخ انسانیت آپ کے سامنے حیرت زدہ رہ گئی۔ یہ ایسا واقعہ و اصلیت ہے جس کا اعتراف کئے بغیر چارہ نہیں۔ ثانی زہراؓ کے طرزِ عمل، متانت، بردباری کو اگر تعصب دینی کو بالائے طاق رکھ کر دیکھا جائے تو انسان حیرت زدہ ہو کر اپنی شکست قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ مصائب و آلام کے مقابلہ میں آپ کا تحمل و فدا کی طرح مضبوط اور آپ کا وقار و حوصلہ ایک پہاڑ کی طرح مستقل نظر آتا ہے۔ آپ کو جاہل و ناواقف لوگوں کے ہجوم میں، جو حماقت کے سمندر میں غرق اور بے خبری کا شکار تھے، جابر و چالاک و ظالم افراد کے زغمہ میں جانا پڑا جہاں آپ

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

6- ”حضرت ابن عباسؓ نے بھی سیدہ زینبؓ سے روایتیں بیان کی ہیں اور آپ کی طرف نسبت دیتے ہوئے ابن عباسؓ نے اس طرح کہا: ہماری عقیدہ زینبؓ نے یوں فرمایا۔“

7- ”امام زین العابدینؓ نے فرمایا: جب ہمیں کوفہ سے شام تک کے کٹھن راستے طے کرنے پر مجبور کیا گیا تو اس سفر میں میری پھوپھی زینبؓ نے اپنی واجب نمازیں کھڑے ہو کر اور بعض مقامات پر بیٹھ کر ادا کیں اور میں نے اس کا سبب دریافت کیا تو حضرت زینبؓ نے فرمایا کہ تین دن کی مسلسل بھوک، پیاس اور کمزوری کی شدت کی وجہ سے میں نے بعض مقامات پر نمازیں بیٹھ کر پڑھی ہیں۔“

8- ”سیدہ زینبؓ رات کو باقاعدگی سے نماز تہجد ادا کرتیں اور قرآن مجید کی تلاوت آپ کا معمول تھا، یہاں تک کہ آپ نے اپنی زندگی کی مصیبت بھری راتوں یعنی دسویں اور گیارہویں محرم کی راتوں میں بھی اپنے معمول میں فرق نہ آنے دیا۔“

9- ”امام زین العابدین علیہ السلام نے بیان کیا ہے کہ میری پھوپھی زینبؓ نے ان تمام سخت تکلیفوں کے دوران جو شام کے خوفناک سفر میں ہم پر آئیں کبھی رات کے نوافل اور مستحب نمازوں کو ترک نہیں کیا۔“

10- ”امام حسین علیہ السلام جب شب عاشورا اپنے اہل خانہ سے وداع کرنے لگے تو آپ نے حضرت زینبؓ سے فرمایا: ”میری پیاری بہن! رات کے نوافل میں مجھے فراموش نہ کرنا۔“

11- ”یحییٰ مازنی نے بیان کیا ہے کہ میں عرصہ دراز تک امیر المومنین علیؓ کے پڑوس میں رہا اور میرا گھر اس گھر کے بہت نزدیک تھا جس میں سیدہ زینبؓ رہتی تھیں۔ مجھے قسم ہے اس ذاتِ ذوالجلال کی جس نے مجھے پیدا کیا، میں نے اُس معظّمہ کو نہ کبھی دیکھا اور نہ ہی اُن کی آواز سنی، اور جب کبھی وہ مخدرہ عصمت اپنے جدِ بزرگوار حضرت رسول خداؐ کے حرم اطہر کی زیارت کیلئے جانا چاہتیں تو رات کی تاریکی میں گھر سے باہر نکلتیں جبکہ امام حسنؓ اور امام حسینؓ ان کے دائیں و بائیں جانب ہوتے اور حضرت (جاری)

نے ٹکیبائی و تحمل کے بہترین معیار پر قیام فرمایا۔ آپ کو ایسے دشمن کا سامنا تھا جو قاتل حسین تھا، جو خود بھی اپنے ظلم پر اشک ریز (عمر بن سعد نے سیدہ زینب کے شہادتِ امام حسین کے سلسلہ میں عتاب آمیز کلمات ”القتیل ابو عبد اللہ“ سنے تو وہ خود رونے لگا) اور اس کیلئے اپنے آپ کو معذور جانتا تھا۔ لیکن آپ نے سوائے راہِ صبر اختیار کرنے کے ان پر کسی طرح اپنے وجدان کے ذریعہ عذاب کی خواہش نہ کی۔

تاریخ کا فیصلہ

ثانی زہرا کے بارے میں تاریخ کا یہ حتمی فیصلہ ہے کہ آپ حلیمہ و برد بار خاتون تھیں اور صبر و رضا کے مقام پر آپ بے نظیر اور ممتاز حیثیت کی مالک ہیں۔ علامہ اسد حیدر کہتے ہیں:

”مقام صبر، جہاد و استقامت کے مواقع اور طوفانی مصائب میں ثانی زہرا اس قدر استوار و ثابت قدم تھیں جس طرح

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

علی آگے آگے چلتے ہوئے حرمِ مطہر تک پہنچتے تھے اور جو نبی قبرِ مطہر تک پہنچتے تو امیر المومنین آگے بڑھ کر حرم میں چلتے ہوئے چراغوں کو ڈھانپ دیتے تھے (بعض کتابوں میں ہے کہ امیر المومنین حرمِ اطہر کے چراغوں کو بجھا دیتے تھے)۔ امام حسن نے ایسا کرنے کا سبب دریافت کیا تو عصمت و طہارت کی پروردہ زینب کے مقامِ حیا و ادب کا اظہار کرتے ہوئے امیر المومنین نے جواب دیا کہ میں ایسا اس لئے کرتا ہوں تاکہ کوئی شخص تیری بہن کے بدن کو دیکھنے نہ پائے اور اُن کا جسم نا محرم کی نظروں سے محفوظ رہے۔

12- ”سیدہ زینب فہم و ذکاوت کی ایسی خداداد صلاحیت رکھتی تھیں کہ آپ نے اپنی والدہ گرامی حضرت فاطمہ زہرا کا وہ خطبہ مکمل طور پر حفظ کر لیا تھا جو انہوں نے اپنے پدر بزرگوار کی مسجد میں مسلمانوں کے جم غفیر کے سامنے اپنا حق طلب کرنے کے لئے پڑھا تھا۔

13- ”جب سیدہ زینب اپنی ازدواجی زندگی کا آغاز کرتے ہوئے جناب عبداللہ ابن جعفر کے گھر میں آئیں تو خداوندِ عالم نے سیدہ کے وجود کی برکت سے عبداللہ ابن جعفر کو اپنی نعمتوں سے مالا مال کر دیا اور انہیں رزقِ وسیع، اولادِ صالح اور سکون و اطمینان کی بے شمار نعمتوں سے نوازا، یہاں تک کہ ان کا گھر فقراء اور مساکین کیلئے ایک عظیم سہارا بن گیا اور اُن کی مملوکہ اراضی سرسبز و شاداب ہونے کے ساتھ ساتھ پھلوں اور میوؤں سے بھر گئی۔ یہ سب کچھ اس پاکدامن معظمہ کے مقام و تقدس اور وجودِ مبارک کا اثر تھا“ (زینب، زینب ہے، ص ۱۶۳ تا ۱۶۴)۔

تیز آندھی کے مقابلہ میں پہاڑ مستقل ہوتا ہے۔ مصائب و آلام کو رضائے پروردگار کی خاطر برداشت کرتیں اور تمام دشواریوں کو راہِ خدا میں جہادِ جان کر اعلائے کلمۃ اللہ قرار دیتیں (مع الحسین و نہضۃ ص 294)۔ آپ کے کردارِ عظیم کا یہ ایسا پہلو ہے جس کی بہت سے غیر مسلم مصنفین نے بھی تائید کی ہے۔

ثانی زہراً کے صبر و رضا کی انتہا یہ ہے کہ ایک بزرگ کے قول کے مطابق اگر یہ مصائب کسی پہاڑ پر وارد ہوتے تو وہ پھٹ کر ٹکڑے ہو جاتا۔ لیکن سیدہ زینبؓ کی کیفیت یہ ہے کہ آپ کے پائے استقلال میں کہیں لرزش نظر نہیں آتی۔ آپ اپنی زندگی میں بچپن ہی سے ایسے حساس مرحلوں سے گزریں جن کی عظمت دنیا بھر کو واقعہ بکر بلا میں روزِ عاشور نظر آتی ہے۔ جس شخص نے بھی واقعہ روزِ عاشور کا مطالعہ کیا ہے اسے وہاں دو نمایاں صورتیں نظر آئیں گی، ایک امام حسین علیہ السلام اور دوسری جناب سیدہ زینب سلام اللہ علیہا۔ دنیا حیران ہے کہ کیسے ممکن ہے کوئی شخص ایسے مصائب جاننا کہ سے گزرے جن میں تیر و نیزہ و شمشیر کے زخموں سے چور ہو، پیاس کا بے انتہا غلبہ ہو، خاک و خون میں غلطاں ہو اور پھر اس کے منہ سے الہی رضا برضائک (یا اللہ میں تیری رضا پر راضی ہوں) کا جملہ سنائی دیتا رہے اور اسی طرح وہ اپنا سر قربان کر دے۔ علیٰ ہذا القیاس عالمِ انسانیت انگشتِ بندگان ہے کہ ایسی خاتون کا وجود کیسے ممکن ہوا جو ان تمام مصائب و آلام کو مشاہدہ کرتی ہے، اپنے دورانِ اسیری اپنی ذات کے بارے میں کوئی حرفِ شکایت کسی موقعہ پر نہیں لاتی، جس کی تمام گفتگو اس کے ہدف و مقصد کے عین مطابق ہوتی ہے اور کسی موقعہ پر جس کے عجز و ضعف کا اظہار نہیں ہوتا۔

ثانی زہراً کے صبر و رضا کا مقام

ممکن نہیں کہ ہم ثانی زہراً کے صحیح و اصلی مقامِ صبر و رضا کا اندازہ یا اس کا ذکر کر سکیں۔ مختصر صرف اس کے نمونہ کی ایک جھلک دکھانے کی کوشش کریں گے۔ آپ ذرا سیدہ زینبؓ کے بارے میں تصور پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ آپ کیلئے امام حسین علیہ السلام سے محبوب تر کوئی ہستی دنیا میں نہیں، حتیٰ کہ امام کے لئے تصورِ مرگ بھی ان کے ذہن میں نہیں آتا۔ جب آپ شبِ عاشور بے وفائیِ دنیا کے سلسلہ میں امامِ مظلوم کے شعر سنتی ہیں تو بے تاب و بے چین ہو جاتی ہیں اور دعا فرماتی ہیں کہ وہ خود مرگ امام کو نہ دیکھیں۔

وہی سیدہ زینبؓ ہیں کہ جب نانا کے دین کی حیات کا مسئلہ سامنے آتا ہے تو اُس کی حفاظت کیلئے صبر و رضا کو بنیاد بناتی ہیں، قتل گاہ میں تشریف لاتی ہیں، پتھروں، ٹوٹی ہوئی تلواروں کے ٹکڑوں اور نیزوں کے درمیان بھائی کے جسدِ نازنین کو تلاش

کرتی ہیں، بھائی کی سربریدہ لاش کے قریب نہایت ادب کے ساتھ دوزانو بیٹھتی ہیں، اپنے دونوں ہاتھ اس جسدِ بے سر کے نیچے گزار کے اپنے سینے تک اٹھاتی اور رب العزت کے حضور اس طرح مناجات پیش کرتی ہیں؟
 ”اللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا هَذَا الْقُرْبَانَ“ (مقتلِ احسین علیہ السلام، مقرر)۔
 ”خداوند! ہماری اس قربانی کو قبول فرما۔“

ایک اور روایت میں ہے کہ فرماتی ہیں:

”اللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا هَذَا الْقَلِيلَ مِنَ الْقُرْبَانَ“۔

خداوند! اپنی عظمت کے مقابلہ میں ہماری اس قلیل قربانی کو قبول فرما۔

کیا آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ شہزادی کے اس طرزِ عمل میں کس قدر عظمت پوشیدہ ہے اور اس عمل سے بارگاہِ پروردگار میں آپ کے خضوع و خشوع کا کتنا عظیم معیار دکھائی دیتا ہے! دشمن اپنی رذیل کیفیت پر قائم ہے لیکن سیدہ زینب سلام اللہ علیہا اس تمام معرکہ دار و گیر کو عنوانِ تقدیر کے نظریہ سے دیکھتی اور اپنے اللہ کے سامنے راز و نیازِ بندگی کو جو تسلیم و رضا کا حقیقی مقام ہے، ایک لمحہ کیلئے بھی فراموش نہیں کرتیں۔

صبر کی کیفیت

اس وقت اہم ترین مسئلہ تحقیق مقابلہِ حالات میں استقامت کا معیار و فکر ہے۔ بعض اوقات دورانِ زندگی ہم بعض ایسے مصائب سے دوچار ہو جاتے ہیں کہ سوائے صبر و تحمل کے کوئی چارہ باقی نہیں رہتا۔ مجبوراً حالات کو دامنِ تقدیر کے سپرد کر دیتے ہیں کہ اگر یہ نہ کریں تو کیا کریں! یہ کیفیت بھی ایک حد تک بے فائدہ و بے قیمت قرار نہیں دی جاسکتی۔ لیکن اہم ترین بات ایک ہدفِ زندگی پر مستقل قیام، پاک و پاکیزہ و بزرگ امیدوں کا دامنِ تھامنا، ان مقاصد کی تکمیل کی طرف اقدام، ان کے حصول میں دشواریوں اور مشکلات میں تحمل کے ساتھ آگے بڑھنا ہے۔ اس نصب العین میں ہدف و مقصد جس قدر بلند و ارفع و پاک ہوگا اسی قدر صبر و تحمل کا معیار بلند رکھنا ہوگا۔ ہمیں سیدہ زینبؑ اور امام حسین علیہ السلام کے صبر و استقامت کو اس اصول پر جانچنا ہوگا۔ سیدہ زینبؑ نے جس روز سید الشہداء علیہ السلام کے ساتھ سفر کا آغاز کیا اسی روز سے جانتی تھیں کہ اس سفر میں کیسے توہینِ آمیز و صبر آزمات و واقعات سے گزرنا ہوگا اور کیسے کیسے مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آپ نے سب کچھ دل و جان سے قبول کیا اور آگے بڑھتی گئیں۔ آپ نے یہ سب کچھ برداشت کیا اور نتائج کو رضائے پروردگارِ عالم کے سپرد رکھا۔

آپ جانتی تھیں کہ ذلیل دشمن سے احتجاج کا نتیجہ ڈرے کھانا، بھوکا رہنا، عزیزوں اور کم سن بچوں کی آہ و زاری کو برداشت کرنا ہوگا۔ آپ نے یہ سب کچھ برداشت کیا۔ ثانی زہراً کم طاقت و کم حوصلہ ہستی کی مالک نہ تھیں کہ میدان چھوڑ دیتیں، اپنے احساسات کے تحت گریاں نہ ہوئیں کہ بے حد و حساب نالہ و فریاد بلند کرتیں یا بد قسمتی پر نالاں ہوتیں۔ اس کے برعکس اس قدر شکیبائی و بردباری سے حالات کا مقابلہ کیا کہ کوئی اس کی برابری نہیں کر سکتا۔ انتہا یہ ہے کہ وہ فطری و طبعی آہ و فغاں جو عزیزوں کی اموات پر کی جاتی ہے، اُسے بھی آپ نے مخفی رکھا، آغا غم و اندوہ کو چہرہ پر بھی ظاہر نہ ہونے دیا کہ یہ کیفیت دیکھ کر بچے اور اسیر خواتین بے قرار نہ ہو جائیں۔ پھر یہ سب کچھ ایک ہدف کی خاطر یعنی راہِ خدا میں تھا۔

1۔ یہاں ہم ایک بار پھر کتاب ’زیب‘، ’زیب‘ ہے، کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ کیفیت یہ ہے کہ کربلا کا محرکہ شہداء امام حسین کی صورت میں اپنے اختتام کو پہنچ چکا ہے، تاریاجی خیام کے مرحلہ سے بھی اولاد رسول گزر چکی ہے، خیام جل چکے اور کچھ جل رہے ہیں، ان حالات کی منظر کشی علامہ غدیریؒ کی اس طرح کرتے ہیں:

”وہ رات اہل بیت کے لئے مصیبت و اندوہ کی خوفناک رات تھی۔ غم و الم کی ان ہولناک گھڑیوں میں صحرائے کربلا میں بکھری ہوئی لاشیں رسول زاد یوں کے دلوں کو تڑپا رہی تھیں۔ حزن و کرب کی اس خوفناک رات میں زیب کا امتحان صبر نہایت مشکل صورت اختیار کر چکا تھا۔ لیکن غم و الم کی شدت اور خوف و وحشت کے عالم میں علیؑ کی بیٹی نے استقامت و پائیداری اور صبر و تحمل کی مثال قائم کر دی اور مصائب و آلام کی تند و تیز آندھیاں زیب کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہ کر سکیں۔

”جلتے ہوئے خیموں سے کم سن بچوں کو نکالنے اور بے سہارا بیبیوں کو بیابان کربلا میں تسلیاں دے کر صبر کی تلقین کرنے میں زیب کا عمل اپنی مثال آپ ہے۔“ آگ کے شعلوں اور صحرائیں پھیلی ہوئی تاریکی نے یتیم بچوں کے دل گرا دیئے تھے۔ آپ بے بھرتے اور سسکیاں لیتے معصوموں کے دل بہلا نا زیب ہی کا کام تھا۔

”اگرچہ دن بھر کی مصیبتوں اور آلام کی شدت نے زیب کا سکون لوٹ لیا مگر آلِ رسول کے بے گناہ خون کا مقدس پیغام، اطراف و اکناف عالم تک پہنچانا بھی انہی کے ذمہ تھا۔ چنانچہ عقیلہؓ بنی ہاشم زیب کبریٰؓ رات بھر جاگتی رہیں تاکہ اسلام کی عظمت کے تحفظ کی راہ میں شہید ہونے والوں کے یتیم بچوں اور اہل بیت رسولؐ کی بے سہارا بیبیوں کی ڈھارس بن سکیں۔

”زیب کے صبر و استقامت، عزم و استقلال اور بارگاہِ الہی میں اخلاص و بندگی کی عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ مصائب و آلام کی اس سخت ترین رات میں بھی علیؑ کی بیٹی نے نماز تہجد ترک نہ کی بلکہ ہمیشہ کے معمول کے مطابق عبادتِ الہی کو انجام دیا اور خدا سے صبر و استقامت کی دعائیں مانگیں۔ البتہ کئی دنوں کی تھکاوٹ اور کئی راتوں کی بیداری نے زیب کو تھکا ہال کر دیا تھا جس کی وجہ سے اُس رات کو آپ نے نماز شب بیٹھ کر ادا کی“ (ص ۲۱۲، ۲۱۳)۔

امام حسین علیہ السلام کی تلقین کے نتائج و اثرات

ثانی زہرآ کے فطری واللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت شدہ کمالات جن کا تعلق آپ کے صبر و رضا سے ہے، اپنے مقام پر مسلم ہیں۔ ان کیفیات کے علاوہ دوسری چیز آپ کے والد بزرگوار، مادر گرامی، برادرانِ عالی وقار، بالخصوص امام حسین علیہ السلام سے حاصل شدہ تربیتی اسباق کے اثرات ہیں۔ سیدہ زینبؓ کی جناب سید الشہداء علیہ السلام کے مقامِ ولایت سے پیوستگی، حضرت کے واقعات و درویشادت و قربانی کے زمانہ میں شہزادی کے حاصل کردہ مقامِ صبر بہت زیادہ اہمیت اور آپ کے طرزِ عمل میں بنیادی کیفیت کے حامل ہیں۔ شبِ عاشور کو جب امام حسینؓ نے ثانی زہرآ کی بے چینی و بے تابی مشاہدہ فرمائی تو اپنی بہن کے لئے نصائح و صبر آزا کمالات بیان فرمائے۔ ارشاد فرمایا:

”بہن زینب! جان لو اور یقین کر لو کہ اہل آسمان اور اہل زمین سب موت سے ہمکنار ہوں گے، سوائے ذاتِ خدائے واحد کوئی بقا و حیات جاودانی نہیں رکھتا۔“

نتیجہ کلام میں حضرت نے کلماتِ موعظہ ارشاد فرمائے کہ شیطان لعین شہزادی کے ہاتھ سے دامنِ صبر و حلم نہ چھڑا دے۔ پھر آپ نے اپنا دستِ مبارک اپنی بہن کے سینہ اقدس پر رکھا جس سے صبر و حلم کی ایک دنیا نے بہن کے پیکر میں نفوذ کیا یہاں تک کہ سیدہ زینبؓ نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور وعدہ کیا کہ اب وہ ہر حال میں صبر کریں گی۔

روزِ عاشور اپنے وداعِ آخر کے وقت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: ”اتلا و مصائب پر صبر کرنا۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری محافظت فرمائے گا۔ آپ کا انجام خیر پر ہے۔ تمہارے دشمن طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اپنے لبوں پر شکایت کے الفاظ مت لانا کیونکہ اس سے تمہاری شان و منزلت میں کمی واقع ہو سکتی ہے.....“۔

امامِ عالی مقام کے ان نصائح کا نتیجہ ہے کہ سیدہ کی عظیم بی بی نے صبر و وقار، شجاعت و جرات، روح کی بالیدگی کے ساتھ اپنے فرائضِ تبلیغ کی ابتدا کی اور خونِ شہدائے راہِ خدا میں مضمحل پیغامِ دین کو اختتام تک پہنچایا۔ آپ نے ہر قسم کے ظلم و جبر کو برداشت کیا لیکن رضائے پروردگار کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نکلنے نہ دیا۔ ہر قسم کے اندوہ و الم کا سامن کیا لیکن کہیں حرفِ شکایت و ہنِ مبارک سے نہ نکالا۔

۴. ثانی زہرآ کی فصاحت و بلاغت

زینبؓ کبریٰ کے اکثر کمالات و اقدار اخلاق آپ کی فصاحت و بلاغتِ کلام میں پائے جاتے ہیں۔ اس فصاحت کی

غرض وغایت روشنی کلام، سخن منہی، سلاست و بیان، انتخاب الفاظ اور ان کے معانی میں ملتی ہے۔ آپ کا کلام نثر میں ہے لیکن یہ نثر نظم جیسی ہے جو سننے والوں کے لئے مفہوم کی وضاحت کی ذمہ دار اور نکتہ بخ لوگوں کے لئے بلند ترین مقام ادب کی حامل ہے۔ یہ کلام بظاہر بالکل سادہ لیکن ادب و فن کے اعتبار سے معجزانہ کیفیت رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے کلام کی مثال پیدا کرنا امر محال ہے۔

غرض سیدہ زینبؓ فصیحہ و بلیغہ ہیں جس کی گواہی آپ کے اس کلام سے ملتی ہے جو آج بھی دنیا میں موجود ہے۔ بعض مصنفوں نے آپ کی گفتگو کو سحر آمیز کلام تسلیم کیا ہے یہاں تک کہ اہل بیٹ کے بدترین دشمن جو اقتدار پر قبضہ تھے، آپ کے کلام کو سلطان الکلام مانتے ہیں۔ یہ لوگ بالکل عاجز تھے کہ آپ کے کلام و دلائل کا کیسے جواب دیں۔

گواہان تاریخ

جاظ جو خود ادبائے عرب میں شمار ہوتا ہے آپ کے بے نظیر کلام کے بارے میں خزیمہ سے روایت کرتا ہے کہ مؤخر الذکر یعنی خزیمہ شہادت امام حسین علیہ السلام کے بعد اسی زمانہ میں کوفہ میں وارد ہوا جب اسیران آل رسولؐ بھی کوفہ پہنچے تھے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے خطاب کو سنا۔ میں نے کبھی کسی اسیر و گرفتار بلا و مصیبت خاتون کو آپ سے بہتر خطیب نہیں پایا۔ آپ اس طرح گفتگو فرما رہی تھیں گویا الفاظ زبان حضرت علی علیہ السلام سے نکل رہے ہیں۔ 1۔

1۔ البیان والتمہین۔

نیز ملاحظہ ہو کتاب ”کر بلا کی شیر دل خاتون“ مطبوعہ امامیہ مشن، لاہور، تحریر ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطی، مصری۔ کتاب ہذا کے مندرجہ ذیل اقتباسات ملاحظہ ہوں:

”حضرت علیؑ کے فلسفہ الہیات، فلسفہ زندگی، فلسفہ معاشرت اور تحریر و تقریر سے خاتون کر بلا پوری طرح مستفید ہوئیں۔ واقعہ کر بلا کے بعد اسیری کی حالت میں آپ کی ہوشربا تقریر پر خزیمہ اسدی نے برجستہ تبصرہ کیا تھا کہ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ خاتون کر بلا کے باپ حضرت علیؑ تقریر فرما رہے تھے۔ حضرت علیؑ سے مشابہت پر سامعین کے ذہن کا ادھر متوجہ ہونا غیر معمولی مناسبت کی وجہ سے تھا۔ حضرت علیؑ اور خاتون کر بلا دونوں کی فکری یک رنگی سے صحیح واقفیت ہی پتہ لگا سکتی ہے کہ باپ بیٹی کا ذہنی تعلق کتنا تباہ تھا۔ کوفہ میں امیر المومنینؑ نے اپنے عہد حکومت میں سینکڑوں تقریریں کی تھیں۔ کوفہ میں ثانی زہراؑ کی تقریر پر اہل کوفہ کا تبصرہ کہ اس میں علیؑ کا رنگ جھلک رہا ہے، حقیقت پر مبنی تبصرہ ہے:

تکلم کردنش را هر که دیدم فاش میگفتی

لسان حیدری گویا کہ در طی لسان دارد

(جاری)

علامہ نیشاپوری سیدہ زینب کی کیفیت و عظمت و مقام کے بارے میں لکھتے ہیں کہ آپ کا کلام بہت روشن و پر شکوہ ہے۔ وہ بہت ہی مختصر کلام کو سیدہ زینب کے حوالہ سے بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”سیدہ زینب فصاحت و بلاغت اور پاکیزگی و عبادت میں اپنے پدر بزرگوار حضرت علی علیہ السلام اور اپنی والدہ گرامی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہما کی مثال ہیں“ (سنن نیشاپوری)۔

”علامہ مامقانیؒ خطبہ ہائے ثانی زہرا کے استناد کے سلسلہ میں آپ کے کلام کی شیرینی اور علم آفرینی کے بارے میں لکھتے ہیں: ”فصاحت و بلاغت میں آپ کا درجہ یہ تھا گویا آپ دہن مبارک میں زبان علیؑ رکھتی تھیں۔“

اسی کیفیت کی بنا پر انہوں نے خطابت سیدہ ثانی کی تحقیق کی جبکہ وہ ان خطبات کی تلاش کر رہے تھے جو شہزادی کے دہن اقدس سے کوفہ و شام میں ادا ہوئے تھے (اعیان الشیعہ، ج 33، ص 191)۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابعہ)

(ص 38)

صاحب کتاب آگے چل کر لکھتے ہیں:

”جس کے پہلو میں حشر ہوتا ہے اس کے منہ میں زبان نہیں ہوتی لیکن ایسی حالت میں ثانی زہرا نے زلزلہ فتنہ تقریریں کیں۔ صاحب اقتدار دشمن کا منہ توڑ جواب دیا۔ اس اسیری، اس تشدد، اس مجبوری کے عالم میں ثانی زہرا نے دنیا کو آزادی، ضمیر، آزادی روح کا زندہ و پائیدہ پیام دیا، شہادت کا فلسفہ بیان کیا، شہادت امام حسینؑ کے متن اور اس کی شرح سے دنیا کو آشنا کیا: (ص 72)

بنا لیتا ہے موج خون دل سے اک چمن اپنا

وہ پائندہ قفس جو فطرۃً آزاد ہوتا ہے

”حضرت زینب کی شخصیت کو ان کے بیان کی فصاحت اور قوت گویائی سے سمجھنا چاہئے۔ کربلا، کوفہ و دمشق، دربار ابن زیاد اور مجلس یزید کی تقریروں نے ان کو جیسا کہ چاہئے پہنچوایا۔ یہ خطبہ جرأت و استقلال، شجاعت اور استقامت سر بلندی اور علو نفس کے آئینے ہیں جس میں جناب زینب کی مکمل تصویر نظر آتی ہے۔ دربار یزید میں حضرت زینب کے موقف پر مؤرخین اظہار حیرت اور استعجاب کرتے ہیں۔ ابن حجر (اصابہ جلد 8، ص 100) جناب زینب کے دل کی مضبوطی اور قوت استدلال پر حیرت کا اظہار کرتے ہیں۔

”جا حظ (البیان والتبيين) میں خزیمہ اسدی سے روایت کرتے ہیں کہ جناب حسینؑ کی شہادت کے بعد میں کوفہ گیا تو جناب زینب سے بہتر تقریر کرنے والا میں نے کسی کو نہیں پایا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا حضرت علیؑ کی زبان تھی جو ان کے دہن سے بول رہی تھی۔

”ہم جناب زینب کو دیکھتے ہیں کہ لطف اور مہربانی میں اپنی ماں کی طرح اور علم و پرہیزگاری میں اپنے باپ کی مانند ہیں۔ بعض روایات بتلاتی ہیں کہ ان کی ایک علمی انجمن تھی جس میں عورتیں ان کے پاس احکام دینی سیکھنے جایا کرتی تھیں۔ ان نمایاں (جاری)

”سیدہ زینب کی جرأت و بلاغت کے بارے میں ابو نصر لبنانی نے جو کچھ کہا ہے اس کا ترجمہ و مطالب اس طرح ہیں:

”سیدہ زینب کی قوت اور زور و دلائل جو واقعہ کربلا اور اس کے بعد، نیز آپ کی جرأت و بلاغت کلام ایسے بلند درجہ پر ہیں جن کی مثال نہیں ملتی اور مؤرخین و مصنفین سب اسی حقیقت پر گواہ ہیں“ (فاطمہ بنت محمد)۔

تاریخ کا فیصلہ

صفحات تاریخ پر سیدہ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا سے پہلے بہت سی ایسی خواتین کا ذکر ملتا ہے جو اپنی مدلل گفتگو اور خطابت کے لئے مشہور ہیں۔ لیکن تاریخ کا فیصلہ ہے کہ سیدہ فاطمہ الزہرا کے بعد کسی خاتون کا پتہ نہیں چلتا جس نے زینب کبریٰ جیسی فصاحت و بلاغت سے دامن سخن کو سنوارا ہو۔ آپ کے دورانِ خطاب ایسا معلوم ہوتا تھا گویا یہ خود حضرت علیؑ ہیں جو محو خطابت ہیں اور مؤرخین نے کوفہ میں ثانی زہرا کے خطبات میں جلوہ علیؑ کا مشاہدہ کیا (اعیان الشیعہ، ج 33، ص 191)۔

زینب کبریٰ مقام احتجاج میں سیدہ فاطمہ الزہرا کی مانند کلام کرتی تھیں اور بیان حق و منازل منطق و استدلال میں امیر المومنین حضرت علیؑ علیہ السلام کی طرح گفتگو کرتیں۔ آپ کی فصاحت و بلاغت بے نظیر اور احقاق و دفاع حق کی خاطر آپ کے دلائل و براہین بے مثل ہوتے۔ آپ کے متعلق تاریخ کا یہ حتمی فیصلہ ہے اور لا تعداد مصنفین اس فیصلہ تاریخ کے ہم نوا ہیں (رسالہ علویہ نیشاپوری)۔

ثانی زہرا کے متعلق ایک اور فیصلہ تاریخ اس طرح ملتا ہے: ”لیکن زینب بنت فاطمہ سلام اللہ علیہا:

”فَقَدْ أَظْهَرَتْ أَنَّهُمِنْ أَكْثَرِ أَهْلِ الْبَيْتِ خُبْرَاءَ وَبَلَاغَةً وَفَصَاحَةً“ (فاطمہ بنت محمد)۔

یعنی جہاں تک خواتین اہل بیتؑ میں سب سے زیادہ جرأت و فصاحت و بلاغت کا اظہار ہوا ہے۔

حسن کلام

زینب کبریٰ فطرۃ ادیبہ ہیں، ایسی ادیبہ کہ مصائب و آلام کے بھنور میں، مشکلات و مظالم کے سمندر میں بھی حسن کلام و

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

اوصاف نے جو ان کے زمانہ کی کسی عورت میں بیک وقت نہیں پائے جاتے تھے زینب کو دوسروں پر ممتاز کر دیا تھا۔ اسی لئے ان کو عقیلہ بنی ہاشم کہتے تھے اور ان سے لوگ علم حدیث حاصل کیا کرتے تھے۔ ابن عباسؓ ان سے حدیث نقل فرماتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ ہماری عقیلہ زینب دختر علیؑ نے یہ حدیث بیان کی اور یہ لقب ان پر ایسا منطبق ہوا کہ وہ ”عقیلہ“ کے نام سے مشہور ہو گئیں اور ان کی اولاد اس لقب کی طرف منسوب ہو کر بنی عقیلہ کہلاتی تھی“۔ (ص 130، 131)۔

قافہ سخن کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتیں۔ تمام تکلیف دہ حالات میں ادبیانہ گفتگو کا آپ کا ملکہ سامنے آتا ہے۔ ابن زیادہ ملعون کے دربار میں آپ نے ایسی گوہر بار زبان میں خطاب فرمایا کہ وہ ظالم حیران و پریشان ہو گیا، اسے کوئی راہ نظر نہ آئی تو تسخیر کی راہ اختیار کرتے ہوئے اپنے ارد گرد کے لوگوں سے کہنے لگا: ”دیکھو! کیسی مقفی و مسجع گفتگو کرتی ہے۔“

یہ انداز گفتگو ثانی زہر آ کو اپنے پدر بزرگوار سے وراثت میں ملا تھا۔ زینب کبریٰ نے ہجوم حزن و اندوہ میں فی البدیہہ ایسا کلام کیا جس کے اثر نے سننے والوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ شہزادی نے ابن زیاد کو مخاطب کر کے فرمایا:

”لَقَدْ قَتَلْتَ كَهْلِي“

تو نے ہمارے سردار و آقا کو قتل کیا۔

”وَأَبْرَثَ أَهْلِي“

ہمارے عزیزوں اور پیاروں میں سے کسی کو نہ رہنے دیا۔

”وَقَطَعْتَ فَرْعِي“

ہماری شاخوں کو کاٹ ڈالا۔

”وَأَجْتَنَنْتُ أَصْلِي“

ہماری جڑوں کو کاٹ ڈالا۔

”لَئِنْ لَيْسَ لَكَ هَذَا فَلَئِنْ اسْتَشْفَيْتُ“

”اگر تیرے درد کا علاج اسی میں تھا تو تو نے اس درد سے شفا پالی اور اپنے آپ کو سکون دے لیا“ (تاریخ طبری، ج 7،

ص 372)۔

آپ کے نوحہ کا انداز کلام بھی اسی طرح ہے۔ فرماتی ہیں:

”يَا مُحَمَّدَاهُ، صَلَّى عَلَيْكَ مَلِكُ السَّمَاءِ، هَذَا أَحْسَنُ مَرْمَلٍ بِالدَّمَاءِ، مُقَطَّعُ

الْأَغْضَاءِ وَبَنَاتُكَ سَبَايَا، إِلَى اللَّهِ الْمُشْتَكِي، وَإِلَى مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفَى وَإِلَى عَلِيٍّ

الْمُرْتَضَى، وَإِلَى فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ..... (چہرہ خونین حسین علیہ السلام)۔

”یا محمد! آپ پر آسمان کے فرشتوں نے صلوات پڑھی۔ یہ آپ کا حسین ریت اور خون میں آلودہ پڑا ہے، اس کے اعضاء کاٹ دیئے گئے ہیں، اور آپ کی بیٹیاں قید کر لی گئی ہیں۔ اللہ، محمد مصطفیٰ، علی مرتضیٰ اور فاطمہ زہرا کے پاس فریاد کرتی ہوں۔“

دربار یزید میں بھی قرآن مجید کے حوالہ سے عجیب و غریب بلاغت کا اظہار فرمایا۔ ہم اسی کوشش میں اس گفتگو کے اشارات اس کے موقع و مقام پر پیش کریں گے۔ آپ نے اس موقع پر اپنی خاندانی کراماتی گفتگو کا مظاہرہ کیا، ثبوت حق و

صداقت پیش کیا اور ظالموں کو ذلیل و حقیر کر دیا۔ ہم نے کبھی اس سے بلیغ تر خطابت نہیں دیکھی۔

ثانی زہرا کے کلام کا اثر

یہ گفتگو ثانی زہرا کے دل سے نکل رہی تھی اور اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر ہو رہی تھی۔ اس لئے ان الفاظ نے سننے والوں کے ضمیروں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ یہ خطابت بھی اسی طرح تھی جس طرح بازار کوفہ میں کی گئی تھی۔ ابھی شہزادی کے دہن مبارک سے وہ تین جملے ہی نکلے تھے کہ لوگوں نے اُن کو سن کر زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ ”یَا سَازَ الْحَسینِ عَلَیْہِ السَّلَام (اے خونِ حسین کا انتقام لینے والو! اٹھو) جیسی فریادیں لوگوں کے دلوں سے نکلنے لگیں۔

شہزادی نے کلام کا آغاز اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ نام سے کیا تھا، آپ کی حرکات دانہ ہائے تسبیح کی حرکت کی مانند مسلسل تھیں۔ یہ کلام دشمن کے لئے کاٹنے والی تلوار، عوام کا رہنما، خواتین کے لئے مرقع ہدایت اور مختلف طبقاتِ سامعین کے لئے انقلاب انگیز ثابت ہوا۔ زینب کبریٰ کی خطابت نے جسموں میں لرزہ پیدا کر دیا، لوگوں کی آوازیں ان کے گلوں میں پھنس گئیں، یہاں تک کہ ایک بزرگ کا قول ہے کہ اونٹوں کی گھنٹیوں میں سے بھی صدائے فریاد آتی تھی۔

ایک شخص دربار کوفہ میں موجود تھا۔ جب اُس نے مخدومہ کا کلام سنا تو اُس پر ایسا اثر ہوا کہ وہ بے اختیار رونے لگا۔ وہ شخص روتا جا رہا تھا اور کہہ رہا تھا:

میرا باپ آپ پر قربان۔

”بَابِی اَنْتُمْ“

آپ کی خواتین بہترین خواتین ہیں۔

”یَسَائِکُمْ خَیْرَ النِّسَاءِ“

آپ کے جوان بہترین جوان ہیں۔

”نَسَابُکُمْ خَیْرَ الشَّبَابِ“

آپ کے پختہ سال بہترین پختہ سال ہیں۔

”وَ کَهْوُ لَکُمْ خَیْرَ الْکَهْوُلِ“

مسئلہ کی اہمیت

اس گفتگو کی اہمیت اس حقیقت سے آشکار ہوتی ہے کہ یہ باتیں ایک اسیر خاتون کے دہن مبارک سے نکل رہی تھیں۔ یہ ایسی باتیں تھیں کہ اگر کسی فاتح کی زبان سے ادا ہوتیں تب بھی باعثِ تعجب ہوئے بغیر نہ رہتیں۔ کسی رئیسِ سلطنت کو بھی اپنی شان و شوکت کے باوجود ایسی پُر ہیبت و جلال گفتگو کا یا را نہیں۔ کوئی مصیبت زدہ اپنے اضطراب و حزن کی حالت میں کیسے یہ باتیں کہہ سکتا ہے!

زمینت کبریٰ کے خطاب کا دیگر خواتین سے مقابلہ غیر مناسب نہ ہوگا اگر انہیں حالات میں کسی کو پایا جائے۔ آپ کا کلام بیجاں آمیز اور نہایت فصیح و بلیغ تھا۔ یہ کلام آیات قرآنی سے مرصع، اسلام کے فلسفہ عالمگیر کا علمبردار اور اس کے دلائل و براہین سب سننے والوں کو ورطہ حیرت میں ڈال رہے تھے۔

اس کلام کا اثر یہ ہوا کہ غفلت زدہ ذہن بیدار ہو گئے، مضطرب معاشرہ ہوشیار ہو گیا۔ جو لوگ جانوروں کے ریوزوں جیسی زندگی بسر کر رہے تھے، آزادی و مردانگی و شجاعت سے بے بہرہ ہو چکے تھے وہ اس کلام کو سن کر بیدار و ہوشیار ہونے لگے۔ انہیں جرأت پیدا ہو گئی کہ ہدف زندگی کے حصول کیلئے متحرک ہو جائیں۔



۱. زینب کبریٰ کی عفت و حجاب

اس بد اخلاق و پریشان معاشرہ میں جہاں کوئی معیارِ شرافت باقی نہ تھا اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوش (سیدہ طاہرہ کے اسمائے مبارک میں ایک نام کوثر بھی ہے) عطا فرما کر عوام الناس پر حجت قائم فرمائی۔ پھر انہیں عفت و تقویٰ و اخلاق کا نمونہ قرار دیا تاکہ معاشرہ اسلامی کی خواتین سیدہ طاہرہ سے سبق لے کر اسلامی راہ و روش اختیار کریں اور یہ نہ کہہ سکیں کہ دور رسالت میں عفت و پردہ کے امکانات کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔

جناب سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی وفات کے بعد آپ کی صاحبزادی زینب کبریٰ نے حکم شرع و فریضہ واجبہ کے طور پر اپنی مادرِ معصومہ کی روش کو اختیار کیا اور ہر پہلو سے عفت و پردہ کی ضروریات کو اپنا کر اپنے آپ کو نامتہ الزہرا ثابت کر دکھایا۔

علامہ مقانی کہتے ہیں: ”آپ پردہ و عفت و پاکیزگی میں اپنے دور کی بے مثال ہستی تھیں۔ بچپن میں اپنے والدین شریفین کی زندگی اور اپنے برادرانِ عالی مقام کے زمانہ سے لے کر کوفہ کے مصائب کے ایام تک کسی مرد کی نظر آپ پر نہ پڑی تھی (ایمان الشیعہ، ج 33، ص 191)۔ اس کے علاوہ تمام امورِ زندگی میں، حتیٰ کہ صبر و استقلال اور قوتِ ایمانی و تقویٰ میں بھی ثانی زہرا یکماتے زمانہ تھیں“ (ایمان الشیعہ، ج 33، ص 191)۔

دورِ شباب

دیکھنا ہوگا کہ جوانی کے زمانہ میں یا حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ کے ساتھ شادی کے بعد آپ کیسی کیفیت کی مالک تھیں، یا اس کے بعد آپ محافلِ خواتین میں کس طرح نظر آتی تھیں۔ اس سلسلہ میں تاریخ بالکل خاموش ہے۔ ذاکرؒ اکتفاً کتبہ بنت الشاطی کے بقول کہیں بھی تاریخ آپ کی شکل و صورت و حسنِ ظاہری کا تذکرہ نہیں کرتی (زینب، شیردل خاتون کربلا، ص 52)۔ اسی قدر پتہ چلتا ہے کہ زینب کبریٰ اپنے حجاب میں مستور رہتی تھیں۔ ممکن نہ تھا کہ پردہ کے پیچھے رہنے کے علاوہ کسی صورت میں آپ کو دیکھا جاسکے۔ آپ کا یہ طریق کار بذاتِ خود آپ کے معتقدین و پیروان کے لئے بہت بڑا درس ہے۔

آپ کی حضرت عبداللہ کے ساتھ زندگی کا جہاں تک تعلق ہے، یا اُن محافلِ درس کا جو آپ کوفہ و مدینہ میں منعقد فرماتی

تھیں، تاریخ کوئی تذکرہ نہیں کرتی۔ ہر جگہ عفت و پاکیزگی اور تقویٰ و طہارت ہی کا ذکر ملتا ہے۔ صرف عاشورہ محرم ۱۱ھ کے واقعات میں ہی آپ کو باہر دیکھا گیا۔ اس کے علاوہ اپنے پدر بزرگوار اور بھائیوں کے تمام زمانہ حیات میں کسی ایک مقام یا موقعہ پر بھی آپ کی خطابت کا پتہ نہیں چلتا۔

زینب کبریٰ کی والدہ محترمہ جناب سیدہ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا پر بھی یہی کیفیت صادق آتی ہے۔ دختر رسول خدا معصوم تھیں۔ آپ کی تمام زندگی میں کوئی ایک موقعہ بھی ہمیں نہیں ملتا جب آپ نے کبھی مردوں یا خواتین کے اجتماع میں تشریف لا کر کسی گفتگو کا ارادہ یا خطابت کی ہو۔ وفات رسول اکرم کے بعد آپ کو اعلائے کلمۃ الحق کرنا پڑا، آپ کے حق کو روک لیا گیا، آپ کو ڈرے مارے گئے، آپ کے استحقاق کو لوگوں پر مشتبہ کیا گیا، وغیرہ وغیرہ۔ اُس وقت سیدہ طاہرہ مسجد نبویؐ میں جملہ شرائط اور ضوابط پردہ کو اختیار کر کے گفتگو کیلئے تشریف لائیں۔ روایت یہ بھی ہے کہ سیدہ اور لوگوں کے درمیان پردہ لٹکا دیا گیا۔

ثانی زہرا کیلئے حضرت علیؑ کا طرزِ عمل

ہماری تحقیق و اسناد کے مطابق امیر المؤمنین علیہ السلام نے اپنی بیٹی کیلئے اس طرزِ عمل کو قائم رکھا۔ آپ کی مستقل کوشش رہی کہ زینب کبریٰ پر کسی کی نظر نہ پڑنے پائے۔ یہ طرزِ عمل صرف ایک دو مواقع پر ہی منحصر نہیں۔ ہمیں اس سلسلہ میں کسی خاص جستجو یا جدید تحقیق کی ضرورت نہیں کیونکہ مسئلہ نہ صرف شیعانِ علیؑ پر روزِ روشن کی طرح واضح ہے بلکہ مؤرخینِ حضراتِ اہل سنت نے بھی اس حقیقت پر خامہ فرسائی کی ہے۔

یہی نامی ایک عالمِ شخص کا بیان ہے: ”میں ایک عرصہ تک مدینہ میں حضرت علیؑ علیہ السلام کے پڑوس میں رہا۔ میرا گھر سیدہ زینب کے خانہ اقدس کے بالکل قریب تھا۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمام عرصہ میں نہ تو میں زینب کبریٰ کا کبھی قد و قامت دیکھ پایا اور نہ ہی میں نے کبھی اُن کی آواز سنی۔ جب کبھی شہزادی اپنے جدِ بزرگوار جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی غرض سے اپنے گھر سے باہر نکلنے کا قصد فرماتیں تو کوشش یہی ہوتی کہ رات کے وقت گھر سے باہر آئیں۔ جب بھی ایسا موقع آتا تو امام حسن علیہ السلام آپ کی دائیں طرف، امام حسین علیہ السلام بائیں طرف اور خود امیر المؤمنین علیہ السلام آگے آگے تشریف لاتے۔ جونہی قبرِ اطہر رسول خدا قریب آتی، امیر المؤمنین آگے بڑھ کر چراغ ہائے مزار کو کم کر دیتے۔“

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے ایک روز ایسا کرنے کی وجہ دریافت کی۔ امیر المؤمنین علیہ السلام نے جواب دیا: ”مجھے خوف ہے کہ کوئی تمہاری بہن زینب کے قد و قامت کا اندازہ نہ کر پائے“ (زینب الکبریٰ، ص 27)۔

اس سلسلہ میں کچھ اور باتیں بھی ہیں جنہیں ہم بطور ذیل میں پیش کریں گے۔

زینب کبریٰ کی اپنی احتیاط

اموی حکومت کے ظلم و زبردستی کی انتہا یہ ہوئی کہ اسیری کے دوران زینب کبریٰ کو مع دیگر اسیران اہل بیت دربار یزید میں جانا پڑا جہاں باہر کے لوگوں اور جملہ ظالمان کا سامنا تھا۔ اسی اجتماع میں اسیران ظلم کی نشان دہی کی گئی۔ سیدہ زینب اس گستاخی پر بہت پریشان ہوئیں۔ یزید کو مخاطب کر کے فرمایا:

”أَمَا تَحْجُبِي وَتَحْذَرِي؟“ ”کیا تجھے شرم و حیا نہیں آتی؟“

”حَرَمُكَ فِي الْخَدْرِ“ ”اپنی بیوی اور عورتوں کو توڑنے پر پردہ میں بٹھا رکھا ہے۔“

”وَأَشْتَهَرْتَ بَنَاتِ رَسُولِ اللَّهِ“

”اور رسول اللہ کی بیٹیوں کو لوگوں میں بے پردہ لے آیا ہے؟“ (زینب اُخت الحسین)

علاوہ ازیں سہل ساعدی کا واقعہ ہے جو دمشق میں جناب سید الساجدین علیہ السلام سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ انام نے حکم دے رکھا تھا کہ سر ہائے شہداء کو قافلہ اسیران سے کسی قدر آگے رکھا جائے تاکہ لوگ سروں کی طرف متوجہ ہوں اور کم سے کم خواتین کو دیکھ پائیں (تاریخ طبری، ج 7)۔

اسی واقعہ میں یہ بھی سنا جاتا ہے کہ زینب کبریٰ نے فرمایا کہ اگر تیرے پاس پردہ کا کوئی انتظام ہو تو مستورات اور ہماری بیٹیوں کیلئے مہیا کر دے تاکہ وہ اپنے آپ کو کو با پردہ کر سکیں (تاریخ عاشورا کی طرف رجوع فرمائیں)۔

آخر میں ہم اس قدر کہنا چاہیں گے کہ سیدہ زینب کبریٰ اس تمام واقعہ میں یکتا اور خواتین کے لئے نمونہ ہیں۔ اگر خواتین برادری کی افراد سیدہ زینب کی بیٹیاں کہلانا چاہتی ہیں تو انہیں چاہئے کہ اس عظیم مادر گرامی کی پیروی کریں، یہ گمان نہ کریں کہ پردہ عورت کے کام کرنے اور اس کی فعالیت میں رکاوٹ کا باعث ہے کیونکہ سیدہ زینب سے زیادہ فعال و مجاہدہ و عابدہ اور کون خاتون ہو سکتی ہے!

۲۔ ثانی زہرا کی عبادت و مناجات

زینب کبریٰ خدا شناس مخدومہ ہیں۔ بچپن کے زمانہ ہی سے عشق پروردگار اور محبت الہی آپ کے قلب میں موجزن ہے جو آپ کی عبادت اور ذات باری تعالیٰ کے حضور تضرع و زاری کی صورت میں ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ ایک مرتبہ اپنے بچپن کے

زمانہ میں اپنے پدر بزرگوار سے پوچھتی ہیں: ”بابا! کیا آپ کوئی دوست رکھتے ہیں یا نہیں؟“

جواب مثبت ملتا ہے۔ اُسی وقت دوسرا سوال پیش کرتی ہیں: ”بابا جان! کیا یہ ممکن ہے کہ ایک ہی دل میں حُبِ خدا اور محبتِ اولاد بیک وقت جمع ہوں؟“

فرمایا: ”اللہ کی محبت خصوصیت کی حامل ہے جبکہ اولاد پر شفقت کرنا لازم ہے۔“ (مستدرک، ج 2، ص 635)۔

عینی زہرا اللہ تعالیٰ کے حضور عبادت گزار اور حاملِ صبر و رضا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شکر گزار بندہ اور اہلِ دُعا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے قرب کے باعث آپ کو ایک قسم کا کشفِ بصیرت حاصل ہے جس کی بنا پر آپ کہنے حقائق کو ظاہر و آشکار مشاہدہ فرماتی ہیں اور نہ سنی جانے والی باتوں کی بھی سامع ہیں۔ اس کیفیت کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق بن چکی ہیں:

”كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ“

یعنی ”جب کوئی بندہ واقعی معیارِ زندگی پر پورا تر رہا ہو تو میں (اللہ خود) اُس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اُس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھنے لگتا ہے“ (حدیث قدسی)۔

عبادتِ ثانی زہرا

سیدہ زینبؓ عالیہ عبادت کے سلسلہ میں عابدہ عارفہ کے درجہ پر فائز ہیں۔ جس وقت عبادتِ الہی میں مصروف ہوتی ہیں تو غیر خدا سے آپ کا ہر قسم کا رشتہ کٹ چکا ہوتا ہے۔ بعض محدثین و مصنفوں نے منزلِ عبادت میں آپ کو آپ کی والدہ گرامی جناب سیدہ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کے ہم شبیبہ قرار دیا ہے، بالخصوص نمازِ تہجد میں۔ منقول ہے کہ روزِ عاشورہ و دواعِ آخر کے موقع پر امام حسین علیہ السلام نے اپنی اس خواہرِ عالی مقام سے کہا: ”بہن! مجھے اپنی دعائے نمازِ شب میں فراموش نہ کرنا۔“

”يَا أُخْتَاهُ لَا تَنْسِينِي فِي نَافِلَةِ اللَّيْلِ“۔ (مقتلِ الحسینؓ، فاضل قاکینی)

زمانہ کے حوادث اور آلام کے بھونرنے بھی، مصائب و اندوہ کے طوفانوں نے بھی آپ کو عبادتِ خدا اور رابطہ پروردگار سے غافل نہ کیا۔ انتہا یہ ہے کہ محرم ۶۱ھ کی گیارہویں شب کو بھی تمام اضطراب و اضطرار کے باوجود آپ نے نمازِ شب کو فراموش نہ کیا۔ جناب سید الساجدین علیہ السلام فرماتے ہیں: ”میں نے آپ کو دیکھا کہ اُس رات آپ بیٹھ کر نمازِ شب ادا کر رہی ہیں۔“

”رَأَيْتُهَا تِلْكَ اللَّهُ تَصَلِّي مِنْ جُلُوسٍ“۔ (فاطمہ زہرا، ص 64)

دعا و مناجات بہ حضور پروردگارِ عالم اور تلاوتِ قرآن پاک بھی آپ سے ترک نہ ہوا۔ اس سلسلہ میں صرف اپنی ذات

سے ہی ان امور کو متعلق نہ جانتی تھیں بلکہ دوسروں کو بھی ان امور کی وصیت فرماتی تھیں۔ آپ کے نصائح میں وارد ہے کہ دوسروں کو نصیحت کرتیں اور فرماتیں: ”اللہ تعالیٰ سے اُس کی اُس قدرت کی بنا پر ڈرو جو اُس کو تم پر حاصل ہے۔ نیز اپنے ساتھ اُس کے قرب کی خاطر اُس سے حیا کرو“۔ کبھی اس طرح فرماتیں: ”اگر کوئی چاہتا ہے کہ دوسرے بزرگ اللہ تعالیٰ کے حضور اُس کی شفاعت کریں تو چاہئے کہ وہ حمپروردگار کی راہ اختیار کرے اور.....“ (اعیان الشیعہ، ج 33)۔

سیدہ زینبؓ کی منزلِ شکر پروردگار

ثانی زہراؓ اللہ تعالیٰ کی شکر گزار اور حمد گزار خاتون ہیں۔ آپ کی تمام سوانح حیات میں جہاں کہیں آپ کی کوئی گفتگو نظر آتی ہے اس کی ابتداء خدائے بزرگ کی حمد و ستائش سے ہوتی ہے۔ شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بعد جبکہ آپ کا عرصہ حیات بالکل مختلف قسم کے موارد و مشکلات سے مملو تھا، یہ عمل کبھی نظر انداز نہ ہوا۔

ابن زیاد جیسے بداندیش و بدنہاد دشمن کے دربار میں بھی، جو اپنی ذلیل و کمینہ گفتگو سے آپ کی منزلِ عظمت کو منہدم کرنا چاہتا تھا، آپ نے حمپروردگارِ ادا فرمائی اور شہادت کو اپنے خاندان کیلئے باعثِ افتخار قرار دیا (زینبؓ در مجلس ابن زیاد)۔ بازارِ کوفہ میں لوگوں کے ہجوم سے خطاب فرماتے ہوئے حمپروری تعالیٰ سے ابتداء کی اور اس طرح خطابت شروع فرمائی:

”الْحَمْدُ لِلّٰہِ، وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی جَدِّیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ، اَمَّا بَعْدُو..... (بلاغات النساء)۔

در بار یزید میں بھی حمد و ثنائے پروردگارِ ثانی زہراؓ کی زبان پر جاری تھی۔ ارشاد فرمایا:

”اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے جو انسان بہشت کے سرداروں کو خوش بختی و بخشش کی منزلِ مرحمت فرمائی اور جنت کو ان کی آرام گاہ قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتی ہوں کہ اُن کے درجات کو بلند فرمائے اور اپنے فضل و کرم کی عنایات اُن پر زیادہ کرے کہ وہ ہر کام پر ہمیشہ قدرت رکھتا ہے“ (بلاغات النساء)۔

اس کے علاوہ بھی سیدہ زینبؓ سے بہت سی دعائیں منقول ہیں جن میں ایک یہ بھی ہے:

”الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِنِعْمِہٖ بَلَغْتُ، وَالْعَمَلُ لَہٗ، وَالرَّغْبَةُ اِلَیْہِ، وَالطَّاعَةُ لِاَمْرِہٖ. الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَجْعَلْنِیْ جَا حِدًا لِشَیْءٍ مِّنْ کِتَابِہٖ، الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَجْعَلْنِیْ مُتَحِیِّرًا فِی شَیْءٍ مِّنْ اَمْرِہٖ.....“ (اعیان الشیعہ، ج 33)۔

یعنی ”حمد و سپاسِ خصوصی ہے پروردگارِ عالم کے لئے جس کی تمام نعمات، جن کی ہمیں احتیاج ہوتی ہے، ہمیں مل جاتی

ہیں۔ جو عمل ہم اُس کی خاطر بجالاتے ہیں، جس قدر توجہ اُس کی طرف رکھتے ہیں، اُس کے احکام کی جس قدر اطاعت کرتے ہیں، سب کچھ اُس کی نعمات کے سایہ میں واقع ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اُس کا شکر بجالاتی ہوں کہ اُس نے مجھے اپنی کتاب مقدس میں مذکور کسی چیز کا منکر قرار نہیں دیا اور مجھے اپنے کسی امر میں پریشانی میں مبتلا نہیں کیا۔“

سید الساجدینؑ و توصیفِ ثانیؑ زہراؑ

امام زین العابدین علیہ السلام کی وہ شخصیت ہے جو سیدہ زینبؑ کو مستقل طور پر ہمیشہ اس طرح اپنے ہمراہ رکھتے تھے جس طرح کوئی پرستار کسی کے ساتھ رہتا ہے۔ روزِ عاشور کے واقعات اور پھر اُس کے بعد بھی ثانیؑ زہراؑ سب سے زیادہ سید الساجدین علیہ السلام کے ساتھ ساتھ رہتی تھیں۔ امامؑ نے اپنی محترم پھوپھی صاحبہ کو دیکھا کہ وہ مختلف قسم کے اجتماعات میں شرکت فرماتیں۔ یہ طریقہ عمل زینبؑ کبریٰؑ اپنی عبادت کے طور پر اختیار کرتی تھیں۔ سید الساجدین علیہ السلام فرماتے ہیں:

”میری پھوپھی سیدہ زینبؑ کربلا سے کوفہ و شام کے طویل سفر میں اپنے تمام فرائض کو مکمل طور پر انجام دیتی تھیں۔ بعض اوقات آپ کئی منازل پر نماز بیٹھ کر پڑھتی تھیں جس کی وجہ کمزوری اور بھوک کی شدت ہوتی تھی۔ یہ سب کچھ سفرِ شام کے دوران، بالخصوص آپ پر توڑے گئے مصائب و شدائد کے دوران ہوتا تھا، جب کہ اس زمانہ میں بھی کبھی آپ نے نافلہِ شب کو ترک نہ کیا تھا (فاطمہ زہراؑ ص 641)۔ بیٹھ کر آپ کے نماز پڑھنے کی وجہ صرف یہ ہوتی تھی کہ آپ اپنا کھانا بچوں میں تقسیم کر دیتی تھیں۔ یہ وجہ آپ کے خود بھوکا رہنے کی ہوتی تھی۔“

یقیناً ثانیؑ زہراؑ عبادت گزار اور تسلیم و رضا کا پیکر تھیں۔ آپ نماز کو بہت دوست رکھتی تھیں کیونکہ یہ عمل بارگاہِ پروردگار

1۔ ریاضین الشریعہ، ج ۳، ص ۶۲۔ مترجم یہاں ”زینبؑ، زینبؑ ہے“ مترجمہ آغا حسن رضا غدیری سے ایک اور اقتباس پیش کرتا ہے۔ علامہ فرماتے ہیں: ”سیدہ زینبؑ کی بلند شخصیت و عظمت کے اظہار کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ نے اپنے وقت کے امام سید الساجدین زین العابدینؑ کی زندگی کو چار مقامات پر سہارا دیا:

- 1۔ اُس وقت جب اُستقواء نے اولادِ رسولؐ کے خیموں کو نذرِ آتش کر دیا اور امام سجادؑ آگ کے شعلوں کی پلیٹ میں آچکے تھے۔
- 2۔ اُس وقت جب امام زین العابدینؑ شمر کی بربریت کا نشانہ بن کر تازیانوں پر تازیانے کھارہے تھے۔
- 3۔ اُس وقت جب ابن زیاد نے امام زین العابدینؑ کا چراغِ حیات گُل کرنا چاہا۔
- 4۔ اُس وقت جب آغوشِ ملوکیت کے پروردہ یزید نے امام زین العابدینؑ کو اپنی بربریت و آمریت کے پنہوں تلے روندنے کی کوشش کی۔

میں بہت زیادہ عاجزی کا مظہر ہے۔ آپ کسی بھی قسم کے حالات میں کبھی نماز سے غافل نہ تھیں۔ نماز کے ساتھ آپ کی وابستگی آپ کی شب یا زہم محرم کی مصروفیت سے ثابت ہوتی ہے جب آپ غم و اندوہ میں گرفتار تھیں اور اسی کیفیت میں آپ کو یتیم بچوں کی سرپرستی بھی کرنا پڑ رہی تھی (حسین بن علی، ص 17، 170)۔

”وَأَمَّا عَمَّتِي زَيْنَبُ فَإِنَّهَا لَمْ يَزَلْ قَائِمَةً فِي تِلْكَ اللَّيْلَةِ أَيَّ الْعَاشِرَةِ مِنَ الْمُحَرَّمِ فِي مُحَرَّابِهَا“۔

”جہاں تک میری پھوپھی زینب کا تعلق ہے وہ محرم کی دسویں شب کو صبح تک محراب عبادت میں مشغول نماز رہیں۔“

”لَسْتُ غِيثٌ إِلَى رَبِّهَا“ اپنے پروردگار کے حضور استغاثہ کرتی رہیں۔

”لَمَّا هَذَا لَهَا عَيْنٌ“ ہرگز تمام شب آرام کے لئے آنکھ بند نہ کی۔

”وَلَا سَكَتٌ لَهَا دِنَّ“ اشک ریزی و فغاں سے بالکل سکون و آرام نہ پایا (مشیر الاحزان، شریف جواہری)

اسی طرح فرماتے ہیں کہ اس رات بھی میری پھوپھی زینب کبریٰ نے اپنی عبادت و مناجات و نماز شب کو ترک نہ کیا۔ مستقل طور پر مالک حقیقی سے راز و نیاز اور اشک افشانی جاری رکھی (ریاحین الشریعہ، ج 3، ص 73) جبکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ شب عاشور خانوادہ رسول پر سخت ترین شب تھی، صبح کو واقعہ ہونے والے حالات کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے۔ شب عاشور باہم بات چیت کی آخری شب تھی۔ یہ شب وداع تھی جس میں سب لوگوں کو اپنے بچوں، زندگی اور وصایا کے سلسلہ میں گفتگو کرنا لازم تھی۔ ایسے حالات میں بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو اس مصیبت و اضطراب کے عالم میں پروردگارِ عالم کے ساتھ رابطہ پیدا کرنے کے متعلق حوصلہ و ہمت و ہوش قائم رکھنے کے قابل ہوں۔

زینب کبریٰ کی دُعا و نفرین

ثانی زہر آ منزل دعا پر فائز تھیں۔ اسنادِ تاریخ سے ثابت ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے اس قدر رابطہ و قرب رکھتی تھیں کہ آپ کو مستجاب الدعویٰ کہنا درست ہوگا۔ اکثر پریشان حال و مصیبت زدہ لوگ جناب زینب عالیہ کو خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اپنی حاجات کی برآوری کیلئے آپ سے دعا کے خواستگار ہوتے۔ یہ کیفیت آپ کے بچپن ہی سے شروع ہو چکی تھی۔

اصولی طور پر حقیقت یہ ہے کہ خلوص و صفائی قلب کے ساتھ جو ہاتھ بارگاہ پروردگار میں بلند ہوتے ہیں وہ ہرگز مقامِ استجاب سے ناکام نہیں پلٹا کرتے۔ اس صورت میں ثانی زہر آ سے زیادہ ان شرائط کا حامل کون ہو سکتا ہے! بچپن ہی سے آپ

عشقِ رب العزت سے سرشار تھیں۔ اس بچپن کے عالم میں اپنے ننھے ننھے ہاتھ درخواست کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف بلند فرماتیں، حتیٰ کہ آپ کی یہی کیفیت عالم بزرگی تک قائم رہی۔

ہم یہاں صرف اس قدر عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ثانی زہرا کی دعا و نفرین دونوں منزلِ اجابت پر تھیں۔ کوفہ میں امِ حجام نامی ایک عورت نے امام حسین علیہ السلام کے نورانی سراقِ قدس کی، جو نیزہ پر تھا، اہانت کی جو شہزادی کو گراں گزری۔ آپ نے اس پر نفرین کی۔ وہ عورت اسی وقت عمارت کی چھت سے نیچے گری اور واصلِ جہنم ہوئی۔

روزِ عاشور عصر کے وقت دشمن خیمہ گاہِ امامِ مظلوم میں گھس آیا۔ ایک ظالم امامِ مظلوم کی صاحبزادی کے کانوں سے گوشوارے اتارنے لگا در آنحالیکہ وہ روتا بھی جاتا تھا۔ سیدہ زینبؓ نے پوچھا کہ کیوں اس بچی کے کانوں سے گوشوارے ظلم سے اُتارتا ہے اور پھر روتا بھی ہے؟ اس ظالم نے جواب دیا کہ روتا اس لئے ہوں کہ میرا دل اس بچی کے حال پر جلتا ہے لیکن ایسا اس لئے کر رہا ہوں کہ اگر میں یہ گوشوارے نہ چھینوں گا تو کوئی اور چھین لے گا۔ زینبؓ کبریٰ نے اس پر اس طرح نفرین کی:

”قَطَعَ اللَّهُ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ، وَحَرَّقَكَ اللَّهُ بِنَارِ الدُّنْيَا قَبْلَ نَارِ الْآخِرَةِ“۔

”اللہ تیرے ہاتھ پاؤں قطع کرے اور آتشِ دوزخ سے پہلے آتشِ دنیا تجھے جلا ڈالے“۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ وہ مختار ابن ابوعبیدہ ثقفی کے سامنے گرفتار ہو کر آیا اور اس پر وہی عقوبت جاری کی گئی (قیامِ مختار)۔

دربارِ یزید میں ایک شامی ملعون نے سید الشہداء علیہ السلام کی چھوٹی صاحبزادی کو کنیزی کے لئے مانگا۔ زینبؓ عالیہ نے اس پر نفرین کی اور فرمایا:

”قَطَعَ اللَّهُ لِسَانَكَ، وَأَعْمَى عَيْنَكَ، وَأَيَّسَ يَدَيْكَ“۔

”اللہ تیری زبان کو قطع کرے، تیری آنکھوں کو اندھا کرے اور تیرے ہاتھوں کو خشک کرے“۔ چنانچہ ایسا ہی

ہوا (ریاحین الشریعہ، ج 3)۔

اس قسم کی عقوبات کی بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ یہ مثالیں اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا غضب و انتقام ہمیشہ ان لوگوں پر وارد ہوا جو تخریبِ دین کے موجب بنے یا دین و انسانیت کے تقدس کو جنہوں نے پامال کیا۔ یہ عمل ہمیشہ واقع ہوتا ہے، فطرت و سنتِ الہی کے عین مطابق ہے اور اس میں کسی طرح کے مبالغہ کو قطعی دخل نہیں۔

نظر بصیرت

ثانی زہرا کی نگاہ بصیرت کے مکاشفات بھی عین حقیقت ہیں۔ پروردگار عالم سے آپ کے ارتباط کا اندازہ و معیار یہ ہے کہ آپ پر نظر بصیرت کے ذریعے جملہ امور آشکار ہو جاتے تھے۔ آپ حقائق کا مشاہدہ کر لیتیں اور آئندہ کے لئے ان کے مطابق اپنی صائب رائے کا اظہار فرمادیتی تھیں۔ اپنے علم و ایمان کے مطابق اور جس مسئلہ کے بارے میں گفتگو فرماتیں اس پر مکمل یقین و ایمان رکھتی تھیں۔

ایک بزرگ روایت کرتے ہیں کہ جب آپ کربلا کی قتل گاہ میں تشریف لائیں تو یہ الفاظ زبان مبارک سے ادا فرمائے:

”يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذَا حُسَيْنٌكَ“.

ان الفاظ کی ادائیگی کے وقت آپ نے حقیقتاً رسول اکرم کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔

علی ہذا القیاس ابن زیاد ملعون سے گفتگو کے دوران فرمایا: ”بہت جلد خداوند عالم تیرے اور شہدائے کربلا کے درمیان عدل فرمائے گا اور اللہ کے حضور تم لوگوں کی دشمنی کے مقدمہ پر بحث و دلائل پیش ہوں گے.....“

یہ الفاظ مخدومہ کائنات نے ایسے عزم و استقامت کے ساتھ ادا فرمائے گویا آپ قیامت اور عدالت پروردگار کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہیں۔ یہ سب کچھ زینب عظمیٰ کی شان و مرتبہ کے عین مطابق ہے اور اس میں قطعی کسی مبالغہ کو دخل نہیں۔

۲. ثانی زہرا کی منزل عصمت و نیابت

ہم ایک بار پھر علامہ مامقانیؒ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ علامہ فرماتے ہیں:

”وَمَا أُذْرِيكَ مَا زَيْنَبُ“ (اعیان الشیعہ، ج 33).

یعنی تو کیا جانے زینب کیا ہے؟

ہم جو کچھ بھی اُن کی توصیف اور شان میں کہتے ہیں، کم کہتے ہیں۔ آپ کی دو خصوصیات ایسی ہیں جن کی یا تو دوسروں میں صرف علامات نظر آتی ہیں یا وہ خصوصیات بہت کم درجہ پر پائی جاتی ہیں۔

”پہلی خصوصیت یہ ہے کہ آپ سن رشد کو ایسے ماحول میں پہنچیں اور ایسے ماحول میں آپ نے زندگی بسر کی کہ وہ ماحول کسی اور کو میسر نہ ہوا۔ آپ نے عصمت کی فضا میں پرورش پائی اور جملہ معصومین کے درمیان ہوش سنبھالا بلکہ آپ کی پوری زندگی انہی کے درمیان اور اُسی فضا میں بسر ہوئی۔

آپ کے اولین مربی وہ حضرات ہیں جو سب کے سب معصوم ہیں یعنی سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور سیدہ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا۔ ان حضرات معصومین کے درمیان وہ فضا قائم تھی جو عطر و جود سے معطر تھی۔ یہ وہ خاندان ہے جس کیلئے قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

”فِي بُيُوتٍ اِذْنُ اللّٰهِ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا السُّمُوۡةُ.....“ (سورہ نور: 36)

ان کے بعد آپ کی حیات اقدس امام حسن، امام حسین، امام زین العابدین اور بروایت کچھ عرصہ امام محمد باقر علیہم السلام کے ساتھ بسر ہوئی جو سب کے سب آئمہ معصومین ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اتنے معصومین کے کرداروں نے آپ کے مزاج و کردار میں نفوذ نہ کیا ہو یا موثر نہ ہوئے ہوں؟ تاریخ اس کا جواب یہ دیتی ہے کہ کیونکر ممکن ہے کہ یہ کردار معصومین آپ پر اثر انداز نہ ہوئے ہوں، بلکہ ان سب کا آپ کے طریق حیات میں عمیق و مستقل اثر پایا جاتا ہے جس کی مثالیں اور آثار صاف نظر آتے ہیں اور آئندہ صفحات میں پیش ہوں گے۔

منازل کردارِ زینب علیا

ثانی زہرا بہت بلند مقام و کردارِ رفیع کی مالک ہیں جس میں ان کی کوئی مثل و نظیر نہیں۔ آپ عابدہ ہیں، زاہدہ ہیں، عارفہ ہیں، فصیحہ ہیں، ہلیغہ ہیں، جواد و کریم ہیں، رزم و بزم دونوں کی اہل ہیں، مشفقہ ہیں، محبت کرنے والی ہیں، مقامِ ولایت کی پیغام رساں ہیں، ابنِ اثیر کے بقول عاقلہ ہیں، خردمند ہیں، سخنِ محکم رکھتی ہیں، مقامِ ذکر حدیث و روایات آپ کی قیام گاہ ہے۔ ابنِ عباسؓ جیسے لوگ کہتے ہیں: ”حَدَّثَنِي عَفِيْلَتَا“ (الکامل) یعنی یہ بات ہمیں ہماری عقیلہ نے بتائی۔ بہ الفاظِ دیگر زینب علیا امامت (سفینہ، ج 1، ص 558) کی سرود شدہ امانات (مقاتل الطالبین) کے بوجھ کیلئے مناسب و شائستہ ترین ہستی ہیں۔

علامہ برغانی آپ کو ان مقامات سے نسبت دیتے ہیں جو شانِ امامت کیلئے مخصوص ہیں (مجالس المتقین)۔ دیگر مصنفین اور مؤرخین نے بھی آپ کو متعدد مقاماتِ باطنی، معنوی، عرفانی، فضائل و خصال، علم و عمل، عصمت و عفت کے سلسلہ میں سیدہ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کا ثانی قرار دیا ہے (طرز المذاہب)۔

فخر عصمت و نیابت

ثانی زہرا صرف اس بصیرت کی بنا پر جس کا اندازہ ہمیں حیاتِ رسول و معصومین علیہم السلام سے ہوتا ہے، غلطی اعتبار سے معصومہ نہیں ہیں۔ علامہ ماسقانیؒ کے بقول اگر کوئی شخص حیاتِ زینب علیا سے واقفیت رکھتے ہوئے بھی آپ کی عصمت

کے بارے میں بحث کرتا ہے تو ہم کہیں گے کہ اُس کو زیب نہیں دیتا کہ اس امر میں کسی طرح کا شک کرے کیونکہ معاملہ اگر آپ کی عصمت کے برعکس ہوتا تو امام حسین علیہ السلام پر لازم نہ تھا کہ وداع آخر کے وقت رموزِ امامت اور اپنے وصایا کو آپ کے سپرد فرماتے (اعیان الشیعہ، ج 33، ص 191)۔

حقیقت یہ ہے کہ زینبؓ کبریٰ سے ان کی پاک زندگی کے دوران ایسے مواقع و حالات ظاہر ہوئے جو معصوم حضرات کے سوا کسی سے متوقع نہیں ہو سکتے۔ آپ کے سوا اور کون ایسا شخص ہو سکتا ہے جو سفرِ حیات میں ہر لحظہ ذات پروردگار سے منسلک رہ سکے اور ہر وقت اپنی زندگی، کردار، اقدار، عمل اور گفتگو پر اس قدر قابو رکھ سکے۔ آپ نے اپنی تمام عمر صحبتِ معصومینؑ میں بسر کی تھی، ہمیشہ معصومینؑ کے ساتھ رہیں، حتیٰ کہ اُس مقام پر فائز ہو گئیں جو صحیح معنی میں مقامِ امانت تھا۔ لہذا آئمہ معصومینؑ عیہم السلام آپ پر اعتمادِ کامل رکھتے تھے۔

پیر و عصمت

کئی مصنفوں اور صاحبانِ فہم لوگوں نے آپ کو مقامِ عصمت کا شناسا و پیر و قرار دیا ہے۔ آپ کو معصوم تو نہیں جانا بلکہ آپ کو مکمل طور پر پیر و عصمت تسلیم کیا ہے۔ ان لوگوں نے آپ کو ان حضرات میں شمار کیا ہے جو ہر لحاظ سے مقامِ عصمت سے واقفیت تامہ رکھتے ہیں، بلکہ آپ کو اس حد تک متعارف بہ عصمت تسلیم کیا ہے کہ کوئی اور اُس حد تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔ یہ مقام آپ کو آپ کے حالاتِ زندگی، معیارِ روحانیت، واقعات کے محیط میں آپ کی ذمہ داری کی خاطر دیا گیا ہے جو طولِ تاریخ میں آپ کے ساتھ پیش آنے والے واقعات میں آپ سے ظاہر ہوئے۔

ہم دنیائے اسلام کی اُن فاضل و مایہ ناز ہستیوں کو جانتے ہیں جنہوں نے جناب سیدہ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا اور زینبؓ کبریٰ علیہا السلام کے مقامات و منازلِ فضل و علم و عرفان و عفت و حیا و قوتِ قلب و متانت اور زندگی کی مشکلات و مصائب میں صبر و تحمل کے بارے میں اظہارِ خیال کیا ہے اور ان دونوں محدرات کا موازنہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان تمام فضلاء روزگار نے اپنے اس موازنہ میں کسی طرح بھی زینبؓ عالیہ کو سیدہ طاہرہؓ سے کم قرار نہیں دیا، سوائے اس کے کہ زینبؓ عالیہ بنی کی حیثیت میں جناب سیدہ طاہرہؓ سے مؤخر ہیں جو اُن کی والدہؓ گرامی اور پرورش کنندہ کی حیثیت بھی رکھتی ہیں۔ موازنہ کرنے والے فاضلین یہ بھی کہتے ہیں کہ جناب سیدہ طاہرہؓ کو رسول اکرمؐ اور اپنے شوہر امیر المؤمنین علیہ السلام سے جیسا رابطہ و تعلق حاصل ہے ویسا ہی تعلق ثانی زہراؓ کو جناب سید الشہداء اور سید الساجدین علیہما السلام سے حاصل ہے۔ یہ حضرات زینبؓ عیہا کی

عصمت کے سلسلہ میں آپ کی اپنے عظیم بھائی امام حسین علیہ السلام کے ساتھ روز عاشور تمام اقدامات میں شرکت کو بطور دلیل پیش کرتے ہوئے آپ کو عصمت جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے ہم قدم جانتے ہیں۔

منزل نیابت

ثانی زہراؑ خود اپنی استعداد اور شائستہ اقدار کی بنا پر روز عاشور نیابت سید الشہداء علیہ السلام کی منزل پر پہنچی ہوئی نظر آتی ہیں۔ امام زین العابدین علیہ السلام زندہ موجود تھے لیکن اپنی علالت کی وجہ سے ممکن نہ تھا کہ آپ پوری قوت کے ساتھ اپنے فرائض امامت کو ادا کر پاتے۔ آپ میں اس قدر قوت و توانائی باقی نہ تھی کہ اسیری کے دوران اپنے اسیر کارواں کی سرپرستی و نگہداشت کر سکتے۔ لہذا امام حسین علیہ السلام نے اپنے سے متعلق اپنے بعد کے تمام امور اور سالاری کاروان سب ثانی زہراؑ کے سپرد فرمادیئے تھے جو فرائض اپنی خاص نوعیت میں نیابت سید الشہداء کا درجہ رکھتے ہیں۔

اس نیابت کے سلسلہ میں بعض بزرگ مثلاً شیخ صدوق اعلی اللہ مقامہ اس بات کے قائل ہیں کہ ان تمام مواقع میں سیدہ زینبؑ بالکل امام حسین علیہ السلام کا نمونہ تھیں۔ حد یہ ہے کہ حلال و حرام اور دیگر شرعی مسائل میں جب بھی لوگوں کو رہنمائی کی ضرورت پڑتی تو آپ کی طرف رجوع کرتے۔ یہ کیفیت سید الساجدین علیہ السلام کے بیماری سے شفا یاب ہونے تک جاری رہی (اکمال الدین و اتمام النعمہ، ص 257)۔

ان حالات میں ہم دیکھتے ہیں کہ سیدہ زینبؑ سلام اللہ علیہا معصوم نہ ہوں تب بھی معصومین کے فرائض انجام دیتی نظر آتی ہیں۔ بالفاظ دیگر آپ کو وہی قوت قلب حاصل ہے جو حضرات معصومین کے پاس ہوتی ہے۔ اسی لئے آپ اکثر اپنے زمانہ کے امام کیلئے تسلی و اطمینان کا باعث بنتی ہیں۔ ایک مستند روایت کے مطابق جب امام حسین علیہ السلام خیام اہل بیت میں حضرت علی اکبرؑ کی لاش لائے تو آپ کا رنگ متغیر ہو گیا۔ اُس وقت ثانی زہراؑ کے الفاظ تسکین آپ کیلئے اطمینان و سکون کا باعث بنے۔

ایسی ہی ایک روایت امام زین العابدین علیہ السلام کے بارے میں بھی ملتی ہے۔ جب سید الساجدین علیہ السلام قتل گاہ میں پہنچے اور شہداء کے اجساد کو ٹکڑے ٹکڑے ہو ادیکھا تو آپ بے چین ہو گئے، چہرہ کا رنگ اُڑ گیا، اس وقت سیدہ زینبؑ فوراً امام کے پاس پہنچیں اور اُن کے سکون کی خاطر فرمایا:

”مَا لِي أَرِيكَ تَجُودُ بِنَفْسِكَ“ (لہو، سید ابن طاووس)۔

یعنی ”تجھے کیا ہو گیا ہے؟ میں دیکھ رہی ہوں کہ تو اپنی جان گنوا بیٹھے گا.....“

پھر اسی وقت آپ نے حدیث اُمّ ایمنؓ آپ سے بیان فرمائی۔

مخزن اسرار امامت و امامت

زینبؓ کبریٰ امامت کے اسرار و رموز اور امامت کی مخزن ہیں۔ نور امامت وہ نور درخشندہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشنی حاصل ہوتی ہے۔ آپ اُسی علم و اخلاق کی وارث اور اسرار و رموز نبوت کی امین ہیں۔ جناب سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی دانائی و عظمت و روحانیت کے واضح آثار آپ میں موجود ملتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کس سے ممکن تھا کہ ان تمام اسرار و رموز کا محافظ ہو سکتا؟

شیخ صدوق مرحوم ثانی زہراؓ کی شان میں لکھتے ہیں: ”سیدہ زینبؓ کی عظمت اور اُس قربت کی بنا پر جو آپ کو امام حسین علیہ السلام سے حاصل ہے، امام علیہ السلام نے آپ کو اسرار امامت کی امین جانتے ہوئے تمام رموز و وصایائے امامت سپرد فرمائے (اکمال الدین، ص 257)۔

چونکہ آئمہ معصومین علیہم السلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متصل ہیں اور آنحضرتؐ خود امینِ وحی پروردگار ہیں، لہذا کہنا چاہئے کہ ثانی زہراؓ سزاوار امامت پروردگار ہیں اور یہ تمام اسرار و رموز آپ کو دورانِ شہادت امام حسین علیہ السلام کا ملّا حاصل ہوئے۔

اس بنا پر تسلیم کرنا پڑے گا کہ بعد والے آئمہ علیہم السلام کو رشتہ و اتصالِ وحی زینبؓ عالیہ کے ذریعہ ہی منتقل ہوا۔ ہذا جو کچھ امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہوتا ہے وہ دراصل سیدہ زینبؓ کی زبانِ مبارک سے ادا ہوتا رہا تو قتیقہ سید الساجدین علیہ السلام کی زندگی خطرات سے محفوظ نہ ہو گئی (تنقیح المقال، ج 3، ص 79)۔ یہ کیفیت خود اپنے مقام پر ثانی زہراؓ کی عظمت و شان و رفعت مقام کی نشان دہی کرتی ہے۔

زینبؓ عالیہ کی یہ حیثیت زنانِ عالم کے لئے ایک درس ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ سمجھیں کہ آپ کی سیرت کاملہ کے زیر سایہ ریاضت سے بہرہ اندوز ہو کر دیکھیں کہ ریاضت اور طلبِ مغفرتِ خدا کے میدان میں انسان اُس مقام تک رسائی کی سعی کر سکتا ہے جہاں وہ اسوۂ معصومین علیہم السلام پر عمل پیرا ہو کر وحی پروردگار کے اسرار و رموز کا امین ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس ریاضت کے بغیر صرف خواہشاتِ نفسانی کی پیروی سے اس شوکت و رفعت کا حصول ممکن نہیں۔

۴۔ سیدہ زینبؓ عالیہ کی شان و منزلت کے دیگر پہلو

ہم ہرگز ایسے مبالغہ کے مرتکب نہیں ہو سکتے کہ یہ کہہ دیں کہ فلاں مقامِ عظمتِ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا میں پہلے ہی سے فلاں آیت قرآن مجید نازل ہو چکی تھی، یا فلاں آیت کے نزول سے پروردگارِ عالم کی غرض و مقصد روزِ عاشور کے فلاں واقعہ کی اہمیت کا اظہار ہے، یا فلاں واقعہ کسی آیت قرآن کا مصداقِ جدید ہے، یا فلاں آیت نصف صدی تک بے تفسیر رہی اور روزِ عاشور محرم اس کی تفسیر ظاہر ہوئی۔

ایسی تفاسیر پیش کرنے والے شاید اپنی تعبیرات و توجیہات سے سیدہ زینبؓ کی شان کو بلند کرنا چاہتے ہیں تاکہ اس طرح جو مقامِ مخدّرہ اپنے دل میں رکھتے ہیں اس کا اظہار کریں۔ لیکن ہمارا خیال تو یہ ہے کہ اس قسم کی توجیہات و اقدامات سے شانِ زینبؓ عالیہ تو بلند نہیں ہوتی بلکہ مقامِ قرآن رو بہ تنزل نظر آنے لگتا ہے، یادہ لوگ اسلوبِ قرآن اور شانِ نزولِ آیات کو اپنی ایسی تاویلات کے ذریعہ حقیقت سے دُور کر دیتے ہیں۔

البتہ ہم اس سلسلہ میں اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ انسان اس موضوع پر تلاش و کوشش کر کے قرآن پاک کے بہت سے کلمات و آیات کے مصداقِ تک پہنچ سکتا ہے۔ مثلاً صفتِ ایمان کے بیان سے قرآن حکیم کے ایسے کلمات مل جاتے ہیں جن کے مصداقِ مؤمنین ہوں، یا صفاتِ تقویٰ کہ وضاحت قرآن سے مصداقِ متقین سے متعلق آیات کی نشان دہی کر سکتی ہیں، یا جامعہ ہندگی پروردگار کے زینب تن کرنے سے عبادِ خدائے رحمان کے مصداق قرآن میں مل جائیں گے۔ لہذا اگر ان عناوین سے مقامِ ثانی زہرا کا مطالعہ کیا جائے تو لاتعداد آیات قرآنی اور احادیثِ رسول اکرم کی آپ مصداق قرار پائیں گی۔

اہمیت و مقامِ زینبؓ عالیہ

عالمِ خواتین میں سیدہ زینبؓ عالیہ کو جو مقام و اہمیت حاصل ہے، یا معاشرہٴ بشری میں جو عزت و حرمت آپ کیلئے موجود ہے، اس کے پیشِ نظر کئی افرادِ صنفِ نازک کے جذبہٴ ہوا و ہوس نے انہیں مجبور کیا کہ اپنے آپ کو زینب ظاہر کریں۔ نامناسب نہ ہوگا کہ یہاں ہم ابنِ شہر آشوب کی ایک روایت نقل کریں۔ وہ لکھتے ہیں: (مناقب ابنِ شہر آشوب)

”زینبؓ عالیہ ایسے مقامِ عظمت و اہمیت کی حامل تھیں کہ اُس مقام کے حصول کی خاطر کئی دیگر عورتوں نے جھوٹ موٹ اپنے آپ کو زینب کہلوانا چاہا۔ چنانچہ ایک عورت نے دعویٰ کیا کہ میں علیؓ کی بیٹی زینب ہوں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لئے ’عافرائی‘ تھی کہ ہر پچاس سال بعد میری جوانی پلٹ آیا کرے گی۔ یہ متوکل عباسی کا دور حکومت تھا۔ اس نے

امام ہادی حضرت محمد تقی علیہ السلام سے اس بارے میں دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر سچ کہتی ہے تو درندے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ لہذا حکومت نے چاہا کہ اسے درندوں کے سامنے ڈال دیا جائے۔ یہ سن کر اُس عورت نے عجزی و خوشامد شروع کر دی اور اپنے جھوٹ کا اعتراف کر لیا۔“

ایسا ہی ایک واقعہ امام رضا علیہ السلام کے زمانہ میں بھی نقل ہوا ہے 1۔

1۔ اس سلسلہ میں کئی روایات سامنے آتی ہیں۔ علامہ ڈاکٹر مجتبیٰ حسین کامونپوری اپنے مقدمہ کتاب ”کربلا کی شیر دل خاتون“ مصنفہ عائشہ بنت الشاطیٰ مصری، مطبوعہ امامیہ مشن، لاہور میں تحریر فرماتے ہیں:

”تقریباً چودہ سو سال سے ثانی زہرا کا تصور عظمت دلوں پر چھایا ہوا ہے۔ اس کا اظہار مختلف شکلوں میں ہوتا رہتا ہے۔ امام محمد تقی علیہ السلام (۳۲۰ھ) کے زمانہ میں ایک عورت دعویٰ کرتی ہے کہ وہ زینب بنت علی ہے۔ یہ دعویٰ ہی اس حقیقت پر مبنی تھا کہ دلوں میں ثانی زہرا کی عظمت کا سکہ بیٹھا ہوا ہے ورنہ اُسے اس ادعائے باطل سے کیا فائدہ ہوتا، وہ تو اس جھوٹے دعویٰ سے اس احترام کو حاصل کرنا چاہتی تھی جو دلوں میں ثانی زہرا کے لئے مخصوص تھا۔ غالباً یہ عورت قبیلہ بنی کلب کی تھی۔ اس نے کہا کہ میں زینب بنت علی ہوں۔ شام کے سفر میں بنی کلب کے صحرا میں رہ گئی تھی۔ متوکل عباسی کا دور تھا۔ اس کے پاس یہ قصہ آیا تو اُس نے کہا کہ زینب بنت علی کو تو بہت عرصہ گزرا (تقریباً ڈیڑھ سو سال) اور تم جوان ہو۔ اس نے کہا مجھے رسول خدا نے دعادی تھی، اس کا اثر ہے کہ ہر بچہ س سال کے بعد میں جوان ہو جاتی ہوں۔“

”آل ابوطالب کے نمایاں لوگوں کو بلایا گیا۔ فتح بن خاقان نے بادشاہ سے کہا کہ امام محمد تقی علیہ السلام کو بلائے، وہ من سب فیصلہ کر دیں گے۔ امام نے فرمایا کہ درندوں پر اولاد علی کا گوشت حرام ہے۔ اسے درندوں کے کٹہرے میں ڈال دیا جائے۔ اگر اس کا دعویٰ سچا ہوگا تو اسے درندوں سے کچھ نقصان نہ ہوگا۔ وہ ڈر گئی اور کہنے لگی یہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اپنی سواری پر بیٹھی اور یہ کہتی ہوئی چلی گئی: ”میں جھوٹی زینب ہوں، یعنی زینب صدیقہ ظاہرہ نہیں ہوں۔“

”ایک روایت میں ہے کہ اسے جانوروں میں ڈال دیا گیا اور درندے اسے کھا گئے (علامہ مجلسی نے بحار میں اسی طرح کا ایک واقعہ امام رضا علیہ السلام کے ساتھ درج کیا ہے۔ لکھا ہے کہ عورت خراسانی تھی۔ میرا خیال ہے کہ یہ واقعہ امام محمد تقی علیہ السلام کے زمانہ کا ہے۔ بعض راویوں کے سہو سے اسے امام رضا کے زمانہ میں بھی دکھایا گیا ہے)۔“

”قاضی ابوعلی محسن تنوخی (۳۲۰ھ - ۳۸۴ھ) کے زمانہ میں بھی یہ واقعہ دہرایا گیا۔ ابوالقاسم بن علم فلسفی کہلاتے تھے۔ انہوں نے اسے بیان کیا اور کہا کہ شیعوں میں یہ خبر بہت ہی مشہور رہی ہے۔ لیکن ابوالقاسم نے بھی سہو سے امام رضا علیہ السلام کے عہد کا واقعہ بیان کیا۔“

(جاری)

آیہ اللہ محسن امین مرحوم کہتے ہیں: ”سیدہ زینبؓ خواتینِ فاضلہ سے تھیں جبکہ آپ کا علم و فضل ذکر و بیان کی حدود سے بڑھ کر ہے۔ آپ قوتِ استدلال، ثباتِ عقل، ثباتِ روح، فصاحت و بلاغت اور کلام کرنے کے ہنر میں بہت بلند مقام کی مالکہ تھیں (اعیان الشیعہ، ج 33، ص 191)۔

ہم جانتے ہیں کہ یہ صفات و صلاحیات بذاتِ خود اہمیت خیز اور جاذبِ نظر ہوتی ہیں۔ فطرتاً اکثر لوگ ان صفاتِ پسندیدہ کے اس قدر خواہشمند ہو جاتے ہیں کہ اس قسم کی کیفیات اور شان اپنے لئے تلاش کرنے لگتے ہیں یا اپنے آپ کو ان سے منسوب کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

”ابوالقاسم نے کہا کہ ایک عورت نے بنتِ علیؑ ہونے کا دعویٰ کیا۔ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے اپنے اسلاف سے یہ روایت سنی ہے کہ اولادِ فاطمہؑ کا گوشت درندوں پر حرام ہے۔ اگر درندے اسے کھالیں گے تو اس کا دعویٰ جھوٹا ثابت ہو جائے گا۔ عورت نے پہلے تو اس خبر کی صحت سے انکار کیا اور حضرت سے کہا کہ امام خود درندوں میں جا کر اس حدیث کی صحت کا ثبوت دیں۔ خلقِ عظیم اس واقعہ کے مشاہدہ کے لئے جمع ہو گئی۔ امام درندوں میں چلے گئے۔ درندے محبت کا اظہار کرنے لگے۔ عورت درندوں میں ڈال دی گئی۔ سب نے مل کر اسے پھاڑ ڈالا اور وہ زینبؓ کذابہ مشہور ہو گئی (الفرج بعد اللحد، قاضی ابوالعلیٰ تنوخی، مطبوعہ مصر ۱۹۳۸ء)۔

”امام علیہ السلام نے جو روایت بیان فرمائی ہے، ظاہر ہے کہ کل بنی فاطمہؑ و بنی علیؑ تو اس میں شامل تھے نہیں، بلکہ صرف آئمہ معصومینؑ مراد تھے۔ لیکن اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آئمہ معصومینؑ کے علاوہ اس میں حضرت زینبؓ ضرور شامل تھیں اور یہ اُن کا مخصوص شرف تھا جو آئمہ معصومینؑ کے علاوہ کسی علوی یا فاطمی کو حاصل نہ تھا۔

”رسول اللہؐ نے فرمایا کہ فاطمہؑ نے عفت و عصمت کا معیار بلند قائم کیا۔ اس کے صلہ میں خدا نے ان کی ذریت پر آگ حرام کر دی ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ اس سے حسن، حسین، زینبؓ، دام کلثومؑ مراد ہیں۔

”..... امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات (شہادت) کے بعد شیعوں کے سامنے مسئلہ امامت نہایت ہی اہمیت کے ساتھ آیا۔

”احمد بن ابراہیم ۲۶۶ھ میں امام حسن عسکری علیہ السلام کی ہمشیرہ معظمہ حضرت حکیمہؑ سے اس پیچیدہ مسئلہ کے حل کیلئے ملے۔

شیعوں کو غیبت کے عہد سے پہلے سابقہ تھا۔ اس لئے جس قدر بھی سوالات اٹھ کھڑے ہوئے، ایسے اہم مسئلہ کے زیر بحث ان کا اٹھنا ایک فطری بات تھی۔ احمد نے پس پردہ حضرت حکیمہؑ سے کئی سوال کئے۔ ایک سوال امام عصرؑ کے متعلق تھا۔ حضرت حکیمہؑ نے فرمایا کہ امام حسن عسکری کے بعد امام اُن کے فرزند ہیں۔ احمد نے پوچھا وہ کہاں ہیں؟ حضرت حکیمہؑ نے فرمایا وہ مستور ہیں۔

”احمد نے پوچھا پھر شیعہ کس کی طرف رجوع کریں؟ فرمایا (ابو محمد امام حسن عسکری) کی والدہ اور امام عصر کی دادی (جاری)

سیدہ زینبؓ - مصداق آیات قرآن پاک

اپنی ان تمام کوششوں کی بنا پر جو ثانی زہر آنے اللہ کی راہ میں ریاضت اور اپنے ہدف دین کے حصول کی خاطر سرانجام دیں، آپ بہت سی آیات قرآن کی مصداق ہیں۔ ہم میں اس قدر قوت وسکت نہیں کہ اس پہلو سے متعلق تمام ایسی آیات قرآن (باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) (حضرت سلیل) کی طرف رجوع کیا جائے۔

”احمد نے کہا ایسے شخص کی پیروی کروں جس کے متعلق ایک عورت کو وصیت کی گئی ہے۔ فرمایا:

”القتداء بالحسین بن علی ان الحسین بن علی اوصی الی اُخته زینب بنت علی فی الظاہر و کان مخرج عن علی ابن الحسین من علم ینسب الی زینب بنت علی تستر اعلیٰ علی بن الحسین۔ (اکمال الدین و اتمام النعمۃ، ص ۲۷۵، ابو جعفر صدوق م ۳۸۱ھ، مطبوعہ ایران ۱۳۰۱ھ)۔

یعنی ”امام حسینؑ کی اقتداء میں یہ عمل ہے، امامؑ نے اپنی بہن زینب بنت علیؑ کو ظاہری طور پر وصیت کی تھی، علیؑ بن الحسینؑ کا جو علم باہر آتا تھا وہ علیؑ بن الحسینؑ کا نام چھپانے کیلئے زینب بنت علیؑ کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔

”..... حضرت حکیمہؑ کے اس بیان سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت خاتونِ کربلا امام حسینؑ علیہ السلام کی وصی تھیں، امام زین العابدینؑ علیہ السلام کی سہرتھیں، امام زین العابدینؑ علیہ السلام اور قوم کے درمیان واسطہ تھیں۔ سیاسی مصالح مانع تھے کہ امام زین العابدینؑ علیہ السلام سامنے آئیں۔ آپ امامؑ سے واسطہ رکھتیں اور آپ کے توسط سے قوم کے مسائل حل ہوتے رہتے۔

”صرف یہی نہیں بلکہ عصرِ استبداد میں جبکہ اموی تشدد و سخت گیری سے امیر المؤمنینؑ علیہ السلام کے نام سے روایت نہیں کی جا سکتی تھی تو ابو زینبؑ کے نام سے امیر المؤمنینؑ علیہ السلام کی روایتیں بیان ہوتیں۔ بنی امیہ نہ سمجھ سکتے کہ ابو زینبؑ کون تھے۔ اس طرح اس مبارک نام کے ذریعہ حقیقت طالبانِ حق کو پہنچتی رہتی تھی۔

”خاتونِ کربلا تقدس و روحانیت کا سورج تھیں۔ آپ کی یاد سے وہ دل جو یا خدا سے ویران ہیں آباد ہو جاتے ہیں، ان میں خدا کی معرفت کی روشنی پیدا ہو جاتی ہے۔ آپ کی روح آج بھی دنیا میں ذہن کو سکون کی دولت بانٹ رہی ہے۔ آپ کی کرامت سے جن کی روح بیمار ہے، وہ صحت پاتے ہیں اور جن کو کوئی جسمانی تکلیف ہے وہ بھی اچھے ہو جاتے ہیں۔

”... خاتونِ کربلا نے وہ آہ و کراہ چھوڑی جس سے تیرہ سو سال سے فضا گونج رہی ہے۔ مجلسوں کا سارا سوز و گداز خاتونِ کربلا کا ورثہ ہے۔ وہ آنسو چھوڑے جو ابر غم بن کر ہر سال موسمِ عزاء میں برستے ہیں۔ خاتونِ کربلا نے ایسا ذہن چھوڑا جس میں ظلم کے خلاف احتجاج کا شدید میلان ہے۔ یہ میلان قوموں کی آزادی کی کاسرمایہ ہے۔ جیسی پیام چھوڑا، اسلام کی حفاظت کا جذبہ چھوڑا، عورتوں میں خود اعتمادی، پامردی، باطل کے سامنے سر جھکانے سے انکار کا حوصلہ چھوڑا“ (کربلا کی شیر دل خاتون، ص ۷۲ تا ۷۴)۔

پاک کو جمع کر سکیں، تاہم بنظر اختصار قابل ذکر آیات پیش کرتے ہیں:

1. وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ. (بقرہ: 177)۔

”اور فقر و فاقہ، رنج و سختی اور کٹھن وقت میں ثابت قدم رہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو (دعوائے ایمان میں) سچے نکلے۔ اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں۔“

2. فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ. ”پھر اُن پر خدا کی راہ میں جو جو مصیبت پڑی ہے نہ تو انہوں نے ہمت ہاری، نہ ہوا پین کیا اور نہ (دشمن کے سامنے) گزر گزرنے لگے۔ اور ثابت قدم رہنے والوں سے اللہ الفت رکھتا ہے“ (آل عمران: 146)۔

3. إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً..... ”بے شک جو لوگ اللہ کی کتاب پڑھا کرتے ہیں، نماز پابندی سے پڑھتے ہیں، جو کچھ ہم نے انہیں عطا فرمایا ہے اُس میں سے چھپا کے اور دکھلا کے (خدا کی راہ میں) دیتے ہیں.....“ (فاطر: 29)۔

4. وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ. الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ. (حج: 34، 35) ”اور (اے رسول) ہمارے سامنے گزر گزرنے والے بندوں کو (بہشت کی) خوش خبری دے دو۔ یہ وہ ہیں کہ جب (اُن کے سامنے) خدا کا نام لیا جاتا ہے تو اُن کے دل سہم جاتے ہیں۔“

5. وَيَذَرُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ. (رعد: 22) ”اور یہ لوگ برائی کو بھی بھلائی سے دفع کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کیلئے آخرت کی خوبی مخصوص ہے۔“

6. وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ. (آل عمران: 147)

”اور (لطف یہ ہے کہ) ان کا قول اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ دعائیں مانگنے لگے کہ اے ہمارے پالنے والے ہمارے گناہ اور اپنے کاموں میں ہماری زیادتیاں معاف فرما اور (دشمنوں کے مقابلہ میں) ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں کے گروہ پر ہم کو فتح عنایت فرما۔“

7. وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ..... (دہر: 8)

”اور اس کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں.....“

8. وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكُهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ. (نساء: 100)

”اور جو شخص اپنے گھر سے جلاوطن ہو کے اللہ اور اس کے رسول کی طرف نکل کھڑا ہوا اُسے (منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے) موت آجائے تو اللہ پر اُس کا ثواب لازم ہو گیا۔“

زیمنہ عالیہ کی شان میں روایات

اُن تمام تشریحات اور بیان اوصاف کے بغیر جو معصومین علیہم السلام نے ثانی زہرا کی شان میں ارشاد فرمائی ہیں آپ اپنے انجام کردہ فرائض، اپنی ریاضت اور اپنی اہمیت کی بنا پر لاتعداد احادیث و روایات کی مصداق واقع ہوئی ہیں جن سب کا احصاء یہاں ممکن نہیں۔ تاہم اُن میں سے چند ایک ہدیہ درج کی جاتی ہیں:

1. مَنْ أَخْلَصَ لِلَّهِ تَعَالَى أَرْبَعِينَ صَبَاحًا أَنْفَجَرَتْ يَنَابِيعُ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهِ وَلِسَانِهِ.

”جو شخص چالیس روز تک اپنے اعمال کو خالصہ اللہ تعالیٰ کے لئے انجام دے اُس کے قلب و زبان سے چشمہ ہائے حکمت جاری ہو جاتے ہیں۔“ (حدیث نبوی)

2. كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ. (حدیث قدسی)

”میں (اللہ) اس شخص کے کان بن جاتا ہوں جو حق کو سنتا ہو اور اُس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں کہ وہ اُن سے (حق کو) دیکھتا ہو۔“

3. مَنْ كَانَ لِلَّهِ كَانَ اللَّهُ مَعَهُ. (حدیث رسول پاک)

”جو شخص اللہ کے لئے (وقف) ہوگا اور اللہ ہی کے لئے عمل کرے، اللہ تعالیٰ اُس کے ساتھ ہے۔“

4. هُمْ وَاللَّهُ رَبُّ الْإِسْلَامِ..... (نہج البلاغہ، حکمت: 457)

”خدا کی قسم! انہوں نے اسلام کی پرورش کی۔“

5. إِنَّ لِلَّهِ عِبَادًا عَامِلُوهُ بِخَالِصٍ مِنْ سِرِّهِ فَشَكَرَ لَهُمْ بِخَالِصٍ مِنْ شُكْرِهِ.

”اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جو اُس کے ساتھ اپنے پورے وجود (تن من) سے تعلق قائم کرتے ہیں، خداوند عالم بھی اپنی عنایتِ خالص کے تحت اپنے اُن بندوں کی ثناء و ستائش فرماتا ہے۔“ (تحف العقول، ص 160)

6. اِنْ أَبْصَرَ الْأَبْصَارُ مَا نَفَذَ فِيْ خَبْرِ مَذْهَبِهِ. (امام حسن)

”بہترین بصیرت وہ ہے جو دین کی بھلائی کیلئے اختیار کی جائے۔“

7. مَنْ أَعْظَمَ النَّاسِ خَطَرًا؟ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ لَمْ يَرَ النَّاسَ خَطَرًا لِنَفْسِهِ.

”لوگوں میں زیادہ خطرناک کون ہے؟ فرمایا: جو اپنے لئے لوگوں کو خطرہ نہ سمجھے۔“ (امام زین العابدین)

8. اَلْمُؤْمِنُ مِثْلُ كَفْتَيِ الْمِيزَانِ كُلَّمَا زِيدَ فِيْ اِيْمَانِهِ زِيدَ فِيْ بَلَاءِهِ. (امام موسیٰ کاظم)

”مومن ترازو کے دو پلڑوں کی مانند ہے۔ جس قدر اُس کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اسی قدر اُس کے مصائب و ابتلا

میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔“

ثانی زہرا کی شان کے مصادیق

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کی شان اور مقام بلند کا یہ عالم ہے کہ افرادِ اُمتِ رسولِ پاک میں کسی شخص سے آپ کی تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔ یہ بات صرف ثانی زہرا ہی کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتی بلکہ آلِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کے سب اسی شان و مقام کے مالک ہیں۔ اس کے برعکس قطعی طور پر یہ بات صحیح و صادق ہے کہ اُمتِ مرحومہ کے تمام افراد میں کسی کا بھی ان حضراتِ مقدس کے ساتھ مقابلہ ممکن نہیں۔ اسی لئے جناب امیر المومنین علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

”لَا يُقَاسُ بِآلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ مِنَ الْأُمَّةِ أَحَدٌ.

یعنی ”اس امت کے کسی فرد کا مقام آلِ محمد پر قیاس نہیں ہو سکتا۔“ (نَجِّ البلاغہ، خطبہ: 2)

ان حالات میں اگر زینبِ عالیہ کی شان کا موازنہ کرنا ہی ہو تو ایسے حضرات سے کرنا چاہئے جو ویسی ہی شان کے مالک ہوں۔ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اپنے بھائیوں حسین علیہما السلام کے ہم پلہ ہیں کیونکہ انہوں نے بھی ان ہی بزرگِ مصلحین سے درس لیا ہے، یعنی جناب سرورِ کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام اور جناب سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا۔ سیدہ طاہرہ کی عظیم صاحبزادی نے بھی علمی اور دینی مقامات میں انہی سے استفادہ کیا ہے۔ آپ کی شان میں بہت سے اقوال ہیں جن میں چند ایک اس طرح ہیں:

☆ آپ فصاحت و بلاغت میں اپنے پدر بزرگوار امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی مانند تھیں، گویا آپ کے دہن مبارک میں زبانِ علی تھی۔

☆ عفت و تقویٰ میں جناب سیدہ فاطمہ الزہراء علیہا السلام کی طرح معاشرہِ خواتینِ اسلام کے لئے بہترین نمونہ اور اپنی مادرِ گرامی کی مکمل نظیر تھیں۔

☆ حلم و بردباری و برداشتِ آلام میں جناب امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی تصویر تھیں جو تمام صدمات پر اللہ تعالیٰ کی خاطر تحمل کرتے تھے۔

☆ شجاعت و جرأت و استقلال میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی مثال اور آپ کے شانہ بشانہ شریکِ جہاد تھیں۔

☆ عبادت و دعا و مناجات کی منزل میں امام زین العابدین علیہ السلام کی مانند تھیں۔

☆ آخر آپ یعنی زینب کبریٰ بے مثال و بے نظیر خاتون تھیں، یوں کہہ لیں کہ جناب فاطمہ الزہراء سلام اللہ علیہا کی وفات کے بعد آپ خواتینِ عالم کیلئے اللہ تعالیٰ کی حجت، بے مثال عظمت و افتخار کی حامل، عصمت و فضیلت کی مالک، جہادِ راہِ پروردگار میں جان قربان کر دینے کی علم بردار تھیں۔ لہذا کون ہے جو زینبِ عالیہ کی برابری و ہمسری کر سکے!

اکثر لوگوں نے آپ کو عاقلہ، لہیہ، مجولہ، عقیلہ وغیرہ جیسے القاب سے بھی یاد کیا ہے (اسد الغابہ، ج 5، ص 469)۔

مرحوم علامہ شرف الدین نے آپ کو فہم، عقل، صفائی نفس، قوتِ قلب، عزتِ نفس، شجاعت اور سیادت میں سرفہرست

شمار کیا ہے (عقيلة الوحی، شرف الدین، ص 24)۔

تاہم یہ سب الفاظ و تفصیل کس طرح ثانیِ زہرا کی معرفت کیلئے کافی ہو سکتی ہیں؟

ثانیِ زہرا کے رموزِ عظمت

اس بات میں کوئی کلام نہیں کہ سیدہ زینبِ عالیہ عظیم و بے مثال بی بی تھیں۔ اس بات پر تمام مؤرخین و اہلِ علم نے اتفاق کیا ہے۔ آپ حرمِ محترم امام حسین علیہ السلام کی مکمل سربراہ تھیں۔ واقعہ کربلا میں آپ ہی تنہا خاندانِ جناب سید الشہداء علیہ السلام کی کفیل اور امام زین العابدین علیہ السلام کی محافظ تھیں۔ بلکہ یہ کہنا عینِ مطابق واقعہ ہوگا کہ واقعہ کربلا سے پہلے اور بعد آپ ہی خاندانِ سید الشہداء علیہ السلام کا اصلی سہارا اور خواتینِ اہلِ حرم کی سرپرست تھیں۔ آپ خاندانِ رسالت میں خصوصی شان و منزلت کی مالک تھیں۔ کیفیت یہ تھی کہ ایک روز امام حسین علیہ السلام تلاوتِ قرآن مجید میں مصروف تھے کہ سیدہ زینب کو

دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کی تعظیم بجالائے (تحفۃ العالم، آل بحر العلوم)۔

علیٰ بذالقیاس ہمیشہ دوران سفر، جن میں آپ کا سفر کربلا بھی شامل ہے، سیدہ زینب کبریٰ کے سوار ہونے کی خاطر حضرت ابوالفضل العباس اپنا زانو جھکا دیتے تاکہ ثانی زہراؑ اس پر پاؤں رکھ کر کجاوہ میں سوار ہو جائیں (چہرہ خونین حسین)۔

ہم کس طرح اور کیسے اس عظیم خاتون کے رموزِ عظمت کی جستجو کر سکتے ہیں! صرف دو باتوں ہی سے اس امر کا اندازہ ممکن ہے:

- ۱۔ خدائے بزرگ و برتر کی ہندگی، خالص، اور
 - ۲۔ شخصیتِ ثانی زہراؑ اسلام اللہ علیہا سے عقیدت اور آپ کے فضائل کی تلاش۔
- اور یہ رموزِ عظمت تو اس بزرگ خانوادہ کے تمام افراد میں قدیم و مشترک کی حیثیت رکھتے ہیں۔



۱۔ سیدہ زینبؓ کا مقام جرات و تقدس

ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کے کمالات بزرگ میں آپؓ کا تقدس اور آپؓ کی جرات دونوں شامل ہیں۔ تقدس و پاکیزگی و طہارت کے مدعی تو بہت ملیں گے لیکن ایسا کون ہوگا جو خوفناک حوادث کے بھنور اور جاں فرساکشکشی کے سمندر میں اپنے آپ کو ثابت قدم رکھے! اگر خواتین میں اس کی مثال تلاش کی جائے تو آپؓ ہر خاتون کو اپنی اولاد کی تربیت کے سلسلہ میں رقتِ قلب اور شفقت کا مرقع پائیں گے۔

جب ہم اس موضوع پر سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے تقدسِ کردار کی بات کریں گے تو شاید کچھ لوگ یہ گمان کرنے لگیں کہ آپؓ سنگِ دلی اور قساوتِ قلبی کی خوگر تھیں اور پیش آمدہ واقعات میں آپؓ کا دل پھیٹتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اصلیت اس تخیل کے بالکل برعکس ہے۔ آپؓ مرقعِ شفقت و عاطفت تھیں لیکن آپؓ کی شفقت و عاطفت مقامِ موقوفہ کے مطابق ہوتی تھیں۔ آپؓ وہی زینبؓ عالیہ ہیں کہ شبِ عاشور آپؓ جب امام حسین علیہ السلام کی آواز سنتی ہیں تو اسے سن کر آپؓ بے حال ہو کر غش کر جاتی ہیں (یہ صورت اس قسم کے اشعار سن کر پیدا ہوئی: ”يَا ذَهْرُ اَبِّ لَكَ مِنْ خَلِيلٍ“۔ یعنی ”اے زمانے! تیری اس دوستی پر نفرین“)۔ لیکن وہی زینبؓ عالیہ ہیں کہ جب قتل گاہ میں وارد ہوتی ہیں تو جناب سید الساجدین علیہ السلام کی دل داری و تسلی فرماتی ہیں۔ یہ کیفیات غور کے قابل ہیں۔

اہمیت مسئلہ ثانی زہراؓ

تاریخ ایسی بہت سی خواتین کا تذکرہ کرتی ہے جو تقدسِ کردار کی حامل اور مصائب میں حوصلہ مند رہی ہیں۔ لیکن ثانی زہراؓ کی کیفیت ان سب سے الگ رہی ہے کیونکہ آپؓ کے حالات سب سے مختلف ہیں، اس قدر مختلف کہ ان میں قطعاً کوئی قدرِ مشترک نظر نہیں آتی۔ آپؓ کے تقدسِ کردار کی اہمیت کا اندازہ ان حالات و کوائف سے لگایا جاسکتا ہے جن کو ہم اب سپردِ قلم کرتے ہیں:

☆ آپؓ اُس خاندان کی چشم و چراغ ہیں جو اسلام کا وارث ہے، جسے آپؓ عزیز رکھتی اور دشمن کے ہاتھ میں اسیر دیکھ رہی ہیں۔ آپؓ کے والدین، بھائی اور تمام اہلِ خاندان راہِ اسلام میں بقائے اسلام کی خاطر اپنی جانیں قربان کر چکے ہیں۔

انہوں نے اپنی ہستی کو گنوا دیا تاکہ اسلام زندہ رہ جائے اور اُن سب مصیبتوں و قربانیوں کے باوجود اسلام کو دشمنوں کے ہاتھوں برباد و تاراج دیکھ رہی ہیں۔

☆ خود اسیر ہیں، دشمن کے قبضہ میں ہیں، تمام قیدیوں کی سرپرست ہیں، بھوکی اور پیاسی ہیں، قیدی بچے اپنے دست ہائے نیاز کو آپ ہی کی طرف پھیلاتے ہیں، آپ ہی سے کھانے کو مانگتے ہیں، روتے بھی ہیں، سب بچے دشمنِ سفاک سے ترساں و لرزاں ہیں، آپ ہی کے دامن میں پناہ پاتے ہیں، تازیانے کھاتے ہیں، خود آپ بھی وہ خاتون ہیں جو ضرب ہائے تازیانہ سے چور چور ہیں، وغیرہ، وغیرہ۔

دوسری طرف کیفیت یہ ہے کہ خود غم زدہ ہیں، اپنے عزیز ترین افراد کو لقمہ اجل بنتے ہوئے دیکھ چکی ہیں، وہ بھی ایسے دردناک طریقہ سے کہ شہادت و جان دے چکنے کے بعد اُن کے جنازوں کو اٹھانے کی اجازت بھی نہیں مل پائی، دشمن نے اُن کے جسد ہائے بے سر پر گھوڑے دوڑا دیئے، آپ کے خیام کو جلا کر برباد کر دیا گیا، بیمار سید سجاد کے نیچے سے بستر تک کھینچ لیا گیا، اُن خیام پر ہجوم کر آئے جن میں اب صرف چند بچوں اور خواتین کے علاوہ کچھ نہ تھا، مصیبت زدہ و پیاس سے جاں بہ لب بچوں کو طمانچے مارے گئے، علیٰ ہذا..... (چہرہ خونین حسین علیہ السلام)۔

دشمن کی ضلالت و خصومت اس انتہا کو پہنچ چکی تھی کہ کوفہ کی قید کے دوران ایک چار دیواری کے اندر سب کو محبوس کیا گیا۔ اُن اسیروں کے دلوں میں خوف و رعب پیدا کرنے کی خاطر ذلیل دشمن پتھروں پر خط لپیٹ کر قید خانہ کے اندر پھینک دیتے۔ جب ان خطوط کو کھولا جاتا تو اُن پر لکھی ہوئی عبارات کو پڑھتے جن کا مضمون یہ ہوتا کہ کل تک تم سب کو مار ڈالا جائیگا، عمارت کو تمہارے سروں پر گرا دیا جائیگا، صرف یزید کے حکم کا انتظار ہے جو کل عصر کے وقت تک پہنچ جائیگا..... ان تحریروں سے بچوں کے معصوم دل دال جاتے اور سیدہ زینبؓ عالیہ ہی کی ذمہ داری تھی کہ اُن کو حوصلہ دیں (زینبؓ از عاشورا تا اربعین)۔

جانی زہرا کی جرأت کے گواہ

ان اذیت ناک مواقع کی انتہا و شدت کو بہت سے مؤرخین و مؤلفین نے احاطہ تحریر میں لانے کی کوشش کی ہے، اپنی تصانیف میں انہوں نے ان تمام دشواریوں کا ذکر کرتے ہوئے مسئلہ کی اہمیت کو بے نقاب کیا ہے۔ ہمارے لئے ممکن نہیں کہ ان تمام تفصیلات کو جو انہوں نے پیش کیا ہے، یہاں جمع کر سکیں۔ صرف بطور نمونہ و مثال چند ایک واقعات ثبوت و سند کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا شجاعت و دلیری و بے باکی کا مجسمہ تھیں۔ قوی حوصلہ اور عظیم ہمت کی مالک تھیں۔ آپ عظیم روحانیت، براہین پاسدار، بے نظیر اور فوق العادہ قوت بیان اور زور دلائل کی حامل تھیں جس نے مؤرخین کو حیرت زدہ کر کے رکھ دیا (الاصابہ، ج 8، ص 100)۔

ابن اثیر اپنی مفصل کتاب میں اسد الغابہ کے مؤلف کا قول نقل کرتے ہیں۔ وہ اُس واقعہ کا ذکر کرتے ہیں جب ایک ملعون شامی نے یزید سے درخواست کی کہ جناب فاطمہ بنت الحسین کو اُس کی کنیزی میں دے دیا جائے۔ یہ واقعہ بذات خود عانی زہر اُس کے حوصلہ و عقلمندی و قوت برداشت کی دلیل ہے۔ سید ابن طاووس اس حصہ کی تفصیل اس طرح لکھتے ہیں:

”اُس ملعون شامی کی دربار یزید میں جناب فاطمہ بنت الحسین پر نظر پڑی۔ اُس نے یزید سے کہا: اے امیر! اس خور و سال لڑکی کو مجھے بخش دے۔

جناب فاطمہ فرماتی ہیں: یہ بات سن کر میرا دل لرز گیا۔ میں نے سوچا کہ یہ لوگ ایسا کرنے کے مجاز ہو سکتے ہیں۔ لہذا میں اپنی پھوپھی سے لپٹ گئی اور کہا کہ پھوپھی اماں! میں یتیم تو ہوئی تھی، اب کنیز و خدمتگار بھی ہونا پڑے گا؟“

”سیدہ زینب نے اُس ملعون شامی کی طرف رخ کر کے فرمایا: خدا کی قسم! تو جھوٹ بولتا ہے اور ذلت و کمینگی میں حد سے گزر گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے اور تیرے امیر دونوں کو اس بات کا اختیار نہیں دیا۔

”یزید غصہ میں بیچ و تاب کھانے لگا اور بولا: مجھے اس کا اختیار حاصل ہے۔ اگر میں چاہوں تو ایسا کر سکتا ہوں۔“

”سیدہ زینب نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر گز تجھے یہ اختیار نہیں دیا جب تک کہ تو ہمارے دین سے خارج ہو کر کسی اور دین کو اختیار نہ کرے۔“

”یزید بولا: کیا میں دین سے خارج ہو جاؤں گا، بلکہ تیرے باپ اور بھائی دین سے خارج ہوئے۔“

آپ نے فرمایا: تو، تیرا باپ اور تیرا دادا اگر مسلمان ہوتے تو میرے باپ اور بھائی سے دین کی ہدایت حاصل کرتے۔“

”یزید نے کہا: اے دشمن خدا تو جھوٹ کہتی ہے اور.....“

”زینب عالیہ نے اُس کی بات کاٹ کر فرمایا: یزید! تو اس وقت مسند اقتدار پر بیٹھا ہے ہودہ اور ناسزا باتیں کہہ رہا ہے اور اپنی بادشاہی کی قوت سے ہم پر غالب ہے.....“

”اُس شامی لعین نے ایک بار پھر اپنی درخواست کو دہرایا۔ یزید نے اُسے جھڑک کر کہا: ’خاموش ہو جا۔ خدا تجھے موت دے!‘

فرید وجدی کہتا ہے: ”اُس خاتون کی عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ جب یزید نے سونے کے طشت میں رکھے ہوئے سرِ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ چھڑی سے بے ادبی کی تو ثانی زہرا کھڑی ہو گئیں اور اس موقع پر ایک فصیح و بلیغ اور ہيجان خیز خطبہ ارشاد فرمایا (دائرة المعارف، ج 4، ص 795)۔ آپ اس تمام کیفیت کے دوران قطعاً ہراساں نہ ہوئیں، حتیٰ کہ آپ کی گفتگو میں کسی قسم کا لرزہ و کمزوری تک نظر نہ آتی تھی۔

ثانی زہرا کے طرزِ عمل کی ایک مثال

ثانی زہرا کی گفتگو کا ایک نمونہ ہم نے سابق میں پیش کیا۔ اصولی طور پر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ دربارِ یزید میں جس اسلوب اور انداز میں آپ نے گفتگو فرمائی وہ آپ کی قوتِ قلب و استقامتِ فکر کی روشن و محکم دلیل ہے (اسد الغابہ، ج 5، ص 469)۔ عمل کے اعتبار سے بھی ہم آپ کی استقامت کا نظارہ کر چکے ہیں کہ جب آپ لاشہ ہائے شہدائے بے گور و کفن سے رخصت ہوئیں تو لاشِ جناب سید الشہداء علیہ السلام کو دونوں ہاتھوں پر بلند کر کے پروردگارِ عالم کی مناجات ادا کی جس میں یہ الفاظ نظر آتے ہیں کہ خداوند! ہماری اس قلیل قربانی کو درجہ قبولیت پر فائز فرما (الطراز المذہب)۔

کر بلا کی قتل گاہ میں پہنچیں تو دیکھا کہ سید الساجدین علیہ السلام کی نظریں شہدائے راہِ خدا کے جسم ہائے پارہ پارہ پر مرکوز ہیں، اُن کی کیفیت کا یہ عالم ہے گویا جسم و روح کا رشتہ منقطع ہونے والا ہے۔ سید الساجدین علیہ السلام خود فرماتے ہیں کہ میری پھوپھی اماں جناب زینبؓ نے میری حالت کو مشاہدہ کیا اور فرمایا:

”اے میرے جد و پدر و برادر کی یادگار! تمہاری یہ کیا حالت میں دیکھ رہی ہوں؟ بے چین و غمگین نہ ہو کہ تمہارے جد بزرگوار و چچا و بھائیوں کا جناب رسولِ خدا سے عہد ہے۔ ہمارے بعد ایک جماعت آئے گی اور ان جسموں کو سپردِ خاک کرے گی..... (بانوئے شجاع زینب کبریٰ، ص 39)۔

زینبؓ عالیہ کے طرزِ عمل کا ایک اور نمونہ ہم کر بلا اور اسیریِ شام کے بعد مدینہ واپس ہونے پر دیکھتے ہیں جس سے آپ کے استقامتِ کردار کا اظہار ہوتا ہے۔ بعض تاریخ کی کتب سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے شوہر جناب عبداللہ ابن جعفرؓ نے اپنے دونوں بیٹوں عون و محمد کے لئے مدینہ میں مجلسِ ترحیم منعقد کی، جو کر بلا میں شہید ہوئے تھے۔ سیدہ زینبؓ نے اس مجلس میں

شرکت فرمائی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ آپ نے اجرِ شہادتِ فرزندِ ان کو ہاتھ سے دینا نہ چاہا ہو، یا شاید آپ کو ندامت، نفع ہو کہ سید الشہداء علیہ السلام کے ساتھ آپ کے صاحبزادوں کا نام بھی آئے گا۔ (یہ روایت ضعیف معلوم ہوتی ہے جس کی سند مؤلف نے نہیں دی بالخصوص جبکہ قبل ازیں ہم حضرت عبداللہؑ کا اپنے غلام کو سزا دینے کا واقعہ لکھ چکے ہیں (مترجم)۔

سیدہ زینبؑ کی طرف سے اظہارِ عجز کا فقدان

ثانی زہر آصف نازک سے تعلق رکھتی تھیں، فطرتاً رقیق القلب تھیں اور بحرِ صدمات سے گزری تھیں۔ اس کے باوجود پہاڑ کی طرح اپنے مقامِ فرض پر استوار، بے نظیر شجاعت و دلیری کے ساتھ وقت کے خوفناک ترین جبارین کے سامنے قیام کئے ہوئے تھیں۔ کسی موقع پر بھی آپ کی روح کو مغلوب و شکست خوردہ و پژمرده نہیں پایا گیا۔ کسی موقع پر بھی آپ کی طرف سے کمزوری و بے بسی و عجز کا شائبہ نظر نہیں آتا۔ اسیری کے تمام مراحل میں کسی جگہ آپ کی جانب سے تقصیر و زاری کا مشاہدہ نہیں ہوتا، یہاں تک کہ خود اپنے آپ اور اپنے ساتھیوں کے دُڑے کھانے پر بھی کہیں آپ اپنے ہدفِ زندگی سے رعایت کرتی ہوئی دکھائی نہیں دیتیں۔

’فریضہ‘ نامی ایک مستشرق اپنی کتاب ”امام حسینؑ و ایران“ میں لکھتا ہے:

”کوفہ میں آپ کے اندازِ خطابت نے ثابت کر دیا کہ تمام مصائب و آلام اس عظیمِ مخدّرہ کی استقامت کو متزلزل نہ کر سکے جبکہ صورتِ حالات اس قدر پُر خطر تھی کہ معلوم ہوتا تھا گویا اسی خطابت کے دوران دشمن آپ کو قتل ہی نہ کر ڈالیں“ (امام حسینؑ و ایران، ترجمہ: ذبیح اللہ منصوری، ص 476)۔

تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ کی استقامت و روحانیت کی عظمت فوق العادہ تھی اور آپ شجاعت و بہادری و عزت و سربندی کا مجسمہ تھیں۔ آپ کے گفتار و عمل سب آپ کی روحانی بلندی و استقلال و استقامت و پختگی کو ثابت کرتے ہیں اور یہ بات دنیا بھر کے مؤرخین و واقعہ نگاروں کیلئے باعثِ حیرت و استعجاب بنی ہوئی ہے کہ ایک خاتون کس حد تک بلند کردار اور عظمت کی بلند ترین چوٹی تک معرود کر سکتی ہے۔

۴. ثانی زہر اکا معیارِ عزتِ نفس

سیدہ زینبؑ عالیہ کے کمالات و فوق العادہ قوتِ روحانی میں ایک آپ کا معیار و جذبہٴ عزتِ نفس ہے۔ روحانیت کے وسیع میدان میں اس حقیقت پر سب کا اتفاق ہے کہ خواتین صنفِ رجال کی نسبت بہت زیادہ حساس ہوتی ہیں۔ یہی باعث ہے

کہ خواتین کے کردار کے دو پہلو ایسے ہیں جن پر بہت کم تبصرہ و حرف گیری ممکن ہے اور جس کے بارے میں ان میں نزاکتِ احساس و ممداری کا جذبہ زیادہ نظر آتا ہے۔ اس احساس و ممداری کی تربیت خواتین کی عفت کی حفاظت اور ان کے کمالات میں بلندی کے لئے نہایت مثبت مقام رکھتی ہے۔ انہی دو کیفیات کے سایہ میں ایک خاتون اپنے آپ کو لغزشوں اور دھوکے میں آنے سے محفوظ رکھتی ہے، نیز نمائش کرنے یا نمائش کئے جانے سے مامون رہتی ہے۔ اسی ضرورت کے تحت بیٹیوں کی تربیت کے دوران ہم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ ان میں عزتِ نفس کے احساس کو پروان چڑھائیں۔

ہماری مخدومہ جناب سیدہ زینب سلام اللہ علیہا اس مسئلہ میں حدودِ فکر سے آگے نظر آتی ہیں۔ آپ کے پیشِ نظر اس جذبہ و معیارِ زندگی کا وہ طریق اپنے لئے اختیار کرتی ہیں جس میں حفاظتِ دین اسلام کا شرف اور اعلیٰ کلمے حق دونوں مقامات واضح نظر آتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے اس راہ میں اپنے فرائض کو ایسی بنیاد پر استوار کیا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی موقع پر ہدفِ دین کے حصول میں ذلت و کمزوری کا سامنا نہ کرنا پڑے کیونکہ راہ پروردگار میں کشمکش کا بلند شان پر رہنا لازم ہے اس لئے کہ اس راہ میں کسی قسم کی کمزوری و ہزیمت قابلِ قبول نہیں۔

ثانی زہرا کی خطابت کا مطالعہ و تحقیق

عاشورِ محرم کے واقعات کے بعد زینبؓ عالیہ اور تمام خاندانِ پیغمبر اکرم کو عظیم دشواریوں اور دردناک مصائب کا سامنا تھا۔ زمانہ جانتا ہے کہ ذلیل دشمن خانوادہٴ رسولِ خدا کی اہانت کے درپے تھا، یہاں تک کہ قتل گاہ میں جب آپ اپنے عظیم بھائی اور عزیزوں کی لاشوں سے رخصت اور مناجاتِ رب العزت میں مصروف تھیں تو آپ کو دُڑوں کی زد پر رکھ لیا گیا، پورے افرادِ کاروانِ اہل بیتؓ کو بھوکا اور پیاسا رکھا گیا، ان حضرات کے تمام اثاثہ و وسائلِ زندگی کو لوٹ لیا گیا، تمام مال و سامان کو تاراج کیا گیا..... یہ واقعہ کا ایک پہلو ہے۔

دوسرا پہلو، جیسا کہ آپ سنتے رہتے ہیں، یہ ہے کہ جناب سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کے دن سے ثانی زہراؓ نے قوتِ کلام و خطابت کا آغاز فرمادیا، دشمن کو بحث و محاصہ کا نشانہ بنایا اور یہ سب خطابات شہرِ کوفہ و دربارِ یزید میں، تمام گفتگو و تقاریر دورانِ اسیری و دربارِ یزید میں، اربعین کے موقع پر اور مدینہ میں اختیار کی گئیں..... حتیٰ کہ یہ سلسلہ اس قدر طویل ہے کہ اگر ہم اسی خطابت کی تفصیلات کو جمع کرنے کی سعی کریں تو خود اپنے مقام پر ایک مفصل کتاب بن جائے۔

ہم سرِ دست انہی دو کیفیات سے متعلق گفتگو پر اکتفا کریں گے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ان تمام مباحث و تقاریر میں کوئی ایک

جملہ بھی ایسا نظر نہیں آتا جس میں سیدہ طاہرہ کی اس عظیم نورِ نظر نے اپنی بھوک پیاس، موسم کی سردی و گرمی و شدت یا خود اپنی معصوم کمر پر ڈرے پڑنے کے سلسلہ میں کسی وقت، کسی جگہ ایک لفظ بھی دہنِ اقدس سے نکالا ہو۔ سب مقامات پر آپ اپنے شہداء اور اُن کی شہادتوں کا ذکر کرتی ہیں، اپنے ہدف و مقصد کی بات کرتی ہیں، دینِ اسلام و قرآن اور کردارِ اسلامی و دینی ہی کے بارے میں خطاب کرتی ہوئی سنائی دیتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ زینبؓ عالیہ کی جگہ کوئی بھی ہوتا جس کو ان تمام مصائب و دشواریوں کا سامنا ہوتا اور جب بھی اُسے بات کرنے کا موقع میسر آتا تو وہ یقیناً یہی فریاد کرتا کہ مجھے ڈرے مارے گئے، میرے سر سے چادر اُتاری گئی، میرے مال و اسباب کو لوٹا گیا، میرے لئے زندگی محال کر دی گئی، وعلیٰ ہذا۔ لیکن خاتونِ کربلا سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نے کسی ایک موقع پر بھی ایسی کوئی بات نہیں کی، ہرگز ایسا نہیں ہوا کہ آپ وہ کلمات منہ سے نکالیں جن سے بوئے ذلت و عجز آتی ہو۔ یہ سبق آپ نے اپنی مادرِ گرامی جناب سیدہ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا سے حاصل کیا تھا جنہوں نے اُن تمام رنج و مصائب کے باوجود جو انہیں بعدِ رسول اکرم اٹھانا پڑے، مسجدِ رسولؐ میں ایک لفظ بھی ایسا اپنے منہ سے ادا نہ کیا جس سے ایک لمحہ کیلئے بھی کسی قسم کی کمزوری و ہزیمت کی کیفیت ظاہر ہوتی ہو۔

ثانی زہرا کی مثالِ عزتِ نفس

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کو ابنِ زیاد ملعون کے دربار میں لے جایا گیا۔ آپ ایک غیر معروف خاتون کی مانند ایک گوشہ میں تشریف فرما ہوئیں۔ دیگر ہمراہی خواتین نے آپ کو گھیرے میں لے لیا اور آپ کے گرد بیٹھ گئیں۔ ابنِ زیاد ملعون نے پوچھا کہ یہ کون ہے۔ کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس ملعون نے دو تین بار اپنے سوال کا تکرار کیا۔ اُسے بتایا گیا کہ یہ زینب بنتِ علیؓ ہیں۔ مخدومہ کے قریب کوئی شخص آپ کا مرتبہ دان نہ تھا۔ اس کے باوجود آپ نے کسی ذلت و سراسیمگی و گھبراہٹ کا اظہار نہ کیا، نہ ہی اُس ملعون کے سامنے خوف و ہراس کا مظاہرہ کیا۔ ابنِ زیاد ملعون کا غرور خاک میں مل گیا کیونکہ اُس کا خیال تھا کہ یہ ستم زدہ مظلوم خواتین اس کے سامنے رحم و ترحم کی درخواست کریں گی۔ لیکن واقعہ اُس کی اس توقع کے برعکس نکلا کیونکہ سیدہ زینبؓ عالیہ اُس کے سامنے ایک پہاڑ کی استقامت کی مانند مستقل رہیں۔

ابنِ زیاد ملعون نے مخدومہ عالیہ کو غصہ سے مخاطب کرتے ہوئے کہا: ”خدا کا شکر ہے جس نے تمہیں رسوا کیا، قتل کیا اور تمہارے دروغ و کذب کو ظاہر کر دیا۔۔۔۔۔“

سیدہ زینبؓ عالیہ نے فرمایا: ”حمد ہے اُس پروردگار کی جس نے ہمارے رسولؐ کی طرف سے ہمیں عزت بخشی، ہمیں ہر قسم کے رجز و ناپاکی سے پاکیزہ قرار دیا اور جو شخص بھی اپنے فسق کے باعث رسوا ہوتا ہے یا فجور کی وجہ سے جھوٹا ہوتا ہے، وہ ہم سے علاوہ ہے، ہمارا غیر ہے اور اس بات پر ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔“

اس طرح ثانی زہراؓ نے، جن کے دل کے زخم ابھی تازہ تھے اور اندوہ و غم ابھی ختم نہ ہوئے تھے، دشمنِ فسق کو شکست دے کر اپنی عزتِ نفس اور استقامت کو ثابت کر دیا۔ سیدہ طاہرہؓ کی نورِ نظر کے علاوہ کبھی کوئی ایسے مشکل حالات سے نہیں گزرا۔ اگر کوئی ایسی کیفیت سے کم سے کم بھی دوچار ہوا ہوتا تو یقیناً دشمن کی باتوں کے مقابلہ میں اپنے اعتدال کو کھودیتا اور شاید اپنے بچاؤ کی خاطر بی ذومعنی کلام کا سہارا لے لیتا۔

مزید مثالیں

زینبؓ عالیہ نے یزید ملعون کے دربار میں بھی اپنی اسی استقامت و استقلال کو برقرار رکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ سفرِ اسیری کے واقعات جو کوفہ سے شام تک پیش آئے، اپنی شدت کے اعتبار سے کافی تھے کہ کوئی بھی شخص اپنے اعتدال کو ضائع کر دیتا، حتیٰ کہ یہ واقعات انسان کے ہوش و حواس کو سلب کر دینے کیلئے بھی کافی تھے۔ لیکن ثانی زہراؓ اس تمام عرصہٴ صعوبات میں بے انتہا صدمات و مصائب سے دوچار ہوئیں لیکن اپنے حوصلہ کو شہزادی نے ہر حال میں قائم رکھا۔

واقعات کے مقابلہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ثانی زہراؓ کیلئے ایسا طرزِ عمل اختیار کرنا لازم تھا کہ بچوں کے معصوم دل مزید زخم آلود نہ ہوں، نہ ہی ذلیل دشمن بچوں پر جبری ہو کر ان کے صدمات و تکالیف میں مزید اضافہ کرنے پائے۔ اس ذمہ داری کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ اپنے ہدف کو کسی حالت میں ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے۔ لہذا اپنے طرزِ عمل سے متعلق اپنے ہدف کا دفاع کرتے ہوئے آپ ایسی پختہ و مستقل گفتگو کرتی تھیں جو صفحاتِ تاریخ پر نقشِ دوام ہوتی چلی گئی اور ساتھ ہی آپ اپنے فرض کی اہمیت اور اپنے ذہن میں اپنے ہدفِ زندگی کی پرورش کرنے میں مستطاف مصروف رہیں۔

شام میں سہل ساعدی نے مخدومہٴ عالیہ کے قریب پہنچ کر آپ کو سلام کیا اور آپ سے جواب سلام پایا۔ پھر پوچھا کہ کوئی حاجت ہے؟

سیدہ زینبؓ نے فرمایا: ”حاجت ہے لیکن درخواست نہیں، نہ ہی ہم عاجز ہیں کہ درخواست کریں۔“

پھر نہایت متانت و مستقل مزاجی سے فرمایا: ”اگر تجھ سے ممکن ہو تو اُس نیزہ بردار شخص کو، جس نے نیزہ پر میرے بھائی

حسین کے سرواٹھ رکھا ہے، اس بات پر رضامند کر کہ اپنے نیزہ کو میرے بھائی کی بیٹیوں کی نظروں سے ایک طرف کر لے جو اسے دیکھ کر بے چین ہوتی ہیں۔ اگر تو ایسا کر سکے تو یہ ہماری بہت بڑی خدمت ہوگی“ (زینب اخت الحسین)۔

۳. ثانی زہرا کا حسن تدبیر و تنظیم

زینب علیہا السلام اس ہستی کی مالک ہیں جس نے تاریخ انسانیت میں فوق العادہ اور بے مثال نقوش قائم کئے ہیں۔ تاریخ عاشورہ کے بیشتر صفحات پر آپ بہ نفس نفیس زندہ نظر آتی ہیں۔ بلکہ یہ کہنا ہرگز بے جا نہ ہوگا کہ بہت سے ایسے موارد میں گئے جن سے ظاہر ہوگا گویا یہ واقعات خود آپ نے ہی رقم فرمائے ہیں۔ آپ ہی وہ عظیم شخصیت ہیں جس نے سید الشہداء علیہ السلام کے وسیع لائحہ عمل کو تمام و کمال تک پہنچایا اور اس عمل میں کر بلا کے عظیم واقعہ کی مکمل و مفصل تصویر پیش کر کے کر بلا کی شیر دل خاتون کہلائیں (زینب بطلة کر بلا)۔

تمام واقعات و حالات میں مخدومہ عالم کی بصیرت کامل آپ کی ہستی کے اسرار و رموز میں شامل ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ ہر شخص کی فکر کو اس کے احساس فرض کے مطابق سمجھ رہی تھیں۔ جہاں کہیں آپ اپنے ہدف و مقصد کو خطرہ میں پاتیں اپنی پوری قوت و توانائی کے ساتھ پیش قدمی کر کے سامنے آ جاتیں اور اُس وقت ہرگز ہرگز اپنی جان تک کو قربان کرنے میں کسی طرح کا خوف و خدشہ محسوس نہ کرتیں۔

زینب علیہا السلام کی کامیابی میں آپ کے حسن تدبیر کے انداز کا بہت بڑا حصہ ہے۔ آپ نے برسوں حیات رسول خدا، اپنے بابا علی مرتضیٰ اور اپنے بھائیوں کی زندگیوں کے، جو آئمہ معصوم تھے، اسلام کی بقا کی خاطر طریقہ ہائے عمل اور اُن کے نقوش کار کا مشاہدہ کیا تھا۔ آپ نے اپنی مادرِ گرامی جناب فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کی حیاتِ اقدس کو بھی مشاہدہ فرمایا تھا کہ کس طرح انہوں نے اپنے فرائض کی بجا آوری کو انجام دیا اور عالم انسانیت کو اپنے دعوائے حقوق کی پیروی کرنے کے سلسلہ میں اسرارِ آلِ محمد سے کس طرح آگاہ کیا تھا۔

ثانی زہرا کی قوت تدبیر کا دائرہ

زینب کبریٰ ایسی رہبر و رہنما ہیں جو ہمیشہ ہر وقت فرائض کی انجام دہی اور ریاضت کیلئے بالکل آمادہ و تیار ہیں۔ آپ کے وجود کے بغیر واقعہ کر بلا کی کامیابی کا کوئی تصور ذہن میں نہیں آتا۔ سیدہ زینب کی موجودگی کے بغیر روزِ عاشور کے واقعات، سید الشہداء علیہ السلام اور آپ کے رفقاء و انصار کی شہادت، حالاتِ سفر و غیرہ، ہرگز اس قابل نہیں رہتے کہ اُن کو بیان کیا جاسکے

یا ان تمام حادثات کی شرح ممکن ہو۔ کربلا کی یہ عظیم کامیابی و کامرانی چند ایسے حقائق کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے جن کیلئے جناب زینب سلام اللہ علیہا کے حسن تدبیر و فکر کے درج ذیل عناوین کے مطابق گفتگو کرنا لازم ہوگی:

(ا) تدبیر ذاتی

کوئی مدبر اپنے مقام پر کامیابی و کامرانی سے ہم کنار نہیں ہو سکتا جب تک کہ پہلے خود اپنے کردار کی تدبیر کو آراستہ نہ کرے۔ دوسرے اشخاص کے بارے میں حسن تدبیر سے قبل لازم ہے کہ خود اپنے ارادہ اعمال کو پایہ تکمیل تک پہنچانے پر قدرت رکھتا ہو، خود اپنے نفس و ارادہ پر مکمل تسلط رکھتا ہو، اس کو معلوم ہو کہ کس موقع و منزل پر کس طریقہ عمل کو اختیار کرنا کامیابی سے ہم کنار ہونے کے لئے ضروری ہوگا۔ سیدہ زینب اس خوبی تدبیر پر پوری طرح حاوی تھیں۔

ثانی زہرا وہ عظیم خاتون ہیں جو اپنی قوت ارادی کی خود مالک ہیں، اپنے غیظ و غضب پر پوری طرح قابض ہیں، اپنی بخشش و مہربانی کی اقدار پر بھی مکمل اختیار رکھتی ہیں۔ علامہ اسد حیدر کے بقول آپ پر کبھی ایسی کیفیت طاری نہیں ہوتی کہ حزن و ملال آپ پر غالب آجائیں۔ حزن و ملال کی کیفیات سے مستقل طور پر نبرد آزما ہونے کے باوجود اپنے جذبات و احساس پر مکمل قابو رکھتی ہیں (مع الحسین علیہ السلام ونہضة، ص 294)۔

زینب عالیہ عظیم روحانیت کی مالک ہیں۔ موقع کی مناسبت کے مطابق اپنی بردباری و متانت پر قابو رکھنے کا ملکہ رکھتی ہیں۔ چنانچہ واقعہ کربلا کے کسی حصہ میں بھی آپ نے اپنے اوسان کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا، شدت حالات سے کبھی بھی آپ متزلزل نہ ہوئیں، نہ ہی کسی مقام پر آپ دست و پا چھوڑ دینے کی کیفیت میں مبتلا ہوئیں۔ روز عاشور عصر کے وقت یا گیارہ محرم کی صبح کو سیدہ زینب کبریٰ کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو قتل گاہ میں اپنے پیاروں کی پارہ پارہ لاشوں کو دیکھ کر بار بار غش کر جاتا، دوسرے لوگ اُسے ہوش دلاتے، یا وہ خود بے بس ہو کر صاحب فراش ہو جاتا اور دوسروں کو اپنی حالت کی طرف متوجہ کر لیتا، لیکن سیدہ طاہرہ کی عظیم نورِ نظر میں کوئی ایسی کیفیت کسی جگہ دکھائی نہیں دیتی۔ اس کے برعکس ہر مقام پر آپ کی موجودگی موقع کے عین مطابق، موقع سے ہٹ جانا عین مناسب اور آپ کے راز و نیاز بالکل با موقع اور سوچے سمجھے معتدل لائحہ عمل سے مستقل مطابقت رکھتے تھے۔

(ب) ساتھیوں سے متعلق معیار تدبیر

ثانی زہرا کربلا کے المیہ کے بعد خانوادہ امیر المومنین علیہ السلام کی سردار و بزرگ ہیں۔ تمام خواتین، بیٹیاں، بھتیجے و

بھتیجیاں سب آپ ہی کی سرپرستی میں ہیں، حکم بھی کاملاً انہی مخدومہ کا چلتا ہے، مقصد و ارادہ بھی آپ ہی کا غالب ہے۔ امیر المؤمنین و حسنین علیہم السلام کے پسماندگان سب اپنا اپنا گھر، ازواج، اولاد، گھریاں اور اُس کا اپنا اپنا انتظام رکھتے ہیں لیکن جہاں بھی آپ کے پدر بزرگوار اور بردارِ عالی قدر کو زندگی کے مسائل یا ذاتی افکار سے دوچار ہونا پڑتا ہے تو سب باتوں میں مرکزِ توجہ اور محافظِ اسرار و رموز سیدہ زینبؓ عالیہ ہی قرار پاتی ہیں۔

زینبؓ کبریٰ کے تدبیر و تنظیم کی عظمت زمانہ بھر کو نظر آسکتی ہے۔ زمانہ اسیری میں ہم یہ سب حسن انتظام، اسیروں کی تعداد کے برقرار رکھنے اور اُن کو آپس میں منسلک رکھنے میں دیکھتے ہیں۔ آپؐ کی ہمراہی ایسے اسیروں پر مشتمل ہے جن میں مائیں اپنے لختہ جگر قربان کر چکی ہیں، بہنیں بھائیوں کے غم میں محزون ہیں، کسں و خورد سال بچے ہیں، سید الشہداء علیہ السلام کا پورا خاندان اور اُن کے علاوہ دوسرے افراد بھی ہیں۔ اسی قافلہ میں سید الساجدین علیہ السلام ہیں جو جوان ہیں لیکن بیمار و غم زدہ ہیں اور ایسی حالت میں ہیں کہ خود انہیں بھی کسی تیماردار کی اشد ضرورت ہے۔ انہی میں چند بہت چھوٹے بچے بھی ہیں جیسے کہ روایت کے مطابق امام محمد باقر علیہ السلام جن کی عمر صرف چار برس ہے (زندگانی امام حسینؓ، مؤلفہ ڈاکٹر شہیدی)۔

آپؐ ثانی زہراؓ کی بطور قافلہ سالار اور بزرگ کارواں ذمہ داری کا اندازہ لگائیں۔ آپؐ کو تمام ہمراہی خواتین کی حوصلہ افزائی کرنا ہے جو سب کی سب انتہائی غم زدہ ہیں، چھوٹے چھوٹے بچے چھوٹے بچوں کو دیکھنا ہے، خود امام زین العابدین علیہ السلام کا خیال رکھنا ہے جو بے حساب ضرب خوردہ و مجروح ہیں، اُن سب کو نہ صرف آب و غذا پہنچانا ہے بلکہ ان کی دل دہی و تسلی کرنا بھی مقصود ہے، ان کو خوف و وحشت میں سہارا دینا ہے، اُن کے پاؤں کانٹوں سے مجروح ہیں، اُن کانٹوں کو چننا ہے، اُن مجروح پاؤں کو مرہم مہیا کرنا ہے، اُن سب کے سروں کو جو دشمن کی سنگ باری سے شکستہ و خون آلود ہیں، درمان پہنچانا ہے..... کیا ایک خاتون جو خود بھی اسیر و غم زدہ ہے، وسائل سے تہی و دامن ہے، ان تمام مسائل سے عہدہ براہو سکتی ہے؟ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ سب ذمہ داریاں سیدہ طاہرہؓ کی نورِ نظر پوری کر رہی ہیں اور ان تمام فرائض میں پورا اترتی ہیں۔

(ج) عالم ہستی کے متعلق ثانی زہراؓ کا تدبیر

ثانی زہراؓ کا تدبیر صرف اپنی ذات اور اپنے ہمراہیوں تک ہی محدود نہیں، صرف آپؐ کے خانگی ماحول سے متعلق نہیں جس کا انتظام آپؐ کے ذمہ ہو، صرف اپنے ساتھی اسیروں کی سرپرستی ہی آپؐ کو کرنا نہیں ہے، بلکہ تمام جہان ہستی پر آپؐ کا اثر پایا جاتا ہے جس پر آپؐ کے خُسن تدبیر اور سلیقہ اختیار کے نقوش بہت گہرے نظر آتے ہیں۔ حضرت امیر المؤمنینؓ اور جناب

سید اشہد اعلیٰہ السلام کے مقدس خاندان تو آپ کی رائے و تدبیر سے استفادہ کرتے ہی ہیں لیکن آپ کے تدبیر و تنظیم کا اثر پورے عالم و وجود ہستی پر نمایاں ہے اور یہ کیفیت طبعی امکانات و حالات زمانہ سے ہر طرح ماوراء ہے۔ ہم اس سلسلہ میں صرف ایک موقع کی طرف اشارہ کرتے ہیں، وہ بھی اس کے صرف ایک پہلو پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ اس موقع کا تعلق کوفہ سے ہے جہاں آپ کے ایک خطبہ نے سننے والوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ سید ابن طاووس مرحوم نقل کرتے ہیں:

”آپ کوفہ میں وارد ہوئیں۔ بے انتہا ہجوم اور شور و غوغا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ لوگ سراٹھا اٹھا کر قیدیوں کو دیکھنا چاہتے تھے کہ کون ہیں اور کیا کہتے ہیں۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ یہ قیدی کہیں باہر سے آئے ہیں اور ان کے دین سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ قیدی اونٹوں پر سوار تھے اور ساربان ان کے برابر چل رہے تھے۔ سپاہیوں کی ایک جماعت سرہائے شہداء کو نیزوں پر بلند کئے ہوئے تھے۔ ثانی زہرا جب وسط شہر میں پہنچیں تو آپ نے ماحول شہر کو بات سننے پر آمادہ پایا۔ چنانچہ ’وَأَوْصَاثِ الْإِنْسَانِ أَنْ اسْكُتُوا‘ یعنی آپ نے انشت مبارک بلند کر کے لوگوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ ’فَازِلْتُ الْإِنْسَانَ وَسَكُنْتُ الْإِحْرَاسُ‘ یعنی لوگوں کے سانس ان کے سینوں میں رُک گئے۔ یہاں تک کہ اونٹوں کی گھنٹیوں کی آوازیں بھی خاموش ہو گئیں۔ تاہم توجہ کا مرکز شہزادی کا یہ عمل نہیں کیونکہ نظام ہستی میں یہ بات تو ایک امر طبعی کی حیثیت رکھتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ کیفیت انسان کے وجود پر اپنے اثر و نفوذ کو برقرار کر لیتی ہے اور انسانی ذہن اس کے موافق ہونے پر فطرتاً مجبور ہو جاتا ہے۔ اس کیفیت کے حصول کے لئے سیدہ زینبؑ عالیہ جیسی ہستی کی عبادت و بندگی پروردگار کے سایہ کی ضرورت ہے جس کے باعث قلب انسانی میں اس قدر متاثر ہونے کی قوت پیدا ہوتی ہے۔“

(د) قوت ارادی

سیدہ زینبؑ عالیہ قوی و پر زور قوت ارادی کی مالک ہیں اور اپنے اس قوی ارادہ کو راہ خدا میں بروئے کار لاتے ہیں۔ انسان کی قوت ارادی اس کی روحانیت سے براہ راست متناسب ہوتی ہے۔ یہ قوت خود اپنے مقام پر حیات طبعی سے متعلق بہت سے عوامل کو نظر انداز کر کے کسی خاص عامل کا تعین کرتی ہے۔ لہذا عوامل طبعی کی تعداد جس قدر بڑھتی جائے گی اسی قدر روحانیت اور قوت ارادی میں اضافہ ہوگا۔

چنانچہ ثانی زہراؑ شجاع اور قابل تقلید خاتون معظمہ ہیں جو یقیناً ہر طرح اس قابل ہیں کہ اپنے آپ کو متعدد رشتوں سے آزاد کر کے ماسوا اللہ سے اپنے آپ کو الگ رکھتے ہوئے صرف پروردگار عالم سے لو لگالیں۔ اللہ تعالیٰ سے یہ لگاؤ اور اتصال

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کی روحانیت اور توانائی کا موجب ہے، اسی تعلق کی مدد سے خوف و وحشت و اضطراب و اضطراب آپ سے دُور رہتے اور آپ کو قوی و محکم بناتے ہیں۔

مختصراً یہ کہ ثانی زہرا کی قدرت کلام و خطاب، آپ کی جرأت و توانائی و بزرگی کی حقیقت و اصلیت یہی ہے کہ اسی جرأت و استقلال نے آپ کو اسیری کی مشکلات و مصائب کے دوران نہ صرف تحمل و برداشت کی قوت سے مالا مال رکھا بلکہ یوں کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آپ کی شخصیت نے بارِ شہادت کو سہارا دیا، یا یہ کہئے کہ آپ نے بغیر احساسِ نقاہت و خشکی مدینہ سے مکہ، مکہ سے کربلا اور کربلا سے کوفہ و شام کے جاں فرسا سفر کو طے کیا۔ آپ کے علاوہ اور کون ایسا ہو سکتا ہے جو اپنے مقصدِ حیات کی خاطر اپنا گھربار، زندگی، آرام و آسائش اور مشاغلِ حیات کو ترک کر کے اتنے مصائب کو اپنے اوپر گوارا کر سکے۔

۴. خاتونِ کربلا کا گریہ فاتحانہ

بعض مرثیہ گو حضرات نے زینبؑ عالیہ کو آنسو بہانے والی گریہ کنایا خاتون قرار دیا ہے۔ انہوں نے آپ کی ایسی شخصیت پیش کی ہے جو بار بار غش کر جاتی ہے اور اتنی زیادہ ضعیف ہو چکی ہے کہ اکثر نہایت اہم مواقع پر بے تاب و بے قرار نظر آتی ہے۔ ہماری نظر میں آپ کے متعلق یہ تصورات مبنی بر جہل و نادانیت ہیں۔ تاریخ ایسی باتیں زینبؑ عالیہ سے ہرگز منسوب نہیں کرتی، نہ ہی انہیں ہر موقع پر بے قرار و گریہ کنایا دکھلاتی ہے۔

ہم ثانی زہرا کی رقت و گریہ افشانی کے منکر نہیں جو صرف اپنے عزیزوں کے غم میں آپ سے ظاہر ہوئی کیونکہ یہ ایک فطری و طبعی عمل ہے۔ یہ کیفیت خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام پر بھی صادق آتی ہے۔ جناب رسول اکرم نے اپنے پیارے فرزند حضرت ابراہیمؑ کیلئے گریہ فرمایا۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی زوجہ گرامی قدر جناب سیدہ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کی وفاتِ حسرت آیات پر اشک افشانی کی۔ یہی کیفیت ہم تمام دیگر ائمہ معصومین علیہم السلام کے متعلق بھی پاتے ہیں۔ ہم اس حالت کو فراموش نہیں کر سکتے کہ آپؑ کی اشک افشانی کی نوعیت یہ ہے کہ:

یہ وہ گریہ نہیں جو رقتِ قلب اور شفقتِ انسانی کے خلاف ہو، جو بے حسی و فریب خوردگی کے نتیجہ میں ہو یہ گریہ وہ نہیں

جس میں رونے والا بے خود ہو کر اپنے حق ہی سے گزر جائے، یا گریہ رونے والے کے لئے توین کا باعث بن جائے، یا

اس لئے ہو کہ یہ بے تابی غم سے رہائی اور جذبات و تاثراتِ غم کی تسکینِ قلب کی خاطر اختیار کی گئی ہو،.....

سیدہ زینب کا گریہ شفقتِ انسانی سے بُعد کے طور پر نہیں، بلکہ یہ گریہ اعلائے کلمہ حق اور راہِ حق میں خلقِ خدا و

بیدار کھنے کیلئے ہے۔ یہ رونا تازیانوں کی بارش یا عذاب روحانی کی خاطر نہیں بلکہ یہ گریہ فاتحانہ، رسواگر ظلم، اپنے بعد کی تاریخ میں افراد کو بیدار کرنے کا ذمہ دار اور حادثہ فاجعہ کر بلا کے بارے میں اغیار تک کی توجہ کو اس طرف مبذول کرنے کی خاطر ہے۔

ثانی زہرا کے دفاع میں بہت سے حالات سامنے آتے ہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ اس قسم کے جاہلانہ دعوے جو آپؐ کی خیر خواہی کی صورت میں پیش کئے جاتے ہیں، اُن سے زینبؓ کبریٰ کے مقدس دامن کو پاک کیا جائے۔

جاننا چاہئے کہ کسی نے آپؐ کو سفر کر بلا اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا تھا۔ آپؐ کی مقدس شخصیت کسی طرح بے بسی، بے سروسامانی اور درماندگی کی شکار بھی نہ تھی جو اس سفر کے لئے ناگزیر کیفیت کی حامل ہوتی۔ آپؐ اپنے شوہر و اولاد کے ساتھ عمدہ اور خوش گوار زندگی بسر کر رہی تھیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ مرفہ الحال زندگی بسر کرنے کے جملہ امکانات آپؐ کے پاس موجود تھے۔

لہذا آپؐ نے پوری ذمہ داری و واقفیت و بصیرت و روشن نظری سے اپنے لئے یہ راہ منتخب فرمائی تھی۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ کے ساتھ عقد میں آپؐ کے امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ سفر میں جانے کی شرط رکھی گئی تھی۔ چنانچہ چالیس سال سے زیادہ کے طویل عرصہ میں آپؐ کی اشک افشانی جو عجز و بے بسی کی مظہر ہو، بے معنی چیز ہے بلکہ اضطراب کو ظاہر کرنے والی مشق گریہ تو ایک بچکانہ کیفیت کی آئینہ دار قرار پائے گی۔

(علاوہ ازیں ہم پہلے ہی پچھلے صفحات میں تحریر کر چکے ہیں کہ جب امیر المومنینؑ نے ایک موقع پر آئندہ پیش آنے والے واقعات کا شہزادی سے تذکرہ کرتے ہوئے گریہ فرمایا تھا تو شہزادی نے عرض کیا تھا کہ انہیں یہ سب حالات ان کی معصومہ والدہ معظّمہ نے پہلے ہی بتلا رکھے ہیں)۔

لہذا اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ جس روز زینبؓ عالیہ نے وادی مبارزہ میں قدم رکھا اسی دن سے آپؐ جانتی تھیں کہ کن لوگوں سے آپؐ کا سابقہ ہوگا، آپؐ کے خاندان کے بدترین دشمن کون ہیں، کیسے ہیں اور آپؐ کو کس حد و انداز تک دشمن کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ آپؐ واقعہ کر بلا سے پہلے ہی باخبر تھیں۔ آپؐ کے جد بزرگوار، پدرِ عالی قدر اور مادرِ باوقار نے آپؐ کو پہلے ہی اس کی تفصیل کی خبر دے رکھی تھی۔ حد تو یہ ہے کہ واقعات آئندہ کے بارے میں جب آپؐ کے بابا نے آپؐ کو مطلع کرنا چاہا تو آپؐ نے انہیں کہہ دیا تھا کہ میں یہ سب جانتی ہوں۔

ان حالات میں کس طرح ممکن ہے کہ آپؐ اشک و آہ و نالہ و گریہ کی راہ اختیار کرتیں یا بعض ناواقف لوگوں کے بقول

اپنی تیرہ بجتی پرفرین کرتیں۔ ایسی باتیں زینبؓ عالیہ کی مقدس ذات سے بہت بعید اور آپؐ کی شان اقدس سے کوئی لگاؤ نہیں رکھتیں، بلکہ اس کے برعکس آپؐ کی شخصیت کے اصل خدوخال کو گہناتی ہیں، جبکہ حقیقت میں آپؐ کی شخصیت کے صرف پہلو ہائے توصیف ہی سامنے آتے ہیں۔

ثانی زہرا کے گریہ کی قدر و قیمت

زینبؓ عالیہ عظیم استقامت و استقلال کی مالک ہیں۔ کسی جگہ بھی مصائب و آلام نے آپؐ کو ہراساں نہیں کیا۔ کسی مقام پر آپؐ نے عجز و بے چارگی کا اظہار نہیں کیا، نہ کوئی ایسا لفظ آپؐ کے دہن مبارک سے نکلا۔ حد یہ ہے کہ دربار ابن زیاد میں بھی ہرگز آپؐ کے طرز عمل سے آپؐ کے ہدف زندگی کے مقابلہ میں ایک لفظ بھی خوف و سراسیمگی کے اظہار کیلئے نہیں ملتا۔ بعض مقامات تو ایسے بھی آئے ہیں جہاں آپؐ کی گفتگو اس حد تک بڑھی کہ ایک مرتبہ ابن زیاد نے واقعی آپؐ کے قتل کا حکم دے دیا۔ چنانچہ کسی مقام پر بھی حضرت سے گریہ بے بسی ظاہر نہیں ہوا۔ اگر کہیں ایسا موقع آتا کہ دوران گفتگو گریہ گلو گریہ ہونے کا خدشہ ہوتا تو آپؐ ایسے موقع پر خاموش رہنے کو ترجیح دیتیں۔ ایسے مواقع پر تو صرف بچے ہی دامن قرار کھو بیٹھتے ہیں جبکہ ثانی زہراؓ کی شان تو ان امور سے بہت بلند سطح رکھتی ہے۔

تاہم کربلا کے مرقع خونین کے دوران ناحق سید الشہداء علیہ السلام کے پیغام کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلہ میں شہزادی کو اشک افشانی کرنا پڑی لیکن یہ اشک دُر ہائے بہا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ آپؐ کے وہ آنسو ہیں جو بنی امیہ کے جرائم کو بے نقاب کرتے ہیں۔ یہ آنسو دیکھنے والوں اور گفتگو سننے والوں کے احساس و شعور کو جھنجھوڑتے ہیں، حتیٰ کہ لوگ سننے اور سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ آپؐ کیا فرما رہی ہیں اور آپؐ کا مدعاؓ گفتگو کیا ہے!

سیدہ زینبؓ اور پس ماندگان سید الشہداء

ثانی زہراؓ عظیم ترین جرأت و قوی ترین روحانیت کے ساتھ شریک حادثہ کربلا ہیں۔ آپؐ پس ماندگان جناب سید الشہداءؓ کے کوفہ سے شام اور شام سے واپس مدینہ تک کے سفر کی اس طرح ذمہ دار ہیں کہ سید الشہداءؓ کے مقصد شہادت کی سیرابی بھی ساتھ ساتھ جاری رہے۔ اگر آپؐ عام لوگوں کی طرح نالہ و فریاد کی خوگر ہوتیں تو کیسے ممکن تھا کہ یہ عظیم شہادت اپنے مقصد اصلی کو حاصل کر سکتی اور ان اسیروں کا کون کفیل و پرسان حال ہوتا۔

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ زینبؓ عالیہ نے مواقع کی مطابقت میں نوحہ بھی کیا ہے، آپؐ سید الشہداء امام حسین علیہ السلام

کے غم میں مرثیہ و اشعار بھی کہتی ہیں، لیکن یہ سب مجمعِ اغیار و عدوان میں ہوتا ہے جبکہ اپنے عالمِ تنہائی میں خصوصیت کے ساتھ آپ کا طرزِ عمل بالکل مختلف ہے۔ آپ کے نوحہ و غم اور اشعارِ مرثیہ سے بھی صبر و تحمل کا اظہار ہوتا ہے بلکہ یہ سب کلمات اکثر مقامات پر حصہ تاریخ اور واقعہ کر بلا و متعلقہ حوادث کا بیان بن گئے۔ ایسے تمام مواقع لوگوں کی توجہ کا مرکز اور احساسِ اصلیت کا باعث بن جاتے ہیں۔ لوگ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ یہ اسیری اور اس سے متعلق صعوبات، معصوم بچے تک جن کا نشانہ بنے ہوئے ہیں، آخر ان کی اصلیت و واقعیت کیا ہے؟

یقیناً ایسے تمام واقعات گر یہ ثانی زہرا کے دفاع کی خاطر وقوع پذیر نہیں ہوئے، اگرچہ ایسا ہوتا بھی تو یہ آپ کے پیش آمدہ واقعات کی اہمیت کے مطابق ہوتا، لیکن زینبؓ عالیہ کی شان کا اس سے بھی اظہار ہوتا ہے۔

۵۔ زینبؓ عالیہ کے مقاماتِ عظمت

ہم عرض کر چکے ہیں کہ زینبؓ عالیہ اگرچہ منسلک بہ عصمت ہیں تاہم خود معصوم نہیں ہیں 1۔ اس کے باوجود آپ سے متعلق جس قدر کمالات کا ذکر کیا جاتا ہے ان کا تمام افراد سے ظاہر ہونا قطعی محال ہے۔ بات یہ ہے کہ اگر یہ سب کچھ ایک ہی آدمی سے ظاہر ہونا ممکن ہو تو پھر آپ کیلئے اس منقبت و فضیلت کا کون سا مقام باقی رہ جائے گا۔

ہم مانتے ہیں کہ عرصہ روزگار میں ایسے افراد کا وجود مل جاتا ہے جو ایسے کمالات کے مظہر ہو سکتے ہیں جن کا اظہار عام لوگوں سے ممکن نہیں ہوتا۔ تاہم ایسے چند افراد کے متعلق ہماری واقفیت کس کام کی! اس بحث میں جس بات کو ہم خصوصیت کے ساتھ پیش کرنا چاہتے ہیں وہ اپنی بالکل الگ نوعیت رکھتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ زینبؓ عالیہ کا ماحولِ تربیت اور آپ کے مربی و معلم اس شان کے مالک تھے جن تک کسی کو دسترس حاصل نہیں ہو سکتی۔ پھر بھی ہم یہ ضرور کہیں گے کہ ان میں سے ہر فرد ایسی اعلیٰ شان کا مالک ہے کہ کوئی دوسرا شخص ان سے ایسی تربیت فطرتاً حاصل کرنے کا اہل نہیں ہو سکتا کہ ان مقامات سے کوئی من سبت پاسکے

1۔ مؤلف کتاب یہاں اشتباہ کا شکار معلوم ہوتے ہیں۔ پورے وثوق کے ساتھ جناب زینبؓ عالیہ کی ذمہ داریوں کا ذکر کرتے ہیں جو سید الشہداء علیہ السلام نے شہزادی کے پردہ فرمائی تھیں۔ یہ بھائی بہن کی رخصتِ آخر کا وقت تھا جب جناب سید الساجدین بحکم پروردگار اس شدید علالت میں مبتلا تھے جو روزِ عاشور ان کے زندہ بچ جانے کا باعث بنی۔ یہ ذمہ داریاں اُس وقت تک شہزادی کے ذمہ رہیں جب تک کہ جناب امامزین العابدین علیہ السلام تندرست ہو کر ان کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہ ہو گئے۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ امام مذکور تمام وقفہ اسیری و ابتلاء کے دوران اپنی عظیم پھوپھی کے متورہ کے بغیر کوئی فیصلہ خود نہیں کرتے۔

جو زینبؑ عالیہ کو حاصل ہوئے۔

ہمیں تسلیم کرنا ہوگا کہ جس چیز نے سیدہ زینبؑ کو زینبؑ عالیہ و زینبؑ کبریٰ بنایا وہ آپؐ کی اپنی ریاضت اور شانِ مجاہدہ تھی۔ یہ سب مقام آپؐ کی فطری رہبری اور آپؐ کے اشجع و ذمہ دار مخدومہ ہونے کی بنا پر آپؐ کو حاصل ہوا۔ آپؐ نے یہ تمام مقامات رہنمائی خود اپنی ذاتی صلاحیت کی مدد سے حاصل کئے اگرچہ یہ کیفیات دورِ حاضر میں بھی بعض افراد میں آپؐ کو مل جائیں گی۔ ہم ذیل میں ان چند کمالات اور ان کی وسعتِ محیط کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ہم بالکل اختصار کے ساتھ اشارۃً ایسے موارد سے بحث کریں گے جو عموماً ایسے فضائلِ رہبری کے حصول کے لئے ناگزیر ہوتے ہیں۔ تفصیل کے طالبان سے درخواست ہے کہ ان کتب کی طرف رجوع فرمائیں جن میں انسان کی صلاحیت اور حصولِ رشد کے لئے لازمی اقدار کی بحث کی گئی ہے۔ بہر حال یہ اقدار ان اجزاء سے عبارت ہیں:

(۱) علم و آگہی

فضائلِ اعلیٰ کے حصول کیلئے پہلی شرط آگہی ہے۔ لازم ہے کہ چراغِ علم کے نور سے اس قدر ذہانت و بصیرت تو کم از کم ضرور حاصل ہو کہ انسان اپنے لئے راہ و چاہ میں امتیاز کر سکے۔ اس صلاحیت کے بغیر خود اپنی اقدار کی وسعت و اہمیت، خود اپنے مقاماتِ ضعف و طاقت، زمانہ کے حالات و مواقع کی واقفیت، اپنے فرائض و تکالیف کی شناخت اور ان سب باتوں کے ممکنہ انجام و انتہا کا احساس ممکن نہیں ہوگا۔ پھر انسان کیلئے لازم ہے کہ اپنی راہِ حیات متعین کر سکے، اپنے رہبر سے شناسا ہو، بالفاظِ دیگر اپنے زمانہ کے امام کو پہچانتا ہو، اگر اُس میں کوئی کمزوری ہو تو اُس کا احساس کر پائے تاکہ صحیح راہ پر گامزن ہو سکے۔ ان تمام کیفیات کے حصول کیلئے درج ذیل باتوں پر توجہ کرنا ضروری ہوگا:

”وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ“ (نحل: 16)۔

”(وہ لوگ) ستاروں کی مدد سے راستہ دریافت کر لیتے ہیں۔“

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ وہ ستارگان ہم (آئمہ معصومین) ہیں۔

”أَلْعَالِمُ بِزَمَانِهِ لَا تَهْجُمُ عَلَيْهِ.....“ (کافی، ج 2)۔

’جو شخص خود اپنے زمانہ سے خوب واقفیت رکھتا ہے وہ اشتباہات و فریبِ زمانہ کے ہجوم اور حملوں سے پریشان نہیں ہوتا۔‘

”أَلْعَامِلُ عَلَى غَيْرِ بَصِيرَةٍ كَالسَّائِرِ عَلَى غَيْرِ طَرِيقٍ وَلَا يَزِيدُهُ سُرْعَةُ السَّيْرِ إِلَّا بُعْدًا“

”جو شخص عقل و دانائی کے بغیر عمل کرتا ہے وہی ہمیشہ گمراہی کی طرف جاتا ہے اور تیزئی رفتار اس کو اس کے ہدف سے دُوری کے علاوہ کچھ نہیں دیتی“ (تحف العقول، ص 379)۔

(ب) اللہ تعالیٰ پر ایمان

روحانی طاقت و استعداد کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی پر مستقل و مستحکم طریقہ سے اعتقاد و بھروسہ رکھتا ہو، ایک ایسا رشتہ بندہ و پروردگار کے درمیان قائم ہو جو ہرگز ٹوٹنے والا نہ ہو، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

”وَيُؤْمِنُ بِاللّٰهِ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا“ (بقرہ: 256)۔

”اور جو کوئی اللہ پر ایمان لے آئے تو اُس نے (ایسے) محکم سہارے کو تھاما ہے جو (ہرگز) ٹوٹ نہیں سکتا“۔

بالفاظِ دیگر اللہ تعالیٰ پر صحیح و پختہ و غیر متزلزل ایمان قائم ہو، انسان مکمل بصیرتِ قلب و ذہن سے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی کو تسلیم کرے، اللہ تعالیٰ کو علم و صبر و قضا کا خالق و منبع جانے اور حدودِ روحانی کو تمام حدودِ امکان سے بلند و بالا مان لے۔

ثانی زہرِ ذاتِ پروردگار پر ایمانِ کامل کی مالک ہیں۔ آپ کے ایمان و اعتقاد میں کسی قسم کی پچ نہیں۔ آپ کو سنگین روحانی صدمات کا سامنا تھا لیکن چونکہ آپ کا ہدف زندگی خدائے لایزال کی خاطر مقرر کیا گیا تھا، اس لئے پائے استقلال میں کسی طرح کی لرزش ممکن نہ تھی، نہ ہی آپ کسی طرح کی خستگی و در ماندگی سے دوچار تھیں۔ آپ جانتی تھیں کہ ذاتِ پروردگار آپ کی شاہد ہے اور وہ اُن تمام مصائب و آلام کو دیکھ رہا ہے جو آپ کو صرف اُس کی راہ میں اٹھانا پڑ رہے ہیں۔

(ج) جذبہِ جہاد (مجاہدت)

ایمان و آگہی دو ایسی لازم شرطیں ہیں جو انسان کو فرض و ریاضت کی راہ میں عمل کی محرک بناتی ہیں۔ یوں کہنا چاہئے کہ انسان کے لئے لازم ہے کہ فرض و ریاضت و مجاہدہ کے جذبہ کے ساتھ میدانِ عمل میں قدم رکھے۔ صرف یہ سوچ کر ہی دل کو خوش نہ کر لے کہ میں ایمان رکھتا ہوں اور میرا دل ہر قسم کی آلائش و نجاست و ذہنی سے پاک ہے۔

اس میدان میں زینبؓ عالیہ مجاہدہ اور مکمل طور پر باعمل مخدومہ ہیں۔ آپ انتہائی کوشش و ریاضت کے ذریعہ اپنے عمل سے رضائے پروردگار کے حصول کی خاطر سرگرم عمل ہیں۔ اس راہ میں ثانی زہرِ ذات نے سب کچھ، حتیٰ کہ جان و مال و اولاد اور تمام وہ چیزیں جو عام انسان کیلئے روشنی چشم کا باعث ہوتی ہیں، قربان گاہِ الہی میں پیش کر دیں۔

(د) مسئلہ موت کا حل

موت عوام الناس کیلئے وحشت ناک و خوفناک شے ہے لیکن نیک و پاک بندگانِ خدا کیلئے ایک امرِ مانوس کا درجہ رکھتی ہے اور اُن کیلئے باعثِ راحت ہے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

”الْمَوْتُ مُرِيحٌ“ (غرا الحکم)۔

”موت سامانِ راحت ہے۔“

”وَاللّٰهُ لَا بُنْ اَبٰی طَالِبٍ اَنْسَ بِالْمَوْتِ مِنَ الْطِفْلِ بِشَدٰى اُمِّهِ“ (نَج البلاغہ)۔

یعنی ”خدا کی قسم! علی ابن ابی طالب موت سے اس طرح مانوس ہے جس طرح بچہ پستانِ مادر سے مانوس ہوتا ہے۔“

لہذا جب تک انسان موت کے خوف پر حاوی نہ ہو، اس کی مشکلاتِ زندگی ہر گز حل نہ ہو پائیں گی۔

سیدہ زینبؓ موت سے بالکل خوفزدہ نہیں ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپؐ نے متعدد بار اپنے آپؐ کو موت کے خطرہ میں ڈال دیا۔ آپؐ نے دربارِ ابنِ زیاد میں اُس ملعون کو موردِ نفرین و سرزنش قرار دیتے ہوئے فرمایا: ”تیری ماں تیرے غم میں بیٹھے!“ (ایمان الشیعہ)۔

ممکن تھا کہ اُس وقت آپؐ کو قتل کر دیا جاتا، لیکن ہر حالت میں آپؐ نے اپنے ہدف کو زندہ رکھنا چاہا کیونکہ یہ تمام واقعات آپؐ کے نزدیک آپؐ کے احیائے مقصد اور دوائی ہدف کا ذریعہ و وسیلہ تھے۔

منزلِ حزیہ میں آپؐ محو خواب تھیں کہ عالمِ رویاء میں آپؐ نے سنا:

اَلَا بِاَعْيٰنٍ فَاحْتَفِلِيْ بِجَهَنَّمَ
اے آنکھ! پورے مجاہدہ و ریاضت سے مشغول گریہ ہو جا۔

وَمَنْ يَنْبِكِيْ عَلٰى الشَّهَدَاءِ بَعْدَ
اور کون ہے شہداء پر میرے بعد گریہ کرنے والا۔

عَلٰى قَوْمٍ نَسُوْا قَتْلَهُمْ اَلْهٰنَا
وہ کون ہے جو اس قوم کو ان کے مقصد کی طرف لے جا رہا ہے۔

لِمَقْدَارٍ عَلٰى اِنْجَازٍ وَعَدِ
وہ بھی اس لئے کہ ان کا اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا وعدہ محقق ہو جائے اور منزل

حق پر فائز ہو جائیں۔

جب بیدار ہوئیں تو یہ بات امام حسین علیہ السلام کے سامنے بیان کی۔ امام علیہ السلام نے اس کی اس طرح وضاحت

فرمائی کہ جو کچھ مقدر ہو چکا ہم تک پہنچنے والا ہے (ریاحین الشریعہ، ج 3، ص 77)۔

(ھ) مستقبل کا تصور

ایسے کتنے افراد آپ کو نظر آئیں گے جو اپنے مستقبل کیلئے مقصدِ حیات کا کوئی تصور رکھتے ہوں اور اپنے اُس تصور کے حصول کی خاطر تحرک و ریاضت کی راہ اختیار کریں۔ مثلاً ایک طالب علم حصولِ علم کی خاطر اپنے مستقبل کو سامنے رکھ کر شب و روز محنت کرتا ہے، اسی طرح ایک کاشتکار جو اپنی کھیتی میں سرگرم کاشتکاری ہوگا اُس کے سامنے بھی عمدہ فصل کے حصول کا تصور ہونا لازم ہے۔ غرض یہ کیفیت سب انسانوں میں قدر مشترک کا درجہ رکھتی ہے۔

لیکن زینبؓ عالیہ اپنے حالات کو مختلف نظر سے ملاحظہ فرماتی ہیں۔ آپ کا زمانہ حال مشتمل ہے سختیوں پر، تلخیوں پر تحمل کرنے پر، مصائب و دشواریوں پر۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں محرومی، بھوک و پیاس، اسیری، دُڑوں کی ضربات، غم و رنج اور تلخی روزگار کو برداشت کرنا ہے۔

دوسری طرف مستقبل بھی کچھ دُور و بعید نظر نہیں آتا جو خوشگوار ہے، بہ اس معنی کہ آپ کے ریاضت و مجاہدہ کی بدولت شجرِ اسلام پر بہار و زندگی کو رونما ہونا ہے۔ ماضی کی سختیوں اور مشکلات کے نتیجہ میں شجرِ اسلام کو شیریں و خوشگوار ثمرات سے بار آور ہونا ہے، باطل کو نیست و نابود اور حق کو درخشاں و نمایاں ہو کر ابھرنا ہے، حق و باطل کے درمیان سے پردہ اٹھنا اور خبیث و طیب کی الگ الگ شناخت ہونا ہے (لَيَمَيِّزَ اللَّهُ الْغَيِّبَ مِنَ الْطَّيِّبِ) (انفال: 37)۔ یہی وہ آئندہ کا تصور اور مستقبل کی منزل ہے جو زینبؓ عالیہ کے قلبِ حق جو کوسکون، بخشا اور حصولِ ہدف کی خاطر راہ کو نمایاں و آشکار کر رہا ہے۔ آپ اس مستقبل کو اپنی چشمِ بصیرت سے مشاہدہ فرما رہی تھیں بلکہ سید الساجدین علیہ السلام سے کہہ رہی تھیں کہ:

یہ وہ مقام ہوگا جہاں ہماری بارگاہ برپا ہوگی، ہمارے مزارِ مرجعِ خلائق بنیں گے، ہمارے نشانات کو حیاتِ جاوید حاصل ہوگی (مع الحسین و نہضۃ)۔

آپ نے یزید لعین پر صاف و آشکار الفاظ میں واضح فرمادیا کہ تیرے لئے ممکن نہیں کہ تو لوگوں کے قلوب سے ہماری یاد کو محو کر سکے، جو حربہ بھی استعمال کر سکتا ہو کر کے دیکھ لے: ”قَوَّ اللَّهُ لَا تَمْحُوذُ خُرْنَاو.....“ (زینبؓ عالیہ کا خطبہ شام)۔

(و) امام حسین علیہ السلام کا مقام حوصلہ بخش

امام حسین علیہ السلام ثانی زہرِ اسلام اللہ علیہا کیلئے رہبر کا مقام رکھتے تھے اور آپ کا نصب العینِ مخدومہ کیلئے مقصدِ حیات تھا۔ اسی لئے امام حسین علیہ السلام کی ہمراہی زینبؓ عالیہ کے ازدواج میں بطور شرط رکھی گئی تھی۔ سید الشہداء علیہ السلام کا طرزِ

عمل و طریق کار اور آپ کی طرف سے حوصلہ افزائی زینبؓ عالیہ کیلئے قوت و استقلال کا باعث تھی۔ لہذا ثانی زہرا سلام اللہ علیہا پوری جرأت و شجاعت و استقامت کے ساتھ اور محکم و مستقل قدموں پر پیش قدمی میں مصروف تھیں کیونکہ جناب سید الشہداء علیہ السلام نے آپ کو حوصلہ دیا تھا اور یقین دلا رکھا تھا کہ پروردگار عالم کی استعانت تمہارے ساتھ ہوگی اور تمہارے دشمنوں کو ذلیل و رسوا کرے گی (روزِ عاشور بوقتِ وداع سید الشہداء کی یقین دہانی)۔

یہی وجہ ہے کہ سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی نورِ نظر جناب زینبؓ کبریٰ مصائب و آلام و کشمکش کے دوران جذباتِ غم و الم کو ہٹا کر اپنے سوزِ دل پر مکمل قابو رکھتی ہیں اور جانتی ہیں کہ انہیں کیا کچھ کرنا اور کس طرح آگے بڑھنا ہے۔ لہذا اپنے طریق کار میں پوری قوت و حوصلہ کے ساتھ اقدام کرتی ہیں اور دشمن کے کسی طرح کے مبہم اقدام و فریب کاری کو باقی نہیں رہنے دیتیں۔



۱۔ ثانی زہرا کا ہدف و مقصد

نظام آفرینش ہدف و مقصد کا حامل ہے۔ اس ہدف کے حصول کی خاطر عالم ہستی میں کچھ راہیں اور لائحہ عمل متعین کئے گئے ہیں۔ ان تمام طریق ہائے کار میں کوئی شے بے کار و بے مصرف پیدا نہیں کی گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِعَيْنٍ“

”اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے، کھیل کے طور پر نہیں بنایا۔“ (انبیاء: 16)

ارشاد ہوتا ہے:

”رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا“۔ (آل عمران: 191)

یعنی ”اے ہمارے رب! تو نے اس (شے) کو بے کار خلق نہیں فرمایا۔“

انہی مخلوقات کائنات کے درمیان ہم نوع انسان کو دیکھتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ کی بہت سی مخلوقات پر برتری حاصل ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

”وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا“۔ (اسراء: 70)

”اور اپنی بہت سی مخلوقات پر اُن کو اچھی خاصی فضیلت دی۔“

”أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا“۔ (مؤمنون: 115)

”تو کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو (یونہی) بے کار پیدا کیا؟“

پس لازم ہے کہ تخلیق انسان کا بھی کوئی مقصد ہو۔ بالفاظ دیگر ہر انسانی وجود کی تخلیق کا کوئی مقصد و ہدف ہے جس کی

پیروی کرنے میں وہ مصروف ہے جیسا کہ ارشاد رسول اکرم ہے:

”لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَىٰ“۔ (حدیث رسول اکرم)

یعنی ”ہر انسان کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اُس نے نیت کی۔“

پھر جس قدر کوئی ہدف بلند و گراں قدر ہوگا اسی قدر حال ہدف انسان عظیم و بزرگ قرار پائے گا۔ ظاہر ہے کہ حضرات

انبیاء و معصومین علیہم السلام کے مقاصد و اہداف حیات عوام الناس سے اسی قدر بلند تر و عظیم تر ہوں گے۔ اسی لئے زہرا جیسے افراد تاریخ اگرچہ ان کی مدت حیات بہت کم ہی کیوں نہ ہو، کے اہداف و مقاصد حیات عام لوگوں سے اسی نسبت سے وسیع تر و بلند تر و ارفع ہوں گے۔

ثانی زہرا کا مقصد حیات

جناب زینب عالیہ کی حیات مقدس کی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ آرزوؤں اور حسرت و ارمان کی حامل ہا مقصد مند و متہیں، اپنے مقصد میں دور اندیش، اقدار اسلامی سے باخبر اور نظام آفرینش پر، جو رشد و کمال انسانی کا نقطہ آخر ہے، مطلع کامل تھیں اور یہی وہ اقدار ہیں جو مکمل حق ہیں، فطرت انسانی کا کمال ہیں، بلکہ یہی اقدار خلاصہ کتاب خدا ہیں۔

ثانی زہرا زندگی کی ابتداء سے ہی اللہ تعالیٰ کے پیمان مقدس سے اس طرح مربوط تھیں کہ آپ نے اعلیٰ کلمہ الحق کو اپنا مقصد حیات قرار دے رکھا تھا اور اس کے حصول کے راستہ میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرتی تھیں۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے پختہ عہد کر رکھا تھا کہ باطل کو کسی طرح کسی پہلو سے معاشرہ میں جگہ نہ لینے دیں گی اور چراغ حق کو دائمی روشن رکھنے میں اپنی مکمل سعی کو بروئے کار لائیں گی۔ آپ کا عزم تھا کہ ظالموں، زبردستوں، غاصبوں اور مفسدوں کو رسوا کر کے چھوڑیں گی اور پرچم کفر و تکبر کو سرنگوں کر کے دم لیں گی۔ چنانچہ آپ نے اپنے اس مقصد کے حصول کی راہ میں اپنی جان کو سرمایہ کے طور پر نذر کیا، اسے اپنی زندگی کا فرض اولین جان کر زمانہ کے حالات کے مطابق اقدام کیا اور حصول مقصد کی بنیاد اس بات پر رکھی کہ ہر حالت میں اپنے ہدف و منزل تک پہنچنے میں اپنی رفتار کو کسی طرح کم نہ ہونے دیں گی۔ اس ہدف کو سامنے رکھ کر آپ نے بچپن ہی سے اس طویل سفر کے طے کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا شروع کیا، اپنے عظیم والدین کے زمانہ حیات ہی سے اپنے آپ کو منزل آشنائی کا خوگر بنایا، امام حسن علیہ السلام کے زمانہ میں تکمیل مقصد کے اقدام کی طرح ڈالی اور امام حسین علیہ السلام کی ہمراہی میں اپنی منزل کے مراحل کو طے کرنے کے لئے سرگرم عمل ہو گئیں۔

احساس فرض

انسان کے ہدف و مقصد کی بنیاد احساس فرض پر قائم ہوتی ہے۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ انسان زندگی کے ادوار و مراحل پر خود اپنے آپ سے سوال کرے کہ اُس کا فرض و تکلیف کیا ہے، اسے کیا کرنا چاہئے، نظام حیات کی بساط پر ایک اہم مہرہ کی حیثیت سے یہ سمجھنے کی کوشش کرے اور دیکھے کہ اُس کا مقام صحیح کیا ہے، اُسے اس نظام عالم میں کیوں بھیجا گیا ہے، اُس کی قوت و

توانائی کی حدود کیا ہیں، اُس کے نقاطِ ضعف و طاقت کیا ہیں اور اسے اپنے مقصد کی راہ میں کیا کچھ کرنا لازم ہوگا؟

تاریخ کی عظیم شخصیات نے انہی خطوط پر اپنے قدمِ مستحکم کئے اور آگے بڑھائے ہیں۔ 1۔ جو لوگ اس قدیم کارزارِ حیات میں نقوشِ جدید اور نوہائے نوخیز کی طرح ڈالنے کا باعث بنتے ہیں انہوں نے اسی جذبہ کو سامنے رکھ کر قدم اٹھائے اور انہی جاودانہ اقدامات کی مدد سے صفحاتِ تاریخ پر بزرگ ترین شاہدین کی حیثیت سے اپنے نشان ہائے قدم چھوڑے ہیں۔ ہم زیارتِ ابوالفضل عباس علیہ السلام میں پڑھتے ہیں:

”أَشْهَدُ أَنَّكَ لَمْ تَهْنُ وَلَنْ تَنْهَلُ وَأَنَّكَ قَدْ مَضَيْتَ عَلَى بَصِيرَةٍ مِنْ أَثَرِكَ“ (مفتاح)

”میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے اپنے فرض کو سمجھنے میں کسی طرح سستی نہیں کی، جو فرض آپ کے ذمہ تھا اس سے آپ نے بالکل روگردانی نہیں کی، اپنی مکمل بصیرت و فہم کے مطابق امور کو تدبیر کیا اور اُس کے مطابق قدم اٹھایا۔“

ثانی زہراؑ نے راہِ فرض شناسی اور حصولِ ہدف میں اس طرح اپنے پائے استقلال کو آگے بڑھایا کہ اپنے عظیم بھائی جناب سید الشہداء علیہ السلام کی معیت میں جاہلیت کی قدیم دنیا کے تمام نقوش کو اکھاڑ پھینکا اور بنی نوع انسان کو ایک نظامِ جدید سے آشنا کر دیا۔ آپ کا مقصد حیاتِ صحیح اسلام کی ترویج و معرفت، اس کی نشر و اشاعت اور دین کی خدمتِ کامل قرار پایا۔ زمینِ عالیہ کے اس احساسِ مستقل کی بنیاد امام حسین علیہ السلام کے اس جذبہ صحیح پر قائم ہوئی جس کا ماحصل یہ تھا کہ دیرینہ وازی دشمن پوری شدت اور آب و تاب کے ساتھ سامنے آچکے ہیں، اپنی قدیم و نسلی کینہ تو زری کے پیشِ نظر وہ لوگ انہدامِ اسلام کے لئے ہر طرح کی تیاری کر کے اس کو اپنا مقصدِ حیات بنا چکے ہیں اور ہم ان کی نیت و مقصد کو پوری طرح یزید کی ولی عہدی اور حادثہٗ استحقاق 2 کے تماشے کی صورت میں مشاہدہ کر رہے ہیں۔

1۔ حصولِ ہدف کی خاطر سید الشہداء علیہ السلام کے اسی عزم کے بارے میں جو طلح آبادی نے کہا ہے:

عزت پہ جس نے سر کو فدا کر کے دم لیا	صدق و منافقت کو جدا کر کے دم لیا
حق کو ابد کا تاج عطا کر کے دم لیا	جس نے یزیدیت کو فنا کر کے دم لیا
فتنوں کو جس پہ ناز تھا وہ دل بجھا دیا	جس نے چراغِ دولتِ باطل بجھا دیا

2۔ زیاد بن ابیہ خائن نقوش کا بانی تھا اور معاویہ کے نصبِ العین کا حامی تھا۔ اُس کے باپ کا پتہ نہ تھا۔ معاویہ نے اُس سے کام نکلنے کی خاطر اُسے اپنا بھائی قرار دیا اور اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ معاویہ کے باپ ابوسفیان نے زیاد کی ماں کے ساتھ بدکاری کی اور وہ زیاد سے حاملہ ہوئی۔ اس طرح معاویہ ابنِ ابوسفیان نے زیاد کو اپنا برادرِ پدری قرار دیا (اس کو واقعہٗ استحقاق کہتے ہیں، مترجم)۔

اپنے ہدف پر ایمان

ایسے بہت افراد صفحاتِ تاریخ میں ملیں گے جنہوں نے اپنے لئے مشکل و عظیم ہدف کا انتخاب کیا اور اپنے آپ کو اس ہدف سے منسوب بھی کیا ہوگا لیکن پھر وہ حصولِ ہدف کے راستے میں مشکلات و شدائد سے دوچار ہو کر اس ہدف ہی کو فراموش کر بیٹھے ہوں گے اور اپنی ذات کو تمام صعوبات سے آزاد کر لینے ہی میں عافیت جانی ہوگی۔ بالفاظِ دیگر یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے ہدف کے سلسلہ میں کاملاً مخلص نہیں ہوتے۔

درحقیقت اپنے مقصد سے مخلص وہی ہوتے ہیں جو آگ میں جل جانا تو گوارا کر لیتے ہیں لیکن حصولِ مقصد کی راہ میں آگ کو بجھانے کے لئے پانی کی تلاش میں نہیں بھاگتے۔ یہ امر محال ہے کہ دل ایمان سے کاملاً معمور ہو اور پھر بھی انسان سعیِ کامل نہ کرے۔ اس بات کا یقین کرنا ناممکن ہے کہ انسان کی رگ و پے میں خون گردش کرتا ہو اور پھر اپنے مقصد کے حصول کے لئے وہ اپنے اعصاب کو متحرک نہ کرے یا ریاضت میں سستی کر جائے۔

ثانی زہرِ اسلام اللہ علیہا نے ایک عظیم مقصد کا عزم کیا اور اُس کے حصول کے لئے اخلاصِ کامل کو کام میں لائیں۔ وہ اُن بزرگانِ ورہبرانِ ایمانی کی پیشِ رو ہیں جو اپنے عزم میں پختہ اور سچے ہوتے ہیں، ان کا اس حقیقت پر مستحکم و راسخ ایمان ہوتا ہے کہ وہ اپنے راستہ کی دشواریوں اور زکاؤنوں کو کمزور جانتے ہوئے آرام و سکون کی زندگی کو پس پشت ڈال کر اپنی منزل کی جانب تیزی سے قدم اٹھائیں گے۔ لہذا وہ نرم بستر پر سونے کو ترک کر کے خار و خاک کو اپنا بستر قرار دے لیتے ہیں۔

منزل تک پہنچنے کا طریق

بہت ممکن ہے کہ ہدفِ زندگی بہت اعلیٰ و ارفع ہو، اس کے حصول کی خاطر جذبہِ اخلاص بھی موجود ہو، لیکن اس کے حصول کے طریق سے کماحقہ واقفیت نہ ہو۔ ایسی صورت میں منزل تک رسائی ناممکن ہوگی بلکہ ہر اقدام سعیِ لا حاصل کا پیشِ خیمہ بن جائے گا۔ اس صورت سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ منزل کا متلاشی طریقِ ہدف سے اچھی طرح واقف ہو۔ ہذا لازم ہوگا کہ انسان اپنے حالات و امکاناتِ سعی، ماحول اور زمانہ کے مسائلِ نشیب و فراز و امکاناتِ کامیابی سے کماحقہ طور پر مطلع ہوتے ہوئے ان تمام شدائد کو سامنے رکھ کر آغازِ اقدام کرے۔ اس سلسلہ میں کم از کم دو باتوں سے آگاہی ناگزیر ہوگی:

1- حصولِ مقصد کے لئے ضروری امکانات، وسائل اور متعلقہ لوازمات کی واقفیت۔

2- کامیابی کی فضا سے ہم آہنگ امکانات سے رابطہ۔

ثانی زہرا جناب سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی معیت میں اپنے وسائل و لوازم و اختیارات و حوصلہ کی کاملاً شناسا ہیں۔ آپ کو علم بلکہ یقین ہے کہ ان سب باتوں میں جان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے، نقصان مال اگرچہ مختصر ہی ہو، اس کا امکان موجود ہے، پیر و جوان ساتھیوں کو رزم گاہ میں اترنا ہوگا، بچے ہمراہ ہیں جن کو اسیری کی اذیت برداشت کرنا ہوگی، ذاتی حیثیت و آبرو بھی راہِ خدا میں خطرہ سے دوچار ہو سکتی ہے، لیکن آپ ان سب قربانیوں کو آسان جانتی ہیں۔

زینبؓ عالیہ اپنے تبحر علمی کے ذریعہ فضائے روزگار کو پہچان رہی ہیں، دشمن کے حیلوں، مکاریوں اور قوت سے آگاہ ہیں، عوام الناس کے اس طرزِ عمل سے مطلع ہیں جس کا وہ جہالت و غفلت کے باعث ارتکاب کرتے ہیں اور یہ بھی جانتی ہیں کہ دشمن کینہ پرور اور عوام بے جان وزبوں حال ہیں۔

ان تمام صورتوں سے واقفیت کے باوجود سفر اور سلسلہ شہادت و اسیری کو تسلیم کرتی ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ بقول ڈاکٹر بنت الشاطی (مصنفہ کتاب ”کربلا کی شیردل خاتون“، مطبوعہ امامیہ مشن، لاہور) بنی امیہ و آل ابوسفیان کی حکومت کے نیست و نابود ہونے کی بنیاد رکھ دیتی ہیں (زینبؓ، بانوئے قہر مان کر بلا ص 7)۔

اسی سے اندازہ کریں کہ کس قدر مقدس مقصد آپ کے سامنے ہے، اس کے حصول کے لئے کیسی فضا و ماحول سے مقابلہ ہے اور کس محیر العقول و فوق العادہ طرزِ عمل سے آپ نے اقدام فرمایا ہے؟

حصولِ ہدف کے لوازمات

مقصد صادق، اس پر ایمان کامل، اس کے لئے ممکنہ طریق کار کو طے کرنے، اس کے نشیب و فراز کا حساب کر لینے کے بعد ثانی زہرا نے اپنے اقدام کی ابتداء فرمائی۔ اپنی تمام سعی و جملہ ملکات کو میدانِ عمل میں لا کر شہزادی نے اپنا سب کچھ راہِ اسلام میں ڈال دیا۔

یاد رہے کہ زینبؓ عالیہ کے جسم میں بھی ہماری طرح ہی کی جان تھی اور اپنی جان سے اسی طرح انہیں محبت بھی تھی۔ آپ صاحبِ اولاد تھیں اور اپنی اولاد سے عمیق ترین محبت کرتی تھیں۔ آپ کا ایک گھر اور بھرپور زندگی تھی، آپ اس گھر کے نظم و نسق کی ذمہ دار تھیں، مال و زر و زیور رکھتی تھیں، شوہر، پڑوسی، واقف، سرپرست سب کچھ رکھتی تھیں، لیکن یہ سب کچھ آپ نے اپنے مقصد کے حصول کی راہ میں قربان کر دیا۔ آپ کیلئے یہ بات ممکن نہ تھی کہ اپنے ہدف اور اس ہدف کے حصول کی راہ میں چونکہ رنج و آلام اور مصائب کا سامنا تھا، اس لئے ہدف ہی کو ادھی راہ میں چھوڑ دیں۔ اس راہ میں روزِ عاشورا آپ نے اپنے بچوں کو جانیں قربان

کرتے اپنی آنکھوں سے دیکھا، حادثہ مکر بلا کے بعد اسیرانِ قافلہ کے مصائب کا مشاہدہ کیا، لیکن یہ ممکن نہ تھا کہ اپنی تمام کائنات کو قربان کرتے ہوئے ایک لفظ حسرت و پشیمانی آپ کی زبان سے نکل پائے۔ آپؐ نے ہرگز ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے تمام مراحل میں کسی طرح کی پشیمانی کا شائبہ تک ظاہر نہ ہونے دیا اور ایسا کیوں کرتیں، زندگی ہوتی کس لئے ہے، اس زندگی کی قیمت ہے کیا، کیا دیگر عام خواتین کی طرح چند روزہ زندگی گزار دینا بہتر ہے یا زندگی کو دوام بخشا زیادہ قابلِ تعریف ہوگا؟ ثانی زہراؑ نے ابدیتِ حیات حاصل کر کے زندگی کی قدر و قیمت قائم فرمائی۔

۲. مقام ولایت سے اتصال

ہم اس خاتونِ عظیم کی داستانِ حیات قلمبند کر رہے ہیں جن کو عمرِ طویل تو حاصل نہ ہوئی تاہم جنہوں نے ایسے فرض کی ادائیگی کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھایا جو بے انتہا عظیم فرض تھا۔ اپنے اس فرض کی ادائیگی کی راہ میں ایسے ایسے ہولناک حادثات سے آپؐ کا سامنا ہوا جو مستقل ترین افراد کے قدموں کو لرزادینے اور قد آور شخصیات کو جھکا دینے والے تھے۔ لیکن زینبؑ عالیہ سلام اللہ علیہا حضرت علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام کی وہ عظیم نورِ نظر ہیں کہ کسی جگہ ان جانکاہ حوادث کے سامنے اپنے آپؐ کو جھکنے نہ دیا، بلکہ اس امرِ عظیم اور بارگراں کو جیسے تھا اپنے لئے منتخب فرمایا تھا، مقصدِ اصلی تک پہنچا کر دم لیا۔

زینبؑ عالیہ کی توفیقات کے سلسلہ رموز میں بہت کچھ کہا جاسکتا ہے، لیکن ایک بات جو سب سے اہم ہے وہ یہ ہے کہ تمام مدت عمر میں آپؐ مقام ولایت کے ساتھ، پوری عظمت کو دامن میں لئے متصل رہیں۔ آپؐ کی حیات طیبہ ہر طرح مقام ولایت سے منسلک رہنے اور اس کے ہمدم کی حیثیت رکھتی ہے۔ ولایتِ مطلقہ کا چراغِ ہدایت آپؐ کے ساتھ رہا اور ہر کیفیت میں آپؐ نے اُس کے نور و ضیاء سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی راہ متعین فرمائی اور اُسی متعین راستہ سے اپنے تمام اقدامات کو منسلک رکھا۔

نصب العینِ حیات

ہم ثانی زہراؑ سلام اللہ علیہا کے بچپن و جوانی کا تذکرہ کر چکے، ان ایام کے مختلف پہلوؤں پر تبصرہ بھی ہو چکا۔ ہم دیکھ چکے کہ آپؐ کو سب سے پہلے آغوشِ رسولِ خدا حاصل ہوئی، امیر المومنین علیہ السلام جیسے باوقار پدرِ بزرگوار کا سایہ حاصل ہوا، امام و معصوم بھائیوں کی معیت نصیب ہوئی، سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کے شیرِ پاک سے پرورش پائی۔ آپؐ کے جدِ بزرگوار رسولِ اکرم اسلام کی حکومتِ حقہ کے بانی ہیں۔ آپؐ کے پدرِ بزرگوار پیغمبر اسلام کے خلیفہِ جائز، وارث، بھائی اور وصی ہیں۔ آپؐ کے

بھائی ایسے ہیں جن کو ہر قسم کے بزرگ مراتب حاصل ہیں۔ ان حالات میں زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہ تھا جس میں ذہنیتِ عالیہ مقامِ ولایتِ حقہ الہیہ سے دور یا ایک طرف رہی ہوں۔

جس طریق کو سیدہ زہرا علیہا السلام اللہ علیہا نے اختیار کیا وہ ایسا نہ تھا جس پر رہبرِ کامل کے بغیر چلنا ممکن ہوتا۔ امام حسین سے آپ کو صرف محبتِ خاندانی یا خونی رشتہ ہی کا رابطہ حاصل نہ تھا، جیسا کہ یہ رابطہ کم و بیش ہر شخص کو ہوتا ہے۔ اس کے برعکس آپ امام حسین علیہ السلام کو اپنا امام و پیشوا بھی تسلیم کرتی تھیں۔ آپ انہیں خلیفۃ اللہ فی الارض، برگزیدہ پروردگارِ عالمین مانتی تھیں اور اسی ایمان و تسلیم کے ساتھ آپ کے ہمراہ عازمِ سفر تھیں۔

کربلا کی قتل گاہ میں جب آپ نے سید الساجدین علیہ السلام کی یہ حالت دیکھی کہ رنگِ آپ کے چہرہ سے اڑ چکا ہے، شدید طور پر بے حال ہیں تو آپ نے انہیں بھیجا کہہ کر یا اُس نام سے جو خاندان میں آپ کے لئے مشہور تھا، مخاطب نہیں کیا۔ آپ نے اُس وقت بھی اپنے اُس خونی رشتہ کو ملحوظ رکھا جو آپ کو مقامِ ولایت سے حاصل تھا۔ آپ نے امام زین العابدین علیہ السلام کو اُس وقت 'یابقیۃ الماضیین' یعنی اے وارثِ سابقین اور اے سابقہ مقاماتِ الہیہ کے سلسلہ کے مالک..... کہہ کر مخاطب کیا۔

تحفظِ ولایت کے لئے اقدام

ہمائی زہرا نے اصولِ ولایت کو دوام اور حکومتِ حقہ کے قیام میں کوشش و ریاضت کو اپنا مقصد و نصب العین زندگی بنا رکھا تھا۔ یہ چیز ہم سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی حیاتِ اقدس میں بھی پاتے ہیں۔ جناب فاطمۃ الزہرا نے وفاتِ رسولِ اکرم کے بعد کیوں اپنے آپ کو رنجِ عالم کے حوالے کیا تھا؟ کیا یہ سب اس لئے تھا کہ آپ کے شوہر نامدار حضرت علی علیہ السلام اقتدار و حکمرانی حاصل کریں اور وہ خود بطور خاتونِ اول حکومتِ آرام و آسائش کی زندگی بسر کریں؟ ہرگز ایسا نہ تھا۔ ہم اُن کی حیاتِ طیبہ کا لائحہ عمل یہ دیکھتے ہیں کہ وہ خود محنت و مزدوری کرتی تھیں تاکہ حاجت مندوں کو لباس و غذا مہیا کر سکیں، خود اپنے آپ اور اپنے بچوں کے کھانے کو نظر انداز کر دیتی تھیں تاکہ مسکین و یتیم و سیر بھوکے نہ رہیں (سورۃ دہر)۔

سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا نے اسی طریق کار کو اپنے افکار و ریاضت پر استوار کیا تھا۔ ہم آپ کی نو نظرِ ذہنیتِ عالیہ کی زندگی میں بھی یہی نصب العین مشاہدہ کرتے ہیں۔ ذہنیتِ عالیہ ہرگز تنگ دست و عاجز نہ تھیں کہ اس طریق کار کو اختیار کرنے پر مجبور ہوتیں۔ آپ کا اپنا ایک گھر تھا، ایک معیارِ زندگی تھا اور آپ خود صاحبِ اولاد تھیں۔ لیکن آپ نے یہ سب کچھ پیغامِ اسلام

کے عظیم کام پر قربان کر دیا۔ نصب العینِ حیات کی بنیاد اسی طرزِ عمل پر رکھی تاکہ مقامِ ولایت کا دفاع کر سکیں، حکومتِ البیہ کو استحکام مہیا کریں تاکہ لوگ اسلامی حکومت کے طریق کار کا لطف حاصل کر سکیں۔ آپ کا یہ اقدام ہرگز اس غرض سے نہ تھا کہ آپ کے قریب ترین عزیزوں میں امام حسین علیہ السلام نام کے کسی فرد نے جہاد کا علم بلند کیا اور آپ کی امداد کی اس کو احتیاج تھی، لہذا آپ اُن کی استعانت کیلئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ بلکہ اگر یہی صورت آپ کے اپنے خاندان کے علاوہ کہیں اور بھی پیدا ہو جاتی تو زینبؓ عالیہ اٹھ کھڑی ہوتیں اور خود اپنے مقام پر دینِ حق کی خاطر اپنے جوش و ولولہ کا اظہار کرتیں۔ آپ کی حیاتِ مقدس کا مطالعہ آپ کی اسی روشن زندگی کی خبر دیتا ہے اور آپ کا طرزِ عمل تمام بنی نوع انسان کے لئے ایک عمدہ ترین سبق ہے کہ اپنی زندگیوں کو دفاعِ حق میں صرف کرنا اپنا نصب العین قرار دیں اور اس سلسلہ میں اپنے مال و جان کو ترجیح نہ دیں۔ غرضیکہ زندگی استقرارِ حق کی خاطر ہونے کہ اپنے افرادِ خاندان کی زندگیوں کی خاطر۔

ثانی زہرا کی ہمتِ بلند

جناب سید الشہداء علیہ السلام کے اقدام کو زینبؓ عالیہ جیسی بزرگِ مخدومہ ہی کی بلند ہمت و استقلال سے دوام و جاودانی حاصل ہوئی۔ اس تمام واقعہ میں آپ ولایتِ امام حسینؑ اور سید الساجدین علیہما السلام کے درمیان مقامِ اتصال کی مالک نظر آتی ہیں۔ روزِ عاشور تمام واقعات کے دوران امام زین العابدینؑ بیمار و مبتلائے بخار تھے۔ لہذا اور کوئی چارہ کار نہ تھا سوائے اس کے کہ امام حسین علیہ السلام آپ ہی سے وداعِ آخر کرتے اور اسرارِ امامت بھی آپ ہی کے سپرد کر کے عازمِ جہاد ہوتے تاکہ حالات کے رو بہ درستی ہونے پر امورِ ولایت اپنے مقامِ صحیح کی جانب پلٹ آئیں۔

ثانی زہراؓ نے اللہ تعالیٰ کے اولیائے خاص کی ہدایت کے تحت اس فرض و رسالت کی ذمہ داری اٹھائی، آپ نے معاشرہ میں ایسے امر کو زندگی و استقرار بخشا جس کے مرد بھی متحمل نہ ہو سکتے تھے۔ چنانچہ جب لوگ عملاً بنی امیہ کی دستبرد سے آزاد ہوئے تو یہ سوچنے بلکہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے کہ حکومتِ خاندانِ رسولؐ و علیؑ کا ہی حق ہے جس کو ترک و فراموش کرنا بد بختی کا سبب ہے۔ عوام الناس یہ سوال اس لئے اٹھا رہے تھے کہ ولایتِ حقیقی و ولایتِ حقہ کے مقام کے ساتھ اپنے آپ کو پیوستہ کریں، اُن کے ساتھ منسلک نہ رہیں جنہوں نے حیل و استبداد کے ذریعہ حکومت پر قبضہ کر رکھا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ دین میں مقاماتِ معنوی اور ولائے پروردگار وہ مواقع ہیں جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ودیعت ہوتے ہیں۔ اُن پر زبردستی تصرف و قبضہ نہیں ہو سکتا۔ یہی وجوہات تھیں جن کی بنا پر سیدہ زینبؓ عالیہ کی ریاضت و ادائے فرض کے نتیجہ

میں تھوڑا عرصہ نہ گزرا تھا کہ ظلم و استبداد کے خلاف قیام و اقدامات کا آغاز ہونے لگا، بنی امیہ کی بساط اقتدار اُکھاڑ پھینکی گئی اور اُن کے سربراہ آوردہ لوگ اپنے کفر کردار کو پہنچ گئے، لیکن افسوس کہ دور بنی عباس میں سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نہ تھیں ورنہ.....

۳. ثانی زہرا کا اقدام و احساسِ فرض

تاریخ اسلام بلکہ تاریخ انسانیت میں جہاں کہیں سیدہ زینبؓ عالیہ کا نام آتا ہے اس سے کم از کم دو چیزیں نہاں خانہ ذہن میں ضرور ابھر کر سامنے آتی ہیں:

1- مصائبِ کربلا۔ 2- کربلا کے عبرت خیز واقعہ کا پیغام۔

ثانی زہراؓ نے امام حسین علیہ السلام کی معیت میں، جو آپ کے برادرِ بزرگ، امام اور رہبرِ معصوم تھے، ایسے فرائض اپنے ذمہ لئے جن کے بارے میں نہایت عمیق سوچ و فکر کی ضرورت ہے۔ اس فرض میں ایسے دقیق و ظریف نکات و مقامات سامنے آتے ہیں کہ ایک لمحہ کے لئے بھی اگر ان میں غفلت کا شائبہ آجاتا تو تمام سعی لا حاصل و ناقص ہو کر رہ جاتی۔ لہذا ہر مقام پر ہم شہزادی کو ہوشیار و مستعد پاتے ہیں اور کوئی موقعہ ایسا سامنے نہیں آتا جہاں آپ اپنی نگہ کش و جہاد میں شجاعتِ روحانی یا احساسِ فرض کو نظر انداز کر رہی ہوں۔

ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ سیدہ زینبؓ اُن فرائض کی ادائیگی میں جو آپ نے اپنے لئے منتخب فرمائے تھے، یہ مبارک:

”إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلِّقُيْهِ“۔ (انشقاق: 6)

یعنی ”اگر تو اپنے پروردگار کی حضوری کی کوشش کرتا ہے تو ایک نہ ایک دن اُس کے سامنے حاضر ہوگا“ کا مصداق ہیں۔

آپ نے اپنی تمام ہمت و استطاعت اس راہ میں صرف کر دی ہے اور تاریخ اس حقیقت کی گواہی دیتی ہے کہ انجامِ دہی فرض کے راستہ میں ایک لحظہ کے لئے بھی آپ کی طرف سے کسی قسم کی کمزوری کا نشان نہیں ملتا۔

احساسِ فرض و رقتِ قلب

ایسے دو افراد کو سامنے رکھیں جو اپنے فرائض ادا کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ادائے فرض کی خاطر آمادہ و مکلف جانتے ہوئے اپنے فرائض کے اغراض و مقاصد کے پیش نظر اُن سے عہدہ براہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک اس نظریہ کے تحت فرض کو پورا کرتا ہے کہ ادائیگی فرض کے بعد اسے معاوضہ یا اُس کا بدل ضرور مل جائیگا۔ دوسرا فرد ایسا ہے جو اسی فرض کو پوری تندی کے ساتھ بجالاتا ہے لیکن اس تمام عمل کے دوران خلوص، رقتِ قلب اور پاکیزہ و بے لوث احساس کو اپنے سامنے رکھتا ہے۔ فرض

ایک ہی ہے لیکن دونوں ادا کنندگان میں بہ لحاظ ادائیگی فرق ہے۔

ثانی زہرا پہلے شخص کی طرح عادتاً مجبور نہ تھیں کہ ادائیگی فرض کے بغیر انہیں کوئی چارہ نہ تھا، اس لئے فطرت و عادت سے مجبور ہو کر بطور مکلف کام کرتیں۔ اس کے برعکس آپ کا جذبہ فرض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر تھا اور وہ ادائیگی فرض کو اس طرح خود اپنا کام جانتی تھیں جس طرح محبت سے مجبور ہو کر ایک ماں اپنے بیمار بیٹے کے سر ہانے بیدار و بے آرام بیٹھی رہتی اور اُس کی تیمارداری میں شب بسر کر دیتی ہے، بالکل اسی طرح زینبؓ عالیہ سید الشہداء علیہ السلام کے مشن میں ہمہ وقت مستعد رہیں اور مقصد حسینؑ کے دفاع میں اپنے آپ کو ہمہ تن مصروف رکھا۔

در اصل زینبؓ عالیہ کربلا کے اقدام، بلکہ اس سے بھی بلند تر مقصد یعنی ولایت حق پروردگار اور حکومت الہی کو اپنی اولاد کی طرح عزیز و محبوب جانتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنی پوری ہستی کو اس فرض کی ادائیگی اور اس اصول کی حیات مستقل کی خاطر پیش کر دیا تھا۔ اقدام جناب سید الشہداء علیہ السلام کو جو اعلائے کلمہ حق کی خاطر تھا، آپ نے اپنے گھر، زندگی، شوہر، حتیٰ کہ اولاد سے بھی زیادہ عزیز جانا، جس کی دلیل ہے کہ آپ نے اس اقدام کی طرف پوری جدوجہد میں برابر کا حصہ لیا، یہاں تک کہ ادائے فرض کی راہ میں اپنی اولاد تک کو قربان کر دیا۔

اس قسم کے سعی و قیام ایک سوزِ درونی کی کیفیت پیش کرتے ہیں۔ حصول مقصد کی خاطر آپ کی جستجو اور احساسِ فرض کی شدت آپ کو آمادہ پیش کش کرتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ وہ صرف جانبِ انقلاب ہی نہیں بلکہ ایک مادرِ دل گیر، مخلص و فداکار بھی ہیں۔ لیکن یہ سب فداکاریاں حفظ مقصد کی خاطر عمل میں آتی ہیں اور یہ سعی اس انتہا کو پہنچتی ہے جو آپ کے قلب و ضمیر کو مطمئن کر کے رہتی ہے۔

زینبؓ عالیہ کی اہمیت فرض اور آپؐ کی سعی

واقعہ کربلا کو تصور میں لائیں۔ امام حسین علیہ السلام کو ایک بیابان میں پہنچا دیا گیا جو شہر و آبادی سے دور، خشک بے آب و گیاہ ریگستان ہے، ایسی جگہ جہاں نہ اپنے لئے لشکر جمع کر سکتے ہیں اور نہ ہی دورِ حاضر کی زبان میں یہ کوئی ایسی جگہ ہے جہاں پہنچ کر لوگ دریافت کر سکیں کہ مسئلہ کیا ہے، آپؐ کس حال میں ہیں یا آپؐ کے یہاں آنے کا مقصد کیا ہے؟

پھر بے شمار لشکر آپؐ کے مقابل آجاتا ہے¹ اور ایک ایسی جگہ جنگ آپؐ پر مسلط کی جاتی ہے جہاں طرفین جنگ میں

1۔ دونوں لشکروں کی تعداد کا مقابلہ شاعر مشرق کے اس شعر میں کیا گیا ہے جس کیلئے مثنوی ”رموز بے خودی“ کی طرف رجوع فرمائیں

کوئی مناسبت نہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ صرف ایک دن میں آپ کے تمام ہمراہی و عزیز درجہ شہادت پر فائز ہو جاتے ہیں۔ محاصرہ کرنے والے ان کی لاشوں کو بے گور و کفن چھوڑ کر اپنے کام کو پورا کرتے اور سمجھنے لگتے ہیں کہ کربلا کا کام ختم ہو کر صرف تاریخ کے ایک واقعہ سے زیادہ اہمیت نہ پائے گا۔

یہاں سے حادثہ کربلا میں ثانی زہرا کے کارنامہ کی اہمیت کی ابتداء ہوتی ہے۔ اب آپ اپنا فرض یہ قرار دیتی ہیں کہ اتنا بڑا یہ واقعہ ایثار برائے دین حق صرف صفحات تاریخ کی زینت بن کر زمین تاریخ میں دفن ہو کر ہی نہ رہ جائے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ واقعہ کربلا منصہ شہود پر حیات جاوید و مستقل حاصل کر لیتا ہے۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں اوراق و نشانات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں جن پر اس المیہ کی تفصیلات بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ کرہ ارض کے طول و عرض میں اس واقعہ کی تفصیلات سے متعلق دفتر کے دفتر سیاہ ہوتے ہیں اور یہ سب کچھ ایسے اسلوب سے ہوتا ہے کہ واقعہ کربلا ہر متمدن قوم کیلئے زینت بن کر ابھرتا ہے، اقوامِ عالم قیامِ حسنی، سید الشہداء علیہ السلام کی شانِ حق گوئی و حق طلبی، حصولِ مقصد میں جاں سپاری کو مشعلِ راہ تسلیم کرتی ہیں۔ ہذا ہر مقام جہاں انسانوں کی آبادی ہے ”سلام بر حسین و لعنت بر یزید“ کی آوازوں سے گونجنے لگتا ہے اور ہر قوم تسلیم کرتی ہے کہ:

”كُلُّ اَرْضٍ كَرْبَلَاءٌ وَكُلُّ يَوْمٍ عَاشُورًا“¹

بعد شہادت حسین زینتِ عالیہ کا طریق کار

تاریخ کے مد و جز میں اقدامِ صحیح کی خاطر وقت و زمانہ و مناسب مواقع کا تعین خاص اہمیت کا حامل ہے۔ ایک ایک لمحہ و موقع اپنا خاص وقت و اہمیت رکھتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ ہر لمحہ وقت سے تحقیقِ ہدف اور انجامِ دہی فرض کے لئے استفادہ کیا جائے۔ ثانی زہرا کا طریق کار یہی تھا۔ آپ نے کسی لمحہ زندگی کو ہاتھ سے بے کار نہ جانے دیا اور نہ ہی کوئی واقعہ ایسا رہنے دیا جو معرضِ تحریر میں آنے سے رہ جاتا۔

جناب سید الشہداء امام حسین علیہ السلام اور آپ کے جاں نثار دوست و شہید ہو گئے، اُن کے اجساد قتل گاہ میں چھوڑ دیئے گئے۔ یہ سب تو اس طرح حادثہ کربلا میں اپنے انجام کو پہنچے بلکہ حیاتِ جاوداں پا کر فارغ ہو گئے۔ اب رہ گئیں سیدہ 1۔ کیفیت یہ ہے کہ ہر قوم کے انسان نے اپنی اپنی زبان میں اور اپنے اپنے احساس و شعور کے مطابق سید الشہداء علیہ السلام کو خراج عقیدت پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ جوش ملیح آبادی کہتے ہیں:

کیا صرف مسلمانوں کے پیارے ہیں حسین؟ ہر نوع بشر کی آنکھ کے تارے ہیں حسین
انسان کو بیدار تو ہو لینے دو ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسین

زینب کبری۔ یہی وہ ہستی ہیں جنہوں نے اس واقعہ کی اطلاع دنیا بھر کے لوگوں تک پہنچائی اور عالم انسانیت کو اس حادثہ فاجعہ سے متعارف کروایا۔ آپ کے سوا اب کون باقی تھا جو اس المناک حادثہ کی تشہیر کو اپنے ذمہ لیتا اور اُن ظلم و ستم کے مجسموں سے دنیا بھر کو آشنا کرتا جو اسلام کے نام پر حکومت پر غاصبانہ قبضہ کئے ہوئے تھے۔

لہذا قبل اس کے کہ خونِ شہدائے راہِ حق خشک ہوتا یا ریگِ صحرا میں جذب ہو یا تازینبِ عالیہ نے ہر موقع سے استفادہ کرتے ہوئے مقتلِ کربلا کے حقائق جو اسرار کو لوگوں کے کانوں تک نہ صرف پہنچا دیا بلکہ مکمل اہتمام کر دیا کہ آنے والے انسانوں کی نسلوں کے لئے بھی یہ حادثہ صفحاتِ تاریخ کی مستقل زینت بنا رہے۔ دورِ حاضر کی اصطلاحات سے اگر اس المیہ کی تصویر کشی کی جائے تو کہنا پڑے گا کہ واقعہ کربلا کی روداد سیدہ زینبِ عالیہ ہی کے توسط سے ایک کانفرنس کی روداد کی طرح زیورِ طبع سے آراستہ ہو سکی۔ پھر یہ روداد کسی ایک یا دو جگہ طبع نہیں ہوئی بلکہ ہر مقام پر یعنی قتل گاہ میں شامل واقعہ ظالموں کے سامنے، بازارِ کوفہ میں، دربارِ ابنِ زیاد میں، کوفہ سے دمشق تک کے طویل سفر میں، شام اور دربارِ یزید میں، اربعین کے موقع پر، مدینہ میں، آپ کے سفرِ مصر میں، غرض کوئی جگہ ایسی نہ رہ گئی جہاں سیدہ طاہرہ اور علی مرتضیٰ کی نورِ نظر نے خاک و خون کے اس موقع کی تفصیل کو نہ پہنچایا ہو۔

خلاصہ و نتیجہ یہ کہ اس پیغامِ رسانی نے آگہی کو جنم دیا اور عظیم تغیراتِ تاریخ کو ایجاد کیا، حتیٰ کہ واقعہ کی اصلیت کو فراموش کر دینے کا کوئی پہلو باقی نہ رہنے دیا۔ اس کے برعکس دشمن کے نقوش پا نقشِ بر آب کر کے رکھ دیا اور کوئی ایسا دقیقہ نہ چھوڑا کہ یہ عزیز و مقدس خون کسی زمانہ میں بھی قیامت تک زینتِ طاقِ نسیاں بن سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج چودہ طویل صدیاں گزر جانے کے بعد بھی یہ ہولناک واقعہ اپنی جملہ تابناکیوں سمیت عالمِ انسانیت کو جادہِ حق سے روشناس کرنے کیلئے موجود ہے اور آج بھی روزِ عاشورِ سطحِ عالم پر روزِ ازل کی مانند بالکل زندہ و موجود ہے۔

حصولِ ہدف میں استقامت

سید الشہداء علیہ السلام نے اپنی حیاتِ پاک کے آخری ایام میں اپنے مباحث و ہدایات کے دوران ایسے نکات و اسرار و رموزِ زینبِ عالیہ کو سمجھا دیئے تھے، بالخصوص آپ نے اپنی عظیم ہمشیرہ کو ذہن نشین کروا دیا تھا کہ حوادث و مصائب کے دوران ان کا طریقِ عمل کیا ہونا چاہئے، اور کس طرح انہیں اپنے طریقِ کار کو محفوظ کرنا ہوگا۔ ثانی زہرا نے ادائے فرض کے تمام مراحل میں ان تمام ہدایات کو سامنے رکھا اور کسی موقع پر بھی ان سے سرموگرین و عدول نہ کیا۔ آپ نے ان تمام فرائض اور اپنے

لئے مخصوص احکامِ الہی کو قوتِ قلب اور جذبہ قوی کے تحت انجام دیا۔ اس تمام طرزِ عمل میں اگر ان تمام مصائب کو سامنے رکھ جائے، صعوباتِ سفر اور اپنے معصوم برادرِ بزرگ کے دشمنِ جلادوں کے ہیبت و خوف کی اذیت کو بھی ذہن میں رکھیں تو پھر دشواریِ فرض کا کسی حد تک اندازہ ہونا ممکن ہے۔ دشمنانِ سید الشہداء علیہ السلام بے حد پست و ذلیل تھے، اتنے ذلیل کہ ان کی کیفیتِ بیان کرنے کیلئے دامنِ الفاظ تہی ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کے باوجود اس تمام واقعہ میں کا تبلیغ کار نامہ امام حسینؑ بے انتہا مشکل تھا۔ اتنا مشکل کہ ہر لمحہ ایسا ہو سکتا تھا جس میں انسان اس فرض کے ترک کرنے پر مجبور ہو جائے۔ لیکن ثانی زہراؑ کے کردار کی عظمت یہ ہے کہ کسی موقعہ پر بھی آپؑ کے پائے استقلال میں کسی قسم کی لغزش یا ضعف کا دخل نہ ہوا۔

سیدہ زینبؑ عالیہ نے ہجومِ حوادث میں کسی موقعہ پر بھی غم سے دل گرفتگی کا اظہار نہ کیا، نہ ہی مصائب کے صہور میں کسی مقام پر خوفزدہ ہوئیں حالانکہ آپؑ کی نظر اپنے ساتھی اسیروں پر بھی مستقل مرکوز رہتی، سرہائے بریدہ شہداء بھی ہر لحظہ آپؑ کی نظروں کے عین سامنے رہتے اور ساتھ ہی راستہ کی صعوبات سے بھی ذہن خالی نہ تھا۔ آپؑ کی سعیِ پیہم تھی کہ ہر حال میں ”ہیہات منا الدلۃ“ کے شعار کو سامنے رکھیں، اور حق تو یہ ہے کہ اس راہ میں آپؑ نے اپنی مادرِ گرامی جناب سیدہ طہرہ کی عظیم تربیت کا پورا حق ادا کر دیا۔

ثانی زہراؑ کا خلوص

ثانی زہراؑ کی سوانحِ حیات میں اہم ترین نکات میں سے ایک جو ہمیں نظر آتا ہے وہ اپنے مقصد سے آپؑ کا خلوص اور آپؑ کی صفائیِ قلب ہے۔ آپؑ فرائض کے احساس اور انجام دہی میں پورے خلوصِ نیت سے قدم اٹھاتی ہیں۔ آپؑ نے اپنی پوری استطاعت و ہمت و بردباری سے اپنے ساتھی اسیرانِ قافلہ کی سرپرستی فرمائی، سید الساجدین علیہ السلام پر پروانہ دار اپنی جان فدا کرتی رہیں، اس کے علاوہ سید الشہداء علیہ السلام اور دیگر شہداء کے پس ماندگان، اسیری کے دوران بچوں کی بھوک و پیاس اور دوسرے امور کا آپؑ نے پورے خلوص و تندہی و صفائے قلب سے خیال رکھا۔ آپؑ کو حالات و واقعات کا مکمل احساس تھا۔ اس امر کا یقین محکم تھا کہ آپؑ اسلام و قرآن کے احکام کی رو سے ان تمام باتوں کی ذمہ دار ہیں۔ اپنے جدِ بزرگوار کی طرف سے مامور تھیں کہ دنیائے اسلام کی ویرانی کا مشاہدہ کریں۔ آپؑ کے لئے مقامِ تاسف تھا کہ عدالتِ اسلامی کو مظلومیت کے پیکر میں ظلم کا تختہ مشق بننے دیکھیں یا عوامِ الناس کو فیوضِ اسلام سے بے بہرہ پائیں، یا ضعیف مظلوموں کے جگر خراش آہ و نالہ کو جو حکومتِ وقت کی دستبرد کے باعث اس حالت کو پہنچے تھے، سماعت کریں، وغیرہ۔

اس مقصد کے پیش نظر انجامِ فرض کی خاطر ثانی زہرا نے اپنی پوری قوت و استعداد کے ساتھ اقدام کیا۔ آپ نے اپنے گھر، اپنی زندگی اور اپنے مرکزِ حیات کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ آپ نے اپنے آپ کو آزادی اور مکمل رضا مندی کے ساتھ حوادث کے بھنور میں جھونک دیا کیونکہ حالات و فرض کا تقاضا ہی یہی تھا۔ آپ کے سامنے ایک نامموار راستہ تھا اور دشمن نے ہر طرف سے آپ کے لئے مشکلات و صعوبات کا گھیرا تنگ کر رکھا تھا۔ ان سب دشواریوں کے مقابلہ میں زینبؓ عالیہ کی وہ ہستی تھی جس نے اس دریائے ظلم کو عبور کر لینے کا عزم بالجزم کر لیا تھا۔

نتیجہ یہ ہے کہ آج چودہ صدیاں گزر چکنے کے بعد بھی ہم اس ہولناک واقعہ کے ثمرات کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ آپ کی سعی کا شجر پھل دے رہا ہے۔ دنیا پر ثابت ہو چکا ہے کہ علیؑ و فاطمہؑ کی نورِ نظر کا پیغامِ حریت آدمیت کا پیغام تھا، یہ پیغام بنی نوع انسان کی بیداری کیلئے تھا، ہر پہلو سے اُن مراحل کا آئینہ دار تھا جو کسی سالک کی محنت کا ثمر ہو سکتے ہیں اور اس تمام دستورِ عمل میں کہیں کوئی خطا یا رخِ نظر نہیں آتا۔

راہِ عمل کی پائیداری

اس تمام روداد میں ایک بات نہایت اہم و قابلِ توجہ ہے۔ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نے ان تمام مصائب و آلام کو برداشت کیا، ان تمام حالات کا ایک معجز نما شخصیت کے طور پر مقابلہ کیا لیکن کسی موقع پر بھی اختتامِ فرض کو محسوس کرتے ہوئے جادۂ منزل میں رکنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ کسی وقت بھی یہ احساس پیدا نہ ہوا کہ میرے لئے بس اسی قدر کافی ہے، اب میں رُک جاؤں تاکہ دوسرے لوگ میری جگہ قدم بڑھائیں اور ریاضت کریں۔ کسی موقع پر اپنی کوشش کو کافی جان کر سکون و سکوت کا سہارا نہ لیا۔

ثانی زہرا ایک طویل و دشوار ترین راہ کی مسافر ہیں۔ آپ نے اپنے آپ کو دشوار ترین منزل کے راستہ پر ڈال دیا اور نہایت استقامت و استقلال کے ساتھ اپنے منجائے مقصد کی طرف گامزن ہوئیں جو خوشنودی ذات پروردگار ہے اور اس آئیہ کریمہ کا مصداق واقعی قرار پائیں:

”وَإِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنتَهٰی“۔ (نجم: 42)

ہم دیکھتے ہیں کہ آپ سفرِ اسیری کے بعد مدینہ واپس تشریف لائیں لیکن مدینہ پہنچ کر بھی ہرگز آرام و استراحت نہ پاسکیں۔ حالات نے آپ کو ایک اور سفر کے لئے جو مصر یا شام کا تھا، مجبور کر دیا۔ اس سفر میں بھی اپنے لئے آپ نے آرام و راحت

کا کوئی موقع تلاش نہ کیا بلکہ جہاں بھی پہنچیں سید الشہداء علیہ السلام کے خونِ ناحق کے پیغام واپنا نصب العین بنائے رکھا۔ ہر تو یہ کہتے ہیں کہ راہ پروردگار کی اس مسافرنے راحت دُنیا کو ترک کر کے مالکِ حقیقی سے ملاقات میں غلات کرتے ہوئے حیات دُنویٰ کو الوداع کہا، اس طرح قبر مبارک میں آنے والی پہلی رات ہی ثانی زہر اسلام اللہ علیہا کیلئے شبِ استراحت قرار پائی۔¹

1۔ اب تک جو کچھ بد یہ قارئین کیا گیا اس سے ایک بات بالکل واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ ابتدائے زندگی سے ہی گونا گوں حوادث روزگار نے خاتونِ کربلا کا امن و سکون چھین لیا تھا۔ مصائب و ابتلا نے عہد طفولیت ہی سے آپ کے گرد گھیر ڈالے یہ تھ جو زندگی سے آخری لمحات تک باقی رہا۔ آپ اپنے جدِ بزرگوار، پدرِ عالیِ مقدار، والدہ گرامی اور برادرانِ ذی وقار سب کے ساتھ شریکِ مصائب ہر نبوت و امامت کی شریکِ کار قرار پائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ زینبؑ عالیہ نے عصمت کی پاکیزہ روش اپنے جدِ بزرگوار جنابِ رسولِ خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، دروس و قاریں و سکینہ اپنی جدہ ماجدہ ملیکہ العرب جنابِ خدیجہ الکبریٰ سے، ایثار و قربانی کا سبق اپنے دادا دادی حضرت ابوطالبؑ اور جنابِ فاطمہ بنتِ اسد سے، فصاحت و بلاغت کے اسباق اپنے والدِ مولائے کائنات سے، حیا و عفت کی اقدار اپنی معصومہ والدہ جنابِ سیدہ فاطمہ الزہراء سے وراثت میں حاصل کیں، حلم و بردباری اپنے بڑے بھائی امام حسن علیہ السلام سے اور شجاعت و بہرہور جنابِ سید الشہداء امام حسین علیہ السلام سے پائے۔ اس اعتبار سے دنیائے انسانیت ثانی زہرا کو ہر لحاظ سے نبوت و امامت کی عظمتوں کا شاہکار جانتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کی زندگی متنوع قسم کے واقعات و غم و انبساط سے مرکب ہے۔ یہ سلسلہ کسی خاص طبقہ آدمیت کے لئے مخصوص تو نہیں کیونکہ ہر انسان کے دورِ زندگی میں دونوں طرح کے واقعات پیش آتا دستور زمانہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن تجرباتِ زندگی سے پتہ چلتا ہے کہ سلسلہ مصائب و تکالیف اگر آغازِ زندگی سے لے کر کسی کے آخری سانسوں تک جاری رہے تو طبیعت ایک مستقل اضطحال کا مرقعِ یقین بن جائے گی۔ یہ بات خصوصیت سے سیدہ زینبؑ کبریٰ کی زندگی میں واضح طور پر نظر آتی ہے کہ آپؑ نے تمام عمر شدتِ مصائب اور کثرتِ آلام کا مقابلہ کیا، ابھی ایک مصیبت کے آثار باقی ہوتے تھے کہ دوسری اس سے بڑی مصیبت آپؑ پر آتی تھی۔ مسلسل مصائب اس طرح ثانی زہرا کی زندگی کا حصہ بنے کہ آپؑ کے نام نامی کی بجائے ”ام المصائب“ کا لفظ آپؑ کی شناخت بن گیا اور ہر دور میں یہی لفظ آپؑ کی پہچان بنا رہا ہے۔

نامن سب، گا اگر ہم اپنی فہم و عقل کمزور کے مطابق شیرازی کے مصائب کا مختصر سا جائزہ پیش نہ کریں جس کی کم از کم تفصیل کچھ اس طرح سے بنتی ہے۔

1۔ پانچ برس کی عمر میں آپؑ کو اپنے جدِ بزرگوار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا صدمہ اٹھنا پڑا۔ یہ پہلی مصیبت تھی جس نے آپؑ کو اپنے عظیم نانا کی شفقتوں سے محروم کر دیا، دو نانا جن کا وجود و جہِ تخلیق کائنات تھے۔ یہ دو نانا تھے (بارد)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

جس کے بارے میں آپ کے بابا نے کہا کہ پیغمبر خدا کی وفات سے مجھ پر وہ عظیم مصیبت نازل ہوئی کہ اُریہ مضبوط و سنگین پہاڑوں پر پڑتی تو ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ افراد اہل بیت رسول اس مصیبت عظمیٰ سے سب سے زیادہ متاثر تھے اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے واقعات کو اپنی چشم ہائے بصیرت سے سب سے بہتر دیکھ رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ منافقین اپنی حرکات استبداد کے ارتکاب کیلئے چشم رسول خدا کے بند ہونے کے منتظر ہیں۔

2-

وفات رسول اکرم کے فوراً بعد احراق خانہ فاطمہ، شہادت محسن، خلافت رسول کی تنگ و دو، دفن رسول کے سلسلہ میں عام بے بسی، سیدہ طاہرہ کا مقدمہ فندک، اس سلسلہ میں اُن کا دربار خلافت میں پیش ہو کر بے نیل و مرام واپس لوٹنا، سیدہ طاہرہ کی صدائے احتجاج کا بے اثر لوٹنا، وہ واقعات ہیں جو ایک قلب حساس کی مستقل پڑمردگی کے لئے کافی ہیں۔ ان تمام واقعات کے بعد سیدہ طاہرہ کے بیت الحزن میں دلخراش گریہ ہائے پیہم میں شہزادی اپنی مادرِ گرامی کے آخری سانس تک شریک ہیں جن کی مظلومیت بھری سسکیاں شہزادی کی درد بھری چیخوں کا باعث بنتی اور پورے خاندان کو زلزلاتی ہیں۔ بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ شہزادی کو وفات رسول کے بہت تھوڑے عرصہ بعد اپنی مظلومہ ماں کی میت کو تختہ غسل پر دیکھنا پڑتا ہے جہاں اسماء بنت عمیس اور فضہ سیدہ عالم کے سفر آخر کی تیاری میں مصروف ہیں۔ آپ کے بابا جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام مخدومہ کو نمین کے غم میں اٹکبار کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ کے رسول آپ کی صاحبزادی کے فراق نے مجھے ٹھٹھا کر دیا ہے، ان کے غم نے مجھ سے زندگی کی راحتیں چھین لی ہیں، آپ ان سے میرے غم و الم کے حالات دریافت فرمائیے گا کہ میری راتیں اب جاگتے ہی میں گزرتی ہیں۔ (اعلام النساء، ج ۳، ص ۱۲۲۱)۔

3-

علامہ حسن رضا غدیری اپنی کتاب ’نہ نب، نہ نب‘ ہے میں لکھتے ہیں:
”نہ نب کو ابھی اپنی معصوم ماں کا غم نہ بھولا تھا کہ اپنے جلیل القدر باپ کو تلوار کی کاری ضرب سے مجروح دیکھا جو سیدہ زینب کیلئے ناقابل برداشت تھا۔ اپنے عظیم اور شفیق باپ کی عنایتوں سے محروم سیدہ زینب ہمیشہ گریہ و بکا میں مصروف رہیں اور امیر المومنین کی مظلومانہ شہادت پر اشک ریز رہتی تھیں۔ ماں کی وفات کے بعد باپ کا عظیم سایہ سر سے اٹھا تو زینب کا دل ٹوٹ گیا۔“

4-

”باپ کا غم زینب کے سکون و چین کو ختم کر چکا تھا کہ اپنے دل بند اور پیارے بھائی حسن کو زہر سے شہید ہوتا بھی دیکھ پڑا۔ اب زینب کا یہ عالم تھا کہ نہ تو رات کو آرام اور نہ دن کو سکون۔ مصائب و آلام کی طوفانی موجوں میں گھری ہوئی زینب امتحان و آزمائش کی خوفناک کیفیت سے دوچار ہو گئی۔“ (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابعہ)

5۔ ”حوادث و آلام اور یکے بعد دیگرے مصائب کے آنے سے زینبؓ کی زندگی نیا رخ اختیار کر گئی اور آپؐ کی شخصیت ان واقعات سے اس طرح آئینہ ہوئی کہ رسولؐ زادی نے اپنے آپ کو ایک نہایت دردناک مصیبت کے لئے آمادہ کر لیا یعنی کربلا میں عاشور کی خوفناک گھڑیوں اور اس کے بعد مصائب کی شدت کا مقابلہ کرنے کی خاطر زینبؓ کا حوصلہ بلند ہو گیا اور وہ صبر و استقامت کا کوہِ گراں بن گئیں۔“ (ص ۶۵، ۶۶)

ثانی زہراؓ کی زندگی میں مندرجہ بالا اہم واقعات کے علاوہ امام حسن علیہ السلام کے مختصر دور کی سرد جنگ اور امیر شام کی سیاست بہت زیادہ صبر آزما واقعات کی حامل ہے۔ یہ سرد جنگ بالآخر دست بدست جنگ پر منتج ہوئی جس میں امام حسنؓ کو نہ صرف زخمی کیا گیا بلکہ عوام الناس کی جانوں کی خاطر رحمت اللعالمین کے فرزند کو خلافت ہی کو خیر باد کہنا پڑا۔ شاعر مشرق علامہ اقبالؒ اپنی مثنوی ’رموز بے خودی‘ میں اس واقعہ کا اس طرح ذکر کرتے ہیں:

اُن یکے شمعِ شستانِ حرم حافظِ جمعیتِ خیر الامم
تانشیند آتشِ ہیکار و کیم پشتِ پازدہر سرِ تاج و نگیں

شہادتِ امام حسن علیہ السلام کے بعد امیر معاویہ کے بلادِ اسلامیہ پر مکمل تسلط کا دور شروع ہوتا ہے جس میں انہوں نے یزید کیلئے بیعت لینے اور اپنے بعد اسے امت مسلمہ کا خلیفہ بنانے کی جدوجہد کا آغاز کیا جو ان کی موت کی صورت میں اس طرح اپنے اختتام کو پہنچا کہ سلطنتِ اسلامیہ میں یزید کو مکمل اقتدار حاصل ہو گیا۔

یزید اس اقتدار پر ہی مطمئن نہ ہوا بلکہ اس نے حاکمِ مدینہ کو تائید کی کہ چند لوگ جنہوں نے اس کی بیعت سے انکار کیا تھا، ان سے بیعت لے لے یا اُن کے سر قلم کر کے دمشق بھیج دے۔ یزید اپنے مقام پر جانتا تھا اور اسے اس کے باپ نے ہر کردار کی تفصیل بتلا بھی دی تھی کہ سب اپنے اپنے مقام پر کیا کریں گے لیکن امام حسین علیہ السلام ہرگز اس کی بیعت نہ کریں گے۔ حاکمِ مدینہ کا عندیہ معلوم ہوتے ہی سید الشہداء بیت الشرف میں تشریف لائے۔ اس سلسلہ میں ہم ایک بار پھر علامہ غدیری مدظلہ کی مندرجہ بالا کتاب کی طرف اپنے معزز قارئین کی توجہ مبذول کرواتے ہیں۔ علامہ مذکور رقم طراز ہیں:

”امام حسینؓ نے جب مکہ کو خیر باد کہنے کا پختہ ارادہ کر لیا تو اپنی امیدوں کی سہارا بہن زینبؓ کے پاس آئے اور انہیں عراق کی جانب اپنے عزم سفر سے آگاہ کیا۔ جناب زینبؓ نے امامؓ کے ارادہ سے مطلع ہو کر کہا:

”اے میری تمناؤں کے مرکز بھائی! اے حسینؓ! مجھے احترام والے مہینوں (رجب، ذیقعد، ذی الحجہ اور محرم) میں سفر کرنے

سے ڈر لگتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان مہینوں کے اختتام تک آپؐ یہیں ٹھہر جائیں۔“ (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

امامؑ نے اپنی حقیقت شعار بہمن سے فرمایا اے میرے ارادوں کی پاسبان بہمن! یہ معاملہ علم الہی میں ہمارے نئے طے پا چکا ہے جس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں اور اپنے محبوب پروردگار کے ساتھ حقیقی عشق کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اُس کے فیصلوں میں انسانی عظمتوں کے تحفظ کا راز مضمر ہوتا ہے اور دنیا میں کوئی کام ایسا نہیں جو قدرت الہی کے احاطہ سے باہر ہو بلکہ تمام امور خدائے تبارک و تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔

”امام برحق کی گفتار حق شعار کون کر فاطمہؑ کی بیٹی کے اطاعت شعار احساس نے انگڑائی لی اور معصومہؑ عالم کے چہرہ پر قضا و قدر الہی کے سامنے صبر و استقامت کے آثار نمایاں ہو گئے۔

”زیبؑ اپنی عامانہ بصیرت سے امامؑ کی معصومانہ سیاست کی بنیادوں کو سمجھ چکی تھیں اور وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ حسینؑ کا ہر فیصلہ ارادہ کردگار کے تابع سے اور اسی میں رضائے پروردگار کا راز پوشیدہ ہے۔

”ماتمؑ وقت کے پاکیزہ افکار کی مقدس حقیقتوں کی معرفت رکھنے والی سیدہ زینبؑ انقلاب حسینؑ کے تاریخی آثار سے بھی باخبر تھیں اور انہیں امامؑ کے مقدس قیام کا پس منظر و پیش منظر پوری طرح معلوم تھا۔ لہذا رسولؐ زادیؑ کسی تامل و سستی کے بغیر اپنے عزم و جذبہ بایثار کا اظہار کرتے ہوئے امامؑ کے بلند مقصد میں شریک ہو گئیں“ (ص ۱۴۱، ۱۴۲)۔



۱۔ ہمارا ہی جناب سید الشہداء علیہ السلام

امیر معاویہ چالیس برس تک شام اور اُس کے بعد تمام بلاد اسلامیہ پر حکومت کرنے کے بعد رائی ملک عدم ہوئے۔ انہوں نے اپنے لالہ لے وا کھوتے بیٹے یزید کو، جسے وہ اپنی حیات ہی میں اپنا ولی عہد مقرر کر چکے تھے، تخت خلافتِ اسلامیہ پر متمکن کیا۔ ایک مشہور و معروف قول کے مطابق امیر معاویہ کا یہ عمل بذاتِ خود انہدامِ اسلام کیلئے کافی تھا (حسن بصری)۔ نتیجہ کے طور پر اُس زمانہ کے سربراہانِ لوگ، بالخصوص وہ لوگ جو بنی امیہ کے خوانِ نعمت کے پروردہ تھے اور جنہوں نے ہزار سیست کی بے سروسامانی میں بنی امیہ کی چا پلوسی و خوشامد کر کے بلند درجات حاصل کر لئے تھے، انہوں نے اپنے اقتدار کی استقامت کی غرض سے یزید کے دامنِ عاطفت میں آنے کی مساعی شروع کر دیں۔

فطری امر تھا کہ حریت پسند لوگوں کی ایک جماعت نے یزید کی حکومت کو تسلیم نہ کیا، نہ ہی اُس کے لئے ایسے مقدمہ بند کو اسلام کی نذرِ خواہی کی خاطر پسند کیا۔ عام خیال یہی تھا کہ حضرت حسین ابن علی علیہما السلام جیسے اشخاص بھی اپنے اپنے مقصد پر ایسا ہی نہ چتے ہوں گے۔ دشمنانِ حسین علیہ السلام یعنی بنی امیہ بھی اس سلسلہ میں بے خبر نہ تھے۔ لہذا اُن کی سر توڑ کوشش تھی کہ جیسے بھی ممکن ہو ایسے بزرگوں اور سرداروں کی اپنے لئے تائید حاصل کریں۔

اس مقصد کے پیشِ نظر بنی امیہ اور اُن کے ہوا خواہوں نے سوچا کہ اُمتِ اسلامیہ کے معروف لوگوں سے یزید کے حق میں بیعت لی جائے۔ اُن کی جرأت و جسارت اس مقام تک پہنچی کہ بالآخر امام حسین علیہ السلام سے بھی یزید کی بیعت کا منہ لہہ رہا۔ چنانچہ آپ کو والیِ مدینہ کے دربار میں طلب کر کے بیعتِ یزید کرنے کے لئے کہا گیا۔ امام علیہ السلام نے اس بارے میں ذمّتِ طلب کی اور مدینہ النبی میں خود ریزی یا اس مقدس مقام کو خون میں آلودہ نہ کرنے کی غرض سے شب کے وقت اپنے خاندان سمیت مدینہ والوداع کہہ کر مدینہ کی طرف کوچ کیا۔

امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ خواتین کی روانگی

روانگی کے واقعہ سے ایک رات قبل امام حسین علیہ السلام قبرِ مبارک رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضر ہوئے، دو رکعت نماز بجالائے، متوقع تکالیف و آلام کی خاطر مناجاتِ پروردگار ادا کیں، کسی قدر گریہ بھی فراقِ مدینہ کیلئے فرمایا اور قبرِ مبارک

کے سر ہائے مخو خواب ہو گئے۔ خواب میں اپنے جد بزرگوار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کو حکم دیتے ہیں کہ عراق کی طرف روانہ ہو جائیں (تاریخ طبری، تاریخ ابن کثیر)۔ اس کے ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ اپنے اہل حرم و مخدرات کو بھی ہمراہ لے جائیں۔

چنانچہ سید الشہداء علیہ السلام نے آغاز سفر فرمایا۔ یہ آپ کی بصیرت کا کمال ہے کہ اپنے پیام جہاد اور نتائج کے دوام کی خاطر آپ نے مخدرات و خواتین کو اپنے ہمراہ لیا۔ اس سلسلہ میں ہم ایسے بہت سے مردوں سے متعارف ہیں جو اس جہاد و ریاضت میں بہت بلندی تک پہنچے اور انہوں نے امام حسین علیہ السلام کے پرچم کے نیچے جہاد و جاگساری کے جوہر دکھائے لیکن صنفِ خواتین میں ایسی خواتین بہت کم ملیں گی، بلکہ صرف ایک ہستی سیدہ زینبؓ عالیہ ہی کی ایسی نظر آتی ہے جو امام مظلوم کے جہاد میں برابر کی شریک ہیں اور اس قدر ثابت قدم کہ نامی گرامی مردوں سے بھی سبقت لئے ہوئے امام حسین علیہ السلام کے ہمقدم و ہم رزم ہیں جو اپنے مقام پر امام معصوم بھی ہیں اور تاریخ انہیں سید الشہداء جانتی اور تسلیم کرتی ہے۔

ثانی زہراؓ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ساتھ ہیں، اُن کی کلاماً شریک کار ہیں، آپ کے پیغام کی اشاعت اور حسینی انقلاب کی رُوح رواں ہیں۔ مدینہ سے مکہ، مکہ سے کربلا و کوفہ اور شام کے سفر میں آپ کی عمر تقریباً پچپن (۵۵) سال کی ہے۔ ۲۸ رجب ۶۰ھ کو اپنے برادرِ عالی مقام اور دیگر اعزہ کے ہمراہ یعنی تقریباً چھ ماہ بعد کربلا پہنچیں۔ ان یکے بعد دیگرے سفروں ہی سے زینبؓ عالیہ کا سرنامہ جہاد شروع ہوا اور یہی آپ کے عظیم جہاد اور اشاعتِ پیغامِ حسینی کی ابتداء ہے۔

ثانی زہراؓ کے اقدام کی اہمیت

لوگوں نے چاہا کہ سیدہ زینبؓ عالیہ کو امام حسین علیہ السلام سے الگ کر دیں۔ کئی ایک بزرگ شخصیات زمانہ نے امام حسین علیہ السلام کا راستہ روکا اور اس سفر کو ترک کرنے کی درخواست کی (مقتل ابن عباسؓ، محمد حنفیہ) کیونکہ وہ آپ کے مستقبل کو خطرات سے گھرا ہوا دیکھ رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ بطور مصلحت امام کو اس سفر سے باز رکھیں (مقتل عبداللہؓ، شوہر جناب زینبؓ)۔ یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم تاریخ میں اس قدر بلند مرتبہ و شان پاتے ہیں کہ امامؑ سے ایسا کہہ پائیں۔

آخر کار کچھ لوگ اس نتیجہ پر پہنچے کہ امامؑ چونکہ سفر کا پختہ عزم کر ہی چکے ہیں تو کم از کم خواتین، بالخصوص ثانی زہراؓ کو ہمراہ نہ لے جائیں۔ یہ تجویز ابن عباسؓ نے پیش کی (مقتل الحسین علیہ السلام)۔

جب یہ بات زینبؓ عالیہ کے کانوں تک پہنچی تو اُن کی طرف دیکھ کر فرمایا: ”کیا تم مجھے میرے بھائی حسینؑ سے جدا کرنا

چاہتے ہو؟“ یہ کہہ کر روانہ ہو گئیں، تمام راستہ سایہ کی طرح امام حسین علیہ السلام کے ساتھ رہیں اور آپ کے تکمیلِ جہاد کے فرائض کی جملہ منازل کا انتظام فرمایا۔

سوال یہ ہے کہ اگر کثافی زہر اندینہ میں رہ جاتیں، امام حسین علیہ السلام اُن کے بغیر عازمِ سفر ہو جاتے اور درجہ شہادت پر ان کی عدم موجودگی میں فائز ہوتے تو کیا واقعہ کربلا اور آپ کے اقداماتِ جہاد کو وہی اہمیت حاصل ہو جاتی جسے ہم آج دیکھتے ہیں؟ کیا سیدہ زینبؓ کا مدینہ میں قیام اُسی کیفیت کا حامل ہوتا جو امام حسین علیہ السلام کو آپ کی ہمراہی سے حاصل ہوئی؟ ہرگز نہیں! بلکہ زینبؓ کبریٰ کی ہمراہی اس حقیقت کا سبب بنی کہ حسینی ہدفِ عظیم کے لئے مقامِ تحقق پیدا ہوا اور آپ کے اقدام کی اہمیت کا مل صفحہ تاریخ پر ہمیشہ کے لئے ثبت ہو گئی۔

پائیداری راہِ عمل

امام حسین علیہ السلام درجہ شہادت پر فائز ہو گئے، یعنی آپ کو جو ر و ظلم سے شہید کر دیا گیا۔ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نے پیغامِ سید الشہداء علیہ السلام اور آپ کے ظلم و جور سے مملو اُس مرقعہ شہادت کو اپنی صدائے الناک کے ذریعہ کوفہ و شام اور پھر مدینہ و مصر کے لوگوں کے کانوں تک پہنچایا۔ نہ صرف یہ بلکہ سیدہ طاہرہ کی نورِ نظر نے بنی اُمیہ کے ہاتھوں دینِ اسلام کی رُسوائیوں، پستیوں اور غیر اسلامی کردار کا اعلان اپنے ذمہ لے لیا۔ یہ کہنا ہرگز بے جا نہ ہوگا کہ روزِ عاشور کی قربانی کی کامیابی کے عناصر میں اہم ترین عنصر سیدہ زینبؓ کے جوہرِ خطابت کا بھی ہے، جس خطابت کی صدائے بازگشت واقعہ عاشور کی صحیح عکاسی کر رہی تھی اور رہتی دنیا تک کرتی رہے گی۔

زینبؓ عالیہ نے اقدامِ سید الشہداء علیہ السلام کی باقیات کو پایہ تکمیل تک پہنچایا، شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بعد تمام ذمہ داری شہزادی نے اپنے ذمہ لی اور اُس پیغام کی تشہیر کا انتظام کر دیا جس کا نتیجہ تمام زمانہ پر اس عظیم شہادت کے رعب و خوف کی صورت میں ظاہر ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ دشمنانِ سید الشہداء علیہ السلام وحشی صفت لوگ تھے۔ ان کا اہل بیت کے خلاف کینہ و دشمنی زبانِ زدِ خاص و عام تھی، ورنہ بے جان و بے سر شہدائے راہِ پروردگار کے اجساد پر گھوڑے دوڑانے کے کوئی معنی نہ تھے، نہ ہی خیامِ حسینی کو نذرِ آتش کر دینا قابلِ تصور قرار پاتا ہے۔ 1۔

1۔ ہم یہاں خواجہ معین الدین چشتیؒ کی ایک رباعی پیش کرتے ہیں جو دشمنانِ امام حسینؑ کی ذہنیت کی آئینہ دار ہے۔ فرماتے ہیں:

سنگیں دلاں کہ سبطِ نبیؐ را بہ کیس کشند
دعوائے دیس کشند و خداوند دیس کشند
قرآن کنند حفظ و طہ کشند بہ تیغ
یس کشند حرز و امام میں کشند

ان حالات میں زمین پر عالیہ کو ایسے خوفناک حالات سے گزرنا پڑا جن کو سن کر خوف و وحشت سے قلب انسانیت رز اٹھتا ہے۔ ہر لمحہ ایسا تھا جس میں اہل بیت کے قیدیوں کے قتل و غارت گری کا حکم ہو جانا متوقع تھا۔ نہ کوئی دوست تھا نہ خیر خواہ۔ اگر دوست داران اہل بیت میں کوئی تھا بھی تو وہ اس قابل نہ تھا کہ کسی طرح ان کی مدد کر سکتا۔ صرف لفظی ہمدردی کا خاندان پیغمبرؐ سے اظہار ایک شخص کے سر بازار قس کا سبب بن گیا (عبداللہ ابن عقیف کا واقعہ جنہوں نے خاندان رسولؐ کے بارے میں ابن زید ملعون کے ناسزا کلمات پر اعتراض کیا تھا)۔

اس طرح دشمن نے دوستانہ اہل بیت کو متفرق کر دیا تھا اور ان سے بولنے یا آواز بلند کرنے کی قوت کو ملب کر لیا تھا۔ ثانی ذمہ اسلام اللہ علیہا کی ہمت و شجاعت کا اسی بات سے اندازہ لگائیں کہ اس قدر آشوب حالات اور بحرانی کیفیت میں آپ نے اپنے فرض کو انجام دیا اور اپنی استقامت و استقلال پر قائم رہیں۔

۲۔ شبِ عاشور

شب عاشور خانوادہ رسولؐ اکرم پر سخت ترین رات تھی۔ دشمن نو محرم کے غروب آفتاب سے قبل میدان کربلا میں مزید کمک لے آئے کے بعد حمد و قال پر آمادہ ہو گیا۔ چنانچہ سپاہ امداء نے نہایت تندی و سفاکی و ظلم کی صورت میں سواروں اور پیادوں کے ساتھ خیام حسینی کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ اُس وقت امام مظلومؑ بظاہر متکبر و درخیمہ پر تشریف فرما تھے اور ایسا معنوم ہوتا تھا گویا آپ کی آنکھ لگ گئی ہے۔ سیدہ زینبؑ نے دشمن کی فوج کا شور سنا، جلدی سے امام علیہ السلام کے قریب پہنچیں اور دشمن کے هجوم سے آپ کو مطلع کیا (لبوف، سید ابن طاووس)۔

سید الشہداء علیہ السلام نے حضرت ابو الفضل العباسؑ کو بلایا اور فرمایا کہ آگے جا کر معلوم کریں کہ فوج کی یہ حرکت کیا معنی رکھتی ہے۔ حضرت عباسؑ علیہ السلام آگے بڑھے اور واپس آکر اطلاع دی کہ دشمن حملہ کر کے اپنے کام کو فتر کرنے کا قصد کرتا ہے اور اسی سے فوج آگے بڑھ رہی ہے۔ امام علیہ السلام نے حضرت عباسؑ کو دوبارہ بھیجا کہ ان سے ایک رات کی مہلت طلب کریں۔ پہلے تو دشمن نے اس بات کو تسلیم نہ کیا لیکن پھر اپنے بعض ہمراہیوں کے کہنے پر مصلحت یہی جانی کہ ایک رات کی مہلت دے دی جائے۔

اس بات میں کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ مسئلہ بالکل واضح تھا اور وہ تھا جنگ کر کے امام حسین علیہ السلام کو شہید کرنا۔ البتہ اس میں دشمن کی طرف سے غلت کم تعجب خیز بات نہ تھی۔ اس سے بھی عجیب تر دشمن کی ہمت دھری، جرأت

اور ڈھیٹ پن تھا کہ وہ عزم کر چکے تھے کہ اپنے نبیؐ کے فرزند کو ہر حالت میں قتل کر کے رہیں گے۔ اُن کے اس عزم کے ساتھ یہ شور و غل اور مضحکہ خیز دعویٰ و تشہیر بھی تھی کہ امام حسین علیہ السلام اپنے جدِ بزرگوار کے دین کو خیر باد کہہ چکے ہیں، اُس دین کے منکر ہو چکے ہیں اور اسی لئے اپنے زمانہ کے امام یزید کے خلاف خروج کر رہے ہیں۔ وہ کہتے تھے:

”إِنَّ الْحُسَيْنَ قَدْ خَرَجَ عَنْ دِينِ جَدِّهِ..... (فتاویٰ شریعہ قاضی)

اس سے زیادہ تعجب خیز یہ عقیدہ تھا کہ وہ اسی اصول کے تحت اپنے زمانہ کے امام علی مرتضیٰ علیہ السلام اور امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے خلاف امیر معاویہ کے قیام کو بجز مقرر نہیں دیتے تھے جبکہ امام حسین علیہ السلام ایک ایسے شخص کے قیام کو بہت بڑا جرم و گناہ قرار دے رہے تھے جس کے بندروں کے پالنے، بد چلنی، بد قماش، جبر و ظلم اور فساد و فاسق ہونے کے بارے میں تمام مؤرخین متفق ہیں (کامل ابن اثیر، تاریخ طبری)۔

شب عاشور۔ کیا کہنا شب عاشور کا!

شب عاشور کیسی رات تھی؟ یہ شب تھی خالق کائنات سے شب دعا، شب راز و نیاز، کردار سازی و حصولِ رشد کیلئے مشق کرنے کی آخری شب، شب احیاء و زندہ داری، ایسی مناجات سے سینکڑوں گنا بلند تر مناجات کی شب جیسی کوہِ طور پر موسیٰ علیہ السلام نے عالم نور پروردگار میں بسر کی تھی، ایسی شب مناجات جو زبدِ نبویؐ علیہ السلام سے ہزار گنا زیادہ منور اور قلوب کو زندہ کرنے والی تھی۔

سید الشہداء علیہ السلام کا قلب مبارک اس شبِ عظیم عبادت کے پُر نظر مسرت سے لہریز تھا۔ ایک ساعت قبل آپ خواب میں زیارتِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سترف ہو چکے تھے کہ آنحضرتؐ فرما رہے تھے:

”إِنَّكَ تَرُوحُ إِلَيْنَا“

یعنی ”اے حسین! تو ہمارے پاس آ رہا ہے!“

امام علیہ السلام یہ خوش خبری زینبؓ عالیہ کو سنا چکے تھے۔ ثانی زہراؓ سمجھ چکی تھیں کہ کل سے اُن کے فرضِ پیغامِ رسائی شہادت کا آغاز ہو جائے گا۔ لہذا معلوم تھا کہ کل مقام و قیام کی نوعیت مختلف ہوگی، ایسا سنگین و کٹھن فرض درپیش ہوگا جس کی ادائیگی میں بالکل تنہا و خود مختار رہنا ہوگا۔ دیکھ رہی تھیں کہ آج تو عام عزیز و اقارب ساتھ ہیں، اُن کے دیدار کی مسرت حاصل ہے، لیکن کل کیا انقلاب آنے والا ہے اور اس کے لئے انہیں کیا کرنا ہوگا!

سید الشہداء علیہ السلام کے دوستوں اور اصحاب کے سامنے بھی یہی سوچ و اندیشہ جات ہیں۔ ساتھ دینے والے اپنی اپنی بصیرت کے مطابق ساتھ ہیں۔ جانے والے جو آخرت میں سرخروئی کی خاطر ساتھ نہیں آئے تھے، جن کا مطمع نظر اور نصب العین حصول مراتب و مقام دنیوی تھا، جو اخروی کامیابی و کامرانی کی خاطر ساتھ نہ ہوئے تھے، ایک ایک کر کے چلے گئے۔ اب صرف وہ لوگ باقی تھے جو اپنے ذہنوں میں طوفانوں کا مقابلہ کرنے، اپنی تاریخ حیات کو طریقِ نو سے رقم کرنے کا عزم بالجزم رکھتے اور اپنی سرنوشت حیات کو سنہری حروف میں صفحاتِ تاریخ کی زینت بنانے والے تھے۔ 1۔

1۔ یہ وہ اصحاب با وفا باقی رہ گئے تھے جن کے لئے سید ریاض علی ریاض بناری نے نہایت خوبصورت جملہ اپنی کتاب ”شہید اعظم“ میں کہا ہے کہ ”یہ ایسے تھے جن کی حسین علیہ السلام تعریف و توصیف کرتے تھے۔“

شب عاشور کے سلسلہ میں ہم ایک بار پھر علامہ غدیری کی کتاب ”نہب، نہب، نہب“ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ علامہ مذکور لکھتے ہیں:

”شب عاشور اپنی تمام ہولناکیوں کے ساتھ صحرائے کربلا پر چھا گئی۔ چاند کی روشنی ردائے غم اوڑھ کر فضا کے دامن سے پٹ گئی۔ ایسے میں سیدہ نہب اپنی عظیم ماں فاطمہؑ زہرا کی ردائے مقدس زیب تن کر کے امام وقت حسینؑ کے خیمہ میں آئیں۔

”امام اپنے آپ کو ناموسِ اسلام کے تحفظ کے لئے آمادہ کر رہے تھے۔ عظمتِ اسلام کی پاس دار بہن کی طرف نگاہِ غم اٹھا کر دیکھا اور زبانِ حال سے اپنے قریب بیٹھ جانے کے لئے کہا۔

”ذقار و سیکنہ کی مالک نہب ادب و احترام کے ساتھ امام وقت کے حضور بیٹھ گئیں۔ اگرچہ نہب کا دل حزن و غم سے بھرا ہوا تھا لیکن صبر و استقامت کے آثار علی کی بیٹی کی پاکیزہ جبین پر نمایاں تھے۔ لبوں پر خاموشی تھی مگر نگاہیں امامِ معصوم کے چہرہ پر جمی تھیں۔ نہب کا طویل سکوت بارگاہِ امامت سے تقاضائے سخن کر رہا تھا۔

”با عظمت بھائی نے با کردار بہن کی روحِ دل کو پڑھ لیا، حسینؑ سے رہانہ گیا۔ بالآخر اپنے مقدس مشن کی شریک بہن کو حالات کے نشیب و فراز سے آگاہ کر دیا۔

”حسین علیہ السلام نے فوجِ اشقیاء کے ساتھ پیش آنے والے واقعات و دستوں اور قریبوں کی مظلومانہ شہادت اور اہلِ حرم کی اسیری کے متعلق سب کچھ بتا دیا اور ہر مرحلہ میں صبر و استقامت اختیار کرنے اور مستورات اور بچوں کی دیکھ بھال کرنے کی تاکید کی۔

”معصوم امام علیہ السلام نے اپنی عصمتِ شعرا بہن کو اربابِ جوہر کی ستم پروری اور آنے والی ہولناک صورتِ حالات کے سامنے کوہِ راس پایا۔ اور یہ بات خلافِ توقع بھی نہ تھی کیونکہ دونوں بہن بھائیوں کا تعلق اس مرکزِ وحی و رسالت سے تھا جس کے بام و درنو راہی کی روشن قندیلوں سے منور تھے اور جس گھر کا بچہ بچہ اسلام کی عظمتوں کا امین تھا۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ نبوت (جاری)

آخری فیصلہ و انتخاب سرفروش

سید الشہداء علیہ السلام کی اقتداء میں مجاہدین کی نماز قائم ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ نماز عشا کے بعد یا شاید اس سے پہلے یعنی مغرب و عشا کی نمازوں کے درمیان امام علیہ السلام نے جملہ حاضرین کو اپنے خیم سے طلب فرمایا۔ چراغ خیمہ امام حسین علیہ السلام میں روشن تھے۔ امام نے خطبہ شروع فرمایا۔ ارشاد فرمایا:

’سب حالات اللہ تعالیٰ کے سامنے ظاہر و آشکار ہیں۔ اب بعد! جو کچھ مجھے درپیش ہے کسی پر پوشیدہ نہیں..... ہم اُس خاندان و قبیلہ سے نہیں ہیں جو حیلہ و مکر و فریب کو رو رکھتے ہوں..... تم میں جو کوئی آج میرے ہمراہ باقی رہے گا وہ کل قتل ہو جائے گا..... میں اپنی بیعت تم پر سے اٹھا لیتا ہوں..... رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاؤ اور اس دشت خونین سے نکل جاؤ.....‘

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) امامت کی پاکیزہ عظمتوں کے سائے میں پلنے والے حسین اور زینب اپنی خاندانی روایات کے تحفظ اور فطرت کی زیبائیوں کی پاسداری کیلئے اپنی عصمت شعار روایات کی مقدس روشنی سے اپنے کا شانہ احساس میں چراغاں کر رہے تھے۔

’سیدہ عالم، زینب کبریٰ اپنے معصوم مگر مظلوم بھائی حسین کے ساتھیوں کے شعور و وفا اور عظمت اخلاص کی پاکیزہ تصویر دیکھنے کا مقدس احساس دل میں لئے ہوئے تھیں۔ جناب زینب یہ مشاہدہ کرنا چاہتی تھیں کہ اندھیری شب میں حسین کے ساتھی کس جذبہ و ایثار کا مظاہرہ کریں گے۔ چنانچہ زینب کی یہ کوشش رہی کہ زیادہ تر وقت اپنے ماں جائے کے پاس رہ کر گزاریں تاکہ حالات کے نشیب و فراز اور تلخ و شیریں صورت احوال کو نزدیک سے دیکھتی رہیں۔ بالآخر وہ وقت آگیا جب جناب زینب نے انصار حسین کی وفا و اخلاص کی مقدس تصویر دیکھی۔

’امام نے اپنے قریبوں اور ساتھیوں سے کہا کہ یہ لوگ (فوج یزید) میری جان کے دشمن ہیں۔ انہیں تم سے کوئی کام نہیں۔ لہذا تم میں سے جو بھی جانا چاہے اسے پورا اختیار حاصل ہے اور میں ہر طرح سے آپ لوگوں سے راضی ہوں۔ قیامت کے دن تمہاری شفاعت کی ذمہ داری بھی قبول کرتا ہوں۔

’امام کے اس بیان پر دوستوں اور ساتھیوں نے جس خلوص و وفا کا مظاہرہ کیا اور جس انداز میں اپنی ہمدردیوں کا اظہار کیا، تم کی خدمت میں کیا وہ سب کچھ سیدہ زینب نے سنا اور انصار حسین کی عظمت و وفا کا مشاہدہ کر لیا اور یہ بھی سن لیا کہ امام نے اپنے وفا و ساتھیوں کے بارے میں کن پاکیزہ و معصوم خیالات کا اظہار فرمایا۔ امام نے دوستوں اور قریبوں کا جواب سن کر کہا: ’خدا کی قسم! میں نے اپنے ساتھیوں جیسے وفا شعار ساتھی کسی کے نہیں دیکھے اور نہ ہی اپنے قریبوں جیسے ہمدرد و مخلص قریبی کسی کے دیکھے ہیں.....‘

’یہ وہ باتیں تھیں جو زینب کے دل کا سہارا اور اُن کے اطمینان قلب کا ذریعہ بنیں اور سیدہ نے انصار حسین کی ساری احساس کی شعوری کشش میں عظمت و وفا، شعور و اخلاص، جذبہ ایثار، جمال عشق، کمال محبت، اعتماد و نفس، احساس عظمت، یقین محکم، احسن صبر (جاری)

مزید بہتر لوگوں کو چھانٹنے کے لئے ایک اور صورت اختیار کی گئی۔ امام علیہ السلام نے باقی ماندہ لوگوں کی جانب رخ کر کے فرمایا: ”تم کیوں رہ گئے؟ تم بھی چلے جاؤ اور مجھے تنہا چھوڑ دو۔ یہ لوگ صرف مجھ سے دشمنی رکھتے ہیں، اور کسی سے نہیں۔“
یہ سن کر حاضرین میں ہر شخص باری باری اٹھا، اپنی وفاداری کا یقین دلایا اور امام سے بیعت کو زندہ و تازہ کیا.....

تیاری جنگ کا فرمان

غرض جن کو باقی رہنا تھا وہ رہ گئے۔ امام علیہ السلام نے انہیں عزمِ مصمم کی ہدایت فرماتے ہوئے کل پیش آنے والے واقعات کی نشاندہی فرمائی اور کلکے حق کو اُن پر واضح فرمایا۔ انہوں نے اپنی شان و منزلت کے بارے میں امام سے دریافت کیا اور اس سے اپنی محبت امام میں اور اضافہ کیا۔

اس کے بعد اصحاب باوفا اپنے اسلحہ کو درست و تیز کرنے اور جانچنے لگے جبکہ بعض ایسے بھی تھے جو عبادت پروردگار میں مصروف ہو گئے.....

اصحاب باوفا کی مناجات کی صدائیں سننے کے قابل تھیں۔ ایک بزرگ مورخ کے بقول یہ ایسی آواز تھی جیسے شہد کی مکھیوں کی اُن کے چھتوں سے آتی ہے (منہی الآمال)۔

بعض اصحاب قیام و قعود میں مصروف تھے، بعض اپنے عزیزوں، ساتھیوں سے وداع کر رہے تھے، لیکن ہر شخص کل کے جہاد کے انتظار میں سرور و شادمانی کی انتہا پر تھا اور رزم گاہ میں ملائین سے مبارزہ کیلئے بے چین تھا۔ ثانی زبر اتمام حالات کا مشاہدہ فرما رہی تھیں۔

دعا و مناجات سید الشہداء علیہ السلام

سید الشہداء علیہ السلام اپنے کاموں میں مصروف اور مشغول مناجات و دعا تھے۔ اپنی تلوار کو مصیقل فرما رہے تھے اور یہ الفاظ آپ کی زبان مبارک پر جاری تھے:

”يَا ذَهْرُ أَفْ لَكَ بِالْأَشْرَاقِ وَالْأَصِيلِ مِنْ صَاحِبِ وَطَالِبِ قَتِيلٍ وَالذَّهْرُ لَا يَنْفَعُ بِالْبَدِيلِ وَإِنَّمَا الْأَمْرُ إِلَى الْجَلِيلِ وَكُلُّ حَيٍّ سَالِكٌ سَبِيلٍ“.

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

سید السلام نے سنا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے بخشے۔ میں اپنی بیعت تجھ سے اٹھا لیتا ہوں۔ اٹھ، جا اور اپنے بیٹے کی رہائی کیلئے اقدام کر۔ میں نے کہا: جنگل کے درندے مجھے زندہ چیر پھاڑ ڈالیں اگر میں آپ سے دُور ہو جاؤں۔“

آپ اپنے اس مقولہ میں سمجھا رہے تھے کہ دنیا ناپائیدار ہے، اس کی دوستی بے بنیاد و بے اساس ہے، اس سے دل لگانا بے کار و بے معنی ہے۔ اس کے لاتعداد دوست اسے چھوڑ کر چلے گئے یا مارے گئے لیکن کسی ایک کے ساتھ بھی اس نے وفاندہ کی۔ ہذا بر زندہ کو چاہئے کہ اپنی زرگی میں اپنی راہ و طریق خود دریافت کرے۔ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ہم بھی مسافرانِ موت ہیں اور کوچ کی تیاری کر رہے ہیں (مقتلِ الحسین علیہ السلام)۔

آپ کی اس مناجات کی آواز زینبِ عالیہ کے کان میں آئی تو بیتاب ہو گئیں۔ گریہ گلو گیر ہوا اور بولیں: ”کیا میرے جدِ بزرگوار اور ماں باپ کی آخری یادگار بھی قتل کر دی جائے گی؟“ ان باتوں سے اپنے قلبِ مضطرب کو بھی موت کیلئے تیار کر لیا اور رضائے الہی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔

سیدہ زینب کو دلا سہ ماٹم

ثانی زہرانے کلام سید الشہداء علیہ السلام سنا تو صدائے نالہ بلند کی اور شدتِ غم سے غش کر گئیں۔ امام علیہ السلام جہدی سے آپ کے سر ہانے تشریف لائے اور آپ کی دل جوئی فرمائی (فعزّ الحسین علیہ السلام)۔

”فَقَالَ يَا أُخْتَاهُ، تَعَزَّ بِعِزِّ اللَّهِ“

”میری بہن! حوصلہ رکھو۔ میں تمہیں صبر کی تلقین کرتا ہوں۔“

”لَا يَزُهِبَنَّ بِحِلْمِكَ الشَّيْطَانُ“

”حوصلہ کرو، شیطان تمہارا حلم تم سے نہ چھین لے۔“

”فَإِنَّ أَهْلَ السَّمَاءِ يَمُوتُونَ“

”کوئی زمین پر زندہ و باقی نہ رہے گا۔“

”كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ“

”ذاتِ پروردگار کے سوا سب ہلاک ہو جائیں گے۔“

”لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ“

”تمام حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اسی کی طرف لوٹ جانا ہے۔“

”فَإِنَّ أَبِي وَجَدْنِي فِي اللَّذَانِ هُمَا خَيْرٌ مِنِّي“

”ہمارے جد و پدر بزرگوار جو ہم سے بہتر تھے، اب کہاں ہیں؟“

”وَلِيَّ بِهِمَا وَ كُلِّ مُسْلِمٍ اُسُوَّةٌ حَسَنَةٌ“ (مقتل الحسین علیہ السلام)۔

”وہ دونوں میرے اور ہر مسلمان کیلئے بہترین اُسوہ کے مالک ہیں۔“

حتیٰ کہ امام حسین علیہ السلام نے اسی قسم کی دلاساہ و حوصلہ کی باتیں اس قدر زینبؓ عالیہ سے فرمائیں کہ اُن کو سکون ہو گیا اور اہم کی خوشگوار و شیریں گفتگو سے شہزادی کے آنسو ختم گئے۔

اسی ضمن میں یہ وصیت بھی فرمائی:

”يَا اُخْتَاهُ اِذَا اَنَا قُتِلْتُ فَلَا تَشْقَقَنَّ عَلَيَّ حَبِيْبًا“.

”پیاری بہن! میرے قتل ہونے پر گریبان چاک نہ کرنا“

”وَلَا تَحْمِشْنَ وَجْهًا“.

”میری موت پر منہ پر طمانچہ نہ مارنا“۔

”وَلَا تَقْلَنْ هِجْرًا“¹۔

”اور رضائے خدا کے خلاف کوئی لفظ اپنی زبان پر نہ لانا“۔

۳۔ وداعِ امامؑ و سپردگئیِ اسرارِ امامت

آخر شبِ عاشور تمام ہوئی اور صبحِ عاشور طلوع ہوئی۔ میدانِ کربلا میں ہر شخص جنگ پر آمادہ ہوا۔ حق و باطل کی دونوں فوجیں جنگ و خون ریزی کی خاطر مقابلہ پر آگئیں۔ سید الشہداء علیہ السلام کی مخالف فوج میں کافی رد و کد نظر آتی ہے کہ فرزندِ رسولِ خدا سے جنگ کی جائے یا نہیں۔ بعض لوگوں نے ترکِ جنگ کا مشورہ دیا اور چند ایک آکر فوجِ سید الشہداء علیہ السلام کے

1۔ لہف، سید ابن طاووس۔

(۱)۔ رخصتِ آخر امام حسین علیہ السلام کے وقت انہی نصائح کو میر انیس مرحوم نے اپنے ایک مرثیہ میں اس طرح ادا کیا ہے:

عالم میں جو تھے فیض کے دریا وہ کہاں ہیں؟ جو نورِ خدا سے ہوئے پیدا وہ کہاں ہیں؟

ہم سب سے جو تھے افضل و اعلیٰ وہ کہاں ہیں؟ جن کے لئے پیدا ہوئی دنیا، وہ کہاں ہیں؟

جو زندہ ہے وہ موت کی تکلیف ہے گا

جب احمدؑ مرسل نہ رہے کون رہے گا

(جاری)

ساتھ مل بھی گئے۔ لیکن اکثر لوگ اپنے آپ کو حکمِ حاکم سے مجبور و معذور پا کر لڑائی پر آمادہ ہو گئے۔ آج پورے کا پورا کفر پورے کے پورے ایمان کے مقابل آگیا۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنے لشکر کے ہمراہ نمازِ جماعت ادا فرمائی۔ ادھر عمر سعد نے بھی جماعت سے نماز پڑھی۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

ہے کل کی ابھی بات کہ آباد تھا یہ گھر اس دن یہ گدا آن کے ہوتا تھا تو نگر

وہ فاطمہ کا جاو و چشمِ شوکتِ حیدر وہ مجمعِ اصحاب و دربارِ پیغمبر

بے اذن چلا آئے یہ مقدور تھا کس میں

اور اب یہ وہی گھر ہے کہ خاک اڑتی ہے جس میں

(ب)۔ علامہ حسن رضا غدیری ”زینب، زینب ہے“ میں شبِ عاشور دونوں بہن بھائی کی کیفیت اس طرح بیان کرتے ہیں:

”بہن کی کیفیت غم و کدیکہ کہ امام حسین کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور روتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ فرمایا:

”اے میری امیدوں کی سہارا بہن! خدا پر بھروسہ رکھو، خدا تمہیں کوئی غم نہ دکھائے۔ یہ دنیا فانی ہے۔ نہ تو زمین والوں میں سے

کوئی باقی رہے گا اور نہ ہی آسمانی دنیا کے مکینوں کو بقا حاصل ہے۔ ہر چیز فنا پذیر ہے اور صرف وہی ذات پروردگار باقی رہنے والی ہے جس

کے دستِ قدرت سے تخلیق کائنات ہوئی اور سب ہی اُس کی طرف لوٹ جائیں گے۔ وہ ہمیشہ سے ایک ہے اور ہمیشہ ایک رہے گا۔

میرے جدِ امجد مجھ سے کئی درجہ افضل اور میرے پدرِ بزرگوار مجھ سے بلند تھے۔ وہ سب اس فانی دنیا کو چھوڑ کر چلے گئے۔ میرے اور

میرے بزرگوں اور تمام اہل اسلام کیلئے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی مکمل نمونہ عمل ہے۔ اے میری شریکِ مقصد بہن!

تجھے میری عظمت کی قسم! میری یہ بات فراموش نہ کرنا اور میرے غم میں گریبان چاک نہ کرنا، منہ نہ چیننا اور میری لاش پر آکر بین نہ کرنا۔

”امام کے تاکیدِ بیانات کو سن کر زینبؓ عالیہ نے صبرِ جمیل کا ایسا عظیم مظاہرہ کیا جس کی مثال نہیں ملتی“ (ص ۲۷۱)۔

فطری امر ہے کہ اس قدر شدید حالات میں بالخصوص جبکہ مختلف منازل پر امام کے خطبات کی روشنی میں بہت سے لوگ اپنے

اپنے موقعہ کے مطابق لشکرِ امام کو چھوڑ کر جا بھی رہے تھے، مخدراتِ عصمت و طہارت اور خاص طور پر ثانی زہرا کو یہ پریشانی ضرور لاحق ہونا

چاہئے تھی کہ یہ جو لوگ باقی رہ گئے ہیں اور امام کے خطبہ شبِ عاشور کے باوجود کربلا سے نہیں گئے، ان کی وفاداریوں کا معیار کین ہوگا۔ ہم

اس سلسلہ میں ایک بار پھر علامہ غدیری مدظلہ کی کتاب ”زینب، زینب ہے“ کی طرف رجوع کرتے ہیں جس میں ملامہ مذکور اس کیفیت

کی اس طرح منظر کشی فرماتے ہیں کہ امام اپنے خیمہ اقدس سے باہر آکر اپنی فوج کا جائزہ لینے لگے تو ایک وفا شعار ساتھی نافع بن ہلال

جمعی آپ کے پیچھے پیچھے چلے گئے۔ امام نے نافع سے اپنے پیچھے آنے کا سبب دریافت کیا تو نافع نے جواب دیا اے فرزند (جاری)

نماز کے بعد جناب سید الشہداء علیہ السلام نے ان الفاظ میں مناجات پروردگار داد فرمائی:

”اللَّهُمَّ أَنْتَ ثَقَيْتَ فِي كُلِّ كَرْبٍ وَرَجَائِي فِي كُلِّ شِدَّةٍ أَنْزَلْتَهُ بِكَ.....“

”پروردگار! ہر رنج و مشکل میں تو ہی میری امید و پناہ گاہ ہے۔ ہر سختی و تکلیف میں تجھ سے ہی میری امید وابستہ ہے۔ میں

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

رسول! اس وقت آپ کا باہر تشریف لانا خطرہ سے خالی نہیں کہ ہر طرف دشمن کی افواج پھیلی ہوئی ہیں۔ امام نے نافع سے فرمایا: ”شب کی سیاہ رنیں بکھر چکی ہیں اور آدھی رات کا وقت ہو چکا ہے۔ اگر تو چاہے تو ان دو پہاڑوں کے درمیان سے گزرتا ہوا اُس طرف چلا جا اور اپنی جان بچالے۔“ یہ سن کر نافع امام کے قدموں میں گر پڑا اور پائے اقدس کو بوسہ دے کر عرض کرنے لگا:

”میری ماں مجھے دودھ نہ بخشے اگر میں اس طرح کا کردار اپناؤں۔ خدا کی قسم! پروردگار عالم کا مجھ پر احسانِ عظیم ہے کہ اس نے مجھے آپ کی خدمت میں رہنے کا شرف بخشا ہے۔ اگر میرے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں تب بھی میں آپ سے جدا ہونے کا تصور نہیں کر سکتا۔

”اس کے بعد امام حسین سیدہ زینب کے خیمہ میں آئے اور نافع دروازہ خیمہ پر رک کر امام کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔

نافع کہتا ہے: ”میں نے خیمہ کے اندر سے آواز سنی۔ سیدہ زینب امام سے کہہ رہی تھیں کہ کیا آپ اپنے سب ساتھیوں کے اعتماد کا امتحان لے چکے ہیں کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کھن مرحلہ میں وہ آپ کو اکیلا چھوڑ کر چلے جائیں؟ امام نے جواب دیا: ”خدا کی قسم! میں نے انہیں اچھی طرح آزمایا ہے۔ اُن میں ہر ایک عزم و ثبات کا کوہِ راس ہے اور موت سے اچھی طرح مانوس ہے جیسے بچہ اپنی ماں کے سینہ سے اُنس رکھتا ہے۔

”نافع نے کہا کہ جب میں نے بہن بھائی کی گفتگو سنی تو میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور میں فوراً حبیبؑ ابنِ مظاہر کے پاس آیا اور جو کچھ میں نے سنا تھا وہ حبیبؑ کو بیان کیا۔ حبیبؑ نے کہا کہ خدا کی قسم! اگر امامؑ کے فرمان کا انتظار نہ ہوتا تو میں اسی رات اپنی تلوار نیا م سے نکال کر میدان میں کود پڑتا۔

”نافع نے کہا کہ میں امام علیہ السلام کو سیدہ زینب کے پاس چھوڑ کر آیا ہوں اور مجھے گمان پڑتا ہے کہ زینبؑ کچھ گھبرائی ہوئی ہیں۔ تو آپ کا کیا خیال ہے آپ اپنے ساتھیوں کو اکٹھا کر کے مخد راتِ عصمت کے دلوں کی تسکین کیلئے ان کی خدمت میں ہم سب کی طرف سے ترجمانی کریں اور ہمارے دلوں کی آواز اُن تک پہنچائیں۔

”حبیبؑ کو نافع کی تجویز پسند آئی اور وہ کھڑے ہو کر بلند آواز سے اپنے ساتھیوں کو پکار کر کہنے لگے:

اے میرے غیرت مند ساتھیو! اے شیر دل جوانو! اپنے اپنے ٹھکانوں سے باہر نکل آؤ!

(جاری)

تیرا ہی مہمان و محتاج ہوں۔ اس اُمتِ بد اندیش کی تیرے ہی حضور شکایت کرتا ہوں..... کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تو میرے ساتھ ہے، لہذا کسی رنج و اندوہ اور صدمہ و خطرہ سے خوف زدہ نہیں ہوں.....۔“ (تاریخ عاشورا)۔

آغازِ جنگ

دشمن نے جنگ شروع کر دی۔ امام علیہ السلام نے اپنے تھوڑے سے ساتھیوں کی صفوں کو آراستہ فرمایا اور دشمن پر تانچِ جنگ کو واضح کیا لیکن انہوں نے کوئی بات نہ مانی۔ آخر امامؑ انہی محدود ساتھیوں کے ساتھ مبارز ہوئے۔ **وَإِنِّي زَاحِفٌ إِلَيْكُمْ** (باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

انصارِ حسینؑ حبیبؑ کی آواز سن کر اپنے ٹھکانوں سے باہر نکل آئے۔ جب سب ساتھی اکٹھے ہو گئے تو حبیبؑ نے انہیں نافعؑ کا آنکھوں دیکھا حال اور کانوں سنی باتیں بتائیں۔

حبیبؑ کی گفتگو سن کر سب نے یک زبان ہو کر کہا: ”ہمیں قسم ہے اُس پروردگار کی جس نے ہمیں امامِ دقت کے ساتھی ہونے کا شرف بخشا ہے کہ اگر ہمیں امامؑ کے حکم کا انتظار نہ ہوتا تو ہم اسی لمحہ میں اپنی تلواریں نیام سے نکال لیتے اور میدانِ نبرد میں کود پڑتے۔ یہ لمحات ہماری سعادت و خوش بختی کی پاکیزہ گھڑیاں ہیں۔“

حبیبؑ نے اپنے ساتھیوں اور انصارِ امامؑ کے بلند حوصلہ اور عظمت و فاکہ کر کہا کہ آؤ چلیں اور رسولؐ زاد یوں کی خدمت میں اپنے اخلاص کا اظہار کر کے اُن کے دلوں کو سہارا دیں اور اُن کی دعائیں حاصل کریں۔

حبیبؑ تمام ساتھیوں کے ہمراہ خیامِ اہل بیتؑ کے پاس آئے اور رسولؐ زاد یوں کو خطاب کر کے بلند آواز سے کہا: ”اے رسولؐ کی با عظمت بیٹیو! اے مخدراتِ عصمت و طہارت! آپ کے غلام حاضر ہیں۔ ہماری زندگیاں آپ کے قدموں پر ٹار، ہم آپ کی طرف مٹھنے والے ہاتھوں کو توڑ ڈالیں گے۔ ہمارے نیزے آپ کے دشمنوں کے سینوں کو چیر ڈالنے کیلئے تیار ہیں۔ جب تک ہماری جانوں میں جان ہے کوئی آپ کی طرف آنکھ اٹھا کے نہیں دیکھ سکتا۔ ہم آپ کی طرف اٹھنے والی ہر آنکھ پھوڑ دیں گے۔“

”انصارِ امام حسین علیہ السلام کے پُر خلوص جذبات اور وفا شعار احساسات کو دیکھ کر خیامِ اہل بیت علیہم السلام سے گریہ و نالہ کی آوازیں بلند ہو گئیں اور رسولؐ زاد یوں نے امامؑ کے با وفا ساتھیوں کو پیغام بھیجا جس میں کہا گیا تھا:

”اے پاک طینت لوگو! اے نیک سیرت جوانو! رسولؐ زاد یوں کی حرمت کا پاس کرنے والو! ہماری حفاظت آج تمہارے ذمہ ہے۔ علیؑ کی بیٹیاں آج تمہاری نصرت کی طلب گار ہیں۔“

”رسولؐ زاد یوں کی مظلومانہ فریاد سن کر سب انصارِ امام حسین علیہ السلام دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور کربلا کی صدائیں کی صدائے بکا سے گونج اٹھی۔“ (مقتل الحسینؑ للمقرم، ص ۲۶۶، منقول از مدح رسا کہ، ص ۳۲۵) (زینبؑ، زینبؑ ہے، ص ۱۶۶ تا ۱۶۹)۔

لِهَذِهِ الْأُسْرَةِ..... (چہرہ خونین حسین علیہ السلام) کی بنیاد پر دشمن کے خلاف جنگ کا فیصلہ فرمایا۔

خیامِ امام کے گرد خندق کھودی گئی تھی اور اُس میں آگ روشن کر دی گئی تھی تاکہ کم ظرف دشمن پیچھے سے حملہ نہ کرنے پائے۔ لشکرِ امامِ خیامِ امام کے سامنے صف بند ہوا۔ عمر ابن سعد نے حملہ اور تیر برسرانے کا حکم دیتے ہوئے اس مقصد کی خاطر سب سے پہلے خود لشکرِ امام کی طرف تیر چلا کر آغازِ جنگ کیا۔ اصحابِ امام پر تیروں کی بارش ہونے لگی۔ چند اصحاب زمین پر گرے اور کئی لوگ اسی حملہ میں درجہ شہادت پر فائز بھی ہوئے۔ امام حسینؑ خود بھی زخمی ہوئے اور تیر بارانی رکنے کے بعد خیمہ اطہر میں تشریف لائے۔

بچوں نے اپنے پدرِ بزرگوار یعنی امام علیہ السلام کو خون آلودہ دیکھا تو رونے اور فریاد و نالہ کی صدا میں بلند کرنے لگے۔ سیدہ زینبؑ عالیہ نے بھی بھائی اور اعزہ کو زخمی دیکھا لیکن ثانی زہراؑ کے لئے ممکن نہ تھا کہ اپنے مقصد و ہدف کو نظر انداز کرتیں۔ پس بچوں کو دلاسا دیا، زخموں کو باندھا اور امامؑ خدا حافظ کہہ کر عازمِ رزم گاہ ہوئے۔

سپردگیِ فرائض

ہم نہیں کہہ سکتے کہ امامؑ کتنی بار خیمہ میں تشریف لائے اور وہاں سے واپس ہوئے۔ بس اس قدر جانتے ہیں کہ ہر بار آپؑ کا سب سے زیادہ استقبال کرنے والی آپؑ کی بہن زینبؑ عالیہ ہوتی تھیں۔ جب بھی خیمہ میں تشریف لاتے، ثانی زہراؑ سے بات چیت ہوتی، آپؑ کو یہی ہدایات دیتے، اسرار و رموز سے انہی کو آگاہ فرماتے اور آہستہ آہستہ بتدریج آنے والے مراحل کیلئے انہیں تیار کرتے۔

کبھی یہ بھی ہوتا کہ اپنی خواہر عزیز کے ہمراہ اندر تشریف لے آتے، بچوں کو پیار کرتے، اُن کو حوصلہ دلاتے۔ لیکن ان بے چاروں نے تو پہلے کبھی جنگ دیکھی نہ تھی، لڑنے والوں کے شور اور ان کی تلواروں کی صداؤں سے خوف زدہ ہو جاتے۔ اس سبب کیفیت میں بہت بڑی بات یہ تھی کہ وہ سب تشنہ لب تھے، پھر تھوڑی تھوڑی دیر بعد کسی نہ کسی نئی مصیبت، تازہ غم اور کسی نہ کسی فرد کی شہادت کی خبر بھی اُن کے کانوں میں پڑ جاتی تھی۔ ان ہر اس اہل بچوں کو سکون دلانے کا فرض ثانی زہراؑ ہی کے ذمہ تھا اور یہیں سے اُن کا فرض اور شہادتِ امام حسین علیہ السلام کی اشاعت کا کام اُن کے لئے شروع ہو رہا تھا۔

سید الشہداء علیہ السلام کے یار و مددگار آہستہ آہستہ عروسِ شہادت سے ہمکنار ہوتے رہے اور آخر کار امامؑ تنہا رہ گئے۔ اُس وقت امامؑ نے بطور اتمامِ حجت ”هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يُنْصِرُنَا“ کی آواز بلند فرمائی۔ سیدہ زینبؑ کا دل اس آواز نے مجروح کر

دیا۔ اس موقع پر اُس سید الشہداء علیہ السلام کے ہدف کی ذمہ داری نہ ہوتی تو آپ کی روح قوی اور قوتِ قلب جواب دے جاتے کیونکہ اس صدائے امام پر آپ کی روح یقیناً نفسِ عنصری سے پرواز کر جاتی۔

اپنے امام وارث سے ملاقات

امام حسین علیہ السلام اب تنہا رہ گئے۔ خیمہ میں تشریف لائے۔ اُس وقت اتفاق سے ثانی زہر اسید الساجدین علیہ السلام کے خیمہ میں تھیں۔ امام وہیں تشریف لے گئے۔ سید سجادِ غش کی حالت میں تھے اور بخار میں جل رہے تھے۔ سید الشہداء اور سیدہ زینب اُن کے پاس بیٹھ گئے، اُن کے چہرہ دوسر کو سہلایا تو انہوں نے آنکھ کھولی۔ پوچھا کہ اُس قوم کے ساتھ آپ کا معاملہ کہاں تک پہنچا ہے۔ اس سوال سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ سید سجاد صبح سے اب تک کے حالات سے بے خبر ہیں۔ امام نے فرمایا:

”اِسْتَحُوْذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسَهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ“۔ (مجادلہ: 19)

”شیطان ان پر غالب آچکا، انہیں یادِ خدا سے غافل کر دیا اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو بھول چکے ہیں۔“

سید سجاد نے پوچھا شروع کیا:

”اَیْنَ عَمِّی عَبَّاس؟“

”میرے چچا عباس کہاں ہیں؟“

امام نے جواب دیا، ”قَدْ قُتِلَ“۔ ”شہید ہو گئے۔“

”میرے بھائی علی اکبر کیا ہوئے؟“

فرمایا ”شہید ہو گئے۔“

”میرے چچا زاد بھائی قاسم کیا ہوئے؟“

فرمایا ”وہ بھی درجہ شہادت پا گئے۔“

سید سجاد اسی طرح بالترتیب پوچھنے لگے۔ امام نے ایک ہی جواب میں تمام ماجرا بیان فرما دیا یعنی اس وقت خیامِ مبارکہ

اہلِ بیت میں میرے اور تمہارے سوا کوئی مرد باقی نہیں ہے (لہوف، ابنِ طاووس)۔

اس بات سے امام نے پوری حقیقت سید سجاد پر واضح فرمادی۔ سید الساجدین علیہ السلام یہ سن کر بے چین ہو گئے، اور

انہوں نے اپنی پھوپھی سیدہ زینب سے لباسِ جنگ طلب کیا کہ خود ناپاک دشمن سے جا کر مبارز طلب ہوں۔ لیکن بخار نے پھر

شدت کی اور بستر پر گر کر غش کر گئے۔ سید الشہداء علیہ السلام اٹھ کھڑے ہوئے اور باہر تشریف لے گئے۔

امام حسینؑ کی رخصتِ آخر اور سپردگیِ رموزِ امامت

خیمہ سید سجاد علیہ السلام سے نکل کر امام نے زینبؑ عالیہ سے وداع کرتے ہوئے فرمایا کہ اب پھر نہ مل سکیں گے۔ یہ ملاقاتِ آخری ہے۔ اس کے بعد روزِ حشر مادرِ گرامی و پدرِ بزرگوار کے سامنے ملاقات ہوگی۔ زینبؑ عالیہ کس طرح اس رخصت کو برداشت کر پائیں کہ وہ خود بھی سنگینی حالات میں شامل تھیں۔ تاہم امام مظلوم نے ضروری باتیں اپنی شریکِ کار بہن سے کیں، امام کی شہادت کے بعد پیش آنے والے مراحل کے بارے میں وصیت فرمائی، رموزِ امامت ثانی زہرا کے سپرد فرمائے تاکہ مناسب و صحیح موقع پر آپ کے بعد امام اور آپ کے جانشین کے سپرد کر دیں۔ اسی طرح بچوں، ان کی حفاظت اور کاروانِ اسیران کی سرپرستی سے متعلق زینبؑ کبریٰ کو نصائح گوش گزار فرمائیں اور ان پر عمل کرنے کا عہد لیا۔

اس ملاقات کے اختتام پر امام نے اپنا دست مبارک ثانی زہرا کے دل پر رکھا (ایک روایت کے مطابق یہ سب کام آپ نے شبِ عاشورا انجام دیا) اور گویا صبر و تحمل و حلم کی ایک دنیا قلب خواہر میں بھردی۔ ثانی زہرا کو سکون ہوا، آپ نے اپنی آنکھوں سے آنسو صاف کئے اور امام حسین علیہ السلام سے عرض کیا: (چہرہ خونین حسین علیہ السلام) ”حسین! بہن کی جان! آگے بڑھو، تمہیں خدا کے سپرد کرتی ہوں۔ میں اللہ کی راہ میں اُس کی رضا پر صبر کروں گی“۔ 1۔

1۔ آگے چلنے سے پیشتر ایک سوانح نگار کی حیثیت سے ہم کچھ عرض کرنا چاہیں گے تاکہ ہمارے قارئین سوانح نگار کی مشکلات اور مجبوریوں کا کسی قدر اندازہ لگا سکیں۔ ہم ثانی زہرا کی سوانحِ حیات کو سپردِ قلم کرتے ہوئے اب اس مرحلہ پر پہنچ چکے ہیں جہاں ہمارے موقعہ کی مشکلات آگے بڑھنے کے معاملہ میں زنجیر پائی ہوئی ہیں۔ خود اپنے شکستہ الفاظ کو رابطہ کی صورت میں مجتمع کرنے کی بجائے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہم جناب سید ریاض علی ریاض صاحب مرحوم کے الفاظ پیش کریں جو ہماری صحیح ترجمانی کرتے ہیں اور جن کا اظہار انہوں نے اپنی معرکتہ الاراکتاب ”شہیدِ اعظم“ کے مقدمہ میں کیا ہے۔ سید ریاض علی ریاض صاحب لکھتے ہیں:

”ہماری دانست میں جو کچھ لکھا جانے والا ہے وہ اس سے بہت کم ہے جو لکھا جانا چاہئے تھا۔ وہ حیثیت جو اس وقت سوانحِ عمری کی ہونی چاہئے ایک تیرہ صدی قبل گزرے ہوئے بزرگ کے متعلق مرتب ہونی دشوار ہے۔ آسان ہوتا اگر ان مشاہیر کے اندازِ رفتار، گفتار، شغل، پسندیدگی، معاملات وغیرہ وغیرہ کی حکایتیں پوری حیثیت اور آسانی سے دستیاب ہوتیں اور اگر کوئی واقعہ ہوتا تو اس کے اسبابِ محنت اور سمجھ داری سے مرتب کئے ہوئے ملتے جس سے ہر شخص کو نتیجہ نکالنا سہل ہوتا۔ وائے بہر حال اس بزرگ کے جس کی سوانحِ عمری لکھنے کا وعدہ کیا گیا ہے۔

(جاری)

اس کے بعد امام عازم میدان ہوئے۔ ایک گھنٹہ نہ گزرا تھا کہ عمر ابن سعد کے لشکر سے صدائے جشن و شادمانی بلند ہوئی۔ یہی وہ موقع تھا جب زینبؓ عالیہ نے اپنے بھائی کو دشمن کی تلواروں کے نرغہ میں پایا اور امام نے بہن کو خیمہ میں واپس جانے کا حکم دیا۔ آپؓ خیمہ میں آگئیں۔ تھوری دیر بعد اُسی صدائے شادمانی نے پھر شہزادی کو متوجہ کیا۔ پردہ در کو اٹھایا اور دو جاں سوز کیفیات کو مشاہدہ کیا:

(باقی حاشیہ صفحہ سابعہ) ”اُس کی دشواریاں سمجھنا مشکل نہیں ہے۔ ایک بات ہو تو کہی جائے۔ وہ شخص جس سے اور جس کے خاندان سے ملکی، مذہبی، معاشرتی مخالفت اور مغایرت پیدا کرنے کے لئے کُل کوششیں صرف کی گئیں اُس کی پوری حالت لکھنے کا تو وہی دعویٰ کرے جس نے مخالف گروہ کے وہ خفیہ احکامات دیکھے ہوں جو عاملوں کو دیئے گئے اور جنہیں زرپاشی سے غیروں کو اپنا فدائی بنالینے کا طریقہ معلوم تھا اور جو ان کُل ممکن وسائل کو جو ان کی غرض پوری کرنے کے لئے بکا رآمد ہو سکیں، صرف کرتے تھے۔ بہت سی دست و پازیں جو مکمل حیثیت سے واقعہ کے سمجھنے میں معین ہوتیں ایک آدھ فقرے سے زیادہ نہیں ہیں..... اس کے ملزم ہم نہیں ہیں کہ کیوں ہماری تاریخ پوری نہیں ہے۔ حکومت ہماری تاریخ پر قابض تھی۔ اس سے ظاہر ہو گا کہ ہم اکثر مقامات پر لنگڑے لوٹھے واقعات کو مسلمہ واقعات سمجھ کر آگے بڑھنے پر مجبور ہوں گے۔

”وہ واقعات جو حسینؑ کو سمجھنے میں مدد دیتے انہیں جہاں متذکرہ صدر دشواریوں کا سامنا ہے وہاں متعصب مؤرخین کی نا انصافی اور غلط اندازی سے کم مقابلہ نہیں ہے یا اسی طرح کی اور بغض، حسد اور ذلیل نمائش تحقیق میں ڈبوئی ہوئی کوششیں جن سے اثر زائل کرنے کی آمادگی ظاہر کی گئی۔“ (شہید اعظم، جلد اول، ص ۳۷، ۳۸)

اپنی ان دشواریوں کے احساس کے تحت ہم ایک بار پھر علامہ غدیری صاحب کی کتاب ”زینبؓ، زینبؓ ہے“ کا سہارا لیتے ہیں تاکہ کربلا کے عظیم بھائی اور بہن کی رخصتہ آخر کے واقعات کو ایک جید دانائے رموز کی سند حاصل ہو جائے اور ہمارے موقع کی دشواری بھی سمجھ میں آسکے۔ علامہ موصوف لکھتے ہیں:

”جب نواسہ رسولؐ نے دیکھا کہ اب کوئی ناصر و مددگار باقی نہیں رہا اور سب قریبی و ساقی شہید ہو گئے تو خود میدان کی طرف جانے کا عزم کیا اور اپنے اہل و عیال سے آخری وداع کے لئے رسولؐ زادیوں کے خیموں میں آئے۔ سب سے پہلے اپنی شریک مقصد بہن زینبؓ اور بیمار کربلا زین العابدینؑ کے پاس آئے..... امامؑ نے محدرات عصمت کو صبر کی تلقین کی اور فرمایا کہ آنے والی مصیبتوں کیلئے اپنے حوصلے بلند رکھو اور جان لو کہ ذاتِ کردگار تمہاری محافظ و ضامن ہے، وہی تمہیں دشمنوں کے شر سے بچائے گا۔

”آخری وداع کرتے ہوئے امامؑ نے فرمایا:

”اے سیکنہ، اے فاطمہؑ، اے زینبؓ، اے ام کلثومؑ! تم سب پر میرا آخری سلام ہو۔ اس دنیا میں یہ ہماری آخری (جاری)

1- حسینؑ مظلوم کا سر نوک نیزہ پر دیکھا اور،

2- دشمن کا ہجوم خیمہ گاہ پر حملہ آور تھا۔

یہاں سے سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے جہادِ اصلی کا آغاز ہوا۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

ملاقات ہے اور اب جنت میں ملیں گے.....

”اس کے بعد امامؑ نے مستورات کو حکم دیا کہ اپنی چادریں مضبوطی سے اوڑھ لیں اور اپنے چہروں کو اچھی طرح ڈھانپ لیں۔ سیدہ زینبؑ نے اس خصوصی و تاکید کی حکم کا راز پوچھا تو امامؑ نے فرمایا: ”میں دیکھ رہا ہوں کہ عنقریب تمہیں قیدی بنا کر لے جایا جائیگا اور یہ اشیاءِ رسیوں میں جکڑ کر تمہیں اس طرح کھینچیں گے کہ تم جس کا تصور بھی نہیں کر سکتیں اور یہ لوگ تمہیں سخت سے سخت تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑیں گے۔“

”سیدہ زینبؑ نے امامؑ وقت کی زبان سے یہ ہولناک خبر سنی تو بے ساختہ گریہ کننا ہو گئیں اور آپؑ بھرتے ہوئے کہا: ”ہائے ہماری مصیبت! ہائے ہماری قسمت!.....“

”امام حسینؑ نے صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: ”اے علیؑ کی شیر دل بیٹی! مصیبت کی اس گھڑی میں صبر و تحمل اختیار کرو کیونکہ تمہارے امتحان کی منزل میں اب شروع ہونے والی ہیں۔“

”امامؑ اپنی دکھیا بہن کو تسلیاں دے کر خیمہ سے باہر آنے لگے تو غزوہ بہن نے مظلوم بھائی کا دامن تھام لیا اور کہنے لگیں: ”بھائی! ذرا ٹھہر جائیے تاکہ میں جی بھر کر آپؑ کو دیکھ لوں۔ بھائی! میں کس طرح آپؑ کو رخصت کروں جبکہ اس دنیا میں پھر تمہیں نہ دیکھ پاؤں گی!.....“

”امامؑ نے سب بیبیوں کو تسلیاں دیں اور صبر کی تاکید کرتے ہوئے انہیں اپنے اپنے خیموں میں چلے جانے کا حکم دیا۔ ”جب سب بیبیاں اپنے اپنے خیموں میں چلی گئیں تو امامؑ نے زینبؑ کبریٰ کو خاص طور پر دوبارہ بلایا اور انہیں صبر و تحمل کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

”غم و الم میں صبر و استقامت سے کام لینا بارگاہِ الہی میں باعثِ عزت ہے اور خدا نے صابرین کیلئے عظیم اجر مقرر فرمایا ہے اور صبر کرنے والے نیک سیرت لوگ ہی خدا کی عنایات کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ خدا نے صبر کرنے والوں کو اپنا مقرب قرار دیا ہے۔“

”امامؑ کی تاکید و تلقین صبر سے سیدہ زینبؑ کے دل کو تسکین ملی اور آپؑ کے چہرہ پر تقربِ الہی کے حصول کی اُمید چمک اٹھی جس سے کرب و غم کے آثار فرح و سرور میں بدل گئے۔ چنانچہ سیدہ زینبؑ نے امامؑ سے کہا:

(جاری)

۴۔ شبِ یازدہم یعنی شامِ عاشور کے بعد

سید الشہداء علیہ السلام کے شہید ہوتے ہی ثانی زہرا کا جہاد شروع ہوتا ہے جہاں ایک بہت بڑے جہاد کی ابتداء ہوتی ہے اور یہ جہاد تھا خونِ ناحق کی اشاعت اور پیغام کا۔ ثانی زہرا کے ذمہ اب یہ فرض تھا کہ واقعہ کربلا کو گوشِ تاریخ تک پہنچائیں اور مستقلاً اس واقعہ کو اوراقِ تاریخ پر ثبت کریں۔ اس میں شک نہیں کہ دشمن نے اس واقعہ کی تفصیلات رقم کرنے اور اسے حوالہ تاریخ کرنے کیسے اپنے وقائع نگار ملازم رکھے ہوئے تھے لیکن اُن کی یہ کارکردگی بے کار ثابت ہوئی کیونکہ زینبؓ عالیہ نے اُن (ہاتی حاشیہ صفحہ سابقہ)

”اے میرے ماں جائے! اب میرا دل مطمئن ہو گیا ہے اور میری آنکھوں میں ٹھنڈک آگئی ہے۔ پانشاء اللہ مجھے اپنی توقعات کے مطابق پائیں گے۔“

”امامؑ نے جب میدان کی طرف روانہ ہونا چاہا تو دائیں طرف بھی دیکھا اور بائیں طرف بھی دیکھا مگر کوئی ساتھی نظر نہ آیا۔ امامؑ نے درد بھری آواز کے ساتھ پکار کر کہا: ”کوئی ہے جو مجھے گھوڑے پر سوار کرائے!“

”سیدہ زینبؓ نے امامؑ کی مظلومانہ صدا سنی تو خیمہ سے باہر آئیں اور آگے بڑھ کر گھوڑے کی باگیں تھام لیں اور بھائی کو سوار کرایا۔ سوار کراتے وقت زینبؓ عالیہ نے امامؑ سے مخاطب ہو کر کہا:

”آپ اس عالم غربت میں کس کو پکار رہے تھے، کون ہے جو آپ کی نصرت کو آئے؟ آپ کی مظلومانہ صدا نے میرے دل کو چیر ڈالا ہے۔“ (ص ۱۸۹ تا ۱۹۲)

اسی منظر کی تصویر کشی میر انیس مرحوم نے اس طرح کی ہے:

حسینؑ جبکہ چلے بعد دوپہر زن کو کوئی نہ تھا کہ جو تھامے رکاب تو سن کو
سکینہؓ جھڑ رہی تھی عبا کے دامن کو حسینؑ چپکے کھڑے تھے جھکائے گردن کو
نہ آسرا تھا کوئی شاہ کربلائی کو
فقط بہن نے کیا تھا سوار بھائی کو

اس کے بعد زینبؓ امامؑ کے وقت علامہ غدیری مدظلہٗ العالیٰ خیمہ تحریر فرماتے ہیں، مخدرات کی بے قراری کا ذکر کرتے ہوئے

لکھتے ہیں:

”سیدہ زینبؓ کہنے لگیں: بھائی! مجھے ماں کی وصیت یاد آگئی ہے جو انہوں نے آپ کے بارے میں کی تھی۔“ (جاری)

کے تحریر کردہ واقعات اور نقوش کو حرف غلط کی طرح مٹا کر رکھ دیا۔ 1۔

زینبؓ عالیہ نے نوحہ و مرثیہ، اپنے خطابات و مکالمات کے ذریعہ روزمرہ کے حادثات کے بیان اور واقعات کی ایسی تشریح پیش کی کہ دنیا سمجھ گئی کہ کربلا میں کیا ہوا اور دشمنانِ اہل بیتؑ نے اپنے آپ کو کس قدر پستی و ذالت کے گہرے کنویں میں ڈبو دیا ہے! علیٰ ہذا القیاس دنیا نے جان لیا کہ یہ حسینؑ جس کے ساتھ یہ تمام مظالم روار کھے گئے، کون ہے، کس خاندان سے ہے،

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

”ماں کا نام سن کر امامؑ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور روتے ہوئے فرمایا:

”مادرِ گرامی نے میرے بارے میں آپ کو کیا وصیت کی تھی؟“

”حضرت زینبؓ نے فرمایا: ’مادرِ گرامی نے مجھے تاکید فرمائی تھی کہ میں آپ کی گردن کا بوسہ لوں کیونکہ یہ وہ جگہ ہے جس کے بوسے سے نانا رسولؐ خدا لیتے تھے۔“

”امام حسینؑ آگے بڑھ کر جھک گئے۔ زینبؓ عالیہ نے بھائی کے گلے کے بوسے لینے شروع کر دیے۔ پھر دونوں بہن بھائی آپس میں گلے مل کر زار و قطار روئے۔ بالآخر امامؑ نے اپنی غمزدہ بہن کو تسلیاں دیں اور خیمہ میں چلے جانے کی تاکید کی۔ زینبؓ خیمہ میں چلی گئیں اور امامؑ میدان کی طرف روانہ ہو گئے۔ (ناخ التوارخ، حیاۃ السیدہ زینبؓ، ص ۱۶۱۔ ”زینبؓ، زینبؓ ہے“، ص ۱۹۴)

حاشیہ صفحہ ہذا۔

دشمن دیکھ رہا ہے کہ یہ گھرانہ عجیب گھرانہ ہے۔ ”مصائب اور صدمات کے پہاڑ جن عورتوں کے سر پر چند گھنٹوں کے اندر ٹوٹ پڑے، جن کی بے کسی اور بے بسی دشمن کا کلیجہ توڑ دے رہی ہے، ان کے چہروں پر خوف و ہراس، بدحواسی اور ناامیدی کا پرتو بھی تو نہیں ہے۔ وہ نڈر ہو کر مقابلہ کر رہی ہیں بد باطن دشمن سے، اور ایک شیر صفت بوڑھی خاتون، جس کا چہرہ نور باطنی سے چاند کی طرح چمک رہا ہے، چاروں طرف پھر رہی ہے، اپنے قافلہ کی ہمت بندھاتی اور حفاظت کرتی، کبھی وہ زخمی بھتیجی کو کلیجہ سے لگاتی ہے اور کبھی اُس شفی اُزلی کو ڈانٹتی ہے جس نے حسینؑ کی نہی معصوم بچی پر یہ ظلم ڈھایا ہے..... کبھی بیمار بھتیجے کے خیمہ میں جا کر اُسے ہوشیار کرتی ہیں: ’بیٹا حسینؑ شہید ہو گئے۔ اب تم امامؑ وقت ہو۔ ہوشیار ہو اور اپنی ذمہ داریاں سنبھالو۔ دیکھو دشمنوں نے خیموں میں آگ لگا دی۔ اب ہمیں کیا حکم ہے، جلتے خیموں میں مرجائیں یا ان خیموں سے باہر چلے جائیں!‘

”..... حسینؑ کا جہاد ختم ہو چکا۔ وہ مقتول فاتح خاک و خون میں ملبوس صحرائے کربلا میں سو رہا ہے، اپنی فوج کے ساتھ۔ زینبؓ کا جہاد شروع ہو گیا جو اپنی انتہی فوج کی حفاظت کر رہی ہیں۔ حق و باطل کی جنگ حسینؑ نے شروع کی اور اُس کی تکمیل زینبؓ کر رہی ہیں مگر اُس فوج میں حسینؑ جیسا قائد تھا..... اور اس فوج میں دل شکستہ بیوگان ہیں، بد نصیب نوجوان لڑکیاں ہیں، یتیم ننھی بچیاں ہیں، (جاری)

اس کی عظمت کا مقام کس قدر بلند ہے اور دشمن نے کس قدر ضلالت اور بُری سیرت کا مظاہرہ کیا ہے! لوگوں نے جان لیا کہ امام حسین علیہ السلام کس اصول کی حفاظت کیلئے کر بلا آئے تھے، انہیں اہل عراق نے کس لئے بلایا تھا اور سید الشہداء علیہ السلام کو دعوت دے کر انہوں نے آپ کی مہمان نوازی میں اپنی رذالت کو ظاہر کیا تھا؟

دُشمن کی کینہ پرور پست فطرت

سفلہ صفت دشمن نے امام حسین علیہ السلام کے خلاف اپنی شخصی دشمنی کی تمام حدود ختم کر دیں۔ اگر نواسہ رسول خدا کے قتل کی وجہ یزید کی بیعت سے انکار تھا تو دشمن نے قتلِ حسینؑ سے اپنے اس مقصد و ہدف کو حاصل کر لیا تھا۔ خواتین سے یزید کی بیعت لینا کوئی معنی نہ رکھتا تھا، نہ ہی یہ کوئی بنائے محاصرت تھی۔ بچوں سے اس قسم کے مطالبہ کا تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ان حالات میں خواتین اور ننھے ننھے بچوں کو ظلم و جور کا تختہ مشق بنانے کی کیا تو جیہہ ہو سکتی ہے!

ظالم دشمن نے تین دن تک خاندانِ علیؑ پر پانی بند رکھا¹۔ شاید کسی جنگی حربہ کے طور پر اس بات کی کوئی تو جیہہ نکل سکتی ہو، وہ بھی شاید اس لئے کہ مقابل فوج کی جنگجو سپاہ کو اس طرح کمزور کرنا مقصود ہو، اس طرح ممکن ہے کہ خواتین اور بچوں کو بھی اس اذیت سے گزارنا صحیح جانا جائے۔ پھر بھی خیام کو آگ لگا دینے کا کیا جواز ہو سکتا ہے؟ شہیدانِ راہِ خدا کے جسموں پر گھوڑے دوڑا دینے کا کیا بہانہ ہوگا؟ حقیقت یہی ہے کہ روزِ عاشور عصر کے وقت خیام حسینی کو نذر آتش کیا گیا، خواتین اور کم سن بچوں کو خوفزدہ و

(باقی صفحہ سابقہ) بھوکے پیاسے شیر خوار بچے ہیں اور ہاں ایک بیمار اور کمزور نوجوان مرد ہے۔ مگر کیا جگر تھا اس فوج کی رہنما کا، کس بلا کی قوت برداشت اور خود اعتمادی، قوتِ ایمانی اور شجاعت و بے خوفی تھی اس قائد میں کہ ایک لمحہ کے لئے اُس کے استقلال میں لغزش نہیں آئی۔ اُس کا لائحہ عمل اُس کے ذہن میں بالکل صاف تھا۔ میدانِ جنگ کا نقشہ دماغ میں پہلے ہی مرتب ہو چکا تھا۔ دشمنوں کو مغلوب کرنے کے گروہ جانتی تھیں اور اپنی فتح پر یقین کامل رکھتی تھیں۔ (خاتونِ کربلا: صالحہ عابد حسین، ص ۱۶، ۱۷، مطبوعہ امامیہ مشن، لاہور)

(حاشیہ صفحہ ۱۷۱): تاریخ بتلاتی ہے کہ بندشِ آب کا عمل یقیناً یزید کو اپنے پدر بزرگوار سے وراثت میں ملا تھا کیونکہ میدانِ صفین میں فوجِ امیر المؤمنین علیہ السلام سے پہلے پہنچ کر انہوں نے سب سے پہلے یہی کام کیا تھا کہ آپ کی فوج کو دریا کے استعمال سے روک کر کمزور کرنے کی کوشش کی تھی۔ ادھر کردارِ امیر المؤمنین علیہ السلام یہ تھا کہ بزدلِ شیر دریا کا قبضہ چھین لینے کے بعد آپ نے حکم دیا کہ دشمن کی فوج پر ہرگز یہ پابندی نہیں ہوگی۔ جہاں تک باقی مظالم کا تعلق ہے اگر انہیں یہ موقع مل جاتا تو یقیناً کسی طرح یزید سے وہ پیچھے نہ رہتے۔ یہیں سے بنی امیہ دینی ہاشم کے کردار کا واضح فرق اور اقی تاریخ پیش کرتے ہیں، جہاں ایک طرف ہر قسم کا ظلم متوقع ہے اور دوسری طرف شرافت ہی شرافت ہے، (مترجم)۔

مضطرب کیا گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ کئی بچے بیابان میں گم ہو گئے۔ اُن میں جو باقی بچے، وہ بھی دشمن کے جور و ظلم سے محفوظ نہ تھے۔ اموالِ اہل بیت کو غارت کیا گیا، بچوں کے کانوں اور ہاتھ پاؤں سے زیورات چھین لئے گئے، ایک معصوم بچی کے کان زخمی کئے گئے، ایک اور بچی کو کوڑے مارے گئے، وغیرہ وغیرہ۔

بچوں نے ثانی زہرا کے دامنِ عاطفت میں پناہ لینا چاہی لیکن وہ تو خود ہی دشمن کے ظلم کا نشانہ تھیں۔ تفصیلِ ظلم و جور سے بیان ہو اور تنہا زینبؓ عالیہ آخر کیا کرتیں، تاہم بچوں کو حوصلہ دلاتی ہیں کہ میرے بچو! مت ڈرو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔ کیا کیا ذمہ داریاں اس مخدومہ عالیہ کے ذمہ ہیں! سید سجاد علیہ السلام کی حفاظت جن کے نیچے سے بسترِ بیماری کھینچ کر انہیں زمین پر ڈال دیا گیا، آتش زدہ خيام کا جمع کرنا کہ شب کو اُن میں پناہ ممکن ہو، گم شدہ بچوں کی تلاش، اُن کا شمار اور حفاظت — یہ سب فرائض اور تنہا ثانی زہرا!

شبِ تنہائی

محرم کی گیارہویں شب آن پہنچی۔ یہ بہت بڑی المناک اور طویل رات تھی 1۔ شدتِ مصائب کی انتہا نہ تھی۔ بچے

1۔ شبِ یازدہم کے حالات اور اس شب میں ثانی زہرا کی مصروفیات و ذمہ داریاں بیان کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اس رات کے حالاتِ اہل بیت رسولؐ کے بارے میں کچھ تاریخی شواہد مختصر اُپیش کر دیں تاکہ ان واقعات کی نوعیت و اثرات کا قاری کو اندازہ ہو سکے۔ جنابِ ثانی زہرا کی سب سے پہلے ذمہ داری سید الساجدین علیہ السلام کو ظالموں کی دست برد سے بچانا تھا۔ جسٹس امیر علی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

"The grand-daughter of Mohammad, Zainab the sister of Husain, shielded her youthful nephew from the Ommeyyades after the butchery of Karbala. Her indomitable spirit awed equally the ferocious Obaidullah ibn Ziyad and the pitiless Yazid". (Spirit of Islam, p.250).

”کربلا کے بہیمانہ قتلِ عام کے بعد حضرت محمد مصطفیٰؐ کی نواسی زینبؓ، خواہرِ حسینؑ نے اپنے نوجوان بھتیجے کو بنی امیہ سے بچایا۔ ان کے غیر متزلزل جذبہ کے مقابلہ میں سفاک عبید اللہ ابنِ زیاد اور بے رحم یزید دونوں یکساں خوفزدہ تھے۔“
یہی مؤرخ آگے چل کر لکھتے ہیں:

"No event in history surpasses in pathos the scenes enacted on this spot. (Karbala). Husain's apprehensions of betrayal proved to be only too true. He was overtaken by an Ommeyade army under the brutal and ferocious (جاری)

خوف واضطراب سے سوتے نہ تھے۔ بچے اور بیبیاں اپنے شہداء کی یاد تازہ اور دشمن کے وحشی پن کے پیش نظر دردناک ترین اذیت میں وقت گزار رہی تھیں۔ ان حالات میں زینبؓ کبریٰ پلک بھی نہ جھپکنے پائیں۔ کربلا کے پس ماندگان کی سرپرستی اور خیم کی حفاظت میں مصروف رہیں۔ بچوں اور خواتین کو دیکھ رہی ہیں کہ کسی طرح انہیں آرام نصیب نہیں، گویا موت کا سنگین ہاتھ اُن کی گردن پر ہو۔ بعض بچے خیمہ میں سونے سے خوفزدہ ہیں مبادا کہ دشمن پھر حملہ کر دے۔ غرضیکہ ایک بے سروسامانی اور آشفتگی کا عالم تھا۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

Obaidullah-ibn-Ziyad. For days their tents wer surrounded; and as the cowardly hounds dared not come within the sword of Ali's son, they cut the victims off the waters of the Tigris. In a conference with the Chief of the enemy, Husain proposed the option of three honourable conditions: that he should be allowed to return to Madina, or be stationed in a frontier garrison against the Turks, or safely conducted to the presence of Yazid."

ان متبادل تجاویز کے سلسلہ میں یہی مؤرخ مندرجہ ذیل نوٹ دیتے ہیں:

"The author of 'Rauzat-us-Safa', after stating the above, adds that an attendant of Husain, who by chance, escaped the butchery of Karbala, denied that his master, so far as he was aware, ever made any such proposal to the Ommeyyade leader. It is possible, however, that such denial was made in order to show that Husain did not lower himself by proposing terms to the enemy. To my mind, however, it detracts in no way from the grandeur of Husain's character that he proposed terms to the Ommeyyades".

ترجمہ: ”مندرجہ بالا واقعات رقم کرنے کے بعد روضۃ الصفا کا مصنف لکھتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کا ایک خادم جو اتفاق سے کربلا کے قتل عام سے زندہ بچ گیا تھا، اس بات کا قطعی انکار کرتا ہے کہ، جہاں تک اُسے علم ہے، اس کے آقا نے بنی امیہ کے سالار لشکر کے سامنے کوئی ایسی شرائط پیش نہیں کی تھیں، بلکہ زیادہ امکان یہی ہے کہ اس انکار سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ امام حسین دشمن سے شرائط طے کر کے اپنے وقار کو ٹھیس پہنچانا نہ چاہتے تھے۔ بہر حال میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ بنی امیہ سے شرائط طے کرنے میں امام حسین علیہ السلام کے وقار و حمیت کو کسی طرح کا کوئی خدشہ نہیں۔“

(چوری) "But the commands of the Ommeyyade tyrant were stern and

عرصہ کے بعد انہیں کسی قدر پانی و غذا پہنچائی گئی لیکن اسے کھانے کیلئے بھی تو حوصلہ و سکون کی ضرورت تھی۔ چند بچوں کے سوا کسی نے کچھ نہ کھایا اگرچہ سب بھوکے تھے۔ اُن کے خیام تاریک اور چراغ ہائے امید بجھ چکے تھے اور مزید مصائب کا خوف اور توقع مارے ڈالتی تھی۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

inexorable ___ that no mercy should be shown to Husain or his party, and that they must be brought as criminals before the 'Caliph' to be dealt with according to the Ommeyyade sense of justice.....They cut off his head, trampled on his body, and subjected it to every ignominy in the old spirit of Hind..... 'In a distant age and climate', says Gibbon, 'the tragic scene of the death of Husain will, shaken the sympathy of the coldest reader.'.....

"Thus fell one of the noblest spirits of the age, and with him perished all the male members of the family, ___ old and young, ___ with the solitary exception of a sickly child, whom Husain's sister Zainab saved from the general massacre. He too, bore the name of Ali; and in after life received the noble designation of Zain-ul-Abidin. (Spirit of Islam, p.301/302).

ترجمہ از حاشیہ ”ص ۲۷ روضۃ الصفا“ کے نوٹ کے ترجمہ کے علاوہ:

”تاریخ کا کوئی واقعہ سوز و گداز اور رقت انگیزی میں اس سانحہ کی برابری نہیں کر سکتا جو اس مقام (کربلا) پر واقع ہوا۔ امام حسین کے (کوفیوں کی) غداری کے بارے میں تمام تصورات بہت زیادہ درست ثابت ہوئے۔ عبید اللہ ابن زیاد کے بہیمانہ و سفاکانہ احکام کے تحت ایک اموی فوج نے انہیں راستہ ہی میں آلیا۔ کئی روز تک ان کے خیام کا محاصرہ جاری رہا اور چونکہ وہ بزدل و ذلیل محاصرہ کرنے والے علیؑ کے فرزند کی تلوار کے دائرہ اثر میں آنے کی جرأت نہیں رکھتے تھے اس لئے انہوں نے ان حضرات کو دریائے دجلہ (فرات) کے پانی کے استعمال سے روک دیا۔ سالار فوج یزید سے ایک ملاقات کے دوران امام حسینؑ نے تین باعزت و باوقار شرائط پیش کیں:

- 1- انہیں مدینہ واپس جانے دیا جائے؛
- 2- ترکوں کے خلاف فوج میں کسی مناسب مقام پر بھیج دیا جائے؛
- 3- حفاظت کے ساتھ یزید کے پاس پہنچا دیا جائے۔

(ان شرائط کے بارے میں ہم اسی حوالہ کے نیچے روضۃ الصفا کا حوالہ تحریر کر چکے ہیں، مترجم)۔

لیکن بنی امیہ کے سفاک حاکم کے احکام بہت سخت اور بے رحمانہ تھے ___ یعنی حسینؑ اور ان کے رفقاء پر کسی طرح رحم نہ کیا جائے اور انہیں مجرموں کی طرح خلیفہ کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ بنی امیہ کے معیار انصاف کے مطابق ان کے ساتھ سلوک کیا (جاری)

سیدہ زینب عالیہؓ نے وہ رات شدتِ مصائب و صدمات کی حالت میں افتاں و خیراں کسی طرح بسر کی۔ کبھی ادھر ادھر پھرنے لگتیں، کبھی بیٹھ جاتیں اور کبھی نماز میں مصروف ہو جاتیں۔ آپؐ کا اہم ترین فرض سید الشہداء علیہ السلام کے پس ماندگان کے گرد پہرہ دینا، ان کی سرپرستی اور اس کے ساتھ ہی سید الساجدین علیہ السلام کی سرپرستی آپؐ ہی کے ذمہ تھی۔ کیا اس بات میں کوئی شک و شبہ ممکن ہے کہ آپؐ غم ہائے جاں سوز و جاں گسل اٹھائے ہوئے، خستہ حال و پریشان ہیں لیکن ایک احساسِ فرض (باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

جائے..... پس انہوں نے امام حسینؑ کو شہید کر کے جسم سے سر جدا کر دیا، ان کے جسدِ اطہر کو پامال سم اسپاں کیا اور ان کے ساتھ (جگر خوارہ) ہند کے کردار کے مطابق ہر طرح کا شرمناک رسوائی کا طرزِ عمل روا رکھا گیا۔ ’مگن‘ لکھتا ہے کہ اس دور دراز زمانہ اور ماحول میں حسینؑ کی شہادت کا المیہ سنگدل ترین قاری کے دل میں بھی رقت پیدا کئے بغیر نہ رہے گا۔

”اس طرح زمانہ کی شریف ترین ہستیوں میں سے ایک کا چراغِ حیات گل ہوا اور انہی کے ساتھ اُس خاندان کے تمام مرد بوزھے و جوان، صرف ایک نوجوان کے علاوہ، جنہیں حسینؑ کی بہن زینبؓ نے قتلِ عام سے محفوظ کیا، لقمہ اجل ہو گئے۔ اس نوجوان کا نام بھی علیؑ تھا جن کو حیاتِ مابعد میں ’زین العابدینؑ‘ کے مقدس لقب سے یاد کیا گیا۔

مناسب ہوگا اگر ہم چند جملے اسی مؤرخ کی تحریر سے پیش کریں جن سے عالمِ اسلام میں ان مظالم کے اثرات کا کچھ اندازہ ممکن ہو:

"The terrible cruelties inflicted by the Ommeyyades on the children of Fatima, the sublime patience with which they had borne their sufferings and their wrongs, had given rise to a universal feeling of horror against the tyrants, and had invested the objects of persecution, in the eyes of their followers and disciples, with a superhuman halo...And the children of Fatima, saints who had submitted to the injustice of man and devoted themselves to intellectual pursuits and the practice of religion, _____ ruled more firmly over the hearts of their followers, and enjoyed the veneration of the people to a greater degree, than the Caliph in his palace, the master of legions"____ (Spirit of Islam - p.p.304-305).

”بنی فاطمہؑ پر بنی اُمیہ کے لرزادینے والے ہیمانہ مظالم اور اول الذکر حضرات نے جس بلند و بالا و ارفع معیارِ صبر کے ساتھ ان مظالم اور نا انصافیوں کو برداشت کیا، اس سے ظالمین کے خلاف ایک عالمی جذبہِ خوف و ہراس پیدا ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی (جاری)

ہے کہ مسلسل شہزادی کو مصروف رکھے ہوئے ہے۔ 1۔

(حاشیہ صفحہ 284): ہم یہاں جناب سید ریاض علی ریاض صاحب مرحوم سے ایک مختصر سا اقتباس پیش کرتے ہیں جو اُس وقت کی کیفیت کا آئینہ دار ہیں۔ اپنی کتاب شہید اعظم جلد 2 میں لکھتے ہیں:

”میرا خیال ہے کہ اہل بیتؑ پر سب سے سخت اور اندوہناک رات شہادت کی پہلی رات تھی۔ ایک رات قبل سب تھے، اب کوئی نہیں ہے۔ اسباب ضرورت تھا، اب اُس کا نام بھی نہیں ہے۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ اب کیا ہوگا۔ یہ معلوم ہے کہ ہم گرفتار ہیں اور شام تک جائیں گے۔ اور یہ پوچھنے والا کہاں تھا کہ کتنے دن سے کھانا یا پانی تمہارے لبوں تک نہیں پہنچا ہے۔ محال ہے کہ کوئی انسان اس سے زیادہ عالم اندوہ کا خیال کر سکے۔ کبھی کسی شریف خاندان پر اس سے زیادہ طویل رات نہیں گزری۔“

(باقی حاشیہ صفحہ 284)

ان مظالم کے تحت مشق حضرات کو ان کے پیروان اور ماننے والوں کی طرف سے ایک مافوق البشر حلقہ نورانی نظر آنے لگا..... جہاں تک بنی فاطمہؑ کا تعلق ہے، وہ ایسے حضرات بزرگ اور اولیاء اللہ تھے جنہوں نے انسانوں کے ہاتھوں ہر قسم کے مظالم کو برداشت کیا اور اپنے آپ کو علمی جستجو اور دینی خدمت کیلئے وقف رکھا۔ اس طرح انہوں نے بڑی خوبی اور کامیابی سے اپنے پیروان کے قلوب پر نہایت چنگل سے حکمرانی کی اور محلات میں مقیم خلیفہ کے برعکس جو افواج کا مالک تھا، بہت زیادہ عوام الناس کا احترام حاصل کیا۔

یہ ہیں اثرات شہادت امام حسینؑ جو آپ کو قیامت تک کے لئے فاتح اور آپ کے دشمنوں کو مفتوح قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد عانی زہراؑ کا جہاد جو اس خون ناحق کی نقیب ثابت ہوئیں، روزِ عاشور، جیسا کہ ہمارے مندرجہ بالا حوالہ جات سے ظاہر ہے، ظلم کی انتہا ہو گئی اور یہ ظلم ان لوگوں پر روا رکھا گیا جو باعثِ تخلیق کائنات، رسول کی اپنی اولاد تھے اور جنہوں نے عبادت پروردگار اور اپنے عظیم نانا کے عظیم دین کو بچانے کیلئے وہ کچھ کر دکھایا جس کے سلسلہ میں دنیا کے عقل مند و تعلیم یافتہ حضرات کی عقول حیران ہیں اور اُن کی عظمت کے قائل بھی۔ قارئین ذرا صنفِ نازک کی ذہنی اور جسمانی توانائیوں کو، جو فطرت کا ایک حصہ ہیں، اپنے سامنے رکھیں اور پھر دیکھیں کہ ہماری مخدومہ کا وجود بالخصوص اور کر بلا کی دیگر خواتین اپنی اپنی جگہ بالعموم ایک معجزہ کی کیفیت سے کم نہیں۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ روزِ عاشور کی لازوال رستخیز کی موجودگی میں ان مخدرات بالخصوص ثانی زہراؑ نے اس لشکر کی سردار کی حیثیت سے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، پھر بھی شہزادی شب یازدہم کو بھی اپنی نمازِ شب تک سے غافل نہیں ہوتیں۔ بہر حال ہم یہاں چند جملے جناب سید العلماء کے پیش کرتے ہیں:

”روزِ عاشور جب امام رخصت کے لئے تشریف لائے تو آپ نے جناب زینبؑ ہی سے وہ پیراہن لے کر پہنا جسے جباجا سے چاک کر لیا تاکہ دشمن لوٹنے کے وقت بوسیدہ ہونے کی وجہ سے شاید اس پیراہن کو نہ لیں اور آپ کی لاش برہنہ نہ ہو۔

”اس کے بعد زینبؑ کبریٰ کی آنکھوں کے سامنے وہ مناظر پیش آئے جن کا تصور بھی لرزہ بر اندام کرنے کیلئے کافی تھا۔ (جاری)

دیدار سید الشہداء علیہ السلام

اسناد صحیح و مشہور روایات (بحار الانوار، ج 3) کے مطابق گیارہ محرم کی صبح اہل بیت کی اسیری شروع ہوئی۔ شاید عداوت یا شاید ثانی زہرا کی خواہش سے اسیروں کو قتل گاہ شہداء سے گزارا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خواتین اور بچوں نے اپنے آپ کو اپنے اپنے شہیدوں کے بے سر لاشوں پر گر ادیا۔ ہر ایک اپنے شہید کو پہچان کر اُس کی لاش پر نوچہ گری میں مصروف ہو گیا۔ سیدہ زینبؓ علیہ بھی جناب سید الشہداء علیہ السلام کے پہلو میں بیٹھ گئیں اور اس طرح گویا ہوئیں:

”یا محمد اہ صلی علیک مَلِیکُ السَّماءِ و.....“ (مناقب، ج 4، ص 113)۔

ہم ان کلمات کا خلاصہ ذیل میں پیش کرتے ہیں:

”اے اللہ کے رسول! آسمان کے فرشتے آپ پر درود بھیجتے ہیں۔ یہ ہے آپ کا حسین جو خاک و خون میں غلطاں پڑا ہے، اس کے جسم کے اعضاء پارہ پارہ ہیں، اور آپ کی بیٹیاں اسیر ہو چکی ہیں.....“

”میں ان نابکار انسانوں کی شکایت اللہ تعالیٰ سے کرتی ہوں، میں ان کی شکایت محمد مصطفیٰ، علی مرتضیٰ، فاطمہ زہرا، حمزہ اور سید الشہداء علیہ السلام کے حضور پیش کرتی ہوں۔ اے اللہ کے رسول! یہ بے گور و کفن و عریاں جسم حسینؓ علیہ السلام ہے! ہائے افسوس! ہم پر کس قدر غم و الم کے پہاڑ نازل ہوئے، ایسا معلوم ہوتا ہے گویا آج میرے جد بزرگوار نے وفات پائی ہے، اولاد محمدؐ اسیر ہے، ہر حسینؓ علیہ السلام گردن سے کاٹا گیا ہے، نہ اُن کا عمامہ ہے، نہ لباس، نہ عبا، نہ ردا.....“۔

اسیران اہل بیت کی روانگی

ابھی ثانی زہرا اپنے نانار رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مصروف شکوہ تھیں اور سید الشہداء علیہ السلام کیلئے نوحہ کناں تھیں کہ سید سجاد کی حالت غیر ہونے لگی۔ زینبؓ عالیہ نے اپنے نوحہ و بکا کو ترک کیا، سید سجاد کی طرف متوجہ ہوئیں اور اسی عمل کو اپنا بزرگ ترین فرض قرار دیا۔ اس طرح باتیں کیں جن سے سید سجاد کو کسی قدر سکون و آرام میسر ہو۔

اس بات میں ہرگز کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ جو نبی وہ بے سراجا و اور اجسام پارہ پارہ نظر آئے تو ہر دیکھنے

(حاشیہ صفحہ سابقہ)

بھائی کی شہادت، خیموں کی لوٹ اور پھر آتش زدگی اور اس کے بعد اسیری۔ ان تمام مراحل کو جناب زینبؓ نے ضبط و صبر کے ساتھ طے کیا“ (شبہد انسانیت، ص ۵۵۹)۔

۵۔ اسیری اہل بیت رسولؐ

سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کے بعد آپؐ کے خاندان کو اسیر کر لیا گیا۔ یہ ایک ایسا امر تھا جسے اسلام میں نہایت ہی کمینہ و زشت شمار کیا جاتا ہے۔ خیال فرمائیں کہ اولاد رسولؐ اسلام، بانیان کتب حق و صداقت، مقام وحی کے پرورش یافتہ، دشمن کے اسیر قرار پائیں؟ بہر حال ایسا ہو کر رہا۔ ڈاکٹر آجی اس سلسلہ میں کہتے ہیں:

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

”زیئب کبریٰ کے دروہرے بین سن کر رسولؐ زادپوں کی چچیں نکل گئیں اور ہر طرف سے رونے کی آوازیں آنے لگیں۔ مخدرات عصمت کو زار و قطار روتا دیکھ کر سیدہ زینبؓ خاموش ہو گئیں اور اپنی صدائے غم کو دل ہی میں چھپالیا۔

”امام زین العابدینؑ نے اپنے پدر بزرگوار مظلوم کر بلا، سید الشہداء علیہ السلام اور دوسرے شہیدوں کی لاشوں کو بے گور و کفن صحرائے نینوا پر پڑا دیکھا تو اپنے اوپر قابو نہ پاسکے..... سیدہ زینبؓ کبریٰ زین العابدینؑ کو تسلیاں اور دلا سے دیئے لگیں اور فرمایا:

”اے خاندان نبوت و امامت کے چشم و چراغ! آپ کیوں اس قدر مضطرب و حزیں ہو گئے ہیں؟ خدا کی قسم! یہ سب کچھ تقدیر الہی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس کا عہد خداوند عالم نے آپ کے جد بزرگوار اور پدر ذی وقار سے لے لیا ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں، خدا ہمارے مظلوم شہیدوں کی تحفین و تدفین کا مقدس کام ایسے با عظمت اہل ایمان کے ذریعہ انجام دے گا جن سے خداوند عالم نے عالم ارواح میں وعدہ لیا ہے اور اشتیاء فرعون صفت لوگ انہیں قطعاً نہیں پہچانتے۔ وہ لوگ ایسے ہیں جنہیں عرش کے مکین جانتے اور پہچانتے ہیں۔ وہی ہمارے شہیدوں کے قطع کئے ہوئے اعضاء کو اکٹھا کر کے عزت و احترام کے ساتھ دفن کریں گے اور آپ کے پدر بزرگوار مظلوم کر بلا کے مرقداطہر پر ایسی نشانی قائم کریں گے جسے روز قیامت تک بڑی سے بڑی طاقت بھی مٹانہ سکے گی اور نہ ہی گردش لیل و نہار اس کی تازگی پر اثر انداز ہو سکے گی۔ البتہ کفر و مظلالت کے پروردہ سلاطین جو امام مظلوم کے نشان قبر کو مٹانے کے لئے اپنی پوری طاقت صرف کر دیں گے لیکن نہ صرف اُن کی مذموم حرکتیں کامیابی سے ہمکنار نہ ہوں گی بلکہ حسینؑ کا نام مزید سر بلند ہو جائے گا.....“۔ (کامل الزیارات، ص ۲۶۱)۔

”یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ امام زین العابدینؑ علیہ السلام وہ سب باتیں، جو سیدہ زینبؓ نے بتائیں، خود اچھی طرح جانتے تھے، لیکن غم و اندوہ کی شدت کے عالم میں اُن کی یادآوری بیمار کر بلا کے دل کی ڈھارس بنی اور احساسِ کرب کم ہو گیا۔“

”سیدہ زینبؓ کبریٰ فرماتی ہیں کہ جب میرے مظلوم بھائی حسینؑ کو شہید کر دیا گیا تو اشتیاء نے خیامِ اہل بیتؑ پر دھاوا بول دیا اور خیموں میں پڑے ہوئے ساز و سامان کو لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ ایک نیلی آنکھوں والا طویل القامت شخص میرے خیمہ میں گھس آیا اور خیمہ میں جو کچھ موجود تھا وہ اٹھا کر لے گیا۔ پھر اُس نے جناب زین العابدینؑ کی طرف رخ کیا اور دیکھا کہ بیمار کر بلا ایک (جاری)

”بنی امیہ کی غاصب حکومت کی سب سے بڑی سیاسی غلطی و حماقت یہ تھی کہ انہوں نے رسول اکرم کے اہل بیت کو اسیر کیا۔ قافلہ اہل بیت کی اس مظلومانی کیفیت سے انہوں نے بنی امیہ کے پیکر فاسد پر خود اپنے ہاتھوں سے ضرب کاری لگائی اور اپنی حکومت کے سقوط و زوال کیلئے اسباب فراہم کر دیئے (بررسی تاریخ عاشورا، ص 87)۔

ظالموں کا خیال تھا کہ چند ایک زبوں حال و پریشان صورت افراد کو اسیر کر کے اور در بدر پھرا کر جگہ جگہ اپنی طاقت و قوت کو ثابت کریں گے۔ لیکن انہیں یہ اندازہ نہ تھا کہ ان اسیروں کا ہر فرد طاقتور مبلغ ہے، اسلام کی تبلیغ کی ماہر ہے اور اپنی زبانوں پر کلام ربانی کو جاری رکھے ہوئے ہے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ شہادت حسینؑ کے بعد زینبؑ عالیہ نے اپنے فرائض متعین کر لئے تھے۔ انہوں نے اُس وقت لائحہ عمل طے کر لیا تھا جب مغرور و متکبر دشمن اپنے ظلم میں مصروف تھا اور یہ سوچ بھی نہ پایا تھا (باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ اُس شقی نے وہ چٹائی اتنے زور سے کھینچی کہ زین العابدینؑ زمین پر گر پڑے۔ پھر وہ شخص میری طرف متوجہ ہوا اور اُس نے میری چادر کھینچ لی اور میرے کانوں کو شوارے زبردستی اور نہایت زور کے ساتھ اتار لئے۔ لیکن یہ مذموم عمل انجام دیتے ہوئے اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ میں نے اس سے پوچھا: تو لوفا بھی ہے اور روتا بھی ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟“ اُس نے جواب دیا: ”لوفتا میں اس لئے ہوں کہ اگر میں نہ لوٹوں گا تو کوئی اور آکر لوٹ لے گا اور روتا اس لئے ہوں کہ رسول خدا کی اولاد کس طرح مظلوم و بے بس ہو چکی ہے.....“۔

”اس کے بعد زینبؑ کبریٰ بیمار کر بلا کے قریب آئیں اور دیکھا کہ خیمہ سے آگ کے شعلہ بھڑک رہے ہیں۔ دروازہ خیمہ پر کھڑی ہو کر اولاد رسولؐ کی مظلومیت پر زار و قطار رونے لگیں۔ اسی اثناء میں ایک شخص اُن کے پاس آکر کھڑا ہو گیا اور سیدہ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: ”اے بی بی! آپ یہاں آگ کے شعلوں میں کیوں کھڑی ہیں جبکہ سب بیبیاں دور ہٹ گئی ہیں؟“ حضرت زینبؑ نے فرمایا: ”اے شخص! اس خیمہ میں ہمارا ایک بیمار موجود ہے اور وہ اٹھ بیٹھ نہیں سکتا۔ میں آگ کے ان شعلوں میں کس طرح اسے اکیلا چھوڑ کر جاسکتی ہوں؟“

”حمید بن مسلم بیان کرتا ہے کہ یہ کہہ کر وہ معظمہ آگ کے شعلوں کی پرواہ کئے بغیر خیمہ کے اندر کود پڑیں اور ایک بیمار کو کندھے پر اٹھا کر باہر آ گئیں۔ جب باہر آئیں تو ایسے لگتا تھا جیسے کوئی جنازہ اٹھا کر لا رہی ہوں اور اُس بیمار کے پاؤں زمین پر لگ رہے تھے۔ (الطراز الذهب، ص ۱۷۵)۔ (ص ۲۲۱ تا ۲۲۰)۔

”جب سیدہ زینبؑ چھوٹے چھوٹے بچوں کو آگ کے شعلوں سے بچانے کیلئے ادھر ادھر دوڑ رہی تھیں تو اچانک آپ کی نظر دلم سن بچوں پر پڑی جو ایک دوسرے کے گٹھلی کر زمین پر گرے پڑے تھے، خوف و ہراس اور بھوک و پیاس کی شدت سے اُن (جاری)

کہ وہ کس عظیم ظلم کا مرتکب ہو چکا ہے، حالانکہ اُس کمینے دشمن کی رسوائی کے آثار عصرِ عاشوراء سے ہی نظر آنے لگے تھے۔

دشمن نے اسیرانِ اہل بیت کے قافلہ کو گیارہ محرم کی ظہر کے قریب کوفہ کی طرف روانگی کا حکم دیا۔ اس سے قبل ہی امام حسین علیہ السلام اور ان کے بعض دوستوں اور عزیزوں کے سرہائے بریدہ کو، بعض روایات کے مطابق، عصرِ عاشوراء ہی کو سعید اللہ ابنِ زیاد ملعون کی طرف روانہ کر دیا گیا تھا (بحار، ج 45، ص 107) کیونکہ اس نے اپنے خط میں عمر بن سعد کو حکم دیا تھا کہ میں نے عہد کر رکھا ہے کہ میں اس وقت تک پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاؤں گا، بستر پر آرام سے نہ لیٹوں گا جب تک تو حسینؑ کا کام تمام نہ کر دے..... لہذا وہ کر بلا کی جنگ کے نتیجہ کا منتظر تھا، اُس کے لحاظ کو گن رہا تھا اور اُس کے ماتحت لوگ نہیں چاہتے تھے کہ اُسے زیادہ انتظار کی زحمت دیں۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

کی رُو میں پرواز کر چکی تھیں۔ بتایا جاتا ہے کہ وہ دو بچے عبدالرحمان بن عقیل بن ابی طالب کے فرزند تھے جن میں سے ایک کا نام سعد اور دوسرے کا نام عقیل تھا۔

ہر مؤرخ و تبصرہ نگار نے اپنے اپنے انداز و فکر و احساس کے مطابق عصرِ عاشوراء، شبِ یازدہم، روزِ یازدہم اور دیگر واقعات کو تحریر کیا ہے۔ ان سب کا ایک جا کر ناکو کسی طرح ممکن نہیں۔ صرف چند ایک حضرات کے تاثرات کو جو اصولِ تاریخ سے ہٹ کر اپنے جذبات و احساسات کو پیش نہیں کرتے، ہم ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم جناب ڈاکٹر سید مجتبیٰ حسن کامونپوری، ناظمِ دینیات، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے مقالہ سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ علامہ موصوف لکھتے ہیں:

”محرم کی گیارہویں شب ثانی زہرا کے لئے یاس انگیز و اندیشہ خیز رات تھی۔ اُن کے سامنے یہ مسئلہ تھا کہ جب فوج کے افسر ظلم کی عنان کو یہاں تک کھینچ لائے کہ جوانوں، بوڑھوں، بچوں، نبی زادوں، صحابہ زادوں اور پرہیزگاروں کو تین دن بھوکا پیاسا رکھ کے بیدردی سے قتل کیا گیا، اُن کے سرجسم سے جدا کر دیئے گئے، بھائی کے تن پاک کو برہنہ کر دیا گیا، لاش پامال کی گئی، سر نیزہ پر بلند کیا گیا، اہل حرم کو لوٹا گیا، خیمے جلادئے گئے تو اموی حکومت کے نائب السلطنت ابنِ زیاد کیلئے کوفہ میں کیا ظلم باقی رہ گئے ہیں۔ اس کے آگے یزید کے نئے نئے ظلم کیا ہو سکتے ہیں۔ یہ قیامت خیز شب، بچوں اور بیواؤں کی تسلی، بیمار بھتیجے کی حالت زار پر اندیشے، شہیدوں کی دل سوز یادیں، آنسو بہا کر، سرد آہیں کھینچ کر ثانی زہراؑ نے کاٹ دی..... یہ شب ثانی زہراؑ کے خدا پر اعتماد، جزائے اعمال پر انتہائی یقین اور ہولناک مصائب میں سلامتی و حواس، ساتھیوں کے دلوں کی تسلی کی بہترین کوشش اور برداشت و صبر کی غیر معمولی قوت کا کلمہ پڑھتی ہوئی زخمت ہو گئی (مقدمہ، ص ۲۴)۔

ترتیب کاروان اسیران

مؤرخین کے بیان کے مطابق سیدہ زینبؓ کے ہمراہ جانے والا قافلہ اسیران تین حصوں پر مشتمل تھا:

1- سید الشہداء علیہ السلام کے خاندان کی مخدرات و خواتین، یعنی جناب سیدہ زینبؓ و سکنہ و فاطمہ وغیرہ اور سید الشہداء علیہ السلام کی ازواج جیسی ہستیاں۔

2- لڑکے اور چھوٹے بچے جن میں امام محمد باقر علیہ السلام بھی شامل تھے۔

3- سید سجاد، حسنؑ، زید، عمر، فرزدان امام حسن علیہ السلام۔

لیکن مؤلف کی نظر میں سید الساجدین علیہ السلام کے علاوہ باقی ان تمام مردوں کی موجودگی بالکل بعید از قیاس ہے کیونکہ اسیری اہل بیتؑ کے واقعات کے بیان میں کسی جگہ بھی ان کا موجود ہونا ثابت نہیں ہوتا، نہ ہی ایسے دیوانہ و ظالم و وحشی دشمن سے یہ توقع ممکن ہے کہ ان سب مردوں کو زندہ رہنے دیتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر یہ لوگ کسی طرح شہید ہونے سے بچ بھی گئے ہوں تو ان کو عصرِ عاشور کے وقت آتش زدگی خیم کے دوران متبغ کر دیا گیا ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ سب کے سب اسیر وہ افراد تھے جو شہداء کے عزادار، ماتم کنان لیکن اپنے ہدف میں کامیاب و سرفراز تھے۔ ان میں کوئی شخص شکست خوردہ نظر نہیں آتا تھا۔ ان سب اسیروں کا انتظام زینبؓ کبریٰ کے اختیار میں تھا (زینبؓ کبریٰ، نقدی، ص 27)۔ سیدہ زینبؓ ہی کے ذمہ ان کی حفاظت و نگہداشت کا کام تھا اور ان کا فرض تبلیغ شہادت اسی جماعت اسیران کی دیکھ بھال کے علاوہ تھا، جن کی تعداد چوراسی افراد سے متجاوز بیان نہیں کی جاتی (منتہی الآمال)۔

ثانی زہرا کی آزمائش و ذمہ داری فرض

ہم عرض کر چکے ہیں کہ ثانی زہرا سلام اللہ علیہا ایسی مخدرہ ہیں جن کے پیش نظر ایک مقصد، ایک اہم ہدف ہے، اپنے ہدف کی مکمل معرفت رکھتی ہیں، اپنے ہدف کی قدر و قیمت و اہمیت و ضرورت سے کلاماً آشنا ہیں اور اپنی اُس منزل تک پہنچنے کیلئے سرگرم عمل ہیں۔ اُن کی آرزو ہے کہ اپنے ہدف کو محقق کریں لیکن ایک طریق احسن اور عمدہ و کامل ترین صورت میں۔ شہزادی خود اپنے مقام پر صلح طلب طبیعت کی مالک ہیں لیکن حصولِ ہدف کی خاطر ہر قسم کے غم و مصائب و آلام کو نہایت استقلال کے ساتھ برداشت کر رہی ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ثانی زہراؑ بظاہر اسیر ہیں لیکن چاہتی ہیں کہ حریتِ بشری بنیاد رکھیں۔ اسیرِ طوق و سلاسل ہیں لیکن مقصد

حیات یہ ہے کہ پائے بشریت کو ہر قسم کی زنجیروں سے، وہ طوق و زنجیر مرنے ہوں یا غیر مرنے، منزل حریت تک پہنچادیں۔ حریت بشر کے پرچم کو بلند کئے ہوئے ہیں، اس مقصد کی خاطر ہر قسم کے مصائب و آلام کے باوجود ایک لحظہ کے لئے بھی اپنے ہدف کو فراموش نہیں کرتیں، نہ ہی کسی طرح کی حسرتیں آپ کا راستہ روکتی ہیں۔

زینبؓ عالیہ حصول ہدف کے لئے بھرپور شجاعت کے ساتھ پیش قدمی میں مصروف ہیں، دشمن کی ہیبت کو بالکل خاطر میں نہیں لاتیں، گویا اس کے وجود ہی کو نظر انداز کئے ہوئے ہیں، دشمن کی جسارت و جرأت کے پیش نظر اُس سے کسی طرح کی توقع کو راہ نہیں دیتیں کیونکہ آپ کو مکمل احساس ہے کہ دشمن اس قدر وحشی ہے کہ خود غامی زہرا کو بھی قتل کرنے میں کوئی باک نہیں رکھتا اور اپنے اسی وحشت پین کا کر بلا میں مکمل مظاہرہ کر چکا ہے۔ چنانچہ سید الساجدین علیہ السلام نے دربار یزید میں یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا ہے:

”قُتِلَ ابْنُ صَبْرًا وَ كَفَى“ (سید سجاد کے یزید لعین کی موجودگی میں مسجد دمشق میں خطبہ سے اقتباس)۔

”میرے پدر بزرگوار حالت صبر میں مار ڈالے گئے اور میرے لئے یہی افتخار کافی ہے۔“ (ہمارے خلاف وحشی صفت درندے تھے، منطق و دلیل کو قبول کرنے والے انسان نہ تھے کہ یہ دلائل ہمیں مستحق قتل ثابت کرتے)۔

غامی زہرا کا اثاثہ

زینبؓ عالیہ اپنے اہداف کے تحقق کی خاطر ایک ایسے کاروان کی سربراہی کر رہی تھیں جس کے دو مقامات افتخار اور دو گونا گونا جات تھے، جن کی تفصیل اس طرح سمجھ میں آسکتی ہے:

1۔ دونوں بہن بھائیوں کا ہدف حیات ایک ہی ہے اور وہ ہے پرچم اسلامی کی سر بلندی اور اس کے سایہ میں عالم بشریت کو حریت بشر کا درس دینا۔ ہم گزشتہ صفحات میں شاعر مشرق علامہ اقبال کا خراج عقیدت بخضر سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا پیش کر آئے ہیں۔ اس میں علامہ مذکور نے سیدہ طاہرہ کو دنیائے انسانیت کے سامنے بطور ایک بیٹی، ایک ہم مقصد زوجہ اور ایک ذمہ دار ماں کے طور پر متعارف کروایا ہے، ایسی ماں جس کی عظمت کے نشانات میں ایک بہت بڑا نشان یہ ہے کہ اُس نے دنیا کو حسن و حسینؑ جیسے عظیم بیٹے عنایت کئے جو تاقیام قیامت عالم انسانیت کیلئے منارۂ ہدایت ثابت ہوں گے۔ غامی زہرا اور سید الشہداء علیہ السلام کا ہدف زندگی چونکہ ایک ہی ہے، یعنی حریت بشر، جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا، لہذا ہم ان کا تخیل برائے امام حسین علیہ السلام مثنوی رموز بے خودی سے پیش کرتے ہیں:

وان دگر مولائے ابرارِ جہاں	قوت بازوئے احرارِ جہاں
در نوائے زندگی سوز از حسینؑ	اہل حق حریت آموز از حسینؑ

- 1- ایسے شخص کی حیثیت کا اندازہ لگائیں جس کا اثاثہ ایمان، اخلاق، حریت، کرامت، انسانی، طہارتِ اخلاق، پاکیزہ خطابت وغیرہ جیسی عظیم اقدار انسانیت پر مشتمل تھا۔
 - 2- جس کے اثاثہ میں شہادتِ راہِ خدا اور خونِ ناحق شامل ہو، خون ایسے شہیدانِ راہِ خدا سے نسبت گرا نقد رکھتا ہو جن کے راس و ریکس نواسۂ رسول خدا سید الشہداء امام حسین علیہ السلام ہوں۔
 - 3- اس اثاثہ میں اسیر خواتین و بچگان بھی ہیں جن میں ہر ایک اپنے اپنے شہید راہِ پروردگار کا دفاع کر رہا ہے اور بلند پایہ و عظیم احساسِ سرفرازی و افتخار سے سر کو بلند کئے ہوئے مصروفِ سفر ہے۔ روایات صحیح کے مطابق اس تمام عرصہ سفر میں ان اسیروں کے دست و بازو ایک ہی حلقہ زنجیر میں بندھے ہیں جس کے آخر میں سیدہ زینب اور سیدہ سجاد کے گلوہائے مبارک ہیں (مناقب شہر آشوب)۔
 - 4- اس کاروانِ اسیران کی کیفیت یہ ہے کہ اس کے بڑے چھوٹے سب افراد ایک ہی رسی میں بندھے ہوئے ہیں اور سب کو اکٹھا ہی سفر کرنا پڑ رہا ہے۔ انتہائے ظلم صاف ظاہر ہے کہ حضرت رقیہ و امام محمد باقرؑ جیسے کم سن بچے (ذرا اپنے دامن خیال کو وسعت دے کر دیکھیں) دوسرے اسیروں کے ہمراہ قدم نہیں اٹھا سکتے۔ جب بڑے ایک قدم چلتے ہیں تو بچوں کو کم از کم دو قدم اٹھانا پڑتے ہیں، بہ الفاظِ دیگر ان بچوں کو دوڑنا پڑ جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ بچے اس عالم میں کس قدر خستہ حال ہوتے ہوں گے، اُن کے گلوں کی رسیاں کھینچ جاتی ہوں گی، زمین پر گر پڑتے ہوں گے تو دشمن ان پر تازیانے برساتا نظر آتا ہے کہ یہ بچے سب بڑوں کے ہمراہ مصروفِ سفر رہیں۔ یہ وحشی پن خود اپنے مقام پر ثانی زہرا کے لئے دشمن کے ظلم و بیہیت کی انتہا کو ظاہر کرنے کیلئے کافی ہے۔
- اس سب کچھ کے باوجود ثانی زہرا اپنے اس اثاثہ سفر کے ساتھ رواں اور اپنے ہدف کے حصول میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ ان بچوں کو نہ صرف سنبھال رہی ہیں بلکہ ان تمام حالات کو دوام بخش رہی ہیں، حتیٰ کہ ان تمام مظالم کی روداد و تفصیل عراق اور ایران و مصر دیگر ممالک میں لوگوں کے ذہنوں اور کانوں تک پہنچ کر رہتی ہے۔

استفادہ از فرصت

ثانی زہرا نے اپنے ذمہ جو فریضہ لے رکھا تھا، اُس کی انجام دہی کیلئے ہر لحظہ و وقت و ہر موقعہ سے آپ فائدہ اٹھا رہی تھیں اور اس کی کوشش میں ہمہ تن مصروف تھیں۔ ان تمام فرائض کی مختصر تفصیل کسی قدر یہ بنتی ہے:

اُن حالات اور ماحول کا تعارف کروانا جن میں اُس دور کے لوگ زندگی بسر کر رہے تھے؛

حاکم جابر کی قوت، اُس کی ہٹ دھرمی و غصبِ حقوق کو بالکل بے نقاب کرنا؛

اُس دور کی جھوٹی، فریب آور اور فاسد سیاست کی وضاحت؛

اس کے برعکس خاندانِ رسول اکرم علی مرتضیٰ کی عظمت کے مقام سے اس زمانہ کے جابروں اور غاصبوں کو ہر طرح

متعارف کروانا۔

یقیناً جہاں کہیں بھی موقع ملایا ضرورت سمجھی زینبؓ کبرئی نے اپنی اسیری کے دوران سید الشہداء علیہ السلام کے خون ناحق کی خوشبو کو پھیلایا، عوام الناس کو حکومت کے مظالم کے سلسلہ میں بیدار کیا، ماحول کو اقداماتِ مناسب و جدید کی ضرورت کے لئے تیار کیا اور دور و نزدیک ہر مناسب مقام و موقع پر اشاعتِ دین کو انجام دیا۔ زینبؓ عالیہ سید الشہداء کے پس ماندگان کے ہمراہ اسیر ہوئیں تو آپؓ نے روزِ عاشور کے واقعات کی اہمیت و عظمت اور مظالمِ بنی اُمیہ کی اشاعت و تشہیر میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔

ثانی زہرا کی حالتِ اسیری کسی معجزہ سے کم نہیں۔ دُنیا میں کونسا اسیر، بالخصوص صنفِ نازک کی ایک فرد، اس قدر شوکت و ہیبت کا مالک ہو گا کہ جس کے دشمن حدِ امکان تک اُس کے سامنے عالم بے چارگی میں ڈوبے ہوئے دکھائی دیں! سیدہ زینبؓ سلام اللہ علیہا نے وہ کام کیا کہ وہ دشمن جو ایک دن انہیں کوفہ و شام میں بطور اسیر لے جا کر اپنی قوت و طاقت و جبروت کا سکھ جمانا چاہتا تھا، اس گرفتار شدہ قیدی سے خوف زدہ و گریزاں ہو کر کوشش کر رہا ہے کہ اُسے اپنے احاطہ اختیار سے دور رکھے، اُسے اُس کے وطن واپس پہنچا دے، لیکن کیا زینبؓ عالیہ نے وطن میں رہ کر اس دشمن کو سکون لینے دیا؟ 1

1۔ اوراقِ تاریخ اہل بیتؑ کے مدینہ واپس پہنچنے کے بعد کے حالات کو اپنے اوپر محفوظ کئے ہوئے ہیں اور ہر منصف مزاج قاری یہ بات تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جس گھبراہٹ و انقلاب سے خوف کھا کر یزید نے ان حضرات کو رہائی کے بہانے اپنے دارالسلطنت سے دور کرنے کو کوشش کی، وہی حالات اسے ان کی مدینہ میں موجودگی کے باعث پیش آئے بلکہ اس سے بھی زیادہ خراب حالات کا سامنا کرنا پڑا اگرچہ مدینہ کی تباہی کے وقت ثانی زہرا دنیائے فانی سے کوچ کر چکی تھیں اور واقعہ بکربلا کے بعد کی نہایت مختصر مدتِ حیات میں بھی یزید نے شہزادی اور اُن کے شوہر جناب عبداللہ کا مدینہ میں قیام گوارا نہ کیا۔ اسی لئے بی بی کو مدینہ چھوڑنا پڑا اور اس سلسلہ میں روشِ زمانہ کی بیوفائی کا عالم یہ ہوا کہ آج ہم شہزادی کے مقامِ دفن اور مرقد کا بھی وثوق کے ساتھ فیصلہ نہیں کر سکتے۔ بہر حال یہ بہت کچھ اسی روادِ تاریخ میں اپنے مقام پر تفصیل کے ساتھ، انشاء اللہ، آئے گا۔ ہم یہاں اس موضوع پر تبصرہ کر کے اپنے تسلسل کو توڑنا نہیں چاہتے، اس (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) لئے مولفہ کتاب جناب علی قاضی کے مندرجہ بالا بیان کی تصدیق اور تفصیل کیلئے دیگر چند ایک مؤلفین و مؤرخین کی آراء پیش کرنا چاہتے ہیں جن سے ہمارے قارئین کو کسی حد تک سانحہ کربلا کی حشر سامانیوں سے متعارف کروا سکیں۔

جناب سید ریاض علی ریاض اپنی مشہور کتاب ”شہید اعظم“ میں محرم ۱۱ھ کی شب یازدہم اور روز یازدہم کی مختصر اس طرح تصویر کشی کرتے ہیں: ”میرا خیال ہے کہ اہل بیت پر سب سے سخت اور اندوہناک رات روز شہادت کی پہلی رات تھی۔ ایک رات قبل سب تھے، اب کوئی نہیں ہے۔ اسباب ضرورت تھا۔ اب اُس کا نام بھی نہیں ہے۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ اب کیا ہوگا۔ یہ معلوم ہے کہ ہم گرفتار ہیں اور ابن زیاد کے دربار اور شام تک جائیں گے۔ اور یہ پوچھنے والا کہاں تھا کہ کتنے دن سے کھانا پانی تمہارے لبوں تک نہیں پہنچا ہے۔ محال ہے کہ کوئی انسان اس سے زیادہ عالم اندوہ کا خیال کر سکے۔ کبھی کسی شریف خاندان پر اس سے زیادہ طویل رات نہیں گزری۔“

”صبح ہوئی۔ اہل بیت دیکھ رہے ہیں کہ دشمن اپنے کشتوں کو دفن اور سامان سفر کر رہے ہیں۔ اہل بیت کسی طرح شہداء کی لاشوں پر پہنچے ہیں۔ دوست دشمن سب رو رہے ہیں۔ حضرت سکینہؓ آخری مرتبہ باپ کے سینہ سے لپٹ گئی ہیں اور سر کو حسینؑ کے گلوئے مبارک پر رگڑ رہی ہیں۔ لیکن دشمن اس پر بھی راضی نہ تھے کہ اہل بیت کو یہ اندوہناک تسکین بھی کچھ دیر حاصل ہو۔ لاشوں سے جبراً ہٹائے گئے۔ قافلہ روانہ ہوتا ہے اور اب بیمار کربلا کی نگاہ مقل پر پھلتی ہے۔ سب کچھ نگاہ کے سامنے ہے اور آپؐ میں ایک تغیر عظیم پیدا ہوتا ہے۔ حضرت زینبؓ کی نگاہ بیمار کربلا کے چہرہ پر جم جاتی ہے اور فرماتی ہیں: ”اے میرے بزرگوں کی یادگار، میں تجھے کس حالت میں دیکھ رہی ہوں۔ کیا تیرا ارادہ ہے کہ دنیا سے گزر جائے؟“ اور پھر فرماتی ہیں: ”قسم خدا کی تیرے بزرگوں سے اس کا عہد لیا گیا تھا۔ یہ تھیں حضرت زینبؓ جو ایک زمانہ کا نبیاء اور ولیاء نہ حمل نفس اور عزم قربانی یاد دلاری تھیں اور تمام امکان ہو چکنے کے بعد صابر تھیں کہ ہم عہد پورا کر سکیں، بڑا عہد اور بڑا عہد کرنے والے!“ (شہید اعظم، ج ۲، ص ۳۹۱، ۳۹۲)۔

جناب سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب مرحوم تحریر فرماتے ہیں:

”اس کے بعد زینبؓ کبریٰ کی آنکھوں کے سامنے وہ مناظر پیش آئے جن کا تصور بھی لرزہ بر اندام کرنے کیلئے کافی تھا۔ بھائی کی شہادت، خیموں کی لوٹ اور پھر آتش زدگی اور پھر اس کے بعد اسیری۔ ان تمام مراں کو جناب زینبؓ نے ضبط و صبر کے ساتھ طے کیا۔“ (المحرم کی صبح کو جب پس ماندگان حسینؑ قیدی بنائے جا چکے اور لٹا ہوا قافلہ کوفہ کی طرف روانہ کیا گیا تو قتل گاہ سے ہو کر گزرا کہ جہاں افواج یزید کے مقتولین کو دفن کئے جانے کے بعد شہدائے راہ خدا کی لاشیں بے غسل و کفن خاک و خون میں آلودہ چھوڑ دی گئی تھیں۔

”اس جگر خراش منظر سے بیمار و ناتواں علیؑ ابن حسینؑ کا وہ عالم ہوا کہ جسے دیکھ کر جناب زینبؓ بے تاب ہو گئیں اور جب مصیبت زدوں کا قافلہ مقل شہداء میں پہنچا تو اُن سے اُن کی پھوپھی نے بے تاب ہو کر دریافت کیا کہ اے یادگارِ رفتگان، یہ تمہاری کیا حالت ہے کہ روح تمہارے جسم سے پرواز کیا چاہتی ہے؟ نتیجے نے جواب دیا: ”اے پھوپھی! اس منظر کو دیکھ کر کس (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) طرح برداشت کروں کہ میرے پدر بزرگوار اور چچا اور بھائی غرض کہ تمام عزیز واقارب کو دیکھ رہا ہوں کہ سب کے سب، اس میدان میں خون میں نہائے بے دفن و کفن پڑے ہیں اور کوئی ان کا نگران ہے نہ ہمسایا۔ اس نازک موقع پر جناب زینب ہی کا کام تھا کہ انہوں نے امام زین العابدین علیہ السلام کو تسلی اور دلاسا دیا۔ (شہید انسانیت، ص ۵۵۹، ۵۶۰)۔

ہم اس بیان یعنی شب یازدہم اور روز یازدہم کے واقعات کو یہاں ختم کرتے ہیں۔ قاری کو اندازہ ہو جائے گا کہ مؤرخین کی ہر قسم کی مشکلات کے باوجود بیان واقعات تقریباً ایک ہی طرح کے ہیں۔ فرق صرف اپنے اپنے انداز بیان کا ہے۔ تاہم کچھ باتیں اقدار مشترک کی حیثیت رکھتی ہیں جن کا سمجھنا ضروری ہے اور جو تقریباً اس طرح ہیں:

(ا)۔ رسول اکرم کی وفات کے صرف تقریباً پچاس سال بعد یہ المیہ ظہور پذیر ہوا جس نے پوری طرح واضح و آشکار کر دیا کہ اس دور کے مسلمانوں کو دین یا بانی دین یا اس کے خاندان سے ہرگز وہ وابستگی حاصل نہ ہو پائی تھی، ذہن انسانی جس کا تقاضا کرتا ہے۔

(ب) جیسا کہ ہم قبل ازیں خواجہ معین الدین چشتی کی ایک رباعی پیش کر چکے ہیں، عربوں کے فطری کینہ و بغض و جذبہ انتقام کے باعث بنی امیہ نے بنی ہاشم سے اپنے استحصال اور زمانہ کفر کی شکستوں کو اسلام قبول کر لینے کے بعد بھی ہرگز فراموش نہیں کیا تھا۔ یہ کیفیت یزید کے اُن اشعار سے واضح ہو جاتی ہے جو اُس نے اہل بیت کے اسیروں کے قافلہ کے سامنے اپنے بزرگ کشنگان بدر و اُحد کیلئے کہے تھے۔

(ج) سید الشہداء علیہ السلام کے سرائق چند ایک دیگر شہداء کے سروں کے ساتھ عاشور کی شام ہی کو ابن زیاد کی اطلاع کی خاطر کوفہ روانہ کر دیئے گئے تھے تاکہ اسے کربلا کی جنگ کے اختتام سے باخبر کر دیا جائے۔

(د) ہماری مخدومہ جناب خاتون کربلا، ثانی زہرا، سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے فرائض کا شام عاشور سے ایک نیا دور شروع ہوتا ہے جس میں آپ کو اہل بیت کے یتیموں اور یتواؤں کو سہارا دینا ہے، سید الشہداء علیہ السلام کے مشن و ہدف کو آگے بڑھانا ہے، جلتے ہوئے خیام سے محبت خدا امام چہارم کو نکالنا اور علالت کے دوران ان کی تیمارداری کرنا ہے، افواج شام کی دار و گیر سے بکھرے ہوئے بچوں کو اکٹھا کرنا ہے، بیمار امام کو نہ صرف بچانا ہے بلکہ ان کو ذہنی و جسمانی ہر طریقہ سے سہارا دینا ہے، دشمن کے ہاتھوں، ان کی زندگی کا تحفظ جو خاندان رسالت کی آخری شمع کو بھی گل کرنے کی کوشش میں ہے، اور اس کے علاوہ دیگر بہت سی ذمہ داریاں ہیں جن سے عہدہ برآ ہونا ہے۔ پھر ان تمام حالات کے باوجود استقلال و استقامت کے معیار کو اس طرح قائم رکھنا ہے کہ عبادت پروردگار اسی طرح قائم رہے حتیٰ کہ شب یازدہم بھی نماز شب اور تسبیح اور تحلیل میں کسی طرح کمی یا تاخیر نہ ہو۔ ہم انہی کیفیات کو کسی قدر شرح و بسط کے ساتھ آئندہ صفحات میں پیش کر کے اس سوانح کو آگے بڑھاتے ہیں۔



۱۔ دفاعِ اصولِ اسلام

زمانہ اسیری میں ثانی زہر اسلام اللہ علیہا نے جو فرائض اپنے ذمہ لے رکھے تھے وہ سب انتہائی مشکل تھے۔ دائرہ کار بے حد وسیع اور اُن کی انجام دہی میں بے شمار مشکلات درپیش تھیں۔ چنانچہ کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام کے سفر اسیری بلکہ شام سے رہائی کے بعد مدینہ کی جانب مراجعت کے دوران چند اہم ترین فرائض آپ کے سامنے تھے۔ ان فرائض کی مختصر تفصیل کچھ اس طرح ہے:

☆ خورد سال بچوں اور یتیموں کی سرپرستی؛

☆ ان بچوں کی حمایت و دلداری؛

سید سجاد کی تیمارداری و حفاظت جو بتلائے تپ تھے، ان کی جان کی حفاظت کہ وہ ماضین اہل بیت کے بقیہ تھے۔ خون شہداء اور ان کے حقوق کا دفاع جو درحقیقت دفاعِ مکتبِ اسلام تھا، جس کے قیام و اشاعت کی خاطر یہ تمام مقدس خون بہایا گیا اور جانیں قربان کی گئی تھیں۔

مقصدِ حسینؑ کی اشاعت و تبلیغ

ثانی زہر مقصدِ سید الشہداء علیہ السلام کی تبلیغ ہیں۔ امام حسینؑ، فرزندِ رسول اکرم ہیں۔ آپ نے اپنے جدِ بزرگوار کے دین کی حفاظت و احیاء کی خاطر ایک عظیم مقصد کا تہیہ کیا اور اُس کی خاطر جان قربان کر دینے تک کے اقدامات سرانجام دیئے۔ آپ نے مدینہ میں عالم خواب میں اپنے جدِ نام دار سے احکام حاصل کئے کہ عراق کا عزم کریں۔ چنانچہ امام حسینؑ بن علی نے ایسا ہی کیا لیکن اس سفر میں سب سے پہلے مکہ کو اپنا مستقر قرار دیا تاکہ وہاں خانہ خدا کے کثیر التعداد ازارین کو آلِ محمدؐ کے فضائل کی حقیقت اور حاکمانِ جور کے ظلم و رذالت سے آگاہ فرمائیں۔

اس مقصد کے حصول کی غرض سے امام حسینؑ علیہ السلام خواتینِ خاندانِ رسولؐ کو بھی ہمراہ لے گئے جن کی سید و سرمدار زینبؑ عالیہ قرار پائیں۔ ساتھ ہی مقصدِ حسینؑ کی تبلیغ اور اس مقصد کو دوام بخشا بھی شہزادی کے ذمہ تھا۔ لہذا ہر قسم کے رنج و آلام جو عوام الناس کو ان اقدار کے سمجھانے میں امام علیہ السلام کو پیش آئے، سیدہ زینب سلام اللہ علیہا امامؑ کے ساتھ اُن میں برابر کی

شریک ہیں۔ آپ نبوت و ولایت کے دفاع اور اللہ تعالیٰ کے دین و آئین کی حفاظت میں امام کے شانہ بشانہ کھڑی ہیں کہ عوام الناس کو سمجھ سکیں کہ اسلام آخر ہے کیا! نیز یہ بتلانا بھی مقصود ہے کہ دشمن کے اقدام و طریق ہائے کار و عمل اسلام کے مقدس مقاصد سے بہت دور ہیں۔

سید الشہداء علیہ السلام نے اسلام کے عظیم و پے در پے انقلابات کو اپنے خون سے رقم فرمایا۔ مانی زہرا نے اپنی اسیری کے ذریعہ ان انقلابات کو معنی و اشاعت بخشے۔ دونوں بہن بھائی کے طریق کار کا حاصل حالات کا بے نقاب کرنا تھا، بنی امیہ کی فاسد و ناجائز حکومت کو طشت از بام کرنا اور خلافت و حکومت کے لئے عملی طور پر یزید کو نا اہل قرار دینا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں بھائی بہن نے کس قدر اس ظلم کو بے نقاب کیا، کس قدر قربانی و ریاضت کی مدد سے اس سمت میں قدم اٹھائے اور کس قدر اپنے مقصد کے حصول میں آگے بڑھے!

پیغام نجات

مانی زہرا اقدام حسینی میں پیغام نجات کی منزل میں ہیں۔ اپنے جد بزرگوار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح نجات انسانیت کی ذمہ دار ہیں۔ آنحضرتؐ کے ذمہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ فرض تھا:

”وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ“۔ (اعراف: 157)

یعنی آنحضرتؐ اس لئے تشریف لائے کہ ان عوامل کو صاف کر دیں جو اذیان انسانی کو منتشر کر رہے تھے، اس تخیل کو دور کر دیں جو درست سوچ میں رکاوٹ تھے اور ان تمام طوق و زنجیر کو ختم کر دیں جو انسانوں کے دست و پائے فکر و ذہن کو ہر طرح مفلوج کئے ہوئے تھے۔

آنحضرتؐ کی تشریف آوری کا مقصد یہ تھا کہ:

”لِيُخْرِجَ عِبَادَهُ مِنْ عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ إِلَى وَ مِنْ عِبَادَتِهِ، إِطَاعَةَ الشَّيْطَانِ إِلَى طَاعَتِهِ“۔

یعنی آنحضرتؐ اس لئے تشریف لائے کہ بندگان خدا کو بتوں کی عبادت سے رہائی دلائیں اور انہیں اللہ کی اطاعت و پیروی کی ہدایت فرمائیں (ایک ایرانی سردار سے ایک عرب سردار کی گفتگو)۔

1۔ شاعر مشرق علامہ اقبال شہادت امام حسین علیہ السلام کے سلسلہ میں ”رموز بے خودی“ میں لکھتے ہیں:

مقصد او حفظ آئین است و بس

نیغ بہر عزت دین است و بس

ملت خوابیدہ را بیدار کرد

خون او تفسیرِ این اسرار کرد

سید الشہداء علیہ السلام نے بھی اسی عمل و مقصد کو انجام دیا اور رسول اکرم کے دین کو آگے بڑھایا۔ ہم امام حسین کی زیارت اربعین میں پڑھتے ہیں:

”وَيَزِلْ مُهْجَتُهُ فِيكَ، لَيْسَتْ فَقْدَ عِبَادِكَ مِنَ الْجَهَالَةِ، وَخَيْرُهُ الصَّلَاةُ“.

یعنی ”خداوند! حسین نے اپنے خونِ دل کو تیری راہ میں صرف کر دیا تاکہ تیرے بندوں کو انی و جہل سے نجات دلائیں کہ وہ صراطِ مستقیم کے تعین میں سرگرداں رہ کر ضلالت میں نہ پڑ جائیں“ (مفتاح الجنان، عباس قاسمی مرحوم)۔

سید الشہداء علیہ السلام کے اس عزم کے سلسلہ میں ثانی زہرا کی محنت و اہمیت اقدام و فرائض روزِ روشن کی طرح واضح ہیں۔ خواہر حسین سید الشہداء علیہ السلام کے ہمراہ آپ کے اقدام کو دوام بخشنے والی، آپ کے خونِ ناحق کی اشاعت و تبلیغ میں سرگرم اور اس عظیم وادیِ تبلیغ میں پیغامِ حسین کو چار دانگ عالم میں پہنچانے کیلئے ہمہ تن مصروف کار و ریاضت ہیں۔

دفاعِ کتب کا طریق

زینبؓ عالیہ نے کسی مقام پر بھی اپنے ہدف کے دفاع یا پیغامِ شہادت کی اشاعت کی خاطر کسی قسم کا تعصب یا غصہ یا کیفیتِ ہيجان اپنے اوپر طاری نہیں ہونے دی، نہ ہی کسی موقع پر ایسا عمل روا رکھا کہ عوام الناس میں ہيجان پیدا کرنے یا انہیں کسی طرح دھوکہ میں ڈالنے کی غرض سے خود آگے بڑھیں۔ اس کے برعکس تمام اسناد، مدارک، شہادتِ مؤرخین اور وقائع نگاروں کے بیانات سب اس بات پر متفق ہیں کہ سیدہ زینبؓ نے تمام مراحل میں اپنی ادائیگی فرض کو ہر لمحہ اپنے پیشِ نظر رکھا۔ ہر مقام پر آپؓ نے نہایت محکم و مستقل بیان دیا، دلیل و برہان کے ساتھ آگے بڑھیں اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے والوں کے سامنے قرآنِ حکیم کی منطق سے کلام فرمایا۔ لیکن ہم یہ کہہ بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس قسم کی بحرانی کیفیت میں اپنے فرض کی انجام دہی اور اپنے موقف کا دفاع ہرگز کوئی آسان کام نہ تھا۔ حالت یہ ہے کہ مصائب و شدائد کی آپ کے سامنے فوق العادہ کثرت تھی لیکن آپؓ کے حلم و تحمل کا مقام و تقاضا یہ تھا کہ علی مرتضیٰ کی صاحبزادی اس تمام بحرِ آلام میں کامیاب نکلیں اور نہایت محکم و مستحکم قدموں کے ساتھ اس راہِ ہڈِ آشوب کو طے کریں۔

چنانچہ ثانی زہراؓ نے اپنے لئے جو طریقِ عمل اختیار کیا اس کی مثال ہمیں کسی واقع یا کسی جنگ میں نظر نہیں آتی۔ آپ کا سکوت موقع کے عین مطابق ہوتا، جب بولنے کی ضرورت محسوس فرماتیں تو گفتگو بالکل صحیح، مختصر اور با موقع ہوتی، پھر جب خطابت کی ضرورت پڑتی تو وہ بھی قطعی طور پر تقاضائے حالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہوتی۔ یہ کوئی چھوٹا یا معمولی یا آسان مسئلہ نہیں

کہ اس قدر مصیبت زدہ منصب لطیف کی ایک فرد ایسے جان کاہ آلام سے گزرنے کے بعد ایک ایسے شہر میں جہاں ہزاروں افراد ان کا تماشا دیکھنے کے لئے ہر طرف جمع ہوں، اس قدر محکم و مستقل گفتگو کرے، اپنے احساسات و اندوہناک جذبات کو ضبط کرے اور اپنے کردار و گفتار کے ذریعہ دشمن کے لئے نہ کوئی راہ فرار باقی رہنے دے اور نہ ہی کوئی ایسا موقع پیدا ہونے دے کہ وہ سننے والوں یا زمانہ مابعد میں تاریخ کے طالب علموں کے لئے واقعات کو مشتبہ کر سکے۔

دشمن نے علی مرتضیٰ کی صاحبزادی کو اسیر کیا تاکہ ان کی آواز کو خاموش کر سکے لیکن یہ دشمن بالکل نہ جانتا تھا کہ سیدہ کی عظیم بیٹی نے ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ انہوں نے دشمن کے مظالم کو اہل بیت کے حق میں تبدیل کر دیا اور انہی واقعات سے اپنے دفاع کے عنوانات قائم فرمائے۔ خیال کریں کہ اگر یزید ایسا دربار منعقد نہ کرتا جس میں ممالک کے حکمران اور دیگر سلطنتوں کے نمائندگان موجود نہ ہوتے تو سیدہ زینبؓ عالیہ کے لئے کیسے ممکن ہوتا کہ اپنے پیغام کو ان کے کانوں تک پہنچائیں؟ یا اگر دشمن آپ کو اسیری کے مظالم میں نہ ڈالتا تو زینبؓ کبریٰ کو یہ موقع کیسے میسر آتا کہ بازار کوفہ میں جم غفیر کے سامنے، جو قیدیوں کا تماشا دیکھنے کے لئے جمع ہو گیا تھا، خطاب فرمائیں؟

قارئین کرام! ذرا غور کریں تو دیکھیں گے کہ دشمن کیسا بے وقوف و احمق بنا کہ اس کا روانہ اسیران کو نقصان پہنچاتے ہوئے خود ان کے موقف کے لئے سودمند اقدام کرنے پر مجبور ہے۔ دشمنان دین حقہ کیلئے مصلحت پروردگار کیسی رہی! علی مرتضیٰ کی صاحبزادی شہداء کے لئے ماتم کناں و اسیر ہیں، جبکہ یہ سب باتیں ان کے پیغام و تبلیغ کی اشاعت کیلئے معاون ثابت ہو رہی ہیں! کیا یہ سب حالات کسی معجزہ و حیرت کا باعث نہیں ہیں؟

1۔ یہاں ہم چاہتے ہیں کہ اہل بیت کی شہادت سید الشہداء علیہ السلام کے بعد کوفہ کی طرف روانگی کا ایک منظر پیش کریں جو ہر لحاظ سے زینبؓ عالیہ کے استقلال، شجاعت، حسن انتظام اور اسیروں کے بارے میں آپ کی ذمہ داریوں کا مظہر ہے۔ اگر حالات کا منظر غائر مطالعہ کیا جائے اور فوج یزید کے ان افکار و اعمال کا مطالعہ کیا جائے جن کا شہادت حسینؑ کے بعد مظاہرہ کیا گیا تو ایک قاری کو اس جم غفیر میں اقدام انسانیت کو تلاش کرنا پڑے گا اور اس تلاش میں اسے مکمل مایوسی ہوگی۔ قتل حسینؑ پر کر بلا کی جنگ عموماً ختم ہو چکی تھی۔ اس کے بعد فوج یزید کا لاشہ ہائے شہداء کو پامال کرنا، خیام اہل بیت کو نذر آتش کرنا، خواتین کی بے روائی اور ان کو لوٹنا اور اسی قسم کے دیگر مظالم دشمن کی بربریت کا ثبوت تو ہو سکتے ہیں، اس کے علاوہ کسی اعتبار سے جنگ کا حصہ نہیں کہلا سکتے۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ مصنف کتاب نے، جس کا ترجمہ ہم پیش کر رہے ہیں، بعد شہادت کے حالات بیان کرنے میں کافی اختصار سے کام لیا ہے۔ ہم یہاں علامہ حسن رضا ندیری مدظلہ اور ڈاکٹر سید مجتبیٰ حسن کامون پوری کے تاثرات کو بھی منظر عام پر (جاری)

۶. بیمار امام کی تیمار داری و دفاع

ہم زینبؓ عالیہ کی شان بیان کرنے کے لئے کہاں سے ذخیرہ الفاظ مہیا کریں کہ شہزادی بیک وقت خون شہداء کی محافظ ہے، آل محمدؐ کے کاروانِ اسیر کی سردار ہے، اماموں کی حفاظت پر مامور ہے، بے نواؤں اور مصیبت زدوں کی امید ہے، درد مند اور مصیبت زدہ ماں ہے، ایک عظیم و تاریخی پیغام کی حامل ہے، شہیدوں کے دوش بدوش معرکہ جہاد میں کھڑی ہے.....

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

لانا چاہتے ہیں جن کا ہماری محرومہ سیدہ زینبؓ سلام اللہ علیہا سے براہِ راست تعلق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کربلا میں محرم کی شب بیازدہم اور روز بیازدہم کے واقعات کو نظر انداز کر دینے سے ظلم و جور کی یہ داستان ہرگز پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی۔ جو کچھ بھی اس عرصہ میں ہوا اس کے بارے میں جہاں انسانیت و شرافت کی کامل تذلیل نظر آئے گی وہاں مصائبِ اہل بیتؑ کا اندازہ لگانے کیلئے یہ اصول بھی سامنے رکھنا ہوگا کہ غم و الم کے احساس کا تعلق براہِ راست اُس شخصیت کے شعور سے متناسب ہوا کرتا ہے جس پر یہ واقعات وارد ہوتے ہیں اور یہاں تو اس سب کیفیت کا مقابلہ برداشت ان حضرات کو کرنا ہے جن سے زیادہ حساس و باشعور ہونے کا تصور بھی ناممکن ہے۔

بہر حال علامہ غدیریؒ اپنے مخصوص اندازِ بیان میں روز بیازدہم محرم ۱۱۰ھ کے حالات کے بارے میں لکھتے ہیں:

”گیارہ محرم الحرام کا سورج غربت و اسارت کا پیام لئے طلوع ہو چکا تھا۔ آفتاب کی شعاعیں اپنا دامن پھیلاتی جا رہی تھیں، یہاں تک کہ سورج اپنے طویل سفر کی وسطی منزل تک پہنچ گیا۔ دوپہر ہو گئی۔

”دوپہر کی دھوپ اور صحرائے کربلا، سادات کے خیموں میں بھوکے اور پیاسے بچوں کے لئے قیامت کا منظر تھا۔

”سورج نقطہ زوال تک پہنچ گیا، ظلم و استبداد کی آغوش کے پروردہ شقی و بد بخت انسان عمر بن سعد نے اپنی ستم شعار فوج کو حکم دیا کہ رسولؐ زاد یوں کو پالانوں اور چادروں کے بغیر اونٹوں پر سوار کر دیا جائے۔

”ابن سعد کے حکم پر اونٹوں کو خیامِ اہل بیتؑ کے سامنے لاکھڑا کیا گیا تاکہ رسولؐ زاد یوں کو سوار کرایا جائے۔ ابن سعد کے حکم کی تعمیل میں اشقیاء نے ہر طرف مستورات کو گھیرے میں لے لیا اور اونٹوں پر سوار ہونے کے لئے کہا۔

”حضرت زینبؓ نے قومِ اشقیاء کی اس جسارت پر ابن سعد کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

”اے ابن سعد! خدا دنیا و آخرت میں تیرا منہ کالا کرے۔ کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ تو نے ان اشقیاء کو حکم دیا ہے کہ رسولؐ زاد یوں کو اونٹوں پر سوار کرائیں، رسولؐ کی بیٹیاں اور نامحرم انہیں سوار کرائیں، یہ قطعاً ممکن نہیں۔ ان سے کہو دور ہٹ جائیں۔ ہم خود ایک دوسرے کو سوار کرائیں گے۔

(جاری)

حق یہ ہے کہ ثانی زہرا کے بغیر کربلا ایک نامکمل حادثہ ہے اور شہادت آپ کے بیان و شناخت کرائے بغیر ناقص و بیکار مرحلہ ہے۔ اگر ثانی زہرا نہ ہوتیں تو یقیناً کربلا کے واقعات ہمیشہ کے لئے جسد ہائے شہداء کے ساتھ ہی زمین کربلا میں دفن ہو کر رہ جاتے، بلکہ یہ کہنا کسی طرح بے جا نہ ہوگا کہ تصور واقع سے زیادہ ابن زیاد جیسے واقعہ کربلا کے ذمہ دار افراد کے چہرے مٹ جاتے اور ان کا ذکر واقعہ کربلا کے نزدیک بھی نہ آتا کیونکہ کچھ بعد نہ تھا کہ حکومت کے چاہلوس و خوشامدی اسے داستان خوش بیان اور لچسپ بنانے کی خاطر کوئی مختلف شکل دے کر واقعات روزِ عاشورا کو بالکل مسخ کر ڈالتے۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

”زینب کبریٰ کے پر جوش جملے سن کر ابن سعد نے فوجوں کو پیچھے ہٹ جانے کا حکم دیا۔ جب وہ اشقیاء دور ہو گئے تو سیدہ زینبؓ اپنی بہن ام کلثوم کو لے کر آگے بڑھیں اور ہر بی بی کو نام کے ساتھ پکار پکار کر جمع کیا اور ہر ایک کو خود سوار کرایا۔“

”جب سب بی بیاں سوار ہو گئیں اور حضرت زینبؓ کے سوا کوئی باقی نہ رہا تو علیؓ کی بیٹی نے ہر طرف نگاہ کی لیکن سوائے پیارے کربلا کے اور کوئی نظر نہ آیا۔“

”زینب کبریٰ زین العابدین کے پاس آئیں اور کہا: بیٹا جان! آئیے اور اپنی سواری پر سوار ہو جائیے۔“

”امام زین العابدین نے فرمایا: پھوپھی جان! آپ سوار ہو کر چلی جائیں اور مجھے یہاں چھوڑ دیں، میرا خدا حافظ ہے۔“

”سیدہ زینبؓ امام وقت کا فرمان مال نہیں سکتی تھیں۔ لہذا خاموشی کے ساتھ واپس چلی گئیں۔ اس کے بعد زینب کبریٰ نے دائیں بائیں نظر کی تو ہر طرف شہداء کی لاشیں ہی لاشیں نظر آئیں جن کے سروں کو فوج اشقیاء نے نیزوں پر سوار کیا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر سیدہ زینبؓ بین کرنے لگیں.....“

”امام زین العابدین نے پھوپھی زینبؓ کے بین سننے تو بیمار کر بلا سے رہا نہ گیا اور کانپتے ہوئے بدن کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے، اپنا عصا ہاتھ میں لیا اور اس کے سہارے آہستہ آہستہ چل کر حضرت زینبؓ کے پاس آئے اور اپنا کاندھا جھکا کر کہنے لگے: پھوپھی جان آپ کے دردناک بین سن کر میرا دل زخمی ہو گیا ہے۔ آپ کی مظلومیت مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتی۔ آپ میرے کاندھوں پر چڑھ کر ادنت پر سوار ہو جائیے۔“

”حضرت زینبؓ کو کاندھوں پر بٹھاتے ہی امام زین العابدینؓ کمزوری کی وجہ سے زمین پر گر پڑے۔“

”جب شمر ملعون نے دیکھا تو تازیانہ لے کر آگے بڑھا اور اتنے زور سے امانم پر تازیانہ برسانا شروع کر دیا کہ بیمار کر بلا کی جنہیں نکل گئیں۔“

”بیمار کر بلا کی مظلومانہ فریادیں سن کر سیدہ زینبؓ رونے لگیں اور شرعی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے شمر! خدا کا خوف کر (جاری)

دفاع ولایت

اپنے عرصہ حیات میں ثانی زہرا کے سامنے خود ان کی مادر گرامی جناب سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کا اسوۂ حسنہ موجود تھا۔¹ دیکھ چکی تھیں کہ اپنی مختصر سی زندگی میں سیدہ طاہرہ کس طرح اپنے پدر بزرگوار جناب محمد مصطفیٰ کے مقام و ان اور اپنے شوہر نادر امیر المؤمنین علیہ السلام کے مواقف کا دفاع کرتی رہی تھیں، حتیٰ کہ یہ بھی دیکھا کہ جناب فاطمہ الزہرا نے کس طرح حضرت علیٰ اور ان کو درپیش مواقع کی خاطر اپنی جان کی بازی لگا دی تھی جس کے نتیجے میں اپنے آپ کو بسترِ علالت کی زینت بنا دیا تھا (جو بالآخر آپ کے انتقامِ زینت کا باعث بنی)۔

(حاشیہ صفحہ ۱۸۱) ۱۔ یہ وہ اسوۂ حسنہ ہے جس کو شاعر مشرق نے بہترین اسوہ برائے زنان عالم قرار دیتے ہوئے کہا ہے:

مزرع تسلیم را حاصل بتول مادران را اسوۂ کامل بتول

اسی طرح زوجہ و زوج کے تعلقات کے بارے میں اسی نظم میں کہتے ہیں:

نوری و ہم آتشیں فرمان برش گم رضایش در رضائے شوہرش

(حاشیہ صفحہ سابقہ) اور اس یتیم رسول زادے کو تازیانے نہ لگا۔ یہ خاندانِ نبوت و رسالت کی امیدوں کا مرکز ہے، یہ تاجِ خلافت و مسندِ امامت کا مالک ہے، کیا تجھے اس کی بیماری پر بھی رحم نہیں آتا؟

”سیدہ زینبؓ کبریٰ کی باتیں سن کر شمر پیچھے ہٹ گیا اور اس طرح امامِ وقت تازیانوں کے شدید حملوں سے بچ گئے۔ اتنے میں ایک بڑھپا کینز حضرت فضہؓ سیدہ زینبؓ کے پاس آگئیں اور مخدومہ عالم کو اونٹ پر سوار کرایا۔

”اس کے بعد وہ اشقیاء آگے بڑھے اور انہوں نے امام زین العابدینؓ کو ایک کمزور ناتواں اونٹ پر سوار کر دیا، بیماری اور کمزوری کی وجہ سے امام صحیح طور پر اونٹ پر بیٹھ نہیں سکتے تھے، چنانچہ اس بات کی اطلاع ابنِ سعد کو دی گئی۔ اُس شقی نے حکم دیا کہ ان کے پاؤں اونٹ کے پیٹ کے نیچے رسی کے ساتھ باندھ دو۔ ابنِ سعد کے حکم پر بیمار کربلا کے پاؤں اونٹ کے پیٹ کے نیچے رسی سے نہایت مضبوطی کے ساتھ باندھ دیئے گئے۔ (معالی السطین، ج ۲، ص ۹۲، منقول از اسرار الشہادۃ)۔ (زینبؓ، زینبؓ ہے، ص ۲۲۱-۲۲۲)۔

اہل بیتؑ کی کربلا سے روانگی کے واقعات کو لاتعداد مؤرخین اور کتبِ مقاتل کے مصنفین نے اپنے اپنے انداز میں رقم کیا ہے۔ جیسا کہ ہم ریاضِ علی ریاضِ صاحب کے الفاظ میں قبل ازیں لکھ چکے ہیں کہ سوانح نگار کو مختلف قسم کی مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ لہذا الفاظ و جذبات میں فرق کا ہونا فطری بات ہے۔ لہذا قاری کو اپنی درایت سے کام لینا لازم آتا ہے تاکہ وہ صحیح واقعات کی تہہ تک پہنچ سکے، بالخصوص واقعہ کربلا کے معاملہ میں جس کو دنیا کے عقلمند و عالم ترین لوگوں نے بے مثل المیہ کے طور پر ہر جگہ اور ہر مقام پر تسخیم کیا ہے۔ ہم اسی کیفیت کو علامہ ذاکرؒ مجتبیٰ حسن کا مونپوری کے الفاظ میں ان کے مقدمہ سے نقل کرتے ہیں، علامہ لکھتے ہیں:

(جاری)

اس وقت زینب عالیہ جناب سیدہ طاہرہ کی صحیح جانشین ہیں۔ آپ ایسے حالات و مراحل سے گزر رہی ہیں کہ اسلام میں مقدم ولایت کو آپ کے دفاع و حفاظت اور آپ کی قربانی کی اشد ضرورت ہے۔ لہذا آپ پوری تندی کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھتی ہیں، تمام رنج و الم کو ساتھ لے کر اپنے فرض و ذمہ داری کی راہ پر گامزن ہو جاتی ہیں۔ آپ اپنے پدر بزرگوار حضرت علی ابن ابی طالب اور برادر بزرگ حضرت حسن مجتبیٰ کے زمانہ ہی سے اس فرض کو اپنے لئے اختیار کئے ہوئے ہیں۔ آپ حضرت علی علیہ السلام کی رفیقہ حیات جناب سیدہ طاہرہ کے بعد اپنے بابا کے موقف کی برابر حفاظت کر رہی ہیں اور امیر المؤمنین علیہ السلام بھی اپنے تمام امور عائلی زہرا کے سپرد کئے ہوئے ہیں۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

”گیارہویں محرم کی دلفگار صبح طلوع ہوئی۔ ابن سعد نے اپنے کشتوں کی نماز میت پڑھ کر ان کو دفن کر دیا (طبری)۔

”ثانی زہرا کے لئے یہ کتنا بڑا سانحہ تھا کہ کوئی نہیں جو ان کے عزیزوں اور مددگاروں کی نماز میت پڑھے اور دفن کرے۔ اہل م کے سر مبارک کو ابن زیاد کے پاس پہلے بھیج دیا گیا (اخبار طوال، ص ۲۵۶)۔ بعض دوسرے شہداء کے سر بھی ابن زیاد کے پاس بھیج دیئے گئے (ارشاد مفید، ص ۲۵۸)۔ اہل حرم کے بازوؤں میں رسیاں باندھیں۔ انہیں بے موقع و چادر پر ہذا اونٹوں پر سوار کر کے کوفہ لے چلے۔ ساتھ ساتھ نیزوں پر شہداء کے بڑے سر تھے (اخبار طوال، ص ۲۵۶)۔ مولانا سلامت اللہ صاحب (شاگرد محدث دہلوی) لکھتے ہیں:

”سر مبارک را بر نیزہ کردہ بابشیر بن مالک و خولی بن یزید بکوفہ پیش ابن زیاد فرستادند و زنان اہلبیت را بر شتران بے پردہ سوار کردہ و علی بن الحسین بیمار را بہ شترے انداختہ روانہ بہ کوفہ ساختند“۔ (تحریر الشہادتین، ص ۹۲)۔

”غزوہ کے سامنے وہ قیامت کا منظر بھی آگیا جب ان کا قافلہ پنج شہیداں کی طرف سے گزرا۔ ثانی زہرا کے لئے خصوصاً اور عموماً ہر ایک مبتلائے غم کیلئے یہ زہرہ گداز و روح فرسا منظر تھا۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ یہ دردناک مقام دیکھ کر ثانی زہرا اور حضرت ام کلثوم و رباب و فاطمہ و سکینہ و صفیہ و زکریا و ام ہانی و عائکہ و فضہ و مادر و وہبؓ پر کیا گزری اور بیمار امامؑ پر اس کا کیا اثر ہوا اور ان سب کے تاثرات نے ثانی زہرا پر کیا اثر ڈالا۔

”انسان ایک ایسی مخلوق ہے کہ معلوم باتوں سے نامعلوم باتوں کا وہ خود استنباط کر لیتی ہے۔ اہل بیت خصوصاً ثانی زہرا کو جس قدر ان سید الشہداء اور ہاشمی شہیدوں سے تھا، ہم نے اس کا کچھ بیان تاریخ کی زبان سے بھی سنا ہے۔ سید الشہداء سے اشارۃً خبر مرگ سن کر ثانی زہرا بے ہوش ہو گئی تھیں۔ اب تو اندیشے واقعہ بن چکے تھے۔ اگر ہم خبر مرگ بے ہوشی کا سبب ہو سکتی تھی تو عریں میت، سر بڑیدہ جسم، پامال لاش موت کا سبب بن سکتی ہے۔ بے گور و کفن لاشوں کو ویران صحرا میں چھوڑ کر آگے قدم بڑھانا ان کیلئے بڑا ہی روح فرسا مسئلہ تھا، لیکن عصر عاشور سے پہلے جو زینب تھیں، عصر عاشور کے بعد اب وہ زینب نہیں رہیں۔ احساس فرض نے ان (جاری)

وقت آتا ہے کہ آپ کے برادر بزرگ امام حسن علیہ السلام دشمن کے حملہ سے زخمی ہو جاتے ہیں تو زینب علیہا السلام کی کمرس تیار ہوتی ہے، یا جس روز امام حسن علیہ السلام کو زہر دیا جاتا ہے اس وقت بھی امام ثانی زہرا کی حفاظت میں ہیں۔ یہ درجہ کہ ثانی زہرا کی یہ تمام کاوشیں اپنے خانگی مسائل کی الفت و لگاؤ کی خاطر نہیں کہ جب بھی کوئی واقعہ پیش آئے اس وقت واقعہ کی مطابقت سے اقدام کریں۔ آپ کی یہ تمام کاوش و کوشش قانون و نظام پروردگار کی بنیادوں کے دفاع کی خاطر ہے جس کے لئے آپ کے جد بزرگوار جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کے والد محترم جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام، آپ کی والدہ گرامی جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور برادران ذی وقار حسین علیہما السلام نے اپنی زندگیاں صرف کی تھیں۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

میں نئی روح پھونک دی، بھائی کی وصیت نے اُن کے ذہن کی نئی تخلیق کی ہے۔ احساسات کی نزاکت کی جگہ عزم و جرأت، برداشت و تحمل نے لے لی۔ شخصی تاثرات رنج و غم کی جگہ بچوں، بیواؤں اور عزیزوں کے احساسات غم کی تخفیف کی فکر اور تسلی و تسکین کی کوششوں نے لے لی۔ شام غریباں سے گیارہویں کی صبح تک خاک پر سجدہ میں بار بار پیشانی رکھ کر جو قوت مانگی تھی، قدرت نے بخش دی۔ بیجان انگیز مقامات اب ان میں شخصی تاثرات کو شدید کرنے کی بجائے ساتھیوں کی غمگساری و تسکین بخشی کے ارادہ کو مستحکم کر رہے ہیں۔

”اس وقت ہولناک تر منظر کو دیکھ کر مر جانا اُن کی نظر میں بزدلی تھی۔ ساتھیوں کو غم کے منہ حصار سے نکالنا یہ ہمت کا کام تھا۔ یہ مشکل ترین مسئلہ تھا کہ اپنے نفسیات غم دبا دیئے جائیں، ساتھیوں کے غم کے سیلاب کو روکنے کے لئے گنج شہیدان میں قدرت نے ثانی زہرا کی آزمائش کر لی جو اس منزل سے ہوش و حواس کی سلامتی اور فرائض کے زندہ احساس کے ساتھ گزر گئیں۔ وہ کوفہ و شام کے مرحلوں کو شہادت و عزت کے ساتھ طے کرنے لگیں۔ سنگین ترین مرحلے یکے بعد دیگرے ثانی زہرا کے سامنے آئے والے تھے۔ اللہ نے زیادہ سے زیادہ صبر کی طاقت انہیں بخش دی۔ ملکہ صبر اُم الفضائل ہے۔ زندگی کو اس فضیلت کی ایسی ہی ضرورت ہے کہ قرآن مجید نے تقریباً ستر مقامات پر اس کا ذکر کیا ہے اور ہر فضیلت کی ایک معین جزا مقرر کی ہے، لیکن صبر کے متعلق فرمایا ہے: ”انما یوفی الصابرون اجرہم بغير حساب“۔ اب ثانی زہرا کی نظر اجر بے حساب کے انعام ربانی پر ہے۔

”جب قتل گاہ سامنے آئی اور اسیروں کی نگاہ سید الشہداء کے جسم بے سر پر پڑی، اکبر و قائم و محسن و محمد و عباس کے لاشے ریگ و صحرا پر پڑے ہوئے دکھائی دیئے تو ماؤں اور بہنوں میں کہرام مچ گیا۔ سید الصابریں کے لئے یہ بڑا سانحہ تھا کہ شہداء کی لاشیں بے کفن و دفن پڑی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قدرت کا فتنہ اس وقت یہ تھا کہ سید الصابریں پر بھی ظاہر ہو جائے کہ معبود حق نے سنگین حالات کے مقابلہ کے لئے پھوپھی میں کس قدر قوت صبر پیدا کر دی ہے اور تائید ربانی کس قدر ان کے شامل حال ہے۔ مناظر ایسے ہی ہونے لگے کہ سید الصابریں کا رنگ و رخ بدل جائے، چٹائی و رنج نفس کی آمد و شد کے نظام میں رخنہ ڈال دے، جذبہ غم کی شدت، زندگی (جاری)

وفاع سید الشہداء علیہ السلام

ثانی زہانے لاقعدامواقع پر امام حسین علیہ السلام کے دفاع کی ذمہ داری اٹھائی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سید الشہداء علیہ السلام کے تمام اقدامات میں آپ کی یہ بہن مکمل طور پر آپ کے ہم قدم نظر آتی ہیں۔ سید الشہداء علیہ السلام کی زندگی کا مدینہ کا دور ہو، واقعہ کربلا کے نشیب و فراز ہوں یا عرصہ اسیری کے واقعات و حالات ہوں، جن کا ہم ذکر کریں گے، ہر جگہ آپ کے شانہ بشانہ کھڑی ہیں۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) جان آفرین کے سپرد کر دے۔

”لیکن مصلحت ربانی یہ تھی کہ اس منظر کے مشاہدہ کے لئے ایک نازک حس، رقیق القلب، افسردہ طبیعت کو اتنا قوی دس بندے کہ وہ اپنے شدید تاثرات غم سے دوسروں کے جذبہ غم میں طغیانی پیدا کرنے کی بجائے دوسروں کے غم کے طوفان پر بندھ باندھ دے۔ اگر اس موقع پر میں خضر موسیٰ علیہما السلام کی تمثیل سے نفسیات کی اس تبدیلی کی توجیہ کروں تو میرا نفس مطمئن نہ ہوگا کہ میں حضرت خضر کی جگہ پر ثانی زہا کو رکھوں اور حضرت موسیٰ کی حیثیت امام زین العابدین کو دوں۔

”عصمت کبریٰ اور عصمت صغریٰ میں تاخیر ربانی کا جو عام فرق ہے وہ اس وقت دونوں میں تفاوت درجات کے ساتھ قائم ہے۔ لیکن قدرت یہ چاہتی تھی کہ تسلی کا فریضہ ایک نازک دل فردا انجام دے جو ایسے موقع پر آہ و کراہ و سیلاب اشک سے فضا کو غمناک سے غمناک تر بنا دیتی ہے۔ اگر مخصوص تاخیر سے اسے قوی دل نہ بنایا گیا ہوتا تو واقعات کی شدت منظر کی ہولناکی کا اظہار وہ کرتا جس کے صبر و برداشت کی طاقت، جس کے ثبات و استقلال کی صلاحیت کو کوہِ گراں سے تشبیہ دے کر اس کے مقام ثابت و کم کرنا تھا۔ خود حضرت امام علی بن الحسین ایک گفتگو میں فرماتے ہیں:

’جب کربلا میں میرے باپ، ان کی اولاد، ان کے بھائی اور عزیز شہید ہو گئے اور ان کے حرم اور خواتین اونٹوں پر سوار کی گئیں، اور ہم کو فلو کو چلے تو میری نظر ان لاشوں پر پڑی جو ابھی دفائی نہیں گئی تھیں۔ یہ دیکھ کر مجھے بڑا صدمہ ہوا۔ میرا قلق اتنا بڑھا کہ قریب تھا کہ میرا دم نکل جائے۔

’میری پھوپھی زینب کبریٰ نے اسے محسوس کر لیا اور فرمایا کہ اے میرے نانا، باپ اور بھائی کی یادگار! تم کیوں جان دے رہے ہو؟

’مام نے فرمایا کہ میں کیسے نہ بے چین ہو جاؤں جبکہ آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ میرے سردار، میرے بھائی، میرے چچا اور میرے چچے کے لڑکے قتل کئے ہوئے خون میں آلودہ خاک پر پڑے ہوئے ہیں۔ انہیں نہ کفن دیا گیا نہ دفنایا گیا۔ ان پر کوئی توجہ نہیں کرتا۔ یہ لوگ دہلیم و خرز کے باشندے ہیں؟

(جاری)

روزِ شورا امامِ عالی مقام نے شہزادہ علی اکبر کی صدائے استعانت سنی، اپنے آپ کو نہایت تیز رفتاری سے اپنے جوان
فرزند رشید کے سر ہانے پہنچایا۔ آپ نے دیکھا کہ بمشکل پیغمبرِ بیٹے کا سر شگافتہ ہے اور وہ خون میں غرق ہیں۔ امامِ عالی مقام کا
شہزادہ علی اکبر کے سر ہانے اس تیزی سے پہنچنا اتنی عجیب بات بھی نہ تھی، آپ اُن کو سیدہ زینبؓ عالیہ کے پاس اٹھا دئے۔
ثانی زہراؓ تشریف لائیں، اپنے آپ کو لاشہ علی اکبر پر گرا دیا، سید الشہداء علیہ السلام کے دلاسہ کی خاطر حاضرین کو مخاطب کر کے
فرمایا: ”میرے بھائی کو علی اکبر کا پرسہ دو“۔ اپنی ایسی باتوں سے سید الشہداء علیہ السلام کے دل کو ڈھارس دی۔ امام علیہ السلام
نے فرمایا: ”اِحْمِلُوْا حَاسِکُمْ.....“ علی اکبر کی لاش کو اٹھاؤ اور خیمہ میں لے چلو..... (مقتل الحسین علیہ السلام)۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

’ (ثانی زہراؓ نے) فرمایا کہ اس منظر کو دیکھ کر مضطرب نہ ہو۔ بخدا اس کے بارے میں رسول اللہ سے آپ کے دادا اور والد اور
آپ کے چچا سے ایک عہد ہے۔ اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ اس امت کے کچھ لوگ جن کو اس امت کے فرعون نہیں پہچانتے اور وہ اہل
آسمان معروف ہیں، وہ لوگ ان پراگندہ اور خون آلودہ اعضاء کو جمع کر کے دفن کریں گے اور آپ کے باپ سید الشہداء علیہ السلام کی قبر کو
نشان لگائیں گے جو کبھی نہ مٹے گا اگرچہ کفر اور ضلالت کے پیر و اس کے مٹانے کی پوری کوشش کریں گے، لیکن قبر کا مقام بند ہی ہوتا رہے
گا۔ میں نے پوچھا کہ یہ عہد کیا ہے اور یہ خبر کیا ہے؟ اس کے بعد آپ نے اُم ایمن کی بیان کردہ حدیث مفصل بیان فرمائی (کامل
الزیارات، شیخ فقیہ ابوالقاسم، جعفر بن محمد قولی ص ۳۶)۔

”یہ برکات کے تاثرات اور غم کی شدت نے ثانی زہراؓ کی توجہ امام کی حالت زار کی طرف موڑ دی۔ میں اسے اللہ کی مخصوص تائید
سمجھتا ہوں کہ عین وقت پر لطفِ الہی نے ثانی زہراؓ کی زندگی کی حفاظت کی اور ان کی توجہ اُس وقت اپنے جذبہ غم پر قابو پا کر بہ راہِ مہم کی
تسل و تسکین میں مصروف ہو گئی۔ سید الشہداء قبل شہادت ثانی زہراؓ کی نظر میں یادگارِ سلف تھے۔ کربلا میں امام سے اشارہ مرگ پا کر جب
وہ بے ہوش ہو گئی تھیں تو انہوں نے فرمایا تھا کہ آپ یادگارِ سلف ہیں، آپ کی موت سب بزرگوں کی موت کی تجدید کرتی ہے۔ کرب و الم
کے مزید حملہ سے بچانے کیلئے ثانی زہراؓ کا کئی طرح علاج کیا جس میں یہ تدبیر بھی شامل تھی کہ اُن کو بیمار امام کے پاس بٹھا دیا کہ اُن کی
نازک حالت پر لمحہ بہ لمحہ نظر رہے اور دوسرے حالات سے اثر لینے کا موقع نہ ملے۔ اب وہی حیثیت بیمار امام کو ثانی زہراؓ کی نظر میں حاصل
ہو گئی جس کا اظہار انہوں نے گنج شہیدان میں بیمار امام کی نازک حالت دیکھ کر فرمایا، (بقیہ جدی و ابی و اخوتی)۔ کربلا میں معالج
سید الشہداء علیہ السلام تھے اور گنج شہیدان میں لطفِ خداوندی اُن کا معالج ہے۔ طریقہ علاج قدرت نے نہیں بدلا۔ وہی بیمار امام کی
حالت زار اس وقت بھی ان کی توجہ کا مرکز بنائی گئی اور امام کی وہی نازک حالت اس وقت بھی ان کی جان بچا سکی۔ اگر یہ قدرتی طریقہ
علاج مددگار نہ ہوتا تو مجھے کوئی شک نہیں ہے کہ یہ ہواناک منظر ثانی زہراؓ کے لئے جان لیوا ثابت ہوتا۔ اُس وقت ثانی زہراؓ کے (جاری)

دوسری مرتبہ جب شہادتِ امام حسین علیہ السلام یقینی ہو چکی اور جس وقت آپ قاتلانِ سید الشہداء علیہ السلام کی طرف سے بالکل ناامید ہو گئیں تو زینبؓ عالیہ نے عمر بن سعد کی جانب رخ کر کے اُس سے پوچھا: ”یہ لوگ اب عبد اللہ کو قتل کر رہے ہیں تو تو کیا اس قتل کا تماشا دیکھتا رہے گا؟“

”اَيُقْتَلُ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ وَ أَنْتَ تَنْظُرُ إِلَيْهِ.....“ (چہرہ خونین حسین علیہ السلام)

کہتے ہیں کہ یہ سن کر عمر بن سعد رونے لگا اور اپنا منہ اُدھر سے پھیر لیا۔¹

کوفہ میں دربارِ ابنِ زیاد میں سب سردارانِ قبائل اور بے وفا کوفیوں کے سامنے، پھر دربارِ یزید میں جہاں تمام سردارانِ وقت اور دیگر ممالک کے نمائندگان بھی موجود تھے، ثانی زہراؓ نے سید الشہداء علیہ السلام کا بطور حقیقی فرزندِ رسولؐ، یکے ازارِ کانِ دینِ اسلام، زمانہ کی نیک و پاکیزہ ترین شخصیت، مکمل تعارف کروایا۔ اس طرح اُن لوگوں کے ذہنوں سے یہ تصور بالکل نکال دیا کہ وہ معاذ اللہ دین سے خارج ہو چکے تھے جیسا کہ لوگوں کے ذہنوں میں آپؐ کے بارے میں یہ عقیدہ پنپنے لگا تھا۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

دل پر یقیناً نزولِ سکینہ ہوا جس طرح اللہ انتہائی ہولناک مقامات پر اپنے مخصوص بندوں کی نصرت و تائید کرتا رہا ہے۔ اُس وقت بیمارِ ماتم کا اضطرابِ ثانی زہراؓ کے لئے سب بھائے زندگی ہو گیا، بیمارِ ماتم کا اضطرابِ ثانی زہراؓ کے حق میں خدا کا لطف اور تائیدِ یزدی بن گیا۔ ”غم و قلق کا جو طوفانِ ثانی زہراؓ کے سینہ سے اٹھتا وہ بلاشبہ ان کی کشتیِ حیات کو غرق کر دیتا لیکن حکمت پروردگار نے ان کو بحرِ غم کے متلاطم ہونے سے روک دیا۔ اگر بحرِ غم میں طوفان آتا تو کتنا شدید ہوتا، اس کا اندازہ مؤرخ طبری کے اس بیان سے ہوتا ہے:

”قرہ بن قیس تمیمی (فوجِ یزید کا ایک خبیث النفس) کہتا ہے: مجھے خوب یاد ہے، زینبؓ بنتِ فاطمہؓ کا یہ کہنا، میں اسے کبھی نہ بھولوں گا کہ وہ اپنے بھائی کی لاش پر کہہ رہی تھیں:

’واحمد! واحمد! ملائکہ آسمان نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ حسینؓ میدان میں پڑے ہیں، خون میں ڈوبے ہوئے، تمام اعضاء ٹکڑے ٹکڑے ہیں، یا محمد! آپ کی بیٹیاں رسیوں سے باندھی گئی ہیں، آپ کی ذریت قتل کی گئی، ہوا ان کی لاشوں پر خاک ڈال رہی ہے۔‘
”یٰ نین کرو اللہ دوست و دشمن سب رو دیئے۔“ (رضا کار، شریکۃ الحسین نمبر ۱۹۶۱ء، ص ۲۸۵ تا ۲۸۶)۔

(حاشیہ صفحہ ہذا)

1۔ زینبؓ عالیہ سلام اللہ علیہا کا سید الشہداء علیہ السلام کی سر بریدہ لاشِ مبارک پر آنا اور اظہارِ صبرِ خود اپنے مقام پر شہزادی کے معجزہ سے کم نہیں۔ ہم ایک بار پھر اس منظر کے لئے علامہ غدیری مدظلہ کی طرف رجوع کرتے ہیں جو اس طرح اس منظر کو بیان فرماتے ہیں:

”زینبؓ کبریٰ نے اشیاء کو امامؑ کی لاش کے گرد جمع ہوتے دیکھا تو اپنے خیمہ سے باہر نکل آئیں جبکہ اپنے دونوں (جاری)

دفاع امام زین العابدین علیہ السلام

مؤرخین نے ثانی زہرا کا ولایتِ حقہ کی معین و معاون اور سید الساجدین علیہ السلام کی کفیل کے طور پر تعارف کروایا ہے۔ ذلیل دشمن نے کئی بار سید سجاد کو قتل کر ڈالنے کا قصد کیا لیکن ثانی زہرا نے مختلف طریقوں اور کوششوں سے اہم و دشمن کے اس ارادہ سے محفوظ رکھا۔ یہ کیفیت اس حد تک سنجیدہ و یقینی ہو چکی تھی کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر زینب کبریٰ نہ ہوتیں تو سید سجاد کو بھی قتل کر دیا گیا ہوتا اور خاندانِ رسولِ خدا میں کسی کو زندہ نہ رہنے دیا جاتا۔ وہ خاص مواقع جن میں جناب ثانی زہرا نے سید سجاد علیہ السلام کی جان بچائی اور حضرت کا دفاع کیا، ہم ذیل میں الگ الگ پیش کرتے ہیں:

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

ہاتھوں کو سر پر رکھے ہوئے اس طرح لڑکھڑاکے چل رہی تھیں گویا مصائب و آلام کی شدت نے انہیں زمین گیر کر دیا ہے اور غم و الم سے ان کے چہرہ کارنگ متغیر ہو چکا تھا۔ اس حالت میں وہ مخدوم اپنے مظلوم بھائی کی لاش کی طرف بڑھیں اور یہ کلمات اُن کے ورد زبان تھے:

آجائے زلزلہ بھی مکان و کین پر اے کاش آسمان بھی گرتا زمین پر! (غدیری)

”اشقیاء نے رسولِ زادی کو اپنے مظلوم بھائی کی لاش کی طرف آتا دیکھ کر راستہ چھوڑ دیا تا کہ زینب اپنے ماں جائے کا جی بھر کر دیدار کر لے۔ سیدہ عالم آنکھوں میں اشکوں کا سیلاب لئے ہوئے بھائی کی لاش کے قریب آ کر گھڑی ہو گئیں۔ مظلوم بھائی کے چہرہ پر تیروں اور تلواروں کے نشانِ نظر آئے اور منہ خون سے رنگین ہو چکا تھا۔ زہرا کی بیٹی اپنے بھائی کے قریب بیٹھ گئیں اور نواسہ رسول پر بین کرنا شروع کر دیئے۔

”مظلوم بھائی کی لاش کو صحرائے کربلا کی گرم ریت پر دیکھ کر زینب برداشت نہ کر سکیں۔ آگے بڑھ کر ماتم کے کاندھوں کے نیچے، اپنے دونوں ہاتھ رکھ دیئے تاکہ بھائی کا نازنین بدن صحرا کی پیش سے بچ جائے..... اس کے بعد بھائی کا کٹا ہوا گلہ چوم کر، صبر و رضا کا دامن تھامے خیام کی جانب روانہ ہوئیں۔ زینب نے اتنی عظیم مصیبت پر صبر و استقامت اختیار کر کے عظمتِ انسانیت کو معراجِ بخشی اور پیامِ حسینی کی ابدیت نواز تاثیر سے دنیائے بشریت کو حیاتِ جاوداں کا راستہ دکھایا۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک ہر صاحبِ بصیرت انسان زینب کے جذبہ استقامت کے سامنے سرِ ادب خم کئے ہوئے ہے۔

”کربلا کی شیر دل خاتون، زینب کبریٰ نے مصیبتِ الم کی ہر گھڑی میں صبر و تحمل کے ایسے نمونے پیش کئے جو آج تک ہر اہلِ درد کیلئے مثال بن چکے ہیں۔

”علیٰ کی با عظمت بیٹی نے اپنی ہر مصیبت میں رضائے الہی کو مد نظر رکھا اور اپنے مثالی صبر کا اجر بارگاہِ خداوندی سے طلب کیا۔ یہی وجہ ہے کہ بھائی کی لاش پر آ کر خدا کے حضور قربانیِ آلِ محمد کی قبولیت کی دعا کرنا، ثانی زہرا کے مقامِ تقویٰ کا بے مثال نمونہ (جاری)

(۱) عصر روز عاشور

ہم بتا چکے ہیں کہ شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بعد دشمن آپ کی خیمہ گاہ میں گھس آیا، تاراجی، خیام اور اموال کو لوٹنے کے بعد گنگا دی گئی جس سے تمام خیام جل گئے اور خواتین و بچگان ادھر ادھر بکھر گئے۔ اُس وقت سید سجاد بہری کی حالت میں بستر پر پڑے تھے اور اپنے دفاع کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ شمر آپ کے سر پر آن دھمکا اور آپ کے قتل کا ارادہ کیا۔ سردارانِ لشکر عمر ابن سعد میں سے ایک شخص مانع ہوا اور بولا کہ یہ تو ابھی لڑکا ہی ہے اور لڑکوں کو مارنا درست نہیں (زندگانی امام علی بن الحسین، شہیدی)۔

شمر کے اس ارادہ کا علم ہوتے ہی ثانی زہرا نے اپنے آپ کو بستر میں امام کے اوپر گر دیا۔ پھر امام کو اپنی آغوش میں لے کر فرمایا: ”خدا کی قسم! میں اس کو قتل نہ ہونے دوں گی، یا پھر اس کے ساتھ مجھے بھی مار ڈالو۔“ دشمن کیسے ایسا کرنا بھی بعید نہ تھا، تاہم اس نے سید سجاد کے قتل سے ہاتھ روک دیا 1۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

سمجھ جاتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اتنے عظیم بھائی کی لاش پر ہمیں عموماً اپنے حواس کھو بیٹھتی ہیں۔ لیکن زینب کے اخلاص و صبر کی عظمتیں نمایاں ہوئیں اور غم و اندوہ کی اس حالت میں رضائے الہی کے حصول کی دعائیں مانگتی رہیں۔ تاریخ بشریت، ثانی زہرا کے صبر کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ (زینب، زینب ہے، ص ۲۰۸، ۲۰۹)۔

(حاشیہ صفحہ ۱۷۱)

1۔ (۱)۔ جناب سید العلماء اعلیٰ اللہ مقامہ ۱۱ محرم کے حالات نہایت اختصار کے ساتھ اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

”11 محرم کی صبح کو جب پس ماندگانِ حسین قیدی بنائے جا چکے اور لٹا ہوا قافلہ کوفہ کی طرف روانہ کیا گیا تو قتل گاہ سے ہو کر گزرا کہ جہاں افواجِ یزید کے مقتولین کو دفن کئے جانے کے بعد بھی شہدائے راہِ خدا کی لاشیں بے غسل و کفن خاک و خون میں آلودہ چھوڑ دی گئی تھیں۔“

”اس جگر خراش منظر سے بیمار و ناتواں علی بن الحسین کا وہ عالم ہوا کہ جسے دیکھ کر ثانی زہرا بے تاب ہو گئیں اور جب مصیبت زدوں کا قافلہ مقتول شہداء میں پہنچا تو اُن سے اُن کی پھوپھی نے بے تاب ہو کر دریافت کیا کہ اے ہمارے یادگارِ رفتگان، یہ تمہاری کیا حالت ہے کہ روح تمہارے جسم سے پرواز کیا چاہتی ہے؟ جیتھے نے جواب دیا: اے پھوپھی اس منظر کو دیکھ کر کس طرح برداشت کروں کہ میرے پیر بزرگوار اور چچا اور میرے بھائی غرض کہ تمام عزیز و اقارب کو دیکھ رہا ہوں کہ سب کے سب اس میدان میں خون میں نہائے ہوئے بے دفن و کفن پڑے ہیں اور کوئی اُن کا گران ہے نہ پُرساں۔ اس نازک موقع پر جناب زینب ہی کا کام تھا کہ (جاری)

(ب) قتل گاہ میں

گیارہ محرم کی صبح کو اسیران اہل بیت قتل گاہ سید الشہداء علیہ السلام میں وارد ہوئے۔ اُن کی نظریں بے سر جسموں اور شہداء کے پارہ پارہ اعضائے بدن پر پڑیں۔ مقررہ کہتا ہے کہ سید سجاد کے چہرہ سے رنگِ حیات اُڑ گیا، گویا سہل کی حالتِ نزاع ہو رہی تھی۔ ثانی زہرا نے رخصتِ شہداء سے اپنے آپ کو ہٹالیا، تیزی سے امام کے قریب پہنچیں اور فرمایا:

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

انہوں نے امام زین العابدین علیہ السلام کو تسلی اور دلاسا دیا۔ (شہیدانِ انسانیت، ص ۵۵۹، ۵۶۰)۔

(ب) یہ تمام حالات مختلف کتب میں ان کے مصنفین نے اپنے اپنے انداز میں رقم کئے ہیں، جن میں صرف الفاظ ہی کا فرق ہے، نفسِ مضمون کو بدلنے کی کسی نے جرأت نہیں کی۔ اسی سے کربلا کے مرقع میں ثانی زہرا نے اپنے وجود کا دوش سے جو رنگ بھرے ہیں، ان کو سمجھنے میں ذہنِ انسانی کو کسی طرح کی پریشانی لاحق نہیں ہوتی۔ ہم یہاں علامہ غدیریؒ کے الفاظ بھی پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتے جو اس موقع پر ثانی زہرا کے طرزِ عمل پر روشنی ڈالتے ہیں۔ علامہ مذکور لکھتے ہیں:

”شمر بن ذی الجوشن اشقیاء کے ایک گروہ کے ہمراہ تلوار ہاتھ میں لئے خیام کی طرف آیا اور بیمار کربلا زین العابدین علی بن الحسین علیہ السلام کو قتل کرنا چاہا۔ امام زین العابدینؑ شدتِ بیماری کی وجہ سے اٹھ بیٹھ نہ سکتے تھے۔ حمید بن مسلم نے شمر کو اس مذموم ارادہ کے ساتھ خیام کی طرف بڑھتا دیکھ کر کہا: ”تم پر افسوس ہے کہ چھوٹے بچوں پر بھی رحم نہیں کرتے ہو۔ زین العابدینؑ تو یہاں ہیں۔ تمہیں ان کی حالت پر بھی رحم نہیں آتا؟“

شمر نے حمید بن مسلم کی بات پر کان نہ دھرے اور زین العابدینؑ کے قتل پر اپنے عزم کا اظہار کرتے ہوئے آگے بڑھنے لگا۔ لیکن ثانی زہرا چوتھے تاجدارِ امامت سید سجاد زین العابدینؑ کی پاسداری کرتے ہوئے سامنے آ گئیں۔ امام زین العابدینؑ سے لپٹ گئیں اور شمر سے مخاطب ہو کر کہا:

”خبردار! امام وقت کو قتل کرنے کی جرأت نہ کرنا ورنہ تجھے زینبؑ کی لاش سے گزرنا ہوگا اور میں اس بیمار پر آنچ تک نہ قطعاً برداشت نہیں کر سکتی۔“

سیدہ زینبؑ کے عزم و استقلال کے سامنے شمر نے ہتھیار ڈال دیئے اور وہ امام وقت کے قتل سے ہاتھ اٹھ کر واپس چلا گیا۔ امامت کی پاس داری میں ثانی زہرا کا یہ کردار سلسلہٴ امامت کی بقائے دائمی کا سبب بنا، جس کی بنا پر یہ کہنے بے جا نہ ہوگا کہ کائنات میں وجودِ امام کے فیوضات سے بہرہ ور ہونا، زینبؑ کی کاوشوں کا مہرہ ہون منت ہے کہ اس معظّمہ نے اپنے قلبِ آئینہ کے ساتھ وجودِ امام کی پاس داری کرتے ہوئے شمر جیسے شقی انسان کو قتلِ امام کے مذموم ارادے میں کامیاب نہ ہونے دیا جس کے نتیجہ میں دنیا (جاری)

مَالِي أَرَاكَ تَجُودُ بِنَفْسِكَ يَا بَقِيَّةَ جَدِّي وَ أَبِي وَ اخَوْتِي؟ (مقتل الحسین علیہ السلام، المرقم، ص ۳۹۶۔)

یعنی ”اے میرے نانا، میرے باپ اور میرے بھائی کی یادگار! تجھے کیا ہوا ہے؟ میں دیکھ رہی ہوں کہ تم اپنی جان دے دو گے۔“

امام نے فرمایا: ”میں کیسے بے تاب نہ ہوں جبکہ میں اپنے باپ، بھائیوں، چچاؤں..... سب کو اس حال میں دیکھ رہا ہوں کہ اپنے خون میں ڈوبے ہوئے بے جان پڑے ہیں، اُن کے جسم پر ہنہ ہیں، انہیں کفن تک نہیں دیا گیا، گویا کہ یہ لوگ ہمیں مسلمان بھی نہیں جانتے؟“

سیدہ زینب اُن کے قریب بیٹھ گئیں اور انہیں دلاسا دینے کی غرض سے فرمایا: ”اس کیفیت سے بے چین نہ ہو۔ خدا کی (باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

آدمیت آج تک نور امامت سے مستفیض ہو رہی ہے (زینب، زینب ہے، ص ۲۱۰، ۲۱۱)۔ آگے چل کر علامہ مذکور لکھتے ہیں:

”اگرچہ دن بھر کی مصیبتوں اور آلام کی شدت نے زینب کا سکون لوٹ لیا مگر آل رسول کے بے گناہ خون کا مقدس پیغام اطراف و اکناف عالم تک پہنچانا بھی انہی کے ذمہ تھا۔ چنانچہ عقیلہ بنی ہاشم زینب کبریٰ رات بھر جاگتی رہیں تاکہ اسلام کی عظمت کے تحفظ کی راہ میں شہید ہونے والوں کے یتیم بچوں اور اہل بیت رسول کی بے سہارا بیبیوں کی ڈھارس بن سکیں۔

”یعنی زہرا کے صبر و استقامت، عزم و استقلال اور بارگاہ الہی میں اخلاص بندگی کی عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ مصائب و آلام کی اس سخت ترین رات میں علی کی بیٹی نے نماز تہجد ترک نہ کی بلکہ ہمیشہ کے معمول کے مطابق عبادت الہی کو انجام دیا اور خدا سے صبر و استقامت کی دعائیں مانگیں۔ البتہ کئی دنوں کی تھکاوٹ اور کئی راتوں کی بیداری نے زینب عالیہ کو نڈھال کر دیا تھا جس کی وجہ سے اُس رات کو آپ نے نماز شب بیٹھ کر ادا کی۔

”عقیلہ بنی ہاشم زینب کبریٰ نے کربلا کی اندوہناک فضا میں عظمت کردار کے جو نمونے پیش کئے وہ نہ فقط یہ کہ پوری کائنات کیلئے معیار عمل بنے بلکہ ان سے شہادت امامت کے عظیم مقصد کی تکمیل بھی ہوئی اور رہتی دنیا تک فطرت کی اعلیٰ اقدار کے تحفظ کی ضمانت بھی فراہم ہو گئی، حق و باطل کی پہچان کے راستے واضح ہو گئے اور شہدائے کربلا کی عظیم قربانیوں کے پاکیزہ اسرار بھی نمایاں ہو گئے جس کے نتیجہ میں پرچم اسلام سر بلند و سرفراز ہو گیا۔

”ہمارا اسلام ہو علی کی بیٹی کے بے مثال صبر اور عظیم کردار پر!“ (حوالہ اولیٰ، ص ۲۱۳)۔

قسم! یہ سب کچھ اُس عہد و بیان کے مطابق ہے جو اللہ نے تمہارے دادا اور پدربزرگوار کے ساتھ کیا تھا۔

فَوَاللّٰهِ اِنَّ هٰذَا الْعَهْدَ مِنَ اللّٰهِ اِلَىٰ جَدِّكَ وَابَيْكَ.....

یہ اجسام اسی طرح خاک پر پڑے نہیں رہیں گے۔ ایک قوم کے افراد یہاں آئیں گے، ان پارہ پارہ اجسام کو اکٹھا کریں گے، ان کو دفن کریں گے، اس جگہ مقبرہ ہائے شہداء تعمیر کریں گے اور تمہارے پدربزرگوار سید الشہداء کا پرچم لہرائیں گے۔ ان کا اثر یہاں سے ضائع نہ ہوگا، نہ ہی کارنامہ حسنی کو بھلایا جاسکے گا۔

لَا يُدْرِسُ اَثْرُهُ وَلَا يُمَحْى اِسْمُهُ.....

دُشمنانِ اہل بیت، آئمہ کفر اور گمراہی کے علمبردار ان کو محو کرنے اور ان کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کریں گے لیکن ان کی تمام کوششیں شہدائے راہِ خدا کے مقامات کو بلند تر کرنے کے سوا کوئی نتیجہ پیدا نہ کریں گی۔“

فَلَا يَزُودُ اَثْرُهُ اِلَّا عُلُوًّا.....

اسی قسم کی اور باتیں تھوڑے تھوڑے اختلاف کے ساتھ دیگر کتب اسناد میں نظر آتی ہیں (منتہی الآمال، بہوف، بحار)۔

(ج) دربارِ ابنِ زیاد میں

ابنِ زیاد کے دربار میں بھی ایک طرف ثانی زہرا اور ابنِ زیاد ملعون کے درمیان اور دوسری طرف سید سجاد اور اسی ملعون کے درمیان کئی مرتبہ بحث ہوئی۔ آخر ابنِ زیاد ہر طرف سے لا جواب ہوا اور جیسا کہ ہر ظالم کا طریقہ و شیوہ ہوا کرتا ہے، اس نے بھی امام زین العابدین علیہ السلام کے قتل کا حکم دے دیا جس پر اُس کے ملازمین بڑھے کہ آپ کو لے جا کر قتل کر دیں۔

اس موقع پر سیدہ زینبؓ درمیان میں آگئیں اور ابنِ زیاد ملعون کو مخاطب کر کے فرمایا: ”تو ہمارے بہت سے افراد کا خون بہا چکا ہے۔ اگر تو اس کو قتل کرنے کا قصد کر ہی چکا ہے تو مجھے بھی اس کے ساتھ ہی قتل کروادے۔ خدا کی قسم! یہ نہیں قتل ہوگا جب تک کہ میں بھی اس کے ساتھ ہی قتل نہ ہو جاؤں۔

”وَاللّٰهِ لَا يُقْتَلُ حَتّٰى اُقْتَلَ“۔ (بہوف، ص 96)

اس پر ابنِ زیاد خاموش ہو گیا۔ پھر بولا ”عَجَبًا لِلرَّحْم.....“ کہ سید سجاد کو چھوڑ دیں۔ (زندگانی امام علی بن الحسین)

(د) دربارِ یزید میں

یزید اپنی فتح کے نشہ میں سرشار تھا۔ اُس نے نہایت مغرورانہ طور پر حکم دیا کہ تمام سرہائے شہداء اس کے سامنے پیش کئے

جائیں۔ پھر بے ہودگی اور نہایت بدتمیزی پر اتر آیا۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے نہ چاہا کہ فتح کا شیریں ذائقہ اس کے دہن میں پہنچے۔ لہذا آپ نے ایسی باتیں کیں جن سے وہ ملعون شرمندہ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ لیکن اس ملعون نے یہ کہہ کر آپ کے قتل کا حکم دے دیا کہ تو میرے سامنے درشتی سے بولتا ہے؟

اس پر ثانی زہرا کھڑی ہو گئیں اور فرمایا: ”یزید! تو زمین کو اولادِ رسولؐ کے خون سے بہت سیراب کر چکا۔ کیا اسی قدر تیرے لئے کافی نہیں؟ کیا اب تو یہ چاہتا ہے کہ نسلِ پیغمبرؐ خدا میں کوئی شخص زمین پر باقی نہ رہے؟“

یہ سن کر دربار میں انقلاب کے آثار نظر آنے لگے۔ لہذا یزید اپنا حکم واپس لینے پر مجبور ہو گیا۔

۳۔ حمایتِ وقارِ اسلام

یہ حقیقت ہے کہ ثانی زہراؑ نے اماموں کی جان کا دفاع کیا، اپنے ہدف و مقصد اور دینِ اسلام کے حق میں بحث و احتجاج کیا، امام زین العابدین علیہ السلام جیسے بیمار امام کی زندگی کی حفاظت کی اور اس طرح آخر کار واقعہ کربلا کو معنی خیز بنا دیا، ایک واضح و روشن امر ہے جس کے موافقین و مخالفین، دوست اور دشمن اپنی اپنی تاریخ میں شاہد و گواہ ہیں۔

علیٰ ہذا القیاس ہم جانتے ہیں کہ واقعہ فاجعہ کربلا اور اسیری کے دوران ثانی زہراؑ اسلام اللہ علیہا بچوں کو اپنی آغوش میں لیتیں، ان کو پیار کرتیں، ہر ایک کو اپنی زبان میں دلا سہ دیتیں جس سے انہیں سکون میسر آتا۔ یہ بھی ایک پختہ حقیقت ہے کہ اپنے ہدف کی اشاعت و تبلیغ کے دوران سیدہ کی بیٹی نے کسی جگہ اپنی ذات کی خاطر اظہارِ غم نہیں کیا بلکہ آپ کا غم و غصہ اپنے والدِ بزرگوار، مادرِ گرامی، اپنے باوقار برادران، اسیران و شہداء کے پس ماندگان کی خاطر تھا۔ چنانچہ آپ اپنی تمام عمر اسی طریق کو اختیار کئے رہیں۔

پامالیِ اقدار

اس سلسلہ میں ایک اہم مسئلہ درمیان میں ابھر کر سامنے آتا ہے جس کو اکثر لوگوں نے آہستہ آہستہ نقش و نگارِ طاقِ نیساں بنا کر رکھ دیا۔ حد یہ ہے کہ بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو اسلام کے سربراہِ آوردہ اور رجال میں مصروف سمجھے جاتے ہیں، انہوں نے بالکل ہی اس امر کو ترک و نظر انداز کر دیا۔ اس مسئلہ کا تعلق اقدارِ اسلام کے وقار اور ان کے تقدس سے ہے۔ ہجرت کے ساٹھ برس اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابھی صرف بمشکل پچاس سال ہی گزر پائے تھے کہ بہت سی اسلامی قدروں اور مقدس طریقہ ہائے عمل جن کو جناب محمد مصطفیٰؐ نے امت کے درمیان برائے عمل و نگہداشت چھوڑا تھا، وہ سب بدترین افراد کے ہاتھ

لگ گئے۔ لہذا ان اقدار کی اکثریت غفلت کی نظر ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تمام امور مقدسہ لوگوں کی لاپرواہی اور اُن کے سئے مذاق و تماشا کا نمونہ بن کر رہ گئے۔

ان سب باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعض خلفائے پیغمبر اسلام نے حرام و حلال میں دخل دینا شروع کر دیا اور کہنے لگے۔
”مُحَلَّلَتَانِ فِي زَمَنِ رَسُولِ اللَّهِ وَأَنَا أَحَرُّ مُهُمَا“ (قول خلیفہ ثانی)۔

اس سے ظاہر ہے کہ اقدار اسلام کا کیا حشر ہو چکا ہو گا کہ لوگ خود اپنے مقام پر اپنا حق سمجھنے لگے کہ بہت سے مقدس اصول ہائے اسلام کو تماشا بنالیں اور جس طرح چاہیں تو زمر و زوالیں۔

نتائج انحرافات

اسلام کی اس افراتفری کے دور میں جو دور حکومت اسلامی کی ابتداء اور بعض غاصبین حکومت کے زمانہ میں نظر آتا ہے، ایسے ایسے دردناک حادثات اسلام میں ملتے ہیں کہ جن کی تلاش و جستجو نہایت اندوہناک مواقع تک جا پہنچتی ہے۔ ممکن نہیں کہ ہم ایسے تمام واقعات کو جمع کر سکیں تاہم مختصر بعض اہم ترین حوادث کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ وصیت کی اہمیت معاشرہ سے اٹھ گئی، بالخصوص پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت جس میں آنحضرتؐ نے حکومت کی ساخت اور حکمرانوں کی مفصل نشاندہی فرمائی تھی۔

ب۔ آنحضرتؐ کے پسماندگان اور اُن کے احترام کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا، بالخصوص یہ کہ سیدہ فاطمہؑ جو تہہ و دگار رسول اکرمؐ تھیں، اس کے باوجود انہیں بے انتہاد کھچیلنا پڑے (جن کا وہ اپنے اشعار میں ذکر فرماتی ہیں)۔

ج۔ سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی مال و وراثت سے محرومی جس میں ہم دیکھتے ہیں کہ بنت رسول اکرمؐ سے ان کا حق ملکیت تک چھین لیا گیا۔

د۔ اسلام میں اولیت کا وقار و اہمیت، جس کی طرف خود قرآن مجید اشارہ فرماتا ہے، جبکہ حضرت علیؑ اول المؤمنین ہیں، یہ حق بھی اُن سے چھین لیا گیا۔

ه۔ خاندان رسول اکرمؐ کی طہارت کا مرتبہ، جن کی شان میں آیہ تطہیر نازل ہوئی، اُن سے ہٹا دیا گیا۔

و۔ اُن کی گواہیوں کی قدر و قیمت، جن کی خود قرآن مجید تصدیق کرتا ہے، اور جن کیلئے اس سلسلہ میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے، بالکل ختم کر دی گئی یہاں تک کہ حضرات علی و فاطمہ علیہما السلام کے متعلق

گواہوں کی شہادت کو بھی قبول نہ کیا گیا۔

- ز۔ خاندانِ رسولِ اکرم کی عصمت و وصایتِ رسول پر اعتراضات ہونے لگے حالانکہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو اپنا وصی، عادل ترین اور بہترین فیصلہ کرنے والا قرار دیا تھا۔ حضرت علیؑ کو جوانی و کم عمری کا بہانہ کر کے حکومت سے دور رکھا گیا۔
- ح۔ مسجد و محرابِ مسجد کو مقامِ امن کا مرتبہ حاصل تھا اور حضرت علیؑ کو اسی میں شہید کر ڈالا گیا۔
- ط۔ زہد و تقویٰ کی اہمیت کو اس طرح پامال کر دیا گیا کہ دولت مند عیاش و قماش بین لوگ مسند نشین ہونے لگے۔
- ی۔ گھر جو مقامِ امن ہوتا ہے، اس کو امن و امان سے اس قدر تہی کر دیا گیا کہ دشمن نے امام حسن علیہ السلام تک کو اُن کی زوجہ کے ذریعے فریب سے شہید کر دیا۔

- ک۔ وقارِ مہمان داری و مہمان نوازی کو بالکل پامال کرتے ہوئے امام حسین علیہ السلام کو مہمان بلا کر نہایت بے غیرتی سے آپ پر تلواروں سے حملہ آور ہوئے اور بدترین طریقہ سے آپ کو ظلم و ستم سے شہید کر دیا گیا۔
- ل۔ سید الشہداء امام حسین اور سیدہ زینب علیہما السلام کے لئے مردانگی و مروت کو قطعاً برطرف کر دیا گیا۔
- م۔ یتیموں کی پرورش اور اُن کی دیکھ بھال کو اس طرح روند ڈالا گیا کہ امام حسین کے یتیم بچوں کو تازیانے مارے گئے۔
- ن۔ دینِ اسلام کے ظاہر و واضح احکام کو اس طرح اور اس قدر مسخ کیا گیا کہ دربارِ یزید میں کھلم کھلا شراب نوشی ہوتی تھی۔

مقامِ ثانی زہرا

ان حالات میں زینبؑ عالیہ کا موقع یہ ہے کہ وہ خود اسیرِ قومِ جفا پرور ہیں، بیانِ شکن قوم کا سامنا ہے، آپؑ کی یہ قید اور ظلم ناحق ہیں، اُن لوگوں کا سامنا ہے جو علی الاعلان فسق و فجور میں غرق ہیں، مہمان کو اپنے شہر اور گھر میں مدعو کرتے اور کمالِ ناجواں مردی کے ساتھ اس کو قتل کرتے ہیں، پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کو طوق و زنجیر پہناتے ہیں، اُن کو قید کرتے ہیں اور پھر ان کی حالت پر گریہ کنناں بھی ہیں.....

اس کیفیت میں بھی ثانی زہراؑ چاہتی ہیں کہ لوگوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کریں، ان کو از سر نو اقدارِ اسلام کی طرف متوجہ کریں، حقائقِ اسلام کو سامنے لا کر فراموش کردہ اقدار کے بارے میں خبردار کریں۔ آپؑ کی یہ کوشش و کاوش آپ کے مشہور و معروف خطبہ سے ثابت ہوتی ہے جو آپؑ نے شہرِ کوفہ میں ارشاد فرمایا اور جس کی طرف ہم سابقہ صفحات میں اشارہ کر چکے ہیں۔

ثانی زہراؑ لوگوں کو سرزنش کا مورد قرار دیتی ہیں کہ وہ کس جرم کے مرتکب ہوئے، انہوں نے کس طرح قلبِ رسولِ اکرمؐ کو

مجروح کیا ہے اور خاندان رسالت کی کس قدر ہنگامہ حرمت کی ہے۔ آپ نے اُن کو اُس بوڑھی عورت سے تشبیہ دی ہے جو دن بھر چیزیں بناتی اور رات کو انہیں ریزہ ریزہ کر دیتی تھی۔

اپنی خطابت میں آپ نے انہیں سمجھایا کہ انہوں نے مہمان کشی کی ہے، حق کو اس کے مقام اصلی سے دور پھینک دیا، احکام دین کا تماشہ بنایا اور اب حق تو یہ ہے کہ وہ لوگ کم ہنسیں اور بہت زیادہ رویا کریں کیونکہ وہ اقدار حق و راستی کو پامال کر کے تنگ و عار خریدنے کے مرتکب ہوئے ہیں۔

سیدہ زینب عالیہ سلام اللہ علیہا نے دربارِ یزید میں بھی اسی نوعیت کی گفتگو فرمائی اور اس پر واضح کر دیا کہ اُس نے حق و صداقت و عدل کو پامال کر کے منہ حکومت پر قبضہ کیا ہے اور پھر اولادِ علیؑ پر بے انتہا مظالم ڈھائے ہیں، جبکہ حاکم کے لئے لازم ہے کہ وہ حق و عدل کا پیکر ہو، عدل و انصاف سے حکومت کرے اور اپنے موقع و مقام اختیار کو ذریعہ ظلم قرار نہ دے..... 1۔

1۔ کتاب ہذا کا بارہواں باب جس میں ہم عائشہ زہرا سلام اللہ علیہا کے طریقِ جہاد کی تفصیل پیش کریں گے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے اولادِ رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کربلا کے قتلِ عام سے روانگی کا ایک منظر پیش کریں جس کو ہم ’عمیذ زادہ‘ کی کتاب ”تاریخ زندگانی امام حسین علیہ السلام“ سے نقل کرتے ہیں:

”حضرت زینب سلام اللہ علیہا فرمود: حالاکہ باماجین کر دیدم مارا از طرف گودال قتلگاہ ’حایر‘ بیرید کہ یک بار دیگر چشم ما بہ این ابدان طیب و طاهر بیفتد و با آنہا وداع کنیم۔ عمرو و شمر و سنان و خولی برائے آنکہ اذیت کردہ باشند و شحاتت نمودہ باشند موقت کردند کہ این شتر سواران برہنہ را کہ روئے شتران بے جہاز و بے روپوش سوار کردہ اند، و آن علیل بیمار را کہ پاهایش را بہ زیر شکم شتر بستہ اند تانیفتد، از کنار قتلگاہ عبور دہند۔ این حرکت در نظر نویسندہ این سطور از نفس قتل مشکل تر بہ نظر می آید، زیرا دل طاقت و بدن، و زبان قدرتِ گفتن، و قلم نیروی نوشتن ندارد کہ چہ شد، در حین مردار از کنار قتل گاہ این اسرا از بالائے شتر کشتہ ہائے بے سر را دیدہ، خود رہ بہ زمین انداختند و چنان از عمیق دل، ضحکہ می کشیدند کہ رستہ خیزی برپا کردند، و کار بہ جائے رسید کہ خود آن سنگدلان سیہ درون، بہ گریہ افتادند و بہ زور کعب نیزہ و غلاف شمشیر و تازیانہ، زنان جوان کشتہ را و مادران داغ دیدہ را از کنار نقش کشتگان بلند کردند۔ ہم این مصائب برائے دختر بزرگ علی علیہ السلام بود کہ او می دید و مامور بہ صبر ہم بود، از طرفی باید سایر زمان و مادران و کودکان و بیماران را امر بہ صبر و تسلیت نماید۔

زینبؑ پس از ہمہ این گریہ و زاری ہا، دست زیر بدن پارہ پارہ کرد، و سر بلند نمود عرض کرد: پرورد گارا! این قربانی عشق را از آلِ محمد قبول فرما۔ وہ این ماموریت گویا از مادرش بابہ نہایت برادر زادہ اش حضرت سجادؑ بود۔ و با او ودع کرد و برخاست سوار شتران بے روپوش شدہ، آنہارا کوچ دادند (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

بہ طرف کوفہ، طرف عصر بود کہ پشت دروازہ کوفہ رسیدند، خبر دادند ابن زیاد دستور داد بمانند صبح فردا کوفہ را زینت دهند، و بہ فتح و فیروزی پسر مرجانہ مفاخرہ نمایند، و اسرائی آل محمد را وارد کنند۔ سرہاراکہ قبلاً باخبر فتح بہ ابن زیاد رسانیدہ بودند، پسر مرجانہ دستور داد سرہارابر فراز نیزہ ہا کردہ بہ استقبال اسرا بردند تا بیشتر دل آنہا را بسوزانند و بلب توجہ ناظرین را نمایند (حبیب السیر ص ۲۰۲، ج ۲؛ کامل الزیارہ ص ۸۰؛ ریاض الشہداء ص ۲۸۳، تہذیب شیخ طوسی؛ مقتل الحسین ص ۱۹۰) (تاریخ زندگانی امام حسین علیہ السلام، ج ۲، ص ۱۷۹، ۱۸۰)۔

”حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ اب جبکہ تم یہ سب سلوک ہمارے ساتھ کر چکے ایسا کرو کہ ہمیں ہمارے مقتولین کی قتل گاہ کی طرف سے لے چلو تا کہ ہم ایک بار پھر اپنی نظروں سے ان طیب و طاہر ابدان کی زیارت کر کے ان سے وداع ہو لیں۔ عمر و شروین و خوئی ان حضرات کو مزید اذیت دینے اور ان سے دشمنی کے اظہار کے سبب اس پر رضامند ہو گئے کہ ان بے مقنہ و چادر اونٹوں پر سوار ہوں، جن اونٹوں پر کوئی پالان وغیرہ نہ تھے، بیمار و غلیل (سید الساجدین) کے ہمراہ جن کے پاؤں ایک اونٹ کے شکم سے باندھ رکھے تھے کہ گرنے جائیں، قتل گاہ کی طرف سے لے کر روانہ ہوئے۔ یہ سطور سپرد قلم کرنے والے کے خیال میں خالص کا یہ عمل خود قتل شہداء سے زیادہ مشکل معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس عمل کو دیکھنے کی دل میں طاقت نہیں، بیان کرنے کی زبان میں قدرت نہیں، قسم میں تحریر کرنے کی سکت نہیں کہ وہاں کیا کچھ گزرا، جو نبی کہ ان اسیروں نے اونٹوں پر سے قتل گاہ میں سر بریدہ کشتگان کو دیکھا تو اپنے آپ کو اونٹوں پر سے گرا دیا، دل کی گہرائیوں سے اس قدر آواز گریہ بلند کی کہ گویا قیامت برپا ہو گئی ہو، کیفیت یہاں تک پہنچی کہ وہ سنگ دل بھی جن کے قلوب سیاہ ہو چکے تھے، رونے لگے۔ انہوں نے زبردستی نیزوں کی نوکوں، تلواروں کے غلافوں اور تازیانوں سے جواں مرگ کشتگان کی خواتین اور ستم رسیدہ ماؤں کو مقتولین کی لاشوں سے جدا کیا۔ یہ سب مصائب علی کی بڑی صاحبزادی کیسے خصوصیت رکھتے تھے۔ وہ سب کچھ دیکھ رہی تھیں اور صبر کر رہی تھیں، نیز تمام خواتین اور غم اندوہ ماؤں، بچوں اور بیماروں کو صبر و تسلیم کی نصیحت بھی کر رہی تھیں۔

”اس تمام گریہ و زاری کے بعد سیدہ زینب نے اپنے دست ہائے مبارک کو (اپنے بھائی کے) پارہ پارہ جسم کی نیچے رکھا، سر بلند فرمایا اور پروردگارِ عالم کے حضور عرض کی: پروردگار! آل محمد کی اس قربانی عشق کو قبول فرما۔ یہ عمل گویا آپ نے اپنی مادر گرامی یا اپنے برادر زادہ سید سجاد کی طرف سے انجام دیا۔ اس کے بعد ان لاشہ ہائے شہداء سے وداع کیا اور کھڑی ہو گئیں۔ اس کے بعد ان سب کو خالموں نے بے پالان اونٹوں پر سوار کیا اور کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ عصر کا وقت تھا جب وہ دروازہ کوفہ کے پیچھے پہنچے، ابن زیاد ملعون کو اطلاع دی گئی جس نے حکم دیا کہ وہیں رک جائیں تاکہ اگلی صبح پسر مرجانہ کو کوفہ کی سجاوٹ کا انتظام کرے، اپنی فتح پر فخر کرے اور (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

آل محمدؑ کے اسیروں کو داخلِ شہر کیا جائے۔ سرہائے شہداء کو پہلے ہی فتح کی خبر دینے کی خاطر ابنِ زیاد ملعون کے پاس بھیجا جا چکا تھا۔ مرجانہ کے بیٹے نے حکم دیا کہ سرہائے شہداء کو نیزوں پر بلند کر کے اسیر ابنِ آلِ محمدؑ کے استقبال کے لئے لے جایا جائے تاکہ ان کے دل اور زیادہ جلیں، نیز دیکھنے والے تماشا بینوں کی توجہ کا مرکز بنیں۔

چند صفحات آگے چل کر یہی مؤرخ مزید لکھتا ہے:

”حمید بن مسلم گوید: فراموش نمی کنیم زینب را در آن وقت کہ دیدم نوحہ و ندبہ می کند و بادائے

حزین و دلِ پرسوز و اشک ریزان روئے بہ مدینہ کرد و گفت:

”یا جدّاه یا محمدّاه! صلیٰ علیک ملبک السماء هذا حسینک مُرْمَلٌ بِالذِّمَاءِ مَقْطَعُ الْأَعْضَاءِ مُسْلُوبُ

الْعِمَامَةِ وَالزَّوْدِ، یا جدّاه یا محمدّاه! نحن بناتک سبا یا و ذریعتک مقتلة و فی ایدی الظالمین أسارى، إلی اللّٰه

المشتکی و إلی محمد المصطفیٰ و إلی علی المرتضیٰ و إلی حمزة سید الشہداء“.

”اے تانا! اے محمد مصطفیٰ! آپ پر آسمان کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اور یہ آپؑ کا حسین خاک و خون میں اس طرح آلودہ ہے کہ

ان کے اعضاء کاٹ ڈالے گئے ہیں اور ان کا عمامہ اور رداء چھین لئے گئے ہیں۔ یا جدّاه! یا محمدّاه! ہم تیری بیٹیاں ہیں جو قید کر لی گئی ہیں اور

تیری ذریت ہیں اور ظالموں کے ہاتھوں میں اسیر ہیں۔ اللہ کی بارگاہ میں ہے ہماری شکایت اور محمد مصطفیٰ اور علی مرتضیٰ اور حمزہ سید الشہداء

کی بارگاہ میں۔“



۱۔ مردم شناسی

زینبؓ عالیہ مخدومہ مجاہدہ ہیں، اپنے جہاد میں ہر لحاظ سے مستقل و مستحکم ہیں، رزم و جہاد کی خوگر ہیں۔ آپؓ نے اپنی ذات کے لئے بہترین طریق جہاد اختیار کر کے قدم اٹھایا، پاکیزہ ترین اقدام اپنا کر آگے بڑھیں۔ اس طرح آپؓ سید الشہداء کے ساتھ قدم ملا کر چلیں اور امام علیہ السلام کے ساتھ یک دل و یک جان ہو کر آپؓ کے بیان جہاد کے ہر مرحلہ میں پیہم و متواتر آگے بڑھتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

آپؓ نے اپنی مختصر سی زندگی سائنحات و حادثات ہی میں بسر کی اور اس طرح متعدد طریقہ ہائے جہاد سے گزریں۔ ابھی آپؓ اپنی مادر گرامی کی مبارک آغوش ہی کی زینت تھیں کہ اُن کے حصولِ حق کے مجاہد اور مخالفین سے اختلاف کو ملاحظہ کیا۔ تیس برس آپؓ اپنے پدر بزرگوار حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے زیر سایہ رہیں۔ اس طویل عرصہ میں جناب امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے تمام سرد و گرم حادثات روزگار آپؓ کے سر پر گزرے۔ آپؓ نے اپنے عظیم بابا کے فعال و منفی دونوں قسم کے مختلف الوقوع مبارزات کا اچھی طرح بنظر غائر مطالعہ کیا اور ان سب کا کما حقہ تجربہ حاصل کیا۔

اس کے بعد دس برس آپؓ نے اپنے برادر بزرگ امام حسن علیہ السلام کے ساتھ اُن کے دورِ امامت میں بسر کئے۔ اس زمانہ میں آپؓ کو امام حسن علیہ السلام کے ساتھ ہونے والی تمام فریب کاریاں اور آپؓ کے ساتھیوں کی عہد شکنی کا پورا تجربہ کرنا پڑا جبکہ زمانہ بھر کی یہ تمام فریب کاریاں، افرادِ سیاست کی شعبدہ بازیاں برداشت کرنا بہت مشکل اور فوق العادہ کیفیت کا حامل تھا۔ اس طرح آپؓ کو امام حسن علیہ السلام کے زمانہ میں امیر معاویہ کی پوری پُر فریب سیاست کا تمام پہلوؤں سے مطالعہ و تجربہ کرنا پڑا۔

موقعہ شناسی

اب امام حسین علیہ السلام کی حیاتِ پاک کے آخری مد و سال شروع ہوتے ہیں۔ امیر معاویہ دنیا سے رخصت ہوئے اور اب امام حسین علیہ السلام کے لئے ضروری قرار پایا کہ اپنے سابقہ انداز و افکار مخفی کا اظہار کریں، جس مقصد کیلئے آپؓ کو معاونین و انصار و ہم خیال افراد کی اشد ضرورت تھی۔ سیدہ زینبؓ عالیہ سے بہتر ان تمام حالات کو کون سمجھ سکتا تھا اور آپؓ سے

زیادہ کون امام علیہ السلام سے قریب تر ہو سکتا تھا؟ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کو اپنے ہمراہ لے کر چلنے کے رموز میں سے ایک وجہ یہ بھی حضور سید الشہداء علیہ السلام کے سامنے تھی۔

فطری امر ہے کہ ہر خوگر سیاست اپنے مواقع کی مناسبت سے اور اپنے حالات سے متعلق عوامل و رموز کو سمجھ کر اپنے ساتھیوں کا انتخاب کرتا ہے تاکہ اچھی طرح جان لے کہ اس کے موقف کی اصل کیا ہے، اس کا میدان عمل کون سا ہے اور اس کو اپنے ہدف کے حصول کے لئے کیسے حالات و طریق کار کا یقین کرنا لازم ہوگا۔ اس کو یہ بھی دیکھنا اور سمجھنا ہوگا کہ دشمن کون ہے، دشمن کا موقف کیا ہے، وہ حالات و مواقع کیا اور کس نوعیت کے ہیں جن کے تحت دشمن کا سامنا کرنا ہے اور پھر دشمن کے مقامات ضعف و توانائی کی کیفیت اس کے اپنے حالات و طریق کار سے کس طرح متناسب ہیں۔

ایک مجاہد کیلئے یہ جاننا بھی اشد ضروری ہے کہ اُس کی اپنی قوت و حالات کے تقاضے کیا ہیں اور دشمن کے مقابلہ میں اس کی اپنی کیفیت کیا ہے۔ اس کے علم میں ہونا چاہئے کہ کن کن مراحل میں وہ مناسب قوت مدافعت رکھتا ہے اور کس موقع پر کمزوری واقع ہو سکتی ہے؟ اس کی اپنی حیثیت اصلی کیا ہے اور اس کو خود کون سے، نیز کیسے حالات و مراحل کا سامنا ہے۔ نیز یہ کہ دشمن اس کے بارے میں کیا تصور و اندیشہ رکھتا ہے، یعنی کیا دشمن اُس کے مواقع کو اچھی طرح سمجھتا ہے یا اس کے بارے میں کسی قسم کے احساس کمتری یا افراط و تفریط کا شکار ہے؟

ایک مجاہد کے لئے یہ جاننا بھی لازم ہے کہ اپنے جہاد کا کس مقام سے آغاز کرے اور کیسے آگے بڑھے، اس کو دشمن کی قوت سے کس طریقہ و پہلو سے نبرد آزما ہونا چاہئے، کن عوامل کو اختیار کر کے وہ دشمن پر زیادہ سے زیادہ اثر ڈال سکے اور دشمن کی پناہ گاہوں کو کس طرح اپنے تصرف میں لاسکے گا، وغیرہ، وغیرہ۔

ثانی زہرا کا لائحہ عمل

زمانہ طویل کے تجربہ و آگہی نے زینبؓ عالیہ کو ہر طرح پختہ کار و تجربہ کار بنا دیا تھا۔ اس پختہ کاری کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آپؓ اپنے برادر بزرگ امام حسین علیہ السلام کے زیر سایہ معرکہ بکر بلا کی جانب بڑھ رہی تھیں۔ ضروری امور کا علم تو آپؓ کو خود تھا ہی، اس کے علاوہ جن امور کا جاننا مزید ضروری تھا وہ اس سفر اور طویل عرصہ مجاہدت میں امام حسین علیہ السلام مسلسل و مستقل طور پر آپؓ کے گوش گزار فرما رہے تھے۔ لہذا آپؓ بہت اچھی طرح جانتی تھیں کہ آئندہ آپؓ کو کیا قدم اٹھانا ہوگا، اسی سلسلہ میں مرحوم استاد اکڑ آتی کہتے ہیں:

”سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے خطبات اور گفتگو اس نوعیت کے نہ تھے جو افرادِ محبوب کی تحریک یا مصائبِ روزگار کے نتیجے کے طور پر روحانی تکلیف و اندوہ میں زبان سے ادا ہوئے ہوں، بلکہ یہ خطابات سب اپنے اپنے موقع و مقام پر دقیق کیفیات اور نہایت منظم و پختہ لائحہ عمل کے حامل تھے، ایسے جنہیں پورے سکون و سوچ و بچار کے ساتھ بیان کیا گیا ہو (برسی) تاریخ عاشورا، ص 236) بلکہ آپ کا سکوت و خاموشی بھی موقعہ کے عین مطابق تھے۔“

بالفاظِ دیگر آپ قطعی طور پر جانتی تھیں کہ کس موقع پر بولنا ضروری ہے اور کہاں خاموشی میں مصلحت ہے، کس موقع پر سننے والوں کو غرقِ گریہ کرنا لازم ہے اور کس مقام پر ہجوم کی گفتگو کے مقابلہ میں بے اعتنائی سے گزر جانا ہے۔ طویل اسیری کے دوران مختلف درباروں اور لوگوں کے ہجوم کے درمیان آپ کے خطابات ثابت کرتے ہیں کہ کسی مقام پر ثانی زہرا نے اپنے الفاظ کو ضائع نہیں کیا، نہ ہی ہجوم سے خطاب کرتے ہوئے کوئی ہلکایا بے معنی لفظ زبان سے نکالا۔ اس کے برعکس جہاں کہیں مناسب موقع و مصلحت ملاحظہ فرمائی اُسی موقع و مقام پر خود اپنا تعارف کروایا، لوگوں کو اپنے خاندان، اپنی شان اور مراتبِ شہداء سے روشناس فرمایا۔

بیداریِ کامل

اصولی طور پر مجاہدہ کے دوران صرف موقع شناسی ہی کافی نہیں ہوتی، نہ ہی صرف پہلے سے طے شدہ لائحہ عمل پر کاربند رہنا مناسب ہوتا ہے۔ ان تمام باتوں میں اہم ترین کیفیت یہ ہوتی ہے کہ مجاہدہ اپنے مقام پر متحرک و فعال ہو، ساتھ ہی اپنے لائحہ عمل سے ہر طرح کی مطابقت رکھتے ہوئے ہر پہلو و اعتبار سے بیداری کا محرک اور خوابِ غفلت سے بالکل آزاد ہو۔

لہذا ثانی زہرا اپنے تمام پیش آمدہ حالات و واقعات میں بیداریِ کامل اور واقفیتِ تامہ کی حامل تھیں۔ آپ اپنی ذمہ داری اور اہمیت سے اس قدر واقف تھیں کہ کسی موقع پر نہ صرف یہ کہ غفلت کا کوئی شائبہ دکھلائی دے، کسی مقام پر آپ نے اپنے طرزِ عمل سے دشمن کو ایک لحظہ کے لئے بھی اس کے مفاد میں کوئی صورت ایسی پیدا نہ ہونے دی جس سے اسے کوئی فائدہ حاصل ہو سکتا۔ تاریخی شواہد اس حقیقت کے مظہر ہیں کہ ہر قسم کے حالات میں آپ نے بچوں کی تمام ضروریات کو قطعی طور پر سامنے رکھا اور اس کے ساتھ ہی دشمن کی حرکات پر بھی نہایت ہوشیاری سے نظر رکھی۔ انتہا یہ ہے کہ عصرِ عاشور کو بھی جبکہ مصائب و آلامِ ہجوم کر رہے تھے، آپ کے خیام کو نذرِ آتش کر دیا گیا تھا، آپ پر غش کی کیفیت طاری ہوئی اور نہ ہی کسی طرح کے ضعف کا آپ سے اظہار ہوا۔ اس کے برعکس نہایت ہوشیاری و دانائی کے ساتھ آپ نے دشمن کے جملہ اقدامات پر نظر رکھی، حتیٰ کہ یہ

کوشش کی کہ اس ہنگامہ دار و گیر کے دوران کوئی بچہ گم نہ ہونے پائے، آپ کا فاصلہ متعلقین سے زیادہ نہ ہو اور امام زین العابدین علیہ السلام بھی کسی تکلیف کا شکار نہ ہوں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کوفہ میں داخلہ کے دوران بچے بھوکے تھے اور کوفہ کی عورتیں ان کو صدقہ کی روٹیاں اور کھجوریں دے رہی تھیں۔ اس موقع پر ثانی زہرائی نے اپنی ذمہ داری قرار دے لی تھی کہ بچے صدقہ کا کوئی لقمہ نہ کھانے پائیں کیونکہ صدقہ آل رسولؐ پر حرام ہے۔ دربار ابن زیاد میں آپؐ نے خیال رکھا کہ وہ ملعون کسی کو اذیت جسمانی نہ پہنچائے، اسیروں سے ذلت آمیز رویہ اختیار نہ کرنے پائے۔ اسی لئے آپؐ نے اپنی متین و سنجیدہ و پختہ کار گفتگو سے اُس کے غرور کو پارہ پارہ کر دیا اور اسے اس کی زبوں حالی و ذلت کا مکمل احساس دلایا۔

دربار یزید میں بھی آپؐ نے اپنے اسی طریق کار کو برقرار رکھا۔ وہاں بھی آپؐ نے اتمامِ حجت اور اپنے نظریات کے اظہار میں اس قدر استقلال و استقامت کو قائم رکھا کہ تاریخ کسی مقام پر آپؐ کے اقدامات کو ذلت و خواری یا کمزور الفاظ میں بیان نہیں کر سکتی۔ اس کے برعکس آپؐ نے ایسا طریق کار اختیار فرمایا کہ مؤرخین کسی جگہ بھی آپؐ سے ضعف و خطا کا کوئی شائبہ منسوب نہیں کر پائے، نہ ہی کسی موقع پر کوئی شخص یہ کہہ سکا کہ فلاں مقام پر اگر نہ آپؐ عالیہ ایسا طریق اختیار کر لیتیں تو بہتر ہوتا۔

۲۔ حسنِ عمل و شفقت و جذبات آفرینی

انسان جذبات رکھنے والی مخلوق ہے۔ محبت و بغض، عشق و تعجب، رحم و جرات جیسی متضاد صفات کا خوگر ہے، ایسی مخلوق جو روتی بھی ہے اور ہنستی بھی ہے، غصہ کرتی ہے اور منتقم بھی ہے، دوستی پیدا کرتی ہے اور دشمنی بھی۔ پھر یہ سب صفات کسی خاص طبقہ سے تعلق نہیں رکھتیں، نہ ہی کسی خاص قوم یا قبیلہ کی ملکیت ہیں۔ ہر قوم اپنے اپنے حالات و درجات زندگی کے مطابق ان صفات کی مالک ہے، فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ ان جذبات کے اظہار میں حالات و مقام کے مطابق کمی و بیشی ممکن ہوتی ہے۔

انہی صفات کی بنیاد پر یہ ممکن ہے کہ انسان دوسرے انسانوں پر حاوی ہو کر اُن کے کوائف و طریقِ عمل میں تبدیلیاں لے آئے۔ یہی وہ صفات ہیں جن کے باعث انسان دوسروں کو اپنی جانب جذب کرتا یا اپنے سے دور کر لیتا ہے، زندگی میں حُسنِ عمل کو پارہ پارہ کر دیتا اور حالات کو بگاڑ بیٹھتا ہے۔ حُسنِ عمل ہی وہ طریق کار ہے جس سے حکومتوں کو بدل ڈالنا، اندیشہ ہائے قوی کو قابو میں رکھنا اور معاشرہ کو وقت کے مطابق جدید ترین نقوش پر استوار کرنا ممکن ہے۔

ثانی زہرا اور ان کا حسنِ عمل

اصولی طور پر یہ بات مصدقہ و مستقل کیفیت کی حامل ہے کہ جس قدر کسی شخص کا حسنِ عمل بلند و پختہ ہوگا اسی قدر حسنِ عمل کے اثرات بھی پختہ اور عمیق ہوں گے۔ یہی اصول ثانی زہرا پر کماحقہ صادق آتا ہے۔ صنفِ نازک کی عظیم ترین فرد ہونے کی حیثیت سے آپؑ مردوں سے زیادہ خوگر انس و محبت، معنوی اقدار کی مالک اور اسلام کی دوست دار ہیں۔ لہذا آپؑ نسلی طور پر قلب پر سوز اور مزاج مستقل رکھتی ہیں، نہ کبھی ہلکی بات دہنِ مبارک سے نکالتی ہیں، نہ ہی بے موقعہ گفتگو کرتی ہیں۔

ان صفاتِ عالیہ کے ساتھ زینبؑ عالیہ سلام اللہ علیہا نے عزتِ اسلام کی خاطر ہمیشہ دل سوزی کا مظاہرہ کیا، دشوار و شدید حالات کی متحمل ہوئیں، جس طرح کے شدا اند آپؑ کے سر پر آئے آپؑ نے اُن کا مقابلہ کیا، آئینِ مقدسِ اسلام کی حفاظت کی خاطر اپنی والدہ محترمہ کی اقدارِ راست و گراں قدر میں اُن کی دستِ راست بنیں، آپؑ کے پدرِ بزرگوار جو بذاتِ خود پیکرِ ندائے عدالتِ انسانی تھے، آپؑ کے سامنے عروسی شہادت سے ہمکنار ہوئے اور اسی طرح آپؑ اپنے برادرانِ باوقار کی، جو عالمِ انسانیت کے عزیز و ارجمند افراد تھے، شہادتوں کی شاہدِ عینی قرار پائیں۔

ثانی زہرا کا المیہ یہ ہے کہ اپنی ذات سے آپؑ نے کبھی اپنی تمام عمر اپنے برابر کے اعضاء کے ساتھ لطفِ حیات کا ذائقہ نہ چکھا۔ تمام عمر غم و اندوہ یا اثراتِ غم کے احساس میں بسر کی۔ انتہا یہ ہے کہ اب جامہٴ اسیری ہے، ذلیل صفت دشمن کا سامنا ہے، دورِ جاہلیت سے واسطہ ہے، دل کی گہرائیوں سے سوزِ اندرونی کا دھواں اٹھتا ہے، اس کے باوجود حق و عدالتِ اسلامی کے دفاع کی خاطر اپنے تمام وجود کو جھونک چکی ہیں۔

ثانی زہرا کا احتجاج

سیدہ زینبؑ عالیہ قتلِ گاہِ کرب و بلا میں وارد ہوئیں۔ اپنے پیارے معصوم بھائی کے پارہ پارہ جسم بے سر کے قریب بیٹھ گئیں، ایک مصیبت زدہ فرد کی مانند فوجِ گریہ ہوئیں، لیکن آپؑ کے احتجاج و فوجِ گریہ سے دیگر تمام عزا داروں کو درسِ مرثیہ گوئی ملا، ایسا درسِ مرثیہ جس میں حسینِ مظلوم کی عظمت و بلندیِ کردار کی ایک دنیا بیان ہو رہی تھی، یہ سب کچھ ایسے ماحول میں ہو رہا تھا جہاں آپؑ کے دشمن پوری طرح اس تمام مرثیہ نگاری کو سن رہے تھے۔ ارشاد ہو رہا تھا:

میری جان تجھ پر فدا، اے وہ کہ جو ریاضِ پیغمبر پر قربان ہوا۔

میری جان تجھ پر فدا جس کی ولادت سے فرشتگانِ پروردگار برکات کے متنبی ہوئے۔

میری جان تجھ پر فدا جسے پیاسا شہید کیا گیا۔

میری جان تجھ پر فدا جس کی ریش پاک سے خون ٹپک رہا ہے۔

میری جان تجھ پر فدا جس کا جسم پارہ پارہ دبے سر پڑا ہے۔

میری جان تجھ پر فدا کہ جس کے جسم کو برہنہ گرم خاک پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

اس احتجاج سے، نالہ و اشک جس کے ساتھ جاری تھے، خود دشمن کے دل میں ایسا طوفان اٹھا کہ اس کے اکثر افراد روتے تھے، اُن کے قلوب بے چین و متقلب ہو گئے، وہ اپنے فرائض سے جن میں اسیرانِ اہل بیت کی روانگی بہ طرفِ کوفہ شامل تھی، غافل ہو گئے، رقت و احساسِ ندامت کی امواج نے اُن کے قلوب پر هجوم کر لیا اور وہ لوگ اپنے عمل و ظلم و ستم سے خود ہی متنفر و شرمسار ہونے لگے۔¹

1۔ ان دردناک واقعات کو تمام مؤرخین و کتبِ مقاتل کے مؤلفین نے اپنے اپنے انداز میں تاریخی اعتبار سے بھی اور مرثیہ نگاری کے رنگ میں بھی تحریر کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اتنی عظیم شخصیات پر مظالم کے ایسے پہاڑ کبھی کسی بدترین انسانی معاشرہ میں بھی روا نہیں رکھے گئے۔ قارئین خود اندازہ ظلم کر سکتے ہیں بالخصوص جبکہ خود ظلم کرنے والے اپنی تمام سنگ دلی کے باوجود خود اپنے مظالم پر، مظلوموں کی عظمت و کیفیت و کردار کے پیش نظر گریاں نظر آتے ہیں اور جن پر ظلم و حار ہے ہیں ان کی اصلیت سے بھی واقف ہیں۔

ہم یہاں ایک بار پھر علامہ ندویؒ کی کتاب ”زینب“، ”زینب“ ہے کی طرف اپنے پڑھنے والوں کو متوجہ کرتے ہیں۔ علامہ مذکور لکھتے ہیں:

”جب کاروانِ اُسرہ صحرائے کربلا سے چلنے لگا تو سیدہ زینبؑ نے اپنے مظلوم بھائی کی لاش کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور اپنے ماں جانے کا آخری دیدار اس حالت میں کیا کہ ہاتھوں میں رسیاں اور سر کے بال کھلے تھے اور پالانوں کے بغیر اونٹوں پر سوار ہو کر جاری تھیں۔ مانی زہراؑ نے بھائی کو دیکھا کہ مظلوم کربلا کی لاش بغیر سر کے میدان میں پڑی ہے اور ظالموں نے امامِ مظلوم کے تن سے لباس بھی اتار لیا ہے اور بدن پر خون ہی خون ہے، تو غصے کی بیٹی اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکیں اور آلِ محمدؑ کی مظلومیت پر دھاڑیں مار مار کر رو۔ زلگیاں، روتی ہوئی آنکھوں اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ رسولِ آزادیؐ نے کہا:

غربت کا درد دل میں لئے جا رہے ہیں ہم	اور نصرتِ خدا کی سزا پا رہے ہیں ہم
یارب میرے حسینؑ کا لاشہ ہے بے کفن	یوں بے گناہ خون میں نہلا رہے ہیں ہم
بچے یتیم تشنہ دہن ہیں رسولؐ کے	اور ظالموں سے تازیانے کھا رہے ہیں ہم (جاری)

کوفہ میں داخلہ

دُشمن ذیل کوفہ میں داخلہ اہل بیتؑ کا منتظر تھا۔ شہر کے لوگ تعطیل کی کیفیت میں تماشہ کی غرض سے گھروں سے باہر نکل آئے تھے۔ طبل و باجوں کے ذریعہ دشمن کی فوج اسیران اہل بیتؑ کی آمد اور اپنی فتح کی خبر دے رہی تھی۔ سرہائے شہداء نوک ہائے نیزہ پر دور سے نظر آنے لگے۔ اکثر لوگ فرط انبساط سے شور کر رہے تھے۔ عورتوں کے ہجوم اپنے گھروں کی چھتوں پر تماشہ دیکھنے کیلئے جمع تھیں اور خوشی و انبساط میں اپنی جگہ آرام سے بیٹھتی نہ تھیں۔ اُن میں بعض ایسی سنگدل بھی تھیں کہ چھتوں کے اوپر سے سرہائے شہداء اور اسیروں کو پتھر بھی مار رہی تھیں۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

ہیں نچے سر رسولؐ کی مظلوم بیٹیاں اے موت! تو ٹھہر کہ ابھی آرہے ہیں ہم
اے بے کفن شہیدو! ہمارا سلام ہو تم کو اکیلا چھوڑ کے اب جا رہے ہیں ہم (عدیری)

”اس کے بعد عقیلہ بنی ہاشم نے مدینہ کی طرف رخ کر کے اپنے جد بزرگوار رسول خداؐ سے مخاطب ہو کر کہا:

”نانا جان! یہ حسینؑ جسے آپ اپنی آغوشِ محبت میں بٹھا کر اپنی عنایت و شفقت سے نوازتے تھے اور اسے سینہ سے لگا کر اس کی پاکیزہ جبین کے بوسے لیتے تھے، آج بے گور و کفن صحرائے کربلا پر اس حال میں ہے کہ اشقیاء نے اس کے مقدس بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہیں اور اس کی گردن پر چھری چلا کر اُسے تن سے جدا کر دیا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ نیزوں اور تیروں سے اس کا سینہ چھلنی کر ڈالا ہے اور اس کے مقدس سر کو نہایت بے دردی کے ساتھ کاٹ کر نیزے پر سوار کر دیا ہے۔ اس پر بھی ان ظالموں کے دلوں کو تسکین نہیں ہوئی۔ چنانچہ ان ستم پرور افراد اور بدنام خاندانوں کے پروردہ لوگوں نے مظلوم کربلا کے نازنین بدن کو گھوڑوں کے سمنوں کے نیچے پامال کر دیا ہے۔

”نانا جان! ہم آپ کے اہل بیتؑ و اولاد آج دیا و غربت میں بے سہارا ہیں اور کافر و فاسق لوگوں کے ہاتھوں اسیر ہو کر اپنے عزیزوں کو صحرائے کربلا میں تہا چھوڑ کر جا رہے ہیں۔

”نانا جان! ہماری غربت و مظلومیت اور اسارت پر گواہ رہنا“ (الطراز المذہب، ص ۱۷۴) (نہ نب، نہ نب ہے ص ۲۲۵، ۲۲۶)

ہم مندرجہ بالا سطور میں عرض کر چکے کہ واقعہ کربلا کے مختلف مراحل کو ہر مؤرخ و مؤلف نے اپنے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے تاہم نفسِ مضمون کا ایک ہونا واقعہ کی صداقت کی دلیل ہے۔ اہل بیتؑ عظام کی کربلا سے روانگی کو ”عائشہ بنت الشاطیٰ مصری“ نے اپنے الفاظ میں تحریر کیا ہے جن میں ان مظلوموں کی کربلا سے روانگی اور کوفہ میں داخلہ دونوں کا ذکر شامل ہے:

”ابن زیاد کے لشکر کے سپاہی شہیدوں کے سروں کو فخر و مباہات کے ساتھ کوفہ اُس وقت لے کر پہنچے جب رات ہو گئی (جاری)

مٹانی زہرا کا کجاوہ اس ہجوم کے وسط میں پہنچا۔ آپؐ نے ہجوم کی طرف اپنی انگشت مبارک سے اشارہ کیا کہ خاموش ہو جائیں۔ لوگ نہ چاہتے ہوئے بے ارادہ خاموش ہوئے۔ زینبؓ عالیہ نے اپنی پرشکوہ گفتگو کا آغاز فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد شہزادی نے اپنے جد بزرگوار پر درود بھیجا تو لوگوں کے کان خود بخود اس طرف متوجہ ہو گئے۔

(باقی حاشیہ صفحہ ساقبہ)

تھی اور پھر زیادہ کے محل کا دروازہ بند تھا۔

”کہتے ہیں کہ وہ آدمی جو امامؑ شہید کا سر لئے ہوئے تھا اس کو اپنے گھر لے گیا اور ایک گوشہ میں رکھ دیا اور اپنی زوجہ سے کہا: تیرے لئے زمانہ بھر کی دولت لایا ہوں۔ یہ حسینؑ کا سر ہے جو تیرے گھر میں ہے۔ زوجہ لرز کر چلائی:

”تف ہے تیرے اوپر۔ آدمی تو سونا اور چاندی لاتے ہیں اور تو دخترِ پیغمبرؐ کے فرزند کا سر لے کر آیا ہے۔ خدا کی قسم میں تیرے ساتھ اس گھر میں ہرگز نہ رہوں گی“، اس کے بعد وہ گھر سے چلی گئی.....

”کوفہ جاتے وقت قافلہ کو قتل گاہ سے لے گئے۔ جب زینبؓ نے شہیدوں کے خاک و خون میں آلودہ لاشے زمین پر پڑے دیکھے تو یہ فریاد کی:

’اے محمدؐ! آسمان کے فرشتے آپؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ یہ حسینؑ ہیں جو خون میں آلودہ گرم ریت پر پڑے ہوئے ہیں اور ان کے اعضاء ٹکڑے ٹکڑے ہیں اور یہ آپؐ کی بیٹیاں ہیں جو اسیر ہو کر جارہی ہیں۔ اے محمدؐ! یہ آپؐ کی ذریت ہے جو قتل کر کے زمین پر ڈال دی گئی ہے اور ہوائیں گرد و غبار ان پر ڈال رہی ہیں۔

”زینبؓ کی اس فریاد پر قافلہ کی تمام عورتیں رونے لگیں اور ہر دوست و دشمن آنسو بہانے لگا۔“

(کربلا کی شیردل خاتون، ص ۲۱۸، ۲۱۹، مطبوعہ امامیہ مشن، لاہور)

سید ریاض علی ریاض لکھتے ہیں:

”ناخ التوارخ کے مطابق حضرت سید سجادؑ فرماتے ہیں کہ باپ اور اعضاء کو شہید اور خون میں لتھڑا ہوا اور ماں بہنوں کو اسیر دیکھ کر میرا سینہ تنگی کرنے لگا اور قریب تھا کہ روح پرواز کر جائے کہ پھوپھی زینبؓ نے دیکھا اور فرمایا کہ اے میرے بزرگوں کی یادگار تھے کس حالت میں دیکھ رہی ہوں۔ کیا تیرا ارادہ ہے کہ دنیا سے گزر جائے؟ حضرت سجادؑ نے فرمایا اے پھوپھی کیونکر میری یہ حالت نہ ہو کہ میرے سب اعضاء مارے گئے اور وہ برہنہ تن اور بے کفن پڑے ہیں۔ فرمایا قسم ہے خدا کی تیرے بزرگوں سے اس کا عہد لیا گیا تھا۔“ (شہید اعظم، ج ۲، ص ۲۱۸)۔

جناب سید العلماء مرحوم لکھتے ہیں:

(جاری)

خطاب شروع ہوتے ہی عاتنی زہرا کا مقام سابقہ اور حکومت امیر المؤمنین علیہ السلام لوگوں کے اذہان میں ابھر آئے۔ لوگوں کی یہ حالت ہوئی گویا ابھی ابھی خواب غفلت سے بیدار ہوئے ہیں۔ شدت گریہ کا اثر یہاں تک پہنچا کہ لوگ سروں کو پیٹنے لگے اور عورتوں میں شور نالہ و شیون بلند ہونے لگا۔ جب یہ شور گریہ و شیون بہت بلند ہوا تو شہزادی نے فرمایا:

”خوب روؤ کہ تم اسی کے مستحق ہو۔ بہت زیادہ روؤ اور کم ہنسو!

”فَابْكُوا فَإِنَّكُمْ وَاللَّهِ أَحَقُّ بِالْبُكَاءِ فَلْيَضْحَكُوا أَقْلِيلًا فَلْيَبْكُوا كَثِيرًا“۔

آپ کی اس خطابت نے کو فیوں کے قلوب کو اس قدر گرمایا کہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا کوفہ میں قیامت برپا ہے، حتیٰ کہ امام سجاد علیہ السلام نے اپنی چھو بھی زینبؑ عالیہ سے گزارش کی کہ سکون حاصل کریں مبادا کہ طوفان انقلاب، اگرچہ مستقل نہ سہی، سر نہ اٹھالے، کیونکہ ایسا ہوا تو مصلحت سید الشہداء علیہ السلام کے مطابق نہ ہوگا۔

طوفان رقت

عاتنی زہرا کے اس خطاب نے ذلیل دشمن کو پریشان و وحشت زدہ کر دیا۔ آپ کو خاموش کرنے کی غرض سے وہ نیزہ جس پر امام حسین علیہ السلام کا سر اقدس تھا، آپ کے بالکل قریب لے آئے۔ جونہی زینبؑ عالیہ کی نظر امام کے سر مبارک پر پڑی، آپ اپنے کلام کو روک کر اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ آپ نے اپنی گفتگو کو اشعار کے قالب میں ڈھال کر اس سر مقدس کو

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

”11 محرم کی صبح کو جب پسماندگانِ حسین قیدی بنائے جا چکے اور لٹا ہوا قافلہ کوفہ کی طرف روانہ کیا گیا تو قتل گاہ سے ہو کر گزرا جہاں افواج یزید کے مقتولین کو دفن کئے جانے کے بعد بھی شہدائے راہِ خدا کی لاشیں بے غسل و کفن خاک و خون میں آلودہ چھوڑ دی گئی تھیں۔

”اس جگر خراش منظر سے بیمار ناتواں علی بن الحسینؑ کا وہ عالم ہوا کہ جسے دیکھ کر جناب زینبؑ بے تاب ہو گئیں اور جب مصیبت زدوں کا قافلہ قتل شداء میں پہنچا تو ان سے ان کی چھو بھی نے بے تاب ہو کر دریافت کیا کہ اے یادگارِ رفتگان، یہ تمہاری کیا حالت ہے کہ روح تمہارے جسم سے پروا کیا چاہتی ہے۔ نتیجے نے جواب دیا اے چھو بھی! اس منظر کو دیکھ کر کس طرح برداشت کروں کہ میرے پدر بزرگوار اور چچا اور بھائی غرض کہ تمام عزیز و اقارب کو دیکھ رہا ہوں کہ سب کے سب اس میدان میں اپنے خون میں نہائے بے کفن و دفن پڑے ہیں اور کوئی ان کا نگران ہے نہ پُرسان۔ اس نازک موقع پر عاتنی زہرا ہی کا کام تھا کہ انہوں نے امام زین العابدین علیہ السلام کو تسلی اور دلاسا دیا۔“ (”شہیدِ انسانیّت“، ص ۵۵۹، ۵۶۰)۔

ایسے لہجہ میں مخاطب فرمایا کہ اس سے لوگوں میں طوفان گر یہ آہ و اشک اور زیادہ ہو گیا۔ دشمن نہ صرف یہ کہ اس حربہ سے اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوا بلکہ اسے پہلے سے زیادہ نقصان و خطرہ کا سامنا ہوا۔ شہزادی کی گفتگو کا ایک حصہ ہم نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہیں:

يَا هَلَالًا لِّمَا اسْتَمَّ كَهَلَا
غَالَهُ خَسْفُهُ فَأَبْدَا غُرُوبًا.....

”اے میرے ہلال، اے میرے پہلی شب کے چاند! تیرا خاک و خون میں بھرا ہوا چہرہ گہنا گیا ہے! اے میرے شردل تو کتنی جلدی غروب ہو گیا۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ تجھ پر یہ سب گزر جائیگا، یہ سب مصیبت تیرا مقدر ہوگی اور تجھ پر ختم ہو کر رہے گی۔ میرے بھیا! جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کی خدمت میں کہنا کہ ان کے چھوٹے فرزند کی کیفیت سے شدت غم کا عالم یہ ہے کہ کلیجہ پانی پانی ہوا جا رہا ہے اور دل جسم سے باہر آنے کو ہے۔ پیارے بھیا! تو وہی تو ہے کہ ہمیشہ میری طرف دل مہربان رکھتا تھا۔ اب کیا ہوا کہ میری طرف اس قدر سخت و شدت کا برتاؤ ہے.....“

یہ نالہ جانکاہ سن کر لوگ زار و قطار روتے تھے۔ یہی وہ باتیں تھیں جو قلوب میں لرزہ پیدا کر رہی تھیں، نگاہوں کو اُن کی طرف متوجہ کر رہی تھیں اور لوگوں کے قلوب کو متقلب کر رہی تھیں۔ لوگ اس قدر متاثر ہوئے کہ اُن کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ جو کچھ وہ سن رہے ہیں یا دیکھ رہے ہیں، یا جو کچھ اُن کے بارے میں کہا جا رہا ہے، اس میں کس طرح تناسب قائم کریں، سوائے اس کے کہ اپنے کئے پر اشک و اندامت بہا رہے تھے اور نہ جانتے تھے کہ کیا کریں۔

در بار یزید

ثانی زہرا سلام اللہ علیہا نے شام اور دربار یزید میں اپنے اسی حُسنِ عمل کی شدت سے ذلیل دشمن پر عرصہ حیات تنگ کر دیا، لوگوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا، اپنے خطاب کی تیزی اور جہنم سے سننے والوں میں بیداری و بے چینی پیدا کر دی، لوگوں کے قلوب و اذہان کو سوز و درد ناک احساسات سے ہلا ڈالا اور شام والوں کیلئے شرمندگی و ندامت کا طوفان پیدا کر دیا۔

ثانی زہرا نے یزید لعین کو مخاطب کر کے فرمایا:

”أَمِنَ الْعَدْلُ يَابْنَ الطَّلَقَاءِ؟“

یعنی ”اے آزاد کردہ غلاموں کی اولاد! کیا فرزندِ رسول کے ساتھ یہ سلوک اُن کی عاطفت کے عوض مبنی بر عدل و

انصاف ہے؟“

یہ اشارہ تھا اس حقیقت کی طرف کہ ایک حاکم پر، اگر وہ مسلمان ہے، تو واجب و لازم ہے کہ خود اپنے بارے میں اور دشمن کے بارے میں بھی عدل و انصاف کو پس پشت نہ ڈالے، نہ اُسے نظر انداز کرے، جبکہ تو نے ایسا نہیں کیا بلکہ اصولِ عدل کو پامال کیا ہے۔

پھر فرماتی ہیں:

”تَحْدِثُ بَرَكَ سَرَائِرُكَ وَسَوْفَكَ بَنَاتِ رَسُولِ اللَّهِ“۔

یعنی ”تو نے اپنی بیوی اور خاندان کی عورتوں کو تو پردہ میں جگہ دے رکھی ہے اور رسول اللہ کی بیٹیوں کو بے پردہ منظر عام پر لا رکھا ہے؟“

ثانی زہرا کی اس گفتگو نے اُس دشمن دین کو پریشان کر دیا اور عام سننے والے لوگوں کو ہلا کر رکھ دیا۔

ایک اور موقعہ ایسا ہی پیدا ہوا جب یزید ملعون نے غصہ میں آکر اور تکبرِ اقتدار میں مخمور ہو کر لب ہائے سید الشہداء علیہ السلام کو چھڑی سے مضروب کیا۔ اس منظر نے ایک تحریکِ رقت آمیز برپا کی، ہر دیکھنے والے فرد نے اپنے اپنے گوشہ میں سر کو بلند کیا، یزید ملعون کو اس عمل پر لعن طعن کی کہ اے یزید! ان لیوں پر چوب زنی مت کر، کم از کم سید الشہداء علیہ السلام کی خواتین اور بیٹیوں کے سامنے تو ایسا نہ کر! اس موقعہ پر دربارِ یزید میں ایک طوفان برپا ہو گیا۔

۴۔ اُسوہ ثانی زہرا کے اثرات

آخر کار ثانی زہرا کے اقدامات کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کی موقعہ شناسی اور رقت انگیزی نے ایک ہیجانِ عظیم پیدا کر دیا جس کے اثرات نے یزید کے کاغذِ اقتدار میں لرزہ پیدا کر دیا۔ آپ جانتے ہیں کہ یزید کی موت کے بعد نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس کا بیٹا معاویہ ثانی اپنے باپ کی جانشینی کے لئے بھی آمادہ نہ ہوا اور تھوڑے عرصہ بعد ہی اُس نے اپنے آپ کو کاروبارِ حکومت سے الگ کر لیا۔

غرضیکہ جو متاعِ حیات زینبؓ عالیہ نے کوفہ و دمشق میں لوگوں کی نظروں کے سامنے رکھی اس کی طرف لا تعداد قلوب کھنچے چلے آئے اور طرف دارانِ مظلومیتِ اہل بیتؑ از پیش بڑھنے لگے۔ اس کے برعکس بنی امیہ کی شہرت و عظمت دن بہ دن گہناتی گئی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ حکومتیں خود اپنے مقام پر افرادِ بنی امیہ کو فاسد اور ناقابلِ برداشت جاننے لگیں۔ ہم آئندہ مباحث میں ان حالات پر مکمل طور سے روشنی ڈالیں گے۔

اقتدار میں لرزہ

ثانی زہرائے کوفہ میں جو خطابت کی وہ اس قدر مستحکم و عظیم تھی کہ کوفہ کے طول و عرض میں ان خطبات کی صدائے بازگشت سنائی دینے لگی۔ آپؐ کو دس روز سے زیادہ کوفہ میں نہ رہنے دیا گیا، یا ارباب اقتدار نے نہ چاہا کہ آپؐ اس سے زیادہ کوفہ میں قیام کریں کیونکہ کوفہ میں زینبؓ عالیہ کا وجود حکومت کے لئے شدید طور پر نقصان دہ تھا۔ تاہم اس مختصر قیام نے بھی پورے عراق و عرب کو بلکہ عجم کے بعض علاقوں کو بھی اپنی پلیٹ میں لے لیا۔

(معلوم ہوتا ہے یہاں مؤلف کتاب اشتباہ کا شکار ہوئے ہیں کیونکہ کوفہ میں قیام اہل بیتؑ کا کافی طویل معلوم ہوتا ہے۔ ابن زیاد نے اسیران اہل بیتؑ کے بارے میں یزید سے احکامات حاصل کئے تھے۔ چونکہ اس زمانہ میں ذرائع سفر و مواصلات بہت سست رفتار تھے اس لئے کسی طرح ممکن معلوم نہیں ہوتا کہ کوفہ کے قید خانہ میں ذریت رسولؐ خدا کا قیام صرف دس دن رہا ہو، مترجم)۔

تھوڑی مدت نہ گزری تھی کہ یہ امواج طوفان خیز حجاز و یثرب میں پھیل گئیں اور وہاں سے حکومتِ روم تک پہنچیں کیونکہ ان تمام حکومتوں کے نمائندگان کوفہ و دمشق میں موجود تھے جہاں وہ ان تمام حالات سے مطلع ہو چکے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ارکان حکومت لرزہ بر اندام ہو گئے، اُن کی طاقت و قوت میں زلزلے آنے لگے، زمین کربلا کے سرداروں، جنگ جو جفا کاروں کے لئے ٹھک ہونے لگی اور معاشرہ میں ان کی موجودگی ناقابلِ برداشت ہو گئی۔

اب قاتلانِ حسینؑ میں یہ جرأت باقی نہ تھی کہ مجمعِ عالم کے سامنے آتے۔ ان میں عمرو بن سعد و ابن زیاد و حرملہ و خولی اٹھی وغیرہ جیسے سفاک بدترین تینکیوں اور سخت ترین حصار میں قابو آ گئے۔ ہم آئندہ دیکھیں گے کہ یہ سب کے سب اپنے اعمال کی سزا کو پہنچے اور ذلت و بے عزتی سے مار ڈالے گئے۔

اختلالِ دشمن

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دشمن نے شاید ابتداء میں ثانی زہرائے کوفہ کے جذبہ جہاد و احتجاج کو کمزور و غیر اہم جانا۔ اسی لئے شاید اس نے مخدومہ کو احتجاج سے نہ روکا اور نہ اُن کے طریق کار پر مزاحم ہوا۔ یہ بھی ایک طرح کی اللہ تعالیٰ کی عنایت ہی تھی کہ دشمنوں نے متواتر خاندانِ رسولؐ اکرمؐ کو معاذ اللہ جاہل و بے عقل قرار دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن نے خود انہیں مواقع فراہم کئے جس کے باعث زینبؓ عالیہ کے تاسف انگیز خطابات اور آپؐ کے کلام کو اثرات کا میدان وسیع سے وسیع تر ملتا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ

مخدومہ عالم زبان علیؑ میں گفتگو کرتی اور سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کے لہجہ میں احتجاج کرتی رہیں۔ آپؐ کی تمام گفتگو رضائے پروردگار کی خاطر تھی، اسی لئے اس کا اثر و نفوذ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے پیدا ہو رہا تھا۔

ثانی زہرا کا طریق کار آہستہ آہستہ دشمن پر خوف و وحشت طاری کرتا گیا یہاں تک کہ لشکر یزید کے سرداران و سالار اپنے اپنے مقام پر کوشش کرنے لگے کہ انہیں اپنے دائرہ کار سے دور رکھیں تاکہ ان کی متکبر و مغرور شخصیات آپؐ کے خطابات کی زد سے بچی رہیں۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کو شام کی طرف روانہ کرتے ہوئے شہر کوفہ کے دروازہ پر آپؐ کو دیکھ کر ابن زیاد ملعون نے پہلی بار سکون کا سانس لیا۔

یزید کے بارے میں بھی ہمارا یہی خیال ہے۔ تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا کہ اُس نے ابن زیاد ملعون پر لعنت بھیجی اور بغضد ہوا کہ اہل بیتؑ رسولؐ خدا میند واپس چلے جائیں۔ یزید نے یہ حکم بھی دیا کہ اس کے اپنے دربار میں تین روز تک عزاداری برپا کی جائے۔ یہ حکم اس لئے ہرگز نہ تھا کہ عزاداری حسینؑ صرف اور صرف اُس کے دربار تک ہی محدود رہے اور اہل بیتؑ کی تقاریر و مرثیہ خوانی کے اثرات پھیلنے کی بجائے محدود ہو کر رہ جائیں۔

ایک حقیقت کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ اہل بیتؑ کے یزید کے دربار میں داخلہ کے بعد نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ یزید کو اپنے محدود حرم کی چار دیواری میں بھی سکون میسر نہ تھا۔ اُس کی بیوی نے بھی اسے نشانہ شامت بنا دیا۔ یہی کیفیت ابن زیاد کی اس کی ماں کی طرف سے تھی جو ہر وقت مستقل طور پر اس کو سرزنش کرتی تھی۔ واقعہ کربلا میں شریک بعض ظالموں کی بیویاں انہیں اپنے بستر کے قریب نہ آنے دیتی تھیں۔ یہ واقعات اُن کی آنکھیں کھول رہے تھے اور اُن ستم گروں کیلئے وحشت کا باعث بنے ہوئے تھے۔

تشہیر اہل بیتؑ کے فرمان کا حشر

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کا کوفہ میں احتجاج بہت سے سالاران لشکر کے لئے بہت زیادہ سبق آموز تھا۔ شہزادی کی کوفہ و دمشق میں موجودگی اُن کے لئے اس قدر تلخ تجربہ کا باعث بنی اور اُن کے لئے اتنی بڑی مصیبت ثابت ہوئی کہ اب وہ یہ نہ جانتے تھے کہ اہل بیتؑ رسولؐ کے ساتھ کیا سلوک کریں۔ مصیبت یہ تھی کہ کوفہ میں ورود سے پہلے ہی تمام افرادِ خانوادہ رسولؐ کو اگر تہ تیغ ہی کر ڈالنے تو نہ جانتے تھے کہ عوام الناس کو کیا جواب دیں گے جبکہ انہیں زندہ رہنے دینا کانٹوں کی طرح اُن کی آنکھوں میں کھٹک رہا تھا۔

اُس زمانہ میں صرف گھوڑے اور اونٹ ہی ذرائع آمد و رفت کے طور پر استعمال ہوا کرتے تھے۔ اس لئے وہ عالم مجبور تھے کہ انہی ست رفتار ذرائع سے اسیران اہل بیت کو ایک شہر سے دوسرے شہر پھراتے ہوئے شام تک پہنچائیں۔ اگر دورِ حاضر کی طرح ہوائی جہازوں جیسے تیز رفتار ذرائع نقل و حرکت میسر ہوتے تو اُن کیلئے اس تشمیر کی نسبت یقیناً بہتر ہوتا کہ ان تیز رفتار ذرائع کو ہی استعمال کرتے ہوئے ہمارے خیال کے مطابق بہت تیز رفتاری سے انہیں دمشق اور پھر وہاں سے مدینہ پہنچا دیتے۔

اسیران اہل بیت کی آمد و روانگی سے پہلے ہی بہت سے شہروں میں حکومت کے احکام پہنچ چکے تھے کہ حکومت چاہتی ہے کہ خاندانِ رسالت کو زیادہ سے زیادہ رسوا کیا جائے، اسیران کی زیادہ سے زیادہ شہروں اور قصبہ جات میں نمائش کر کے اپنی طاقت و اقتدار کا لوگوں کے دلوں پر سکھایا جائے۔ لیکن اب وہ اس قدر پریشان و سراسیمہ تھے کہ بعض مواقع سے تو اسیروں کو رات کے وقت سفر کرانے پر مجبور تھے تاکہ لوگوں کی نظریں انہیں دیکھ نہ پائیں۔ بصورتِ دیگر ایسا بھی ہوتا کہ انہیں غیر معروف راہوں سے لے جاتے تاکہ وہ عوام الناس کی توجہ کا باعث نہ بن پائیں۔

انقلابِ فکر

سید الشہداء علیہ السلام ایک منظم طریق کار رکھتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی زینبؓ عالیہ نے قیامِ حسینی کو دوام مہیا کرنے کا عزم کر رکھا تھا۔ اس کے پس پردہ ایک انقلابِ فکر اور پس منظر میں ایسا سیاسی تحریک کار فرما تھا جو ثابت کر رہا تھا کہ اس زمانہ کے حکمران لیاقتِ حکمرانی نہ رکھتے تھے۔

اس حقیقت کے باوجود ثانی زہراؓ کے خطابات نے سیلِ اشک رواں کر دیئے، لوگوں کے سینوں سے آہ و نالہ بلند ہونے لگے، عورتیں دفوراشک و آہ سے گری پڑتی تھیں۔ زینبؓ عالیہ نے ان کی اس حالت کو اور زیادہ پریشان کر دیا، اُن کے گریہِ ندامت کو اور زیادہ بھڑکا دیا۔ شہزادی نے کوفہ کے بازار میں انہیں اس طرح مخاطب فرمایا:

يَا أَهْلَ الْكُوفَةِ! تَقْتُلُنَا جَالِكُمْ وَتَبْكِينَا نِسَاؤُكُمْ فَأَلْحَاكُم بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اللَّهُ يَوْمَ فَصْلِ

الْقَضَاءِ. (زینبؓ، أُنْخِتَ الْحُسَيْنِ)

اے اہل کوفہ! تمہارے مرد ہمیں قتل کر رہے ہیں اور تمہاری عورتیں ہم پر گریہ کتناں ہیں! ہمارے اور تمہارے درمیان حکم کرنے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور وہ قضا و دادوری کے دن یعنی بروزِ قیامت ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔

لوگوں کے قلوب میں موجِ انقلاب اٹھنے لگی۔ پوچھتے تھے کہ اصل ماجرا کیا ہے اور یہ قتل و غارت کیوں واقع ہوئی ہے؟

ایسا موقعہ پیدا ہو گیا کہ لوگ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ اقدام کریں، حتیٰ کہ ایسا ہیجان پیدا ہوا کہ بعض لوگوں نے اپنے تجزیہ نفس کا مصمم ارادہ کیا اور بعض لوگ انتقام لینے پر آمادہ ہو گئے (گروہ تو امین)۔ 1۔

1۔ شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بعد اہل بیتؑ رسول اکرمؐ پر ابن زیاد کی فوج نے جو مظالم ڈھائے اور جس طرح انہیں اسیر کر کے کوفہ لے جایا گیا اس کو سب مؤرخین نے اپنے اپنے انداز میں تحریر کیا ہے۔ صرف الفاظ مختلف ہیں تاہم ان کا مطالعہ واقعات کی یکسانیت کو ثابت کرتا ہے۔ ہم یہاں تمام واقعات کو چھوڑ کر ذریت رسولؐ کے کوفہ میں داخلہ کے واقعات پیش کریں گے جن سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے گی کہ یہ اسیر کس نوعیت کے مالک تھے اور انہی کے نام رسولؐ خدا کی امت ان کے ساتھ کیا سلوک کر رہی تھی۔ علامہ ڈاکٹر مجتبیٰ حسن کا مون پوری اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

”..... ابن سعد نے کوفہ اہل حرم کو پامال و تباہ روانہ کر دیا۔ حکومت کی طرف سے کوفہ اور دارالامارہ کی آرائش کی گئی تھی.... اس آرائش کے ذکر میں مولانا سلامت اللہ صاحب لکھتے ہیں:

”ہر گاہ اسیرانِ اہلیتِ رسالت و بندیانِ دو دمانِ نبوت و نبالت با سرِ مبارک سید الشہداء و سائر شہیدانِ دشتِ کربلا داخلِ کوفہ شدند ابن زیاد لعنہ اللہ الیٰ یوم التناذقصرِ امارتِ خود آراستہ باہیت و وقار در کوشکے نشستہ در خانہ راہار تمام کرد۔“

”نقاہتوں کی فلک شکاف آوازوں کے ساتھ رسولؐ اسلام کی قیدی ذریت کا قافلہ شہر میں داخل ہوا۔ آگے آگے نیزوں پر شہیدوں کے سر تھے، سروں کے پیچھے رن بستہ اسیر اونٹوں پر سوار تھے۔ عرصہ کے بعد زینب کبریٰ کوفہ میں آئی تھیں۔ تماشا کی عورتوں میں وہ بھی رہی ہوں گی جو عبدِ غلام امیر المؤمنین علیہ السلام میں دخترِ امیر المؤمنین سے ملنے آتی ہوں گی۔ لیکن تاریخ نے کسی عورت کا نام نہیں لیا جس نے غلامی زہراؑ کو پہچان لیا ہو..... بعض عورتوں نے ان کی حالتِ زار اور چہروں کی شرافت و نجابت دیکھ کر پوچھا بھی کہ تم کس خاندان کے قیدی ہو؟

”مخدراتِ عصمت و طہارت نے جواب دیا کہ ہم آلِ محمدؐ کے قیدی ہیں..... تاریخ نے کوفہ کی عورتوں کا ذکر کیا ہے۔ وہ اس ہولناک منظر کے نظارہ کی تاب نہ لا سکیں اور بے ساختہ رونے لگیں..... بشیر بن حزم اسدی نے جو اس منظر سے کافی متاثر تھا، اپنے جذبات، ان تقریروں کا متن اور ان کے اثرات کے متعلق اپنے تاثرات تاریخ کے سپرد کئے ہیں۔ بشیر غلامی زہراؑ کی تقریر سے اتنا شدت سے متاثر ہوا کہ ان کی تقریر کا متن بیان کرنے سے پہلے اپنے تاثر کا اظہار کرتا ہے کہ میں نے پردہ نشینوں میں اس سے پہلے ایسی طلاقت نہیں دیکھی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اپنے باپ (علیؑ) کی زبان سے بول رہی ہیں..... بشیر کہتا ہے کہ آپؐ نے مجمع کو اشارہ سے کہا کہ چپ ہو جاؤ۔ فوراً ایسی خاموشی چھا گئی کہ سانس کی آہٹ بھی نہیں ملتی تھی..... (رضا کارشیکہ الحسین نمبر ۶۱، ص ۳۱۲۲۹)۔

سید اولاد حیدر فوق بلگرامی اہل بیتؑ کے کوفہ میں داخلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

(جاری)

(بقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

”جب عبید اللہ ابن زیاد کو اسیران اہل بیت کی آمد معلوم ہوئی تو اس نے تمام شہر میں منادی کروادی کہ کوئی شخص مسلح ہو کر گھر سے باہر نہ نکلے اور کسی قسم کا ہتھیار اپنے ساتھ نہ رکھے۔ اس کے علاوہ دس ہزار فوج کو تمام شہر کی گلیوں اور ناکوں پر معین کر دیا کہ شیعان علی علیہ السلام اور دوستان اہل بیت کسی قسم کا تعرض نہ کریں۔ شہر کے ضروری انتظام کے بعد اُس نے قصر دارالامارہ کو بھی خوب آراستہ و پیراستہ کیا:

قدرت خدا کی جشن ہے قتل حسین کا

دوسرے دن صبح کو عمر سعد اپنی ہمراہی فوج کے ساتھ بڑے ترک و احتشام سے شہر میں داخل ہوا۔ داخلہ اہل بیت علیہم السلام کی خبر پا کر چاروں طرف سے کوفہ کے بے غیرت نامردوں کا وہ ہجوم ہوا کہ الحفیظ والامان۔ دوست و دشمن سب ذریت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حالت میں دیکھ کر ہائے کر کے رونے لگے اور سب کے سب اپنے کئے پر پچھتانے لگے۔ جناب امام زین العابدین علیہ السلام نے اُن کو اس حالت میں دیکھ کر فرمایا: اے لوگو! جب تم میرے حال پر روتے ہو اور نوحہ کرتے ہو تو بتلاؤ کہ ہمارا قتل کرنے والا کون ہے؟

”سہل شہرزی کا بیان ہے کہ میں نے اسیران اہل بیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اُن کو اسیران ترک و دہلیم کی طرح لئے جاتے ہیں۔ چاروں طرف سے تماشاخیوں کا ہجوم تھا۔ کوٹھوں پر سے عورتیں ان کی عبرت خیز حالتوں کا نظارہ کر رہی تھیں۔ اُن میں سے ایک نے پوچھا: ”من اتی الاسارى انتن“ تم لوگ کس قوم کے اسیر ہو؟ لفقطن نحن اسارى ال محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ہم لوگ اسیران آل محمد ہیں۔ بشیر بن جزیم کا بیان ہے کہ ان تماشاخیوں کو مخاطب کر کے جناب ثانی زہرائے خطبہ کا آغاز فرمایا:

(صحیفۃ العابدین، ص ۱۲)۔

”صحیفہ کاملہ“ کے مصنف و مترجم سید قائم رضا نسیم امر دہوی اپنی کتاب ’زبور آل محمد، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، اس طرح کوفہ میں داخلہ اہل بیت کو بیان فرماتے ہیں:

”شیخ مفیدؒ نے ارشاد میں اور طبری نے اپنی تاریخ میں نیز دیگر اہل مقاتل نے بالاتفاق اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ خزیمہ اسدی کہتے ہیں کہ میں اتفاق سے اسی روز کوفہ میں وارد ہوا جبکہ علی بن الحسینؑ اور اُن کے ساتھ اہل بیت رسالت کے قیدیوں کا قافلہ کوفہ میں داخل ہو رہا تھا۔ ابن زیاد کے حکم سے شہر کو نو اسیر رسولؐ کے قتل کی خوشی میں سجایا گیا تھا۔ بازاروں میں تماشاخیوں کا ہجوم تھا۔ کوفہ کے کووال عمرو بن حربؑ کو حکم ملا تھا کہ وہ ایک ہزار سوار اور پیادے لے کر بازاروں میں گشت کرے اور جسے اہل بیتؑ کا ہمدرد پائے، اُس کی گردن اُڑا دے۔ لوگوں کو یہ بتایا گیا تھا کہ ایک باغی نے خلیفہ وقت پر خروج کیا تھا، اُسے قتل کر دیا گیا اور اس کا خاندان میدان جنگ سے (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

گرفتار کر کے لایا جا رہا ہے۔ تمام لوگ قیدیوں کا تماشا دیکھنے کے لئے جا بجا ہجوم کئے ہوئے تھے۔ عورتیں اپنے بچوں کو لے کر ہجوم میں پس جانے کے خیال سے کونھوں پر چڑھ گئی تھیں۔ جب رسولؐ زادیوں کا تہاہ حال قافلہ کوفہ کے بازاروں سے گزرا اور لوگوں نے شہیدوں کے سردوں کو نیزوں کی نوک پر اور گردوغبار میں اٹے ہوئے بارہ بچوں کی گردنوں کو ایک ہی رسی میں بندھے ہوئے اور سر برہنہ بیبیوں کو بال بکھرائے، بے کجاوہ اونٹوں پر سوار دیکھا تو لوگ بے ساختہ رونے لگے اور بعض کی چیخیں نکل گئیں۔ جناب زینبؓ نے جب یہ چیخیں سنیں تو بڑے بڑے جلال لہجہ میں کوفہ والوں کو مخاطب کر کے کہنے لگیں:

”رونے والو! بچ رہو اور میری بات سنو۔“

شیخ مفیدؒ فرماتے ہیں:

”فارتدت الانفاس و سالت الاحواس۔“

یعنی آپؐ کا کلام سننے کیلئے اس قدر سکوت چھا گیا کہ گویا سانسوں کی آمد و رفت ٹھہر گئی اور صدائے شہزادے بند ہو گئی۔ جناب ثانی زہرائے بہ آواز بلند فرمایا:

”آج تم روتے ہو! خدا کرے ہمیشہ روتے رہو۔ تمہارے آنسو کبھی نہ ٹھہریں۔ تمہیں معلوم ہے کہ تم نے کیا کیا؟ تم نے رسولؐ کی اولاد کو ذبح کر ڈالا اور اب ان کی بیٹیوں کو سر بازار بنگے سر تشہیر کر رہے ہو، دیکھو! اس چند روزہ مہلت پر گھمنڈ نہ کرو، اللہ تعالیٰ جلد بازی نہیں کرتا۔ وہ دیر گیر مگر سخت گیر ہے۔“

”خزیمہ کا بیان ہے خدا کی قسم میں نے ایساؤثر خطبہ دینے والی اور فصیح و بلیغ دوسری عورت نہیں دیکھی۔ گویا آپؐ زبان علیؑ بن ابی طالبؓ سے کلام کر رہی تھیں۔ سننے والوں نے آپؐ کے الفاظ سے اور شرم و ندامت سے گردنیں جھکا لیں“ (زبور آل محمد، ص ۱۱۳، ۱۱۵) اسی موضوع پر علامہ حسن رضاؒ عذری مدظلہ لکھتے ہیں:

”اہل بیتؑ کی بے سہارا بیبیوں اور یتیم بچوں کا قافلہ قیدی ہو کر اپنے سفر کی کٹھن اور خوفناک منزلیں طے کرتا ہوا کوفہ پہنچ گیا۔ یزید اور ابن زیاد کے جلاظ مظلوموں کے اس قافلہ کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے تھے۔ بغیر پالان کے اونٹوں پر سوار کر کے رسولؐ زادیوں اور معصوم بچوں کو شہر میں لایا گیا۔ قیدیوں کے آگے آگے مظلوم شہیدوں کے سر نیزوں پر سوار تھے جن میں ۷۰ سرانصار حسینؑ کے، 20 سر خاندان رسولؐ کے تھے اور سب سے آگے مظلوم کر بلا، جوانان جنت کے سردار حسینؑ بن علیؑ کا سر مبارک تھا۔ جب سیدہ زینبؓ کی نظر اپنے مظلوم بھائی کے سر اقدس پر پڑی اور دیکھا کہ نواسہ رسولؐ نوک نیزہ پر تلاوت قرآن کر رہا ہے تو رسولؐ زادی نے اشقیاء کی طرف متوجہ ہو کر روتے ہوئے فرمایا:

(جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

”تم اس وقت کیا جواب دو گے جب رسول خدا تم سے پوچھیں گے کہ تم نے آخری نبی کی امت ہوتے ہوئے میری عترت والہ بیت کے ساتھ میرے بعد کیا سلوک کیا، کسی کو قیدی بنایا اور کسی کو خون میں نہلایا۔ اگر میں تمہیں اپنے قریبیوں کے ساتھ نہایت برا سلوک کرنے کی تاکید بھی کرتا تب بھی تم اس سے زیادہ برا سلوک نہ کر سکتے تھے۔ کیا میری نصیحتوں کا یہی اثر ہے؟ میں اُس روز سے خائف ہوں جب دوسری امتوں کی مانند تم بھی سخت عذاب الہی سے دوچار ہو جاؤ!

”ابن زیاد نے حکم دیا کہ جب قیدی شہر کے اندر داخل ہوں تو کوئی شخص اسلحہ لے کر باہر نہ نکلے، چنانچہ اس معون نے شاہراہوں، بازاروں، بڑے بڑے چوراہوں اور گلی کوچوں میں دس ہزار گھوڑے سوار متعین کر دیئے تاکہ اولاد رسول کو رسیوں اور زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھ کر لوگوں کے ضمیر جاگ نہ جائیں اور ان کی غیرت انہیں جوش دلا کر ہمارے خلاف بغاوت کرنے پر آمادہ نہ کر دے۔

”جب آل رسول کے اسیروں کا قافلہ مظلوم شہیدوں کے سروں کے ساتھ شہر کے اندر داخل ہوا تو گلی کوچے اور سڑکیں لوگوں کے جھوم سے پُر ہو گئیں اور کوفہ کی عورتیں مکانات کی چھتوں پر چڑھ کر قیدیوں کو دیکھ رہی تھیں۔ حکومت کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ باغی کا کنبہ قید ہو کر آ رہا ہے۔ لہذا سب لوگ تماشا دیکھنے آئیں۔ کسی کو اس بات کی خبر نہ تھی کہ نواسہ رسول حسین بن علی کو شہید کر دیا گیا ہے اور یہ سب عورتیں اور بچے رسول خدا کی اولاد ہیں۔

”عربوں کی رسم کے مطابق کوفہ کے شہری قیدیوں کے لئے روٹیاں اور کھجوریں صدقہ کے طور پر لے آئے۔ ثانی زہرانے کوفہ والوں کے ہاتھوں میں کھجوریں اور روٹیاں دیکھیں تو سمجھ گئیں یہ لوگ اپنی رسم کو پورا کرنے کیلئے قیدیوں کے لئے یہ سب چیزیں صدقہ کے طور پر لائے ہیں۔ حضرت زینب نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے کوفہ والو! ہم اہل بیت نبوت ہیں، ہم اولاد رسول ہیں، ہم پر صدقہ حرام ہے۔

”وہ لوگ سیدہ کی بات سن کر حیرت زدہ ہو گئے اور پوچھنے لگے: تم قیدی کون ہو اور کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟

”ثانی زہرانے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ہم اہل بیت رسول ہیں اور تمہارے نبی کی عترت و اولاد ہیں۔

”سیدہ زینب کا جواب سن کر ایک بڑھیا عورت کی چیخ نکل گئی اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ اس کے رونے کی آواز اتنی بلند ہوئی کہ اس کے ارد گرد سب عورتیں گر یہ کناں ہو گئیں۔ وہ خاتون آل محمد کی مظلومیت پر نوحہ کناں بھی تھی اور ہائے حسینؑ، ہائے عباسؑ کی صدائیں بھی بلند کر رہی تھی۔

”عورتوں کے رونے اور نوحہ و ماتم کی آوازوں سے سارا شہر لرز اٹھا۔ رسول زادوں کو سر برہنہ دیکھ کر ہر خاتون اٹک رہی تھی۔

چنانچہ ان عورتوں نے دور دور سے کچھ چادریں اور دوپٹے سیدانہوں کی طرف پھینکے تاکہ علیؑ و فاطمہؑ کی بیٹیاں تا محرموں کے (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

سامنے اپنے چہرے چھپا سکیں۔

”عورتوں کو دیکھ کر کوفہ کے مرد بھی زار و قطار رونے لگے لیکن حکومت کی طرف سے اس قدر دباؤ تھا کہ کوئی شخص صدائے احتجاج بلند کرنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ اسی اثناء میں ایک اور خاتون کے دل میں رحم آیا اور وہ گھر جا کر کچھ کھانا اور کھجوریں لے آئی اور ایک قیدی بچی کی طرف پھینکنے لگی۔ حضرت ام کلثومؓ نے دیکھا تو بلند آواز سے کہا: ”إِنَّ الصَّدَقَةَ حَرَامٌ عَلَيْنَا نَحْنُ أَهْلُ النَّبِیِّ“۔ یعنی ”ہم اہل بیت رسول ہیں، ہم پر صدقہ حرام ہے۔“ وہ خاتون منہ پیٹ کر کہنے لگی: کیا آپ لوگ رسول خدا کی اولاد ہیں؟ کیا آپ آل محمد ہیں؟ ”ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ شہدائے کربلا کے سر لائے گئے اور سب سے آگے سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کا سراقدس تھا۔ ثانی زہراؓ نے بھائی کا سرونک نیزہ پر دیکھا تو فرط غم سے محمل پر گر پڑیں اور آپ کی پیشانی اونٹ کی گردن سے جا لگی جس سے آپ کی حالت غیر ہو گئی۔ آپیں بھرتے ہوئے مظلوم کربلا کے سر کی طرف نظر ڈال کر زینب کبریٰ نے کہا:

”اے چاند تو ابھی پورا نکلا بھی نہ تھا کہ تجھے گھن لگ گیا اور تو آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ اے میرے پیارے اور دل کے سہارے بھائی میں نے تو سوچا بھی نہ تھا کہ تقدیر ہمیں کہاں سے کہاں لے آئے گی۔ اے بھائی ذرا فاطمہ صغریٰ سے بھی گفتگو کر لو کہ اس کا دل ڈوب چکا ہے۔ شاید اسے تسکین قلب مل جائے۔ اے بھائی تیرا دل ہمارے لئے کس قدر مہربان تھا مگر اب کیوں ہم سے تمہارا جی بھر گیا ہے اور تو پتھر دل بن گیا ہے۔ اے بھائی اگر تو علیؓ کو دیکھے تو اسارت اور یتیمی کے غم نے اس کی قوتیں مضحل کر دی ہیں۔ ان خالموں نے جب بھی اس پر تازیانے برسائے اس نے دھاڑیں مار مار کر تمہیں پکارا۔ اے بھائی ذرا بیمار کربلا کو بھی سینہ سے لگا لو تاکہ اُس کے غمگین دل کو سکون و قرار مل جائے۔ یتیم پر کیا گزری ہوگی جب وہ بابا کہہ کر آپ کو پکارتا، لیکن کوئی اسے جواب دینے والا نہ تھا۔“

”عقیلہ بنی ہاشم سیدہ زینب کبریٰ نے کوفہ کی سڑکوں اور شاہراہوں پر لوگوں کا ہجوم دیکھا تو اپنے مقدس مشن کے پاکیزہ مؤقف کو واضح کرنے اور بنی امیہ کی طرف سے اہل بیتؓ پر ڈھائے گئے ظلم و ستم کی دردناک داستان بیان کرنے کا مناسب موقع پا کر کوفہ والوں کے خوابیدہ ضمیروں کو جھنجھوڑا اور انہیں عظمت اسلام کے تحفظ میں ارباب اقتدار کی اسلام دشمنی کے خلاف قیام کرنے کی عظیم ذمہ داری کا احساس دلایا۔

”بشیر بن خزیمہ اسدی نے بیان کیا ہے کہ علیؓ کی بیٹی کا وہ عظیم خطاب جو انہوں نے کوفہ والوں سے کیا آج تک میں نے اس جیسا فصیح و بلیغ بیان کبھی نہ سنا تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے امیر المؤمنین علیؓ ابن ابی طالبؓ کی زبان امامت گویا ہے۔

”سب سے پہلے حضرت زینب کبریٰؓ نے لوگوں کو خاموش ہو جانے کی تاکید کی۔ علیؓ کی بیٹی کے کہنے پر مجمع پر سکوت طاری ہو گیا اور ہر شخص رسول زادی کا بیان سننے کا مشتاق تھا۔ جب سب لوگ ثانی زہراؓ کی تقریر سننے کے لئے پوری طرح متوجہ ہو گئے تو (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

رسیوں اور زنجیروں میں جکڑی ہوئی رسول زادی نے ایک عظیم تاریخی خطاب فرمایا جس میں اپنی خاندانی عظمتوں کا اظہار اپنے مقدس مشن کے پاکیزہ موقف کی وضاحت اور بنی امیہ کی اسلام دشمنی کو آشکارا کر دیا۔ آپؐ نے اپنا بیان اس طرح شروع کیا: (عربی عبارت اصل کتاب 'نہ نب'، نہ نب ہے کے صفحہ ۲۳۴ پر ملاحظہ کریں۔ ہم صرف اردو ترجمہ پیش کر رہے ہیں)۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم! حمد ہے اُس ذات حق کے لئے جو کائنات کا حقیقی حکمران اور خالق ہے اور درود ہو اس پیغمبرؐ پر جس کے وجود کی برکت سے کائنات خلق ہوئی اور سلام ہو نبیؐ کی پاک عترت و اہل بیتؑ پر جنہیں اللہ نے ہر قسم کے نقص و عیب سے پاکیزہ و منزہ قرار دیا ہے۔

اما بعد! اے کوفہ والو! اے دھوکہ و فریب کے عادی لوگو! ہماری مظلومیت کو دیکھ کر اب تم گریہ کر رہے ہو۔ خدا کرے تم ہمیشہ روتے رہو اور تمہاری فریادیں بلند رہیں۔ تمہاری مثال اس عورت جیسی ہے جس نے نہایت محنت اور کوشش سے سوت کات کر مضبوط ڈوری بنائی، پھر خود ہی اُسے کٹوا کر لے کرے کر دیا (یعنی تم نے پیغمبرؐ کے ساتھ کئے ہوئے اپنے مضبوط وعدوں اور عہد و پیمان کو خود ہی توڑ ڈالا ہے تو اب گریہ کیوں کرتے ہو؟) تم نے جھوٹی قسمیں کھانے کو دھوکہ و فریب دینے کا ذریعہ بنالیا ہے۔ یاد رکھو! تم سب کے سب بے ہودہ بکنے والے ہو۔ فسق و فجور تمہاری فطرت میں داخل ہو چکا ہے، کینہ پروری تمہاری طبیعت کا جزو لا ینفک بن چکی ہے، بے اختیار لونڈیوں کی طرح چوپوسی کے عادی بن گئے ہو، دشمن کی طرح غمازی تمہارا شیوہ بن چکی ہے، تم اس ہبزہ کی مانند ہو گئے ہو جو کٹافٹوں سے بھری ہوئی زمین پر اگتا ہے اور غلیظ و بدبودار بنیادوں پر لہلہاتا ہے، یا تم اس چاندی کی طرح ہو گئے ہو جو کسی مزار کی سجاوٹ کیلئے استعمال کی جاتی ہے۔ یاد رکھو! تم نے اپنی بدکرداری کی وجہ سے اپنی آخرت خراب کر لی ہے۔ خدا کا عذاب تمہارے سر پر چھا چکا ہے اور تم ہمیشہ اسی میں رہو گے۔

”کیا تم آج ہم پر گریہ کرتے ہو؟ خدا کی قسم! رونے کے سوا اب تمہارے پاس کوئی چارہ کار نہیں۔ اب ہمیشہ روتے رہو، تمہارے ہنسنے اور مسکرانے کے دن گزر چکے ہیں۔ تم نے اپنے دامن پر رسوائیوں کے ایسے داغ لگائے ہیں جو کبھی دھل نہیں سکتے۔ تم نے ایسے گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا ہے جو کسی صورت میں بھلایا نہیں جاسکتا۔ تم کس طرح اپنے اس مذموم عمل کی تاویل کر سکتے ہو۔ تم نے خاتم النبیینؐ کے لخت جگر کو قتل کیا ہے، تم نے سید المرسلینؐ کے نورِ نظر کو تیغ کر ڈالا ہے، تم نے جو انانِ جنت کے سردار کو ذبح کر دیا ہے۔ تم نے ایسی شخصیت کو قتل کیا ہے جو پریشانیوں میں تمہارا سہارا تھا۔ تم نے ایسے عظیم انسان کو شہید کر ڈالا ہے جو مصیبتوں میں تمہارا فریادرس تھا۔ تم نے اُسے اپنی بربریت کا نشانہ بنایا ہے جو تمہارے لئے ہدایت کا منارہ نور تھا۔ تم نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے جو تمہارے فطری حقوق کا محافظ و ترجمان تھا۔ یاد رکھو! تم نہایت مذموم اور پست عمل کے مرتکب ہوئے ہو۔ تم نے بہت ہی برا کام انجام دیا (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

ہے۔ خدا تمہارا بُرا کرے اور تم تباہ و برباد ہو جاؤ۔ تمہاری کوششیں ناکام ہو گئیں۔ تمہاری دنیا و آخرت دونوں تباہ ہو گئیں۔ تم نے خدا کا غضب مول لے لیا اور تم ذلت و رسوائی کے سزاوار بن گئے۔ وائے ہو تم پر اے کوفہ والو! کیا تم نے غور کیا ہے کہ تم نے رسول اللہ کے کس جگر گوشہ کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور کیا تم نے سوچا ہے کہ تم نے کتنی با عظمت رسول زاد یوں کی چادریں چھین کر انہیں نامحرموں کے سامنے بے پردہ کر دیا ہے؟ کیا تم جانتے ہو کہ تم نے کیسی پاکیزہ ہستیوں کا خون بہایا ہے؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ تم نے کس طرح رسول کی حرمت کو پامال کر دیا ہے؟ تم نے ایک ایسا مذموم، بُرا اور گھٹیا کام کیا ہے جس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ تمہاری اس قبیح حرکت سے زمین و آسمان لرز اٹھے ہیں۔ تمہارے اس سنگین جرم کا بوجھ کوئی نہیں اٹھا سکتا۔ اب اگر آسمان سے خون کی بارش ہو تو اس پر تمہیں تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ یاد رکھو! اس دنیا کی رسوائی کے بعد تمہارے لئے آخرت کا سخت عذاب مہیا ہے۔ تمہیں جو تھوڑی سی مہلت دی گئی ہے اس سے تمہارے عذاب میں کمی واقع نہ ہوگی۔ اگر آج خدا تم پر عذاب کرنے میں جلدی نہیں کر رہا تو اسے اُس کی عاجزی تصور نہ کرو، اس لئے کہ اُسکے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ وہ ظلم کا بدلہ ضرور لیتا ہے، تمہارے اعمال پر کڑی نظر رکھتا ہے اور وہ تمہاری گھات میں ہے۔ بشیر بن خزیمہ اسدی نے بیان کیا کہ ثانی زہرا کی تقریریں سن کر لوگوں پر جو کیفیت طاری ہوئی خدا کی قسم! میں نے ایسی حالت کبھی نہ دیکھی تھی۔ ہر شخص حیرت زدہ، اپنے کئے پر نادم اور انگشت بدندان نظر آ رہا تھا اور سب کی آنکھیں اشک ریز تھیں۔ میں نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جو میرے پاس کھڑا تھا۔ روتے روتے اس کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو چکی تھی اور وہ آہیں بھرتا ہوا یوں کہہ رہا تھا: اے اہل بیت رسول! تمہارے بزرگ عظمت و کردار میں دنیا بھر کے بزرگوں سے افضل ہیں اور تمہارے جوانوں کی پاکبازی و شرافت کی مثال کائنات کے جوانوں میں کہیں نہیں ملتی۔ تمہاری خواتین عفت و پاکدامنی میں دنیائے بشریت کی تمام مستورات میں ممتاز مقام رکھتی ہیں اور تمہاری پاکیزہ نسل کا قیاس دنیا کی کسی نسل و خاندان سے نہیں ہو سکتا۔ دنیا کی کوئی طاقت ان عظمتوں پر پردہ ڈال کر ان کی نورانی اثر آفرینی ختم نہیں کر سکتی.....۔

”اس مقام پر یہ بات کسی مبالغہ پر مبنی نہیں کہ ثانی زہرا، حضرت فاطمہ بنت الحسینؑ اور امام زین العابدینؑ کے انقلاب آفرین خطبوں کی وجہ سے لوگوں میں یزید کی طاغوتی حکومت کے خلاف بغاوت اور قیام کی راہ ہموار ہوئی اور ان خطبوں ہی کا اثر تھا کہ لوگ بنی اُمیہ کے ظلم و استبداد کے خلاف علم جہاد بلند کر کے میدان میں نکل آئے اور توابعین کی انقلابی سرگرمیوں کا سبب بھی یہی خطابات بنے۔“ (نہب، نہب، ص ۲۳۳ تا ۲۳۹)۔

ہم اس موقع پر آگے نہیں بڑھ سکتے۔ ہر مؤرخ اور صاحبِ علم و عقل انسان ان قیدیوں کی عظمت اور استقلال پر حیرت زدہ ہے۔ مؤرخین اور صاحبِ قلم حضرات نے اپنے اپنے طریقوں سے منظر کشی کی ہے اور بازارِ کوفہ میں رسول زاد یوں کی آمد کا تذکرہ کیا ہے۔ سید ریاض علی ریاض اپنی کتاب شہید اعظم میں لکھتے ہیں:

(جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ 345)

”اب دیکھو کہ یہ لٹا ہوا قافلہ امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی دار السلطنت میں ہے جہاں ثانی زہرا اور اُم کلثومؓ شہزادیاں تھیں اور کوفہ کا دار لمارت اس کا متنی رہتا تھا کہ ان کی خاک کفش سے میری عزت ہو..... کوفہ کا ایسا مقام جو اس کے بعد بھی برابر ایک صوبہ کا دار السلطنت رہا، آبادی کے لحاظ سے ممتاز تھا اور اب اُسی میں یہ منظر دکھائی دے رہا ہے کہ ہزار ہا آدمی اُن راستوں پر کھڑے ہیں جدھر سے دخترانِ رسولؐ کا لٹا ہوا قافلہ گزرنے والا ہے..... دس ہزار سوار اس لئے مستعد ہیں کہ اہل بیتؑ کے لئے ذرا سی کوئی جنبش دکھائی دے اور تلوار اپنا کام کرنے لگے۔ اہل بیتؑ اس ذلت سے کوفہ میں نہیں گزر رہے تھے بلکہ دین، قومیت، حیثیت، غیرت اور شرافت کی توہین ہو رہی تھی اور مسلمان دیکھ رہے تھے..... اب میں اس موقع پر پہنچا ہوں جہاں سے اس کا پوری طرح اندازہ ہو سکتا ہے کہ نرم دل، ضعیف القویٰ خواتین کس طرح صبر اور اپنی قوتِ نفس سے مجمع پر حکومت کر رہی ہیں۔ رو کر نہیں، اپنے اوپر اختیار سے، ضبط سے، اپنے حقیقی احترام اور خاصہ کی بلندی سے..... اب دیکھو کہ جس وقت تماشائی اسیروں کے شکستہ چہرے، فریادی صورتیں اور مستغیثانہ لہجہ کی امید کرتے ہوں گے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ ایک اونٹ پر سے ایک ہاتھ اٹھا جس کا مجمع سے اشارہ ہے کہ چپ رہو۔ چہرہ پر نگاہ جاتی ہے اور وہ دیکھتی ہیں کہ ایک بے جنبش، غیر متاثر، ناشکستہ صورت سامنے ہے، جس کی بلندیِ بشرہ، نگاہ کا تحکم اور لہجہ کی صاف قوت خاموشی چاہ رہی ہے اور اس کے ساتھ ہی دفعہ صدائیں ڈوبتی جاتی ہیں، حیرت اور استعجاب لوگوں کو مخاطب کرتا جاتا ہے اور دفعہ کوفہ کا وہ ٹکڑا جو حضرت زینبؑ کی نگاہ کے نیچے تھا، محلہ خموشاں بن جاتا ہے۔ خاموشی، یہاں تک کہ اونٹوں کے گلوں کی گھنٹیوں کی صدا بھی نہیں سنائی دیتی۔ کوئی اتفاق نہ تھا کہ ایسے موقع پر دفعہ ایسی خاموشی چھا گئی؟ نہیں! بلکہ ثانی زہراؑ کے مقام کا ارادہ اور اُس کے پیچھے اُن کے عظیم الشان نفس کی قوت تھی جس نے حتمی تصفیہ کیا تھا کہ ہم کچھ کہیں گے۔ یہ ارادہ ایک بجلی تھی جو دوڑ گئی تھی اور لوگ مسحور معلوم ہوتے تھے۔ ممکن نہ تھا کہ لوگ متوجہ نہ ہوتے۔ علیؑ کی بیٹی کا نفس مجمع پر چھا گیا تھا!

”اس خاموشی میں ثانی زہراؑ کی صدا بلند ہوتی ہے۔ ایک ایک لفظ اپنی حد سماعت پر چوٹ مار رہا ہے اور سننے والے اس طرح سن رہے ہیں کہ اب گویا انہیں اور کسی بات کا ہوش ہی نہیں ہے۔ سن وہ باتیں رہے ہیں جن کے لئے وہ تیار نہ تھے، اس طرح جس کی امید نہ تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ مجبور قیدی، بجز اس کے کہ اپنی حالتِ زار سے ہمارے رحم و کرم کا استغاثہ کریں اور کیا کہیں گے۔ نہ جاننے والے جو سمجھتے ہوں گے کہ ان قیدیوں کو دین سے کوئی غرض نہیں ہے، انہیں زمین و آسمان نہ دکھائی دیتا ہوگا۔ بہر صورت اہل کوفہ کو یہ امید نہ ہوگی کہ سین کی شہادت کے بعد آلِ رسالت کے اُسراء ایک انگلی سے سر ہائے شہداء کی طرف اشارہ کریں گے اور ہم سے کہیں گے کہ دیکھو تمہاری بے وفائی اور نامردی سے یہ ہوا۔

”مجمع ثانی زہراؑ سے خدا کی حمد اور ہادیِ برحق کی نعت سنتا ہے اور اس کے بعد اپنے کو مخاطب دیکھتا ہے کہ اے اہل کوفہ! (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سارابقہ)

اے اہلِ غدر و مکر! اب تم روتے ہو..... تمہاری مثال اُس عورت کی سی ہے جس نے اپنا سوت کات کر اُس کے کٹڑے ٹکڑے کر دیئے ہوں۔ تم اپنے عہدوں میں ایک حیلہ بناتے ہو۔ زہنِ خاتون اپنی اندوہناک حالت نہیں دکھا رہی ہیں بلکہ اہلِ کوفہ دیکھ رہے ہیں کہ وہ ہمیں دکھا رہی ہیں کہ تم کیسے ہو۔ اہلِ کوفہ کی خصلت ان کی آنکھوں کے سامنے پیش کر دی گئی تھی اور تمہیں عورتوں کے عمل سے دی گئی تھی۔ اثر سمجھو اگر تمہارا تخیل مدد کرے۔ ایک مجبور خاتون ملامت کر رہی ہے۔ میں صاف دیکھ رہا ہوں کہ اہلِ کوفہ پر ایک بجلی تھی جو گری تھی۔ وہ چند ہی گئے تھے اور ان کی وہ آنکھیں جو قیدیوں کا تماشا دیکھنے کے لئے اٹھی تھیں، زمین میں گڑ گئی تھیں۔ اُن کی گردنیں موم کی بن گئی تھیں اور وہ سیدھی نہ ہو سکتی تھیں۔

”وہ سنتے ہیں: آگاہ ہو کہ تم میں نہیں ہیں مگر ایسے لوگ جو بیہودہ اور ذلیل ہیں۔ تم میں ایسے سینے ہیں جن میں کہنے بھرے ہیں (اور) وہ لوٹنویوں کی طرح خوشامدی ہیں۔ تم کہینہ پن میں اُس ہنری کی صورت ہو کہ جو نجاست پر اُگی ہو۔ تم اُس قبر کی صورت بے فائدہ ہو جو چاندی سے آراستہ کی گئی ہو۔“

”سلاست، فصاحت، بلاغت تو جانے دو، تشبیہ کی تیزی سے بھی الگ ہو جاؤ۔ بلکہ ان فقرات کو وہ استعارے سمجھو جو ایک قوم کے نفس کو چیر کر دنیا کو دکھا رہی ہیں۔ اہلِ کوفہ کی نسل اگر تلوار سے زخمی ہوتی تو خوش ہوتے کہ ہم نے بہادری سے زخم کھائے۔ یہ وہ زخم تھے جنہیں اپنی شجاعت نمائی کے لئے دکھانہ سکتے تھے اور جو کبھی مندمل نہ ہو سکتے تھے۔ وہ ہر وقت تازہ تھے جس وقت بھی انہیں خیال آتا۔“

”وہ سنتے ہیں کہ تم نے بُرے اعمال پیش کئے جس کی وجہ سے تم قبر الہی کے مستحق ہوئے۔ اب روتے چلاتے ہو۔ بخدائے توانا! بہت روؤ گے اور کم ہنسو گے (اس لئے کہ) عار و ننگ و عیب جو تم نے کئے ہیں وہ تم سے ہرگز ہرگز جدا نہیں ہو سکتے۔“

”لہجہ کی قوت، نفس شناسی کا درجہ، الفاظ کی شان اور آمد سمجھا رہی ہے کہ یہ حضرت زہنِ علیا مقام فرما رہی ہیں۔ بلاشبہ ثانی زہرا کو یہ کہنے اور سمجھنے کا حق تھا کہ کس میں امت کی خوبیاں اور کس میں برائیاں اور بے شرمیاں آگئی ہیں اور اب وجہ سمجھاتی ہیں کہ تم نے یادگار رسول، سردارِ جوانانِ بہشت، مجاہدِ مادائے نیکوکاراں، جائے پناہِ اہلِ مصیبت، ستونِ حجتِ خدا اور اپنے رہنما کو قتل کر ڈالا ہے۔“

”اہلِ کوفہ اپنے آپ کو دیکھ چکے تھے۔ اب سنتے ہیں کہ حسینؑ کیسے اور کون تھے۔ کبھی اس سے لطیف تر سلسلہ اختیار نہیں کیا جاسکتا تھا اور نہ اس سے مناسب تر الفاظ میں دو متضاد صورتیں دکھائی جاسکتی تھیں۔ کیا کر رہا ہو گا وہ مجمعِ جو سن رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ خارجی کا سر آتا ہے اور اب وہ تعریفیں سن رہا ہے جس کے انکار کی نہ صرف اس مجمع بلکہ یزید کی تمام سلطنت اور عالم کے تمام اہلِ قلم کو قدرت نہیں ہے اس لئے کہ یہ عین واقعہ ہی تھا جو بیان کیا جا رہا تھا۔ اگر سچی بات میں کوئی قدرت ہے تو میں کہوں گا کہ اس وقت اس مجمع پر یزید، اس کے اسلحہ برداروں اور مصلحت کی حکومت نہ تھی بلکہ حضرت شہیدِ کربلا کے نفسِ عظیم کی حکومت تھی جو اس وقت حضرت زہنِ علیا کے دہن (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

اقدس سے اپنے کو ظاہر کر رہا تھا۔ کب کسی اور کے لب و زبان کو یہ حق تھا کہ وہ حسین کی مدح کر سکتا مگر یہ کہ وہ حقیقی معنوں میں حسین کی 'ہمشیر' کا لب و زبان ہوتا۔

مخاطب لوگ سنتے ہیں: "تم نے پیغمبر کا جگر کاٹا ہے اور جناب رسالت مآب سے کیسی عداوت ظاہر کی ہے۔ تم نے ایک بڑی آفت اور حادثہ عظیم برپا کیا کہ اس سے فضائے آسمان و زمین تنگ ہو گئی".....

قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ اہل کوفہ کا طرم نفس کس طرح اس فقرہ کو سن رہا ہوگا کہ چند روزہ مہلت پر مغرور نہ ہو۔ یہ خون پامال اور ضائع نہ ہوگا۔ عذاب خدا تمہاری کمین میں ہے۔.....

"میرا آخری فقرہ اور بس یہ کہ ہمارے اندازے کے باہر ہے کہ حضرت زینب خاتون کی تقریر کا کیا اثر ہوا ہوگا۔ اگر تاریخی اشارہ کی ضرورت ہو تو وہ موجود ہے کہ ایک بوڑھا پاس کھڑا ہے۔ نا تجربہ کار دل نہیں ہے۔ عمر کے اکثر مدارج طے کر چکا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس کی سفید ڈاڑھی ایک آبشار بن گئی ہے جس سے آنسو ٹپک رہے ہیں اور کہہ رہا ہے کہ "جوان تمہارے بہترین جوانان ہیں، عورتیں تمہاری بہترین عورات اور نسل تمہاری بہترین نسل ہے۔ کبھی تمہاری نسل رسوا اور ذلیل نہ ہوگی"۔

"..... کون اس موقع پر ایسا کچھ کہہ سکتا تھا مگر یہ کہ وہ نقیب الہی اور خطیب ربانی کی بیٹی ہوتی۔ کسے حق تھا کہ وہ حضرت زینب کی تقریر کی داد دیتا جو حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے کہ آپ عالمہ غیر معلمہ ہیں۔" (شہید اعظم حصہ دوم ص ۳۹۲ تا ۳۹۷)

بازار کوفہ میں داخلہ آل رسول کے واقعات کو ختم کرنے سے پہلے ہم اسی موضوع پر ایرانی مؤرخ "عماد زادہ" کی کتاب "تاریخ زندگانی امام حسین" سے اسی واقعہ کو نقل کرتے ہیں جو ثانی زہرا کی عظمت و استقامت کو ظاہر کرتا ہے۔ مؤرخ موصوف لکھتے ہیں:

"روایت از جندلم بن کثیر است کہ گفت: وارد کوفہ شدم در محرم سال ۶۱ موقعی بود کہ علی بن حسین علیہ السلام از کربلا بہ کوفہ می آمد. وہ آنہارا بالشکریان بسیار دیدم کہ مردم برائے تماشا ہست و بلند گرفتہ بودند و چون پیش رفتم دیدم علی بن الحسین را بر شتر بے رویوش سوار کردہ، زنان کوفہ بر آنہا گریا نند و شعر می خوانند، شنیدم علی بن الحسین بایک ضعف و ناتوانی در حالتی کہ غلّ جامعہ بر گردن او بود و دستہائے او را بہ گردنش بستہ بودند می فرمود: این زنان بر ما گریہ می کنند؟ مگر نہ مردان آنہا مردان ما را کشتند؟ ناگاہ دیدم زینب دختر امیر المؤمنین با کمال قدرت شروع بہ نطق کرد، گوئی کہ زبان امیر المؤمنین در دہان اوست، اشارہ کرد مردم ساکت شدند و نفس ہا در دلہا حبس شد، زنگہائے شتران صدا نکردند، آنگاہ چنین گفت:

قال الراوی: وَنَظَرْتُ إِلَى زَيْنَب بِنْتِ عَلِيٍّ يَوْمَئِذٍ وَلَمْ أَرَوْا لَهِ خَصْرَةً قَطُّ انْطَقَ مِنْهَا كَأَنَّهَا تَنْطِقُ عَنْ لِسَانِ امِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ "عليه السلام" وَقَدْ أَوْمَأَتْ إِلَى النَّاسِ أَنْ انْصِتُوا. فَأَزْدَتْ الْأَنْفَاسَ وَسَكُنَتْ الْأَجْرَاسُ ثُمَّ قَالَتْ (احتجاج ص 116).

(جاری)

خطبہ حضرت زینب علیہا السلام

وَقَالَتْ: الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالصَّلَاةُ عَلَى أَبِي مُحَمَّدٍ وَآلِهِ الطَّيِّبِينَ الْآخِيَارِ، أَمَا بَعْدُ يَا أَهْلَ الْكُفْرِ يَا أَهْلَ الْخُلَّةِ وَالْعَذْرِ! أَتَبْكُونَ؟ فَلَا رَقَابَ الْعَبْرَةَ وَلَا هَذَاتِ الزُّفْرَةَ إِنَّمَا مَفْلَكُمُ كَمَثَلِ الَّتِي تَقْضَتْ غَزْلُهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةِ أَنْكَاثِهَا، تَسْجُدُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ، هَلْ فِيكُمْ إِلَّا الصُّلْفُ وَالْعَجَبُ وَالشُّنْفُ وَالْكَذِبُ وَمَلَقَ الْإِمَاءُ وَغَمَزَ الْأَعْدَاءُ أَوْ كَمَسَ عَمَى عَلَى دُمْنَةٍ أَوْ كَفَضَ عَلَى مَلْعُوذَةٍ الْأَسَاءَ مَا قَدَّمْتُ لَكُمْ أَنْفُسَكُمْ أَنْ سَخَطَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ وَلِي الْعَذَابِ أَنْتُمْ خَالِدُونَ. إِي أَجَلُ وَاللَّهِ فَأَبْكُوا فَإِنَّكُمْ وَاللَّهِ أَحَقُّ بِالْبُكَاءِ فَأَبْكُوا كَثِيرًا أَوْ اضْحَكُوا أَقَلًّا لَقَدْ بَلَّيْتُمْ بَعَارَهَا وَمُنِيْتُمْ بِشَارِهَا وَلَنْ تَرَحُّضُوهَا أَبَدًا وَأَنْتِي تَرَحُّضُونَ قَتْلَ سَلِيلِ خَاتَمِ النَّبُوَّةِ وَمَعْدِنِ الرِّسَالَةِ وَسَيِّدِ شَبَابِ أَهْلِ الْحَيَّةِ وَمَلَاذِ حَرْبِكُمْ وَمَعَادِ حَرْبِكُمْ وَمَقَرِّ سَلَامِكُمْ وَأَسَى كُلِّكُمْ وَمَفْرَعِ نَارِكُمْ وَالْمَرْجِعِ إِلَيْهِ عِنْدَ مَقَالِكُمْ وَمِذْرَةِ خَبَجِكُمْ وَمَنَارَةِ مَحْجَجِكُمْ إِلَّا سَاءَ مَا قَدَّمْتُ لَكُمْ وَسَاءَ مَا تَذَرُونَ لِيَوْمِ بَعْثِكُمْ.

فَنَفْسًا تَفْسًا وَنَحْسًا نَحْسًا لَقَدْ خَابَ السُّعَى وَتَبَّتِ الْيَدَى وَخَسِرَتِ الصَّفْقَةُ وَبُوتُمْ بِغَضَبِ مِنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْكُمْ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ. أَنْتَذَرُونَ وَيْلَكُمْ أَيْ كَيْدِ لِمُحَمَّدٍ قَرِينُكُمْ؟ وَأَيُّ عَهْدِ نَكَلْتُمْ؟ وَأَيُّ كَرِيمَةٍ لَهُ أَبْرَزْتُمْ؟ وَأَيُّ حُرْمَةٍ لَهُ هَتَكْتُمْ؟ وَأَيُّ دَمٍ لَهُ سَفَكْتُمْ؟ لَقَدْ جَنَنْتُمْ شَيْئًا إِذَا تَكَادُ السَّمَوَاتُ يَنْفَطِرُنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَجْعَرُ الْجِبَالُ هَذَا. لَقَدْ جَنَنْتُمْ بِهَا ضَلَمَاءَ عُنُقَاءَ شَوَاءَ قُلَمَاءَ. وَلِي بَعْضُهَا خَرْقَاءَ شَوْهَاءَ. طِلَاعِ الْأَرْضِ وَالسَّمَاءِ، أَلْعَجَبُتُمْ أَنْ قَطَرَتِ السَّمَاءُ دَمًا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَى وَهُمْ لَا يُنْصَرُونَ فَلَا يَسْتَحْفِفْكُمْ الْمَهْلُ لِأَنَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَحْفَظُهُ الْبِدَارُ وَلَا يُخَافُ عَلَيْهِ قُوَّةُ الْفَارِ كَلَّا إِنَّ رَبَّكُمْ لَنَا وَلَهُمْ لِبَالِ مِرْصَادٍ؛

ترجمہ: اے کوفہ کے لوگو! اے غدارو اور مکارو! تم اب ہمارے لئے گریہ کننا ہو؟ تمہاری آنکھ کا آنسو کبھی خشک نہ ہو، نہ کبھی تمہارے نالے خاموش ہوں۔ تم اُس عورت کی مانند ہو جو تمام دن اپنا سوت کات کر پھر اسے کھول دیتی اور تار تار کر دیتی ہے۔ تم بے دینوں نے تو اپنا رشتہ ایمان سے بالکل توڑ لیا اور اپنی اصلیت کفر پر واپس چلے گئے۔ کیا تمہاری قسموں میں مخفی نہ ہو خدایت تمہارے سامنے نہیں آئی؟ تمہارے اندر جھوٹے دعووں اور ریا کی گندگی کے سوا اور کچھ نہیں، صرف چالپوسی، بے عزتی اور غازی تمہارا شعار ہیں۔ اے لوگو! تم اُس سبزہ کی مانند ہو جو گندگی و غلاظت پر اگتا ہے یا اس چاندی یا مٹی کی طرح ہو جس پر غلیظ مٹی سے آرائش کی گئی ہو۔ تم نے اپنی آخرت کیلئے برا زادراہ بھیجا ہے، تم پر اللہ کا عذاب ہو بلکہ اللہ کا عذاب تو تمہارے لئے موجود ہے جس میں تم ہمیشہ گرفتار ہو گے۔

”اے کوفہ کے رہنے والو! کیا تم ہمارے لئے گریہ کرتے ہو؟ خدا کی قسم! تم بہت زیادہ روؤ گے اور بہت کم ہنسو گے، تم نے اپنے لئے عیب و عار پیدا کیا ہے اور کبھی کم نہ ہونے والی شرم اپنے لئے خریدی ہے۔ تم ہرگز اپنے آپ سے اس شرم کو دور نہیں سکو گے اور نہ ہی کسی پانی سے اسے دھو سکو گے، اور تم حلائی کر بھی کیسے سکتے ہو؟ تم نے حسینؑ کو قتل کر ڈالا ہے جو پیغمبرِ آخر اسلام کا جگر گوشہ اور بہشت کے جوانوں کا سردار تھا تمہارے بزرگوں کی پناہ گاہ تھا، تم ہی تھے جو ہر حال اور ہر حادثہ میں اس سے پناہ حاصل کرتے تھے اور اس سے تم میں سنت جاری ہوتی تھی۔ تم اسی سے دین و شریعت سیکھتے تھے۔ اے لوگو! تم بہت بڑے گناہ کے مرتکب ہوئے ہو، اللہ کی رحمت (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

سے دور ہو گئے ہو، تمہاری اس سعی سے اب کیا حاصل ہوگا، تم دنیا و آخرت دونوں کے عذاب سے دوچار ہوئے ہو، تم اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق بن گئے ہو اور ذلت و بے عزتی کو تم نے اپنے لئے خریدا ہے۔ وائے ہو تم پر اے کوفہ والو! تم نے حضرت رسالت مآبؐ کے جگر کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے، ان کی پردہ دار خواتین کو بے پردہ کر کے باہر نکال کر لائے ہو۔ تم نے اللہ کے برگزیدہ رسولؐ کے فرزندوں کا کتنا خون بہایا اور ان کی کس قدر ہتک حرمت کی ہے؟

”اے لوگو! تم نے اتنا بڑا اور عیب دار کام کیا ہے کہ اس کی رسوائی و ذلت زمین و آسمان سے بڑھ گئی ہے۔ کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کہ آسمان سے خون برسے؟ لیکن آخرت کا عذاب تو اس سے بھی رسوا تر ہوگا، کوئی تمہاری مدد کو نہ آئے گا، اللہ تعالیٰ کی مہربانی و معافی تمہارے ہرگز کام نہ آئے گی۔ اللہ تعالیٰ عذاب و سزا میں جلدی نہیں فرماتا، نہ ہی وقت گزر جانے سے انتقام رکتا ہے بلکہ تمہارا پروردگار تم گنہگاروں کا منتظر ہے۔“ (احتجاج طبرسی، ص ۱۱۶، مقتل الحسینؑ، ص ۲۰۴، تقام، ص ۴۳۴)۔

یہ وہ خطبہ تھا جس نے کوفہ کے لوگوں میں قوتِ فکر کو متحرک کر ڈالا۔ انہیں ہلا کر رکھ دیا اور ان کی توجہ کو ان کے ایسے گناہ کی طرف مبذول کر دیا جس کی دنیا میں نظیر نہیں ملتی، ایک لہر انقلاب ایسی پیدا کی کہ اس شہر نے دس سال تک آرام کی صورت نہ دیکھی اور وہاں خون بہتا رہا اور جنگیں ہوتی رہیں۔

یہی وہ خطبہ تھا جس نے فکری و اخلاقی و سیاسی تحریکات کو جنم دیا، کوفہ میں ظلم و ستم کے ایوانوں کو سرنگوں کر کے وہاں کے زن و مرد سب کو انقلاب پر آمادہ کر دیا۔

حضرت زینبؑ کا سر امام حسینؑ کو دیکھ کر خاموش ہو جانا

انگشت نمائے خاص و عامی

از حیست اگر مدِ تمامی

حضرت زینب سلام اللہ علیہا اسی طرح گرمِ سخن تھیں، لوگوں کے قلوب کو مقلب کر کے ایک تحریکِ فکران میں ڈال رہی تھیں، لوگوں کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، غصہ سے ان کے گلوں میں پھندے آرہے تھے، لوگوں کی آنکھیں چندھیا گئی تھیں، لوگوں کے کان حضرت علی علیہ السلام کی بڑی صاحبزادی کی آواز سننے اور ان کی گفتگو کو سمجھنے پر آمادہ ہونے لگے تھے کہ عمر بن سعد نے دیکھا کہ مجمعِ دگرگوں ہوا چاہتا ہے، اسے انقلاب کا خوف ہوا، چنانچہ اس نے شرمelon سے کہا کہ علیؑ کی بیٹی کے کجاوہ کے قریب سرِ حسینؑ کو لے آئے تاکہ وہ خاموش ہو جائے۔

جونہی زینبؑ عالیہ کی نظر اپنے بھائی کے سر پر پڑی بے اختیار بول اٹھیں:

اے زینبؑ کے پہلی رات کے چاند! تو کتنی جلدی غروب ہو گیا۔ میں کیا کروں کہ میں کجاوہ میں بیٹھی ہوں اور تو (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

نوک نیزہ پر سوار میرے سامنے آیا ہے۔

یہ کہہ کر بے اختیار شہزادی نے محل کی لکڑی اپنے سر پر ماری اور اس سے خون جاری ہو گیا، صیغہ مجہول میں اس طرح کہیں گے کہ انہوں نے اپنے سر کو چوب محل پر دے مارا۔

سیدہ زینبؓ نے اپنے بھائی کو اگر پہلی رات کے چاند سے تشبیہ دی تو اس کی وجہ کیا تھی؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلی رات کے چاند کو دیکھنے کیلئے لوگ اپنی چھتوں پر چڑھ جاتے ہیں اور جو نہی چاند نظر آتا ہے انگلیوں سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں کیونکہ پہلی رات کا ہلال باریک و ضعیف اور کم روشن ہوتا ہے۔ گویا امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک خون نے چھپا رکھا تھا، آپ کا خوبصورت چہرہ ہلال کی مانند باریک اور کم نظر آتا تھا، کوفہ کے لوگ اپنے گھروں کی چھتوں اور راستوں پر کھڑے فرزند رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف شبِ اول کے چاند کی طرح انگلیاں اٹھا کر ایک دوسرے کو دکھا رہے تھے۔

اگرچہ وسعت موضوع ابھی بہت کچھ کہنے کی متقاضی ہے تاہم تقاضائے اختصار کو ملحوظ رکھنا بھی اشد ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس پاک دہن سے امیر المؤمنین علیہ السلام جیسی شخصیت کی زبان گوہر افشاں ہو، جس کے سامنے دنیا بھر کی زبانیں عقول و اصول دست بستہ کھڑے ہوں کہ انہیں شرفِ انتخاب حاصل ہو جائے، اس کے بارے میں کچھ عرض کرنا سعی لا حاصل سے کسی طرح کم نہیں، تاہم اپنے حقیر حصہ کے اعتبار سے کسی پہلو کو نظر انداز کرنا بھی نہایت غیر مناسب ہوگا۔

حال ہی میں ایک کتاب بعنوان ”حضرت زینبؓ کبریٰ کے تاریخ ساز اور عہد آفرین خطبے“ مؤلفہ جناب علامہ سید ابن حسن نجفی صاحب، جسے کراچی میں ادارہ تمدن اسلام نے زیورِ طبع سے آراستہ کیا ہے، ہمارے سامنے آئی ہے۔ ہم اس کتاب سے ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کے بازو کوفہ کے خطبہ کا صرف اردو ترجمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں کیونکہ خطبہ اپنے مقام پر تقریباً وہی ہے جو ہم مندرجہ بالا سطور میں عماد زادہ صاحب کی کتاب ”زندگانی امام حسین علیہ السلام“ سے نقل کر چکے ہیں۔ اگر کچھ فرق کہیں ہے بھی تو وہ خطبہ کے سامعین کی یادداشت کی وجہ سے واقع ہو سکتا ہے کیونکہ اس زمانہ میں عصر حاضر جیسی سہولتیں خطبات و اشعار کو ریکارڈ کرنے کے لئے حاصل نہ تھیں۔ ہم بنظرِ اختصار علامہ موصوف کے بیان سے صرف اقتباسات پر اکتفا کرتے ہوئے ثانی زہرا کے خطبہ کا صرف اردو ترجمہ ہی نقل کریں گے۔ خطبہ کا دہرانا اس لئے بھی ضروری ہے کہ پڑھنے والے اپنے اعتقاد کا جائزہ لے کر عظمتِ ثانی زہرا اور ان کے بعد شہادتِ جناب سید الشہداء علیہ السلام کی استقامت اور جلالِ شریکۃ الحسینؓ کے قائل ہونے میں کسی طرح تامل نہ کریں۔

علامہ موصوف نے خطبہ سے قبل اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے جن میں انبیائے ماسبق کے مواقع کا ذکر فرمایا ہے۔ ہم اس تمام کیفیت کو چھوڑ کر میر تقی میر کا ایک شعر پیش کرتے ہیں جو صرف اظہارِ عقیدت ہی ہو سکتا ہے ورنہ اولادِ علیؑ کی کربلا کے میدان میں (حاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

پیش کی گئی قربانیوں کو الفاظ میں بیان کرنا یا اس کے احساس کا ذکر مقامِ صحیح سے زبانِ معصوم سے تو ممکن ہے، اس کے علاوہ عقلِ انسانی کی پرواز وہاں تک قطعاً ناممکن ہے۔ میر کہتے ہیں:

شیخ پڑے محرابِ حرم میں پہروں دو گانہ پڑھتے رہو
عبدہ ایک اُس تیغ تلے کا ان سے ہو تو سلام کریں

حقیقت یہ ہے کہ کر بلا انتہائے عشق کا مقام ہے اور عام انسان کی کیا بساط کہ اس مقامِ عشق تک اس کا طائرِ خیال پرواز کر سکے۔ شاعرِ مشرق نے اپنی مثنوی ”رموزِ بے خودی“ میں حادثہِ کر بلا کے سلسلہ میں بہترین موازنہ عشق و عقل پیش کیا ہے جس کا مرقع صرف اور صرف اسی واقع میں نظر آتا ہے اور اس کے علاوہ کہیں عقلِ انسانی اس مقامِ شعور تک نہیں پہنچ پائی۔ شاعرِ مشرق کہتے ہیں:

عقل محکم از اساسِ چون و چند عشق عریاں از لباسِ چون و چند
آن کند آباد تا ویراں کند ایس کند ویراں کہ آباداں کند
علامہ نجفی رقم طراز ہیں:

”صبح عاشور“ سے ”ہنگامِ عصر“ تک جو کچھ ہوا اسی کا تصور مشکل تھا کہ غروبِ آفتاب سے ”داستانِ غم“ کا ایک نیا باب کھل گیا اور گیارہویں کی حر نے اپنا گریبان چاک کر کے کہا:

قافلہ کر بلا سے چل نکلا نصبِ اب امتحان میں آئی

”ابھی چند دن پہلے جب یہ قافلہ دار و کر بلا ہوا تھا تو اس کی شان و شوکت عرب کے معزز ترین کاروانوں کی سی تھی!
”اور اب؟“

”پھر ناقوں کے قدم کسی دوسری بستی کی طرف نہیں بلکہ کوفہ کی جانب بڑھ رہے ہیں۔

”کوفہ۔ وہ شہروں کا شہر جس میں کچھ عرصہ پہلے ان تباہ حال اسیروں کی حکومت تھی!“

”بازار سب سے ہوئے، شاہراہیں آراستہ۔ ایک طرف تو مقامی تماشاخیوں کا مجمع سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور دوسری جانب ان لئے ہوئے پردیسوں کو دیکھنے کے لئے اطراف و اکناف کے باشندے بھی سیلاب کی مانند اٹھ چلے آ رہے تھے کہ سپاہِ شام کا ایک دستہ اُن کے سامنے سے باجا بجا تا ہوا گزرا۔

”مشتاقِ دید، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے۔

”اور پھر فوج کے کچھ بڑے افسروں کی سواریاں نظر آئیں جن کے ہاتھوں میں نیزے تھے اور نیزوں کی اینٹوں پر بہت سے کئے ہوئے سر تھے! اور اُن کے پیچھے بے مقصد و چادرِ پیہوں کا ایک گروہ نمودار ہوا جو صدرِ بازار کے ایک پُرہجوم چوراہے پر لکر (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

کھڑا کر دیا گیا۔

”سرکاری اطلاعات کے مطابق تو یہ ایک منحرف، باغی اور سرکشی کا پرچم لہرانے والے شخص اور اُس کے منشی بھر ساتھیوں کے فرقیہائے بریدہ کا جلوس تھا۔ نیز انہیں عبرت ناک شکست دے کر ان کے پسماندگان کو فاتح فرمانروا کے نمائندے عبید اللہ ابن زیاد کے حضور پیش کرنے کے لئے خوشیوں بھری تقریب کا اہتمام اور مسرتوں سے چھلکتا ایک جشن برپا کیا گیا تھا!

”..... ادھر، خون حسینؑ کے ہر قطرہ کو اسرارِ شہادت کی تفسیر مطلوب تھی! لہذا اس عظیم مقصد کی عظیم تکہبان بھلا کیسے خاموش رہتی؟

”ایک دفعہ ٹھٹھیں مارتے ہوئے مجمع کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا، بے قابو اثر دہام متوجہ ہوا، سناٹا چھا گیا اور آنکھیں ساون

بھا دوں کی طرح برسنے لگیں۔

”الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ عَلٰی اَبٰی مُحَمَّدٍ وَّ اِلٰهِ الْعٰلَمِیْنَ الْاٰخِرَ“۔

”یہ تھا بنتِ علیؑ کی تقریر کا ابتدائی جملہ جس نے کوفہ والوں کے دل و دماغ کو فتح کر لیا اور پھر عقیلہ بنی ہاشم، فلسفہ شہادت کی ترجمان، جنابِ زینبؑ علیاؑ اپنے والدِ گرامی کے انداز میں خطبہ خواں ہوئیں۔ نیز ہر جملہ سے فصاحت و بلاغت کے ساتھ حقائق و معارف کا جو دریا اُٹھا ہے، عالم تبلیغ و تلقین میں اس کی کوئی اور مثال نہیں ملتی۔ نیز اپنے سربِ اور شدیدِ ردِ عمل کے حوالہ سے یہ تقریر فکری انقلاب کی تاریخ اور انسانی نفسیات کی دنیا میں بھی آپؑ اپنی نظیر کبھی جاتی ہے۔

منبرِ سلوٹی کے عظیم مالک کی عظیم بیٹی کی آواز سنائی دیتی ہے:

”حمد و سپاس اللہ کیلئے اور درود و سلام میرے پدربزرگوار محمد مصطفیٰ اور اُن کے پاک اور نیک اہل بیتؑ پر۔“

”کوفے والو! غدر و فریب کے پجاریو! رو رہے ہو؟ تمہارے یہ آنسو کبھی نہ رکیں، ہمیشہ فریاد کرتے رہو۔

”مکاری کے چٹلو! تم تو اس عورت کی طرح سے ہو جو محنت سے اون کا تھی اور پھر خود ہی اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتی تھی۔

”فتیس کہیں کھا کر پلٹنے والو! کذب و غرور کے مجسمو! الوغیوں کی سی خوشامد اور دشمنوں کی طرح عیب جوئی کرتے ہو؟

”ظالمو! تم گھوڑے پر اُگی ہوئی ہریالی اور جھوٹی ملمع کاری کی طرح بے ہمت ہو۔ کس بری طرح تم نے اپنی عاقبت خراب کر لی

ہے اب غضبِ الہی کیلئے تیار ہو، تم ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہو گے۔

”کیوں ستم گردو! آنسوؤں سے منہ دھو رہے ہو۔ ہاں! روؤ، تم رونے کے مستحق ہو۔ بننے سے زیادہ روؤ۔ تم نے اپنے دامن پر

وہ دھبہ لگایا ہے جو دھوئے نہیں چھوئے گا۔

”کوفہ والو! یہ اندھیر کہ خاتمِ النبیینؑ کے بیٹے اور سردارِ جوانانِ جنت کو قتل کر ڈالا؟

”بے رحمیتو!“ تم نے اُسے خاک و خون میں ملایا ہے جو تمہارے لئے کعبہ امن، جائے پناہ، صلح و آشتی کی آماجگاہ اور (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

منارۃ ہدایت تھا۔

”غور تو کرو، تم نے اتنا بڑا گناہ کیا ہے؟ کس بُری طرح تم رحمت الہی سے دور ہوئے ہو، تمہارے مساعی عبث، کوشش بے سود۔

”ذلت و خواری کے خریدارو! تم عذاب میں ضرور گرفتار ہو گے! وائے ہو تم پر!

”حق فرو شو! تم نے اپنے رسولؐ کے کلیجہ کو پاش پاش اور اُن کے حرم کو بے پردہ کیا! کتنے اچھے اور سچے لوگوں کا خون بہایا اور کن

کن طریقوں سے سرکارِ ختم المرسلینؐ کی حرمت ضائع کی!

”کوفیو! تم نے وہ کام کیا ہے جس کے سبب کچھ دُور نہیں کہ آسمان پھٹ پڑے، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں،

تمہاری برائیاں آفاق گیر ہیں۔ تمہاری بد اعمالی نے پوری دنیا کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔

”سنو! تم حیران ہو کہ اس واقع سے آسمان نے خون برسایا۔

”ٹھہرو! عذابِ آخرت اس سے زیادہ تمہیں رسوا کریگا اور وہ بھی اُس وقت جب کہ نہ تمہارا کوئی حامی ہوگا نہ مددگار!

”ہاں! یقین مانو، یہ مہلت کے لئے تمہارے بوجھ کو ہلکا نہیں کر سکتے، وقت قبضہ قدرت سے باہر نہیں ہے۔ انتقام کی گھڑیوں کو

قریب سمجھو اور داورِ محشر گنہگاروں کی گھات میں ہے۔“

پھر آپؐ نے فرمایا:

”کوفیو! تم اُس وقت کیا جواب دو گے جب پیغمبرِ خدا تم سے کہیں گے کہ تم آخری امت ہو، تم نے میری اولاد، میرے اہل بیت،

میری حرمت اور میرے ناموس کے ساتھ یہ کیا کیا؟ میرے گھرانے کی کچھ ہستیوں کو اسیر بنایا اور بعض کو قتل کر ڈالا! کیوں؟ میرے

احسانات و رشد و ہدایت کی یہی جزا تھی؟ یہی صلہ تھا کہ میرے بعد میرے عزیزوں اور میری آل و اولاد کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا؟

”اہل کوفہ! اندیشہ ہے کہ کہیں تمہارا بھی وہی حشر نہ ہو جو شداد اور اُس کی امت کا ہوا!“

ثانی زہراؑ کی تقریر ختم ہوئی اور حکومتِ وقت کا زوال شروع ہو گیا!

(مؤلف کتاب ”زندگانی زینبؑ“ نے خطبات کیلئے الگ باب قائم کیا ہے جسے ہم بعد میں نقل کریں گے۔ وہیں ان کا تبصرہ بھی

ہدیہ قارئین ہوگا)۔



۱۔ ثانی زہرا کا طرزِ بیان اور استدلال

بنی اُمیہ کی استبدادی قوت کو یہ علم نہ تھا کہ خاندانِ رسول اکرم کے ساتھ دست و گریباں ہونے کی کیا قیمت ادا کرنا ہوگی۔ وہ یہ بھی نہ جانتے تھے کہ خانوادہٴ رسول کو اسیر و تشہیر کر کے وہ خود اپنے لئے کتنی بڑی رسوائی کو دعوت دے رہے ہیں۔ ہمارے خیال میں اگر وہ یہ سب کچھ جانتے ہوتے تو خود اپنے لئے اس قدر رسوائی کا اہتمام ہرگز نہ کرتے۔

ثانی زہرا کی گفتگو حقیقت میں خطابتِ علی تھی جس کا عنوان تاریخ میں قوتِ اسلامی کا اجراء تھا، جس سے بنی اُمیہ کا غضب اقتدار و نامرادی ظاہر ہوتی تھی، اُن واقعات و مظالم کا اظہار تھا جو معاویہ کے چالیس سالہ دورِ حکومت میں دنیائے اسلام کو اٹھانا پڑے تھے۔ اہل بیت نے اپنے لئے جس پیغام کی ذمہ داری اختیار کی تھی اس کو اتمامِ جناب سید الشہداء علیہ السلام کے ذریعہ بہترین صورت میں افکارِ عمومی کے غور و جذب کی خاطر عملی طور پر زمانہ کے سامنے پیش کیا۔

اس مقصد کے پیشِ نظر زینبؓ عالیہ نے جس عظیم راہ کو اختیار کیا وہ معرفتِ پروردگار کی راہِ حق تھی، ایسی راہ جس سے حکومتِ حاضر کے طریقِ کار سے عوامِ الناس کو متعارف کروایا جائے، یہ کوشش تھی کہ موجودہ حالات سے لوگوں کو روشناس کرائیں۔ اس مقصد و ہدف کو سامنے رکھ کر اپنی تقاریر، حتیٰ کہ اپنے مراٹھی کے ذریعہ بھی لوگوں کو حقائق سے واقف کرایا جس کے نتیجہ میں عوام کو صراطِ مستقیم سے آشنائی اور خاندانِ رسالت سے واقفیت حاصل ہوئی۔ ہم اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل عنوانوں پر بحث پیش کرتے ہیں:

تعارفِ حق

ثانی زہرا نے اپنے لئے فرض و واجب قرار دے رکھا تھا کہ ہر موقعہ و مقام پر حقائق کو کما کھٹ بیان کریں اور پوری آب و تاب کے ساتھ حق کا تعارف کروائیں۔ دشمن نے ہر جگہ یہ غل چار کھا تھا اور اس بات کو شہرت دے رکھی تھی کہ باغیوں کی ایک جماعت نے حاکمِ وقت کے خلاف بغاوت کر کے شورشِ پیدا کی ہے۔ یہ انہی سرکش باغیوں کی عورتیں اور بچے ہیں جن کو قید کر کے لایا گیا ہے اور ان کو ان کے وارثوں کے عوض گرفتار کیا گیا ہے۔

سیدہ زینبؓ نے ہر مقام پر حقیقت کی وضاحت فرمائی، دشمن کے جھوٹے دعووں کو بے نقاب کیا اور توفیقِ حق کے مطابق

کلام کیا۔ جب آپؐ نے دیکھا کہ یزید گمراہی پیدا کرنا چاہتا ہے تو آپؐ نے اپنی زبان کھولی اور لوگوں کو سمجھایا کہ جنہیں وہ اسیر دیکھ رہے ہیں یہ رسولؐ پاک کے خاندان کی خواتین اور خود ان کی بیٹیاں ہیں۔ اس طرح آپؐ نے یزید لعین کے دامن پر اُس کے جرم کی رسوائی و تنک کے دھبوں کو واضح فرمایا (فاطمہ زہراؑ ص 105، ترجمہ: صافی) اور اس کے اتحادیوں و دوستوں کے چہروں کی اصلیت دکھائی۔ ہر مقام پر ثانی زہراؑ نے امام حسین علیہ السلام کی سعادت شہادت کا تعارف کروایا اور بتایا کہ امام حسینؑ مظلوم ہیں، مغلوب ہرگز نہیں۔ لوگوں کو سمجھایا کہ جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں حقیقت میں ان کی اپنی حق سے بغاوت و غداری ہے جو اُن کا ذاتی جرم ہے۔ زینبؑ عالیہ نے دشمن کی گستاخی و ظلم کی وضاحت فرمائی اور ثابت کیا کہ باطل کے مقابلہ میں سکوت اختیار کرنا کسی طرح جائز نہیں، نہ ہی غلط بیانی کو دشمنی دین کے علاوہ کچھ اور قرار دیا جانا چاہئے۔

حکومتِ وقت کا تعارف

جناب زینبؑ کبریٰ نے کوفہ و شام کے لوگوں کو ذہن نشین کرایا کہ اُس دور میں حکومت کی باگ ڈور اُن لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو دین سے منحرف ہیں، اسلام پر وہ لوگ حکمران ہیں جو دین مقدس کی تقدیس کو پامال کر رہے ہیں۔ عوام الناس کو خبردار کیا کہ یہ افراد شراب خوار ہیں اور ناپاک افکار پھیلا رہے ہیں۔ یہ ہرگز اس قابل نہیں کہ اسلامی حکومت کی سربراہی ان کے سپرد کی جاسکے۔

دربارِ ابنِ زیاد اور بالخصوص دربارِ یزید میں ثانی زہراؑ نے واضح فرمایا کہ یزید کے اعمال عدل و انصاف سے متصادم ہیں۔ اُس نے اپنے گھر کی عورتوں کو پردہ میں بٹھا رکھا ہے جبکہ رسولؐ زادیوں کو غیر محرموں میں تماشا بنایا ہوا ہے۔ یزید کا صرف یہ ایک عمل ہی انسانیت کے خلاف اور مسلمان اسیروں کے خلاف بھی بہت بڑا جرم ہے۔

علیٰ ہذا القیاس اسی طرح ثانی زہراؑ نے اپنی اسیری پر پڑے ہوئے جہل و مکرو فریب کے دیز پر دوں کو چاک چاک کر دیا جو حکومتِ وقت نے لوگوں کی عقلوں پر ڈال رکھے تھے۔ آپؐ نے حکومت کے شرماک افعال، بلکہ یزید کے کفر کو بے نقاب کر دیا جو اس کے جاہلانہ اشعار سے ثابت ہو رہا تھا اور لوگوں کو سمجھایا کہ اُن پر کون حکمران ہیں جو معاشرہ میں اپنے آپ کو اسلامی حاکم ظاہر کرتے ہیں جبکہ وہ بالکل بے دین ہیں، اسلام کو نہ تو پہچانتے ہیں، نہ ہی اسلام کے پیروکار و معتقد ہیں۔

انہی بنیادوں پر زینبؑ علیا نے بنی امیہ کے مقابلہ پر اُن کی مخالفت کا پرچم بلند کیا، تحریکِ مخالفت بنی امیہ کو مہینہ کیا، جس پرچم کو دوسرے لوگوں نے مزید بلند کیا تھا۔ اسی کے نتیجے میں قاتلانِ سید الشہداء علیہ السلام گرفتار ہوئے اور اُن کے تمام

سربراہ اور دکان ذلت کی موت سے ہم آغوش ہو کر فی النار ہوئے۔

حکومتِ وقت کے حالات و فضاے زمانہ کا تعارف

ثانی زہرا کا اہم ترین ہدف معاشرہ کے حالات و ماحولِ روزگار کا تعارف کرانا تھا جس میں عوام الناس زندگی بسر کر رہے تھے لیکن وہ اس کی فضا سے بالکل غافل تھے۔ ہم اُس حقیقت و واقعیت کا ذکر کر رہے ہیں کہ جنابِ ثانی زہرا کی حیاتِ اقدس کے دوران جو معاشرہ بنی امیہ نے تشکیل دیا تھا وہ ہر حالت میں آلودگی اور عوام کی بے چارگی کا نمونہ پیش کرتا تھا۔ اس ماحول میں عوام کے لئے ذلت و خواری کی کوئی حد نہ تھی۔ بے شمار مواقع ایسے تھے جہاں امر بالمعروف کی جگہ نبی عن المنکر نے اور نبی کی جگہ معروف کو لے آیا گیا تھا۔ حکمران اور صاحبِ اقتدار طبقہ کے پاس کوئی ایسی خوبی نہ تھی جسے لوگوں پر ظاہر کر سکتے اور اگر کچھ ہوتا بھی تو لوگوں کے سامنے اس کا اظہار قرینِ مصلحت نہ تھا کیونکہ اُس صورت میں لوگ اس سے استفادہ کرنے کی خواہش کرنے لگتے۔ نتیجہ یہ تھا کہ عوام الناس آہستہ آہستہ اپنے زمانہ اور ماحول کی کیفیات سے مانوس ہو کر حقائق سے دور ہونے لگے، حتیٰ کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ لوگ یہ سمجھنے لگے کہ صاحبِ اقتدار طبقہ جو کچھ کر رہا ہے وہی عینِ اسلام ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اسلامی اقتدار کی تعریف معاویہ کی زبان سے سنتے تھے جس کو خال المؤمنین اور کاتبِ وحی کے طور پر متعارف کرایا گیا تھا، جبکہ یہ بات بجائے خود دنیاۓ اسلام پر بہت بڑا ظلم تھا۔

عوام الناس نے سیدہ زینبؓ اور دیگر اسیرارِ اہل بیتؑ سے سنا اور انہیں معلوم ہوا کہ دشمنانِ آلِ رسولؐ ابھی دو برجِ جاہلیت ہی میں ہیں۔ یہ لوگ اسلام کے اخلاق و شرافت سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے شہداء کی لاشوں پر گھوڑے دوڑائے ہیں، بچوں اور خواتین کے خیام کو آگ لگائی ہے اور اپنے مقاصد کے حصول کی خاطر انہوں نے کسی قسم کے ظلم و جور میں کوئی کسر اٹھانہیں رکھی۔

ثانی زہرا کے مخاطب

کر بلا سے کوفہ، کوفہ سے شام، اس کے بعد مدینہ و مصر، غرضیکہ جہاں بھی ثانی زہرا کو جانا پڑا، آپ کے مخاطب مختلف لوگ ہوتے تھے۔ لہذا شہزادی کے مخاطبین کو تین قسم کے افراد میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

- ۱۔ شیعوں کی جماعت جو ہر جگہ اقلیت میں تھے۔ اس کے باوجود یہ دشمنوں کے درمیان ایک خاص اہمیت رکھتے تھے۔ اقلیت میں ہوتے ہوئے بھی یہ احترام کے قابل جانے جاتے، یہ دشمن کے مقابلہ پر بھی آ جاتے اور اسی لئے دشمن ان کی

طرف سے ہراساں و وحشت زدہ رہتا۔

ب۔ دوسری جماعت دشمنانِ اہل بیت کی تھی جن کی اکثریت بنی امیہ اور ان کے طرفداروں پر مشتمل تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ بنی امیہ کی تبلیغات سے متاثر ہوتے ہوئے اپنی اصلیت کو مخ کر چکے تھے۔ یہ لوگ خاندانِ رسولؐ کے خلاف بہت گہرا بغض و کینہ رکھتے تھے۔ لہذا لازم تھا کہ یہ افرادِ اہل بیت کے لئے کسی طرح کا احترام نہیں رکھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اہل بیتؑ رسولؐ کو جس قدر رذالت و ظلم و اندوہ اٹھانا پڑے وہ انہی لوگوں کے ہاتھوں واقع ہوئے تھے۔

ج۔ تیسری جماعت ان لوگوں کی تھی جو کسی قسم کی عقل و دانش نہیں رکھتے تھے۔ یہ لوگ گھاس کے تنکوں کی مانند تھے جن کو ہوا ایک جگہ سے دوسری جگہ اڑالے جاتی ہے۔ یہ لوگ جس طرف بھی حوادثِ کارخ دیکھتے اُسی طرف چل پڑتے تھے گویا، دورِ حاضر کی اصطلاح میں جس طرح بھی ممکن ہو اپنی روٹی کمانے میں مصروف رہتے تھے۔

ثانی زہراؑ کو مؤخر الذکر دونوں جماعتوں سے سروکار تھا۔ لازم تھا کہ اُن پر روشن کیا جائے کہ وہ کیسے نامساعد حالات سے دوچار ہیں، دشمنانِ اہل بیتؑ کس قسم کے گناہِ عظیم و مظالم کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اُن لوگوں کو سمجھانا مقصود تھا کہ وہ سردارانِ حکومت کی صورت میں کس قسم کے رذیل و اوباش لوگوں کا اجراع کر رہے ہیں۔ ثانی زہراؑ کو ایسا عمل کرنا تھا جس سے عوامِ الناس کو ان صاحبانِ اقتدارِ حکام کی پیروی کرنے پر احساسِ شرم و ندامت پیدا ہونے لگے۔

ثانی زہراؑ کی تقاریر

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نے اپنے پیغامِ تبلیغ کیلئے نہایت مؤثر الفاظ کا قالب اختیار کیا۔ یہ بھی وقت کی ضرورت کا ایک اہم تقاضا تھا۔ (ہم باز ایکونہ میں آپؑ کی تقریر گزشتہ صفحات میں نقل کر آئے ہیں)۔ ہم صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ تمام رنج و الم اور مصائب کے باوجود شہزادی نے نہایت سلیس زبان میں بڑی روانی اور دلائل و براہین کے ساتھ گفتگو فرمائی، ایسی گفتگو جس میں کسی موقع پر کسی قسم کا تزلزل و خوف و ہراس و کمزوری و بے چارگی نظر نہیں آتے۔

ثانی زہراؑ کی تقاریر رنگ لائیں، یہاں تک کہ شام کے باشندگان جو حضرت امیر المؤمنین علیؑ علیہ السلام سے دشمنی رکھتے تھے اور آپؑ کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے تھے، اُن میں اثراتِ انقلاب نظر آنے لگے، حتیٰ کہ بعض لوگ اُموی خاندان کے نمائندوں پر برسنے لگے اور بنی امیہ اور ان کے سربراہانِ آوردہ لوگوں کو ذلیل کرنے لگے۔ انہی خطابات کے نتیجے کے طور پر لوگ اہل بیتؑ کے پاک و مقدس اسمائے گرامی سے واقف ہونے لگے اور سمجھنے لگے کہ انہیں اس سے بہت پہلے ان مقدس ہستیوں

سے واقف ہونا چاہئے تھا۔ اس طرح علیؑ و خانوادہ علیؑ کے حقوق واضح ہونے لگے۔ جو ہر اہل بیتؑ کے خلاف اُگلا جا چکا تھا وہ لوگوں پر ظاہر و آشکار ہو گیا، اگرچہ اُس اظہار کے اثرات مستقل کیفیت حاصل نہ کر پائے۔

ثانی زہرا کی مرثیہ سرائی

زینبؑ عالیہ کے پیغام و فرائض کے بیان اور حقائق و اسرارِ دین کی تبلیغ کا بہت بڑا حصہ مرثیہ گوئی کی صورت میں ہے۔ ہمارے لئے یہ ممکن نہیں، نہ ہی ہم میں اتنی سکت ہے کہ آپؑ کی تمام مرثیہ نگاری پیش کر سکیں۔ لہذا آپؑ کے مرثیہ کا ایک مختصر سا گوشہ، جس کا اظہار آپؑ نے گیارہ محرم کو کربلا کی قتل گاہ میں کیا، پیش کرتے ہیں۔ اسی میں آپؑ کے چند جملوں کا ترجمہ بھی پیش کرنے کی کوشش کریں گے، اگرچہ ادا شدہ الفاظ کے تاثر کا ترجمہ کسی بھی زبان میں ممکن نہیں ہوا کرتا۔ یہ کلمات مرثیہ آپؑ نے اپنے بھائی سید الشہداء علیہ السلام کے کھڑے کھڑے اور بے سرجم مبارک کے پاس بیٹھ کر کہے تھے:

”بَابِي مَنْ أَضْحَى مُعْسَكِرُهُ يَوْمَ الْأَثْنَيْنِ نَهْبًا، بَابِي مَنْ فَسْطَابُهُ مُقَطَّعُ الْعِرَى، بَابِي مَنْ لَا غَايَتَ فَيْرُجِي وَلَا جَرِيحَ فَيُذَاوِي، بَابِي مَنْ نَفْسِي لَهُ الْغِدَاءُ، بَابِي الْمَهْمُومُ حَتَّى قَضَى، بَابِي الْعَطْشَانُ حَتَّى مَضَى، بَابِي مَنْ شَيْبَتُهُ تَقْطُرُ بِالِدِمَاءِ، بَابِي مَنْ جَدَّهُ مُحَمَّدُ الْمُصْطَفَى، بَابِي خَدِيجَةُ الْكُبْرَى، بَابِي عَلِيٌّ الْمُرْتَضَى، بَابِي فَاطِمَةُ الزَّهْرَاءِ، بَابِي رُدْتُ عَلَيْهِ الشَّمْسُ حَتَّى صَلَّى.....“ (لہوف: سید ابن طاووس)۔

ترجمہ: مرثیہ ثانی زہرا سلام اللہ علیہا

”میرا باپ قربان ہو اُس پر جس کی لشکر گاہ کو دو شنبہ کے روز لوٹا گیا،
میرا باپ قربان ہو اُس پر جس کی خیمہ گاہ کی طنائیں کاٹ ڈالی گئیں،
میرا باپ قربان ہو اُس پر جو ایسا گیا کہ اُس کے لوٹ کے آنے کی کوئی امید نہ رہی، اور جو ایسا زخمی ہوا کہ اُس کا علاج ممکن نہیں،

میرا باپ قربان ہو اُس پر جس پر میری اپنی جان قربان ہے،
میرا باپ قربان ہو اُس پر جو تادمِ آخر غمگین رہا،
میرا باپ قربان ہو اُس پر جو پیاسا ہی (دنیا سے) چل بسا،

میرا باپ قربان ہو اُس پر جس کے نانا محمد مصطفیٰ ہیں،

میرا باپ قربان ہو اُس پر جس کے نانا معبودِ مساوات کے رسول ہیں،

میرا باپ قربان ہو اُس پر جو پیغمبرِ ہدایت کا نواسہ ہے،

میرا باپ قربان ہو اُس پر جو محمد مصطفیٰ کا نواسہ ہے،

میرا باپ قربان ہو اُس پر جو خدیجہ الکبریٰ کا نواسہ ہے،

میرا باپ قربان ہو اُس پر جو علی مرتضیٰ کا فرزند ہے،

میرا باپ قربان ہو اُس پر جو فاطمہ الزہرا کا دلہند ہے،

میرا باپ قربان ہو اُس پر جو اُس کا نورِ نظر ہے جس کے لئے سورج کو پلٹایا گیا یہاں تک کہ اُس نے نماز ادا کی۔“

مندرجہ بالا تمام جملے اس کلمہ سے شروع ہوتے ہیں: ”میرا باپ قربان ہو اُس پر۔“ اس کے بعد اُن حادثات سے متعلق

گفتگو ہے جو ماضی سے مربوط ہیں (یعنی روزِ دو شنبہ جو روزِ سیفہ بھی ہے) اور یہاں تک پہنچتی ہے کہ اُسے پیسا شہید کیا گیا جو

دورِ جاہلیت میں عداوت و دشمنی کا دستور تھا اور آنحالیکہ اُس کے نانا پیغمبرِ خدا، بابا علی مرتضیٰ ہیں، وہ نسلِ خدیجہ الکبریٰ سے ہے،

فرزندِ فاطمہ زہرا ہے..... تا آخر۔ مختصر یہ کہ ایک دنیا اس کی سرگزشت کو بیان کرتی، اُس کی مرثیہ سرائی میں مصروف اور اُس سے

متعارف ہے۔

نتیجہ کلام

ثانی زہرا نے اپنے خطابات، اپنی تقاریر، اپنے مرثیوں اور اپنے اشعار کے ذریعہ اپنے دشمنوں کو ایسا بے نقاب کیا کہ اُن

کیلئے کسی راہِ گریز و مافات کی کوئی صورت باقی نہ رہی، حتیٰ کہ یزید ملعون اپنے پوشیدہ و مخفی کفر کے اظہار کے بغیر نہ رہ سکا (بیت

اشباخی بیدرو شہدوا.....)۔ وہ کہا تھا: ”کاش! میرے مشرک اجداد جو جنگِ بدر میں مارے گئے تھے، آج زندہ ہوتے اور

دیکھتے کہ اُن کے بیٹے یزید نے کس طرح سردارانِ اسلام سے اُن مشرکین کا انتقام لیا ہے۔“

زینب کبریٰ نے اپنے طریقِ کار اور اسلوبِ خطاب کے ذریعہ یزید کے چہرہ سے اسلام نما منحوس نقاب کو نوچ کے

پھینک دیا، اس کی رذیل اصلیت کو نمایاں کر دیا اور ظاہر کر دیا کہ وہ اسلام و قرآن کو ایک کھیل سے زیادہ نہ جانتا تھا (یہ اشعار یزید

نے اُس محفلِ جشن و سرور میں کہے تھے جو اُس نے اپنی خوشی کی خاطر اسیرانِ اہل بیت کے سامنے منعقد کی تھی)۔ اُس کے الفاظ

”هَذَا شَيْءٌ بِالْمُلْكِ“ نے ثابت کر دیا کہ وہ وحی الہی پر ایمان نہ رکھتا تھا اور پیغام الہی کو بنی ہاشم کا ساختہ و پرداختہ جانتا تھا۔ یزید لعین سمجھتا تھا کہ امام حسین علیہ السلام کے قتل سے وہ اپنے خلاف شورش کے شجر کو اکھاڑ پھینکے گا اور پھر کسی قسم کی مزاحمت کے بغیر حکومت کرتا رہے گا۔ لیکن ثانی زہرا سلام اللہ علیہا نے اس کے سکون و اطمینان کو پارہ پارہ کر کے اُس کے اس گمان و آرزو کو ایسا درہم و برہم کیا کہ یزید کو اس قابل نہ رہنے دیا کہ وہ اپنی اس فتح کا کوئی تصور بھی اپنے ذہن میں پیدا کر سکے۔ ثانی زہرا نے بنی امیہ کے جام حیات کو ایسا زہر آلود کیا کہ ان کی حکمرانی کبھی دوام سے ہمکنار نہ ہو سکی اور یزید اپنی اس کامیابی کا ایک لمحہ کے لئے بھی کبھی لطف نہ اٹھا سکا، یہاں تک کہ یہ لوگ بالآخر شکست و ریخت کے انجام کو پہنچ گئے۔ اُن کی کیفیت کا یہ عالم ہوا کہ زینبؓ عالیہ نے اس آیت مبارکہ کا انہیں مصداق قرار دیا:

”ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ اسَاءُوا السُّوْاۤى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰیَاتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ۔

”پس اُن لوگوں کا انجام جنہوں نے بدی کو شعار بنایا، اللہ کی آیات کی تکذیب کی اور اُن کا مذاق اڑایا، دوزخ قرار

پایا“ (سورہ روم: 10)

۲. بنی امیہ کے بُت ہائے پندار کی سیّدہ کے نورِ نظر کے ہاتھوں شکست

ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی داستانِ حیات اور آپؐ کی بُت شکنی کے واقعات سے پوری واقفیت رکھتے ہیں، فرعون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کی تفصیلات سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس فتح مکہ میں پیغمبرِ اسلام کی حضرت علی علیہ السلام کی معیت میں کعبہ کو بتوں سے پاک کرنے کے واقعات سے بھی کما حقہ واقف ہیں۔ تاریخ میں ایسے واقعات کی کوئی کمی نہیں، اگرچہ ان عظیم بُت شکنوں کی تعداد عام انسانوں کی تعداد کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہے۔ لیکن تاریخِ انسانیت میں ہمیں بت شکن اور پندارِ ظلم کو شکست و ریخت سے دوچار کرنے والی خواتین شاید ہی کہیں نظر آئیں۔ نہ صرف یہ بلکہ ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کے عظیم کارنامہ کے برابر کارنامے انجام دینے والی خواتین تو ایک ہاتھ کی انگلیوں کی تعداد سے بھی کم ہی ملیں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلہ میں ثانی زہرا نے وہ کارنامہ انجام دیا ہے جو ہرگز طبعی و عادی امر نہیں، بلکہ یہ آپؐ کا ایک معجزہ ہے۔

ثانی زہرا سلام اللہ علیہا نے ان تمام بتوں کو پاش پاش کر دیا جو اپنی طویل زندگی میں اپنے آپؐ کو بہت عظیم اور طاقتور سمجھتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنی ریاکاریوں اور مکاریوں سے وہ مقام پیدا کر رکھا تھا کہ اُن کے خوشامدی و چا پلوس

اپنی ہرزہ سرائیوں کے ذریعہ انہیں ہر قسم کی بڑائی کے مالک بناتے تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ سمجھ دار لوگ ایک طرح کی بے جا خاموشی کے خوگر ہو چکے تھے، جس کا سبب یہ تھا کہ یہ لوگ اپنی کارروائیوں میں بے حد دلیر ہو کر اپنے آپ کو اس قدر طاقتور بنا چکے تھے کہ اب اُن کی نظر میں اُن کی شکست کی کوئی صورت یا احتمال باقی نہ تھا۔

ثانی زہرا کے اقدامات

ذمّین اہل بیت اپنے مقام پر عاشورہ محرم کے واقعات کے پرتو میں اپنی فتح کے نشہ میں مست تھا، قتل حسین و انصاران حسین نے اُس کے دماغ کو اور زیادہ مغرور کر دیا تھا۔ تاہم کبھی کبھی ایسا اندیشہ بھی اُس کے ذہن میں سر اٹھاتا تھا کہ وہ ایک بہت بڑے اور عظیم گناہ کا مرتکب ہو چکا ہے لیکن اُس کا تکبر یہ سوچ بھی پیدا کر رہا تھا کہ اگر وہ چاہے تو ہر طرح کی مخالفت کو اپنے راستہ سے ہٹانے کی قدرت و طاقت رکھتا ہے کیونکہ اُس نے فرزند رسول امام حسین علیہ السلام جیسی با عظمت و پر شکوہ شخصیت کو آسانی سے اپنے راستہ سے ہٹا دیا ہے۔

اس سلسلہ میں یزید شدید غلط فہمی کا شکار تھا۔ اُس نے انتقام گیری تاریخ میں اس حقیقت کا مطالعہ نہیں کیا تھا کہ ہر بڑائی کے مقابلہ میں بزرگ تر بڑائی ہوا کرتی ہے، ہر قوی دست کے اوپر اس سے قوی تر ہاتھ ہوا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت و قوت سب سے بڑی طاقت ہے۔ وہ اُس خاتونِ معظم کی قوت سے بے بہرہ تھا جو خونِ مظلوم سید الشہداء علیہ السلام کی مبلغ کی حیثیت رکھتی تھی۔ وہ اس حقیقت سے غافل تھا کہ خواہر حسینؑ مظلوم، سیدہ زینبؑ، اپنے معصوم بھائی کے بعد زمانہ میں سب سے بڑی بت شکن ہیں۔ ہمیں سیدہ طاہرہ جناب فاطمہ الزہراؑ کے علاوہ تاریخِ بشریت اور نسوانیت کی پوری تاریخ میں کوئی ایسی ہستی سیدہ کی نو نظر کے سوا نہیں ملتی جس نے یزید جیسے حاکم ظالم اور ابنِ زیاد جیسے خونخوار فرماں روا کو اس قدر ذلیل و خوار کیا ہو اور اُن کی شان و شوکت کو باز پچھڑا اطفال بنا کر تاریخ وین سے اکھاڑ پھینکا ہو۔

یہ وہ لوگ تھے جو اپنی حکمرانی کے خمار میں یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ وہ خاندانِ علیؑ کو اپنے ظلم و سفاکی سے صفحہ ہستی سے دھو ڈالیں گے اور اس طرح اپنے مقصدِ حیات میں کامیاب ہو جائیں گے۔ لیکن اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ وہ اپنے ہدف کے حصول میں کاملاً متزلزل ہو گئے بلکہ اُن کے نام تاریخِ بشریت کے خاک دانوں کی زینت بن کر ذلت و خواری کے نشان بن گئے۔

ثانی زہرا کے تازیانہ ہائے خطابت

ثانی زہرا کی خطابت کا کیا کہنا! زور خطابت کا یہ عالم ہے کہ آپؑ کے دہن مبارک سے نکلا ہوا ہر جملہ دشمن کے سر پر تازیانہ اور کوڑے کا کام کرتا ہے جس سے دشمنانِ اہل بیتؑ کے دماغ ان مصیبت زدوں کے اندوہ و غم کے مقابل بلبلا اٹھتے ہیں۔ کتنے پُر ہکھوہ ہیں آپؑ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے وہ جملے جو آپؑ نے یزید کو مخاطب کر کے فرمائے ہیں۔ سیدہ کی بیٹی ارشاد فرماتی ہیں:

”یزید! میں تیری حیثیت کو اس حقیقت سے بہت گھٹیا جانتی ہوں کہ تجھ سے اپنے آپ کو ہم کلام کروں۔ میں تجھ سے صرف اس لئے مخاطب ہوں کہ تیری رسوائی و ملامت کو اپنے فرائض میں سے جانتی ہوں، اگرچہ مجھے علم ہے کہ تجھے ذلیل کرنے سے ہمارے شہید زندہ نہیں ہو جائیں گے“ (ذینبیہ)۔

علیٰ ہذا القیاس ابن زید و ملعون سے فرماتی ہیں:

”تیری ماں تیرے غم میں بیٹھے!“ (فُكَلْنُکُ اُمُّک)!(زینبؑ از عاشورا تار بعین)۔

ابن زیاد آپؑ کی اس بات پر اس قدر غضبناک ہوا کہ آپؑ کے قتل کا حکم دے دیا۔ اس پر دوسرے لوگ درمیان میں آگئے لیکن مخدومہ نے اپنے کلام کو نہ تو مختصر کیا اور نہ ہی اُس پر کسی قسم کی عذر خواہی کی۔

اسی طرح ابن زیاد کے لئے آپؑ نے فرمایا تھا کہ ہماری شان و شوکت کی خاطر یہی کافی ہے کہ ہمیں نبوت و تطہیر کی کرامت حاصل ہے اور وہ ہمارا غیر ہے جو فاسق ہے، جو فاجر ہے، اس لئے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے اور وہ یہی ابن زیاد ہے۔ آپؑ فرماتی ہیں:

”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَكْرَمَنَا بِنَبِیِّهِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَطَهَّرَنَا لِرَجْسٍ تَطْهِیْرًا وَاِنَّمَا یَفْتَضِعُ الْفَاسِقُ وَیَكْذِبُ الْفَاجِرُ وَهُوَ غَیْرُنَا“۔ (زینبؑ اُختِ الحسین علیہ السلام)۔

ایسی ہی گفتگو ہے جس نے اُن مغرور جابروں کو اس قدر ٹھکست و ذہنی سے دو چار کیا کہ اُن کی نام نہاد فتح کا نشہ اُن کے ذہنوں سے اتر گیا، اس قابل ہی نہ رہے کہ ان کا احساسِ غرور و فتحِ مندی باقی رہ جائے۔ غرض ایسی بہت سی باتیں ہیں جن سے دشمن کا چند اذلیل واضح و آشکار ہوا اور اُن کے ضمیر میں لگی ہوئی آگ زیادہ سے زیادہ بھڑکتی رہی۔ آپؑ نے اُن ظالم صاحبانِ اقتدار کو ایسے جملوں سے خطاب کیا کہ کوئی شخص جو اپنے مقام و ہدف سے ناواقف ہو، ہرگز ایسی باتیں نہیں کر سکتا۔

چنانچہ یزید کو مخاطب کر کے فرماتی ہیں: ”تیری عقل فاسد ہو چکی، تیری حکومت ناپائیدار ہے۔ خدا کی لعنت ہو ظالموں پر!.....“ (خطبہ زینبؓ، مکالمات)۔

ثانی زہرا کا طریق کار

ثانی زہراؓ کے طریق کار کا ایک اور مظاہرہ آپؐ کی اسیری کے دوران نظر آتا ہے جس نے دشمن کے بت ہائے پندار کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا۔ دشمن کا خیال تھا کہ قیدی حسب معمول زمانہ اُس کے سامنے حاضر ہو کر اس کے پُر از جاہ و جلال دربار میں رکوع کی صورت میں اُس کی تعظیم بجالائیں گے۔ ابن زیاد کی نگاہیں قیدیوں کے معائنہ کے لئے گویا دروازہ پر سل کر رہ گئی تھیں کہ اچانک اُس کے دارالامارہ کا دروازہ کھلا اور اسیران اہل بیتؓ رسولؐ داخل دربار ہوئے۔

ایک مؤرخ کے بیان کے مطابق ابن زیاد کے محل میں اس کے دربار میں ہر طریقہ سے اُس کی شان و شوکت و ہیبت کا مظاہرہ کیا گیا تھا جس کا مقصد خاندان رسالتؐ کو مرعوب کرنے اور اہل یان کوفہ کے ذہنوں کو ہیبت زدہ کرنے کے سوا اور کچھ نہ تھا (زندگانی فاطمہؓ زہراؓ، ص 253)۔

ثانی زہراؓ ابن زیاد کے دربار میں پورے وقار کے ساتھ تشریف لائیں، محل کے ایک کونے کی طرف بڑھیں، بیٹھنے کی اجازت کی پروا کئے بغیر ایک کونے میں تشریف فرما ہوئیں اور آپؐ کی ہمراہی خواتین نے وہیں آپؐ کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ اس کیفیت نے ابن زیاد ملعون کو ہیبت زدہ و پریشان کر دیا کہ یہ کس قدر متکبر خاتون ہے کہ اجازت لئے بغیر بیٹھ گئی ہے۔ وہ اپنی فطری درشتی کو روک نہ سکا اور پوچھا: ”یہ خاتون کون ہے؟“

سیدہ کی صاحبزادی نے جواب دینے کی کوئی ضرورت محسوس نہ فرمائی اور خاموش رہیں۔

ابن زیاد نے تین بار پوچھا لیکن سیدہ زینبؓ سلام اللہ علیہا نے اُس کی تحقیر کی خاطر اپنی بے اعتنائی کو برقرار رکھا اور اسے جواب کے قابل نہ جانا۔ آخر کار اسی مجمع میں سے ایک شخص بولا کہ یہ علیؑ کی صاحبزادی زینبؓ کبریٰ ہیں۔ ابن زیاد نے زبان کے زخم لگاتے ہوئے کچھ بے ادبانہ و گستاخانہ الفاظ کہے اور اُن کے بالکل مطابق جواب سنا (اس گفتگو کی تفصیل آئندہ صفحات میں پیش کی جائے گی)۔

ذلیل دشمن کے سامنے

دنیا بھر کے تمام دوسرے بت شکنوں کی طرح ثانی زہراؓ بھی کسی طرح دشمن سے مرعوب و کمزور نظر نہیں آتیں۔ ہم نے

آپ کی جرأت و شجاعت کے چند نمونے گزشتہ صفحات میں پیش کئے ہیں۔ ان میں اس قدر اضافہ ضروری ہے کہ سیدہ زینبؓ اُس وقت ایک قوی ترین صاحبِ منہ کے مقابلہ میں قیام کر چکی ہیں اور یہ اس حالت میں کہ خود اپنی جگہ بظاہر کمزور ترین مقام رکھتی ہیں۔ کیفیت اس طرح ہے کہ ثانی زہراؓ اسیری کی حالت میں ہیں، جبکہ یزید سلطنت و طاقت کا حامل ہے۔ آپ خاتون ہیں جبکہ یزید اپنے آپ کو ایک طاقتور مرد، سیاسی رہبر اور اپنے آپ کو اس دور کے تمام مسلمانوں کا حاکم جانتا ہے۔ اس طرح وہ ملعون اپنے آپ کو بلند ترین شخصیت کا مالک اور زینبؓ عالیہ کو کمتر اور کمزور تر سمجھتا ہے۔ لیکن اصلیت و حقیقت اس کے بالکل برعکس بلکہ الٹ نکلتی ہے۔ بحث و گفتگو کے دوران آپ یزید کو مخاطب کر کے فرماتی ہیں:

”اے یزید! کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ تو نے اپنے گھر کی عورتوں کو تو پردہ میں بٹھا رکھا ہے اور رسول اللہ کی بیٹیوں کو بے پردہ کر کے منظر عام پر لے آیا ہے؟ کیا تو عادل ہے اور یہی تیرا معیار عدل ہے؟ کیا تیرے لئے کربلا کا حادثہ و غارت گری کافی نہ تھا کہ تو نے حکم دیا کہ اہل بیتؑ رسول کو شام لے کر آؤ؟ کیا خانوادہ رسولؐ پاک کی بے حرمتی سے تیرا دل خوش ہوا ہے؟ کیا قتل حسینؑ کو تو اپنی فتح جانتا ہے اور اُن کو شہید کر کے تو ڈرتا نہیں؟ اگر رسولؐ پاک سے تیری ملاقات ہو تو ہمیں اسیر و در بدر کرنے کے سلسلہ میں تو انہیں کیا جواب دے گا؟“

اظہارِ حقائق کا نتیجہ

ثانی زہراؓ خالوں کے بت ہائے پندار کو توڑنے میں بالکل کامیاب رہیں، اپنے طرزِ عمل و گفتگو سے آپ نے ابن زیاد کو دردِ آلود تلخی سے دوچار کیا اور یزید کو حقائق کی تلخی کا ایسا مزہ چکھایا کہ یہ دونوں ظالم اسی تلخی کو لے کر سکراتِ موت تک پہنچے۔ ابن زیاد جیسے ملعون افرادِ آرزو رکھتے تھے کہ انہیں لفظ ”امیر“ سے پکارا جائے، یزید بھی اس بات کا منتظر تھا کہ علیؑ کی نورِ نظر اسے امیر المؤمنین یا کسی ایسے ہی لفظ یا خطاب سے مخاطب کریں۔ لیکن زینبؓ عالیہ نے ان کی ان مذموم خواہشات کو اُن کے نہاں خانہ ہائے دل میں ہی دفن کر کے رکھ دیا اور کسی حالت میں بھی دونوں متکبرین کو امیر یا امیر المؤمنین کہہ کر مخاطب نہ کیا۔

ثانی زہراؓ نے بنی امیہ کے بت ہائے اقتدار کو یکے بعد دیگرے زمین پر دے مارا اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اُن کی حیثیت کو اس مقام پر پہنچا دیا کہ دنیا ٹھنڈے پانی کے ہر گھونٹ کو حلق سے اتارتے ہوئے سید الشہداء امام حسین علیہ السلام پر درود و سلام اور یزید ملعون پر لعنت بھیجنے لگی۔ حد یہ ہوئی کہ ایک دن خود یزید کا دار الخلافہ عزرا خانہ اور ماتم کدہ میں تبدیل ہو گیا۔

۳۔ ثانی زہرا کی منزل تبلیغ و موعظہ

آخر وہ وقت آیا کہ ثانی زہرا سلام اللہ علیہا نے اپنے جدِ بزرگوار کے مقامِ رسالت و منزلِ وعظ و نصیحت کو اختیار فرمایا۔ ایسا کیوں نہ ہوتا! آخر آپ عظیم ترین واعظ، ناصحِ امین کی حیثیت رکھتے ہوئے سیرتِ انبیائے کرام کو اختیار کرتی ہیں جن کی حیاتِ ہائے پاک کا ہدف و مقصد خیر خواہی مخلوقِ خدا، بشارتِ نجات اور اندازِ جہنم کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ آپ رسولِ پاک کے دامنِ عاطفت کی تربیت یافتہ تھیں، معصومہ مکونین سیدہ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کا آپ نے دودھ پیا تھا، مولائے کائنات علی ابن ابی طالب کی نو ریدہ تھیں۔ آخر ان سب حضرات نے اپنے دورِ حیات میں بنی نوعِ انسان کے لئے کیا کچھ نہ کیا تھا! کیا ان سب نے مخلوقِ خدا کی خیر خواہی کے علاوہ بھی کوئی عمل اپنی حیاتِ ہائے طیبہ میں انجام دیا تھا؟ کیا اس کے علاوہ بھی ان کی زندگیوں کا کوئی پہلو نکلتا ہے کہ انہوں نے بنی نوعِ انسان کی سعادت کی خاطر اپنی جانوں تک کو قربان کر دیا تھا؟

اب یہی سیدہ زینبؓ ہیں جو علی و رسولِ پاک کی چشم و چراغ ہیں۔ اب یہ خود نصیحت و موعظہ کی منزل پر ہیں کہ شاید لوگ راہِ راست اختیار کر لیں اور کج روی و انحطاطِ اخلاقی سے باز آجائیں! اس کیفیت میں آپ کی نظروں میں دوست و دشمن دونوں برابر ہیں۔ اس وقت آپ بارانِ رحمت پروردگاری کی مانند ہیں جو اپنی نعمات و رحمت کو ہر مقام پر برساتا ہے، حتیٰ کہ زمینِ شور بھی اس سے محروم نہیں رہتی 1۔

در بارِ یزید میں دخترِ علی کا موعظہ

ثانی زہرا سلام اللہ علیہا نے شام میں اپنے خطبہ میں یزید لعین کو آخرت کا خوف دلایا۔ آپ اُسے تاریخ کی دست برداور حسابِ دنیا کا خوف دلاتے ہوئے فرماتی ہیں کہ اُس دن سے ڈر جب اللہ تعالیٰ کی عدالت ہوگی جس میں اس کے حبیبِ محمد مصطفیٰ طالبِ عدل و انصاف ہوں گے۔ اُس وقت تیرے جسم کے اعضاء و جوارح تیرے خلاف گواہی دیں گے۔ یہ وہ دن ہوگا

1۔ اسی کیفیت کو سامنے رکھ کر شاعرِ مشرق علامہ اقبال مرحوم اپنی مثنوی رموزِ بے خودی میں حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کو اس طرح خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں:

حریتِ رازِ ہر اندر کامِ ریخت
چونِ سحابِ قبلہ بارانِ درِ قدم
لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت
پس بنائے لاله گریدہ است

چوں خلافتِ رشتہ از قرآن گسیخت
خاست آن سرِ جلوۂ خیرِ الامم
بر زمینِ کربلا بارید و رفت
بحرِ حق در خاک و خون غلطیدہ است

جس کے بارے میں تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ ظالموں کا انجام کیا ہوگا! (شام میں خطبہ زینب)۔

اسی خطبہ میں شہزادی یزید کو خوفِ آخرت دلاتے ہوئے ارشاد فرماتی ہیں کہ بدکاروں کی عاقبت دوزخ ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

”ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ آسَاءُ وَالسُّوْءِ أَىٰ أَنْ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ“ (سورہ روم: 10)۔

اس کلام سے یزید کا کردار واضح ہو جاتا ہے اور واقعہ کربلا کی عظمت پر روشنی پڑتی ہے کیونکہ یہ قرآن اور وعدہ خداوندی ہے۔ یزید کو بتایا جا رہا ہے کہ اگر وہ نام کا بھی مسلمان ہے تو اسے اس حکم کو تسلیم کرنا اور اس پر یقین کرنا ہوگا اور اگر ایمان نہیں رکھتا تو پھر اپنے آپ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنے کیلئے تیار کر لے۔

یزید کو مخاطب کر کے فرماتی ہیں:

”تو بالکل آزاد ہے، جس طرح چاہے عمل کرے۔ جو تجویز بھی تجھ سے ممکن ہو بروئے کار لے آ، اپنی پوری قوت اپنے شیطانی طریق میں صرف کر دے، لیکن خدا کی قسم! ہرگز ممکن نہیں کہ تو ہمارے نام اور ہمارے اسوہ کو دنیا سے محو کر سکے یا منہ پائے، جیسا کہ اصول ہے:

”فَكَيْفَ كَيْدُكَ..... فَوَاللَّهِ لَا تَمْحُوْا ذِكْرُنَا.....“ (زینبؓ اُختِ حبیبؓ، سخنانِش با یزید)۔

حالات کی تصویر کشی

ثانی زہراؓ اپنے مواعظ و نصائح اور اپنے پیغام کی ترسیل کی تصویر کشی اس طرح فرماتی ہیں گویا آپ خود اس جگہ موجود ہوں اور اپنی آنکھوں سے سب کچھ مشاہدہ کر رہی ہوں۔ کیفیت اس قدر دردناک ہے کہ خود دشمن اسے دیکھ نہیں پارہا۔ یہ بھی مبلغ کا اپنا ہنر ہوتا ہے کہ سننے والوں کو تصویرِ واقعہ کا ایک حصہ بنا دے۔ واقعات و کیفیات کی تصویر کشی ہی وجدانِ مُردہ کو زندہ کرنے کا سبب بنتی ہے اور اسی وجدانی کیفیت میں احساسِ عذاب بیدار ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ اگر بچے بھی ایسے دردناک واقعات میں موجود ہوں تو ایسے خوفناک حالات کے خوگر ہو جاتے ہیں اور اُن کے نتائج کے تصور سے اپنے آپ کو الگ نہیں کر سکتے۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر ہم ثانی زہراؓ سلام اللہ علیہا کی واقع نگاری کا ایک نمونہ پیش کرتے ہیں۔ یزید ملعون کو مخاطب کر کے فرماتی ہیں:

”اگر تو یہ خیال کرتا ہے کہ آج ہمارے قتل سے تجھے کوئی فائدہ ہوا ہے تو یاد رکھ کہ کل جب قیامت برپا ہوگی تو تو اس کے

نقصان سے دوچار ہوگا۔ یہ وہ دن ہوگا جب سوائے تیرے اپنے اعمال کے کوئی چیز تیرے پاس نہ ہوگی۔ یہ وہ دن ہوگا جب تو اور تیرے پیر و عدل پروردگار کے سامنے حاضر کئے جائیں گے۔ اُس دن تو دیکھے گا کہ تیرے باپ نے بدترین دراشت تیرے لئے چھوڑی ہے کہ تو رسول اکرم کی اولاد کے قتل کا مرتکب ہوا ہے.....“ (بررسی تاریخ عاشورا، ص ۲۳۸)۔

ثانی زہرا کی واقعہ بنی

ثانی زہرا اس لہجہ و زبان میں اس لئے گفتگو کر رہی ہیں اور تبلیغ کا یہ پہلو اس لئے اختیار کئے ہوئے ہیں کہ آپ مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کو اپنی بصیرت سے دیکھ رہی ہیں، آنے والے حوادث سے اچھی طرح خبردار و آگاہ ہیں، جانتی ہیں کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے اور اُس کا ردِ عمل کیا ہوگا۔ آپ اُس مورخ کی طرح ہیں جو مستقبل میں پیش آنے والے واقعات اور اُن کے نتائج کی پیش بینی کر رہا ہوتا ہے اور تاریخ کے دھارے کی طرف پوری طرح متوجہ اور اس سے خبردار ہوتا ہے۔ آئندہ پیش آنے والے واقعات کے قطعی ہونے کے بارے میں اپنے کلام میں اُن کی نشان دہی کرتی ہیں اور اپنی گفتگو اور لہجہ کو مستحکم کرتے ہوئے یزید کو مخاطب کرتی اور فرماتی ہیں:

”تو نے اپنے کام کو انجام تک پہنچا دیا، اپنی خواہشات کو پورا کر لے، جو بھی کر سکتا ہے کر گزر، لیکن خدا کی قسم! اپنے خیال میں تو نے جو ہماری رسوائی و تذلیل کرنا چاہی ہے، اس کا داغ تیرے دامن سے ہٹ نہیں سکتا۔ تو ہمارے ساتھ اپنے اس سلوک کی بدنامی کو ہرگز ہرگز نیک نامی میں نہیں بدل سکے گا.....“ (بررسی تاریخ عاشورا، ص ۲۳۹)۔

حقیقت بھی یہی ہوئی جس کی طرف شہزادی نے اشارہ فرمایا تھا۔ اُس دشمن ایمان نے مخدرات و دیگر اسیرانِ اہل بیت کو کوچہ و بازار میں تشہیر کر کے معکوس نتائج حاصل کئے۔ اس سلسلہ میں اُس کے مخاصمہ اور مباحث نے الٹا اثر کیا، اُن دشمنوں نے اپنے مذموم مقاصد کے لئے جو بزم آرائیاں کی تھیں وہ عزائے شہداء میں بدل گئیں اور وہ خود سخت ترین شکنجہ ہائے تاریخ میں جکڑے گئے۔

ثانی زہرا کے خطابات کا استحکام دائمی

زینبؓ عالیہ نے چودہ سو سال قبل ایسے درس آموز مواظ بیان فرمائے تھے، یہ سب باتیں آپ نے جاہل و کینہ پرور دشمن کے گوش گزار کی تھیں، حالات بھی ایسے ہی گراں تھے۔ لیکن آج کے روشن خیال مفکر بھی جو اصول اسلام کے داعی ہیں، جب ہم اُن سے اس بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ طاہرہ کی نو نظر خود ہمارے زمانہ کے مفکرین

سے مخاطب ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ سیدہ زینبؓ کی باتیں اپنے اندر ایک دنیا کو سیٹے ہوئے ہیں، یعنی یہ باتیں ہر زمانہ اور ہر قسم کے لوگوں پر صادق آتی ہیں۔ ان کا اثر جاودانی ہے۔ یہ باتیں کسی خاص موقع یا زمانہ کے لئے نہیں ہیں کہ آپؐ کے دنیا سے چلے جانے کے بعد ہی لوگوں کے لئے سبق آموز ہوں۔ آپؐ کا درس پوری نوع انسانی پر محیط ہے، نیک ہوں یا بد۔ انسانیت کا پیکر ہو تو وہ جان لے گا کہ ہر خیانت کا ایک نتیجہ ہوتا ہے اور ہر عمل کا رد عمل، عمل اچھا ہو یا فاسد، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

نئے سال کی بہترین مقبول عام اور کارآمد **فاضل جنتری** عمدہ کاغذ، رنگین دیدہ زیب سرورق اور بہترین چھپائی پر نئے سال (عیسوی، ہجری اور کمری) کی مکمل درست ترین تقویم، نوروز عالم افروز (نہ صرف پاکستانی وقت بلکہ پوری دنیا کے معیاری وقت کے ساتھ) پیشین گوئیاں، دنیاوی حالات، قمر و عترب کا پورے سال کا نقشہ، سیاست عالم، تاریخ سعد و نحس۔ انعام رمضان المبارک، مذہبی، ادبی، معاشی، طبی، عملیات، تعویذات اور دعاؤں کے علاوہ بہت کچھ۔ گھر کے ہر فرد کے لیے (بچوں، جوانوں، بزرگوں اور خواتین) سابقہ تمام جنتریوں سے بہتر جدید تقاضوں سے ہم آہنگ فاضل جنتری ماہ اکتوبر میں شائع ہو جاتی ہے۔ اپنے قریبی بک شال سے اسرار کر کے طلب فرمائیں یا براہ راست ہم سے طلب فرمائیں۔

حسن پہلی کیشنز اردو بازار لاہور، فون: 7223842 کی چند دیگر کتب

قیمت	روشنی	مصنف	نام کتاب
225/-	غلامہ کفایت حسین اور غلامہ رشید ترائی کی مجالس سے انتخاب	غلامہ عابد عسکری	خطابت کے پھول
200/-	مولانا اظہر حسن زیدی کی مجالس سے انتخاب	غلامہ عابد عسکری	شان خطابت
300/-	مصائب کی شہرہ آفاق کتاب	غلامہ محمد علی لکھنوی	بحور الغمہ
175/-	غلل الشرائع سے خوبصورت انتخاب	سید حسن مقبول	فلسفہ احکام
150/-	نہج البلاغہ کے حواشی پر ایک لا جواب کتاب	غلامہ سخاوت سندرالوی	جزیرہ مم و ادب
100/-	جناب بی بی فاطمہؓ کی سوانح حیات مبارکہ	سید حسن مقبول	محسنہ مکانات
350/-	چٹھن پاکت کی شان میں احادیث مبارکہ	محمد فواد عبدالباقی	من قب علی و الحسنین و فاطمہ
135/-	معراج کے حوالے سے تحقیق	علی شیر نقوی	جنت کی سیر (اول)
175/-	معراج کے حوالے سے تحقیق	علی شیر نقوی	جنت کی سیر (دوم)
175/-	خوابوں کی تعبیر	عشرت عباس جعفری	تعبیر الرویا
120/-	امام حق کے خطوط پر مشتمل ایک نایاب کتاب	عشرت عباس جعفری	خطوط حق

۱۔ سیدہ زینبؓ کبریٰ کا کوفہ میں خطاب

ہم گزشتہ صفحات میں محدومہ کوئین جناب زینبؓ کبریٰ کے بازار کوفہ میں خطبہ کی تفصیلات متعدد مؤرخین کے حوالہ جات سے پیش کر چکے ہیں۔ اس خطبہ میں، جو اسیری اہل بیتؑ بعد از شہادت امام حسین علیہ السلام کا پختہ ترین ثبوت ہے، کہیں کہیں لفظی اختلاف ممکن ہے پایا جاتا ہو، جو اس دور کے وقائع نگاروں کی سماعت اور سمجھ بوجھ میں اختلاف کی وجہ سے ہو، تاہم موضوع گفتگو اور اندازِ خطابت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سطور ذیل میں جو متن خطبہ پیش کیا جا رہا ہے وہ مؤلف کتاب جناب ڈاکٹر علی قائمی صاحب کی تحقیق کا نتیجہ ہے، جس کا ترجمہ ہم پیش کر رہے ہیں۔ اس خطبہ کا پیش کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ محترم مؤلف نے خطبہ پر جو تحقیق اور خطبہ کے جو تاثرات تحریر فرمائے ہیں ان کا بیان متن خطبہ کے بغیر موضوع کی تفصیلی تکمیل کا باعث بن جاتا۔ لہذا ہم اپنے قارئین کی خدمت میں عرض پرداز ہیں کہ اس کو واقعات کا فکر خیال نہ فرمائیں۔

آئندہ سطور محدومہ کوئین سلام اللہ علیہا کے خطاب کو پیش کرتی ہیں (مترجم):

اس باب میں سب سے پہلے ہم اپنے موضوع گفتگو کی مطابقت سے ثانی زہراؑ کے خطبہ کا متن پیش کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس خطبہ کی مختصر تشریح بھی قلمبند کریں گے۔

بشیر بن خزم الاسدی (جو اُسی دن کوفہ پہنچا تھا، بازار میں موجود تھا اور اس کے متعلق ہم قبل ازیں لکھ آئے ہیں، مترجم)

کہتا ہے:

”وَنَظَرْتُ إِلَى زَيْنَبَ بِنْتِ عَلِيٍّ يَوْمَئِذٍ“.

”میں نے اُس روز دخترِ علیؑ علیہ السلام حضرت زینبؓ کو دیکھا۔“

”وَلَمْ أَرَحْصِرَةً وَاللَّهِ أَنْطَقُ مِنْهَا“.

”خدا کی قسم! اس دن تک میں نے حضرت زینبؓ سے زیادہ باعفت و باحیا گفتگو کرنے والی کوئی خاتون نہیں دیکھی تھی۔“

”كَانَهَا تَصْرَعُ مِنْ لِسَانِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ“.

”ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپؑ امیر المؤمنین علیؑ ابن ابی طالبؑ کی زبان سے گویا ہیں۔“

”ثُمَّ قَالَتْ“:

”پھر (میں نے عانی زہرا کو دیکھا کہ) اس طرح فرما رہی تھیں“:

”الْحَمْدُ لِلَّهِ“

”تمام حمد و ثناء اللہ تعالیٰ (کی ذاتِ اقدس) کے لئے مخصوص ہے۔“

”وَالصَّلَاةُ عَلَى أَبِي مُحَمَّدٍ“

”دروودِ رحمت پروردگار ہو میرے پدربزرگوار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر“

”وَالِإِلَهِ الطَّيِّبِينَ الْأَخْيَارِ“

”اور اُن کے پاک خاندان پر جو (دنیا میں) ممتاز افراد ہیں۔“

”أَمَّا بَعْدُ يَا أَهْلَ الْكُوفَةِ“

”حجرِ پروردگار کے بعد اے کوفہ کے رہنے والو!“

”يَا أَهْلَ الْخَيْلِ (الْخَيْرِ) وَالْغُذْرِ (وَالْخِذَاءِ)“

”اے وہ لوگو جو کمر و فریب و دھوکہ کے خوگر اور بے ہودہ گوئی کے عادی ہو!“

”أَتَبْكُونَ؟“

”کیا تم (ہمارے مصائب پر) گریہ کناں ہو؟“

”فَلَا رَقَاتِ الدُّمْعَةِ (الْعَبْرَةِ)“

”کاش تمہاری آنکھیں کبھی آنسوؤں سے خشک نہ ہونے پائیں!“

”وَلَا هَذَاتِ الرَّئِيَةِ“

”تمہارے اشک و آہ کبھی ختم نہ ہوں!“

”وَأَنَّمَا مَثَلُكُمْ كَمَثَلِ الْيَتَى“

”یقیناً تمہاری داستان ایسی ہے جیسی اُس نادان عورت کی تھی“

”نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا“

”جس نے اپنے رشتہ و تعلق کو استوار کرنے کے بعد توڑ ڈالا“

”تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ“

”تم نے بھی (ہمارے ساتھ) اپنے رشتہ کو مضبوط باندھنے کے بعد توڑ دیا“

”أَلَا وَهَلْ فِيكُمْ إِلَّا الصُّلْفُ وَالشَّنْفُ وَالنُّطْفُ“

”کیا تم میں فساد و خوشامد و خود بینی و نخوت و تکبر کے علاوہ بھی کوئی چیز ہے؟“

”وَالصُّدْرُ وَالشَّفْ“

”تم جاہلیت کے اخلاق و صفات کی طرف پلٹ گئے ہو“

”وَمَلَقَ الْإِمَاءِ وَعَمَزُ الْأَعْدَاءِ“

”تمہارے کردار میں اب کنیز زادوں کی طرح چا پلوسی اور دشمنانِ دین کے نخرے اٹھانے کے سوا اور کچھ نہیں۔“

”وَهَلْ أَنْتُمْ إِلَّا كَمَرَعَىٰ عَلَىٰ دِمْنَةٍ“

”کیا تم اُس گھاس کی طرح نہیں ہو جو کوڑے کے ڈھیر پر اُگتی ہے؟“

”أَوْ كَفِصَةٍ عَلَىٰ مَلْحُودَةٍ“

”یا تم اس کے سوا کچھ نہیں گویا چاندی کی کان مٹی میں چھپی ہوئی ہو۔“

”أَلَا سَاءَ مَا قَدَّمْتُمْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ“

”آگاہ رہو اور جان لو کہ تم نے خود اپنے لئے بد بختی فراہم کی ہے۔“

”إِنْ سَخَطَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ“

”مطمئن رہو کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب و شدت غضب تم پر آچکا ہے“

”وَفِي الْعَذَابِ أَنْتُمْ خَالِدُونَ“

”اور تم اب عذابِ خداوندی میں مستحلاً گرفتار رہو گے۔“

”أَتَبْكُونَ وَتُحِبُّونَ“

”کیا تم ہمارے عزیزوں کو قتل کرنے کے بعد اب روتے ہو؟“

”أَيُّ وَاللّٰهِ (اَنْكُمُ اَحَرُ يَاءُ بِالْبُكَاءِ)“

”یقیناً، خدا کی قسم! تمہیں رونا ہی چاہئے،“

”فَابْكُوا كَثِيرًا وَاضْحَكُوا قَلِيلًا“

”پس تم زیادہ روؤ اور کم ہنسو!“

”فَلَقَدْ دَهَبْتُمْ بَعَارِهَا وَثَنَارِهَا“

”تم نے اپنے لئے ننگ و عار خرید کیا اور اپنے دامن میں ننگ و عار کا پیوند لگایا،“

”وَلَنْ تُرْحَضُوا بِغُسْلِ بَعْدِهَا أَبَدًا“

”ایک ایسا پیوند وہ ہے کہ جس کو اپنے دامن سے دھوؤ الٹا تمہارے لئے ہرگز ممکن نہیں۔“

”وَأَنِّي تُرْحَضُونَ قَتْلَ سَلِيلِ خَاتِمِ النَّبُوَّةِ“

”تم سے کیسے ممکن ہے کہ خاتم النبیین کے خاندان کے قتل کے جرم کو اپنے سے جدا کر سکو!“

”وَمُعْدِنِ الرِّسَالَةِ“

”وہ پیغمبر جو رسالت کی جان اور عظیم ترین رسالت کے معدن ہیں،“

”وَسَيِّدِ شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ“

”اور (قتل حسین) جو جوانانِ اہل بہشت کے سردار ہیں“

”وَمَلَادِ دَخِيرَتِكُمْ (وَمَنَارِ مَحَبَّتِكُمْ)“

”تم نے اُسے قتل کیا جو تمہارے لئے پناہ اور تمہاری ہدایت کا چراغ تھا،“

”وَمَفْزَعِ (مَفْرَجِ) نَارِ لَيْتِكُمْ“

”جو تمہارے لئے بلا و مصیبت کے طوفانوں میں تمہاری اعانت و سکون کا منبع تھا،“

”وَمَنَارِ حُبِّتِكُمْ“

”وہ تمہارے لئے روشنی بخشنے والا چراغ اور تم پر اللہ تعالیٰ کی حجت تھا،“

”وَمَدْرَةِ سُنَّتِكُمْ“

”وہ تمہارے لئے سنتوں کا مرکز و محل ہے۔“

”أَلَا سَاءَ مَا تَزِدُّونَ“

”جان لو کہ تمہارا جرم بہت سنگین ہے۔“

”وَبُعْدًا لَكُمْ وَسُحْقًا (فَتَعَاوَنُكَ)“

”(خدا کرے) تم خیر و سعادت سے محروم رہو،“

”فَلَقَدْ خَابَ السَّعْيُ“

”تمہاری کوششیں بے نتیجہ ثابت ہوں،“

”وَتَبَّتْ الْآيْدِي“

”تمہارے ہاتھ کٹ جائیں،“

”وَأَخِيرَ الصَّفْقَةَ“

”اس گناہِ عظیم و شدید نقصان سے دوچار ہو۔“

”وَبُؤْتُمْ بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ“

”تم نے اپنے آپ کو غضبِ الہی کا مستحق قرار دیا۔“

”وَضُرِبَتْ عَلَيْكُمُ الدِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ“

”ذلت و شکست کے تازیانے ہمیشہ تمہارے سروں پر پڑتے رہیں گے۔“

”لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِذَا“

”تم نے بدترین کام انجام دیا“

”تَكَادُ السَّمَوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ“

”جس کے باعث خوف ہے کہ آسمانوں میں شگاف پڑ جائیں،“

”وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخْرُ الْجِبَالُ هَدًّا“

”زمین پھٹ جائے اور پہاڑ اس میں سما جائیں۔“

”وَيَلِكُمْ يَا أَهْلَ الْكُوفَةِ“

”اے ال کوفہ! وائے ہو تم پر!“

”اتَذَرُونَ أَيْ كَبِدِ لِرَسُولِ اللَّهِ فَرِيْتُمْ“

”کیا تم جانتے ہو تم نے رسول خدا کے جگر کو زخمی کیا؟“

”وَأَيَّ كَرِيْمَةٍ لَهُ أَبْرَزْتُمْ“

”تم نے کس طرح ان کی ہیک حرمت کی؟“

”وَأَيَّ دَمٍ لَهُ سَفَكْتُمْ“

”کیسے تم نے اُن کا خون بہایا؟“

”وَلَقَدْ جِئْتُمْ بِهَا صُلْعَاءَ غُنُقَاءَ“

”کس طرح تم نے اُن کے پردہ حرمت کو پھاڑ ڈالا؟“

”سَوْدَاءَ فَقْمَاءَ“

”تم ایک بہت بڑے گناہ اور جرم کے مرتکب ہوئے ہو،“

”خَرْقَاءَ شَوْهَاءَ“

”پریشان و حیران کن،“

”كَطْلَاعِ الْأَرْضِ“

”ایسے گناہ جنہوں نے زمین کو بھر دیا،“

”أَوْ مِلَاءِ السَّمَاءِ“

”جو آسمان پر چھا گئے اور اسے تاریک کر دیا۔“

”أَفَعَجِبْتُمْ إِنْ مَطَرَتِ السَّمَاءُ دَمًا“

”اگر اس غم میں آسمان سے خون برسنے لگے تو کیا تم تعجب کرو گے؟“

”وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَى“

”پھر بھی عذابِ خدا آخرت میں سخت تر اور ذلت آور ہوگا۔“

”وَأَنْتُمْ لَا تَنْصِرُونَ“

”اُس دن کوئی تمہاری مدد کیلئے نہیں اٹھے گا۔“

”فَلَا يَسْتَخَفُّكُمْ الْمَهْلُ“

”تمہارے عذاب میں اللہ نے جو تمہیں مہلت دی ہے اُس سے یہ نہ سمجھو کہ اُس نے تمہارے گناہوں کو چھوٹا جانا ہے“

”فَإِنَّهُ لَا تَحْفِزُهُ الْمُبَادِرَةُ“

”کیونکہ اللہ تعالیٰ سزا دینے کیلئے جلدی و تیز اقدام نہیں کرتا۔“

”وَلَا يَخَافُ فَوْتُ الثَّارِ“

”اس بات میں اُسے (اللہ کو) کوئی حرج نہیں کہ خونِ مظلوم کے انتقام میں تاخیر فرمائے،“

”كَلَّا إِنَّ رَبَّكَ وَلَهُمُ الْبَأْسُ“

”تاہم اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے لئے قریب اور اُن کی گھات میں ہے۔“

(اس خطبہ کیلئے ان کتب سے استفادہ کیا گیا: بلاغات النساء، ص ۱۲۳، لہوف، اعلام النساء، تاریخ طبری، ج ۷، متن و

الفاظ میں البتہ کہیں کہیں معمولی اختلاف ہے، جس کی وجہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ ملاحظہ ہو تبصرہ مترجم جو ابتدائے خطبہ میں پیش کیا گیا ہے)۔

۲۔ خطبہ کے اہم نکات (اور ان کی تفصیل)

اس کتاب میں جہاں تک آپ ملاحظہ فرمائیں گے، ہم نے خصوصیت کے ساتھ اختصار کو مد نظر رکھا ہے۔ ہماری توجہ اور خواہش اس امر کی طرف رہی ہے کہ کتاب کے ابواب اور عناوین کو اس طرح ترتیب دیں کہ ہر باب و عنوان مستقبل کے محققین کیلئے بحث و تحقیق کی دعوت مہیا کرے اور اس طرح متعلقہ حضرات مفکرین پروردہائے ذوق و فکر کھلتے چلے جائیں۔

ثانی زہر اسلام اللہ علیہا کے خطبہ کے راویوں میں ایک نام خزیمرہ اسدی کا ملتا ہے (جس کا سب مؤرخین نے ذکر کیا ہے)۔ وہ کہتا ہے کہ میں ۱۶ھ میں کوفہ میں وارد ہوا۔ میری کوفہ کی آمد کا زمانہ اتفاق سے وہی تھا جب اسیران آل رسول پاک کوفہ میں وارد ہو رہے تھے۔ اُن اسیروں کے درمیان میں نے ثانی زہر کو دیکھا۔ خدا کی قسم! میں نے اُس دن سے پہلے ایسی

نجیب وصاحب حیا و پردہ دار و عقیف اور ایسی گفتگو کرنے والی کوئی خاتون کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس قدر شجاعانہ گفتگو کر رہی تھیں گویا اپنے دہن مبارک میں زبان علی رکھتی ہوں (بلاغات النساء، ص 13)۔

اسیروں کا قافلہ کوفہ میں داخل ہوا۔ یہ قافلہ پانچ حصوں پر منقسم تھا جن کو اس طرح ترتیب دی گئی تھی:

1- طبل بجانے والے اور باجوں والے آگے آگے تھے جو ہمیشہ کسی لشکر کی شان و شوکت کے مظہر ہوتے ہیں۔ یہ بات عربوں کی رسومات کے عین مطابق تھی۔

2- اُن کے بعد سرہائے شہدائے کربلا آئے جو نیزوں پر نصب تھے اور ہر نیزہ ایک فوجی سوار کے ہاتھ میں تھا۔

3- اُن کے بعد اسیر جو خواتین و بچگان پر مشتمل تھے اور انہیں میں امام سید الساجدین علیہ السلام بھی نظر آرہے تھے۔

4- اُن کے بعد عمر ابن سعد جیسے افسران و امراء جو عبید اللہ ابن زیاد کی طرف سے واقعہ کربلا کے انعقاد اور سید الشہداء اور اُن کے اصحاب کے قتل کے ذمہ دار تھے۔

5- عمر ابن سعد کے لشکر کے سردار و سالار جو بڑے خود مردان میدان اور جرأت مندی کے داعی ہوتے ہوئے یہ سمجھتے تھے کہ وہ امام حسین علیہ السلام اور اُن کے انصاران کی شہادت کو سرانجام دینے میں پیش پیش تھے (زندگانی امام حسین، ج 2، ص 708)۔

آغازِ خطبہ ثانی زہر اسلام اللہ علیہا

قیدی کوفہ میں داخل ہوئے۔ حاکم کوفہ ابن زیاد چاہتا تھا کہ اپنی اس عظیم فتح و کامیابی کی نمائش سے عوام الناس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائے اور اُن کے سامنے اپنے غرور و نخوت و تکبر کا مظاہرہ کرے۔ اس واقعہ کے حوالہ سے مخالفین حکومت پر یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ جب حسین جیسا شخص جو فرزند رسول خدا تھا، ایسے حالات سے دوچار کیا جاسکتا ہے تو دوسروں کے ساتھ جو کچھ ہو سکتا ہے وہ روزِ روشن کی طرح ظاہر و آشکار ہونا چاہئے۔

کوچہ بازار اور مکانوں کی چھتوں پر عورتیں اور مرد ہزاروں کی تعداد میں تماشہ دیکھنے کیلئے جمع تھے۔ یہ لوگ شور و غوغا کرنے میں مصروف تھے اور اپنی خوشی و مسرت کا اظہار کر رہے تھے۔ یہ سلسلہ مستقل طور پر جاری تھا، لوگ شور و غوغا اور سرور و فرح میں مشغول تھے کہ اسیروں کا قافلہ وسطِ شہر میں آن پہنچا۔

اُس وقت ثانی زہر اسلام اللہ علیہا نے انہیں اپنی انگلی سے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ یہ شور و غوغا کس

طرح یک لخت خاموشی میں بدل گیا۔ جس کی انتہا یہ تھی کہ، وقائع نگاروں کے بیان کے مطابق، سینوں میں سانس بند ہونا شروع ہو گئے، حتیٰ کہ اونٹوں کی گھنٹیاں تک آواز نہ دیتی تھیں (چہرہ خونین امام حسین علیہ السلام)۔

ثانی زہراؑ نے اپنی گفتگو شروع فرمائی۔ آپؑ کے خطبہ کی تشریح، جملہ نکات کی شرح اور عمیق مطالب کے بیان کے لئے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے کیونکہ یہ مختصر سا خطبہ ایسے مسائل و مواعظ پر مشتمل تھا جو بہت زیادہ تشریح طلب ہیں۔ شہزادی کے کلام کی بلاغت اس نوعیت کی حامل تھی کہ اُن کی شرح و تفصیل اس مختصر کتاب میں کسی طرح ممکن نہیں۔

خطبہ کی ابتداء

خطبہ کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء سے ہوتی ہے اور اسی سے ثانی زہراؑ کا خون و گوشت و روح مرکب ہیں۔ اپنا تعارف بطور اولادِ رسولِ پاکؐ کرواتی ہیں جس کیلئے محمدؐ و آلِ محمدؐ پر رحمت و درود کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ یہ حقائق بذاتِ خود بے خبر لوگوں کو ہوشیار کرنے کے لئے کافی ہیں جس سے اُن کی سماعت میں تیزی آتی ہے اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ یہ خاتون کہہ کیا رہی ہے! کیا یہ خاتون واقعی خاندانِ رسولِ پاکؐ کی ایک فرد ہے؟

اس کے بعد لوگوں کی سرزنش اور توہین شروع ہوتی ہے اور اُن کا تعارف مکر و حیلہ و فریب کرنے والوں کے طور پر کرایا جاتا ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے بے انتہا مکر و فریب کے ذریعہ امام حسین علیہ السلام کو اپنے پاس آنے کی دعوت دی تھی جس کے بعد امامؑ کے بالمقابل جنگ کرنے کے لئے صفِ آراء ہوئے تھے۔ ایسا کرنے کیلئے کیا کسی دشمن نے انہیں فریب دیا تھا؟ اگر ایسا تھا تو وہ کیوں اُس کے فریب میں آ گئے؟ کیا کسی دشمن نے ان لوگوں سے جھوٹ بولا تھا، تو انہوں نے اس کے جھوٹ، دھوکہ اور جبر کو کیوں قبول کیا؟ اس سلسلہ میں اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ ظالم اور ایسے ظلم کو قبول کر کے اقدام کرنے والے ”مظلم“ دونوں آتشِ دوزخ میں ہوں گے۔

گفتگو سننے والے جو لوگ جذبات و هیجانات کی شدت سے رونے لگے تھے، ان کو شہزادی نے مزید موردِ سرزنش قرار دیا اور فرمایا کہ اب تم روتے ہو؟ کیا اب یہ تمہارے رونے کا موقع ہے؟ سوائے اس کے نہیں کہ تمہارے قوی و باہمت لوگ ہمت سے عاری ہو گئے، تمہارے باعزت افراد نے اپنی عزت و مقام سے سید الشہداء علیہ السلام اور اُن کے باوفا انصار ان کی کوئی مدد نہ کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حسینؑ شہید کر ڈالے گئے۔ اب تمہاری گریہ و زاری کس کیلئے ہو سکتی ہے اور اس کا کیا فائدہ؟

یہی وجہ ہے کہ کوفہ والے اس بوڑھی عورت کی مانند ہیں جس نے اپنے دھاگے بہت محکم و مضبوط بنائے، دن بھر یہی کرتی

رہی اور رات کو خود اپنے ہی ہاتھوں انہیں کھول کر پریشان کر دیا۔ کوفہ والوں نے بھی اسی طرح اپنے معاہدہ و پیمانات کو محکم و استوار کیا اور پھر بہت جلد ان کو شکستہ کر دیا۔ لہذا کوفہ والو! تمہارا رونا مکاری کا رونا ہے، خوشامد و چالپوسی ہے اور اس کے ذریعہ اب تم اپنے جرائم سے بری ہونا چاہتے ہو۔

خطبہ میں آپ لوگوں کو خبردار کر رہی ہیں کہ انہوں نے اپنے لئے برائی کی بنیاد رکھ لی ہے، اپنے لئے بُری روایات و طریق کار ایجاد کئے ہیں، اپنے لئے ننگ و بے عزتی خرید لی ہے، ہرگز جس کے داغ اُن کے دامن سے دھل نہ سکیں گے۔ اسی لئے تم رونے میں مصروف ہو، تمہیں آنسو بہانا ہی چاہئے۔ اس لئے کہ نسلِ رسولِ پاک کے قتل کے داغِ ندامت کو اپنے دامنوں اور اپنے معاشرہ سے تم ہرگز کسی طرح ہٹا نہیں سکتے۔

مسئلہ حکومت

ثانی زہرا سلام اللہ علیہا اپنے خطبہ میں سننے والوں کو متنبہ فرما رہی ہیں کہ ہر شخص حکومت کا اہل نہیں۔ امت کی رہنمائی ایسے شخص کے ہاتھ میں ہونا لازم ہے جو لوگوں میں سر بلندی کا حامل ہو، اُن میں راستبازی و صلح جوئی اور اُن کی بہتری کا آرزو مند ہو، اُس کی رائے پختہ و قاطع ہو جس کا انحصار منطق کے اصولوں سے مطابقت پر ہو اور وہ مسلک و طریقِ ہدایت میں مقامِ رہبری کا مالک ہو۔

شہزادی نے برملا اور صاف و واضح الفاظ میں اظہار فرمایا کہ موجودہ حکومت کے افراد فاسد اور اہلِ مکرو فریب ہیں۔ بظاہر اچھے دکھائی دیتے ہیں لیکن اندرونی طور پر ہر طرح فاسد و ظالم ہیں۔ مخدومہ نے کوشش کی کہ واشگاف الفاظ میں اُن کے عظیم مفسدہ یعنی قتلِ اولادِ رسولِ پاک کو آشکار کر دیں۔ یہ گفتگو عوام الناس کے لئے نصیحت اور درد مند قلوب رکھنے والوں کے دلوں کا مرہم ثابت ہو رہی تھی۔ آپؑ نے بتایا کہ حاکم کو عوام الناس کے لئے پناہ گاہ ہونا چاہئے اور حسینؑ سے زیادہ کون عوام کی پناہ گاہ ہو سکتا تھا! حاکم کو چاہئے کہ ابتلاء و مصیبت کے وقت لوگوں کی دادرسی کرے اور حسینؑ سے بہتر اس مقام کا سزاوار کون ہو سکتا تھا! حاکم کے لئے لازم ہے کہ لوگوں کیلئے ہدایت کا چراغ، اُن پر اللہ کی حجت اور اُن میں سنتِ رسولِ مکرّمؐ کرنے والا پشت پناہ ہو اور سید الشہداء حسین علیہ السلام ہی ان اوصاف کے مطلقاً حامل تھے۔

ثانی زہراؑ انہیں سرزنش کرتی ہیں کہ انہوں نے اہلِ جنت کے جوانوں کے سردار کو قتل کیا ہے۔ اس طرح انہوں نے اپنے درمیان سے پناہ و ہدایت کو برطرف کر کے اپنا عظیم ترین ناقابلِ تلافی نقصان کیا ہے۔ یہ نقصان اتنا بڑا اور مصیبت اتنی عظیم ہے

کہ اس کیلئے اگر آسمان سے خون کی بارش ہو تو یہ سزاوار ہوگا۔ حاکم برحق جناب سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کو قتل کرنے کا ان کا گناہ، یعنی حکومت اسلامی کے زلزل کا جرم بہت زیادہ تاریک، اندوہ گیس اور ظلمت انگیز ہے۔

خطبہ کی اہمیت

زینبؓ عالیہ کا خطبہ مختلف جہات سے اہمیت کا حامل ہے۔ درج ذیل وجوہات کی بنا پر یہ خطبہ خاص اہمیت رکھتا ہے:

اول: خطبہ ایک اسیر خاتون کا ہے اور ایک خونخوار دشمن کے رو برو دیا جا رہا ہے۔

دوم: خطبہ اپنے اندر ایسے مطالب کو لئے ہوئے ہے کہ اسیر بچے اور خواتین واقعات کی فاحشیت سے زیادہ سے زیادہ واقفیت حاصل کریں۔

سوم: ایسے حقائق کی طرف متوجہ کرنا لازم ہے کہ اسیران اہل بیتؑ کے گرد نئے افراد دشمن جمع ہو کر ان کیلئے ظلم و ضرب و شتم ایجاد نہ کرنے پائیں۔

چہارم: یہ باتیں ایک ایسی خاتون کے دہن مبارک سے نکل رہی ہیں جو مصیبت زدہ ہے اور اپنے عزیزوں کی شہادت کے داغ اپنے دل پر لئے ہوئے ہے۔

پنجم: سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کا سر بریدہ، دیگر اعضاء کے سر ہائے مظلوم کے ہمراہ ان کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ انہیں دیکھ رہی ہیں جس سے شہزادی کا غم اور تازہ ہو رہا ہے۔

ثانی زہراؓ کا یہ خطبہ ادبی اعتبار سے بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس میں ایسے استعارات استعمال کئے گئے ہیں جو سیدہ زینبؓ کی عظیم فصاحت و بلاغت کی نشاندہی کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ثانی زہراؓ کے اس خطبہ اور آپؑ کے دیگر خطبات کے علاوہ آپؑ کی کوئی اور بات زینتِ تاریخ نہ بھی ہوتی تو یہ خطبات ہی آپؑ کی استعدادِ علم و ادب کی عظمت کے اظہار و ثبوت کے لئے کافی تھے۔

ذرا آپ اس بات پر غور کریں:

”وَمَلِئَ الْاِمَاءُ، وَ غَمَزُ الْاَعْدَاءِ، اَوْ كَمَرَعَى عَلٰی دِمْنَةٍ“.

اس گفتگو میں، جس کا ترجمہ سابقہ صفحات میں مندرج خطبہ میں پیش کیا جا چکا ہے، آپؑ واضح کر رہی ہیں کہ یہ حکومت اس کنیز کی عشوہ گری کی طرح فریب کا رہے جو اپنے سینہ پر تباہ کن رنگارنگ نشانات سجاتی ہے جن کے پیچھے لوگوں کی بے جا

ستائش و تعریف پوشیدہ ہوتی ہے۔ وہ کینہ، چالپوسی، خوشامد اور ہرزہ سرائی کے ہتھیاروں سے اپنے آپ کو آراستہ کر کے اپنے ناز و نخرہ اور خود نمائی کا سہارا لیتی ہے۔

کوفہ اور زینبؓ عالیہ

یہاں نامناسب ہوگا اگر ہم کوفہ میں ثانی زہرا کی اہمیت کے بارے میں بات نہ کریں۔ کوفہ کے لوگ حضرت علیؓ اور آپؐ کے خاندان کو پہچانتے تھے۔ حضرت علیؓ علیہ السلام یہاں حکمران رہے تھے اور آپؐ کے فرزند اس شہر میں مناصب جلیلہ پر فائز خدمت عوام الناس دے چکے تھے۔ ابھی امیر المؤمنین علیہ السلام کی اذان کی آواز، جو مسجد کوفہ سے بلند ہوا کرتی تھی، لوگوں کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ کوفہ کی عورتوں کو ابھی تک ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کے درس اور آپؐ کی مجالس یاد تھیں۔

امیر المؤمنین علیہ السلام کی حکومت سے لے کر اسیری دختران علیؓ تک ابھی بیس سال سے زیادہ کا عرصہ نہیں گزرا تھا۔ لہذا کوفہ کے مرد و زن، بالخصوص وہ لوگ جن کی عمر بیس سال سے متجاوز تھی، جنہوں نے حضرت علیؓ کو دیکھا تھا، یادہ عورتیں جنہوں نے کم و بیش اپنے لڑکپن کے زمانہ میں سیدہ زینبؓ عالیہ کو دیکھا تھا، ان کی عظمت و جلال اور فقر و دردمند افراد کے ساتھ اُن کی ہم نشینی و سلوک سے ہر طرح واقف و مطلع تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب وہ اس حقیقت سے آشنا ہوئے کہ قیدی علیؓ کے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں تو بہت زیادہ غری حیرت و استعجاب ہوئے۔ اُن لوگوں پر بے اختیار رقت طاری ہونے لگی، گریہ و اشک ریزی میں مبتلا ہوئے اور ہر طرف سے نالہ و فریاد کی صدائیں بلند ہونے لگیں.....

یوں سمجھیں کہ بازار کوفہ کی تعطیل و آرائش کے دوران ثانی، زہرا نے ایک اور بازار کی بنیاد رکھی، اُس بازار میں اپنی متاع کو پیش کیا، اپنی متاع کے بے شمار خریدار جمع کئے جن میں ہر شخص اپنا سر پینٹا اور اپنے ہاتھ کاٹا تھا۔ دختر سیدہ کی باتوں سے انہیں احساس ہوا کہ وہ کس جرم کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اس طرح اُن یتیموں اور قیدیوں کو دیکھ کر اُن کے قلوب میں حضرت علیؓ اور اُن کے خاندان کی محبت جوش مارنے لگی جبکہ یہ مظاہرہ کرنے والے خود اپنے خاندانوں کے سربراہ و رئیس تھے۔

خطبہ کا اثر

یہ باتیں اُن کے دلوں سے نکل رہی تھیں اور قلوب و اذہان میں راسخ ہو رہی تھیں۔ ایک بوڑھا شخص جو ثانی زہرا کی گفتگو سن رہا تھا، آنسو بہاتے ہوئے، گریہ کنناں، کہہ رہا تھا:

”بَابِي أَنْتُمْ وَأُمِّي كُھُولُكُمْ خَيْرُ الْكُھُولِ وَشَبَابُكُمْ خَيْرُ الشَّبَابِ وَنِسَائِكُمْ خَيْرُ

النِّسَاءِ وَنَسْلُكُمْ خَيْرُ النَّسْلِ لَا يُخْزِي وَلَا يَنْزِي“ (لہوف، ص 88)۔

”میرے باپ اور ماں تم پر قربان! تمہارے بوڑھے بہترین بوڑھے ہیں، تمہارے جوان بہترین جوان ہیں، تمہاری خواتین بہترین خواتین ہیں، تمہارے خاندان کی نسل بہترین نسل ہے اور تم کبھی کسی حالت میں شکست و ریخت سے دوچار نہ ہو گے۔“

ایک اور شخص جو یہ سب کچھ دیکھ اور سن رہا تھا، اس طرح گویا ہوا:

”قَوَّ اللَّهُ لَقَدْ رَأَيْتُ النَّاسَ يَوْمَئِذٍ حَيَارَىٰ يَتُكُونُونَ وَوَضَعُوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ....“

”خدا کی قسم! میں نے لوگوں کو دیکھا کہ حیران و مبہوت ہو کر تنہائی میں رو رہے ہیں، اپنے ہاتھوں کو منہ پر رکھے ہوئے آنسو بہا رہے ہیں....“ (لہوف: ص 68)۔

ایک عورت نے گھر کی چھت سے ایک قیدی سے پوچھا کہ تم کس خاندان سے ہو؟ ”مِنْ أَيْ الْأَسَارَى الْأُنثَى؟“

اُسے جواب ملا:

”نَحْنُ أَسَارَى آلِ مُحَمَّدٍ!“

”ہم اسیرانِ خاندانِ محمد مصطفیٰ ہیں۔“ (لہوف: ص 85)

ان تمام باتوں سے عثانی زہرا نے کوفہ میں انقلاب برپا کر دیا۔

۴۔ دربارِ عبید اللہ ابنِ زیاد ملعون

عبید اللہ ابنِ زیاد ملعون نے شہداء کے سر ہائے بریدہ اپنے سامنے منگوائے، شکوہ و جلال کا پیکر بن کر خود تخت پر بیٹھا اور قیدیوں کو دیکھنے کی تیاری کی۔ عثانی زہرا سلام اللہ علیہا کو بھی دیگر تمام اسیروں کے ہمراہ اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ شہزادی بہت سادہ و کم قیمت لباس میں ایک فردِ نادانِ واقف کی مانند وارد ہوئیں۔ شاید چاہتی تھیں کہ پہچانی نہ جاسکیں (طبری: ج 7)۔ قصر کے ایک گوشہ میں تشریف فرما ہوئیں 1۔ یہ وہ مقام تھا جہاں پانچ سال آپ کے والدِ گرامی امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام سریرِ آرائے حکومت رہے تھے۔

1۔ بازارِ کوفہ میں تشہیر کے بعد قیدی دربارِ ابنِ زیاد میں لائے گئے۔ اس سلسلہ کے واقعات کے بیان میں بعض حضرات نے لکھا ہے: ”اس موقع پر حضرت علی ابن ابی طالب کی بڑی بیٹی جنابِ زینب نے لباس میں تبدیلی کر لی تھی۔ خصوصیت کے ساتھ (جاری)

ابن زیاد نے اپنے زعمِ باطل میں اپنے رعب و جلال کے مظاہرہ کے لئے دربار آراستہ کیا تھا۔ سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کو شہید کرنے اور ان کے اہل بیتؑ کو قید کرنے میں اسے اپنی شان و شوکت نظر آ رہی تھی۔ اپنے اس عمل و کارنامہ پر وہ بہت خوش تھا۔ اس اعتبار سے اس کا زعمِ باطل کچھ غلط نہ تھا کہ وہ اسیرانِ اہل بیتؑ کی خستگی و بے چارگی کے مظاہرہ سے اپنی عظمت کو ظاہر کر سکے گا۔ اسی لئے وہ منتظر تھا کہ اسیرانِ اہل بیتؑ اس کے سامنے پیش ہو کر اس کی تعظیم بجالائیں گے۔ لیکن حقیقت اس کی تمام توقعات کے برعکس نکلی۔ امیر المؤمنین علیہ السلام کی عظیم صاحبزادی اپنے مخصوص وقار و شکوہ و جلال کے ساتھ ابن زیاد ملعون کی اجازت کے بغیر ایک گوشہ دربار میں بالکل خاموشی کے ساتھ تشریف فرما ہوئیں۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

بہت پست اور معمولی درجہ کے کپڑے پہن لئے تھے۔ کربلا میں خيامِ اہل حرم کی غارت گری کے موقعہ پر ہم نے قاری کے حافظہ کو بیدار رکھنا چاہا ہے تاکہ وہ یہ نوٹ کر لے کہ اہل بیتؑ کا سب کچھ لوٹ لیا گیا تھا۔ سروں پر چادریں تک نہیں چھوڑی گئی تھیں تاکہ اس طرح کی عبارت سے کوئی کاہل ذہن یہ نتیجہ نہ نکالے کہ غارت گری خيام کی حکایت بے اصل ہے۔ کوفہ میں اہل بیتؑ کے پاس اتنے کپڑے کہاں تھے کہ ثانی زہراؑ نے کپڑے بدلے اور قصداً معمولی لباس پہنا۔ یا تو پرانے مآخذ میں اس عبارت میں کوئی تحریف و تصحیف ہو گئی ہے..... یا بعض کتابوں میں یہ عبارت قصداً ترک کر دی گئی ہے، بعض میں کچھ لفظ بدلے ہوئے ہیں..... غارتگری (خيامِ اہل بیتؑ) کی شہرت، اموی ماحول، علوی وفاطمی ماحول، آزاد ماحول، نیز تاریخ و شعر و ادب کی دنیا میں یہ بات بازیابی پا چکی ہے۔ ایک مشتبہ عبارت سے غارتگری کے واقعہ سے دست بردار نہیں ہوا جاسکتا۔ اب دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں: یا تو تبدیلی لباس کے مآخذ میں متن و سند کی تنقید کی جائے اور اس کی صحت سے انکار کیا جائے؛ یا عبارت میں تحریف و تصحیف کو مانا جائے یا یہ کہا جائے کہ بے شک کربلا میں اہل بیتؑ کا سب کچھ لوٹ گیا تھا اور کچھ بھی ان کے پاس باقی نہیں بچا تھا کہ ثانی زہراؑ کوفہ میں دربارِ ابن زیاد میں جانے سے پہلے لباس بدلتیں اور اچھے لباس کو ترک کر کے معمولی لباس اختیار کرتیں بلکہ کوفہ میں بعض صاحبِ دل خواتین نے اہل بیتؑ کی بے چارگی و بے پردگی کو دیکھ کر کچھ کپڑے دیئے تھے۔

”اگر لباس کی تبدیلی کے بیان کے ساتھ کوفہ میں بعض خواتین کے لباس کے تحفہ کا بیان شامل کر لیا جائے تو غارتگری کی مسئلہ روایت سے اس کا تصادم نہیں ہوتا اور تبدیلی لباس کی روایت کو بھی قبول کیا جاسکتا ہے۔“ (مقدمہ ڈاکٹر سید مجتبیٰ حسن کامون پوری، ص ۳۲، ۳۳، رضا کار، شریکۃ الحسین نمبر ۱۳۶ھ)۔

مترجم کتاب عرض پرداز ہے کہ ثانی زہراؑ کے تبدیلی لباس کی روایت کسی طرح بھی اصولی روایت پر پوری نہیں اترتی۔ غارتگری خيامِ اہل بیتؑ کے دوران کوئی چیز ان کے پاس باقی نہ چھوڑی گئی تھی یہاں تک کہ بیمار کربلا امام زین العابدین علیہ السلام عالم (جاری)

ثانی زہرا کا آمادہ بہ گفتگو ہونا

اس سکوت و خاموشی میں چند دقیقہ سے زیادہ کا وقفہ نہیں جب حاضرین دربار کے مابین کوئی گفتگو نہ ہوئی۔ آخر مجبور ہو کر ابن زیاد ملعون نے پوچھا کہ یہ خاتون جس کو گھیرے میں لے رکھا ہے، کون ہے؟ کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ یہ سوال دو تین بار دہرایا گیا لیکن سننے والوں نے مکمل بے اعتنائی اختیار رکھی۔ آخر کار مجبور ہو کر عمر ابن سعد نے جواب دیا کہ یہ زینبؓ دختر حضرت علی علیہ السلام ہیں۔

ابن زیاد بولا: ”خدا کا شکر ہے جس نے تمہیں رسوا کیا، قتل کیا اور تمہارے وحی والہام کے دعووں کو جھوٹ ثابت کیا۔“
ثانی زہرا سلام اللہ علیہا نے ایسی کیفیت کے ساتھ کہ آپ کی آنکھوں سے حقارت برس رہی تھی، ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے اپنے رسولؐ پاک کے ذریعہ ہمیں عزت بخشی اور ہم سے ہر قسم کی پلیدی ورجس کو دور رکھا۔ صرف فاسق ہی ذلیل و رسوا ہوتا ہے، وہ فاجر ہوتا ہے جو جھوٹ بولتا ہے اور وہ ہمارا غیر (یعنی تو) ہے، الحمد للہ۔“

ابن زیاد ملعون کو اس قسم کے جواب کی توقع نہ تھی جس نے اسے ہلا کر رکھ دیا۔ اُس نے چاہا کہ زینبؓ عالیہ کی اس حق گوئی کو روکے۔ چنانچہ اُس نے پوچھا: ”تم نے اپنے خاندان کے بارے میں اللہ کے اس عمل کو کیسا پایا؟“
ثانی زہرا سلام اللہ علیہا نے نہایت مستقل عزم و جرأت کے ساتھ دوبارہ فرمایا: ”میں نے حکم پروردگار میں خوبی و زیبائی کے علاوہ کوئی شے نہیں پائی۔ ہم وہ قوم ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے شہادت کو مقدور فرمایا ہے۔ انہوں نے طریق الہی کو سامنے رکھا، اُس کی پیروی کی اور اللہ تعالیٰ بہت جلد تجھے اور اُن کو جمع فرمائے گا، پھر دونوں جماعتوں میں گفت و شنید اور مباحثہ ہو گا۔ پھر تجھے دیکھنا پڑے گا کہ کامیابی کی سعادت کس کو حاصل ہوتی ہے۔“

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

بیماری میں جس بستر پر لیٹے ہوئے تھے، وہ بھی ظالموں نے آپ کے نیچے سے کھینچ لیا تھا۔ اس کے علاوہ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ مخدرات عصمت و طہارت کے سرہائے مبارک سے روئیں تک چھین لی گئی تھیں۔ اگر کوئی صاحبِ دل خواتین کی طرف سے لباس کے تقصیحات کو قبول کر بھی لیا جائے تو سوچنا پڑے گا کہ تبدیلی لباس کا ان مخدرات کو کون سا موقعہ حاصل تھا جبکہ ان سب کو شتر ہائے بے کجاوہ پر سوار کر کے لے جایا جا رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس عمل کیلئے کسی پردہ دار مکان کی ضرورت لازمی ہے جس میں تبدیلی لباس ممکن ہو۔ کیا یہ حالت اسیرانِ اہل بیتؑ کو دربارِ ابن زیاد میں پیش ہونے سے قبل مہیا کی گئی تھی؟ تاریخ اس سلسلہ میں بالکل خاموش ہے۔ لہذا یہ روایت کسی طرح قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ یہ بیہیاں کر بلا ہی سے اسی سادہ کیفیت میں روانہ ہوئی تھیں۔

”وَمَا رَأَيْتُ إِلَّا جَمِيلًا، قَوْمٌ! كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُمَا فِتْحًا جُودًا وَ تَخَاصُمُونَ عَنْهُ، فَانظُرْ لِمَنْ يَكُونُ الْفَلَحُ يَوْمَئِذٍ.....“

”میں نے سوائے اچھائی کے کچھ نہیں دیکھا، وہ ایسے لوگ تھے جن کا قتل ہونا اللہ نے مقدور کر دیا تھا اور وہ اپنی آرام گاہوں کو چل دیئے، اور عنقریب اللہ تمہیں اور انہیں اکٹھا کرے گا، پھر تم بحث اور جھگڑا کرو گے۔ دیکھو! اُس دن تم میں سے کون غالب آتا ہے“ (اکمال، ج 4، لہوف، طبری، ج 7، ص 372)۔

عبید اللہ ابن زیاد ملعون کو عانی زہرا سلام اللہ علیہا کی سرزنش

اب وقت آیا کہ عانی زہرا سلام اللہ علیہا نے ابن زیاد ملعون کو سرزنش کرنا شروع کی، اس کو ہر طرح زبرد تو بیخ فرمائی اور فرمایا: ”تیری ماں تیرے سوگ میں بیٹھے کہ تو نے ہمارے عزیزوں کو قتل کیا،

(لَكَلَّتْكَ أُمُّكَ يَا بِنَ مَرْجَانَهُ.....)“، (الحسین و بطلہ کربلا، ص 210)۔

ابن زیاد نے جب اپنے لئے عانی زہرا کی سرزنش کو سنا تو غصہ میں چیخ و تاب کھانے لگا اور بولا: ”میں خدا کا شکر کرتا ہوں جس نے حسینؑ اور اُن کے اصحاب کے قتل سے میرے دل کو شفا بخشی“۔

عانی زہرا نے یہ سن کر اپنی سرزنش کو اور محکم کیا اور فرمایا: ”تو نے ہمارے بزرگوں کو قتل کیا، ہماری نسل کو قطع کیا، ہمارے بزرگوں کے رشتوں کو ختم کیا، ہماری بنیاد کو اکھاڑ پھینکا۔ اگر یہ باتیں تیری تسکین کا باعث ہیں تو واقعی تو نے تسکین پالی:

”لَقَدْ قَتَلْتَ كَهْلِي، وَأَبْرَتِ أَهْلِي، وَقَطَعْتَ فُرْعِي، وَأَجَشَّتْ أَصْلِي، فَإِنْ يَشْفِكَ

هَذَا فَقَدْ اسْتَفَيْتُ“۔

”تو نے میرے آقا کو قتل کیا، میرے خاندان کو تباہ کیا، میری شاخ کو کاٹ ڈالا، اور میری جڑ اکھاڑ دی، اگر اس سے تجھے

سکون (شفا) ملتا ہے تو تو نے سکون (شفا) پالیا“ (طبری، ج 7، ص 372)۔

عانی زہرا سلام اللہ علیہا کی یہ ملامت اس قدر شدید تھی کہ ابن زیاد ملعون چیخ اٹھا اور اپنے پہرہ داروں کو مخاطب کر کے

بولا: ”تم سب کھڑے دیکھ رہے ہو اور اسے چھوڑ رکھا ہے کہ مجھے برا بھلا کہتی ہے۔ اس کو لے جاؤ“۔

ایک مؤرخ کے مطابق اُس نے کہا کہ مجھے اس جماعت سے نجات دلاؤ۔

ثانی زہرا کے قتل کا حکم

ابن زیاد ملعون کو ہرگز یہ توقع نہ تھی کہ ایک قیدی خاتون اس حد تک جرأت کرے گی کہ اُس کے سامنے ایک مرتبہ بھی، بلکہ کئی مرتبہ، ایسا کلام کرے گی، یا اُس کو براہ راست اس طرح جواب دے گی۔ اُس کی غیرت کی رگ پھڑک اٹھی اور ثانی زہرا کی گفتگو نے اسے حیران کر ڈالا۔ اس کے جواب میں وہ بے ہودہ باتوں اور ہرزہ سرائی پر اتر آیا کہ یہ خاتون شعر کہتی ہے، مسجع و مقفع گفتگو کرتی ہے۔ اس کا باپ بھی شاعر تھا اور مسجع گفتگو کرتا تھا (یہ اصطلاح اچھے معنی میں استعمال نہیں ہوتی۔ جب یہ کہا جاتا تھا کہ فلاں شخص شاعر ہے اور مسجع گفتگو کرتا ہے تو اُسے کہنے والے کی بے ہودہ گوئی کی علامت سمجھا جاتا ہے)۔

پس ابن زیاد ملعون نے چاہا کہ ماہرانہ طریقہ اور چالاکی سے مسئلہ کو اپنے حق میں بدل ڈالے، اس طرح کہ اسیروں کو اور حاضرین کو بھی مرعوب کرے۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ سیدہ زینبؓ کو لے جاؤ اور اُن کا سرتن سے جدا کر دو۔ اس پر عمرو بن حریث اُٹھ کھڑا ہوا اور مداخلت کی کہ خاتون کی گفتگو پر مواخذہ نہ کرے کہ ایک خاتون کا قتل عرب میں باعثِ شرم ہے۔ ابن زیاد ملعون بولا کہ اس کا قتل میری تسکین کا باعث ہوگا..... (زندگانی امام حسینؑ)۔ آخر وہ شہزادی کے قتل سے باز رہا۔

سید سجاد علیہ السلام سے مکالمہ بدتمیزی

تھوڑی دیر تک دربار میں سناٹا رہا۔ ابن زیاد ملعون کی کیفیت مزید ابتر ہو گئی۔ اُس نے ارادہ کیا کہ دربار کی کارروائی کو آگے بڑھائے۔ سید سجاد علیہ السلام کی طرف اشارہ کر کے بولا: ”یہ کون ہے؟“

بتایا گیا کہ یہ علی بن الحسین ہیں۔ ابن زیاد ملعون نے پوچھا: ”کیا خدا نے کربلا میں علی بن الحسینؑ کو قتل نہیں کیا؟“
سید الساجدین علیہ السلام نے فرمایا: ”میرا ایک بھائی تھا جس کا نام بھی علی تھا۔ اسے تیرے لشکر والوں نے قتل کیا۔“
ابن زیاد ملعون: ”اُس کو خدا نے قتل کیا۔“

امام: ”اللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنفُسَ حَيْنَ مَوْتِهَا“۔

یعنی ”اللہ تعالیٰ ہی جانوں کو اجل کے ساتھ موت تک پہنچاتا ہے“ (سورہ زمر: 42)۔

ابن زیاد ملعون غصہ سے دیوانہ ہو گیا۔ غیظ و غضب میں بولا: ”کیا تو اب بھی جرأت رکھتا ہے کہ میرے سامنے گفتگو کرے؟ جلاد! آ اور اس کی گردن مار دے۔“

سید الساجدین علیہ السلام نے فرمایا: ”کیا تو مجھے قتل سے ڈراتا ہے؟ تو نہیں جانتا کہ شہادت ہمارا شیوہ اور افتخار ہے؟“

اس پر کچھ سپاہی آگے بڑھے کہ سید سجاد کو شہید کرنے کے لئے لے جائیں۔ اب ثانی زہرا انھیں اور ابن زیاد ملعون سے کہا: ”کیا ہمارا وہ تمام خون جو تو نے بہایا ہے، کافی نہیں ہے؟“ یہ کہہ کر سید سجاد سے لپٹ گئیں کہ میں اسے نہیں چھوڑوں گی کہ تم لے جاؤ۔ فرمایا: ”اگر اس کو بھی قتل کرنے کا قصد رکھتے ہو تو اس سے پہلے مجھے قتل کر ڈالو۔“

آپ نے امام کو اپنے پہلو میں لے لیا اور اپنے آپ کو اُن سے لپٹا لیا۔ پھر کچھ لوگ بولے: ”اے امیر! یہ بیمار ہے اور خاتون غم زدہ ہے.....“ لہذا ابن زیاد ملعون نے اپنے الفاظ واپس لے لئے، پیشتر اس کے کہ شہزادی اور امام اپنے الفاظ میں کوئی کمزوری یا رعایت اختیار کریں۔

امام حسینؑ سے مظاہرہ عداوت و بدتمیزی

ابن زیاد ملعون اقدار و اخلاقی انسانیت سے عاری، سفاک و بے رحم شخص تھا۔ ہم نے دیکھا کہ ثانی زہرا سلام اللہ علیہا اور دوسرے اسیروں کے سامنے وہ پاگل کتے کی طرح غراتا تھا۔ کئی مرتبہ اس نے اُن کے قتل کا حکم دیا، بے ہودہ باتیں کیں، مذاق و استہزاء کیا اور آخر کار سرِ امام حسین علیہ السلام سے بے ادبی کرنے لگا۔ چھڑی کی نوک یا لکڑی اس سر، لبوں اور دانتوں پر مارتا تھا اور یہ سب کچھ سیدہ زینبؑ اور سید الشہداء علیہ السلام کی صاحبزادیوں کی نظروں کے سامنے ہو رہا تھا۔

زید بن ارقم، صحابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابن زیاد ملعون کے دربار سے اٹھے، زار و قطار رونے لگے اور کہا: ”اے امیر! اس کو مت مار، یہ رسولِ پاک کا فرزند ہے۔ رسولِ خدا ان ہونٹوں اور دانتوں کے بو سے لیتے تھے۔“

ابن زیاد ملعون بولا:

”اَتَبِكِي لِفَتْحِ اللّٰهِ عَلَيْنَا“۔

”کیا تو میری فتح پر روتا ہے؟“

”قَدْ خَرِفْتُ، وَ ذَهَبَ عَقْلُكَ، وَ الْاَنْصَرَبْتُ عَنْقَكَ“۔

”تو بوڑھا فاطر العقل ہے، ورنہ میں تیری گردن اڑا دیتا“ (طبری، ج 4، ص 249)۔

زیدؑ باہر چلے گئے اور کہتے جاتے تھے: ”لوگو! اب اس کے بعد تم ظالموں کے ظلم و ستم کے اسیر ہو جاؤ گے۔ فاطمہ کے

لختِ جگر حسین کو تم قتل کر چکے اور اب یہ مرجانہ (لح) کا بیٹا تم پر حکمرانی کرے گا..... وغیرہ“ (طبری، ج 4، ص 249)۔

تبصرات

بہت سے مؤرخین نے دربار ابن زیاد ملعون کو بہت ذلیل قرار دیا ہے، جس کے نتائج بہت بُرے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ دربار وجوم اُس کے کسی کام نہ آیا بلکہ اس کے برعکس یہ سب کچھ اس کے نقصان میں رہا۔ خود ابن زیاد ملعون نے قیس بن عبادہ سے پوچھا کہ میرے اور حسین کے بارے میں تو کیا نظریہ رکھتا ہے؟ اُس نے کہا کہ مجھ سے یہ سوال نہ پوچھ بلکہ مجھے اس سے معاف رکھ۔ ابن زیاد کے اصرار پر قیس نے کہا:

”قیامت کے دن حسین کا باپ اُس کی شفاعت کرے گا اور تیرا باپ بھی تیری سفارش کیلئے آئے گا۔“

ابن زیاد نے کہا: ”مجھے تیرے کینہ و بغض کا پتہ چل گیا۔ اگر مجھے فرصت ملی تو تیرا سر قلم کر کے زمین پر پھینک دوں گا اور تجھے نیست و نابود کر دوں گا“ (عیون الاخبار، ج 2، ص 197)۔

تبصرہ مترجم

مؤلف کتاب جناب علی قاضی صاحب نے اس سے آگے دربار یزید کے واقعات تحریر فرمائے ہیں ان واقعات و حالات کو شروع کرنے سے پہلے ہم دربار کوفہ کے بارے میں حوالہ جات پیش کریں گے جو مختلف مؤرخین و مصنفین نے قلمبند کئے ہیں تاکہ ہمارے قارئین اس دور میں اہل بیت عظام پر کئے گئے مظالم سے کما حقہ واقفیت حاصل کر سکیں۔ علاوہ ازیں کوفہ سے دمشق تک کے سفر کے واقعات، اس سفر کے دوران فوج یزید کے خلاف ردِ عمل اور زینبؓ عالیہ و دیگر افراد اہل بیت کے طریق کار پر روشنی ڈالنا بھی اس سوانح عمری کی ضروریات میں سے ہے۔

اس کے علاوہ ہم سمجھتے ہیں کہ کتاب تشنہ تکمیل رہ جائے گی اگر ہم ان تمام حالات کے بیان میں ثانی زہراؓ کی ہمراہی مخدرات عصمت کے ردِ عمل کا تذکرہ نہ کریں جس کا انہوں نے مختلف مقامات پر اظہار کیا ہے۔ یہ سب مخدرات جناب ثانی زہراؓ کے زیر اثر اور آپ کے پر توہی میں اظہار خیال کر رہی ہیں اور بالکل آپ ہی کے حالات و جذبات سے دوچار ہیں۔ یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ ثانی زہراؓ کو کاروانِ کربلا کی سرداری حاصل ہے، اس کے باوجود آپ کے تمام ہمراہی اپنے اپنے مقام پر ویسے ہی جذبات رکھتے ہیں جو ان کی سردار کے ہیں اور ویسے ہی مظالم و تکالیف کا شکار ہیں۔

اسی کے ساتھ یہ بھی بتانا لازم ہے کہ ثانی زہراؓ صرف دشمنوں کے مظالم پر ہی تبصرہ نہیں فرما رہیں بلکہ ہر موقع پر جناب سید الساجدین علیہ السلام کے دفاع میں بھی کلمہ مصروف ہیں جن کے چراغِ حیات کو دشمن ہر لحظہ گل کرنے کے بہانوں کی

تلاش میں ہے اور اس کی خواہش ہے کہ خانوادہ رسول اکرم کے اس آخری چشم و چراغ کو بھی بچھا دے تاکہ خاندان رسول خدا کا کوئی نمائندہ کرۂ ارض پر باقی نہ رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دربار کوفہ سے ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کا نیا جہاد شروع ہوتا ہے جس میں دشمنان آل رسول ہر قدم پر شکست و ہزیمت سے دوچار ہیں۔

ہم قبل ازیں ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کا بازار کوفہ میں خطبہ تحریر کر چکے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مؤرخین نے حضرت فاطمہ بنت الحسینؑ، حضرت زینب صغریٰ موسوم بہ ام کلثومؑ اور دیگر حضرات و مخدرات کے خطبہ جات بھی ذکر کئے ہیں جن کا تذکرہ ضروری جانتے ہوئے ہم جناب فاطمہ بنت الحسینؑ کے بازار کوفہ میں خطبہ سے ابتداء کرتے ہیں۔ یہ خطبہ ہم جناب عماد زادہ کی کتاب ”تاریخ زندگانی امام حسین علیہ السلام“ سے نقل کرتے ہیں جن کو مؤلف ہڈانے جناب فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا، دختر رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت سے فاطمہ صغریٰ قرار دیا ہے۔ جناب عماد زادہ اس شہزادی کے تعارف کے طور پر رقم طراز ہیں:

”یکے از مفاخر زنان عالم، فاطمہ دختر امام حسین علیہ السلام است کہ دارائے مقام علم و تقویٰ و زهد و فضیلت بودہ، در مہد ولایت و سیادت تربیت شدہ است، اصحاب رجال نوشتہ اند: ”فاطمہ دختر حسین بن علی، زنی جلیل القدر، عظیمۃ الشان، عالیۃ المکان بود و شاہد تمام جریان واقعہ کربلا بود و حسن مثنی ادرا گرفت و گفتہ اند کہ او شاہت تام از کردار و گفتار و منطق بہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا داشتہ، و قائم اللیل و صائم النہار بود، و روایات بسیار از پدرش و از برادرش حضرت سجاد علیہ السلام نمودہ۔ فرزندانش عبداللہ و ابراہیم و ام جعفر، فرزندان حسن مثنی بودہ اند۔ ترمذی و ابوداؤد و نسائی درسند خود و ابن ماجہ قذ دینی و ابن حجر عسقلانی از و نام بردہ اند۔..... ص ۲۱۵۔“

فاطمہ از سکنہ بزرگتر بود، و دارائے مقام شعر و ادب و جلالت و بنالت شان بود (اعلام النساء، ج ۳، ص ۱۱۴۸)۔

وَصْنَعُهُ مَا شَاءَ فِيْ أَخِيْهَا	رَأَتْ شِمَاتَةَ الْعَدُوِّ فِيْهَا
ظَلَمَ أَجْفًا حُورًا سَبَابًا بِالشُّكْلَا	رَأَتْ عَنَا سِرًّا هُوَ أَنْسَا ذَلَا
وَقَوَّفَهَا بَيْنَ يَدَيَّ يَزِيدُ	وَإِنَّ مِنْ أَدْمَى الْخُطُوبِ السُّودِ

خطبہ حضرت فاطمہ صغریٰ در کوفہ

فَقَالَتْ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَدَدَ الرَّمْلِ وَ الْحَصَى وَ زَيْنَةُ الْعَرْشِ اِلَى الشَّرَى اُحْمَدُهُ وَاَوْمِنُ بِهِ وَاَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَاَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَاَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ

رَسُولُهُ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ) وَأَنَّ وَلَدَهُ ذُبِحُوا بِسَطْرِ الْفَرَاتِ بِغَيْرِ دُخْلٍ وَلَا تِرَاتٍ. اللَّهُمَّ
 إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أَفْتَرِيَ عَلَيْكَ الْكَذِبَ وَأَنْ أَقُولَ عَلَيْكَ خِلَافَ مَا أَنْزَلْتَ عَلَيْهِ
 مِنْ أَخِذِ الْعُهودِ لَوْ صَيَّةَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ الْمَسْلُوبِ حَقَّهُ الْمَقْتُولِ مِنْ غَيْرِ ذَنْبٍ، كَمَا
 قُتِلَ وَلَدُهُ بِالْأَمْسِ، فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللَّهِ تَعَالَى فِيهِ مَعَشَرُ مُسْلِمَةٍ بِالسِّنْتِهِمْ، تَعَسَّأَ
 لِرُؤُوسِهِمْ مَا دَفَعَتْ عَنْهُ ضِيماً فِي حَيَاتِهِ وَلَا عِنْدَ مَمَاتِهِ حَتَّى قَبَضَتْهُ إِلَيْكَ مَحْمُودَ
 النُّقِيَّةِ طَيْبِ الْعَرِيكةِ مَعْرُوفِ الْمَنَاقِبِ مَشْهُورِ الْمَذَاهِبِ لَمْ يَأْخُذْهُ اللَّهُمَّ فِيكَ لَوْمَةٌ لَا
 يُمْ وَلَا عَذْلٌ عَادِلٌ، هَدَيْتُهُ يَارَبَّ لِلْإِسْلَامِ صَغِيراً وَحَمَدْتَ مَنَاقِبَهُ كَبِيراً وَلَمْ يَزَلْ نَاصِحاً
 لَكَ وَلِرُسُولِكَ حَتَّى قَبَضَتْهُ إِلَيْكَ زَاهِداً فِي الدُّنْيَا غَيْرَ حَرِيصٍ عَلَيْهَا رَاغِباً فِي
 الْآخِرَةِ مُجَاهِداً لَكَ فِي سَبِيلِكَ، رَضِيَتْهُ وَاخْتَرَتْهُ وَهَدَيْتُهُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ. أَمَا
 بَعْدُ يَا أَهْلَ الْكُوفَةِ! يَا أَهْلَ الْمَكْرِ وَالْعُدْرِ وَالْخِيَلَاءِ! فَإِنَّا أَهْلُ بَيْتِ ابْتِلَانِ اللَّهِ بِكُمْ
 وَابْتِلَاكُمْ بِنَا فَجَعَلَ بِلَانَا حَسَناً وَجَعَلَ عِلْمَهُ عِنْدَنَا فَحَنُ عَيْنِهِ عَلَيْهِ وَوَعَاءُ فَهْمِهِ
 وَحِكْمَتِهِ وَحُجَّتُهُ فِي الْأَرْضِ لِبِلَادِهِ وَلِعِبَادِهِ، أَكْرَمَنَا اللَّهُ بِكَرَامَتِهِ وَفَضَّلَنَا بِبَنِيهِ مُحَمَّدٍ
 (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ) عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيلاً بَيْنَا فَكَذَّبْتُمُونَا وَكَفَرْتُمُونَا وَرَأَيْتُمْ
 قِتَالَنَا حِلَالاً وَأَمْوَالَنَا نَهَباً كَأَنَّا أَوْلَادُ تُرْكٍ أَوْ كَابِلٍ كَمَا قَتَلْتُمْ جَدَّنَا بِالْأَمْسِ وَسَيُوفُكُمْ
 تَقَطُّرُ مِنْ دِمَائِنَا أَهْلَ الْبَيْتِ لِحَقِّهِ مُتَقَدِّمِ قَرْتٍ لِذَلِكَ عُيُونُكُمْ وَفَرَحَتْ قُلُوبُكُمْ أَفْتِرَاءً
 مِنْكُمْ عَلَى اللَّهِ وَمَكْرَاً مَكْرُتُماً وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ فَلَا تَدْعُونَكُمْ أَنْفُسُكُمْ إِلَى الْجَدَلِ
 بِمَا أَصَبْتُمْ مِنْ دِمَائِنَا وَنَالْتُمْ أَيْدِيَكُمْ مِنْ أَمْوَالِنَا فَإِنَّ مَا أَصَابَنَا مِنَ الْمَصَائِبِ الْجَلِيلَةِ
 وَالرَّزَايَا الْعَظِيمَةِ وَالرَّزَايَا الْعَظِيمَةِ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ
 يَسِيرٌ لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ
 فَخُورٍ.

تَبَا لَكُمْ فَانْتَظِرُوا اللَّعْنَ وَالْعَذَابَ وَكَأَنَّ قَدْ حَلَّ بِكُمْ وَتَوَارَثَ مِنَ السَّمَاءِ نَقِمَاتُ

فَيُسْحِتْكُمْ بِمَا كَسَبْتُمْ وَيُدِيقْ بَعْضُكُمْ بِأَسَ بَعْضٍ ثُمَّ تَخَلَّدُونَ فِي الْعَذَابِ الْأَلِيمِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِمَا ظَلَمْتُمْوْنَا أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ.

وَيَلَّكُمْ! أَتَذَرُونَ آيَةَ يَدٍ طَاعَتْنَامِكُمْ وَآيَةَ نَفْسٍ نَزَعَتْ إِلَى قِتَالِنَا؟ أَمْ بِآيَةِ رَجُلٍ مَشَيْتُمْ إِلَيْنَا تَبْغُونَ مُحَارَبَتَنَا؟ فَسَتْ قُلُوبُكُمْ وَغَلْظَتْ أَكْبَادُكُمْ وَطَبِعَ عَلَى أَفْنِدَتِكُمْ وَخُتِمَ عَلَى سَمْعِكُمْ وَبَصَرِكُمْ وَسَوَّلَ لَكُمْ الشَّيْطَانُ وَأَمْلَى لَكُمْ وَجَعَلَ عَلَى بَصَرِكُمْ غِشَاوَةً فَأَنْتُمْ لَا تَهْتَدُونَ.

تَبَّأَ لَكُمْ يَا أَهْلَ الْكُوفَةِ! أَيُّ تِرَاتٍ لِرَسُولِ اللَّهِ قَبْلَكُمْ وَذُحُولٍ لَهُ لَدَيْكُمْ بِمَا غَدَرْتُمْ بِأَخِيهِ عَلَى بَنِي أَبِي طَالِبٍ جَدِّ وَبَنِيهِ عِثْرَةَ النَّبِيِّ الطَّاهِرِينَ الْأَخْيَارِ وَافْتَخَرُوا بِذَلِكَ مُفْتَخِرِينَ:

نَحْنُ قَتَلْنَا عَلِيًّا وَبَنِي عَلِيٍّ

بِسُيُوفٍ هِنْدِيَّةٍ وَرِمَاحٍ

وَسَيِّئَاتٍ نِسَاءَهُمْ سَبَى تُرْكٍ

وَنَطَخْنَاهُمْ فَأَيُّ نِطَاحٍ

بِفَيْكِ أَئِهَا الْقَائِلُ الْكِشْكُ وَلَكَ الْأَثْلُبُ افْتَخَرْتَ بِقَتْلِ قَوْمٍ زَكَاهُمُ اللَّهُ وَطَهَّرَهُمْ وَأَذْهَبَ عَنْهُمْ الرَّجْسَ!؟ فَأَا كُظُمُ وَأَقْعُ كَمَا أَقْعَى أَبُوكَ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ أَمْرٍ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَحَسَدْتُمُونَا وَيَلَّ لَكُمْ عَلَى مَا فَضَّلَنَا اللَّهُ عَلَيْكُمْ.

فَمَا ذُنُوبُنَا أَنْ جَاشَ دَهْرًا بِجُورِنَا

وَبَخَرَكُ سَاجٍ لَا يُوَارِي الدَّعَا مِصَا

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ.

فارتفعت الأصوات بالبكاء والنحيب وقالوا: حسبك يا ابنة الطاهرين فقد

أحرق قلوبنا وأنضجت نحرنا وأضرمت أجوافنا؛ فسكت.

اینجا بود کہ صدای ضجه و نعرہ بلند شد، گفتند: بس است ای دخترِ پسرِ پیغمبر، دلہای ما را آتش زد؛ و با سر بریدہ حسین این بانوی فاضلہ را ساکت نمودند.

”خواتین عالم میں قابلِ فخر ایک خاتون امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی فاطمہ ہیں جو علم و تقویٰ و زہد و فضیلت کے مقامِ اعلیٰ پر فائز ہیں۔ آپ ولایت و سیادت کی آغوش میں تربیت یافتہ ہیں۔ اصحابِ رجال آپ کے بارے میں لکھتے ہیں: امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی جناب فاطمہ جلیلۃ القدر، عظیمۃ الشان اور بلند ترین مقام کی مالک خاتون ہیں۔ آپ پورے واقعہ کربلا کی شاہد ہیں اور حضرت حسن مثنیٰ کی زوجہ محترمہ ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کردار و گفتار و علم و عقل میں جناب فاطمہ الزہرا سلام اللہ کے ساتھ شبابہتِ کامل کی مالکہ ہیں۔ آپ تمام رات عبادت میں بسر فرماتیں اور دن میں روزہ رکھتی تھیں۔ اپنے پدرِ بزرگوار اور اپنے بھائی جناب سید الساجدین علیہ السلام سے آپ کی بہت سی روایات مروی ہیں۔ حضرات عبد اللہ و ابراہیم و ام جعفر حضرت حسن مثنیٰ سے آپ کی اولادیں تھیں۔ ترمذی و ابوداؤد و نسائی نے اپنی اسناد میں اور ابن ماجہ و ترمذی، ابن حجر عسقلانی نے ان کے نام درج کئے ہیں..... حضرت فاطمہ جناب سکیئہ سے بڑی تھیں اور شعر و ادب و جلالت و بزرگیِ شان کی مالکہ تھیں۔

ترجمہ خطبہ

”حمد کرتی ہوں اللہ تعالیٰ کی اتنی جتنے ریت کے ذرات اور عرش سے خاک تک کائنات میں جتنے پتھر ہیں ان کے برابر اس کی ستائش کرتی ہوں، اس پر ایمان رکھتی ہوں، اس پر توکل کرتی ہوں، گواہی دیتی ہوں کہ خدائے واحد و لا شریک کے سوا کوئی خدا نہیں، نیز محمد اُس کے عبد و رسول ہیں، پھر یہ کہ ان کی اولاد کو فرات کے کنارے پر شہید کیا گیا حالانکہ انہوں نے کسی کو قتل نہیں کیا تھا جس کا ان سے بدلہ لیا جاتا۔ خداوند! میں تجھ سے پناہ مانگتی ہوں اس بات کی کہ تجھ پر جھوٹ بولوں یا اس کے خلاف بات کروں جو کچھ تو نے اپنے رسول میرے نانا پر نازل فرمایا۔ میں تجھ سے عرض کرتی ہوں کہ تیرے رسول نے اپنے وصی علی ابن ابی طالب علیہما السلام کیلئے عہد لیا تھا لیکن لوگوں نے ان کے حق کو غصب کیا، ان کو بے گناہ قتل کیا، حتیٰ کہ جب تک وہ حضرت زندہ رہے انہیں پانی نہ دیا، شہادت کے وقت تک ان کی تشنگی کو باقی رکھا، یہاں تک کہ اے خدائے بزرگ! تو نے اسے اپنے پاس بلا لیا، اس کی پاک سیرت کی شان کو کسی نے نہ پہچانا، اس کی پاک روش کا کسی نے لحاظ نہ کیا، نہ انہوں نے کسی ملامت سے خوف اٹھایا جس کے لئے تو نے سلام بھیجا اور ہمیشہ اس کی پاک سیرت کی تعریف فرمائی، وہ تیری اور تیرے رسول کی طرف اپنا دل

راست رکھتا تھا، حتیٰ کہ تو نے اسے اپنے جوار رحمت میں لے لیا، وہ دنیا سے بے رغبت اور دنیا کی حرص بالکل نہ رکھتا تھا بلکہ تیری رضا سے اس کو رغبت تھی، آخرت میں بھی تیری رضا کے لئے اس نے کوشش جاری رکھی، تو نے اسے پسند فرمایا، برگزیدہ کیا اور اسے راہِ راست پر رکھا۔

”اما بعد اے اہل کوفہ، اے دعا بازو بے وفا و خود خواہ و فریب والو! ہم اس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف سے ہماری آزمائش فرمائی اور تمہاری آزمائش ہم سے کی، ہم اس آزمائش میں کامیاب نکلے، ہم نے جان لیا، معلوم کر لیا کہ رموز پروردگار ہمارے ساتھ ہیں، ہم ہی علم و حکمت پروردگار کے محافظ ہیں اور ہم ہی وہ حجت ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے زمین پر قائم کی تھی۔ اس نے ہمیں بزرگی سے نوازا، تمام مخلوق پر اپنے رسول کو برتری عطا فرمائی لیکن تم نے ہمیں جھوٹا سمجھا، ہماری ہتک حرمت کی، ہمارے قتل کو حلال شمار کیا، ہمارے مال کو لوٹا گویا ہم ترک و کاہل والوں کی اولاد تھے۔ چنانچہ تم نے کل ہمارے دادا کو قتل کیا، تمہاری تلواروں سے ہمارا خون ٹپک رہا ہے جو ماضی کے کینہ کی وجہ سے ہے۔ تمہاری آنکھیں اس سے روشن ہوئیں، تمہارا دل اس سے خوش ہوا، تم نے اللہ تعالیٰ کے حضور گستاخی کی، اس سے فریب کیا لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت بہتر و بالاتر ہے مبادا کہ تم ہمارا خون بہانے اور ہمارا مال لوٹنے سے خوش ہو کیونکہ یہ بڑی مصیبت جو ہم پر آئی ہے، تمہارے نامہ اعمال میں لکھی جا چکی ہے پھر اس کے کہ اللہ تعالیٰ اس کا تم پر نفاذ فرمائے اور یہ اللہ کے لئے آسان ہے۔ جو کچھ تمہارے ہاتھوں سے واقع ہوا، اس کے متعلق فکر نہ کرو کہ خدا نے تمہیں بخش دیا ہوگا، اس پر نازاں نہ ہو، نہ خوش ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں فرماتا کہ اپنے عمل پر کوئی خوش یا نازاں ہو۔ ہلاک ہو جاؤ تم، لعنت و عذاب کے منتظر رہو، گویا وہ آنے ہی کو ہے، آسمان سے پے در پے لعنتیں تم پر برسائے گا، تمہیں ہلاک کرے گا، تمہیں اس جہان سے دوسرے جہان میں پہنچا کر تم کو روز قیامت کے مستقل عذاب میں گرفتار فرمائے گا کیونکہ تم نے ہم پر ظلم کیا ہے، خدا کی لعنت ہو ظالموں پر۔ وائے ہو تم پر! کیا تم جانتے ہو کہ کس ہاتھ سے تم نے ہم پر ظلم کیا، کس دل سے تم نے ہمارے خلاف جنگ میں رغبت کی، کون سے پاؤں سے تم ہم سے لڑنے کیلئے آئے، تمہارے دل سخت ہو گئے، تمہارے جگر درشت ہو گئے، تمہارے دلوں، آنکھوں اور کانوں پر مہر لگ گئیں۔ شیطان نے تمہاری نظروں میں بدی کو اچھا کر دکھایا، اجل کے دور ہونے کی تمہیں خبر دی، تمہاری آنکھوں پر پردے ڈال دیئے کہ راستہ کو پہچان نہ سکو۔ اے اہل کوفہ! خدا تمہیں ہلاک کرے کہ تم نے رسول خدا سے کینہ برتا، ان کے خون بہانے کو پسند کیا جب تم نے ان کے بھائی علی بن ابی طالب سے جو ہمارے دادا ہیں، ان کے فرزندوں سے جو عترتِ رسول، پاکیزہ و برگزیدہ

ہیں، بے وفائی کی اور تم سے لوگ یہ کہہ رہے ہیں اور فخر کر رہے ہیں:

”ہم نے علیؑ اور اولاد علیؑ کو ہندی تلواروں اور نیزوں سے قتل کیا اور ان کی عورتوں کو ترک قیدوں کی طرح قید کیا اور کس طرح ہانک کر لے گئے۔

”اے شاعر! تیرے منہ میں خاک اور پتھر ہوں۔ کیا تو اس قوم کو قتل کرنے پر نازاں ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے پاک و پاکیزہ فرمایا، نجاست کو ان سے دور فرمایا۔“

”شہزادی یہاں تک پہنچی تھیں کہ صدائے نالہ و فریاد بلند ہونے لگی۔ لوگ پکاراٹھے کہ رسول اکرمؐ کے بیٹے کی صاحبزادی بس کریں۔ آپؐ نے ہمارے قلوب میں آگ لگا دی ہے۔ پھر انہوں نے امام حسین علیہ السلام کے سر پریدہ کو سامنے لا کر اس مخدومہ فاضلہ کو خاموش کیا“

علیٰ ہذا القیاس بازار کوفہ میں امیر المؤمنین علیہ السلام کی دوسری صاحبزادی جناب ام کلثوم سلام اللہ علیہا نے بھی خطاب فرمایا۔ ان کے بارے میں مؤرخین لکھتے ہیں:

”ام کلثومؑ، خواہر حسین علیہ السلام است کہ در تحقیق ماہہ زینبؑ ثانی باید اطلاق کرد، و دارائے مقام علم و تقویٰ و سیادت و فضیلت بود، و در نظم و نثر بہترین شاگردِ مکتبِ علوی است..... ابن اثیر نے صراحت کی ہے کہ حضرت ام کلثوم کربلا میں موجود تھیں اور یہ ام کلثوم ہرگز حضرت عمرؓ کی زوجہ نہیں اور جناب ثانیؑ زہراً سے مختلف ہیں“۔ (تاریخ زندگانی امام حسینؑ، از عمادزادہ، ج ۲، ص ۲۲۵)۔

شہزادی فرماتی ہیں:

”صَّهْ يَا أَهْلَ الْكُوفَةِ! تَقْتُلُنَا رِجَالَكُمْ وَتَبْكِينَا نِسَاءَكُمْ فَأَلْحَاكُم بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اللَّهُ يَوْمَ فَصْلِ الْخِطَابِ.“

فَقَالَتْ: يَا أَهْلَ الْكُوفَةِ! سَوْءَ لَكُمْ مَا لَكُمْ خَذَلْتُمْ حُسَيْنًا وَ قَتَلْتُمُوهُ وَانْتَهَبْتُمْ أَمْوَالَهُ وَوَرَثْتُمُوهُ وَسَبَيْتُمْ نِسَاءً وَبَكَيْتُمُوهُ، فَتَبَّ لَكُمْ وَسَحَقًا وَيْلَكُمْ أَتَذَرُونَ أَيْ دَوَاهِ دَهْنُكُمْ وَأَيْ وَزْرٍ عَلَى ظُهُورِكُمْ حَمَلْتُمْ وَأَيْ دِمَاءٍ سَفَكْتُمُوهَا وَأَيْ كَرِيمَةٍ أَصَبْتُمُوهَا وَأَيْ صَبِيَّةٍ سَلَبْتُمُوهَا وَأَيْ أَمْوَالٍ انْهَبْتُمُوهَا قَتَلْتُمْ خَيْرَ رِجَالٍ بَعْدَ النَّبِيِّ وَنَزَعْتِ الرَّحْمَةَ مِنْ قُلُوبِكُمْ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْفَائِزُونَ وَحِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ.

ثُمَّ قَالَتْ:

قَتَلْتُمْ أَحْيَى صَبْرًا قَوْلِيلَ لِأَيِّكُمْ
سَفَكْتُمْ دِمَاءَ حَرَّمَ اللَّهُ سَفَكُهَا
أَلَا فَابْشِرُوا بِالنَّارِ أَنْتُمْ غَدًا
وَإِنِّي لَأَبْكِي فِي حَيَاتِي عَلَى أَحْيَى
بِدْمَعٍ غَزِيرٍ مُسْتَهْلٍ مَكْفُكٍ
سَتَجْزَوْنَ نَارًا حَرُّهَا يَتَوَقَّدُ
وَحَرَّمَهَا الْقُرْآنُ ثُمَّ مُحَمَّدُ
لَفِي سَقَرٍ حَقًّا يَقِينًا تَخْلُدُوا
عَلَى خَيْرٍ مِّنْ بَعْدِ النَّبِيِّ يُوَلِّدُ
عَلَى الْخَدِّ مَنَى ذَائِبًا لِّئَلَّا يَجْمُدُ

”اے اہل کوفہ! خاموش ہو جاؤ۔ تمہارے مرد ہمارے مردوں کو قتل کرتے ہیں اور تمہاری عورتوں ہم پر روتی ہیں۔

قیامت کے روز اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے۔“

آپؐ نے فرمایا: ”اے کوفہ والو! تمہارا برا ہو، تمہیں کیا ہوا کہ تم نے حسینؑ کو تنہا چھوڑ دیا، انہیں قتل کیا، ان کے مال و اسباب کو لوٹا، ان کی خواتین کو قید کیا اور انہیں رلایا، تم پر ہلاکت اور بربادی ہو، کیا تمہیں علم ہے کہ تم نے کیسی مصیبت مول لے لی ہے اور کیسا بوجھ اپنی پشت پر لا دیا ہے، تم نے کیسا خون بہایا ہے اور کیسی عزت کو نشانہ بنایا، کیسے ننھے بچوں کو لوٹا اور کیسے اموال کو غارت کیا؟ تم نے نبیؐ کے بعد بہترین افراد کو قتل کیا اور تمہارے دلوں سے رحمت نکال لی گئی۔ بے شک اللہ کی جماعت کامیاب ہونے والی اور شیطان کی جماعت خسارہ اٹھانے والی ہے۔“ پھر آپؐ نے فرمایا:

”تم نے میرے بھائی کو قتل کیا پس تمہاری ماؤں پر وائے ہو، تمہاری سزا آتش جہنم ہے گرم اور شعلہ ور، تم نے وہ خون بہائے جنہیں اللہ نے قرآن اور محمدؐ نے حرام قرار دیا، تمہیں جہنم کی بشارت ہو، کل یقیناً تم آگ میں ہو گے اور ہمیشہ وہاں رہو گے اور میں زندگی بھر اپنے بھائی پر روتی رہوں گی، اس پر جو نبیؐ کے بعد سب سے افضل ہے، بہت زیادہ آنسوؤں کے ساتھ، جنہیں بار بار اپنے چہرے سے صاف کرتی رہوں گی جو کبھی رکیں گے نہیں۔“

اس کے ساتھ ہی کتب مقاتل کے مصنفوں نے بازار کوفہ میں جناب امام زین العابدین علیہ السلام کا خطبہ بھی تحریر کیا ہے جس کو ہم متن و ترجمہ کے ساتھ ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

”ارباب مقاتل نے لکھا ہے: (تاریخ زندگانی امام حسینؑ، ج 2، ص 222)۔

”وَجِئْتُ بِعَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَلَى بَعِيرٍ ظَالِعٍ وَالْجَامِعَةُ فِي عُنُقِهِ وَبِدَاهُ مَغْلُوقَانِ إِلَى

عنقه وأوداجه تشخب دماً فكان يقول:

يا أمة السوء لا سقياً لربكم
لو أننا ورسول الله يجمعنا
تسيرونا على الأقتاب عارية
كأننا لم نشيد فيكم ديناً

ثُمَّ قَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ مَنْ عَرَفَنِي فَقَدْ عَرَفَنِي وَمَنْ لَمْ يَعْرِفَنِي فَأَنَا عَلَىٰ بَنِ الْحُسَيْنِ
ابْنِ عَلِيٍّ بَنِ أَبِي طَالِبٍ، أَنَا ابْنُ الْمَذْبُوحِ بِشَطِّ الْفُرَاتِ مِنْ غَيْرِ دُخْلٍ وَلَا تِرَابٍ، أَنَا ابْنُ
مَنْ أُنْتَهَكَ حَرِيمُهُ وَسُلِبَ نَعِيمُهُ وَأُنْتَهَبَ مَالُهُ وَسَبِيَ عِيَالُهُ، أَنَا ابْنُ مَنْ قُتِلَ صَبْرًا وَكُفِيَ
بِذَلِكَ فُجْرًا. أَيُّهَا النَّاسُ! نَاشِدُكُمْ بِاللَّهِ هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّكُمْ كُتِبْتُمْ إِلَىٰ أَبِي وَخَدَّ عَتُمُوهُ
وَاعْطِيتُمُوهُ مِنْ أَنْفُسِكُمْ الْعَهْدَ وَالْمِشَاقَ وَالْبَيْعَةَ وَقَاتَلْتُمُوهُ؟ قَتَبْنَا لَكُمْ لِمَا قَدَّمْتُمْ
لِأَنْفُسِكُمْ وَسَوْءَ لِرَايِكُمْ، بِأَيَّةِ عَيْنٍ تَنْظُرُونَ إِلَىٰ رَسُولِ اللَّهِ إِذْ يَقُولُ لَكُمْ: قَتَلْتُمْ عَتْرَتِي
وَأَنْتَهَكْتُمْ حُرْمَتِي فَلَسْتُمْ مِنْ أُمَّتِي.

فَقَالَ: رَحِمَ اللَّهُ أُمَّرءَ أَقْبَلَ نَصِيحَتِي وَحَفِظَ وَصِيَّتِي فِي اللَّهِ وَفِي رَسُولِهِ وَأَهْلِهِ
بَيْتِهِ فَإِنَّ لَنَا فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسُوءَ حَسَنَةً.

فَقَالَ (عَلَيْهِ السَّلَامُ): هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ أَيُّهَا الْغَدْرَةُ الْمَكْرَةُ، حِيلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ
شَهْرَاتِ أَنْفُسِكُمْ أَتُرِيدُونَ أَنْ تَأْلُوا إِلَيَّ كَمَا أَتَيْتُمْ إِلَىٰ آبَائِي مِنْ قَبْلُ، كَلَّا وَرَبِّ
الرَّاقِصَاتِ فَإِنَّ الْجُرْحَ لَمَّا يَنْدَمِلُ، قُتِلَ أَبِي بِالْأُمْسِ وَأَهْلُ بَيْتِهِ مَعَهُ وَلَمْ يُنْسَى ثَكْلُ
رَسُولِ اللَّهِ وَثَكْلُ أَبِي وَبَنِي أَبِي وَوَجْدُهُ بَيْنَ لَهَاتِي وَمَرَاتِهِ بَيْنَ خَنَاجِرِي وَخَلْقِي وَ
غُصَصُهُ تَجْرِي فِي فِرَاشِ صَدْرِي وَمَسْأَلَتِي أَنْ لَا تَكُونُوا لَنَا وَلَا عَلَيْنَا.

رَضِينَا مِنْكُمْ رَأْسًا بِرَأْسِ
لَا غُرُوبَ فِي قَتْلِ الْحُسَيْنِ وَشَيْخِهِ
فَلَا تَفْرَحُوا أَهْلَ كُوفَانِ بِالَّذِي
قَتِيلَ بِشَطِّ النَّهْرِ رُوحِي فِدَاؤُهُ
فَلَا يَوْمَ لَنَا لَا عَلَيْنَا
قَدْ كَانَ خَيْرًا مِنْ حُسَيْنٍ وَآكْرَمَا
أُصِيبَ حُسَيْنٌ كَانَ ذَلِكَ أَعْظَمَا
جَزَاءُ الَّذِي أَرَادَهُ نَارَ جَهَنَّمَا

”اور علیؑ ابن الحسینؑ کو ایک لنگڑا تے ہوئے اونٹ پر لایا گیا، ان کی گردن میں طوق اور ہاتھوں میں زنجیر تھی اور ان کی گردن سے خون بہہ رہا تھا اور وہ فرما رہے تھے:

”اے قوم بدکار! تمہیں پانی نصیب نہ ہو (یعنی بارش نہ برسے) اے ہمارے بارے میں ہمارے جد بزرگوار کا لحاظ نہ کرنے والو! جب قیامت کے دن ہم اور رسول اللہ اکٹھے ہوں گے تو تم کیا کہو گے؟“

”تم ہمیں بے پردہ پالانوں پر لئے جا رہے ہو، گویا تم نے ہمارے دین کی عمارت کی تعمیر نہ دیکھی ہو۔“

پھر آپؑ نے فرمایا: ”اے لوگو! جو مجھے جانتا ہے سو جانتا ہے اور جو نہیں جانتا وہ جان لے کہ میں علیؑ ابن ابی طالبؑ کے فرزند حسینؑ ابن علیؑ کا بیٹا ہوں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جسے فرات کے کنارے انعام و قصاص کے بغیر ذبح کر دیا گیا، جس کے حرم کی ہتک کی گئی، مال و اسباب لوٹ لیا گیا اور خاندان کو قید کر لیا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس نے قتل ہو جانے پر صبر کیا اور یہی فخر کے لئے کافی ہے۔“

”اے لوگو! میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ کیا تم جانتے ہو کہ تم نے میرے والد کو خط لکھے اور ان سے دھوکہ کیا؟ ان سے اطاعت کا عہد کیا، ان کی بیعت کی پھر ان سے جنگ کی؟ جو کچھ تم نے اپنے لئے آگے بھیجا ہے اس سے تم پر ہلاکت ہو۔ تم کس طرح رسول اللہ کی نظروں کا سامنا کرو گے جب وہ تمہیں کہیں گے کہ تم نے میری عترت کو قتل کیا، میری حرمت کی ہتک کی، پس تم میری امت میں سے نہیں ہو۔“

”پھر آپؑ نے فرمایا: اللہ اس شخص پر رحم کرے جس نے اللہ، اس کے رسولؐ اور اس کے اہل بیتؑ کے بارے میں میری نصیحت کو قبول کیا اور میری وصیت کو یاد کیا، یقیناً ہمارے لئے رسول اللہ کی ذات گرامی میں ایک اسوہ ہے۔“

”پھر آپؑ نے فرمایا: اے اہل مکہ و فریب! تمہاری خواہشات کا پورا ہونا محال ہے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میری طرف اسی طرح آؤ جس طرح اس سے پہلے میرے آباء کی طرف آئے؟ ہرگز نہیں! ابھی ہمارے زخم مندمل نہیں ہوئے۔ کل ہی تو میرے بابا کو قتل کیا گیا جبکہ ان کے اہل بیتؑ ان کے ساتھ تھے اور مجھے رسول اللہ کی جدائی کا صدمہ اپنے والد اور ان کے بچوں کا صدمہ اور اس کی تلخی نہیں بھولتی اور میری اس سے زیادہ کچھ خواہش نہیں کہ تم ہمارا ساتھ دو نہ ہم سے دشمنی کرو۔“

”اے اہل کوفہ! جو کچھ حسین علیہ السلام کے ساتھ کیا گیا، اس پر خوش نہ ہو، یہ ایک بہت عظیم گناہ تھا، انہیں نہر کے کنارے قتل کیا گیا، میری روح ان پر فدا ہو۔ جس نے انہیں گرایا، اس کی سزا جہنم ہے۔“

مؤلفہ کتاب ”کربلا کی شیر دل خاتون“ مطبوعہ امامیہ مشن، لاہور، جناب ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطیٰ مصری، ثانی زہرا کی دربار ابن زیاد میں آمد کے سلسلہ میں تحریر کرتی ہیں:

”جب بڑے ہال کے قریب پہنچیں اور عبید اللہ کو اپنے باپ کی جگہ پر بیٹھا دیکھا تو اپنا سیدھا ہاتھ اپنے دل پر رکھتا کہ وہ دھڑکنے نہ پائے۔

”وہ اس وقت قصر میں آرہی تھیں جبکہ وہ اپنے باپ اور بیٹوں اور اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں کو کھو چکی تھیں۔ اس وقت ان کا دل چاہتا تھا کہ اس تکلیف کو رو کر اور آنسو بہا کر کم کریں لیکن ان کو یہ بات کس طرح گوارا ہو سکتی تھی کہ سرکش حاکم (عبید اللہ) کے سامنے ذلت کے ساتھ روتی ہوئی جائیں۔

”اُن کو کبھی بھی آج کے دن کی طرح اپنی قوت اور بزرگی اور شرف خاندان اور اعزہ کی لاج رکھنے کی ضرورت نہ ہوئی تھی۔ وہ سمجھتی تھیں کہ اُن کو اپنے آپ کو اس بزرگی کے ساتھ آراستہ کرنا چاہئے جو ان کو بحیثیت ”عقیلہ حبشیہ ہاشم“ اور رسول اللہ کی نواسی کے عبید اللہ کے سامنے جانے کیلئے شایان اور زیبا ہے۔ علاوہ بریں اُن کی باری تھی کہ (اس دردناک واقعہ میں) اپنے عمل کا دور شروع کریں۔

”ثانی زہرا باوجود یکہ نہایت بوسیدہ اور معمولی کپڑے پہنے ہوئے تھیں، ایک خاص ہیبت و جلال سے داخل ہوئیں اور بغیر اس کے کہ سرکش امیر کی طرف متوجہ ہوں، بیٹھ گئیں۔

”عبید اللہ کی آنکھیں اس بزرگ منش خاتون کی طرف جو اُس کی اجازت کے بغیر بیٹھ گئی تھیں، خاص طور سے متوجہ ہوئیں اور دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے جواب نہیں دیا۔

”اُس نے دو تین بار یہی سوال دہرایا، لیکن سیدہ زینب نے اس کو کمتر اور ذلیل سمجھ کر جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ اُن کی کنیزوں میں سے ایک نے پُر زیادہ کے جواب میں، جو اپنے سوال کو برابر دہرا رہا تھا، کہا: ”یہ زینب دختر فاطمہ ہیں۔

”ابن زیاد نے جو اُن کے اس رویہ سے غصہ میں تھا، کہا: اُس خدا کا شکر ہے کہ جس نے تم کو ذلیل و رسوا اور قتل کیا اور تمہاری روایات کے جھوٹ کو ظاہر کر دیا“ (یعنی نبوت کا پول کھول دیا)۔

”جناب زینب نے اپنی نظر، جس سے حقارت برستی تھی، اُس پر ڈالی اور فرمایا: اُس خدائے تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہم کو جناب محمد مصطفیٰ کے باعث فضیلت عطا فرمائی اور دنیا کی تمام آلائشوں سے پاک و پاکیزہ فرمایا۔ بے شک فاسق و ذلیل اور

رُسا ہوتا ہے اور فاجر جھٹلایا جاتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم ان میں سے نہیں ہیں بلکہ وہ دوسرے لوگ ہیں۔

”پسرِ زیاد نے دریافت کیا: ’خدا کا سلوک تم نے اپنے خاندان والوں کے ساتھ کیسا دیکھا؟‘

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نے جواب دیا کہ مشیتِ ایزدی یہی تھی کہ وہ شہید ہوں اور وہ لوگ نہایت بہادری سے اپنی خوابگاہ کی طرف گئے اور بہت جلد خدائے بزرگ و برتر تم کو اور اُن کو مقامِ پرستش پر کھڑا کرے گا اور وہ لوگ اس سے انصاف کے مستدعی ہوں گے۔

”جناب زینب کے الفاظ نے اس ظالم کو ذلیل اور ناچیز کر دیا لیکن اس نے چاہا کہ اُن زخموں پر جو ثانی زہرا کے کلام سے اس کو لگے تھے، مرہم رکھے، لہذا اس نے کہا: ’خدا نے مجھ کو تمہارے نافرمان بھائی اور عزیزوں کے قتل سے شفا دی۔‘

”سیدہ زینب نے اپنے آنسوؤں کو روکا اور ارشاد فرمایا: ’مجھ کو اپنی جان کی قسم، تو نے ہمارے بڑوں کو قتل کیا اور اہل بیت کو گھر سے نکالا اور ہماری شاخ اور جڑ سب کو برباد کر دیا اور اگر تیرے قلب کی شفا اسی میں ہے تو تو نے اپنی شفا حاصل کر لی۔‘

”پسرِ زیاد نے غصہ اور تمسخر سے کہا: ’یہ عورت مثل اپنے باپ کے مسجع اور مقفل الفاظ میں باتیں کرتی ہے۔‘

”ثانی زہرا نے باوقار آواز میں فرمایا: ’عورت کو قافیہ بندی سے کیا مطلب۔ مجھ کو اس بات کی مہلت کہاں ہے کہ میں قافیہ گوئی میں مشغول ہوں۔‘

”پسرِ زیاد نے اپنی نگاہ سیدہ زینب کی طرف سے ہٹائی اور اسیروں کی طرف دیکھا اور اُس کی نظر علی بن الحسین پر پڑی اور کہا: ’تمہارا کیا نام ہے؟‘

”انہوں نے جواب دیا کہ میں علی ابن الحسین ہوں۔

”پسرِ زیاد کو تعجب ہوا اور پوچھا: ’کیا علی بن الحسین کو خدا نے قتل نہیں کیا؟‘

”علی بن الحسین خاموش رہے۔

”پسرِ زیاد نے دوبارہ دریافت کیا: ’یہ خاموشی کیوں ہے؟‘

”علی بن الحسین نے فرمایا: ’میرا ایک بھائی تھا جس کا نام بھی علی تھا۔ لوگوں نے اُس کو قتل کر ڈالا۔‘

”پسرِ زیاد نے کہا کہ خدا نے ان کو قتل کیا۔

”علی بن الحسین خاموش رہے۔ لیکن پسرِ زیاد نے جب اُن سے جواب مانگا تو انہوں نے یہ آیت قرآن پاک پڑھی:

”اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا. وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ“.

”خدا ہی لوگوں کے مرنے کے وقت اُن کی روئیں اپنے پاس بلا لیتا ہے اور بغیر حکم خدا کوئی شخص مر ہی نہیں سکتا“ (زمر: 42، آل عمران: 145)۔

”پسرِ زیاد چلایا۔ تم پر افسوس! خدا کی قسم، تم بھی انہی میں سے ہو (جن کو قتل کرنا چاہئے)۔ اس کے بعد اپنے فوجیوں کی طرف متوجہ ہوا اور اُن سے کہا: دیکھو کیا یہ لڑکا بالغ ہے؟ خدا کی قسم، میرا خیال ہے کہ پورا جوان ہے۔“

”پھر اُن کے قتل کا حکم دیا۔ زینبؓ نے ان کی گردن میں ہاتھ ڈال دیا اور فرمایا: پسرِ زیاد اب حد ہو چکی۔ کیا اب بھی تو ہمارے خون پینے سے سیر نہیں ہوا؟ کیا تو نے ہم میں سے کسی کو چھوڑا ہے؟“ اور فرمایا کہ میں اس کو اُس وقت تک نہ چھوڑوں گی جب تک کہ تو مجھ کو بھی اس کے ساتھ قتل نہ کر دے۔“

”پسرِ زیاد نے تھوڑی دیر اُن کی طرف دیکھا اور حاضرینِ دربار سے کہا: قرابت کے ایسے مستحکم جذبہ پر سخت تعجب ہے۔ خدا کی قسم! میرا یہ خیال ہے کہ وہ اس بات کو دل سے چاہتی ہیں کہ میں اُن کو اس کے ساتھ قتل کر دوں۔“

”لڑکے کو چھوڑ دو کہ وہ اپنی عورتوں کے ساتھ رہے“ (کر بلا کی شیر دل خاتون، ص 222 تا 226)۔

ہمارے قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ سیدہ طاہرہؓ کی عظیم صاحبزادی نہ صرف اعلائے کلمہ حق میں مصروف ہیں بلکہ اپنے پیارے بھتیجے کی جان کا دفاع بھی فرما رہی ہیں جوابِ اولی الامر اور امام زمانہ ہے۔

اسی موضوع اور موقعہ کو شہیدِ آیت اللہ سید عبدالحسین دستغیب اپنی کتاب ”حیاتِ طیبہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا“ میں اس طرح بیان فرماتے ہیں: ”افسوس کہ زینب علیہا السلام جب اپنے میدانِ کارزار میں وارد ہوئیں، آپؐ کی چادر لوٹ لی گئی تھی۔“

”لہو ف“ میں سید روایت فرماتے ہیں کہ آپؐ پرانے لباس میں لبوس تھیں۔ اپنے آپ کو دوسری خواتین کے پردے میں چھپا رہی تھیں تاکہ دشمن کی رذیل نگاہ سے محفوظ رہیں۔ مگر وہ کمینہ صفت دشمن آپؐ ہی کے درپے ہوا، بار بار پوچھا کہ یہ کون عورت ہے؟ ایک دو بار تو کسی نے جواب نہ دیا، بالآخر ایک کینز نے کہا کہ علیؑ علیہ السلام کی صاحبزادی اور حسینؑ علیہ السلام کی بہن زینب علیہا السلام ہیں۔

یہاں سے ثانی زہراؑ کی جنگ شروع ہوتی ہے..... جب ظالم نے جنابِ مخدّرہ کو پہچانا تو کہنے لگا: خدا کا شکر ہے تم

ذلیل ہوئے، تمہارے مرد قتل کر دیئے گئے اور تمہاری چالوں کا سب کو پتہ چل گیا۔

معظمہ نے نہایت سکون و اطمینان سے فرمایا: ”شکراً اللہ کا جس نے ہمیں اپنے نبی کی وجہ سے سر بلند فرمایا اور ہمیں ہر آلودگی سے منزہ قرار دیا۔ ابن زیاد! ذلت تو بدکاروں کا مقدر ہے، مکر و فریب تو بد عنوان لوگ کیا کرتے ہیں جو ہمارے دشمن ہیں۔ ہم تو بہر حال خدا کا شکر کیا کرتے ہیں۔“

”..... اب اُس شقی نے دوسرا وار کیا: ”تم نے دیکھا اللہ نے تمہارے بھائی کا کیا حشر کیا؟“.....

”شہزادی نے پھر بڑے اطمینان سے فرمایا: ”میں تو اپنے اور اپنے بھائی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہربانی و کرم کے سوا کچھ نہیں دیکھتی.....“۔ عنقریب تم لوگ اور وہ شہیدانِ راہ و فادائے محشر کی بارگاہ میں کھڑے ہوں گے۔ جو اب وہی کیلئے تیار رہے۔ تو وہاں کیا جواب دے گا؟“ (ص 32، 33)۔

در بار کوفہ کے یہ واقعات متواترات سے ہیں اور ان کا بیان دشمنانِ اہل بیت کے بغض و کینہ کا مظہر ہے۔ جناب سید اولاد حیدر فوق بلگرامی جو تمام چارہ معصومین کی سوانح حیات کے مصنف ہیں، لکھتے ہیں:

”ابن زیاد اسیرانِ اہل بیت علیہم السلام کو بکمال مسرت دیکھ کر کہنے لگا: ”شکر خدا کا جس نے تمہیں ذلیل کیا اور تم کو قتل کیا اور تمہارے دروغ کو ظاہر کیا۔“ ابن زیاد ملعون کا کلام سن کر جناب ثانی زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا: ”اس خدائے سبحانہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس نے باعثِ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم لوگوں کو فضیلت عطا فرمائی اور دنیا کی تمام آلائشوں سے ہم کو پاک و پاکیزہ فرمایا۔ بے شک خدائے قادر و توانا ہر فاسق و بدکار کو ذلیل کرتا ہے اور فاجر جھٹلایا جاتا ہے اور ہم ان میں سے نہیں ہیں بلکہ وہ دوسرے لوگ ہیں۔“

”یہ دندان شکن جواب سن کر ابن زیاد نے کہا: ”دیکھو خدا نے تمہارے بھائی کے ساتھ کیا کیا؟“ جناب زینب نے نہایت استقلال سے جواب میں ارشاد فرمایا: ”جو کچھ خدا نے اُن کے ساتھ کیا، اس میں میں نے سوائے بہتری کے اور کچھ نہیں دیکھا کیونکہ آلِ محمدؐ بزرگ اور معزز قوم ہیں جنہیں حق تعالیٰ نے اپنی قربت حاصل کرنے کی غرض سے درجہ شہادت عطا فرمایا ہے۔ اس لئے یہ حضرات مقصودِ دلی کی طرف رجوع ہونے میں عجلت فرماتے ہیں۔ لیکن خدائے قادر و توانا بہت جلد ہم کو اور تم کو مقامِ پرش پر کھڑا کرے گا اور دونوں جانب کی جھتوں کو سنے گا۔ پس اے ابنِ مرجانہ! تو ہی غور کر کہ اُس دن نجاتِ ابدی کس کو حاصل ہونے والی ہے۔“

”یہ سننا تھا کہ ابنِ مرجانہ اپنے غصہ کی آگ میں جل گیا اور چاہا کہ ثانیِ زہراؑ کو شہید کرے۔ عمر بنِ حریش اس وقت حاضرِ مجلس تھا۔ ابنِ زیاد کا دلی ارادہ معلوم کر کے اس سے کہنے لگا کہ اب تجھ میں اتنی حمیت باقی نہیں رہی کہ تو اب عورتوں پر بھی ہاتھ اٹھانے لگا۔ عمر ابنِ حریش کی فہمائش پر وہ باز تو رہا مگر اپنی شریرا اور مفسد طبیعت کے تقاضہ سے عاجز و مجبور ہو کر پھر جنابِ علیؑ کو مخاطب کیا اور کہنے لگا کہ ”حسینؑ باغی اور مرتدینِ اہلِ بیت کے قتل سے میرے قلب کی شفا ہوگئی۔“

”جب اُس مرتدِ ازیلی کی یہ زبانِ درازی سنی تو آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے مگر فرطِ غریہ کو ضبط فرما کر ارشاد کیا: ”میری جان کی قسم، تو نے ہمارے ضعیفوں کو مارا، ہماری عورتوں کو بے پردہ کیا اور ہمارے برگ و بار کو بخ و بن سے کاٹ ڈالا۔ اگر تیرے قلب کی شفا اسی میں ہے تو تو اپنی شفا حاصل کر۔“

”یہ سن کر ابنِ زیاد نے کہا: ”یہ عورت مثل اپنے پدرِ بزرگوار کے مسجع اور مشقی الفاظ میں باتیں کرتی ہے۔ قسم خدا کی، جنابِ علیؑ مرتضیٰ بہت بڑے شجاع اور شاعر تھے۔ جنابِ نضیبِ سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ اگر میرے کلامِ مسجع اور مشقی ہوں تو کوئی تعجب نہیں ہے۔ زیادہ تر تعجب تو اُس شخص پر ہوتا ہے جو باوجودیکہ جانتا ہے کہ عقیٰ میں اس سے باز پرس کی جائیگی اور خداوند تعالیٰ اس سے انتقام لے گا مگر پھر بھی اپنے امامِ زمانہ کے قتل کا حکم کرتا ہے۔“

”پھر جنابِ امِ کلثوم علیہا السلام ابنِ زیاد بد نہاد سے مخاطب ہو کر فرمانے لگیں: ”اے پسرِ زیاد! قتلِ امامِ حسین علیہ السلام سے تیری آنکھ تو ٹھنڈی ہوئی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ اس کے دیدار سے روشن ہوتی تھی اور آپؐ اُن کے لبِ ہائے مبارک کے بو سے لیا کرتے تھے اور اس کے بھائی امامِ حسنؑ کو اپنے کاندھے پر چڑھاتے تھے۔ اب تو اُن جوابوں کیلئے تیار رہ جو بروزِ قیامت تجھ سے پوچھے جائیں گے۔“

”اس کے بعد ابنِ زیاد نے امامِ زین العابدین علیہ السلام کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا کہ یہ نوجوان کون ہیں۔ لوگوں نے کہا یہ علیؑ بنِ الحسینؑ ہیں۔ اس نے پوچھا: ”کیا علیؑ بنِ الحسینؑ کو خدا نے قتل نہیں کیا؟“

آپؐ نے اس کی کافرانہ تعریض کے جواب میں آہستگی سے ارشاد فرمایا: ”میرا ایک بھائی تھا جس کا نام علیؑ بنِ الحسینؑ تھا، اُن کو لوگوں نے قتل کر ڈالا۔“

اُس نے کہا کہ لوگوں نے نہیں قتل کیا۔

جواب میں آپؐ نے آیتِ قرآن تلاوت فرمائی:

”اللَّهُ يَتَوَكَّلُ الْإِنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا“۔ (زمر: 42)

خدائے تعالیٰ انسان کے نفس کو اس وقت مار ڈالتا ہے جب اُس کی موت آجاتی ہے اور جس کا زمانہ موت نہیں آتا وہ اپنی خوابگاہ کی طرف آسودہ ہوتا ہے۔ یہ جواب سن کر ابن زیاد کی آتش غیظ و غضب سخت مشتعل ہوئی، کہنے لگا: ’یہ کس قدر جری و گستاخ ہے۔ اس کو باہر لے جاؤ اور اس کی گردن مار دو۔‘

یہ حکم سن کر جناب زینب کو سخت اضطراب لاحق ہوا، آپ نے ابن زیاد سے مخاطب ہو کر فرمایا: ’اے ابن زیاد! ہمارے سب کے خون کرنے کے بعد بھی تو بس نہیں کرتا‘۔ پھر اپنے ہاتھ اُن کی گردن میں ڈال دیئے اور فرمایا کہ میں تو اس کو نہیں چھوڑوں گی۔ اگر اس کو مارنا ہے تو مجھ کو بھی مار ڈال۔‘

جناب زینبؓ کے اس کلام نے اس بے رحم کے دل پر بھی سخت اثر کیا۔ وہ کہنے لگا: ’عزیزداری اور قربت کے ایسے مستحکم ارادوں پر سخت تعجب ہے۔ دیکھو، یہ علی بن الحسینؑ کے عوض قتل کئے جانے پر راضی ہیں۔ اس لئے ان کے قتل سے باز آؤ.....‘

جناب امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: ’اے زیاد کے بیٹے! تو مجھے قتل سے ڈراتا ہے! تو یہ نہیں جانتا کہ قتل ہونا ہماری عادت ہے اور شہادت ہمارے لئے کرامت ہے۔ اگر ان مصیبت زدہ عورتوں میں اور تجھ میں کوئی علاقہ اور واسطہ قائم ہے تو ان بے چاریوں کو کسی اہل اعتبار کے ہمراہ ان کے وطن تک پہنچا دے۔‘ (صحیفۃ العابدین، ص 20 تا 23)۔

ہم اپنے معزز قارئین کی توجہ مندرجہ ذیل کتب کی طرف مبذول کرواتے ہیں جن میں اسی مضمون کو معمولی رد و بدل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، جس کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ثانی زہراؑ مجسمہ شجاعت بن کر اسلام کا دفاع بھی کر رہی ہیں، سید الشہداء کی شہادت کا ذکر بھی فرما رہی ہیں، اس لئے ہوئے قافلہ میں شامل سب کی پشت پناہ بھی ہیں، امام وقت سید الساجدین علیہ السلام کو بھی ابن زیاد جیسے خونخوار شخص کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچا رہی ہیں اور کسی مقام پر ان تمام فرائض میں بے بس بھی نظر نہیں آتیں:

1- صحیفہ کاملہ، ترجمہ سید قائم رضا نسیم امر دہوی، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔ (ص ۱۱۶-۱۱۷)

2- ہفتہ وار رضا کار، لاہور، شریکۃ الحسین نمبر ۶۱، مقدمہ از جناب ڈاکٹر سید مجتبیٰ حسن کامونپوری (ص ۳۳-۳۶)

3- بحار الانوار (اردو) در حالات حضرت امام حسین علیہ السلام، حصہ دوم، تالیف علامہ مجلسی علیہ الرحمہ، مطبوعہ رضوی بک

ایجنسی، کراچی۔ (ص ۱۹ تا ۲۱)

4۔ زینب، زینب ہے، مؤلفہ۔ صادق، ترجمہ آغا حسن رضا غدیری، مطبوعہ بعثت فاؤنڈیشن، لاہور۔ (ص ۲۳۰ تا ۲۳۵)

یہ تمام حوالہ جات لکھنے کے بعد ہم کتاب ”حضرت زینب کبریٰ کے تاریخ ساز اور عہد آفرین خطبے“، مؤلفہ علامہ سید ابن حسن نجفی، مطبوعہ ادارہ تمدن اسلام، کراچی کی عبارت من و عن پیش کرتے ہیں جس سے ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کی عظمت اور موقف پر صرف بساط انسان کے مطابق روشنی پڑتی ہے اور ثابت ہو جاتا ہے کہ اہل بیت رسول اکرم کے افراد مظلوم تو ضرور ہیں لیکن کسی مقام پر اور کسی طرح کے حالات میں دشمنوں سے ہرگز مغلوب نہیں ہیں۔ اس عبارت سے اس وقت کے شہر کوفہ کی کیفیت پر بھی روشنی پڑتی ہے جو اس دور کا ایک عظیم الشان شہر اور فرعون وقت ابن زیاد ملعون کا دار الحکومت تھا۔ علامہ مذکور اس طرح رقمطراز ہیں:

”کوفہ کے شہر بیکراں پر آہوں کی بدلیاں چھائی ہوئی تھیں اور تمام شاہراہیں لوگوں کی کثرت سے چھلک رہی تھیں۔ حد خیال تک آدمی ہی آدمی، مگر جسے دیکھو رنگ اڑا ہوا، منہ کھلا ہوا، آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے سوگوار جمع کی ہچکیاں بندھ گئیں!

”سامنے ایک لٹا ہوا قافلہ تھا جو قدم قدم تڑپا دینے والا درد بانٹ رہا تھا اور نفس نفس ضمیروں میں اتر جانے والے غم کا جھوم لگاتا چلا جا رہا تھا!

”دوسری جانب قصر ریاست میں دمشق کی بازنطینی سلطنت کا جفا پیشہ نمائندہ خوشی کے مارے جھوم رہا تھا اور اس کے کہنے پر سارے درباری نام نہاد کامیابی کا جشن منا رہے تھے!

”کچ نہاد حاکم چاہ رہا تھا کہ اپنے مصنوعی جاہ و جلال اور جھوٹی مسرتوں کا میلہ لگا کر ان قیدیوں کو جو چپائی کا کانٹوں بھرا راستہ طے کر کے ایک پورا مقل اٹھائے چلے آ رہے ہیں، کچھ اور دکھ دیدے، تھوڑی اور اذیت پہنچا دے تاکہ اُن کے اعصاب کی رہی سہی طاقت بھی ختم ہو جائے!

”چنانچہ ادھر فرمان نکلا، ادھر سرکاری کارندوں نے ان رن بستہ اسیروں کو راج محل کے دروازہ تک پہنچا دیا، اور پھر چند لمحوں میں یہ قیدی کا رخ سفید (البیضاء) کی روشوں سے ہوتے ہوئے، تخت امارت کے سامنے تھے۔

”صوبے کا کرتا دھرتا اموی فرمانروا یزید ابن معاویہ ملعون کا دست راست اور زیاد ابن ابیہ جیسے مجہول النسب باپ کا

بیٹا عبید اللہ اقتدار کی کرسی پر فرعون کا کردار پیش کر رہا تھا!

”علاقہ کی مشہور ہستیاں، حکومت کے پسندیدہ اشخاص، نیز فوج اور انتظامیہ کے بڑے بڑے عہدہ دار آنے والے قیدیوں کو دم سادھے دیکھ رہے تھے!

”لیکن ابن زیاد ملعون انتہائی رعوت سے اسیروں کا جائزہ لے رہا تھا۔ اچانک اُس کی نظر ایوان کے آخری کونہ پر پڑی جہاں ایک مؤقر خاتون، دربار کے آداب و روایات سے بے پروا کچھ جاں نثار عورتوں کے حلقہ میں کمالِ اطمینان کے ساتھ تشریف فرما تھیں!

”یہ کون ہے؟“

”نبید اللہ نے نہایت تلخ لہجہ میں دریافت کیا۔ مگر اسے کوئی جواب نہ ملا۔ ماحول پر پرانے قبرستان کا سنٹا چھایا ہوا تھا! ”فضا میں دوبارہ ارتعاش پیدا ہوا۔ ابن زیاد تیوریاں چڑھا کر پھر اپنا سوال دہرا رہا تھا!

”بتاؤ یہ کون ہے؟“

”مگر اس مرتبہ بھی خاموشی طاری رہی۔

”کوفہ کے حاکم نے تیسری دفعہ غصہ میں بے قابو ہو کر پوچھا: ”آخر بتاتے کیوں نہیں، یہ کون عورت ہے؟“

”اب کے اُن فدائی عورتوں میں سے جو عظیم خاتون کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے تھیں، ایک نے منہ بے جرات و طلاق سے جواب دیا: ”پوچھنے والے! یہ علیؑ کی صاحبزادی زینبؓ ہیں!“

”زینبؓ کا نام سنتے ہی ابن زیاد کلیجہ کے پھپھو لے پھوڑنے لگا! اُس کی بس بھری زبان سے جو پہلا جملہ نکلا، وہ یہ تھا:

”الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي فَضَحَكُمْ وَقَتْلَكُمْ وَانْكَذَبَ أَحَدُ وَتَكْتُمْ“

”خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں رسوا کیا، موت کے گھاٹ اتارا اور تمہارے ناپسندیدہ ارادوں کو بے نقاب کر دیا۔

”بس یہ سننا تھا کہ فاتحِ خیبر اور صاحبِ ذوالفقار کی بیٹی نے اپنے اقتدار شکن اور سلطنت فشا انداز سے یوں خطاب فرمایا:

”الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي اَكْرَمَنَا بِنَبِيِّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَطَهَرَ نَامِنَ الرَّجْسِ تَطْهِيراً اِنَّمَا يُفْتَضَحُ الْفَاجِرُ وَيُكَذَّبُ الْفَاسِقُ وَهُوَ غَيْرُنَا“

یعنی ”شکر ہے اس معبودِ یکتا کا جس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت سے ہمیں عزت دی اور ہمارے گھرانے کو کمالِ طہارت کا شرف بخشا!

ابن زیاد! بے آبرو وہ ہوتا ہے جو سیہ کار و بد اطوار ہو، نیز جھوٹا وہ بنتا ہے جو آئین کی خلاف ورزی کرے، قانون کے پُر زے اڑائے اور وہ ہم نہیں، کوئی اور ہوگا!

”تلوار کی بازو جیسے اس تیز جواب سے خدا کے دشمن عبید اللہ کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ چیلے ناگ کی طرح بل کھا کر اس نے بڑی بے تابی سے کہا:

‘كَيْفَ رَأَيْتَ صُنَعَ اللَّهِ فِي أَهْلِ بَيْتِكَ وَ أَخِيكَ؟’

یعنی ’دیکھا! اللہ نے تمہارے ’کنبہ‘ کی کیا گت بنائی اور تمہارے بھائی پر کیا حشر توڑا؟‘

بات اب برداشت سے باہر ہو چکی تھی۔ اقدار و نظریات کی کھلی توہین! اس کے علاوہ ابن زیاد ملعون انتہائی شقاوت کے ساتھ عقیلہ بنی ہاشم کے طہارت نسب، تقدس مآب خاندان اور زینب کے فخر کائنات، عزیز اور شہید بھائی کے بارے میں ہرزہ سرائی کر رہا تھا!

’بنا برائیں ثانی زہرا کے تیور بدلے اور معلوم ہوا کہ ’برق و آتش‘ کا ایک چشمہ تھا جو اہل پڑا۔ ارشاد ہوا:

‘مَا رَأَيْتُ إِلَّا خَيْرًا. هَؤُلَاءِ قَوْمٌ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْقَتْلَ فَبَرُّوْا إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ وَ سَيَجْمَعُ اللَّهُ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُمْ، فَتَحَاجُّ وَتُخَاصِمُ، فَانْظُرْ لِمَنِ الْفَلَجُ يَوْمَئِذٍ، ثَكَلَتْكَ أُمُكْ يَابْنَ مَرْجَانَةَ‘.

یعنی ’’ہم نے ہمیشہ اچھائی دیکھی۔ ہاں! خاندان رسالت کا رتبہ اتنا اونچا ہے کہ انہیں شہادت جیسی نعمت نصیب ہوئی۔ خدا نے جو چاہا وہ انہوں نے کر دکھایا۔ یہ قتل گاہ سے گزرے اور گنج شہیدان میں محو آرام ہو گئے! مگر یاد رکھنا پسرِ زیاد! وہ جو سب کا دادرس ہے، آخری فیصلہ کے لئے وہ بہت جلد تجھے اور انہیں اپنی عدالت میں طلب کرنے والا ہے اور جب آمن سامنا ہوگا، تب دیکھنا مظلوم کی فریاد کیا رنگ لاتی ہے اور خونِ ناحق کیا رنگ دکھاتا ہے!

’مرجانہ کے جائے! تیری ماں کی کوکھ اُجڑے! وہ تیرا سوگ منائے! سن، ہاں سن! داؤرِ محشر جس دن انصاف کرے گا، اس دن تجھے پتہ چلے گا کہ کون جیتا اور کون ہارا؟‘

’کر بلا کی پاسبان اور حسینیت کی نگہبان نے کوفہ کے فرمانروا کو رد کرنے میں جو دلیری دکھائی اور اسے نچا دکھانے میں جس بے جگری سے کام لیا، وہ شجاعت و شہامت کی تاریخ میں ایک انوکھی مثال ہے۔

”امید کے خلاف بھڑکتے ہوئے شعلوں کا پے در پے ہجوم، اور توقع کے برعکس لپکتے ہوئے کوندوں کی لگاتار یورش سے ابن زیاد ہکا بکا رہ گیا! یوں لگ رہا تھا جیسے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی ہو، اس میں سکت نہیں رہی، غرور ٹوٹ گیا۔ اُس کی سیاست جواب دے گئی اور ریاست زلزلوں کی زد میں آگئی! احساسِ کمتری کے بوجھ سے اس کے اعصاب شل ہو گئے تھے۔ کوئی جواب نہیں بن پڑ رہا تھا۔ بالآخر کھسیانہ پن مٹانے کے لئے عالم نے اپنی زبان کھولی تو اس عنوان سے:

”لَقَدْ شَفَى اللَّهُ قَلْبِي مِنْ طَاغِيَتِكَ الْحُسَيْنِ وَالْعُصَاةِ الْمَدْدَةِ مِنْ أَهْلِ بَيْتِكَ“

’یعنی تمہارے سرکش بھائی اور خاندان کے دوسرے باغی افراد کے قتل سے خدا نے میرا کلیجہ ٹھنڈا کر دیا‘۔

”ختم المرسلین کی نوا سی نے چشمِ خوں بار سے ماحول پر ایک نظر ڈالی۔ صورتِ حال کا جائزہ لیا اور پھر کمالِ تمکنت سے

ارشاد فرمایا:

”لَعَصْرِي لَقَدْ قَتَلْتَ كَهْلِي وَقَطَعْتَ فَرْعِي وَاجْتَنَنْتَ أَصْلِي، فَاذْفِي هَذَا شَفَاؤُكَ

فَلَقَدْ اشْتَفَيْتَ؟“

یعنی ”ابن زیاد! تو نے ہمارے بڑوں کو تیغ کیا، ہمارے سایہ دار شجر کی شاخیں کاٹ دیں، ہمارے پھولے پھلے درخت کو جڑ سے نکال ڈالا۔ اب اگر قلب و جگر کی آگ یوں ہی بجھتی ہے تو پھر سمجھنے کو سمجھ لے کہ ٹھنڈک پڑ گئی۔“

”لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ ابن زیاد کو اس کے بعد کبھی آرام نصیب نہیں ہوا، اس لئے کہ کربلا کے نمائندہ قافلہ کی ترجمان حضرت زینبؓ عالیہ نے اسلامی فکر اور انسانی ضمیر کو کچھ اس طرح جگا دیا تھا کہ یہ بیداری ایک باقاعدہ تحریک بن گئی اور کوفہ سے لے کر شام تک تمام راج محلوں اور سارے شہستانوں کے چراغ گل ہوتے نظر آنے لگے۔

”یہ عقیلہ بنی ہاشم ہی کی تقریروں اور مکالموں کا اثر تھا جو صحابی رسولؐ عبداللہ ابن عقیف ازدی بھرے مجمع میں سراپا احتجاج بن گئے۔ اسی طرح خاندانِ عامد اور بنو النکدہ کے بعض جیلے بھی حکومت کے خلاف سرگرم عمل ہو گئے۔

”اور پھر یہ بات اتنی عام ہوئی کہ گھر گھر بغاوت کے پرچم لہرانے لگے اور جگہ جگہ شہر آشوب کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ بڑے بڑے فوجی افسر استعفیٰ دینے لگے۔ شہر کے معزز باشندوں نے کوفہ میں رہنا چھوڑ دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے زنجیریں ٹوٹنے لگیں اور زندان کے دروازے کھلنا شروع ہو گئے۔

”ان حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے ’الاعامۃ والسیاسة‘ کے مؤلف ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ:

”عبید اللہ ابن زیاد ملعون کو یہ برا وقت بھی دیکھنا پڑا کہ بصرہ جیسے شہر میں جب وہ تقریر کرنے کھڑا ہوتا تھا تو عوام اس پر اینٹوں اور پتھروں کا مینہ برساتے تھے (الاماتہ والسیاستہ، ج ۲، ص ۱۶، طبع دار المعرفہ، بیروت)۔

”اسی کو اہل جہاں انقلاب کہتے ہیں۔“

اس سلسلہ کو ہم یہاں ختم کرتے ہیں۔ ابن زیاد ملعون اور دیگر ملعونین قاتلان سید الشہداء علیہ السلام کا انجام کسی حد تک ہمارے موضوع سے باہر ہے۔ یہ سب ملا عنہ اپنے فطری و قدرتی انجام کو پہنچے۔

مؤلف کتاب جناب ڈاکٹر علی قاضی کی ترتیب سے کسی قدر ہٹ کر ہم اہل بیت عظام کے کوفہ سے دمشق پہنچنے کے حالات اور راستہ کے واقعات و صعوبات کا ذکر کریں گے جس کے بعد ان پاک ہستیوں کا دمشق اور دربار یزید ملعون میں داخلہ اور ثانی زہرا اور دیگر افراد آل رسول کے خطبات پیش کئے جائیں گے۔ ان حالات کا بیان اشد ضروری اس لئے بھی ہے کہ ان تمام حالات میں ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کا طرز عمل طول تاریخ میں قطعی بے مثال ہے اور یہی طرز عمل اس قدر جلد زوال سلطنت بنی امیہ کا باعث بنتا ہے۔

ان تفصیلات کیلئے ہمیں متعدد کتب تاریخ سے مدد لینا ہوگی جو واقعہ کربلا کے بعد کے حالات کو قلمبند کرتی ہیں، جن کے حوالہ جات انشاء اللہ حسب سابق پیش کئے جائیں گے تاکہ اہل بیت رسول اکرم پر کئے گئے مظالم کو بے نقاب کیا جاسکے۔

ہمیں افسوس ہے کہ کتب مقاتل اور مسلمانوں کی تاریخ لکھنے والے بہت کم مؤرخین نے اس طرف توجہ کی ہے کہ اہل بیت رسول کا لٹا ہوا قافلہ کس راستہ سے اور کن حالات میں کوفہ سے شام تک کا طویل صحرائی سفر طے کر کے فوج ملائین کے پہرہ میں یزید ملعون کے دار الحکومت دمشق تک پہنچا، حالانکہ تاریخ کربلا کے اہم ترین ابواب میں یہ سفر اور اس کی صعوبات شامل ہیں۔

ہم ایک بار پھر وضاحت کر دیں کہ راویان تاریخ کے بیانات میں اگر کہیں کہیں واقعات و مقامات کا کوئی معمولی فرق پایا جائے تو اس کی وجہ اس زمانہ میں تاریخ کو جمع کرنے کے ان ذرائع کا ہرگز دستیاب نہ ہونا ہے جو آج کے ترقی یافتہ دور میں موجود ہیں۔ صرف وقائع نگاروں کے بیانات پر انحصار ممکن ہے جو ہر فوج میں اسی مقصد کیلئے مقرر کئے جاتے تھے اور وہ ہمیشہ اپنی یادداشت ہی کو سند جانتے تھے۔ اس کے علاوہ گزشتہ صفحات میں ہم سوانح نگاری کی مشکلات کا تذکرہ کر آئے ہیں جس کو سامنے رکھ کر یہ مشکل کافی حد تک آسان ہو جاتی ہے۔ اس سفر میں بھی ثانی زہرا سردار کارواں ہیں، اس لئے بھی اس کی تفصیلات کا

بیان ضروری ہے۔

اس مختصر تبصرہ کے بعد ہم سب سے پہلے جناب سید اولاد حیدر فوق بلگرامی کی کتاب ”صحیفۃ العابدین“ سے اپنے بیان کو شروع کرتے ہیں۔ فوق مرحوم اس طرح رقمطراز ہیں:

”عبید اللہ ابن زیاد نے اہل بیت علیہم السلام کو کوفہ میں اس وقت تک اسیر رکھا جب تک کہ اس کی اطلاع کا جواب یزید کے پاس سے نہ آ گیا۔ یزید نے ابن زیاد کو لکھ بھیجا کہ اسیران اہل بیت مع سرہائے شہداء شام میں بھیج دیئے جائیں۔ ابن زیاد نے خط پاتے ہی فوراً تعمیل حکم کی اور اہل بیت کرام کو مع ان سروں کے شام کی طرف روانہ کر دیا۔

”کوفہ سے یہ قافلہ شمر ابن ذی الجوشن، عمر بن سعد اور زجر ابن قیس کے ہمراہ شام کو روانہ ہوا اور اربعین کے روز یعنی بیس (۲۰) صفر کو ارضِ کربلا میں داخل ہوا۔ بہ اتفاق فریقین ثابت ہوتا ہے کہ اہل بیت بروز اربعین داخل کربلا ہوئے مگر اختلاف یہ ہے کہ بعض بزرگوار شام سے کربلا میں اربعین کے روز بتلاتے ہیں اور بعض کوفہ سے۔ صحیح یہی ہے کہ کوفہ سے شام تک کے سفر میں ان بزرگواروں کا داخلہ کربلائے معلیٰ میں ہوا۔ چنانچہ صاحب ناخ التوارخ جلد ششم ص ۲۲۳ میں اس امر کو خوب وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں اور ان کا مختار بھی یہی ہے۔ (اصولِ درایت پر بھی یہی روایت پوری اترتی ہے، مترجم)۔

کوفہ سے پہلی منزل کربلائے معلیٰ

اس میں کوئی کلام اور کوئی شبہ نہیں ہے کہ اہل بیت کا قافلہ کوفہ سے چل کر کربلا میں پہنچا اور وہاں ایک روز قیام کر کے دوسرے دن ”قادیسیہ“ میں داخل ہوا۔

دوسری منزل قادیسیہ

قادیسیہ ایک مشہور و معروف مقام ہے جو براہِ خشکی کوفہ سے ساڑھے سات میل پر واقع ہے۔ قادیسیہ علاقہ موصل سے متعلق ہے اور باعتبار آبادی و دستکاری اس وقت تک ایشیائے مائنر کے مشہور مقامات میں داخل ہے۔ بہر حال اہل بیت بے سروسامان، عریان و پریشان اس شہر میں پہنچے اور یہاں ایک شبانہ روز قیام کر کے شہر موصل میں وارد ہوئے۔

تیسری منزل موصل

شہر موصل ملکِ جزائر اور عراق کے درمیان واقع ہے۔ اسی کے وسط میں جناب جبرئیل نبی کی قبر مطہر واقع ہے۔ یہ شہر اسی نام سے اس وقت تک مشرقی ترکستان کے انگریزی نقشوں میں مندرج ہے۔ حافظ جمال الدین محدث کہ سوادِ اعظم اہل سنت

کے معتبر محدثین اور مستند مؤرخین میں شامل ہیں، اپنی کتاب روضۃ الاحباب میں تحریر فرماتے ہیں کہ جس وقت یہ لوگ شہر موصل کے قریب پہنچے تو شمر ذی الجوشن ملعون نے حاکم شہر کو لکھ بھیجا کہ ہم لوگ فتح و نصرت کے ساتھ مع سرہائے شہدائے کربلا تمہارے شہر میں عنقریب داخل ہونے والے ہیں، اس لئے تم کو ہدایت کی جاتی ہے کہ تم اپنے شہر اور شہر کے تمام کوچہ و بازار کو اور قصر امارت کو بزیب و زینت تمام آراستہ و پیراستہ کرو۔ جس وقت شمر ذی الجوشن ملعون کا یہ ہدایت نامہ امیر موصل کو پہنچا، اس نے تمام لوگوں کو بلا کر مضمون خط سنا دیا اور اُن سے یہ کہا کہ اگر ان لوگوں کو ہم اس حالت سے شہر میں بلا کر اپنا مہمان کریں تو تم لوگ کسی فتنہ و فساد کے باعث تو نہ ہو گے اور یہ امر تم لوگوں کے رنج و ملال کی وجہ تو نہ ہو گا۔ اُن لوگوں نے کہا کہ ہم کبھی اس امر پر رضامند نہ ہوں گے۔ چنانچہ حاکم موصل نے شمر ذی الجوشن کو لکھ بھیجا کہ چونکہ اس شہر میں بہت سے شیعوں کی آبادی ہے، اس لئے ہم تم کو اور تمہارے لشکر کو اپنے شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتے کیونکہ وہ لوگ بگڑ جائیں گے تو موجودہ امن و امان میں بہت بڑی خرابی واقع ہوگی۔ مناسب وقت یہی ہے کہ تم لوگ شہر سے کچھ فاصلہ پر اترو۔ رسد رسانی کے متعلق تمام ضروری چیزیں فراہم کر کے بھیج دی جائیں گی۔ ایسا ہی ہوا بھی۔ شمر اور اُس کا ہمراہی لشکر موصل سے تھوڑی دُور علیحدہ اُتر اور حاکم موصل نے حسب الوعدہ رسد رسانی کا کافی سامان لشکر گاہ میں بھجوا دیا۔

”اکثر علماء کی تالیفات سے شہر موصل کے متعلق یہ واقعہ خاص طور پر معلوم ہوتا ہے ہے شمر ذی الجوشن نے قیام موصل کے وقت جناب امام حسین علیہ السلام کا فرق مبارک نیزہ سے اتار تو ایک قطرہ خون ٹپک کر ایک پتھر پر گر پڑا۔ اس پتھر سے ہر سال روز عاشورا خون تازہ نکلتا تھا اور شیعانِ علیؑ جوق در جوق اس پتھر کی زیارت کو آتے تھے اور وہ پتھر ’شہید نقطہ‘ کے نام سے مشہور تھا۔ یزید کے زمانہ حکومت تک قائم رہا۔ مروان ملعون نے اپنی حکومت کے زمانہ میں اُس پتھر کو ضائع کر دیا۔ پھر اس وقت سے اس کا پتہ نہیں چلتا (ناخ التواریخ، ص ۲۴۴)۔

چوتھی منزل شہر تکریت

موصل سے چل کر یہ قافلہ شہر تکریت پہنچا۔ یہ شہر بغداد سے ۲۵ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس شہر کے قریب پہنچ کر بھی شمر ذی الجوشن ملعون نے یہاں کے حاکم کو ویسا ہی ہدایت نامہ لکھا جیسا کہ شہر موصل کے امیر کو لکھا تھا۔ مگر امیر موصل کے خلاف امیر تکریت نے بڑی مستعدی سے شمر ذی الجوشن کے حکم کی تعمیل کی اور تمام شہر کو نئی زینت اور تازہ آرائش کا حکم دیا۔ تمام شہر کے لوگ زرق برق نظر آنے لگے۔ حاکم شہر بھی نہایت تزک و احتشام کے ساتھ سوار ہو کر لشکرِ یزید کی رسم استقبال کیلئے روانہ ہوا اور

اپنے ہمراہیوں کو حکم دیا کہ جو کوئی پوچھے کہ یہ کس کا سر ہے تو تم جواب دینا کہ معاذ اللہ ایک خارجی نے یزید پر خروج کیا تھا۔ ابن زیاد نے اس کا سر کاٹ کر یزید کے پاس بھیجا ہے۔ چنانچہ جو کوئی اس فریق مقدس کے بارے میں ان سے سوال کرتا تھا، وہ یہی جواب دیتے تھے، یہاں تک کہ ان تماشا نیوں میں سے ایک نصرانی نے بڑھ کر کہا کہ یہ کسی خارجی کا سر نہیں ہے۔ میں کوفہ سے ابھی ابھی آ رہا ہوں اور اس سر کو دیکھ چکا ہوں۔ مجھے یہ تحقیق معلوم ہوا ہے کہ یہ امام حسین ابن علی ابن ابی طالب علیہم السلام کا سر ہے۔ اُس کا یہ کہنا تھا کہ شہر کے باشندوں میں عام شورش پھیل گئی اور ہر شخص اس کو سن کر اُس مجمع سے علیحدہ ہونے لگا۔ اُس شہر میں عیسائیوں کی بہت بڑی آبادی تھی۔ وہ سب اُنہی لوگوں کے ساتھ ہو گئے اور ایک دل و ایک زبان ہو کر کہنے لگے کہ ہم اس قوم شقاوت اثر کا کبھی ساتھ نہ دیں گے جو اپنے پیغمبر کے نواسہ کو قتل کریں اور اس واقع پر خوشی منائیں۔ جب شمر ذی الجوش وغیرہ نے ان لوگوں کے رنگ بیرنگ دیکھے تو تکریت میں نہ اترے اور دایرہ وہ میں آ کر پڑاؤ ڈال دیئے جو شہر تکریت سے تھوڑے فاصلہ پر تھا۔

پانچویں منزل وادی نخلہ

دایرہ وہ سے چل کر زمین صلیبا سے ہوتا ہوا یہ قافلہ وادی نخلہ میں پہنچا۔ ایک دن اور ایک رات وہاں مقیم رہا۔

چھٹی منزل شہر لبأ

صبح کو وادی نخلہ سے کوچ ہوا۔ شام کو لبأ میں داخلہ ہوا۔ جب یہ لوگ شہر میں داخل ہوئے اور وہاں کے لوگوں کو واقعات کر بلا کے حالات سے پوری واقفیت ہوئی تو وہ لوگ ہجوم کر کے جناب امام حسینؑ کے سر مبارک کو دیکھ کر آپ پر اور آپ کے جدو پدر پر درود و سلام بھیجنے لگے اور ایک زبان ہو کر ہمراہیان شمر ذی الجوش علیہ اللعن پر لعنت بھیجنے لگے۔ شمر ذی الجوش نے اُن سے مقابلہ کیا اور اُن کو قتل و غارت کر کے اور ان کی آبادی کو خراب کر کے وہاں سے کوچ کیا اور دیہہ کھیل میں داخل ہوئے۔

ساتویں منزل دیہہ کھیل

یہ ایک چھوٹی سی ہستی علاقہ موصل کے متعلق دجلہ کے کنارے پر واقع ہے۔ یہاں بھی ایک شبانہ روز قیام ہوا۔

آٹھویں منزل شہر نصیبین

یہاں بھی ایک شبانہ روز قیام ہوا۔

نویں منزل شہر دعوات

شہر نصیبین سے اٹھ کر ارض عین الورد ہوتے ہوئے یہ لوگ شہر دعوات کے نزدیک پہنچے۔ شمر ذی الجوش نے یہاں کے

لوگوں کو بھی ویسا ہی اطلاع نامہ بھیجا جیسے پہلے موصل اور نکریت کے عاملوں کو لکھ بھیجا تھا۔ حاکم دعوات نے نہایت سرگرمی سے اس حکم نامہ کی تعمیل کی اور تمام شہر کو آراستہ و پیراستہ کیا اور نہایت تزک و احتشام سے شہر وغیرہ کا استقبال کر کے شہر میں لایا اور وسط شہر میں اُس مقام پر جسے 'حُبہ' کہتے تھے، ایک بلند نیزہ پر جناب امام حسین علیہ السلام کے فرقی مبارک کو نصب کر دیا اور ایک آدمی کو اس نیزہ کے نیچے چلا چلا کر کہنے کیلئے بٹھا دیا کہ 'ہذا راس الخار جی' (معاذ اللہ)۔

الغرض وہ گمراہ صبح و شام تک برابر چلا چلا کر یہی کہتا تھا..... علمائے کرام کی بعض تالیفات سے مستفید ہوتا ہے کہ جس مقام پر آپ کا سر مبارک نیزہ پر نصب کیا گیا تھا، وہ مقام ہمیشہ متبرک اور مقدس خیال کیا جاتا تھا اور عوام الناس انجارج مطالب اور اجرائے مقاصد کے لئے وہاں حاضر ہو کر دعائیں مانگتے تھے اور خدائے سبحانہ و تعالیٰ ان کے جملہ مطالب و مقاصد کو مستجاب فرماتا تھا۔

دسویں منزل شہر قسریں

شہر دعوات سے اٹھ کر یہ قافلہ شہر قسریں کے قریب پہنچا۔ یہ شہر حلب سے ایک منزل پر واقع ہے۔ جب اس لشکر کی آمد کی خبر قسریں میں پہنچی تو چونکہ وہاں کثرت سے شیعان علیٰ ابن ابی طالب آباد تھے، اُن لوگوں نے وہاں کے دروازے بند کر لئے اور اپنے گھروں کی چھتوں پر چڑھ کر قاتلانہ امام مظلوم پر لعن و طعن کرنے لگے، اُن پر پتھر پھینکنے لگے اور کہنے لگے: اے قاتلانہ آل رسول! اگر تم ہم سب کی گردنیں بھی توار کے نیچے رکھ دو گے، تو ہم تم میں سے ایک کو بھی اپنے شہر میں آنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

جب ان لوگوں نے یہ مستعدی اور تیاری دیکھی تو قسریں کے قیام سے باز آ کر مقبرۃ النعمان میں اترے۔

گیارہویں منزل مقبرۃ النعمان

اس مقام کے لوگوں نے ان لوگوں کو اترنے کی جگہ دی اور رسد وغیرہ سب مہیا کر دی۔ وہ لوگ وہاں بہ آرام تمام شب بھر قیام کر کے علی الصبح 'مقام شیرز' کی طرف روانہ ہوئے۔

بارہویں منزل شہر شیرز

جب یہ قافلہ 'شہر شیرز' کے قریب پہنچا تو وہاں قیام کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس شہر میں ایک ضعیفہ رہتی تھی۔ اس نے شہر کے لوگوں کو جمع کر کے کہا کہ مجھ کو بہ تحقیق خبر ملی ہے کہ یہ قوم جفا پیشہ فرزند محمد مصطفیٰ علی مرتضیٰ کا فرقی مبارک لے کر آرہی ہے۔ پس

ان لوگوں کو اپنے شہر میں نہ آنے دو کیونکہ ان کے آنے سے ہم سب دائرۃ اطاعت آل محمدؐ سے خارج ہو جائیں گے۔ اُس کی یہ تقریر سن کر تمام شہر کے لوگ ابن زیاد ملعون کی مخالفت پر متفق ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لشکر شقاوت اثر وہاں اترنے نہ پایا۔ وہاں سے اٹھ کر ایک چھوٹے سے قلعہ میں جو اسی شہر کے باہر تھوڑے سے فاصلہ پر بنا ہوا تھا، پہنچے۔ یہ قلعہ چھوٹا تو ضرور تھا مگر بہت ہی مستحکم تھا۔ اس قلعہ کو 'قلعہ کفر طلب' کہتے تھے۔ قلعہ والوں نے بھی دروازے بند کر لئے اور ان لوگوں کو آنے نہ دیا، بلکہ قلعہ پر سے ان کی مدافعت کی فکر کرنے لگے۔ یہ حالت دیکھ کر خولی ملعون قلعہ کے نیچے آیا اور کہنے لگا کیا تم لوگ یزید ابن معاویہ کی رعایا اور زپر فرمان نہیں ہو؟ تم لوگ ہمارے لشکر کو قلعہ میں آنے دو۔ قلعہ کے دروازے کھول دو اور آب و طعام اور جملہ ضروریات سے ہماری خبر لو۔ اُن لوگوں نے یک زبان و یک کلام ہو کر جواب دیا کہ قسم خدا کی! ہم تم کو ایک گھونٹ پانی بھی نہیں دیں گے کیونکہ تم وہی ہو جنہوں نے جناب امام حسین علیہ السلام کو بھوکا پیاسا میدانِ کربلا میں شہید کیا۔ اُن کا یہ کلام سن کر خولی کو پوری مایوسی ہو گئی۔ وہاں سے روانہ ہوئے اور ارضِ سیبور میں داخل ہوئے۔

تیرہویں منزل ارضِ سیبور

جب یہ قافلہ ارضِ سیبور میں داخل ہوا تو تمام شہر کے لوگ جمع ہو کر اس امر پر شور مچا کرنے لگے کہ آیا ان لوگوں کو یہاں پر اتارا جائے یا اور ہمسایہ مقامات کی طرح اُن کو شہر میں نہ آنے دیا جائے۔ اُن لوگوں میں ایک شخص جو صاحبِ عثمانؓ بن عفان سے تھا، اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ لشکرِ یزید کو آنے دیا جائے..... حاضرین نے جواب دیا: 'قسم خدا کی ہم ایسا نہیں کریں گے'..... پس وہ لوگ وہاں سے اٹھے اور تمام پانی کے حوض کاٹ دیئے کہ اُن کا پانی بہہ گیا اور مستعدِ جنگ ہو کر باہر نکل آئے۔ اتنے میں لشکرِ ابن زیاد ملعون بھی آ گیا۔ دونوں لشکروں میں سخت لڑائی ہوئی۔ لشکرِ ابن زیاد سے چھ سو آدمی مارے گئے اور اہلِ سیبور سے بھی اکثر لوگ مارے گئے۔ بہر حال اہلِ سیبور نے کسی طرح ان لوگوں کو اپنے شہر میں ٹھہرنے کی اجازت نہ دی اور یہ آخر کار مجبور ہو کر وہاں سے واپس ہوئے۔

چودھویں منزل شہرِ حما

یہاں کے لوگ بھی اُسی طرح پیش آئے اور یہ قافلہ وہاں سے بھی بے نیل و مرام واپس ہو کر شہرِ حمص پہنچا۔

پندرہویں منزل شہرِ حمص

حمص شہرِ حلب و دمشق کے درمیان واقع ہے۔ یہاں کا قلعہ مستحکم و مشہور ہے۔ خالد بن ولید حمص کا گورنر تھا۔ شرذمہ

الجوشن نے خالد ملعون کو اپنے آنے کی خبر لکھ بھیجی اور رسد رسانی وغیرہ کے ضروری انتظامات کے لئے ہدایت کی۔ خالد نے تمام شہر میں آئینہ بندی کا حکم دیا اور خود بھی بڑی شان و شوکت سے اپنی فوج کے ہمراہ لشکر یزید کے استقبال کے لئے روانہ ہوا..... خالد جب اس لشکر شقاوت اثر کے ہمراہ پھر شہر میں آیا تو تمام شہر میں اندر بچ گیا، تمام لوگ فوج یزید پر اینٹ پتھر پھینکنے لگے اور ان کے چھپیس (۲۶) آدمیوں کو مار ڈالا۔ اہل شہر ان لوگوں کو مارتے جاتے اور کہتے جاتے تھے: 'اے قوم! ہمراہ! بعد ایمان کے کفر نہیں ہو سکتا اور بعد ہدایت کے ضلالت نہیں ہو سکتی۔ آخر کار اہل شہر نے فوج ابن زیاد ملعون کو ہٹاتے ہٹاتے 'کنیہ' قیس، تک پہنچا دیا۔ تمام اہل شہر اس امر پر متفق ہو گئے کہ اس قوم جفا شعار سے مقابلہ کیا جائے اور ان سے فرق امام حسین علیہ السلام چھین لیا جائے۔ چونکہ اہل حص جرات و شجاعت میں مشہور تھے، اس لئے شمر اور خولی کے افسران فوج نے شہر دمشق تخت گاہ شام کو قریب سمجھ کر ان سے مقابلہ و مقاتلہ کیلئے مناسب وقت نہ سمجھا اور طرح دے کر وہاں سے کوچ کیا۔

سولہویں منزل بعلبک

بعلبک دمشق سے تین روز کی راہ پر واقع ہے..... شمر ذی الجوش ملعون نے یہاں کے امیر کے نام بھی رسد رسانی وغیرہ کے پورے انتظام کیلئے کامل ہدایت کی۔ امیر بعلبک نے شمر کے فرمان کی تکمیل کی اور تمام شہر میں آئینہ بندی کروادی..... جناب ام کلثوم سلام اللہ علیہا نے پوچھا کہ اس شہر کا کیا نام ہے۔ معلوم ہوا بعلبک۔ آپ نے فرمایا: 'خدائے تعالیٰ ان کی سرسبزی و شادابی کو خراب کرے اور ان کا پانی پینا گوارا نہ کرے۔ اگرچہ تمام دنیا عدل و داد سے پُر ہو لیکن اُن کو سوائے جور و ستم کے اور کسی شے سے کوئی حصہ نہ ملے۔ المختصر یزید کا لشکر شب بھر نہایت عیش و عشرت اور راحت و آرام سے بسر کر کے صبح ہوتے ہی روانہ ہوا۔

سترہویں منزل دیر راہب

اب یہ قافلہ دیر راہب پہنچا..... جب یہ فوج دیر راہب کے قریب اتری اور عیش و عشرت میں مصروف ہوئی تو جناب امام حسین علیہ السلام کے فرق مبارک کو ایک مضبوط اور مستحکم صندوق میں بند کر دیا اور صندوق کو عمارت دیر کے قریب رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد جب ان کی بے نوشی مبدل بہ بے ہوشی ہونے لگی تو انہوں نے جامِ صحبت کو برخواست کر کے سفرہ طعام بچھایا۔ ناگاہ دیوار سے ایک ہاتھ نمودار ہوا اور اُس نے مونے حرفوں میں یہ شعر دیوار پر لکھ دیا:

شفاعۃ جدہ یوم الحساب

اترجوا امة قتلت حسینا

”جن لوگوں نے حسین علیہ السلام کو قتل کیا، کیا وہ قیامت کے دن ان کے نانا کی شفاعت کی توقع رکھتے ہیں؟“

یہ دیکھ کر اُن کو سخت تعجب ہوا اور چاہا کہ اٹھ کر اس ہاتھ کو تھام لیں کہ اتنے میں وہ ہاتھ غائب ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ہاتھ پھر نمودار ہوا اور ویسے ہی یہ شعر لکھ دیا:

فقد والله ليس لهم شفيع
وهم يوم القيامة في العذاب
”میں اللہ کی قسم! ان کے لئے کوئی شفاعت نہیں اور وہ قیامت کے دن عذاب میں ہوں گے۔“

ان لوگوں نے اس ہاتھ کو پھر روکنے کا قصد کیا مگر وہ غائب ہو گیا۔ تیسری بار پھر ظاہر ہوا اور یہ شعر لکھا:

وقد قتلوا الحسين بحكم جور
وخالف حكمهم حكم الكتاب
”انہوں نے ایک ظالمانہ فیصلے کے ذریعہ حسینؑ کو قتل کیا اور ان کا فیصلہ کتاب اللہ کے فیصلے کے خلاف تھا۔“

یہ اشعار صاحبِ تاریخ اور روضۃ الاحباب نے لکھے ہیں۔ محقق ابو مخنف نے اپنے مقتل میں سہل ساعدی کی سند سے دو شعر اور لکھے ہیں:

وقد غضبوا لاله وخالفوه
ولم يخشوه في يوم الماب
الا لعن الا منى زياد
واسكنهم جهنم في العذاب

”انہوں نے اللہ کے حکم کی مخالفت کی اور اسے غضب ناک کیا، ان پر اس کی لعنت ہے اور عذابِ جہنم میں ان کا ٹھکانہ ہے۔“

یہ آثارِ عظیم مشاہدہ کر کے لشکر والوں کے ہوش و حواس جاتے رہے اور مارے خوف کے ان لوگوں نے رات کو کچھ نہ کھایا۔

راہبِ نصرانی کی یہ کیفیت ہوئی کہ اس کے کانوں میں عجیب و غریب آوازیں آنے لگیں۔ جب وہ حسبِ معمول آدمی رات گئے عبادتِ الہی کے لئے اٹھا تو اُس نے دیکھا کہ ایک صندوق رکھا ہے اور اُس سے ایک عظیم الشان نور تار آسمان ساطع ہے، دروازہ ہائے آسمان کھلے ہوئے ہیں اور فرشتگانِ رحمت اس صندوق پر صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہیں.....

راہب یہ حال دیکھ کر سخت متعجب ہوا اور رات بھر خوف و بیم میں مبتلا رہا۔ جب سپیدہٴ سحر نمودار ہوا تو وہ جماعتِ شقاوت پیشہ کے پاس آیا اور خولی سے پوچھنے لگا کہ اس صندوق میں کیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ معاذ اللہ اس صندوق میں ایک خارجی کا سر ہے جو یزید کے خلاف ہو کر چڑھ آیا تھا لیکن ابنِ زیاد نے اس کو قتل کر ڈالا۔ اب ہم لوگ اس کے سر کو یزید ابنِ معاویہ کے

پاس لئے جارہے ہیں۔ راہب نے پوچھا کہ اس شخص کا کیا نام ہے۔ اُس نے جواب دیا حسین ابن علی۔ یہ سن کر راہب نے جواب دیا کہ خدا تمہاری قوم کو ہلاک کرے۔ تم نے ویسا ہی کام کیا جو ہمارے فرقہ کے علماء اور بزرگوار ہمیں بتلا گئے تھے۔

‘إِنَّهُ إِذَا قِيلَ هَذَا الرَّجُلُ تَمَطَّرُ السَّمَاءُ دِمَاعٍ بَيْطًا’.

جس وقت یہ بزرگ قتل ہوگا، اُس وقت خونِ تازہ آسمان سے برسے گا اور یہ امرِ عظیم سوائے قتلِ انبیاء اور اوصیاء کے ممکن نہیں ہے۔ اب میں تم لوگوں سے ہمت کہتا ہوں کہ تھوڑی دیر کے لئے اس سر کو میرے پاس رہنے دو۔ خولی نے کہا کہ یہ سرتو سوائے یزید بن معاویہ کے اور کہیں کھولا نہیں جاسکتا کیونکہ ہم لوگوں کو اس کے لئے انعامات گرانمایہ ملنے والے ہیں۔ راہب نے پوچھا کہ اس کے لئے تم کو کون سا انعام ملنے والا ہے۔ خولی نے کہا دس ہزار درہم۔ راہب نے اسی وقت دس ہزار درہم کی تھیلی اس کے حوالہ کر دی اور سر مبارک امام حسین علیہ السلام لے کر اپنے زیر میں داخل ہوا، فرقہ مبارک کو مشک وغیرہ سے معطر کر کے ایک ریشمی کپڑے میں رکھا اور یوں مخاطب ہو کر کہا:

‘وَاللّٰهُ لِعَزَّ عَلَىٰ يَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ اَنْ لَا اُوَاسِبَكَ بِنَفْسِي وَلَا كُنْ يَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ اِذَا لَقِيتْ جَدَّكَ مُحَمَّدَ الْمُصْطَفٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم فَاشْهَدْ لِي اَنِّي اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدَ الرَّسُولِ اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا وَلِيُّ اللّٰهِ اَسْلَمْتُ عَلَىٰ يَدَيْكَ وَاَنَا مُوَلَّاكَ’.

”اللہ کی قسم! اے ابا عبد اللہ! مجھ پر یہ بات گراں ہے کہ میں اپنی جان آپ پر فدا نہ کر سکوں۔ لیکن اے ابا عبد اللہ! جب آپ اپنے جد بزرگوار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کریں تو گواہی دیجئے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول اور علی اللہ کے ولی ہیں، میں آپ کے ہاتھ پر اسلام لے آیا ہوں اور میں آپ کا غلام ہوں۔“

اقرارِ شہادت کے بعد وہ مسلمان ہو گیا۔ روایاتِ علماء سے مستفاد ہوتا ہے کہ فرقہ مبارک امام حسین علیہ السلام نے اسی وقت اس راہب کو دخولِ جنت کا وعدہ فرمایا۔ ملاحظہ ہو ”بحر اللیالی“، ”جلا العیون“ وغیرہ۔

جب فوجِ ابن زیاد نے کوچ کر کے دوسرے مقام پر قیام کیا تو اس تھیلی کو منگوا کر آپس میں تقسیم کرنا چاہا، دیکھا تو تھیلی کے ایک طرف لکھا ہوا پایا:

”لَا تَحْسَبَنَّ اللَّهُ عَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ“

”اللہ کو ظالموں کے اعمال سے غافل نہ سمجھو۔“

اُس کے دائی طرف لکھا ہوا تھا:

”وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ“

”اور جلد ہی ظالم دیکھ لیں گے کہ ان کا انجام کیا ہونے والا ہے۔“

خولی نے ان دونوں آیتوں کو پڑھ کر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ کہا اور اپنے ہمراہیوں سے اس راز کو پوشیدہ رکھا.....

اٹھارہویں منزل شہر حران

حافظ جمال الدین محدث روضۃ الاحباب میں لکھتے ہیں کہ جب یہ قافلہ حران کے قریب پہنچا تو یہاں بھی ایک عالم یہود جس کا نام یحییٰ خُرانی تھا، ایک نیلہ پر اپنے کلیسا میں رہتا تھا۔ اس کو جب ان لوگوں کے آنے کی خبر پہنچی تو وہ اپنے نیلہ سے اتر کر راہ میں کھڑا ہو گیا، یہاں تک کہ لشکر ابن زیاد ملعون ظاہر ہوا۔ اس نے دیکھا کہ سرہائے بریدہ نیزوں پر بلند ہیں اور غریب عورتیں اور بچے سرعریان، پریشان و حیران ننگے اونٹوں پر سوار ہیں۔

جونہی یحییٰ خُرانی کی نظر فرق مبارک امام حسین علیہ السلام پر پڑی، آپ کے جمال مبارک کی طلعت نے اُس کی آنکھوں میں خیرگی پیدا کر دی۔ پھر جب اس نے غور سے نگاہ کی تو دیکھا کہ آپ کے لبہائے مبارک بھی جنبش میں ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ اور قریب آیا اور کان لگایا تو سنا کہ آپؑ فرماتے ہیں:

”وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ“

یہ دیکھ کر اس کے ہوش و حواس جاتے رہے اور سخت خوف لاحق ہوا۔ آخر وہ سرداران لشکر کے پاس آیا اور پوچھا کہ یہ اسیر کون ہیں۔ جواب ملا امام حسین علیہ السلام کے عزیز و اقارب۔ یہ سنتے ہی یحییٰ نے ہائے کر کے رونا شروع کیا اور کہنے لگا کہ شکر اس خدائے بزرگ کا کہ بہت سے اسرارِ نہفتہ آج ہم پر ظاہر ہو گئے۔ واللہ کہ شریعت محمدیؐ میں خونِ ناحق کی سزا ہمیشہ کے لئے جہنم ہے.....

پھر اس نے پوچھا کہ اس حسینؑ کی ماں کا کیا نام ہے۔ معلوم ہوا کہ فاطمہؑ و دخترِ محمد مصطفیٰ۔ یہ سنتے ہی وہ یہودی راہب مسلمان ہو گیا۔ اس نے چاہا کہ چادر وغیرہ ہدیہ کے طور پر اہل بیتِ کرام کی نذر کرے مگر افسرانِ فوج نے اس کو منع کر دیا اور

سطوت یزید سے ڈرایا۔ اس کو اُن لوگوں پر سخت غصہ آیا، محبتِ اہل بیت کے خلوص میں اس نے اُن سے مقابلہ کیا اور مارا گیا۔ اس کو دروازہ خُران میں مدفون کر دیا۔ وہ اب تک یحییٰ شہید کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے..... یہ شہر شہرِ رقعہ سے دور وزکی راہ پر واقع ہے۔

اُنیسویں منزل شہر دمشق

خُران سے کوچ کر کے یہ فوج ستم پیشہ دمشق پہنچی۔ جب شہر میں داخلہ کا وقت آیا تو جناب ام کلثومؑ نے شمر ذی الجوشن ملعون کو خطاب کر کے فرمایا کہ میری ایک استدعا ہے۔ اگر تو اسے مان لے گا تو تیرا خاص احسان ہوگا۔ وہ یہ ہے کہ یہ شہر دمشق ہے، ہزاروں کیا لاکھوں تماشا نیوں اور بلوائیوں کا سامنا اور ہجوم ہے، ہم کو کیا تو ایسے دروازہ سے لے چلو جہاں آبادی کم ہو اور تماشا نیوں کا ہجوم بھی نہ ہو اور نہیں تو مظلوم شہیدوں کے سروں کو ہمارے اونٹوں کے آگے لے جاؤ کہ تماشا نی اُن کے دیکھنے میں مصروف ہو جائیں اور پھر ہماری طرف ان کو دیکھنے کا موقع نہ ملے۔ مگر شمر ملعون ایسا کب تھا کہ اس تجویز کو پسند کرتا۔ اُس نے اس کے برعکس کیا اور مصیبت زدوں کو دروازہ ساعات سے جہاں تمام شہر سے زیادہ آبادی تھی اور تماشا نیوں کا بھی ایسا ہجوم تھا کہ شانہ سے شانہ چھلتا تھا، شہر میں لے چلا (صحیفۃ العابدین، ص ۲۶ تا ۳۷)۔

اس کے بعد کے واقعات ہم ”بازارِ دمشق“ کے عنوان کے تحت رقم کریں گے۔ کئی ایک مؤرخین نے تقریباً انہی یا ان سے ملتی جلتی منازل کا ذکر کیا ہے جہاں سے اہل بیتؑ رسول اکرم کے اسیروں کو کوفہ سے دمشق تک لے جایا گیا۔ تھوڑا بہت جو اختلاف ہے اس کی وجہ صرف دو پر حاضری طرح واقعات کو جمع نہ کر سکنے کے لئے ایسے آلات کا فقدان ہے جو اب ایجاد ہو چکے ہیں۔ نیز جیسا کہ ہم ابتدائے کتاب میں تحریر کر چکے ہیں کہ واقعات لکھنے والے دشمن کی فوج کے وقائع نگار ہیں جنہوں نے ہر جگہ اپنی مرضی اور یادداشت سے کام لیا ہے تاہم خلاصہ واقعات ایک ہی بنتا ہے۔ مثال کے طور پر ہم اپنے قارئین سے التجا کریں گے کہ ”صحیفہ کاملہ“ جمع کردہ سید قائم رضا نسیم امروہوی صاحب، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، کے صفحہ ۱۱۹ تا ۱۲۱ کی طرف رجوع فرمائیں جہاں منزل بمنزل قافلہ اہل بیت کے سفر کوفہ تا دمشق کی تحقیق پیش کی گئی ہے۔

اس کے بعد ہم اب ایک بار پھر عماد زادہ صاحب کی کتاب ’تاریخ زندگانی امام حسین علیہ السلام‘ سے، جو اس موضوع پر جدید ترین کتب میں سے ایک ہے، اس سفر کی تفصیل پیش کرتے ہیں جس کی تحقیق میں فاضل مصنف نے بہت کافی محنت و کاوش سے کام لیا ہے۔ ان تفصیل کا بیان اس لئے بھی ضروری ہے کہ ہماری خدمت کی سوانح حیات سے اس کا بہت عمیق تعلق ہے اور

اس سفر میں بطور سالانہ قافلہ جس کی ذمہ داریوں میں حفاظتِ قافلہ، دفاعِ امامِ وقت اور جملہ اسیران کی سرپرستی وغیرہ شامل ہیں، جن کو شہزادی سلام اللہ علیہا نے نہایت پامردی و استقلال و استقامت کے ساتھ اس طرح انجام دیا کہ آپ کی ہستی سب مصیبت زدہ و مظلوم افراد کے لئے مستقل سہارا تھی۔ مؤلف مذکور ”خط سیر اسرار از کوفہ تا شام“ کے عنوان کے تحت اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

”پس از توقفِ اسراء در کوفہ و گزارشِ ابنِ زیاد بہ یزید و فرمانِ حرکتِ دادنِ اسراء بہ شام، اسبابِ سفرِ شام را تہیہ دیدند و از راہِ موصل بہ طرفِ شام حرکت کردند۔“
 ”ابنِ زیاد زجر بنِ قیس، محض بنِ ابی ثعلبہ، شمر بنِ ذی الجوشن را مامور کرد کہ با پنج ہزار سوار اسراء و سرہارا بہ شام بردند۔ روزِ اوّل ماہِ صفر بود کہ اسراء واردِ شام شدند (مقتلِ الحسینؑ، ص ۲۲۸، ارشادِ مفید، حبیب السیر، ص ۲۰۳، ج ۲، دمعۃ الساکبہ، ص ۲۶۹، حجة السعادة فی صحۃ الشہادہ، ص ۵۷۔“

۱۔ کنارِ شطّ فرات

شمر، رئیسِ قافلہ بود، امامِ سجاد را بہ غل و زنجیر بہ شتر بستند، و کودکان را با خفت و خواری، روی کجاوہ ہای بی روپوش زنان نشانندہ و سرہای بریدہ را بر نیزہ ہا کردہ حرکت نمودند۔ چون مقداری راہ رفتند، کنارِ شطّ فرات منزل کردند، و سرہارا پای دیوارِ خرابہ ای گذاشتند و نشستند بہ قمار و لہو و لعب و شربِ خمر، در این بین دیدند دستی از بالای سرِ مبارک سید الشہداء ظاہر شد و با قلمِ خونین بر دیوارِ نوشت:

أترجوا أمة قتلت حسيناً شفاعۃ جدّہ يوم الحساب

آنها برخاستند آن دست را بگیرند، کسی را نیا فتند، باز نشستند مشغولِ قمار شدند، آن دست ظاہر شد و این شعر بہ رنگِ خون نوشت:

فلا والله ليس لهم شفيع وهم يوم القيامة في العذاب

دویدند دست را بگیرند کہ ناپدید شد، باز بہ عیشِ خود مشغول شدند کہ این ابیات از ہاتفی شنیدند:

ما ذا تقولون اذ قال النبی لکم
 ما ذا فعلتم و انتم آخر الامم
 بعترتی و بأہلی عند مفقدي
 منهم أساری و منهم ضرجوا بدم

۲- تکریت

منزل دوم تکریت بود، در نزدیکی این منزل چند نفر را فرستادند به شهر که خبر دهند تا از آنها استقبال کنند. اهل شهر تکریت به استقبال اسرای کربلا آمدند، و جمعی از نصارادر آن شهر بودند گفتند: چه خبر است؟ اینها چه کسانی هستند؟ گفتند: سر حسین را با اسرای اومی آوردند، پرسیدند: کدام حسین؟ گفتند: پسر فاطمه دختر زاده پیغمبر صلی الله علیه وآله وسلم آخر الزمان، نصارا گفتند: اف بروی شما مردم باد که پسر پیغمبر صلی الله علیه وآله وسلم را کشتید، و برگشتند به کنایس خود و ناقوس زدند، و به گریه پرداختند و عرض کردند: ما از این عمل بی زاریم و آنها را سرزنش کردند.

۳- وادی نخله

از تکریت کوچ کرده به وادی نخله رسیدند، آنجا صدای ضجه و نوحه بسیاری شنیدند که اصحابش رانمی دیدند.
و یکی می گفت:

مسح النبّی جبینہ ولہ بریق فی الخدود

ابواه من علیا قریش و جدّه خیر الجدود

و دیگری می گفت:

الا یا عین جودی فوق جدی فم یبکی علی الشهداء بعدی

علی رهط تقودهم المنايا الی متجبر فی ملک عبد

۴- مرشاد

از وادی نخله به مرشاد رسیدند، زنان و مردان آن شهر به استقبال آمدند و بادیدن این قافله، صدای ضجه و ناله آنها بلند شد، و بهیم آن رفت که بر قتله حمله کنند.

۵- حران

قافله اسرا به نزدیکی حران رسید، در بالای بلندی منزل یک یهودی بود به نام یحیی خزانی، به استقبال ایشان آمد و تماشای سرها را می کرد که چشمش به سر مبارک سید الشهداء افتاد، دید لبهای مبارکش می جنبید، پیش رفته گوش فرا داشت، این کلام شنید:

”و سَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ“

یحییٰ از مشاهده این حال به شگفتی فرو رفته پرسید: این سر کیست؟ گفتند: سر حسین بن علی! پرسید: مادرش کیست؟ گفتند: فاطمه دختر رسول خدا (صلی الله علیه و آله وسلم)، یهودی گفت: اگر دین او بر حق نبود، این کرامت از او ظاهر نمی شد. یحییٰ اسلام آورد، و عمامه دق مصری که در سر داشت، از سر خود برداشت و قطعه قطعه کرد به خواتین حرم محترم داد، و جامه خنزی که پوشیده بود به جهت امام زین العابدین (علیه السلام) فرستاد، و با هزار درهم که صرف ما محتاج نمایند، آنها که موکل سرها بودند، بر او بانگ زدند که مغضوبین خلیفه را اعانت و حمایت می کنی؟ دور شو و گرنه تو را خواهیم کشت. یحییٰ با شمشیر از خود دفاع کرد، جنگ در گرفت و پنج تن از آنها را کشت و کشته شد، مقبره یحییٰ در دروازه حران معروف است به مقبره یحییٰ شهید و محل استجابت دعا است.

۶- نصیبین

چون قافله به نصیبین رسیدند، شمر یک نفر را فرستاد تا امیر شهر را خبر کنند و شهر را زینت کرده مهیای پذیرائی اسرای آل عصمت نمایند، امیر آن شهر نامش منصور بن الیاس بود، به استقبال قافله رفتند. چون لشکر کوفه و شام وارد شهر شدند، ناگهان برقی بجست و نیمه شهر را بسوخت، و کلیه مردمی که در آن قسمت برق زده بودند، سوختند. امیر قافله، شرمگین و بیمناک از غضب خدا شده، بیدرنگ حرکت کردند.

۷- حوزه فرمانداری سلیمان یا موصل

قافله اسرا ره به شهر دیگری که نامش بر ما معلوم نیست بردند، رئیس این شهر سلیمان بن یوسف بود که او دو برادر داشت، یکی در جنگ صفین به دست امیر المؤمنین (علیه السلام) کشته شده بود، و دیگری شریک حکومت این شهر بود. یک دروازه متعلق به سلیمان و دروازه دیگر متعلق به برادرش. سلیمان دستور داد سرهای بریده را از دروازه فرمانفرمائی او وارد کنند، همین امر سبب نزاع دو برادر شد و جنگ در گرفت و سلیمان در آن جنگ کشته شد، و فتنه و غوغای عجیبی رخ داد که موجب توخس شمر و رفقاییش گردید، بازتابان از آن شهر هم بیرون رفتند.

۸- حلب

در نزدیکی حلب کوهی است، و در دامنه کوه قریه ای بود که جمعیت آن یهودی بودند، و در

(قلعه) حصاری محکم زندگی می کردند و شغل آنها حریر بافی بود، و مصنوع آنها و لباس آنها در حجاز و عراق و شام به لطافت شهرت داشت. در دامن کوه کوتوالی بود که نامش عزیز بن هارون و رئیس یهود بود، قافله را در دامن کوه که آب و علف فراوان داشت، فرود آوردند. چون شب در آمد، کنیزکی که نامش شیرین بود نزدیک اسرا آمد و یکی از خانمهای اسیر را شناخت که در سابق خدمتگزار او بود. برخی نوشته اند: شهر بانو ولی اشتباه است، و شاید رباب بوده باشد.

کنیز که چشمش بر خانم افتاد و لباسهای مندرس و کهنه او را دید شروع به گریستن کرده، سبب گریه او را پرسیدند، گفت: فراموش نمی کنم روزی که حضرت امام حسین (علیه السلام) در صورت شیرین نگریست و به طور مطایبه به شهر بانو فرمود: شیرین عجب روی افروخته ای دارد، شهر بانو به گمان آنکه امام در شیرین میلی کرده عرض کرد: یابن رسول الله! من او را به تو بخشیدم، امام فرمود: من در راه خدا او را آزاد کردم. شهر بانو خلعت بسیار نفیسی به کنیزک پوشانید و او را امر تخص کرد. امام حسین (علیه السلام) فرمودند: تو کنیزان بسیار آزاد کردی و هیچ یک را خلعت ندادی، عرض کرد: آنها آزاد کرده من بودند، و این آزاد کرده شما است، باید فرقی بین آزاد کرده من و آزاد کرده شما باشد. امام (علیه السلام) شهر بانو را دعا فرمود و شیرین هم در خدمت شهر بانو بود تا هنگام رحلت. و آن شب که به لباسهای کهنه خانمهای اسیر را دیده، پریشان خاطر شد، اجازه گرفت داخل ده شد تا آنچه اندوخته بود لباس خوب تهیه کند برای خانمهای بیاورد. چون به حصار رسید، در بسته بود، دق الباب کرد، عزیز رئیس قبیله پرسید: آیا شیرین هستی؟ گفت: آری، پرسید: نام مرا از کجا دانستی؟ عزیز گفت: من در خواب موسی و هارون را دیدم، سروپای برهنه بادیده های گریان مصیبت زده بودند، سلام کردم پرسیدم: شمارا چه شده چنین پریشان هستید؟ گفتند: حسین پسر دختر پیغمبر را کشته اند و سر او را با اهل بیتش به شام می برند، و امشب در دامن کوه منزل کرده اند.

عزیز گفت: پرسیدم از موسی مگر شما به حضرت محمد (صلی الله علیه و آله وسلم) و پیغمبری اش عقیده دارید؟ گفت: آری، او پیغمبر به حق است و خداوند از همه ماها در بارئه او میثاق و پیمان گرفته، و ما همه به او ایمان داریم، و هر کس از او اعراض کند، ما از او بیزاریم. من گفتم: نشانی به من بنما که یقین کنم فرمود: اکنون برو پشت در قلعه، کنیزکی به نام شیرین وارد می شود، او آزاد کرده حسین (علیه السلام) است، از او پذیرائی کن و به اتفاق او نزد بگفت و از نظر ما غایب شد، آدم پشت در که تو در زدی.

شیرین لباس و خوراک و عطریات برداشت و عزیز هم هزار درهم به موکلان داد که مانع

پذیرائی شیرین نشوند تا خدمتی به اهل بیت نمایند. عزیز، خود ده هزار دینار خدمت سید الساجدین بردو به دست آن حضرت به شرف اسلام مشرف گردید، و از آنجا به پیشگاه سر مقدس حضرت سید الشهداء (علیه السلام) آمد و گفت: السلام علیک یابن رسول الله، گواهی می دهم که جد تو رسول خدا و خاتم پیغمبران بود، و حضرت موسی و هارون به شما سلام رسانیده اند.

سر مقدس حضرت حسین (علیه السلام) با کمال صراحت لهجه آواز داد که: سلام خدا بر ایشان یاد. عزیز عرض کرد: ای آقای بزرگ شهید! می خواهم مرا شفاعت کنی، و نزد جدت رسول خدا از من راضی باشی. پاسخ شنید که: چون مسلمان شدی خدا و رسول از تو خوشنود شدند، و چون در حق اهل بیت من نیکی کردی، جد و پدر و مادرم از تو راضی گردیدند، و چون سلام آن دو پیغمبر را به ما رسانیدی من از تو خوشنود شدم. آنگاه حضرت سید الساجدین (علیه السلام) عقد شیرین را به عزیز بست و تمام اهل قلعه مسلمان شدند.

۹- دیرنصرانی

قافله از آنجا حرکت کرد و به طرف دیرپیش رفت، ابو سعید شامی با فرماندهان قافله رفیق بود، او روایت کرد که: روزی در سفر شام به دیر رسیدند، قافله در میان بیابان فرود آمد، نصارا مطلع شدند، و ضمناً خبری که به شمر دادند که نصر حزامی لشکری فراهم کرده می خواهد نصف شب بر آنها شبیخون زند و سرهای بریده را بگیرد، در میان رئوسای لشکر اضطرابی عظیم رخ داد، و پس از تبادل افکار قرار شد شب را در دیر پناه ببرند.

شمر و یارانش آمدند نزدیک دیر، کشیش بزرگ آمد بر فراز دیوار گفت: چه می خواهید؟ شمر گفت: ما از لشکر ابن زیادیم، و از عراق به شام می رویم، کشیش پرسید: برای چه کار می روید؟ شمر گفت: شخصی بر یزید خروج کرده بود، یزید لشکری جرار بر او تاخت و او را کشتند و سرهای او و اصحابش را با اسرای حرمش به نزد یزید می بریم، کشیش گفت: سرها را ببینم، نیزه دارها سرها را نزدیک دیوار بلند کردند، چشم کشیش بر سر مبارک سید الشهداء (علیه السلام) افتاد، دید نوری از آن ساطع است و روشنی مخصوصی از آن لامع است. از پرتو انوار آن هیتی بر دل کشیش افتاد گفت: این دیر کفایت شما را نمی کند، سرها و اسیران را داخل دیر نمائید، و خودتان پشت دیوار بمانید و کشیک بکشید که مبادا دشمنی بر شما حمله کند، و اگر حمله کردند بتوانید با فراغت دفاع کنید و نگران اسرا و سرها نباشید. شمر این نظریه را پسندید، سرها را در صندوق نهاده قفل کردند، و سر حسین را در صندوق مخصوصی با اسرا و علیل بیمار

داخل دیو کردند و خود بیرون زیستند.

کشیش بزرگ، اسراء را در محل مناسبی جاداد، و سرها را در اطاق مخصوص نهاد و شبانه که به آن سرکشی می کرد، دید نوری از سر مبارک سید الشهداء پرتوافکن است و به آسمان بالا می رود، ناگهان دیدتختی از نور فرود آمد و سقف اطاق شکافته شد و یک خانم مجلله ای در وسط آن تخت نشسته و شخصی فریاد کشید: **طرقوا طرقوا لئووسکم ولا تنظروا**، راه دهید، راه دهید، سر خود را پائین افکنید. گوید: چون خوب نگریستم، حوا مادر آدمیان و هاجر، زن ابراهیم مادر اسماعیل و راحیل، مادر یوسف، و مادر موسی، و آسیه زن فرعون، و مریم دختر عمران مادر عیسی، و زنان پیغمبر آخر الزمان همه فرود آمدند و سرها را از صندوق بیرون آورده در بر گرفته، به سینه چسبانیدند و می بوسیدند و می گریستند و زیارت می کردند، و به جای خود می گذاشتند.

ناگاه شنیدم غلغله و شورش برپا شد که تختی نورانی آمد گفتند: همه چشم برهم نهید که شفیعہ محشر می آید. من بر خود لرزیدم و بیهوش شدم، کسی را نمی دیدم، اما می شنیدم در میان غوغا و خروش یکی می گوید: السلام علیک ای مظلوم مادر، ای شهید مادر، ای غریب مادر، ای نوردیده من، ای سرور سینه من، مادر به فدایت غم مخور که داد تو را از کشندگان تو خواهم گرفت. پس از آنکه به هوش آمدم کسی را ندیدم.

پیر راهب خود را تطهیر کرده و معطر نمود و داخل اطاق شده قفل صندوق را شکست، سر حسین (علیه السلام) را بیرون آورده با کافور و مشک و زعفران شست، و در کمال احترام او را به طرف قبله ای که عبادت می کرد، گذارده، و با کمال ادب در مقابل او ایستاد، عرض کرد: ای سرور ان عالم! ای مهتر بهترین اولاد آدم! همین قدر می دانم تو از آن جماعتی که خداوند در تورات و انجیل وصف کرده، ولی به حق خداوندی که تو را این قدر و منزلت داده که محرمان انجمن قدس ربوبی به زیارت تو می آیند، بامن تکلم کن و به زبان خود بگو من کیستم.

سر مقدس سید الشهداء (علیه السلام) به سخن آمد فرمود:

”انا المظلوم و انا المغموم و انا المهموم، انا المقتول بسيف الجفاء، انا المذبوح

من القفا“.

پیر راهب گفت: جانم به فدایت، از این روشن تر بیان کن، ای سر! حسب و نسب خود را بگو! سر بریده با کمال فصاحت بلند فرمود:

”انا ابن محمد المصطفی، انا ابن علی المرتضی، انا ابن فاطمة الزهراء، انا

الحسین الشہید المظلوم بکربلا“.

پدر روحانی سالخورده کلیسا فریاد و فغان بلند کرد و سر را برداشت و بوسید و به صورت خود گذاشت و عرض کرد: صورت از صورت تو بر ندارم تا بفرمائی که: فردای قیامت شفیع تو خواهم بود.

از سر صدائی شنید که فرمود: به دین اسلام در آی تا تو را شفاعت کنم! راهب گفت:
”اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمد رسول الله“.

پیر روحانی شاگردان مکتب کلیسا را جمع کرد و داستان و ماجرای خود را از سر شب تا صبح به میان نهاد و گفت: سعادت در این خانواده است، آن هفتاد نفر همه به اسلام گرویدند، و در مصیبت و ارده بر حسین گریستند، و بالباس عزا خدمت امام زین العابدین (علیه السلام) رفتند، ناقوسها را شکستند، زنارها را پیاده کردند و به دست آن حضرت همه مسلمان شدند و اجازه خواستند که آن قوم قتال را بکشند و با آنها جنگ کنند. حضرت سجاد (علیه السلام) اجازه نداد، فرمود: خداوند جبار منتقم است و انتقام از آنها خواهد کشید.

۱۰- عسقلان

شمر و رفقای شب در پای دیوار خفتند، و صبح سرها و اسرار را گرفته به طرف عسقلان کوچ کردند. امیر آن شهر یعقوب عسقلانی بود، که در جنگ کربلا حاضر بود و امارت این شهر جانشین او بود، دستور داد شهر را آئین بستند و اسباب لُهو و طرب بیرون شهر فرستاد، و اعیان همکار او در غرفه های مخصوص نشسته سرمست باده و جام و ساغر و ساقی بودند که سرهای بریده را وارد کردند، به هم مبارک باد گفتند. تاجری به نام زریز خزاعی از اتفاق در بازار ایستاده بود، دید مردم به هم مبارک باد می گویند و مسرور و شادمانند، گفت: چه خبر است که بازار را آئین بستید؟ گفتند: شخصی در عراق بریزید خروج کرده بود، ابن زیاد لشکری جرار فرستاد او را کشتند و سرهای او را با اسرایش امروز و ارد این شهر می کنند که به شام برند.

زریز خزاعی پرسید: مسلمان بود یا کافر؟ گفتند: از بزرگان اهل اسلامند، پرسید: سبب خروجش چه بود؟

گفتند: مدعی بود که من فرزند رسول خدا هستم و سزاوار تریه خلافت از یزید می باشم، پرسید: پدر و مادرش که بود؟

گفتند: نامش حسین (علیه السلام)، برادرش حسن (علیه السلام)، مادرش فاطمه، پدرش علی

(علیهما السلام)، جدش محمد رسول خدا (صلی الله علیه وآله وسلم) زیر چون این سخن بشنید بر خود بلرزید و دنیا در چشمش تیره و تار شد، شتابان آمد تا خود را به اسرارسانید. چون چشمش به علی بن الحسین السجاد (علیه السلام) افتاد، سخت با صدای بلند به گریه افتاد، امام سجاد فرمود: ای مرد! چرا گریه می کنی؟ مگر نمی بینی اهل این شهر همه در شادی هستند! زیر گفت: ای مولای من! من تاجری هستم غریب، امروز به این شهر رسیده ام، کاش قدمهای من خشک شده بود و دیدگان من کور گشته بود و شمارا به این حال نمی دیدم، آنگاه امام فرمود: مثل اینکه بوی محبت ما از تو می آید! عرض کرد: مرا خدمتی فرما که انجام دهم و به قدر قوته خود جانفشانی کنم، امام چهارم فرمود: اگر بتوانی برو نزد آن که سر پدرم را بر نیزه در دست دارد، او را تطمیع کن که سرها را از میان اسرا بیرون ببرد، شاید مردم متوجه سرها شده به زنان آل محمد کمتر نظر افکنند.

زیر رفت نزدیک آن نیزه دار و پنجاه اشرفی به او داد که سر را پیش پیش قافله ببرد، آن بدکیش پول را گرفته و سر را بیرون برد، زیر باز آمد حضور حضرت سجاد عرض کرد: خدمتی فرما! امام سجاد (علیه السلام) فرمود: اگر لباس و پارچه ای داری بیاور که به این زن و کودک بپوشانم. زیر شتابان رفت، لباس فراوان آورد و برای هر یک لباس مخصوص تقدیم کرد و برای امام (علیه السلام) عمامه آورد، ناگهان صدای غوغائی بلند شد، معلوم شد شمر صدای هلله و شادی بلند کرده، مردم آن شهر با او همکاری می کنند. زیر نزدیک او رفت آب دهن به صورتش انداخت، گفت: از خدا شرم نمی کنی که سر پسر پیغمبر (صلی الله علیه وآله وسلم) را به نیزه زدی، و حرم او را اسیر کردی و چنین شادی می کنی؟ سخت او را دشنام داد، شمر گفت: او را بگیرد بکشید، زیر را دستگیر کرده آنقدر او را زدند که بیهوش افتاد، به گمان آنکه مرده از بالین او رفتند تا نیمه شب زیر به هوش آمد و برخاست خود را به مسجدی که مشهد سلیمان پیغمبر (صلوات الله علیه) است رسانید، و آنجا جماعتی را دید از دوستان آل محمد سرها برهنه کرده به گریه و زاری عزاداری می کنند.

الـ بعلبک

قافله اسرا از عسقلان به طرف بعلبک پیش می رفتند، چون شمر بنا بر معهود قبل از ورود مردم را آگاه ساخته بود، پیرو جوان با ساز و نقاره و طبل زنان و شادی کنان به استقبال بیرون آمدند، پرچمها بلند کرده و در سایه آن می رقصیدند و به تماشای اسیران خاندان رسالت مشغول شدند تا شش فرسخ استقبال کردند.

حضرت ام کلثوم (علیها السلام) چون جمعیت و شادی ایشان را بدین میزان دید، دلش به درد آمد فرمود:

”ابا دالله کثرتکم و سلط علیکم من یقتلکم“.

خداوند جمعیت شما را به تفرقه اندازد و کسی را بر شما مسلط کند که همه شما را به قتل برساند.

حضرت سید الساجدین (علیه السلام) بادلای بریان و چشمی گریان این اشعار را انشاد فرمود:

و هو الزمان فلا تفسى عجائبه	من الکرام وما تهدي مصائبه
فلیت شعری الی کم ذاتجاذبنا	فنونه و ترا نالم نجادبه
یسری بنا فوق اقباب بلا وطاء	وسابق المیس یحیی عنه غاربه
کائناتنا من اساری الروم بینهم	کان ما قاله المختار کاذبه
کفرتم برسول الله و یحکم	فکنتم مثل من ضلت مذاهبه

”این دنیای غدار کارهای غریب و عجیب او تمام شدنی نیست، مصیبتهایی که بر نیاکان وارد می سازد منقضی نخواهد شد، نمی دانم تابه کی بامابه انواع خدعه و مکر اذیت می رساند، ماهم به اقسام مختلف متحمل می شویم و شکیبائی داریم. مارا بر روی جهاز شتران برهنه سوار کرده مانند اسیر روم و زنگبار می برند، گویا آنچه پیغمبر (صلی الله علیه و آله وسلم) به همه خبر داده بود همه را فراموش کرده اند. ای امت پیغمبر! کافر شدید و مانند کسانی شدید که راه حق را از دست داده، در راههای باطل قدم می زنند“.

در این موقع نیزه داری که سر مبارک حضرت سید الشهداء (علیه السلام) بر آن نصب بود به پای دیر نصرانی که در بعلبک بود نصب کردند، شنیدند که هاتفی می گوید:

والله ما جئتکم حتی بصرت به بالطف منعفر الخدین منحورا

به خدا قسم نیامدم اینجا مگر دیدم حسین را سر از تن جدا کرده بودند، و تن او را در خاک و خون انداخته بودند.

و حوله فتية تد می نحورهم	مثل المصابیح یغشون الدجی نورا
کان الحسین سراجاً یستضاء به	الله یعلم انی لم اقل زورا

در اطراف آن بدن نازنین جوانان چند دیدم که سر از بدنشان جدا کرده بودند. حسین چراغی بود که از روشنائی او، مردم هدایت می شدند و خدا می داند آنچه می گویم دروغ نگفته ام.

ام کلثومؓ پرسید: این هاتف کیست؟ خدا تو را رحمت کند.

شب شد راہبی کہ در آن دیر بود، سراز غرفہ بیرون کرد، بہ آن سرنگریست دید نور از بالای آن سر تا آسمان تنق می کشد، سر بلند کرد دید درہای آسمان واشدہ فرشتگان می آیند، و دستہ دستہ بر او سلام می کنند! راہب تا صبح نگران این منظرہ بود، صبح پرسید: این سر از کیست و حسب نسبش چیست؟

گفتند: مادرش فاطمہؓ دختر پیغمبرؐ، و پدرش علیؓ مرتضی می باشد. راہب بر خود لرزید گفت: واعجباه من امۃ قعلت ابن بنت لبھا و ابن وصہ. آنگاہ بہ شمر گفت: ساعتی این سر راہ بہ من بدہ، گفت: باید این سر را نزد یزید ببرم، او وعدہ کردہ دہ ہزار درہم جایزہ بدہد، راہب گفت: من این مبلغ را می دہم و یک ساعت بہ من بدہ. راہب سر را گرفت، و بہ مشک و گلاب شست، و صورت خود را بر روی او گذاشت و گریہ بسیاری کرد گفت: یا ابا عبد اللہ! بسیار بر من ناگوار است کہ در رکاب تو کشتہ نشدہ باشم و تو را بدین حال ببینم، میل داریم فردای قیامت نزد جدت گواہی دہی کہ بہ دست شما مسلمان شدہ ام، آنگاہ شہادتین بر زبان جاری کرد.

در این موقع وقت تمام شدہ بود، سر راہ بہ سردار سپاہ داد و گفت: شما را بہ خدا قسم با او بد رفتاری نکنید، و خود از دیر فرود آمد و در بیابناہا بہ عبادت پرداخت تا از جہان برفت.

اما شمر چون نزدیک شام رسید، کیسہ زر را از ناظر خود گرفت و گشود، و چون باز نمود تمام زرها سفال شدہ بود، و دریک روی آن نقش بستہ بود، ”وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ“، و در روی دیگر آن نوشتہ شدہ بود، ”لَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافٍ عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ“.

کوفہ سے شام تک اسیران اہل بیتؑ کا سفر

اسیران اہل بیتؑ کا کوفہ میں قیام، یزید سے ابن زیاد کے احکام وصول ہونے اور اس کے حکم کی وصولی کہ ان اسیروں کو شام روانہ کیا جائے، کے بعد سفر شام کے اسباب کئے گئے اور اسیروں کو موصل کے راستے شام روانہ کرنے کا انتظام کیا گیا۔ ابن زیاد نے زجر بن قیس، محض بن ابی ثعلبہ، شمر بن ذی الجوشن کو حکم دیا کہ پانچ ہزار سواروں کے ہمراہ اسیروں اور شہداء کے سروں کو شام لے جائیں۔ اس طرح یکم صفر کو اسیران اہل بیتؑ شام میں وارد ہوئے۔

(یہ بیان کسی حد تک مبالغہ پر مبنی معلوم ہوتا ہے کیونکہ واقعہ کربلا کے صرف انیس یا بیس دن بعد اسیران اہل بیتؑ اور سرہائے شہداء کا کوفہ سے شام تک صحرا کا سفر کر کے شام پہنچنا ممکن معلوم نہیں ہوتا، بالخصوص جبکہ اس عمل کے شروع کرنے یعنی کوفہ سے روانگی سے پہلے ابن زیاد نے یزید سے حکم حاصل کیا تھا، اس کے بعد ان کی روانگی بہ طرف شام واقع ہوئی تھی، مترجم)۔

(منازل سفر اس طرح بیان کی گئی ہیں):

۱۔ کنارِ شیطِ فرات

شمر اس قافلہ کا سالار تھا۔ امام زین العابدین علیہ السلام کو طوق و زنجیر میں پابند اور بچوں کو ذلت و رسوائی کے ساتھ اونٹوں پر باندھا گیا، خواتین کو بے کجاوہ اونٹوں پر سوار کر کے اور شہداء کے سر ہائے بریدہ کو نیزوں پر رکھ کر قافلہ روانہ ہوا۔ کچھ راستہ کے سفر کے بعد ان لوگوں نے شطِ فرات کے کنارے پر اس طرح قیام کیا کہ سر ہائے شہداء کو ایک پرانی عمارت کی دیوار کے ساتھ لگا کر رکھ دیا اور خود سب جو اکیلے، عیش و عشرت اور شراب نوشی میں مصروف ہو گئے۔ اسی اثناء میں انہوں نے دیکھا کہ ایک ہاتھ سید الشہداء علیہ السلام کے سر مبارک کے اوپر ظاہر ہوا جس نے ایک خون آلود قلم سے دیوار پر لکھا:

اتر جو أمة قتلت حسيناً شفاعۃ جدہ يوم الحساب

”جن لوگوں نے حسین علیہ السلام کو قتل کیا، کیا وہ قیامت کے دن ان کے نانا کی شفاعت کی توفیق رکھتے ہیں؟“

وہ لوگ اس ہاتھ کو پکڑنے کیلئے اٹھے لیکن اس کو نہ پکڑ پائے۔ یہ پھر بیٹھ کر جو اکیلے لگے۔ وہی ہاتھ پھر ظاہر ہوا اور اس نے خون کے رنگ میں یہ شعر لکھا:

فلا والله ليس لهم شفيع وهم يوم القيامة في العذاب

”نہیں! اللہ کی قسم! ان کے لئے کوئی شفاعت نہیں اور وہ قیامت کے دن عذاب میں ہوں گے۔“

وہ لوگ اس ہاتھ کو پکڑنے کے لئے دوڑے لیکن وہ غائب ہو گیا۔ یہ پھر اسی عیش و عشرت میں مصروف ہوئے تو ہاتھ غیبی سے انہوں نے یہ اشعار سنے:

ماذا تقولون اذ قال النبي لكم ماذا فعلتم و انتم آخر الامم
بعترتي و باهلي عند مفتقدی منهم اسارى و منهم ضرر جوابدم

”تم کیا کہو گے جب نبی تم سے پوچھیں گے، آخری امت ہوتے ہوئے تم نے میرے بعد میری عترت اور اہل بیت کے ساتھ کیا سلوک کیا، ان میں سے کچھ قیدی اور کچھ اپنے خون میں نہائے ہوئے ہیں۔“

۲۔ تکریت

دوسری منزل تکریت تھی۔ اس منزل کے نزدیک پہنچ کر کچھ لوگوں کو اس لئے شہر میں بھیجا گیا کہ وہاں خبر دی جائے تاکہ ان کا استقبال کریں۔ تکریت کے لوگ کربلا کے اسیروں کے استقبال کیلئے آئے۔ اس شہر میں کافی نصرانی رہتے تھے۔ انہوں

نے پوچھا کہ معاملہ کیا ہے اور یہ کون لوگ ہیں؟ انہیں بتایا گیا کہ سر حسینؑ کو ان کے اسیروں کے ہمراہ لارہے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کون حسینؑ؟ ان لوگوں نے جواب دیا: ”پیغمبرِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی فاطمہؑ کا فرزند۔“

نصاری نے کہا: ”تم لوگوں پر عذاب نازل ہو کہ تم نے فرزندِ پیغمبر کو قتل کر دیا ہے!“
پس یہ لوگ اپنے گرجوں کو واپس ہوئے، ناقوس بجانے لگے، گریہ و زاری کرنے لگے اور عرض کرنے لگے کہ ہم اس عمل سے بیزار ہیں۔ اُن لوگوں یعنی قاتلوں کو برا بھلا بھی کہنے لگے۔

۳۔ وادیِ نخلہ

تکمریت سے چل کر یہ وادیِ نخلہ میں پہنچے۔ یہاں انہوں نے بہت زیادہ صدائے گریہ و نوحہ سنی لیکن ایسا کرنے والا کوئی شخص انہیں نظر نہ آیا۔

۴۔ مرشاد

وادیِ نخلہ سے یہ لوگ ’مرشاد‘ پہنچے۔ اس شہر کے مرد و زن ان کے استقبال کو آئے لیکن اس قافلہ کو دیکھ کر ان کی گریہ و زاری اور تالہ و فریاد کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ فوجِ یزید کو خطرہ پیدا ہوا کہ لوگ ان قاتلوں پر حملہ کر دیں گے۔

۵۔ حران

اسیروں کا قافلہ حران کے قریب پہنچا۔ اس شہر کے ایک بلند مقام پر ایک یہودی رہتا تھا جس کا نام یحییٰ خزائی تھا۔ یہ شخص ان کے استقبال کو نکلا۔ سرہائے بریدہ کو دیکھ رہا تھا کہ اس کی نظر سید الشہداء علیہ السلام کے فرقہ مبارک پر پڑی۔ اُس نے دیکھا کہ آپؑ کے لب ہائے مبارک حرکت کر رہے ہیں۔ یہ شخص آگے بڑھا اور اپنا کان قریب لے گیا۔ اس طرح اس نے سر مبارک سے یہ کلام سنا:

”وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ“

یحییٰ یہ بات دیکھ کر تعجب ہو کر آگے بڑھا اور پوچھا کہ یہ سر کس کا ہے؟ انہوں نے کہا: ”یہ حسینؑ بن علیؑ کا سر ہے۔“

اس نے پوچھا: ”اس کی ماں کون ہے؟“

انہوں نے جواب دیا: ”رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی فاطمہؑ۔“

یہودی بولا: ”اگر اُن کا دینِ برحق نہ ہوتا تو یہ کرامت اس سے ظاہر نہ ہوتی۔“ چنانچہ یحییٰ اسلام لے آیا۔ اپنا مصری

عمامہ جو اس کے سر پر تھا، اس کو پھاڑ کر حرم محترم کی خواتین کو اس کے ٹکڑے دیئے۔ ریشمی لباس جو اس نے پہن رکھا تھا، اسے اتار کر امام زین العابدین علیہ السلام کیلئے ایک ہزار درہم کے ساتھ، جو ان کی ضرورت کے وقت کام آسکے، ارسال کیا۔ جو لوگ سرہائے شہداء پر متعین تھے، انہوں نے شور مچایا کہ تو ان لوگوں کی مدد و حمایت کر رہا ہے جن پر خلیفہ غضبناک ہے؟ دور ہو جو در نہ ہم تجھے مار ڈالیں گے۔ حراں کے دروازہ پر یحییٰ کا مقبرہ، یحییٰ شہید کے مقبرہ کے نام سے مشہور ہے اور استجابتِ دُعا کا مقام ہے۔

۶۔ نصیبین

جب یہ قافلہ نصیبین پہنچا تو شمر نے ایک شخص کو بھیجا کہ امیر شہر کو خبر دے کہ وہ شہر کی زینت کر کے اسیرانِ آلِ عصمت مآب کا استقبال کرے۔ اس شہر کا امیر جس کا نام منصور بن الیاس تھا، قافلہ کے استقبال کے لئے روانہ ہوا۔ جب کوفہ و شام کا لشکر شہر میں وارد ہوا تو اچانک ایک بجلی گری جس سے آدھا شہر اور تمام لوگ جو اس کے احاطہ میں آئے، جل گئے۔ امیر قافلہ غضبِ خدا سے شرمناک ہوا اور خوفزدہ ہو کر بغیر تاخیر وہاں سے آگے روانہ ہو گیا۔

۷۔ سلیمان نامی شخص کا مقام حکومت یا موصل

اسیروں کے قافلہ کو ایک اور شہر میں لے گئے جس کا نام ہمیں معلوم نہیں ہو سکا۔ اس شہر کا عامل سلیمان بن یوسف تھا جس کے دو بھائی تھے۔ ان میں ایک جنگِ صفین میں امیر المؤمنین علیہ السلام کے ہاتھوں مارا گیا تھا جبکہ دوسرا اس کے ہمراہ اس شہر کی حکومت میں شریک تھا۔ شہر کے ایک دروازہ کا تعلق سلیمان سے اور دوسرے کا اس کے بھائی سے تھا۔ سلیمان نے حکم دیا کہ سرہائے شہداء کو اس کی حکومت سے متعلق دروازہ سے لایا جائے۔ یہ حکم دونوں بھائیوں میں نزاع کا سبب بن گیا جس سے جنگ ہوئی جس میں سلیمان مارا گیا۔ اس طرح عجیب طرح کا فتنہ و فساد پیدا ہوا جس سے شہر اور اس کے ہمراہی پریشان ہو گئے اور جلدی سے اس شہر سے نکل گئے۔

۸۔ حلب

حلب کے نزدیک ایک پہاڑ ہے۔ اس پہاڑ کے دامن میں ایک آبادی تھی جس میں یہودی آباد تھے۔ وہ لوگ ایک قلعہ میں رہتے تھے، ان کا پیشہ ریشمی کپڑا بنانا تھا۔ ان کی صنعت اور اس سے بنا ہوا لباس حجاز و عراق و شام میں بہت مشہور تھا۔ پہاڑ کے دامن میں ایک کوٹوال رہتا تھا جس کا نام عزیز بن ہارون تھا۔ وہ وہاں کے یہودیوں کا سردار تھا۔ قافلہ کو پہاڑ کے دامن میں جہاں پانی و سبزہ کی فراوانی تھی، لایا گیا۔ جب رات ہوئی تو ایک کنیز جس کا نام شیریں تھا، اسیروں کے پاس آئی اور اس نے اسیر

خواتین میں سے ایک خاتون کو پہچان لیا جس کی وہ ماضی میں کنیز رہ چکی تھی۔ بعض لوگوں نے اس خاتون کا اسم گرامی شہر بانو لکھا ہے لیکن ان کو اس میں شبہ ہوا ہے۔ وہ شاید جناب رباب تھیں۔

جب اس کنیز کی نظر اس مخدومہ پر پڑی اور ان کا پھٹا ہوا پرانا لباس دیکھا تو رونے لگی۔ اس نے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ میں بھولی نہیں ہوں۔ ایک دن امام حسین علیہ السلام نے شیریں کی شکل دیکھ کر بطور مذاح حضرت شہر بانو سے فرمایا کہ شیریں بہت خوبصورت شکل رکھتی ہے۔ جناب شہر بانو نے یہ سوچ کر کہ شاید امام شیریں کو پسند فرماتے ہیں، عرض کیا کہ اے فرزند رسول خدا! میں اسے آپ کو بخشتی ہوں۔ امام نے فرمایا کہ میں نے اسے راہ خدا میں آزاد کیا۔ جناب شہر بانو نے ایک بہت نفیس خلعت اس کنیز کو پہنایا اور اسے آزاد کر دیا۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے بہت سی کنیزوں کو آزاد کیا ہے لیکن کسی کو ایسی خلعت سے نہیں نوازا۔ جناب شہر بانو نے عرض کیا کہ وہ میری آزاد کردہ کنیزیں تھیں جبکہ یہ آپ کی آزاد کردہ ہے۔ آپ کی اور میری آزاد کردہ کنیزوں میں فرق ہونا بہر حال لازم ہے۔

امام علیہ السلام نے جناب شہر بانو کیلئے دعا فرمائی اور شیریں پھر بھی اُن کی وفات تک خدمت شہر بانو ہی میں رہی۔ اُس رات کو جب شیریں نے ان مخدرات کو پرانے لباس میں اسیر دیکھا تو بہت پریشان ہوئی۔ ان سے اجازت لے کر آبادی میں واپس آئی تاکہ اپنے جمع کردہ مال سے اچھا لباس حاصل کر کے ان مخدرات کیلئے لیکر آئے۔ جب قلعہ میں پہنچی تو دروازہ بند پایا۔ دروازہ کھٹکھٹایا تو ریکس قبیلہ عزیز نے پوچھا کہ کیا تو شیریں ہے؟ شیریں نے جواب دیا: ”میں ہی ہوں لیکن تم نے میرا نام کیسے جانا؟“

عزیز نے کہا: ”میں نے خواب میں حضرات موسیٰ و ہارونؑ کو دیکھا۔ دونوں سر اور پاؤں برہنہ رکھتے تھے، ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور بہت مصیبت زدہ نظر آتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ آپ کیوں اس قدر پریشان ہیں اور آخر کیا ہوا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول اکرمؐ کی صاحبزادی کے فرزند حسینؑ کو مار ڈالا گیا ہے، اس کا سر اس کی اہل بیت کے ساتھ شام لے جایا جا رہا ہے اور آج رات وہ اس پہاڑ کے دامن میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔

عزیز کہتا ہے کہ میں حضرت موسیٰ سے پوچھا کہ کیا آپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی رسالت کا عقیدہ رکھتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: ”ہاں! وہ پیغمبرِ برحق ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہم سب سے ان کے بارے میں عہد و پیمان لیا تھا، لہذا ہم سب ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ نیز جو شخص ان سے انکاری ہے، ہم اس سے بیزار ہیں۔

میں نے کہا: ”مجھے کوئی علامت دکھائیں تاکہ میں یقین کروں۔“

انہوں نے فرمایا: ”ابھی قلعہ کی پشت کی طرف جا۔ وہاں شیریں نامی ایک کنیز ظاہر ہوگی۔ وہ حسین علیہ السلام کی آزاد کردہ ہے۔ اس سے مل، اس کے ہمراہ حسین علیہ السلام کے فریق مقدس کے قریب جا کر ان تک ہمارا سلام پہنچا اور دین اسلام اختیار کر۔“ یہ کہہ کر ہماری نظروں سے غائب ہو گئے۔ میں دروازہ کے پیچھے پہنچا تھا کہ تو نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

شیریں نے لباس، خوراک اٹھائے۔ عزیز نے بھی ایک ہزار درہم پہرہ داروں کو دیئے تاکہ وہ اہل بیت کی خدمت میں پہنچنے کے لئے شیریں کو مانع نہ ہوں۔ عزیز خود دودھ ہزار دینار لے کر جناب سید الساجدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوا اور وہاں سے سید الشہداء علیہ السلام کے سراقدس کے سامنے حاضر ہو کر کہنے لگا: ”السلام علیک یا بن رسول اللہ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کے جد اللہ کے رسول اور آخری پیغمبر تھے۔ نیز حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون نے آپ پر سلام بھیجا ہے۔“

امام حسین علیہ السلام کے سراقدس سے واضح لہجہ میں آواز آئی کہ ان پر اللہ کی طرف سے سلام ہو۔

عزیز نے عرض کیا: ”اے میرے بزرگ شہید آقا! میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ میری شفاعت فرمائیں تاکہ آپ کے جد بزرگوار حضرت رسول خدا مجھ سے راضی ہوں۔“

جواب میں اس نے سنا: ”جب تو مسلمان ہو گیا تو اللہ اور اس کا رسول تجھ سے خوش ہوئے۔ چونکہ تو نے میرے اہل بیت کے ساتھ نیکی کی تو میرے نانا، والد اور والدہ تجھ سے راضی ہو گئے اور چونکہ ان دونوں پیغمبروں کا سلام مجھے پہنچایا تو میں بھی تجھ سے خوش ہوا۔“

اسی وقت سید الساجدین علیہ السلام نے شیریں کا عزیز کے ساتھ عقد کر دیا اور پھر تمام اہل البان قلعہ مسلمان ہو گئے۔

۹۔ ذریعہ نصرانی

قافلہ وہاں سے روانہ ہوا اور ذریعہ کی طرف پیش قدمی کی۔ ابوسعید شامی قافلہ کے سالاروں کے حکم سے ان کے ہمراہ تھا۔ وہ راوی ہے کہ ایک دن سفرِ شام کے دوران وہ لوگ ذریعہ میں پہنچے۔ قافلہ بیابان میں قیام پذیر ہوا۔ وہاں کے عیسائیوں نے خبر پا کر ضمناً شمر کو مطلع کیا کہ نصر خزامی نے لشکر جمع کیا ہے اور چاہتا ہے کہ آدھی رات کو ان پر شب خون مار کر سرہائے شہداء کو چھین لے۔ لشکر کے سرداروں میں بہت زیادہ بے چینی پیدا ہوئی اور صلاح و مشورہ کے بعد انہوں نے طے کیا کہ رات کو ذریعہ

میں پناہ لیں۔

شمر اور اس کے ہمراہی دیر کے قریب آئے۔ بزرگ پادری دیوار کے اوپر آیا اور اس نے پوچھا: ”کیا چاہتے ہو؟“
شمر نے جواب دیا: ”ہم ابن زیاد کے لشکر سے تعلق رکھتے ہیں اور عراق سے شام جا رہے ہیں۔“

پادری نے پوچھا: ”کس لئے وہاں جا رہے ہو؟“

شمر بولا: ”ایک شخص نے یزید کے خلاف بغاوت کی تھی۔ یزید نے ایک لشکر جرار سے اس پر چڑھائی کر کے اسے مروا ڈالا۔ اس کا سر اور اس کے انصار کے سر اس کے اہل حرم کے اسیروں کے ساتھ یزید کے پاس لے جا رہے ہیں۔“

پادری نے کہا: ”میں سروں کو تو دیکھ رہا ہوں۔“

یزیدہ برداروں نے سر ہائے شہداء کو دیوار دیر کے قریب بلند کیا۔ راہب کی نظر جناب سید الشہداء علیہ السلام کے فرقہ مبارک پر پڑی۔ اس نے دیکھا کہ اس سے ایک نور نکل رہا ہے جس سے ایک خاص قسم کی روشنی پھیل رہی ہے۔ اس سر کے انوار سے راہب کے دل میں ایک طرح کی ہیبت نے جگہ لی اور وہ بولا: ”یہ دیر تم لوگوں کیلئے کافی نہیں ہے، لہذا سر ہائے شہداء اور اسیروں کو دیر کے اندر داخل کر کے خود دیوار کے باہر ہو اور اپنی حفاظت کا انتظام کرو مبادا کہ تم پر کوئی دشمن حملہ کرے۔ اس طرح اگر حملہ ہوگا تو اطمینان سے اپنا دفاع کر سکو گے، نیز اسیروں اور سر ہائے شہداء کی نگرانی کی تمہیں ضرورت نہ ہوگی۔“

شمر نے اس تجویز کو پسند کیا، سر ہائے شہداء کو ایک صندوق میں بند کر کے مقفل کر دیا۔ امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کو ایک خاص صندوق میں الگ بند کر کے بیمار سید سجاد کو اسیران اہل بیت سمیت دیر میں داخل کر دیا اور خود یہ سب لوگ باہر رہے۔

بزرگ راہب نے اسیران اہل بیت کو مناسب مقام پر بٹھرایا اور سر ہائے شہداء کو ایک خاص کمرہ میں رکھ دیا۔ رات کو جب وہ جاگا تو دیکھا کہ سید الشہداء علیہ السلام کے سر اقدس سے نور برآمد ہو رہا ہے اور وہ نور آسمان کی طرف جا رہا ہے۔ اچانک اس نے دیکھا کہ ایک تخت نورانی نیچے آ رہا ہے۔ اس کمرہ کی چھت پھٹ گئی، ایک نورانی بارعب خاتون اس تخت کے درمیان تشریف فرما ہیں اور ایک شخص آواز دے رہا ہے:

”طرقوا طرقوا رؤوسکم ولا تنظروا۔“

یعنی ”راستہ دو، راستہ دو اور اپنے سروں کو جھکا لو۔“

راہب بیان کرتا ہے کہ میں نے اچھی طرح دیکھا تو معلوم ہوا کہ تخت پر جناب حواء، مادرِ اولیٰ انسان، حضرات ہاجرہ زوجہ حضرت ابراہیمؑ والدہ جناب اسماعیلؑ، جناب راحیل والدہ حضرت یوسفؑ، والدہ جناب موسیٰؑ، جناب آسیہ زوجہ فرعونؑ، جناب مریم بنت عمران والدہ حضرت عیسیٰؑ، جناب پیغمبرِ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جملہ ازواجِ مطہرات تخت سے اتریں، سرہائے شہداء کو انہوں نے صندوق سے باہر نکالا، انہیں اٹھا کر سینوں سے لگالیا۔ یہ مخدرات ان سرہائے اقدس کے بوسے لیتی تھیں، گریہ فرماتی تھیں، ان کی زیارت کرتی تھیں اور ان کو ان کی جگہ پر رکھ دیتی تھیں۔

اچانک میں نے سنا کہ بہت شور و غل بلند ہوا کہ ایک نورانی تخت آ رہا ہے، لہذا سب آنکھیں بند کر لیں کیونکہ شفیعہ مجشر تشریف لارہی ہیں۔ مجھ پر لرزہ طاری ہوا، بے ہوش ہو گیا، کسی کو دیکھا تو نہیں مگر میں نے سنا کہ شور و غوغا و گریہ کے درمیان کوئی کہتا ہے: "اے مظلوم، اے شہید، اے غریب، اے میری آنکھوں کے نور، اے میرے سرد و جگر، ماں تجھ پر قربان، میرا سلام ہو تجھ پر! تیری ماں تجھ پر قربان! غم نہ کر کہ میں تجھے قتل کرنے والوں سے تیرا انتقام لوں گی۔" راہب کہتا ہے کہ میں جب ہوش میں آیا تو مجھے کوئی نظر نہ آیا۔ بوڑھے راہب نے اپنے آپ کو پاک و پاکیزہ و معطر کیا اور اس کمرہ میں داخل ہوا۔ اس نے صندوق کا قفل توڑ کر فریقِ اقدس امام حسین علیہ السلام کو باہر نکال کر کافور و مشک و زعفران سے دھویا۔ نہایت احترام سے اسے قبلہ کی طرف یعنی جس طرف وہ عبادت کرتا تھا، رکھا، نہایت ادب کے ساتھ اس کے سامنے کھڑا ہوا اور عرض کیا: "اے سردارِ کائنات کے سر، اولادِ آدمؑ کے بہترین فرد! میں صرف اس قدر جانتا ہوں کہ تو اس جماعت سے ہے جس کے اوصاف اللہ تعالیٰ نے تورات و انجیل میں بیان فرمائے ہیں اور تجھے اسی حق کا واسطہ دیتا ہوں جس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ نے تجھے اس قدر شرف و منزلت سے سرفراز فرمایا ہے کہ خدائے قدوس کی پاک ترین ہستیاں تیری زیارت کو آ رہی ہیں، مجھ سے کلام کر اور خود اپنی زبان سے مطلع فرما کہ تو کون ہستی ہے؟"

سید الشہداء علیہ السلام کا سر مقدس گویا ہوا اور فرمایا:

"انا المظلوم و انا المغموم و انا المهموم، انا المقتول بسيف الجفاء، ان المذبوح من القفا۔"

یعنی "میں مظلوم ہوں، مغموم ہوں، مہموم ہوں، شمشیرِ ظلم کا مقتول ہوں اور مجھے پس گردن سے ذبح کیا گیا۔"

بوڑھے راہب نے کہا: "میری جان آپ پر قربان، اس سے زیادہ وضاحت فرمائیں، اے سر! اپنا حسب و نسب بیان

فرما۔ ”بریدہ سر نے کمال فصاحت کے ساتھ بلند آواز سے فرمایا:

”أَنَا ابْنُ مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفَى، أَنَا ابْنُ عَلِيٍّ الْمُؤْتَصَّى، أَنَا ابْنُ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ، أَنَا
الْحُسَيْنِ الشَّهِيدِ الْمَظْلُومِ الْكَرْبَلَا“۔

”میں محمد مصطفیٰ کا بیٹا ہوں، میں علی مرتضیٰ کا بیٹا ہوں، میں فاطمہ زہرا کا فرزند ہوں، میں حسین ہوں کر بلا کا
مظلوم شہید۔“

کیسا کا ضعیف روحانی باپ یہ سن کر بلند آواز سے نالہ و فریاد کرنے لگا۔ سر کو بوسہ دیا، اس پر اپنا منہ رکھ کر عرض کرنے لگا
کہ ”میں اپنا منہ نہ اٹھاؤں گا جب تک آپ یہ نہ فرمائیں کہ قیامت کے دن آپ میری شفاعت فرمائیں گے۔“
اس کو سر سے آواز سنائی دی کہ فرماتے ہیں: ”پہلے دین اسلام اختیار کرتا کہ میں تیری شفاعت کروں۔“
راہب نے کہا: ”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ“
یعنی ”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔“

اس کے بعد اس کیسا کے مکتب کے شاگردوں کو ان کے اس روحانی استاد نے جمع کیا، رات سے صبح تک کا اپنا واقعہ سنایا
اور ان سے کہا کہ سعادت صرف اسی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ ستر (۷۰) افراد تھے۔ سب نے اسلام قبول کر لیا، سید
الشہداء علیہ السلام پر وارد شدہ مصیبت پر روتے ہوئے لباسِ عزاداری پہن کر امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں
حاضر ہوئے، اپنے ناقوس توڑ ڈالے، زُکّار اتار پھینکے، سب کے سب نے حضرت حق پرست پر اسلام قبول کیا اور
اجازت چاہی کہ اس قاتل قوم کے افراد سے جنگ کر کے انہیں قتل کریں۔ سید الساجدین علیہ السلام نے اجازت نہ دی اور فرمایا
کہ خدائے جبار منتقم ہے۔ وہ خود ان سے انتقام لے گا۔

۱۰۔ عسقلان

شمر اور اس کے ساتھی دیوار کے نیچے شبِ باش رہے اور صبح کو سر ہائے شہداء لے کر عسقلان کی طرف روانہ ہوئے۔ اس
شہر کا عامل یعقوب عسقلانی تھا جو کر بلا کی جنگ میں شریک تھا۔ اس شہر کی حکومت اس کے پاس تھی۔ اس نے حکم دیا کہ شہر کی
آرائش کی جائے اور عیش و عشرت کا سامان اس نے شہر کے باہر (شمر کی فوج کے لئے) روانہ کیا۔ اس کے امراء مخصوص درپچوں
میں بیٹھے جام و شراب و ساقی و ساغر اور عیاشی میں مصروف تھے کہ سر ہائے بریدہ شہداء وارد ہوئے جس پر وہ لوگ ایک دوسرے کو

مبارک باد کہنے لگے۔

اتفاق سے ’زریر خزاعی‘ نام کا ایک تاجر بازار میں کھڑا تھا۔ اس نے دیکھا کہ لوگ ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے اور مسرور و شادمان ہیں۔ اس نے پوچھا کہ معاملہ کیا ہے کہ بازار آراستہ کئے گئے ہیں؟

لوگوں نے کہا کہ عراق میں ایک شخص نے یزید کے خلاف بغاوت کی تھی۔ ابن زیاد نے ایک لشکر جراز بھیج کر اس کو مار ڈالا۔ اس کا سر اور اس کے ساتھیوں کے سر آج شہر میں لائے جا رہے ہیں کہ انہیں شام لے جایا جائے۔

زریر خزاعی نے پوچھا: ”وہ مسلمان تھا یا کافر؟“

جواب ملا: ”مسلمانوں کے بزرگوں سے تھا۔“

زریر: ”اس کے خروج کا سبب کیا تھا؟“

جواب: ”وہ دعویٰ کرتا تھا کہ میں رسول خدا کا فرزند ہوں اور یزید سے زیادہ خلافت کا حقدار ہوں۔“

زریر: ”اس کے ماں اور باپ کون تھے؟“

جواب: ”اس کا نام حسین علیہ السلام، اس کے بھائی کا نام حسن علیہ السلام، والدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا، والد حضرت علیؑ اور اس کے جد حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔“

زریر نے جب یہ سنا تو اس پر لرزہ طاری ہو گیا، دنیا اُس کی آنکھوں میں اندھیر ہو گئی، تیزی سے آگے بڑھا کہ اسیروں تک پہنچ سکے۔ جب اُس کی نظر حضرت علیؑ ابن الحسین سید الساجدین علیہ السلام پر پڑی تو بلند آواز سے اُس نے رونا شروع کیا۔

جناب سید الساجدینؑ نے پوچھا کہ اے شخص! تو کیوں روتا ہے؟ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اس شہر کے سب لوگ خوشیاں منا رہے ہیں؟

زریر: ”اے میرے مولا! میں باہر سے آیا ہوں، ایک تاجر ہوں۔ آج ہی اس شہر میں آیا ہوں۔ کاش میرے قدم خشک ہو جاتے، آنکھیں نابینا ہو جاتیں اور آپ کو اس حالت میں نہ دیکھتا۔“

امامؑ: ”ہمیں تجھ سے اپنی محبت کی خوشبو آتی ہے۔“

زریر: ”کوئی خدمت فرمائیں جسے میں انجام دے سکوں اور اپنی بساط کے مطابق جاں فشانی کر سکوں۔“

امامؑ چہارم نے فرمایا: ”اگر تجھ سے ممکن ہو تو اس شخص کے پاس جا جس کے ہاتھ میں میرے بابا کے سر والا نیزہ ہے، اس کو کوئی لالچ دے کہ سر ہائے شہداء کو اسیرانِ اہل بیتؑ سے دُور لے جائے۔ اس طرح شاید لوگ سروں کی طرف متوجہ ہو جائیں

اور آل رسول خدا کی خواتین کو کم دیکھ پائیں۔“

زریر اس نیزہ بردار کے پاس گیا اور اسے پچاس اشرفیاں دیں کہ سرِ اقدس کو قافلہ کے آگے آگے لے کر چلے۔ اس گمراہ نے اشرفیاں لے لیں اور سرِ اقدس کو آگے لے گیا۔ زریر سید الساجدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کوئی اور حکم فرمائیں۔ سید الساجدین علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تیرے پاس کوئی لباس یا چادریں ہوں تو لے آتا کہ ان خواتین سر برہنہ اور بچوں کو پہنادوں۔

زریر جلدی جلدی گیا، کافی لباس لے کر واپس آیا، ہر اسیر کیلئے الگ الگ کپڑے لایا، امام علیہ السلام کیلئے عمدہ فراہم کیا۔ اچانک اس نے شور و غوغا بلند ہوتے سنا۔ معلوم ہوا کہ شرِ خوشی و انبساط کا شور بلند کر رہا ہے اور شہر کے لوگ اس کے ہمراہ اس کے ہم نوا ہیں۔ زریر اس کے قریب گیا، اس کے منہ پر تھوک دیا اور کہا کہ کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ فرزندِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نیزہ پر چڑھا رکھا ہے، اُن کے اہل حرم کو قیدی بنایا ہوا ہے اور اس قدر خوشی منا رہا ہے؟ پھر اسے بہت گالیاں دیں۔ شمر نے حکم دیا کہ اس کو پکڑ کر مار ڈالو۔ چنانچہ انہوں نے زریر کو پکڑ کر اس قدر مارا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا اور وہ لوگ اسے مردہ جان کر چھوڑ گئے۔ نصف شب کے قریب زریر کو ہوش آیا، اٹھا اور اپنے آپ کو کسی طرح اس مسجد تک پہنچایا جس میں حضرت سلیمان علیہ السلام پیغمبر کا دفن ہے۔ وہاں اس نے دوستانِ آل محمد کی ایک جماعت کو دیکھا جو سر برہنہ گریہ و زاری و عزاداری میں مصروف تھے۔

۱۱۔ بعلبک

اسیرانِ اہل بیت کا قافلہ عسقلان سے بعلبک کی جانب روانہ ہوا۔ شمر نے اپنے دستور کے مطابق وہاں پہنچنے سے پہلے لوگوں کو مطلع کر دیا تھا۔ چنانچہ بوڑھے و جوان طفل و نقارے لیکر عورتوں سمیت خوشی مناتے ہوئے اس کے استقبال کی خاطر شہر سے باہر آئے۔ انہوں نے پرچم اٹھا رکھے تھے جن کے سایہ میں ناچتے تھے اور خاندانِ رسالت کے اسیروں کے تماشے میں مصروف تھے۔ انہوں نے اسی طرح چھ فرخ تک ان کا استقبال کیا۔

حضرت ام کلثوم سلام اللہ علیہا نے جب اس اژدہام اور ان کے خوشی منانے کے اس معیار کو دیکھا تو آپ کے دل سے

درداٹھا اور فرمایا:

”اباد اللہ کثرتکم و سلط علیکم من یقتلکم“۔

یعنی ”اللہ تعالیٰ تمہاری جمعیت کو متفرق فرمائے اور کسی ایسے شخص کو تم پر مسلط کرے جو تم سب کو قتل کر ڈالے۔“

حضرت سید الساجدین علیہ السلام نے شکستہ دل اور شہمائے گریاں کے ساتھ یہ اشعار ارشاد فرمائے:

و هو الزمان فلا تفنى عجائبه	من الكرام وما تهدي مصائبه
فليت شعري الى كم ذات جاذبنا	فنونيه و ترا نالم نجاذبه
يسرى بنا فوق اقتاب بلا وطاء	وسابق العيس يحمى عنه غاربه
كائننا من اسارى الروم بينهم	كان ما قاله المختار كاذبه
كفرتم برسول الله و يحكم	فكنتم مثل من ضلت مذاهبه

اے دنیا! غدار! تیرے عجیب و غریب کام ختم نہ ہوں گے۔ جو مصائب نیک لوگوں پر تجھ سے وارد ہوتے ہیں، کبھی تمام نہ ہوں گے۔ مجھے معلوم نہیں کہ کب تک مکرو فریب کی طرح طرح کی اذیتیں ہم پر آتی رہیں گی۔ ہم بھی ان سب مختلف النوع حالات کے متحمل ہو چکے اور صبر کرتے ہیں۔ ہمیں بے کجا وہ اونٹوں پر سوار کر کے روم و زنجبار کے قیدیوں کی طرح لے جا رہے ہیں گویا (ہمارے بارے میں) پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا تھا، وہ سب کچھ بھول چکے ہیں۔ اے اُمّتِ رسول! تم کافر ہو گئے اور ان لوگوں کی مانند ہو گئے ہو جو حق سے دستبردار ہو کر باطل کی راہ پر چل رہے ہوں۔

اس وقت انہوں نے اس نیزہ کو جس پر سید الشہداء علیہ السلام کا سر مبارک نصب تھا، بعلبک کے نصرانی راہب کے دُڑی کے نیچے گاڑ دیا۔ انہوں نے سنا کہ ہاتف کہتا ہے:

والله ما جنتكم حتى بصرت به بالطف منعفر الخدين منحورا

یعنی ”خدا کی قسم! میں یہاں نہیں آیا مگر میں نے دیکھا کہ انہوں نے حسینؑ کا سر جسم سے جدا کر دیا تھا اور ان کے جسم کو خاک و خون میں پڑا چھوڑ دیا تھا۔“

و حوله فتية تلمسى نحورهم	مثل المصابيح يغشون الدجى نورا
كان الحسين سراجاً يستضاء به	الله يعلم انى لم اقل زورا

یعنی ”اس جسم نازنین کے ہر طرف میں نے چند جوان دیکھے جن کے جسموں سے سرا لگ کر لئے گئے تھے۔ حسینؑ ایک چراغ تھا جس کی روشنی سے لوگ ہدایت پاتے تھے اور اللہ جانتا ہے کہ جو کچھ میں کہتا ہوں، وہ جھوٹ نہیں کہتا۔“

حضرت ام کلثومؓ نے پوچھا یہ ہاتف کون ہے؟ خدا تجھ پر رحمت فرمائے۔

جب رات ہوئی تو اس راہب نے جو اس کلیسا میں رہتا تھا، کھڑکی سے اپنا سر نکالا، اس سرِ اقدس کی طرف دیکھا، اس سر کے اوپر سے ایک نور آسمان تک جاتا نظر آتا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھل گئے، ان میں سے فرشتے آتے ہیں اور جماعتوں کی صورت میں اس پر سلام کرتے ہیں۔ وہ راہب صبح تک یہ منظر دیکھتا رہا۔ صبح کو اس نے پوچھا کہ یہ سر کس کا ہے اور اس کا حسب و نسب کیا ہے؟

لوگوں نے جواب دیا: ”اس کی ماں رسولِ خدا کی صاحبزادی فاطمہ ہیں اور اس کے والد علی مرتضیٰ ہیں۔ راہب پر لرزہ طاری ہو گیا اور وہ کہنے لگا:

”واعجباہ من امة قتلت ابن بنت نبیہا و ابن وصیہ“

”بڑی حیرت ہے اس عجیب قوم پر جس نے اپنے نبی کی بیٹی کے بیٹے اور اس کے وصی کے بیٹے کو قتل کر ڈالا۔“

پھر اس نے شمر سے کہا: ”یہ سر ایک گھنٹہ کیلئے مجھے دے دے۔“

شمر نے کہا کہ یہ سر ہمیں یزید کے پاس لے جانا ہے جس کا حکم ہے کہ اس کام کا معاوضہ دس ہزار درہم ہوگا۔

راہب نے کہا کہ میں رقم دینے دیتا ہوں۔ تو یہ سر ایک گھنٹہ کیلئے مجھے دے دے۔

چنانچہ راہب نے سر حاصل کر لیا، اسے مشک و گلاب سے دھویا، اپنا منہ اس کے اوپر رکھ کر بہت رویا اور کہا: ”یا ابا عبد اللہ!

مجھ پر یہ بات بہت گراں ہے کہ آپ کے زیرِ رکاب قتل نہ ہوا اور آپ کو اس حال میں دیکھ رہا ہوں۔ میری درخواست ہے کہ قیامت کے دن اپنے جدِ بزرگوار کے حضور گواہی دیجئے گا کہ میں آپ کے دستِ مبارک پر مسلمان ہوا ہوں۔“

پھر اس نے کلمہ شہادتین اپنی زبان پر جاری کیا۔

اسی اثناء میں وقت موعود ختم ہو گیا۔ اس نے سرِ اقدس کو سردارِ فوج کے حوالہ کیا اور کہا: ”تمہیں خدا کی قسم ہے اس سر کی

بے حرمتی مت کرنا۔“ پھر وہ اپنے دیر سے نکلا اور بیابان کا عبادت کیلئے رخ کیا، جتنی کہ وہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔

جہاں تک شمر کا تعلق ہے جب وہ شام کے قریب پہنچا تو اپنے ملازم سے رقم کی تھیلی لی اور اسے کھولا، دیکھا کہ تمام رقم

مٹی کے ٹکڑوں میں بدل چکی تھی۔ اس تھیلی کے ایک طرف:

”وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيُّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ“ اور دوسری طرف ”لَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا

عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ“۔

لکھا ہوا تھا۔ (تاریخ زندگانی امام حسین علیہ السلام، ج ۲، مؤلفہ عماد الدین حسین اصفہانی عماد زادہ، ص ۲۵۸-۲۶۲)۔

یہاں تک اسیران اہل بیت کے سفر کوفہ تا شام کے حالات سپرد قلم کئے گئے۔ سلسلہ تاریخ کو جاری رکھتے ہوئے اب ہم بازار کوفہ کے حالات کی طرح بازار دمشق کے حالات مختصر تحریر کرتے ہیں۔ یہ سب واقعات دربار یزید میں پہنچنے سے پہلے کے ہیں اور ان تمام حالات میں مخدوم یونین جناب ثانی زہر اسلام اللہ علیہا نہ صرف شریک مصائب ہیں بلکہ آپ کی کوفہ و دربار کوفہ کی اسیران اہل بیت سے متعلق سرگزشت میں پوری ذمہ داری شامل ہے جو جناب سید الشہداء علیہ السلام نے بوقت رخصت آخر آپ کے سپرد کی تھی۔ اس ذمہ داری میں واقعہ مکر بلا کی تشہیر اور اہل بیت عظام بلکہ امام وقت کا دفاع بدستور شامل ہے۔

ہم واقعات بازار دمشق کی ابتداء جناب سید قائم رضا نسیم امروہوی کی مرتبہ کتاب ”صحیفہ کاملہ“ سے کرتے ہیں:

”ابن شہر آشوب نے صحابی رسول اللہ سہل بن سعد کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔ سہل فرماتے ہیں کہ میں ۱۴ ربیع الاول ۶۱ھ کو ایک سفر کے دوران دمشق پہنچا۔ دیکھا کہ بازاروں میں آئینہ بندی کی گئی ہے۔ دکانوں پر رنگا رنگ پردے لٹکائے گئے ہیں۔ لوگ لباس فاخرہ پہنے جا بجا میلہ لگائے ہوئے ہیں۔ دف، نقارے اور طرح طرح کے باجے بجائے جا رہے ہیں۔ سوچا کہ آج یہاں کوئی مقامی تہوار ہوگا۔ بڑھ کر ایک راغبیر سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ نواسہ رسول امام حسین علیہ السلام شہید کر دیئے گئے اور آج ان کے فرزند علی بن الحسین کومع ان کی ماں بہنوں اور بیبیوں کے قید کر کے یہاں لایا جا رہا ہے، اس لئے حکومت کی جانب سے تمام شہر کو جشن منانے کا حکم دیا گیا ہے۔ پہلے سنا کہ یہ قافلہ باب الساعات سے شہر میں داخل ہوگا۔ پھر پتہ چلا کہ ادھر ہجوم کی وجہ سے داخلہ مشکل ہے اس لئے اسیران اہل بیت باب ثوبا سے شہر میں لائے جائیں گے۔ آخر میں خبر ملی کہ زین العابدین علیہ السلام اور اہل حرم کو باب جیرون سے شہر میں داخل کیا جا رہا ہے۔ میں دوڑ کر اس طرف پہنچا۔ اس وقت یزید کے لشکر کی شہر میں داخل ہو چکے تھے۔ میں نے دور سے دیکھا کہ ایک بیمار، ناتواں، پاؤں میں بیڑیاں، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، گلے میں خاردار طوق پہنے، ہاتھ میں اونٹ کی مہار لئے گرتا پڑتا چلا آ رہا ہے۔ اس کے پیچھے چند بیبیوں کے ناقے ہیں جن کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے گئے ہیں۔ یہ تمام بیبیاں سر بر ہنہ بال بکھرائے نگلی پیٹھ کے اونٹوں پر سوار ہیں۔ بیمار کے پیچھے ناقہ پر ایک معظمہ سوار ہیں۔ اس ناقہ کے ساتھ ساتھ ایک شخص چل رہا ہے جو نوک نیزہ پر ایک سر لئے ہوئے ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ حسین مظلوم کا سر ہے اور یہ بیمار نوجوان فرزند علی بن الحسین ہیں جو رسول زادوں کے ناقوں کی مہار لئے ہوئے ہیں۔ میرا دل تڑپ اٹھا، آنکھوں میں رساں تآب کے زمانہ کی تصویریں پھر نے لگیں، سر چکرا گیا، آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو

گرنے لگے۔ جہوم کو ریل پٹا پیتا کسی نہ کسی طرح اسیروں کے قریب پہنچا اور اس ہنگامہ میں جو ممکن تھا، خدمت بجالایا، یہاں تک کہ یہ قافلہ مسجد جامع کے قریب پہنچ گیا اور یہاں لا کر سب قیدی کھڑے کر دیئے گئے۔ یکا یک ایک بوڑھا علی بن الحسین کے قریب آیا اور کہنے لگا:

”خدا کا شکر ہے کہ تمہارے بزرگ مارے گئے۔ شہروں کو اُن کے مظالم سے نجات ملی۔ فتنہ و فساد کی شاخ قطع ہو گئی اور یزید تم لوگوں پر غالب آیا۔“

امام نے بوڑھے کی بات سُن کر پوچھا: ”اے شیخ! تو نے قرآن پاک پڑھا ہے؟“
اُس نے کہا: ”ہاں کیوں نہیں! ضرور پڑھا ہے۔“

فرمایا:

”آیت ‘قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ’۔ (شوری: 23)

(کہہ دو اے محمد! میں تم سے رسالت کا اجر سوائے اس کے نہیں مانگتا کہ میرے قریبوں سے محبت رکھو) ضرور تیری نظر سے گزری ہوگی؟“

”بے شک گزری ہے“، بوڑھے نے جواب دیا۔

امام نے فرمایا: ”تو یقین کرو کہ وہ قرابت دارِ رسول ہم ہی ہیں اور ہماری ہی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔“ پھر فرمایا: ”اے شیخ! تو نے آیت ‘وَإِنَّ الْقُرْبَىٰ حَقُّهُ (اے محمد! ذوی القربیٰ کو ان کا حق ادا کر دو) بھی یقیناً پڑھی ہوگی۔“
اُس نے کہا: ”ہاں یہ آیت بھی پڑھی ہے۔“

پھر فرمایا: ”اور تو نے یہ آیت پڑھی ہے جس میں مسلمانوں سے خطاب کیا گیا ہے:

‘وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ’۔

”اے مسلمانو! اچھی طرح جان لو کہ تمہیں جو مال غنیمت ملے، اس کا پانچواں حصہ اللہ، رسول اور ذوی القربیٰ کو دے

دو۔ (انفال: 41)

عرض کی: ”ہاں میں نے یہ آیت بھی پڑھی ہے۔“

علی بن الحسین نے فرمایا: ”وہ ذوی القربیٰ بھی ہم ہی ہیں جنہیں اللہ نے اپنے رسول کے ساتھ نفس کے حق میں شریک

قرار دیا ہے۔“

اُس کے بعد فرمایا: ”کیا تو نے آیہ تطہیر بھی پڑھی ہے؟“

شامی نے کہا: ”جی ہاں! میں نے آیہ تطہیر بھی پڑھی ہے۔“

فرمایا: ”وہ اہل بیت، جن کی طہارت پر خدائے تعالیٰ نے یہ سند نازل فرمائی ہے، ہم ہی ہیں۔“

بوڑھایہ بن کر رو دیا اور اپنے جسارت آمیز سوال پر نادم ہوا اور عمامہ سر سے پھینک کر آسمان کی طرف منہ بلند کیا اور بارگاہ

رب العزت میں رورور کر کہنے لگا: ”اے الہی میں دشمنانِ آلِ محمدؐ سے بیزار ہوں۔ میری توبہ قبول کر۔“

(جب یزید کو یہ خبر پہنچی تو اُس نے اُس بوڑھے کو گرفتار کر کے اس کے قتل کا حکم دے دیا)۔

ابھی علی بن الحسینؑ اسی مقام پر کھڑے تھے کہ اتنے میں طلحہ کا بیٹا ابراہیم آپؑ کی خدمت میں پہنچا اور کہنے لگا:

”علی بن الحسین! خدا کا شکر ہے کہ تم مغلوب ہوئے۔“

امامؑ نے فرمایا: ”اے طلحہ کے فرزند! اگر اس امر کو جاننا چاہتا ہے کہ کون مغلوب ہوا تو نماز کے وقت اذان و اقامت میں

اشہد ان محمد رسول اللہ بن کر فیصلہ کرنا کہ محمدؐ کی اولاد مغلوب ہوئی یا دوسروں کی۔“ (ص ۱۲۲، ۱۲۳)

اسیرانِ آلِ رسولؐ کے داخلہ بازار دمشق کیلئے ملاحظہ ہو جناب سید اولاد حیدر فوق بلگرامی کی کتاب ”صحیفۃ العابدین“

ص ۳۶ تا ۳۹۔ وہاں بھی سہل ساعدی ہی کی روایت بیان کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی کتب مقاتل میں الفاظ کے تھوڑے

تھوڑے فرق کے ساتھ اس روایت کو ذکر کیا گیا ہے۔ تمام حوالہ جات ہم بخوف طوالت چھوڑ رہے ہیں۔

جناب عماد الدین حسین اصفہانی (عماد زادہ) نے اپنی کتاب ”تاریخ زندگانی امام حسین علیہ السلام“ مطبوعہ ایران میں

اہل بیتِ عظام کے اسیروں کے داخلہ شام کے حالات، دربارِ یزید میں شہادتِ امام حسینؑ کی خبر کی اطلاع، یزید کے اس جرم کو

ابن زیاد کے سر ڈالنے وغیرہ کے حالات کو مزید وضاحت اور شرح و بسط کے ساتھ لکھا ہے۔ ہم ان کی عبارت انہی کے الفاظ میں

درج کرتے ہیں اور اس کا ترجمہ بھی پیش کریں گے تاکہ جو مظالم ان پاک ہستیوں پر روا رکھے گئے، ان کی تصویر کسی حد تک

سامنے آ سکے۔ نیز پڑھنے والے افرادِ آلِ رسولؐ کو ان مصائب و آلام میں پیش آنے والے حالات میں ان کے طریقِ کار، صبر و

شجاعت، ردِ عمل، اعلائے کلمۃ الحق سے بخوبی واقفیت حاصل کر کے دیکھ سکیں کہ یہ حضرات کوئی عام ہمتیاں نہ تھیں بلکہ قدم قدم پر

انہوں نے ترویج و تبلیغ اسلام کی خاطر ایسا کردارِ مستقل پیش کیا جس سے تھوڑے ہی عرصہ میں حکومتِ بنی امیہ کے خلاف انقلاب

برپا ہوا اور آل ابوسفیان و آل مروان بالآخر بہت جلد اپنے منطقی انجام کو پہنچ گئیں۔

جناب عماد زادہ لکھتے ہیں:

شام و اسراء

خبر رسیدن قافلہ اسراء بہ شام رسید، یزید در مجلس خود نشستہ بود کہ زجر بن قیس داخل شد، یزید پرسید: و ہلک ما ورائک و ما عندک؟ چہ خبر داری؟ چہ آوردہ ای؟ گفت: ابشر یا امیر المؤمنین بفتح اللہ و نصرہ، ورد علینا الحسن فی ثمانیۃ عشر من اہل بیتہ و ستین رجلاً من شیعۃ فسرنا الیہم.

گفت: بشارت باد تو را بہ فتح و فیروز، حسین با ۱۸ نفر از خاندانش و شصت نفر از یارانش بہ عراق آمدند.

ما بہ حکم ابن زیاد بر سر آنها رفتیم و گفتیم: یا سر در بیعت خلیفہ گذارید یا جنگ کنید: او جنگ را ترجیح داد. از طلوع آفتاب روز دہم محرم تا عصر آن روز آنها را احاطہ کردیم و شمشیر ہای ما بہ فرق آنها جا گرفت تا ہمہ را کشتیم، اجساد آنها را برہنہ گذاشتیم و سرہای آنها بر اسراء حاضر است کہ وارد شام گشتہ اند.

یزید سر خود را بہ زیر انداخت، پس از لحظہ ای گفت: اگر من بہ جای ابن زیاد بودم از کشتن او می گذاشتم، خدا زشت گرداند روی پسر مرجانہ را کہ کار را بدین جاسانید.

عبد الرحمن بن حکم برادر مروان، از اعیان بنی امیہ در حضور یزید بود، چون ابن جریان را شنید گفت:

لہام بجنب الطف ادنی قرابۃ
سمیۃ امی نسلہا عدد الحصی
من ابن زیاد العبد ذی النسب الوغل
و بنت رسول اللہ لیست بذی نسل

این کشتہ شدہ در طف، قرابتش بہ ما بنی امیہ یا بہ تو ای یزید نزدیکتر است از پسر زیاد. پسر غلام حرامزادہ سمیہ نسل او بسیار می شود، ولی از پسر دختر پیغمبر باید کسی نباشد.

یزید گفت: آری خدا لعنت کند پسر مرجانہ را کہ چنین امر مهمی را انجام داد. بہ خدا قسم اگر حسین نزد من می بود، ہر چہ از من می خواست بہ او می دادم، و مانع کشتہ شدن او می شدم و لزو آنکہ بہ ہلاکت من تمام شود.

در روایتی یزید بہ عبد الرحمن گفت: چنین موقع از این مقولہ سخن مگو، و دستور داد شہر شام را زینت دادند و آئین بستند، گوشہ ہا و محلات و بازار ہا و سر گزرہا را تا دروازہ ساعات و

بیرون شهر آراستند، زن و مرد و کودک و بزرگ برای تماشا بیرون رفتند، همه لباس فاخر پوشیده مسرور و شادمان در انتظار قافله اسرا و سرهای بریده بودند، این کار برای اهل شام هم سابقه نداشت.

این کار چند ساعتی به طول انجامید تا اجازه ورود دادند، مخدرات اهل عصمت را بر شتران برهنه سوار کرده بودند، و حضرت سجاد را باغل و زنجیر بر شتر برهنه بسته بودند، و شتر او درپیش و زنان از عقب، و سر امام حسین علیه السلام را با سایر سرها بر سر نیزه پیشاپیش می بردند. ام کلثوم فرمود: ای شمرا بگو سرها را از میان اسراء بیرون برند (ریاض الشهاده حاجی محمد حسن قزوینی، ص ۳۰۵).

سهل ساعدی از اصحاب رسول خدا صلی الله علیه و آله و سلم، بود، او برای بازرگانی به شام رفته بود گفت: روزی دیدم شهر قیافه دیگر به خود گرفته، گفتم: چه خبر است؟ گفتند: چنین واقعه ای رخ داده و امروز اسرای حسین علیه السلام را می آورند (دمعة الساکبه ص ۳۷۲؛ تذکره ابن جوزی ص ۱۵۰؛ فصول المهمه ص ۱۷۷؛ بحار الانوار مجلسی ص ۲۳۹ ج ۱۰ چاپ تبریز).

ورود اسراء به شام

روز اول ماه صفر بود وارد دمشق شدند (به تصریح کامل بهائی؛ آثار الباقیه بیرونی؛ مصباح کفعمی ص ۲۶۹؛ تقویم المحسن فیض ص ۱۵) یزید دستور داد آنها را در باب الساعات بیرون دروازه نگاه دارند، تازن و مرد رقاصه شامی بادف و نی و بوق و کرنا در حالت رقص و سرور برای فتح و فیروزی بیرون آیند. چون شهر را زینت کرده آراستند، اجازه ورود دادند.

یک مردی آمد نزدیک دختری از اسرا که نامش سکینه بود، پرسید:

”مِنْ اَيِّ السَّبَايَا اَنْتُمْ؟ قَالَتْ: نَحْنُ سَبَايَا آلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ“.

(بیایا! آپ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: ہم آل محمد ہیں)۔ (امالی صدوق ص ۱۰۰)۔

یزید مست مغرور در آن منظره خاص نشسته، تماشای این قافله را می کرد.

سهل ساعدی از مشاهیر بازرگانان و اصحاب رسول خدا بود، نزدیک علی بن الحسین، علیل و بیمار آمد گفت: اَلَيْكَ حَاجَةٌ؟ آیا حاجتی داری؟ فرمود: به حامل این سرها بگو، سرها را از بین اسرا بیرون ببرند تا کمتر این بی شرم مردم به زنان آل محمد صلی الله علیه و آله و سلم بنگرند. سهل رفت، درهم و دیناری فراوان که تا چهار صد دینار نوشته اند، به نیزه داران داد تا سرها را بیرون بردند، حضرت فرمود: خدا جزای خیرت دهد (مقتل العوالم ص ۱۶۵).

پیر مردی آمد نزدیک حضرت سجاد گفت:

”الحمد لله الذي اهلككم و امكن الامير منكم“.

شکر خدا را کہ شماہاراہلاک کرد و امیر را بر شما تسلط کرد.

”فقال السجاد عليه السلام : يا شيخ اقراء القرآن؟“

آیا قرآن خوانده ای؟

شیخ با کمال شگفتی گفت: قرآن! قرآن!! آری خوانده ام.

”قال (عليه السلام) اقراء (قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى)؟“

خوانده ای کہ پیغمبر فرمود: اجری از شما نمی خواہم مگر مودت نزدیکان من؟

”قال (عليه السلام) اقراء (وَأَتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ)، اقراء (وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ

مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِلَّذِي الْقُرْبَى)؟

پیر مرد گفت: اینہا کہ گفתי خوانده ام، در باب محمد و اہل بیت او است، حضرت امام زین

العابدین علیہ السلام فرمود:

”والله نحن القربى فى هذه الآيات“.

(خدا کی قسم! جن قرباء کا عنایات میں ذکر ہے وہ ہم ہی ہیں)۔

امام باز فرمود: آیا خوانده ای:

”إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَ كُمْ تَطْهِيرًا؟“

شیخ گفت: آری، امام فرمود:

”والله نحن اهل البيت الذين خصهم الله بالتطهير“.

(خدا کی قسم! ہم ہی وہ اہل بیت ہیں جن کو اللہ نے تطہیر سے مخصوص کیا ہے)۔

شیخ گفت: شما را بہ خدا قسم این طور است؟ شما خاندان اہل بیت رسالت ہستید؟

”فقال (عليه السلام) وحق جدنا رسول الله أنا نحن هم من غير شك“.

فرمود: بہ خدا سو گند، بہ حق جدم رسول خدا کہ ما اہل بیت پیغمبر ہستیم، بدون شک.

آنگاہ شیخ خود را تو ہی پاہای آن حضرت انداخت، می بوسید و پوزش خواست و از قاتلین

آنها برالت جست. این مناظرہ، جمعیت را انبوه کرد، سرو صدا و رستاخیزی برپا شد، بزور

داد، شیخ را کشتند (لہوف ص ۱۰۰؛ دمعۃ الساکبہ ص ۳۷۶)۔

آنگاہ علی بن الحسین علیہ السلام فرمود: (دمعۃ الساکبہ ص ۳۷۲؛ منتخب طریحی)

اقاد ذلیلاً فی دمشق کأنی من الزنج عبد غاب عنه نصیر

وجدی رسول اللہ فی کل مشهد و شیخی امیر المؤمنین امیر

فیالیت لم ادخل دمشق و لکم یکن یرانی یزید فی البلاد اسیر

سہل گفت: من از اصحاب جدت رسول خدا ہستم و از او حدیث شنیدم۔ و در منتخب

طریحی می نویسد: چند جامعہ قیمتی برای حضرت آوردند، فرمود: آنها را بہ نیزہ داران بدهید کہ سرہا را از میان کجاوہ ہا بیرون ببرند۔

ترجمہ: شام اور اسیران الہ بیت

اسیروں کے پہنچنے کی خبر شام میں پہنچی۔ یزید اپنے دربار میں حاضر تھا کہ زجر بن قیس داخل ہوا۔ یزید نے پوچھا: و بیک

ما ورائک و ما عندک؟ تیری خبر کیا ہے اور کیا لے کر آیا ہے؟

اس نے جواب دیا:

’ابشر یا امیر المؤمنین بفتح اللہ و نصرہ، ورد علینا الحسین فی ثمانیۃ عشر من اہل بیتہ و ستین رجلاً من شیعة فسرنا الیہم‘۔

یعنی ”آپ کو فتح و کامرانی کی خوش خبری ہو۔ حسین اپنے خاندان کے اٹھارہ اور ساٹھ افراد انصار کے ہمراہ عراق آئے۔“

ہم ابن زیاد کے حکم سے ان کے سروں پر جاڑ رہے، ان سے کہا کہ خلیفہ کی بیعت کیلئے سر تسلیم خم کریں یا جنگ کیلئے تیار ہو

۱۔ الحصاصہ: از دہات نزدیک قصر ابن ہبیرہ است؛ تکریت شہر معروف بین بغداد و موصل است بہ

فاصلہ سی فرسخی بغداد؛ صلب: بیابانی معروف است بہ وادی صلب؛ وادی نخلہ: بین صیرین و عسقلان

است؛ کحیل: شہری است بزرگ در کنار دجلہ بالای طرف غربی تکریت؛ جہینہ: از عمال موصل است؛

موصل: شہر معروف بزرگی است؛ تل عقر: قریہ نزدیک تکریت است؛ سنجار: شہری است مشہور از

نواحی جزیرہ بین موصل بہ سہ روز راہ؛ نصیبین: شہری است از بلاد جزیرہ سر راہ موصل بہ شام در ۹

فرسخی؛ الرقہ: ہر زمینی کہ در کنار وادی باشد رقہ گویند و ابن رقہ کنار فرات واقع است؛ البشر: قریہ ای

است نزدیک دمشق؛ حلب: شہر بزرگی است نزدیک شام؛ از دہات حلب است؛ قنسرین: دہی نزدیک

حلب است؛ حمص: بین دمشق و حلب است؛ بعلبک: در ۲ فرسخی دمشق است۔

جائیں۔ انہوں نے جنگ کو ترجیح دی۔ دس محرم کو طلوع آفتاب سے لے کر عصر تک ہم نے انہیں محاصرہ میں رکھا۔ ہماری تلواریں ان کے سروں پر پڑیں، حتیٰ کہ سب مارے گئے۔ ان کے اجساد کو ہم نے برہنہ چھوڑ دیا اور ان کے سروں کو قیدیوں سمیت لے کر شام میں حاضر ہو گئے ہیں۔

یزید نے تھوڑی دیر اپنا سر جھکائے رکھا۔ ایک لحظہ بعد بولا کہ اگر میں ابن زیاد کی جگہ ہوتا تو اس (حسینؑ) کو قتل کرنے سے باز رہتا۔ اللہ تعالیٰ ابن مرجانہ (لح) کی شکل کو بگاڑ دے جس نے بات یہاں تک پہنچادی۔
مروان کا بھائی عبدالرحمن بن حکم، جو بنی امیہ کے بزرگوں سے تھا، اس وقت یزید کے سامنے حاضر تھا۔ جب اس نے یہ بات سنی تو بولا:

لہام بجنب الطف ادنی قرابة من ابن زیاد العبد ذی النسب الوغل

سمیۃ امسی نسلها عدد الحصی و بنت رسول اللہ لیست بذی نسل

اے یزید طف میں یہ مارا جانے والا قرابت میں بنی امیہ یا تجھ سے زیادہ کے بیٹے کی نسبت نزدیک تر ہے۔ سمیہ کے حرامزادہ غلام کے بیٹے کی نسل تو بڑھ رہی ہے لیکن تو نے چاہا ہے کہ پیغمبرؐ کی صاحبزادی کی نسل سے کوئی نہ رہے۔

یزید بولا: ”ہاں! اللہ مرجانہ کے بیٹے پر لعنت کرے جس نے اتنا بڑا کام کیا ہے۔ خدا کی قسم! اگر حسینؑ موجود ہوتے تو مجھ سے جو کچھ مانگتے، میں انہیں دیدیتا، میں ان کے قتل میں مانع ہوتا یہاں تک کہ بات میری ہلاکت پر تمام ہوتی۔“

ایک روایت یہ بھی ہے کہ یزید نے عبدالرحمن سے کہا کہ ایسے موقع پر اس طرح کی بات مت کر۔ پھر حکم دیا کہ شام کے شہر کو زینت دیکر آراستہ کریں، کوچوں، محلوں، بازاروں، دروازہ ساعات اور شہر کے باہر تک کے تمام راستوں کی آرائش کی جائے، مرد و عورت و بچے و بزرگ سب تماشا دیکھنے کے لئے گھروں سے نکل آئیں، سب لوگ لباس فاخرہ پہن کر خوشی و مسرت کے ساتھ قیدیوں کے قافلہ اور کشتگان کے سروں کا انتظار کریں۔ اہل شام کیلئے پہلے کبھی ایسا اہتمام نہیں ہوا تھا۔

اس کام میں کچھ گھنٹے وقت صرف ہوا۔ پھر اس قافلہ کو داخلہ کی اجازت دی گئی۔ مندرات عصمت کو برہنہ (بے کجاوہ) اونٹوں پر سوار کیا ہوا تھا، سید سجاد کو ایک برہنہ اونٹ پر طوق و زنجیر میں جکڑ کر باندھ رکھا تھا۔ ان کا اونٹ سب سے آگے تھا، ان کے پیچھے مندرات کے اونٹ تھے اور امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک نیزہ پر سب سروں کے آگے تھا۔ حضرت ام کلثومؑ نے فرمایا: ”اے شمر (لح)! ان سے کہہ کہ سروں کو قیدیوں کے درمیان سے آگے لے جائیں۔“

سہل ساعدی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب سے تھے، تجارت کے سلسلہ میں شام گئے ہوئے تھے۔ وہ کہتے ہیں: ”ایک دن میں نے دیکھا کہ شہر کا انداز ہی بدلا ہوا ہے۔ میں نے پوچھا کہ معاملہ کیا ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ ایسا واقعہ ہوا ہے اور آج حسین علیہ السلام کے اسیروں کو لایا جا رہا ہے۔“

شام میں اسیران اہل بیت کا ورود

ماہ صفر کی پہلی تاریخ تھی جب (اسیران اہل بیت) دمشق میں وارد ہوئے۔ یزید نے حکم دیا کہ انہیں باب الساعات میں دروازہ شہر کے بعد اس وقت تک روک رکھیں جب تک کہ شام کے رقص مرد اور عورتیں دف، بانسریوں، باجے اور ڈھول لے کر فحش و کامرانی کے پیش نظر رقص و سرور کی کیفیت میں باہر آجائیں۔ جب شہر کو زینت و آرائش کے ساتھ سجایا گیا تو (اسیران اہل بیت کو) شہر میں داخل ہونے کی اجازت دی گئی۔

ایک شخص اسیروں میں ایک بچی کے پاس آیا جس کا نام سکینہ تھا اور پوچھنے لگا:

”مِن اُمّی السبایا انتم؟“

”قالت: نحنُ سبايا آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔“

”تم کون سے اسراء ہو؟“

”فرمایا: ہم اسراء آل محمد ہیں۔“

یزید مست و مغرور بنا ہوا ایک خاص جگہ قافلہ اسراء کے نظارہ کے لئے بیٹھا ہوا تھا۔ سہل ساعدی ایک مشہور تاجر اور رسول

خدا کے اصحاب سے تھے۔ وہ بیمار و نڈھال علی بن الحسینؑ کے پاس آئے اور پوچھا:

”أَلَاكَ حَاجَةٌ؟“

کیا آپ کی کوئی حاجت ہے؟

فرمایا کہ یہ لوگ جو سرور کو (نیزوں پر) لے جا رہے ہیں، ان سے کہئے کہ سرور کو اسیروں سے دور لے جائیں تاکہ یہ بے شرم کم سے کم لوگ آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ پائیں۔

سہلؑ گئے اور کافی دینار (رقم)، چار سو دینار تک روایت کی گئی ہے، نیزہ داروں کو دیئے تاکہ سرور کو آگے لے جائیں۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ خدا تجھے جزائے خیر دے۔

ایک بوڑھا شخص حضرت سجادؑ کے قریب آیا اور بولا:

”الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَهْلَكَكُمْ وَاَمَّكَنَ الْاَمِيْرَ مِنْكُمْ“.

اللہ کا شکر ہے جس نے تمہیں ہلاک کیا اور امیر کا تم پر تسلط کیا۔

سید سجاد علیہ السلام نے فرمایا:

”يٰٰشَيْخُ! اَقْرَأِ الْقُرْآنَ؟“

کیا تو نے قرآن پڑھا ہے؟

شیخ نے بڑے تعجب سے کہا: ”قرآن! قرآن!! ہاں میں نے پڑھا ہے۔

امامؑ نے پوچھا:

”اَقْرَأِ قُلْ لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى“۔ (شوری: 23)

”کیا تو نے پڑھا ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: میں تم سے کوئی اجر رسالت طلب نہیں کرتا سوائے اس کے کہ میرے

نزدیکیوں سے مودت کرنا؟“

اس بوڑھے نے کہا کہ جو کچھ تو نے یہ کہا ہے، میں نے پڑھا ہے۔ یہ تو حضرت محمدؐ اور ان کی آلؑ کے بارے میں ہے!!

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا:

”وَاللّٰهُ نَحْنُ الْقُرْبٰى فِيْ هٰذِهِ الْاَيَاتِ“.

”خدا کی قسم! ہم ہی وہ قرابت دار ہیں جو اس آیت کے مصداق ہیں۔“

امامؑ نے پھر فرمایا: ”کیا تو نے پڑھا ہے:

”اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا؟“

”یقیناً اللہ نے ارادہ کر لیا ہے کہ اے اہل بیت! تمہیں ہر قسم کے رجس سے اس طرح پاک کر دے جیسا پاک کرنے

کا حق ہے۔“

شیخ بولا: ہاں (میں نے پڑھا ہے)۔

امامؑ نے فرمایا:

”وَاللّٰهُ نَحْنُ اَهْلَ الْبَيْتِ الَّذِيْنَ خَصَّهٖمُ اللّٰهُ بِالتَّطَهِيْرِ“.

”خدا کی قسم! ہم ہی وہ اہل بیت ہیں جن کو اللہ نے اس طہارت کیلئے مخصوص فرمایا ہے۔“

شیخ بولا: ”تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں، کیا واقعہ ایسا ہی ہے؟ کیا تم اہل بیت رسالت کا خاندان ہو؟“

حضرت نے فرمایا:

”وَحَقِّ جَدِّنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ اِنَّا لَنَحْنُ هُمْ مِنْ غَيْرِ شَكِّ“.

”ہمارے جد رسول اللہ کے حق کی قسم! ہم بلا شک وہی ہیں۔“

اس پر اُس بوڑھے شخص نے اپنے آپ کو اُن حضرت کے قدموں میں ڈال دیا، انہیں چوما، معافی مانگی اور اُن کے قاتلوں سے بیزارى کا اظہار کیا۔ اس مناظرہ میں بہت لوگ جمع ہو گئے، نوحہ و ماتم و قیامت کا ساں بندھ گیا۔ یزید نے حکم دیا کہ اس بوڑھے کو قتل کر دیں۔

اُس وقت حضرت علی بن الحسین نے فرمایا: ”مجھے دمشق میں ایسی ذلت کے ساتھ لے جایا جا رہا ہے گویا میں ایک زنگی غلام ہوں جس کا مددگار اس سے غائب ہو چکا ہو، حالانکہ میرے جد رسول اللہ اور بزرگ امیر المؤمنین علیہ السلام ہیں۔ کاش! میں دمشق میں داخل نہ ہوا ہوتا اور یزید مجھے شہروں میں قیدی کے طور پر نہ دیکھتا۔“

سہل نے کہا: ”میں آپ کے جد رسول خدا کا صحابی ہوں اور ان سے میں نے احادیث سنی ہیں۔“

’منتخب‘ میں طرح کی لکھتا ہے: حضرت کیلئے چند قیمتی کپڑے لائے گئے۔ حضرت نے فرمایا کہ انہیں نیزہ برداروں کو دے دو تاکہ وہ سرہائے شہداء کو اونٹوں کے کجاووں سے دور لے جائیں۔

ان واقعات کے بیان سے یہ حقیقت پوری وضاحت کے ساتھ سامنے آتی ہے کہ شام کے لوگوں کو ہر طرح جنگ کر بلا اور وہاں کے شہداء سے حکومتی سطح پر بے خبر رکھا گیا تھا۔ اُن کے خیال میں کسی عام شخص نے خلیفہ کے خلاف بغاوت کی تھی جس کو بزرگ شمشیر کچل کر اس کے اہل و عیال کو مقتولین کے سردوں کو نوک نیزہ پر سوار کر کے دار الحکومت میں لایا جا رہا تھا جس سے حکومت کا رعب و جلال اور استحکام ظاہر کرنا مقصود تھا۔

فاضل مؤلف نے آرائش دار الحکومت کی جو تفصیل تحریر کی ہے، اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ لوگ (معاذ اللہ) باغیوں کے حشر سے مطلع ہو کر عبرت حاصل کریں اور کسی کو آئندہ حکومت کے خلاف کسی اقدام کی جرأت نہ ہو۔

اس کے بعد مؤلف کتاب اسراء الی بیت کے دربار یزید میں داخلہ کی تفصیلات اس طرح بیان کرتے ہیں:

مجلس یزید (ص ۲۷۹ تا ۲۸۳)

در ”روضۃ الشهداء“ می نویسد: در دمشق سرہای بریدہ را با علی بن الحسین و اسراء نزد یزید بردند.

یزید دستور داد قافلہ را پشت دروازہ دمشق نگاہ دارند، و دار الامارہ را بیمارایند و از رجال دولت و امراء و سفراء و کبار و اعیان مردم شام دعوت کنند (دمعة الساکبہ، ص ۳۷۶).

چهار صد کرسی زرنگار کہ معاویہ بہ مشابہ قصور سلطنتی رومیان فراہم کردہ بود گذاشتہ و پردہ ہای زنبوری کشیدند تا زنان خودش پشت آن پردہ ہا جا گیرند، سفرہ ہای قمار و شراب گستردند، کرسی طلائع خودش را ہم مجلل ساختہ در محلی کہ مشرف بہ ہمہ باشد روی تخت سلطنت نصب کردند، مجلس مزین و مجلل بہ زیب و زیور، می و می گستاری پذیرائی شد.

ہمہ مدعوین در جای خود قرار گرفتند، آنگاہ اجازہ داد سرہای بریدہ را پیشاپیش اسراء وارد کردند، و آنها را بہ یک بند طناب بستہ در مقابل تخت یزید مست و مغرور نگاہ داشتند.

ای دنیا! اف بر تو و بر بی اعتباری تو، زشت باد روی تہ کاری و غرور و مستی، سیاہ باد روی ظلم و ستم. یزید فرمان داد سر حسین را در پشت طلائع نہادہ پیش او بردند، و در حال مفاخرہ و مست کیفیت حال را از نمایندگان ابن زیاد، یعنی عمال جنایت، پرسید، شمر وقایع را بیان کرد و گزارش جریان کار عاشورا را تا آن ساعت داد.

یزید چوب خیزرانی کہ بہ زربستہ و زینت شدہ بود، در دست داشت بر لب و دندان امام زد و گفت: حسین! چہ لب و دندان نیکوئی داشتی؟ حضار مجلس او را منع کردند.

ابو المؤید خوارزمی می نویسد: سمرۃ بن جندب گفت: ای یزید قطع اللہ یدیک، خدا دست را قطع کند، چوب بر جانی می زنی کہ من مکرر دیدم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آنجا را می ہوسید. یزید مست مغرور گفت: اگر تو از اصحاب پیغمبر نبودی گردنت را می زدم! سمرہ گفت: یا للعجب طرفہ حالی است کہ تو صحابہ پیغمبر را احترام می کنی ولی فرزند او را بدین وضع می کشی! مردم حاضر مجلس یزید از این سخن بہ گریہ افتادند، یزید بیمناک شد مبادا فتنہ رخ دہد ساکت ماند.

حضرت علی بن الحسین با او بہ درشتی پاسخ داد، زینب بہ مناظرہ پرداخت، تا کار بہ جانی رسید کہ یزید دید حاضرین مجلس او را بہ قتل حسین دشنام می دہند و لعن می کنند.

یزید روبه شمر کرد، به همراهانش با کمال خشونت گفت: واللہ من از طاعت شما بدون قتل حسین راضی بودم، لعنت بر پسر مرجانه که بر چنین امر شیعی اقدام کرد (کشف الغمہ، ص ۱۹۴؛ تاریخ اعظم کوفی، ص ۲۷۲؛ ارشاد مفید؛ تاریخ طبری؛ حبیب السیر، ص ۲۰۳، ج ۲؛ دمعۃ الساکبہ، ص ۳۷۵).

شیخ طریحی می نویسد: چون اسراء وارد دمشق شدند، قاصد خبر ورود آنها را داد، یزید دستور داد آنها را پشت دروازه نگاه داشتند تا پس از تزیین شهر وارد نمودند، آنگاه زجر بن قیس آمد، گفت: امیر! البشاره البشاره، پرسید: چه بشارتی؟ گفت: حسین را کشتیم و اسرای آنها را وارد کردیم، آنگاه گزارش کار جنگ را داد.

جریان مجلس یزید با اسراء

ارباب مقاتل نوشته اند: چون یزید اجازه داد اسرای اہلبیت را به مجلس او وارد کنند، پس از چوب خیزران و مفاخره یزید، یک مرد شامی از خود راضی روبه یزید کرده، گفت: این دختر را (اشاره کرد به فاطمہ) حضرت فاطمہ از عالمات زنان اہل بیت است، از پدرش و ام سلمہ و ام ہانی و عمہ اش زینب کبری (س) و برادرش زین العابدین روایت کرده: فاطمہ از ام اسحق بنت طلحہ بود، و روایت است کہ حسن بن حسن از عمویش حسین خواہش کرد کہ یکی از دخترانش را بہ او تزویج فرماید، حسین (ع) فاطمہ را انتخاب کرد و فرمود: شباهت تام بہ مادرم فاطمہ زہرا (س) دارد، و در کوفہ او را خطبہ خواندند. (دختر امام حسین علیہ السلام کہ دیدم امام حسین علیہ السلام او را بہ حوریہ و صف فرمودہ بود) این جاریہ را بہ من ببخش کہ خادمہ من باشد. دختر، کودکی بود خود را بہ دامن عمہ اش انداخت، گمان کرد ممکن است چنین قضیہ ای رخ دہد. حضرت زینب کبری سلام اللہ علیہا فرمود: عمہ جان آرام باش، کسی جرأت ندارد چنین کاری کند، آنگاہ با کمال شہامت روبہ مرد شامی کرد کہ ایستادہ بود، فرمود: ای بی حیا! ساکت باش، خداوند قرار ندادہ کہ خاندان پیغمبر را بہ کنیزی بہ کسی ببخشند، نہ تو و نہ امیرت یزید، قادر نیستید چنین کاری بکنید.

یزید در غضب شد گفت: می توانم ہمہ را ببخشم، زینب سلام اللہ علیہا فرمود: بہ خدا قسم نمی توانی مگر آنکہ از دین اسلام و ملت محمدؐ خارج شوی و بہ دین و آئین دیگری در آئی.

یزید کظم غیظ کرد گفت: پدرت و برادرت از دین خارج شدند. حضرت زینب سلام اللہ علیہا فرمود: ای یزید! تو بہ دین پدر و برادرم ہدایت شدی، جدت بہ دست آنها اسلام آورد و آزاد شد، تو آزادہ شدہ پدرم هستی!

یزید گفت: دروغ می گویی، زینب سلام اللہ علیہا فرمود: مادروغ نمی گوئیم، اصحاب رسول خدا هستند و فتح مکہ را در نظر دارند کہ ابو سفیان جد تو اسیر شدہ بود و جدم او را آزاد کرد۔ توای یزید! امیر ظالم و بی حیائی هستی۔ یزید ساکت شد، مرد شامی نشست (لہوف سید ابن طاؤس)۔

در روایت دیگر است کہ چون شامی پرسید: این دختر کیست؟ گفتند: فاطمہ دختر حسین، پرسید: حسین پسر دختر پیغمبر فاطمہ زہرا؟ گفتند: آری، گفت: ای یزید! لعنت بر پدرت، پسر دختر پیغمبر را کشتی، و ذریہ او را اسیر کردی! من گمان کردم اسیران روم هستند، یزید گفت: این مرد شامی را بہ آنها ملحق کنید، گردن او را زدند (حضرت زینب کبریٰ، ص ۸۲)۔

یزید (لع) کا دربار

صاحب ”روضۃ الشہداء“ لکھتے ہیں کہ دمشق میں سرہائے بریدہ شہداء کو قیدیوں سمیت حضرت علی بن الحسین کے ہمراہ یزید کے پاس لے گئے۔ یزید نے حکم دیا کہ اس قافلہ کو دمشق کے پچھلے دروازہ پر روک لیں، پھر دارالامارہ کی آرائش کر کے درباریوں، امیروں، سفیروں اور شام کے بڑے بڑے لوگوں کو دربار میں آنے کی دعوت دیں۔

چار سو سنہری کرسیاں جو معاویہ نے رومی سلطنت کے شاہی محلات سے جمع کی تھیں، رکھی گئیں، نفیس پردے تانے گئے تاکہ اس کی عورتیں ان کے پیچھے بیٹھیں۔ جوئے اور شراب کے لئے فرش بچھائے گئے۔ سونے کی ایک کرسی اپنے لئے اپنے جاہ و جلال کے مطابق تخت سلطنت کے اوپر اس طرح نصب کی گئی کہ سب اس کو دیکھنے سے شرفیاب ہوں۔ شاندار زیب و زینت اور پُر جلال زیور اور دولت کے ساتھ شراب خوری کی محفل قائم کی گئی۔ جب سب وہ لوگ جنہیں مدعو کیا گیا تھا، اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے تو حکم دیا گیا کہ سرہائے شہداء کو امیروں کے آگے آگے پیش کیا جائے۔ سب امیروں کو ایک رسی میں باندھ کر مغرور و مست یزید کے تخت کے سامنے لایا گیا۔

اے دنیا! تجھ پر اور تیری بے اعتباری پر پھنکار، تیری تباہیوں، غرور اور مستی پر لعنت، ظلم و ستم کا چہرہ سیاہ ہو۔ یزید نے حکم دیا کہ امام حسین علیہ السلام کے سر اقدس کو ایک سونے کے طشت میں رکھ کر اس کے سامنے پیش کیا جائے۔ پھر اس نے بڑے فخر اور مسرت کی کیفیت میں ابن زیاد کے نمائندوں سے، جو اس ظلم کے مرتکب ہوئے تھے، پوچھا۔ شمر نے واقعات بیان کئے اور روزِ عاشور سے لے کر اس وقت تک کی اپنی تمام کارگزاری سے اُسے مطلع کیا۔

یزید نے بید کی ایک چھڑی اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھی تھی جس پر سونا چڑھا ہوا تھا اور اسے بہت خوبصورت بنایا گیا تھا۔ اس

چھڑی سے اس ملعون نے امام حسین علیہ السلام کے لب و دندان مبارک پر ضربیں لگائیں اور کہا: حسین! تمہارے لب و دندان کس قدر خوبصورت ہیں۔ حاضرین دربار نے اُسے اس حرکت سے منع کیا۔

ابوالمؤید خوارزمی لکھتا ہے: سمرہؓ بن جندب (ایک صحابی رسولؐ) نے کہا کہ اے یزید! خدا تیرے ہاتھ کو قطع کرے۔ تو ایسی جگہ چھڑی مار رہا ہے جہاں میں نے بارہا حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بوسے لیتے ہوئے دیکھا ہے۔ یزید نے اسی مستی و غرور کے عالم میں کہا کہ اگر تو اصحاب پیغمبرؐ سے نہ ہوتا تو میں تیری گردن مار دیتا۔ سمرہؓ نے کہا کہ کتنے تعجب و حیرت کی بات ہے کہ تو اصحاب پیغمبرؐ کا تو احترام کرتا ہے اور فرزند پیغمبرؐ پر اس طرح کا ظلم کر رہا ہے۔ یزید کے درباری یہ بات سن کر رونے لگے اور یزید کو خوف ہوا کہ کہیں فتنہ کھڑا نہ ہو جائے، اس لئے وہ اس حرکت سے رُک گیا۔

علی بن عیسیٰ اربلی روایت کرتا ہے کہ یزید ابن زبیری کے یہ اشعار پڑھنے لگا:

لَيْسَ أَشْيَاخِي بِدَرِّ شَهِدٍ وَ جَزَعُ الْخَزْرَجِ مِنْ وَقْعِ الْأَسَلِ
لَأَهْلُو وَاشْتَهَلُوا فَرَحًا ثُمَّ قَالُوا يَا يَزِيدُ لَا تُشَلِّ

”کاش میرے وہ آباء و اجداد جنہوں نے بدر میں خزرج کے جزع کو سنا تھا موجود ہوتے تو خوشی سے کہہ اٹھتے: اے یزید! تو شل نہ ہو۔“

اعثم کوئی نے ان میں دو اور شعروں کا اضافہ کیا ہے کہ یزید نے یہ بھی پڑھے:

لَسْتُ مِنْ عِتَبَةٍ إِنْ لَمْ أَنْتَقِمْ مِنْ بَنِي أَحْمَدَ مَا كَانَ فَعَلُ
لَعِبْتُ هَاشِمٍ بِالْمُلْكِ فَلَا خَبْرَ جَاءَ وَلَا وَحْيَ نَزَلُ

”میں عتبہ میں سے نہیں اگر میں احمد کی اولاد سے اس کے فعل کا انتقام نہ لوں، بنی ہاشم نے تو اقتدار کا کھیل کھیلا تھا ورنہ نہ تو کوئی خبر آئی نہ وحی نازل ہوئی۔“

حضرت علی بن الحسینؑ نے یزید کو نہایت درشتی سے جواب دیا، سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نے بھی اس کا جواب دیا، حتیٰ کہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ یزید نے دیکھا کہ حاضرین دربار قتلِ امام حسین علیہ السلام پر اسے گالیاں دے رہے ہیں اور اس پر لعنت بھی کر رہے ہیں۔

یزید نے شمر ملعون کی طرف رخ کیا اور بڑے غصہ سے اس کو اور اس کے ہمراہیوں کو کہا کہ خدا کی قسم! میں قتلِ حسینؑ کے

بغیر بھی تمہاری اطاعت پر راضی تھا۔ مرجانہ کے بیٹے پر لعنت ہو جس نے اتنے بڑے امر کا اقدام کیا۔

شیخ طریقی لکھتا ہے: جب اسیران اہل بیت دمشق میں داخل ہوئے، قاصد نے ان کی آمد کی خبر دی تو یزید نے حکم دیا کہ ان کو دروازہ شہر کے پیچھے روکے رکھیں تاکہ یہ لوگ شہر کی تزئین و آرائش ہو چکنے کے بعد شہر میں داخل ہوں۔ اس وقت زجر بن قیس داخل ہوا اور بولا: امیر! بشارت ہو! بشارت ہو۔ یزید نے پوچھا، کس بات کی بشارت! اس نے کہا کہ ہم نے حسینؑ کو قتل کر دیا اور ان کے قیدیوں کو لیکر آئے ہیں۔ اس کے بعد اس نے روداد جنگ سنائی۔

در بار یزید میں اسیران اہل بیت کا داخلہ

ارباب مقاتل لکھتے ہیں: جب یزید نے حکم دیا کہ اسیران اہل بیت کو دربار میں پیش کیا جائے، پھر بید کی لکڑی سے گستاخی اور یزید کا غرور و غرور ظاہر ہو چکا تو ایک شامی نے خوش ہو کر یزید کی طرف رخ کر کے کہا: اس لڑکی کو (اس نے امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی فاطمہؑ) کی طرف اشارہ کیا (جس کے بارے میں ہم دیکھ چکے تھے کہ امام حسین علیہ السلام اس کو حوریہ کی صفت سے موصوف فرماتے تھے) اس کنیز کو مجھے بخش دے کہ یہ میری خدمت کرے۔

بچی کم سن تھی۔ اس نے اپنے آپ کو اپنی پھوپھی کے دامن میں چھپا لیا اور خیال کیا کہ ممکن ہے ایسا ہو ہی جائے۔ حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا نے فرمایا: ”پیاری بھتیجی! سکون کرو۔ ایسے کام کی کسی کو جرأت نہیں۔“

پھر بڑے دبدبہ کے ساتھ اس شامی کی طرف رخ کیا اور فرمایا: ”او بے حیا! خاموش رہ۔ اللہ تعالیٰ نے ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دی کہ خاندان پیغمبرؐ کی کسی فرد کو کسی کی کنیزی میں دے دیا جائے۔ تو اور تیرا امیر دونوں یہ طاقت نہیں رکھتے کہ ایسا کریں۔“

یزید کو غصہ آ گیا اور وہ غضب ناک ہو کر بولا: ”میں سب کو اسی طرح بخش سکتا ہوں۔“ جناب ثانی زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا: ”خدا کی قسم! تو ہرگز ایسا نہیں کر سکتا سوائے اس کے کہ تو دین اسلام اور ملت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خارج ہو جائے اور کسی اور دین و آئین میں داخل ہو جائے۔“

1۔ حضرت فاطمہؑ خواتین اہل بیت کی عالموں سے تھیں۔ اپنے والد بزرگوار، حضرت اُم سلمہؓ، حضرت اُم ہانیؓ، اپنی پھوپھی زینب کبریٰؓ اور اپنے بھائی امام زین العابدین علیہ السلام سے روایات بیان فرماتی ہیں۔ روایت ہے کہ حضرت حسن ابن حسینؑ نے اپنے چچا امام حسینؑ سے خواہش کی کہ اپنی ایک بیٹی کو ان کی زوجیت میں دے دیں۔ امام حسین علیہ السلام نے اس مقصد کے لئے فاطمہؑ کا انتخاب کیا اور فرمایا: یہ میری والدہ فاطمہؑ زہرا سے پوری شہادت رکھتی ہے۔ انہوں نے نو ذمہ میں بھی ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔

یزید نے اپنے غصہ کو ضبط کیا اور بولا: ”تیرا باپ اور تیرا بھائی دین سے خارج ہو گئے۔“ حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے فرمایا: ”اے یزید! تو نے میرے باپ اور بھائی کے دین سے ہدایت پائی۔ تیرا دادا انہی کے ہاتھوں پر ایمان لا کر آزاد ہوا۔ تو میرے باپ کا آزاد کردہ ہے۔“

یزید بولا: ”تو جھوٹ کہتی ہے۔“

جناب ثانی زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا: ”ہم جھوٹ نہیں کہتے۔ رسول خدا کے اصحاب موجود ہیں اور فتح مکہ ان کی نظروں کے سامنے ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ تیرا دادا قید ہو گیا تھا اور میرے نانا نے اسے آزاد کیا تھا۔ اے یزید! تو ایک ظالم و بے حیا حکمران ہے۔“

اب یزید خاموش ہو گیا اور وہ شامی بھی بیٹھ گیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب شامی نے پوچھا کہ یہ لڑکی کون ہے تو اسے بتایا گیا کہ یہ فاطمہ بنت حسینؑ ہے۔ اس نے پوچھا: ”کیا وہی حسینؑ جو پیغمبر خدا کی صاحبزادی فاطمہ کا بیٹا ہے؟“

کہا گیا: ”ہاں! وہی۔“

اس نے کہا: ”اے یزید! تیرے باپ پر لعنت ہو۔ تو نے پیغمبر اکرم کی بیٹی کے بیٹے کو مار ڈالا اور اس کے خاندان والوں کو قیدی بنا دیا ہے! میں تو سمجھا تھا کہ یہ روم کے قیدی ہیں۔“

یزید نے حکم دیا: ”اس شامی شخص کو بھی انہی کے پاس پہنچا دو۔“ چنانچہ اس کی گردن اڑادی گئی۔

یہاں ہم بطور مترجم اپنے سلسلہ بیان کو ختم کر کے ایک بار پھر جناب علی قاضی صاحب کے سلسلہ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ جو کچھ اس تبصرہ میں پیش کیا گیا، وہ اسیران اہل بیت اور شہدائے کربلا کی داستانِ غمناک کا لازمی حصہ ہے جس کے بغیر یہ داستان بالکل نامکمل رہ جاتی ہے۔ ہمارے محترم قارئین غور فرمائیں گے کہ کوفہ سے شام کا سفر سرہائے شہداء اور اسیرائے آل رسولؐ حد اقلے کسی طرح بھی مصائبِ کربلا سے کم نہ تھا کہ اسے نظر انداز کر دیا جاتا۔ اس سفر کے واقعات کا مطالعہ واضح طور پر آشکار کرتا ہے کہ یہی وہ موقع ہے جہاں ہماری محذومہ کو ان تمام ذمہ داریوں سے عہد ابراہونا ہے جو شہادتِ جناب سید الشہداء علیہ السلام کے بعد آپ کے کاندھوں پر آن پڑی تھیں، جن میں کربلا کے پس ماندگان کے حوصلوں کو مصائب کے مقابلہ میں برقرار رکھنا، ننھے ننھے بچوں کی نگہداشت، حاکم وقت سے مکالمہ جات اور اس کے سامنے اعلائے کلمہ حق جس سے اسے آنے والی

دعوت انقلاب کا اندازہ ہو سکے، سرکار سید الشہداء علیہ السلام کے موقف کی حمایت اور سب سے زیادہ امام زین العابدین علیہ السلام کی زندگی کا دفاع جواب امام وقت تھے اور جن کی زندگی ہر لحظہ خطرہ سے دو چار تھی، یہ سب باتیں شامل تھیں، اور ان سب کی ذمہ داری امیر المؤمنین علیہ السلام کی صاحبزادی کے سر پر تھی۔ اس لئے اگر سفر کے حالات کو سامنے نہ رکھا جائے تو حیات ثانی زہراؑ تہجیل رہ جاتی ہے بلکہ تصور پر کر بلا میں بھی پورا رنگ بھرتا نظر نہیں آتا۔

تاریخ خاموش ہے کہ اہل بیت رسول خدا کا دربار یزید میں داخلہ کس طرح ہوا اور اس کی نوعیت کیا تھی۔ ہم سابقہ صفحات میں اہل بیت کے دربار ابن زیاد ملعون میں داخلہ کی تفصیلات بیان کر آئے ہیں۔ وہاں بھی ابن زیاد کے حکم سے اس قافلہ اسیران آل محمد کو روک رکھا گیا، جب تک کہ اس ملعون کا دربار اور کوفہ کے شہر کی آرائش مکمل نہ ہوئی۔ دمشق کے سلسلہ میں بھی ہم لکھ آئے ہیں کہ اسیران آل محمد کو شہر اور دربار کی زینت تک باہر روکے رکھا گیا اور اس عمل کے بعد ان کو حاضر دربار کیا گیا۔ علامہ حسن رضا غدیری مدظلہ کتاب ”زینب، زینب“ میں داخلہ دربار کی کیفیت اس طرح بیان فرماتے ہیں:

”اسیران آل محمد کا قافلہ دربار یزید کے قریب پہنچا تو آغوش ظلم و استبداد کے پردہ یزید نے حکم دیا کہ انہیں دربار میں لانے سے پہلے دروازہ پر بٹھرایا جائے۔ چنانچہ اس ملعون کے حکم پر رسول زاد یوں کو مسجد اموی کے بڑے دروازہ پر تین گھنٹہ تک کھڑا کر دیا گیا تاکہ لوگوں کے ہجوم میں زہرا کی بیٹیوں کی توہین ہو۔ اس پر ہی اکتفا نہ کی گئی بلکہ یزید نے اپنے جلا دوں کو یہ حکم بھی دیا کہ رسول زاد یوں کو رسیوں میں اس طرح جکڑ دیا جائے جیسے جانوروں کو باندھ دیا جاتا ہے۔

”امام زین العابدین علیہ السلام کی گردن میں جوری ڈالی گئی وہ حضرت زینب اور دوسری بیٹیوں کی گردنوں سے متصل کر کے نہایت زور سے باندھی گئی تاکہ قیدی اپنے ہاتھ پاؤں بھی نہ ہلا سکیں اور ایک جلا دو کو مقرر کیا گیا جو باری باری ہر قیدی کو نہایت بے دردی کے ساتھ تازیانے لگا تا رہا، اسی کیفیت میں اولاد رسول کو دربار یزید میں لایا گیا۔“

اس کے بعد کے واقعات ہم گزشتہ صفحات میں لکھ آئے ہیں، اس لئے ان کے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ ہم اپنے معزز قارئین سے گزارش کرتے ہیں کہ اس منظر کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھیں جس میں ایک شخص نے جناب فاطمہ بنت الحسین کی طرف اشارہ کر کے ان کو یزید سے بطور کنیز (معاذ اللہ) مانگا تھا۔ وہاں یزید اور ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کا مکالمہ پیش نظر رکھا جائے۔ یہی وہ موقع ہے جہاں ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کو جلال آگیا اور آپ نے یزید ملعون اور اس کے درباریوں کو مخاطب فرما کر فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جسے ہم سب سے پہلے جناب علی قاضی صاحب کی کتاب سے نقل کرتے ہیں جس کے بعد ہم دیگر

کتب سے اس کی اسناد بھی حسب سابق پیش کریں گے۔

۴۔ دربارِ یزید میں خطبہ ثانی زہرا سلام اللہ علیہا

موجودہ بحث میں ہم پہلے دربارِ یزید میں ثانی زہرا کا خطبہ پیش کرتے ہیں، اس کے بعد دوسری بحث میں اس خطبہ کی تشریح پیش کریں گے (بلاغات النساء، ص 21 تا 23، اعلام النساء، ج 2، ص 95 تا 97)۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

حمد و سپاس صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے جو عالمین کا پروردگار ہے

وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مُحَمَّدٍ

اور اللہ کی طرف سے درود و رحمت ہو اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر

وَأَلِيهِ أَجْمَعِينَ

اور اُن کی تمام اہل بیت پر بھی۔

صَدَقَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ، كَذَلِكَ يَقُولُ

خداوند سبحانہ و تعالیٰ نے سچ فرمایا، وہ اسی طرح فرماتا ہے

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ آسَاءُ وَالسُّوْءِ

جو لوگ بدیوں کے مرتکب ہوئے، وہ اپنے انجام کو پہنچے

أَنْ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ

جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا

وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِءُونَ (سورہ روم: 10)

اور ان کا تسخروا ستہزاء کیا

أَظُنُّنْتَ يَا يَزِيدُ:

اے یزید! کیا تو گمان کرتا ہے کہ

حَيْثُ أَخَذْتُ عَلَيْنَا أَقْطَارَ الْأَرْضِ وَآفَاقَ السَّمَاءِ

ہمیں قید کر کے تو نے ہم پر زمین اور آسمان کی فضا کو تنگ کر دیا ہے؟

وَأَصْبَحْنَا نَسَاقُ الْأَسَارَى

کیونکہ تو نے ہمیں قید کر کے شہروں اور بازاروں میں پھر لیا ہے؟

إِنَّ بِنَا عَلَى اللَّهِ هَوَانًا

کیا تو خیال کرتا ہے کہ تیرے اس عمل سے ہم اللہ تعالیٰ کے حضور ذلیل ہوئے ہیں؟

وَبَكَ عَلَيْهِ كَرَامَةً

اور اس طرح کیا تو نے اللہ کے سامنے اعزاز و منزلت حاصل کی ہے؟

وَإِنَّ ذَٰلِكَ لِعِظْمِ خَطَرِكَ عِنْدَهُ

نیز کیا تو نے گمان کر لیا ہے کہ اپنے اس عمل سے تو نے اللہ کے حضور اتنا بڑا کام سرانجام دیا ہے جس نے

فَشْمُخْتَ بِأَنْفِكَ

غرور و تکبر سے تیری ناک پھلا دی ہے؟

وَنَظَرْتَ فِي عِطْفِكَ

اور تو بڑے غرور سے اپنے چاروں طرف دیکھتا ہے

جَذْلَانِ مَسْرُورًا

در آنحالیکہ تو انتہا سے زیادہ خوش اور مسرور ہے؟

حَيْثُ رَأَيْتَ الدُّنْيَا لَكَ مُسْتَوْثِقَةً

کیا تو دنیا کو آباد اور اپنی مرضی کے مطابق پاتا ہے؟

وَالْأُمُورَ مُتَسِقَةً

اور کیا تو سمجھتا ہے کہ دنیا کے تمام امور تیری مرضی و منشاء کے مطابق انجام پاتے ہیں؟

وَحِينَا صَفَاتِكَ مُلْكُنَا وَسُلْطَانُنَا

نیز کیا تو سمجھتا ہے کہ ہمارے مقام و منصب کو تو نے درست جانا ہے؟

مَهْلًا مَهْلًا

یزید! ذرا غور کر (اور ان خیالاتِ باطل سے اجتناب کر)

أَنْسَيْتَ قَوْلَ اللَّهِ تَعَالَى

کیا تو فرمانِ خدائے بزرگ و بالا کو بھول گیا، جبکہ وہ فرماتا ہے:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

جو لوگ کفر و بے دینی کے میدان میں قدم رکھتے ہیں، یہ گمان نہ کریں

أَنَّمَا نُمَلِّئُ لَهُمْ خَيْرًا لِّأَنفُسِهِمْ

کہ جو مہلت ہم نے انہیں دی ہے وہ اُن کے فائدہ میں ہے؟

إِنَّمَا نُمَلِّئُ لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا

بلکہ ہم نے انہیں اس لئے مہلت دی ہے کہ انہیں اپنے گناہوں میں اضافہ کی فرصت زیادہ ملے

وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ. (آل عمران: 178)

اور ذلیل کرنے والا عذاب اُن کیلئے مہیا ہے۔

أَمِنَ الْعَدْلُ يَابْنَ الطُّلَقَاءِ

اے ہمارے آزاد کئے ہوئے لوگوں کی اولاد! کیا یہ انصاف ہے کہ

تَخْدِيْرُكَ خَرَأْتُكَ وَ إِمَانُكَ

تو نے اپنی عورتوں اور کنیزوں تک کو تو پس پردہ بٹھا رکھا ہے

وَسُوْتُكَ بَنَاتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ سَبَايَا

لیکن رسولِ خدا کی بیٹیوں کو نامحرموں کے درمیان قیدی بنا رکھا ہے،

قَدْ هَتَكْتَ سُتُوْدَهُنَّ

اُن کے پردہ حرمت کو تو نے پارہ پارہ کر دیا ہے،

وَأَبْدَيْتَ وَجُوْهَهُنَّ

اُن کے چہروں اور صورتوں کو (اُن کے لباس کو خراب کر کے) بے پردہ کر دیا ہے،

تَخَذُوا بِهِنَ الْأَعْدَاءُ

یہاں تک کہ دشمنانِ خدا ان کو دیکھتے ہیں،

مِنْ بَلَدٍ إِلَى بَلَدٍ

انہیں تو نے شہر بہ شہر پھرایا ہے

وَيَسْتَشِيرُفُهُنَّ أَهْلَ الْمَنَاقِلِ وَالْمَنَاقِلِ

حتیٰ کہ شہروں اور دیہاتوں کے باشندے ان کو دیکھتے ہیں

وَيَتَصَفَّحُ وَجُوهَهُنَّ الْقَرِيبُ وَالْبَعِيدُ

اور دُور و نزدیک کے لوگوں نے انہیں تماشا بنا رکھا ہے،

وَالزَّيْنِيُّ وَالشَّرِيفُ

اُن کے ذلیل و شریف لوگ اُن کی طرف اپنی آنکھوں کو کھولتے ہیں،

لَيْسَ مَعَهُنَّ مِنْ رِجَالِهِنَّ وَلِيٌّ

اُن کی کیفیت یہ ہے کہ اُن کے مرد اُن کی سرپرستی کیلئے موجود نہیں ہیں

وَلَا مِنْ حُمَاتِهِنَّ حَمِيٌّ

نہ وہ سرپرست اور حمایتی رکھتے ہیں۔

وَكَيْفَ يُرْتَجَى مَرَاقِبَةُ أَمْنٍ مِنْ لَفْظِ قُوَّةِ أَكْبَادٍ وَالْأَزْكِاءِ

البتہ ایسے شخص کی طرف سے کیسے عطف و مہربانی کی توقع کی جاسکتی ہے جو اُن کی اولاد ہو جنہوں نے اسلام کے پاکیزہ

شہیدوں کے جگر کو چبانا پسند کیا ہو؟

وَنَبَتْ لَحْمُهُ مِنْ دِمَائِ الشُّهَدَاءِ

ایسے شخص سے کس طرح مہربانی کی توقع رکھی جاسکتی ہے جس کا گوشت شہداء کے خون سے بنا ہو؟

وَكَيْفَ يُسْتَبْطِئُ فِي بُغْضِنَا أَهْلَ الْبَيْتِ

پھر وہ شخص کس طرح اہلِ بیت کے ساتھ اپنے بغض و کینہ میں کمی کر سکتا ہے،

مَنْ نَظَرَ إِلَيْنَا بِالشَّنَفِ وَالشَّنَانِ

جس نے ہمیشہ ہم پر بغض و نفرت ہی کی نظر ڈالی ہو،

وَالْأَجِنِ وَالْأَضْغَانِ

اور جن کیلئے اپنی پوری زندگی میں اُس نے کینہ و انتقام کی آنکھ کھلی رکھی ہو؟

ثُمَّ لَقُولُ غَيْرَ مُتَائِمٍ وَلَا مُسْتَعِظِمٍ

اور وہ اپنے احساسِ گناہ کی بجائے اپنی غلطی اور جرم کو بڑا کارنامہ جانتے ہوئے کہتا ہو:

لَا هَلُولَا وَاسْتَهْلُوا فَرَحًا

کہ کاش میرے آباء و اجداد میری اس شادمانی و خوشحالی کو دیکھتے

ثُمَّ قَالُوا يَا يَزِيدُ لَا تَشَلْ

تو کہتے اے یزید! تیرے ہاتھ شل نہ ہوں۔

مُنْتَحِيًا عَلَى ثَنَايَا أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اس کے ساتھ ہی تو (حضرت) ابی عبد اللہ کے دندانِ مبارک پر چھڑی مارتا ہے

سَيِّدُ شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ

وہی (حسینؑ) جو جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔

تَنَكُّثُهَا بِمَحْضَرِ تَكَ

(نہ صرف یہ) پھر تو اپنی شان میں شاعری و نکتہ آفرینی بھی کر رہا ہے۔

وَكَيْفَ لَا تَقُولُ ذَالِكَ

لیکن تو کس طرح ایسی باتیں کرتا ہے

وَقَدْ نَكَاتِ الْقُرْحَةُ

در آنحالیکہ تو نے اتنی قوت حاصل کر لی ہے کہ ہمارے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے

وَأَسْتَاءَ صَلَّتِ الشَّافَةُ

اور اپنے دل کو ٹھنڈا کرے

بَارِ اقْتِكَ دِمَاءَ ذُرِّيَّةِ مُحَمَّدٍ

محمدؐ کی ذریت کے خون کو بہا کر،

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ

وہ محمدؐ کہ اللہ جن پر اور جن کے خاندان پر درود و رحمت بھیجتا ہے؟

وَنَجُومُ الْأَرْضِ آلِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

یہ وہی حضرات ہیں جو خاندان عبدالمطلبؑ کے درخشاں ستارے تھے۔

وَنَهْتَفُ بِأَشْيَاخِكَ

پھر تو اپنے آباء و اجداد کو پکارتا ہے

رَعِمْتَ أَنْكَ تَنَادِيهِمْ

اور تو گمان رکھتا ہے کہ وہ تیرے سوال کا جواب بھی دیں گے،

فَلْتَرُدُّنَّ وَشَيْكَا مُورِدُهُمْ

حالانکہ تو خود بہت جلد اُن کے پاس پہنچ جائے گا

وَلْتَوَدُّنَّ أَنْكَ سَلِلْتَ وَبَكُمْتَ

اور تو آرزو کرے گا کہ کاش میرے ہاتھ مفلوج اور زبان کونگی ہوتی

وَلَمْ تَكُنْ قُلْتَ مَا قُلْتَ

تاکہ جو کچھ میں نے کہا وہ نہ کہہ پاتا

وَفَعَلْتَ مَا فَعَلْتَ

اور جو کچھ میں نے کیا وہ نہ کرتا!

اللّٰهُمَّ خُذْ لَنَا بِحَقِّنَا

پروردگارا! ان لوگوں سے ہمارے حق کو وصول فرما،

وَأَنْتَقِمَ مِنْ ظَالِمِنَا

ان ظالموں سے ہمارا انتقام لے،

وَ اَحْلَلْ غَضَبَكَ بِمَنْ سَفَكَ دِمَانَنَا

اپنے غیظ و غضب کو اُن پر وارد فرما جنہوں نے ہمارا خون بہایا
وَقَتْلُ حُمَاتِنَا

اور ہمارے حامیوں کو قتل کیا۔

قَالَ اللَّهُ مَا فَرِيتَ إِلَّا جِلْدَكَ

(یذیب!) خدا کی قسم! اپنے اس عظیم گناہ سے تو نے صرف اپنے گوشت کو پارہ پارہ کیا ہے

وَلَا جَرَرْتَ إِلَّا لَحْمَكَ

اور اس کے سوا کچھ نہیں کہ تو نے خود اپنے بدن کے گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کئے ہیں (روزِ جزا کے حساب کی طرف اشارہ ہے)

وَلَتَرِدُنَّ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ

بہت جلد تو پروردگار کے حکم سے رسولِ خدا کے سامنے وارد ہوگا

بِمَا تَحَمَّلْتَ مِنْ سَفَكِ دِمَاءِ ذُرِّيَّتِهِ

جبکہ ان کی ذریت کا خون تیری گردن پر ہوگا،

وَأَنْتَهَكْتَ مِنْ حُرْمَتِهِ فِي عَثَرَتِهِ وَلَحْمَتِهِ

اُن کی عزت کی جسک حرمت کا گناہ اور اُن کے گوشت و پوست کا عذاب تو اپنی گردن پر رکھتا ہوگا،

حَيْثُ يَجْمَعُ اللَّهُ شَمْلَهُمْ

یہ وہ دن ہوگا جب اللہ نے اپنے نبی اور اُن کے خاندان کو اپنے سامنے جمع کر رکھا ہوگا،

وَيَلْمُ شَعْنَهُمْ

اُن کے نکھرے ہوئے افراد کو اس نے اپنے سامنے جمع کر رکھا ہوگا

وَيَأْخُذُ بِحَقِّهِمْ

اور اُن کے حق کو اُن کے دشمنوں سے طلب فرمائے گا (اللہ اس بارے میں فرماتا ہے)

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا

اور اُن لوگوں کو مردہ نہ جانو جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوئے ہوں

بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ. (آل عمران: 169)

بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار سے رزق حاصل کرتے ہیں۔

وَحَسْبُكَ بِاللَّهِ حَاكِماً يَزِيدُ

پس اے یزید! یہ تیرے لئے کافی ہے کہ تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہوگا،

وَبِمُحَمَّدٍ خَصْماً

محمد تیرے خلاف دعویٰ کریں گے

وَبِجَبْرِئِيلَ ظَهِيراً

اور جبرئیل ان کے گواہ و مددگار ہوں گے۔

وَسَيَعْلَمُ مَنْ سَوَّلَ لَكَ

بہت جلد ایسا ہوگا کہ جن لوگوں نے مکر و فریب کر کے

وَمَكَّنَكَ مِنْ رِقَابِ الْمُسْلِمِينَ

تجھے مسلمانوں پر بٹھایا ہوگا، اپنے کئے پر جوابدہ ہوں گے۔

وَبِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا

تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ اُس دن تیری کیفیت کیسی دردناک ہوگی اور تجھ سے زیادہ بد بخت کون ہوگا!

وَأَيْكُمُ شَرُّ مَكَانًا وَ أَوْعَفُ جُنْدًا

اُس دن معلوم ہو جائے گا کہ کون زیادہ مجبور اور زیادہ شکست خوردہ ہے۔

وَلَيْنُ جَرَتْ عَلَى الدَّوْهِى مُخَاطَبَتُكَ

یزید! افسوس کہ حوادثِ روزگار نے مجھے یہاں تک پہنچایا ہے کہ میں تیری اسیر اور تجھ سے مخاطب ہوں

إِنِّي لَا أَتَصَغِيرُ قُدْرَتِكَ

لیکن میں تیری قوت و حیثیت کو حقیر جانتی ہوں،

وَاسْتَعْظِمُ تَقْرِيعَكَ

اس قدر رہمت رکھتی ہوں کہ یہ باتیں تیرے منہ پر کہوں

وَاسْتَكْثِرُ تَوْبِيخَكَ

اور چاہتی ہوں کہ تجھے بہت زیادہ ذلیل کروں۔

لَكِنَّ الْعُيُونَ عَبْرَى

لیکن کیا کروں کہ ہماری آنکھیں گریہ کناں ہیں،

وَالصُّدُورُ حَرَى

اور ہمارے قلوب ہمارے عزیزوں کے مرگ کے غم میں جل رہے ہیں!

أَلَا فَالْعَجَبُ كُلُّ الْعَجَبِ

افسوس صد افسوس کہ کیا کچھ گزر چکا

لِقَتْلِ حِزْبِ اللَّهِ النَّجْبَاءِ

کہ اللہ تعالیٰ کی پاک و نجیب جماعت کو مار ڈالا گیا،

بِحِزْبِ الشَّيْطَانِ الطُّلَقَاءِ

وہ بھی شیطان صفت جماعت کے ہاتھوں جو خود آزا شدہ اسیر تھے۔

فَهَذِهِ الْأَيْدِي تَنْطَفُ مِنْ دِمَائِنَا

تم لوگوں کے ہاتھ ہمارے خون سے رنگے ہوئے ہیں

وَالْأَفْوَاهُ تَتَحَلَّبُ مِنْ لُحُومِنَا

اور تمہارے منہ ہمارے گوشت بدن کو نگٹے کیلئے کھلے ہوئے ہیں،

وَتِلْكَ الْجُثَثُ الطَّوَاهِرُ الزَّوَائِي

وہ پاک جسم جو کلڑے کلڑے اور بے سر ہیں

تَنْتَابُهَا الْعَوَاسِلُ

آندھیوں اور طوفانوں میں خاک میں پڑے ہیں۔

وَتُعَفِّرُهَا أَمَّهَاتُ الْفِرَاعِلِ

بھیریوں کی قسم کے لوگ بیابان میں انہیں پڑا ہوا دیکھتے ہیں۔

وَلَيْنُ اتَّخَذُ تَنَا مُغْنِمًا

اے یزید! اگر تو نے ہمارے قتل و اسیری کو اپنے لئے غنیمت جانا ہے

لِتَجِدْنَا وَشَيْكًا مُغْرَمًا

تو تجھے جانا چاہئے کہ اس کے عوض تجھے بہت بڑی سزا و تادان ادا کرنا ہوگا

حِينَ لَا تَجِدُ إِلَّا مَا قَدِمْتَ

اور یہ اُس دن ہوگا جب سوائے اُس چیز کے جو تو نے پہلے سے جمع کر رکھی ہوگی کچھ اور تیرے پاس نہ ہوگا

وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ

اور اُس دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ہرگز ظلم روا نہ رکھے گا۔

وَإِلَى اللَّهِ الْمُسْتَكِي

میں تیرے ظلم کی اللہ سے شکایت کرتی ہوں

وَعَلَيْهِ الْمَعْوَلُ

اور اُسی سے پناہ دوسر پرستی کی طالب ہوں۔

فَكَيْدٌ كَيْدُكَ

اے یزید! ہماری دشمنی میں تو جس قدر مکر و تدبیر کر سکتا ہے، کر لے،

وَأَسْعَ سَعْيِكَ

ہماری دشمنی میں جس قدر کوشش تجھ سے ممکن ہو، کر گزر،

وَنَاصِبٌ مُّهْدَكَ

اپنے تمام طریق و خواہشات کو استعمال کر لے۔

فَوَاللَّهِ لَا تَمُحُوذِكُنَا

خدا کی قسم! ہمارے کاموں کو ذہنوں اور صفحات تاریخ سے محو نہ کر سکے گا

وَلَا تُمِيتُ وَحِينَا

نہ ہی یہ ممکن ہے کہ ہم پرفروغ وحی کو روک سکے۔

وَلَا تَذَرِكُ أَمَدُنَا

تیرے لئے ہرگز یہ ممکن نہیں کہ ہمارے طول حیات اور ہمارے افتخارات کو ختم کر سکے

وَلَا تَرْحُضْ عَنْكَ عَارُهَا

نہ ہی یہ ممکن ہے کہ اپنے دامن سے مستقل و دوامی ننگ و عار کے دھبوں کو مٹا سکے۔

وَهَلْ رَأَيْكَ إِلَّا فَنَدٌ

کیا اس میں بھی کوئی شک و شبہ باقی ہے کہ تیری رائے اور عقل ضعیف و بچکانہ ہے؟

وَأَيَّامُكَ إِلَّا عَدَدٌ

کیا اس میں بھی کوئی شک و شبہ باقی ہے کہ تیری زندگی کے ایام گنے جا چکے ہیں؟

وَجَمْعُكَ إِلَّا بَدْرٌ

کیا اس کے علاوہ بھی کچھ ہے کہ تیرے گرد جو تیری جماعت ہے، وہ پراگندہ ہونے والی ہے؟

يَوْمَ يُنَادِي الْمُنَادِي

اُس دن کو یاد رکھ جب ندا دینے والا ندا دے گا کہ

”أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ“

ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو۔

فَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي

پس تمام تعریف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے جس نے

خَتَمَ لَنَا بِالسَّعَادَةِ وَالْمَغْفِرَةِ

ہمارے آغازِ حیات کو خوش بختی و سعادت قرار دیا

وَلَا خَيْرَ نَا بِالشَّهَادَةِ وَالرَّحْمَةِ

اور ہمارے آخر کو شہادت و رحمت سے نوازا۔

وَنَسْأَلُ اللَّهَ أَنْ يُكَمِّلَ لَهُمُ الثَّوَابَ

ہم اللہ ہی سے درخواست کرتے ہیں کہ اپنی رحمت و رافت کی اُن پر تکمیل فرمائے

وَيُوجِبْ لَهُمُ الْمَزِيدَ

اور اُن کے اجر و ثواب میں اضافہ فرمائے

وَيُحَسِّنَ عَلَيْنَا الْخِلَافَةَ

اور خلافت کو، جو یقیناً ہمارا حق ہے، ہمارے لئے قرار دے۔

اللَّهُ رَحِيمٌ وَدُودٌ

وہ خدائے رحیم ہے اور اپنے دوستوں کی پناہ گاہ ہے۔

وَحَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ

اللہ ہماری حمایت کیلئے کافی ہے اور وہ سب سے بہتر مددگار و مدافع ہے۔ 1۔

1۔ ثانی زہر اسلام اللہ علیہا کے اس خطبہ کو کم و بیش تمام مؤرخین نے اپنی تالیفات و تصنیفات کی زینت بنایا ہے۔ اگر کہیں کوئی اختلاف ہے بھی تو وہ صرف معمولی الفاظ کا ایسا اختلاف ہے جس سے خطبہ کے معانی بالکل اثر انداز نہیں ہوتے بلکہ ہم تو اس حقیقت کو اُس معظمہ کا ایک معجزہ خیال کرتے ہیں کہ کم و بیش چودہ صدیاں گزر جانے کے باوجود جس عرصہ میں مختلف قسم کے حوادث و تاریخ نے جنم لیا جن کے نتیجہ میں سلطنتیں اور بڑی بڑی طاقتیں تہ و بالا ہو گئیں، معظمہ کا یہ خطاب اپنی اصلی نوعیت میں قائم ہے اور دنیا بھر کے دانشوروں کو دعوتِ فکر دے رہا ہے۔

ہم اپنی اس کاوش میں تمام مؤرخین کے بیانات و تخیل تو پیش نہیں کرنا چاہتے، صرف علامہ سید ابن حسن نجفی صاحب کی کتاب ”حضرت زینب کبریٰ کے تاریخ ساز اور عہد آفرین خطبے“ سے جسے ادارہ تمدن اسلام، کراچی نے شائع کرنے کا شرف حاصل کیا ہے، چند اقتباسات پیش کرتے ہیں جن سے اُس دور پر آشوب کے حالات اور اہل بیت رسول اکرم کے ردِ عمل کا کسی قدر اندازہ ہو سکے گا، نیز یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ کوئی عام معمولی ہستیاں نہیں بلکہ ایسے حالات و واقعات و مصائب و مظالم کے سامنے بھی اپنے کردار و شجاعت کو پوری طرح قائم رکھے ہوئے ہیں کیونکہ اسی کردار کی وجہ سے دین اسلام زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

یکے حسینِ رقمِ کرد، دیگرے زینب

حدیثِ عشقِ دوباب است کربلا و دمشق

(جاری)

اور یہ وہی حسین ہے جس کیلئے شاعرِ مشرق کہتے ہیں:

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

بہر آن شہزادہ خیر الملل دوش ختم المرسلین نعم الجمل
بہر حال علامہ نجفی مذکور رقم طراز ہیں:

”سفینی خاندان نے دمشق کے علاقہ پر کوئی پینتیس (۳۵) برس حکومت کی، مگر اتنے طویل عرصہ میں انہوں نے اہل بیت رسالت کو کبھی بھی وہاں کے عوام سے متعارف نہیں ہونے دیا.... مگر جب بیمار کربلا حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اور جناب زینب علیا کی قیادت میں آل محمد کالنا ہوا قافلہ کوفہ میں داخل ہوا اور تجسس ذہنوں تک دخترِ فاطمہ ع کی تقریر کے ذریعہ ضمیروں کو ہلا دینے والی وہ آواز پہنچی اور حقیقت کھلی تو وہیں سے ایک تحریک نے جنم لیا.... بشراب بن خزیم اسدی واقعات کے ایک چشم دید گواہ ہیں اور اُن کا بیان اس حقیقت کا ثبوت ہے۔

”.... اس زمانہ کے ایک مشہور شخص سہل شہر زوری نے جب ایک سن رسیدہ آدمی سے دریافت کیا کہ یہ قیدی کون ہیں اور کہاں سے لائے گئے ہیں، تو اُس نے برجستہ چند شعر کہہ کر سنائے۔ درد اور جذبے میں ڈھلا ہوا ایک فکر انگیز شعر یہ تھا:

وَإِنْ قَبِلَ الْعُفَى مِنْ آلِ هَاشِمٍ
أَذَلَّ رِقَابَ الْمُسْلِمِينَ فَذَلَّتْ

یعنی ”خاندانِ ہاشم کے فردِ فرید اور نینوا کے شہید کے قتل نے مسلمانوں کے گلے میں ذلت کا طوق ڈال دیا اور واقعاً یہ پوری قوم رسوا ہو گئی۔“

”بغوات کے آثار کو چہ و بازار سے گزر کر ابن زیاد اور اس کے اعصاب پر طاری ہو چکے تھے۔ نیز بقول مؤرخ طبری جس لمحہ خانوادہ رسالت کو اس کے سامنے لایا گیا، اس وقت رسول کے صحابی زید بن ارقم دربار میں موجود تھے اور جب انہوں نے قیامت کا یہ منظر دیکھا تو ابن زیاد پر برس پڑے اور پھر باہر نکل کر لوگوں سے یہ کہنے لگے:

”عرب کے بہادر سپہو! آج سے تو تم اپنے جیسے انسانوں کے غلام بن گئے ہو۔ تم نے پسرِ مرجانہ کو اپنا حاکم بنا کر فرزندِ فاطمہ کو قتل کر دیا۔ ہائے! کس بری طرح تم نے اپنے آپ کو ذلیل و خوار کیا ہے۔

”.... کوفہ کے بھرے بازار میں جناب ثانی زہرا کے خطاب سے ایک بالچل مچ گئی اور پھر یہ اضطراب طوفانی کیفیت اختیار کرنے لگا۔ نیز اس لئے ہوئے قافلہ کو جب کوفہ سے دمشق کی جانب روانہ کیا گیا تو راستہ میں جو بستی آئی، جو شہر پڑا اور وہاں کے رہنے والوں کو جب معلوم ہوا کہ فوج کی گمرانی میں لائے جانے والے اسیر اہل بیت عصمت و طہارت ہیں تو بلا اختلاف مذہب و ملت، مسلم اور غیر مسلم، سب نے مل کر حکومت کے خلاف محاذ لگائے۔

(جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

”..... اور جب یہ قافلہ دمشق پہنچا تو ایک طرف تو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے ان قیدیوں کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی گئی اور دوسری جانب یہ شعور عام تھا کہ دارالسلطنت کو سجانے کے لئے حکومت نے اپنا سارا خزانہ لٹا دیا ہے.....

”اسیران المل بیت کو سب سے بڑے بازار کے مرکزی حصہ باب الساعات کی طرف لے جایا جا رہا تھا کہ ایک جگہ ابراہیم ابن طلیح نامی ایک شخص نے حضرت سید سجاد سے دریافت کیا:

”من الغالب؟“ اس معرکہ میں جیت کس کی ہوئی؟

امام نے کمال الطینان کے ساتھ جواب دیا:

”اذا جان وقت الصلوة فاذن واقم تجد الغالب.“

یعنی ”جب نماز کا وقت آجائے تو اذان کہہ کر نماز کے لئے کھڑے ہو جانا، خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ فتح کس کی ہوئی.....“۔

اسیروں کا یہ کارواں جب جامع مسجد دمشق کے دروازے کے پاس پہنچا تو سہل ساعدی کے ایک سوال کے جواب میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے قرآن کی زبان میں یہ جواب دیا کہ:

”پوچھنے والے! وہ گھر جو آیہ مؤذت اور آیہ تطہیر کا مصداق ہے، یہ قیدی اُسی گھر سے تعلق رکھتے ہیں۔“

”مگر یزید ملعون کے بھرے دربار میں حضرت ثانی زہر اسلام اللہ علیہا نے جب خطاب فرمایا تو عجیب عالم تھا، یوں لگتا تھا جیسے آگ برس رہی ہو، زلزلہ آگیا ہو.....

”بہر کیف! زینب کبریٰ نے شاہی دربار میں یزید جیسے ظالم و جابر کج کلاہ کے روبرو اور سات سوا عیان سلطنت اور بیرونی نمائندوں کی موجودگی میں جس طرح اُس کی اور اُس کی حکومت کی اہانت کی ہے، اُس سے نہ صرف علیٰ کی بیٹی کی جرأت اور شجاعت و شہامت کا سکھ سب پر بیٹھا بلکہ جو لوگ اُس بزم میں موجود تھے، انہیں حاکم دمشق کا ہر حال اور اُس کی حکومت کے خراب مستقبل کا نقشہ بھی نظر آنے لگا!

”..... دیکھتے ہی دیکھتے سیاسی اوضاع ایسے بگڑے کہ حکومت کے لئے اسیران المل حرم کو زیادہ عرصہ تک شام کے زندان میں رکھنا محال ہو گیا۔ نیز جب مجبوراً ان قیدیوں کو رہا کیا گیا تو بادشاہ کا محل عز خانہ اور شام کے تمام باشندے سو گوار تھے۔

”کسی نے بڑی اچھی بات کہی ہے کہ یزید جس کو ارض کر بلا پر ظلم و جور کے ساتھ فتاد برباد کر چکا تھا، دمشق میں اُس کا ماتم ہوا، یوں سمجھئے کہ یزید نے جس کو مٹانا چاہا، زینب نے اُسے زندہ جاوید کر دیا۔“ (ص ۳۰ تا ۳۵)

اسی خطبہ کا ترجمہ علامہ سید ابن حسن نجفی صاحب کے الفاظ میں ذیل میں پیش کرتے ہیں:

(جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

”جناب زینبؓ نے ارشاد فرمایا:

تعریف اللہ کیلئے ہے جو ساری کائنات کا پروردگار ہے اور درود و سلام رسولؐ والہی بیت رسولؐ پر!
کتنی سچائی ہے خداوندِ عالم کے اس ارشاد میں کہ ”آخر کار جن لوگوں نے برائیاں کی تھیں اُن کا انجام بھی بہت برا ہوا، اس لئے کہ انہوں نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ان کی ہنسی اڑاتے تھے“ (سورہ روم: 10)۔

کیوں، یزید! زمین و آسمان کے تمام راستے ہم پر بند کر کے اور خاندانِ نبوت کو عام قیدیوں کی طرح، در بدر پھرا کر تو نے یہ سمجھ لیا کہ خدا کی بارگاہ میں ہمارا جو مقام تھا اس میں کوئی کمی آگئی اور تو خود بڑا عزت دار بن گیا؟ پھر تو اس خام خیالی کا شکار ہے کہ وہ المیہ جس سے ہمیں تیرے ہاتھوں دو چار ہونا پڑا اس سے تیری وجاہت میں کچھ اضافہ ہو گیا اور شاید اسی غلط فہمی کے باعث تیری ناک اور چڑھ گئی اور غرور کے مارے تو اپنے کندھے اُچکانے لگا؟

ہاں! یہ سوچ کر تو خوشی سے پھولے نہیں سار ہا کہ تیری مستبدانہ حکومت کی حدیں بہت پھیل چکی ہیں اور تیری سلطنت کی نوکر شاہی بڑی مضبوط ہے۔

اور ہو سکتا ہے کہ تو یہ بھی سمجھ بیٹھا ہو کہ خلاقِ عالم نے تجھے بغیر کسی خطرے کے پھیل پھیل کر اطمینان سے اپنا حکم چلانے اور من مانی کرنے کا یہ موقع دیا ہے!

ظہر، یزید ظہر! ایک دو سانس اور لے لے۔ پھر دیکھنا کیا ہوتا ہے؟ دراصل تو رب ذوالجلال کے اس فیصلے کو بھلا بیٹھا ہے کہ ”کفر کی راہ اختیار کرنے والے یہ گمان نہ کریں کہ ہم جو انہیں مہلت دیئے جاتے ہیں، وہ ان کے حق میں کوئی بہتری ہے، ہم تو انہیں اس لئے ڈھیل دے رہے ہیں کہ یہ خوب جی بھر کر گناہ سمیٹ لیں، اس کے بعد ان کے واسطے سخت ذلت آمیز سزا اور رسوا کرنے والا عذاب ہے“ (سورہ آل عمران: 178)۔

اے ہمارے آزاد کئے ہوؤں کے جائے! کیا یہی عدل ہے؟ اسی کو انصاف کہتے ہیں کہ تیری عورتیں اور کنیزیں تک تو پردے میں ہوں اور نبی زاد یوں کی چادریں چھین کر انہیں بے پردہ، سر بر ہنہ ایک شہر سے دوسرے شہر کشاں کشاں لے جایا جائے!
ہاں، یزید! تو نے ہی ہمیں اس حال تک پہنچایا ہے۔

ہم بے داروں کا قافلہ جس جگہ پہنچتا ہے وہاں تماشائیوں کا ٹھٹھ لگ جاتا ہے۔ ہر قسم کے لوگ، ہر طرح کے آدمی، راہ راہ، منزل منزل، جوق در جوق دُور اور نزدیک سے ہمیں دیکھنے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں! اس کا رواں کا نہ کوئی ساتھی ہے نہ حمایتی، نہ دوست، نہ نگہبان! ہاں! مگر جس کا تعلق ہمارے بزرگوں کا کلیجہ چبانے والوں سے ہو اس سے کسی زورِ عایت کی کیا توقع ہو سکتی ہے اور جس (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

کا گوشت پوست ہمارے شہیدوں کے لہو سے اُگا ہو، بھلا اس کے دل میں ہمارے لئے کوئی نرم گوشہ کہاں پیدا ہو سکتا ہے؟
ہاں ہاں! جواہل بیت عصمت و طہارت کی دشمنی میں انگاروں پر لوٹ رہا ہو اس سے کب یہ امید باندھی جاسکتی ہے کہ وہ حقیقتوں
کے بارے میں کبھی ٹھنڈے دل سے غور بھی کرے گا؟

اے یزید! تو احساسِ جرم کے بغیر اور جس ڈھٹائی سے کہتا جا رہا ہے کہ:
اگر اس وقت میرے اسلاف مجھے دیکھتے تو کتنے شاد ہوتے! وہ مجھے شاباشی دیتے اور کہتے: یزید تیرے دست و بازو کو نظر نہ لگے!
تو نے محمدؐ کے گھرانے سے کیا خوب انتقام لیا ہے!

یزید! تو جو کچھ کر رہا ہے اور جو کچھ کہتا چلا جا رہا ہے، وہ تیری اندرونی کیفیت کا اظہار ہے! ذرا دیکھ تو سہی بے ادب! اپنی چٹری
سے جس ہستی کے مقدس ہونٹوں کے ساتھ تو گستاخی کر رہا ہے، وہ جواہرِ جنت کا سردار ہے! تو نے محمدؐ کے پیاروں کا خون بہا کر اور
عبدالطلب کے چاند تاروں کو خاک میں ملا کر اپنے سوکھے ہوئے زخموں کو پھر سے ہرا اور بھرے ہوئے گھاؤ کو کچھ اور گہرا کر دیا ہے! اور
اس پر تو اپنے پُرکھوں کو بھی پکار رہا ہے، اپنے گڑے ہوئے مُردوں کو آواز دے رہا ہے اور اس سے بے خبر کہ عنقریب تو خود بھی اسی گھاٹ پر
اُترنے والا ہے، جہاں وہ ہیں، اور جب تو اپنے سگوں کے پاس پہنچ جائے گا تو پھر رہ رہ کر تیرا دل یہ چاہے گا کہ کاش! نہ زبان میں سکت
ہوتی اور نہ ہاتھوں کو جنبش! تاکہ جو کہا ہے وہ نہ کہتا اور جو کیا ہے وہ نہ کرتا!

پروردگار! تو ان ظالموں سے ہمارا حق دلا دے اور ان ستم گروں سے ہمارے بدلے چکا دے۔ بارِ الہا! جن جفا شعاروں نے
ہمارا لہو بہایا ہے اور ہمارے طرف داروں کو قتل کیا ہے، ان پر اپنا غضب نازل فرما۔ قسم بخدا! اے یزید! تو نے خود ہی اپنی کھال نوچی ہے،
اور اپنے ہاتھوں اپنے گوشت کی تکیہ بوٹی کی ہے!

یزید! جب تو اپنے ان سنگین جرائم کا بوجھ اٹھائے قیامت کے دن خدا کی عدالت میں پیش ہوگا تو پھر دیکھنا کہ داؤدِ محشر کس عنوان
سے ریاضِ رسالت کے کھڑے ہوئے پھولوں کو اکٹھا کر کے ہر برگِ گل کو آماجگاہِ صد بہار قرار دیتا ہے اور وہ منصفِ حقیقی کس طرح
جو ردِ جفا کرنے والے باغیوں سے ہم کو ہمارا حق دلاتا ہے! اس پیدا کرنے والے کا ارشاد ہے: ”جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوتے ہیں
انہیں مُردہ نہ سمجھو، وہ تو درحقیقت زندہ ہیں! اپنے رب کے پاس سے رزق پارہے ہیں“ (سورۃ آل عمران: 169)۔

سن، یزید سن! تیرے لئے تو بس اتنا ہی جاننا کافی ہے کہ بہت جلد خدائے ذوالجلال فیصلہ دے گا، محمد مصطفیٰ مدعی ہوں گے اور
جبرئیل امین مدد کریں گے!

ہاں! اور وہ لوگ بھی اسی ہنگام اپنا انجام دیکھ لیں گے جنہوں نے زمین ہموار کر کے تجھے اس جگہ تک پہنچایا اور پھر اللہ (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابعہ)

رسول کا کلمہ پڑھنے والوں کی گردنوں پر مسلط کر دیا!

جب حساب و کتاب کا وقت آئے گا تب ہی پتہ چلے گا کہ جو زیادتیاں کرتے ہیں ان کو کتنی بُری سزا ملتی ہے!

اور اسی لمحے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ کسے بدترین جگہ دی گئی اور کس کے ساتھی کس درجہ بودے نکلے!

اے یزید! یہ تو زمانے کا انقلاب ہے کہ مجھے تجھ جیسے آدمی سے بات کرنے پر مجبور ہونا پڑا! تجھے تو میں بہت چھوٹا اور بے وقعت

سمجھتی ہوں، البتہ تیری سرزنش کو بڑا کام اور تیری ملامت کو ایک اچھی بات قرار دیتی ہوں!

ہاں! تجھ سے مخاطب ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ آنکھوں میں آنسو اُمنڈ رہے ہیں اور کیلجے سے آہیں نکل رہی ہیں!

کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ وہ خاصانِ خدا جنہیں اس نے عز و شرف دے کر سرفراز فرمایا، وہی فتح مکہ کے دن ہمارے آزاد کئے ہوئے شیطان صفت گروہ کے ہاتھوں تہ تیغ ہوں!

آہ آہ! دشمن کی آستین سے ابھی تک ہمارے شہیدوں کا لبو ٹپک رہا ہے اور آج بھی ان کے لب و دندان پر ہمارا گوشت چبانے کے نشان موجود ہیں! اُف! ان کشتگانِ روئے تسلیم کے پاک و پاکیزہ اجسامِ دامنِ صحرا میں بے گور و کفن پڑے ہیں۔

اے یزید! اگر آج ہمیں جنگی قیدی بنا کر تو سمجھ رہا ہے کہ کچھ حاصل کر لیا تو یاد رکھ، کل تجھے اس کے مقابلہ میں سخت نقصان اٹھانا پڑے گا! اور یہ بات نہ بھولنا کہ تو اپنے اعمال کی صورت میں جو بھیجے گا بس وہی پائے گا۔ نیز رب العالمین اپنے بندوں پر کبھی ظلم نہیں کرتا۔

ہم اللہ کے سوانہ کسی سے اپنا حال کہتے ہیں اور نہ کسی کے پاس فریاد لے جاتے ہیں! صرف اسی کی ذات پر ہمارا بھروسہ ہے اور وہی ہم سب کا مرکزِ اعتماد ہے۔ اے یزید! تیرے پاس مکر و فریب کا جتنا ذخیرہ ہے اسے جی کھول کر کام میں لے آ۔ ہر طرح کی سعی و کوشش میں بھی کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھنا۔ اپنی سیاسی جدوجہد کو مزید تیز کر دے۔ اور ہاں ساری حسرتیں نکال لے۔ تمام آرزوئیں پوری کر لے!

مگر اس کے باوجود تو نہ تو ہماری شہرت کو کم کر سکتا ہے اور نہ ہی ہمیں جو مقبولیت حاصل ہے، اُسے متاثر کر سکتا ہے! پھر یہ بھی تیرے بس میں نہیں کہ ہماری فکر کو پھیلنے اور ہمارے پیغام کو نشر ہونے سے روک دے! نیز تو ہمارے مقصد کی گہرائی تک پہنچنے اور غرض و غایت کی گیرائی کو سمجھنے سے بھی قاصر ہے۔

یزید! تیری فکر غلط ہے، تیری رائے خام ہے! تیری زندگی کے محض چند دن باقی رہ گئے ہیں، تیری بساطِ اٹلنے والی ہے اور بہت جلد تیرے ساتھیوں کا شیرازہ بھی بکھرنے والا ہے! اس کے علاوہ وہ دن قریب ہے جب منادی آواز دے گا ہاتھ نہ غیبی کہے گا کہ ”ظالموں پر خدا کی لعنت“ (سورہ ہود: 18) اور محمد و پاس اللہ کے لئے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ وہ رب الارباب، جس نے ہمارے پیشرو بزرگوں کو انجامِ کارِ خیر و سعادت کے خزانہ عامرہ سے افتخار بخشا اور ہماری آخری شخصیتوں کو شہادت و رحمت کی نعمتِ عظمیٰ سے (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

سرفراز فرمایا۔ ارحم الراحمین ہمارے شہداء کے ثواب کو کمال آگئیں، ان کے اجر کو فراواں اور ان کے وارثوں اور جانشینوں کو اپنے حسنِ کرم سے بہرہ مند فرمائے۔ یقیناً وہ بڑا مشفق اور حد درجہ مہربان ہے۔

ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے (آل عمران: 173) ”حضرت زینبؓ کبریٰ کے تاریخ ساز اور عہد آفرین خطبے“ (ص ۵۷ تا ۵۸)۔

دربارِ یزید میں ثانی زہراؓ کے اس خطاب کے سلسلہ میں اس خطبہ کے تاثرات کو قلمبند کرنے سے پہلے ہم اس خطاب کے متعلق مندرجہ ذیل طور میں جناب آغا حسن رضا غدیری صاحب مدظلہ کا مختصر سا تبصرہ نقل کرتے ہیں جو حقائق کی ترجمانی کرتا ہے۔ غدیری صاحب لکھتے ہیں:

”ثانی زہراؓ کے عظیم خطاب پر غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اُس معظمہ نے فصاحت و بلاغت اور معانی و بیان کے علوم و فنون کی عظمتوں کو قالبِ سخن میں ڈھال کر اسلوبِ بیان کی کتنی پاکیزہ مثال پیش کی ہے۔

”زینبؓ کبریٰ نے اپنے خطبہ میں حقائق کے اظہار کا جو انقلاب آفریں انداز اختیار کیا اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی اور حق و حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے فطرت کی رعنائیوں کو آزادی و حریت کے تحفظ سے ہم آہنگ کر کے جرأتِ بیان کا جو مقدس نمونہ پیش کیا، وہ ہر صاحبِ فکر و دانش کیلئے قابلِ تقلید ہے۔

زینبؓ نے اپنے مقدس بیان کی روشنی میں دنیائے انسانیت کو حقائق کے اظہار کا طریقہ، فطری حقوق کے تحفظ کا سلیقہ اور حقیقت و عقیدت کے امتزاج کا ڈھنگ سکھایا۔

”سیدہ زینبؓ نے بتلایا کہ ظالم و شنگر کے سامنے کلمہ حق کس طرح کہا جاتا ہے اور زبان و بیان کی قوت کو شمشیر و سناں سے زیادہ تیز اثر دے کر کس طرح لوگوں کے دلوں میں اُتر جاتا ہے۔

”علیؑ کی بیٹی نے اپنے خطبہ میں طاقت کے بل بوتے پر مظلوم انسانوں کا استحصال کرنے والوں کے خلاف قیام کرنے کے آداب سکھائے۔

”زینبؓ کبریٰ نے جس پاکیزہ انداز میں بنی امیہ کی نخوت کا کاغذ مرمر اپنے بیان کی قوت سے ریزہ ریزہ کیا، اُس کے سامنے یزید کا سرِ ندامت و شرمندگی سے جھک گیا اور اُسے رسولِ آزادی کا مضبوط استدلال اس طرح رسوا کر گیا کہ وہ سوچنے لگا کہ اگر زمین کا منہ کھل جائے اور وہ اُس میں چھپ کر اپنی رہی سہی عزت بچا سکے، مگر اب وقت گزر چکا تھا، افسوس و ندامت کی گھڑیاں بیت چکی تھیں اور اموی خاندان کی طاغوتیت اور فرعونیت کا بُت کلڑے کلڑے ہو چکا تھا، اور اُن کی سطوت و عامریت کے چراغ گل ہو چکے تھے (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

اور اب یزید کے ایوان اقتدار پر مایوسی، پریشانی، اضطراب و ندامت کے سائے محیط تھے۔

”زینبؓ کبریٰ کے تاریخی خطبہ کی انقلاب آفریں تاثیر رہتی دنیا تک بنی ہاشم کی شجاعت کا پرچم سر بلند رکھے گی اور فطرت کی رعنائیوں اور زیبائیوں کی نورانیت کے مشتاق علی کی صاحبزادی کے عصمت شعار خطاب کی روشنی میں شعور، نظر، شعائر حقیقت، احساس عظمت، قوت ارادہ، حسن اخلاق اور کسب کمال کی نعمتوں سے بہرہ ور ہوتے رہیں گے۔

”سیدہ زینبؓ کے حقیقت شعار خطبہ سے ہر دور میں ظالم و شنگر حکمرانوں کے ایوان اقتدار لرزتے رہیں گے اور مالی طاقت کے بل بوتے پر انسانیت کا خون کرنے والے طاغوت، علی کی صاحبزادی کے اس تاریخی خطبہ کی انقلاب آفرینی سے نہ بچ سکیں گے اور جب بھی کربلا کے خونین واقعہ کا تذکرہ ہوگا تو زینبؓ کے خطبوں کی یاد تازہ ہو جائے گی“ (حیات الامام حسینؑ، ج ۳، ص ۳۸۱، ماقول از الفری السنۃ السابقہ: 6)۔

حیدرگوپالپوری کہتے ہیں:

ایمان کی منزل کف پا چوم رہی ہے
ملت کی جبین نقش وفا چوم رہی ہے
اے ہشتو علی! عارفہ! لہجہ قرآن
خطبوں کو ترے وحی خدا چوم رہی ہے

(”زینبؓ، زینبؓ ہے“، ص ۲۶۵، ۲۶۶)

اب ہم اس مقام پر پہنچ گئے کہ اس خطبہ عالیہ کے اثرات قلمبند کریں۔ لہذا ہم سب سے پہلے جناب عماد الدین حسین اصفہانی عمادزادہ کی کتاب ”تاریخ زندگانی امام حسین علیہ السلام“ سے ان اثرات کی ابتداء کرتے ہیں۔ مصنف موصوف اپنی کتاب کی جلد دوم میں تحریر فرماتے ہیں:

”ایسجا خطبہ لرزانندہ عقیلہ بنی ہاشم تمام شدو آتشی از کینہ و حقد و حسد معاویہ و یزید بر دلہای مردم برافروخت، و نہیب آنجنان زبانہ کشید کہ بہ کلی شہر شام را دگرگون کرد۔ با این خطبہ، ارکان سلطنت یزید بلکہ بنی امیہ را متزلزل ساخت، و آتش انقلاب و تحول فکری و سیاسی را در سینہ های مردم شعلہ ور ساخت، چنانچہ تادہ سال زبانہ می کشید، و چہار صد ہزار نفر مردم عربستان در اثر این خطبہ بہ جان ہم ریختند، و ہمہ بہ خونخواہی حسین بن علی علیہ السلام قیام می کردند۔ این خطبہ از مہیج ترین و لرزانندہ ترین خطبہ حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا بود، کہ در بزرگترین مجلس سلطنتی (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

یزید بن معاویہ با کمال شہامت و شجاعت انشاء فرمود (بحار الانوار، ج 10 مقتل ابی مخنف؛ مقتل لہوف).
 ”یہاں عقیلہ بنی ہاشم کا ہلا دینے والا خطاب اختتام کو پہنچا، جس سے معاویہ و یزید کے خلاف لوگوں کے دلوں میں کینہ و بغض کی آگ بھڑک اٹھی بلکہ اسقدر بھڑکی کہ شام کا تمام شہر بلبل اٹھا۔ اس خطبہ نے نہ صرف یزید کے ارکان سلطنت بلکہ پورے قبیلہ بنی امیہ کو اس قدر ہلا کر رکھ دیا کہ لوگوں کے دلوں میں انقلاب فکری و سیاسی انتشار کے شعلے اٹھنے لگے۔ چنانچہ دس سال تک شعلہ ہائے انتقام اٹھتے رہے، اس خطبہ کے اثر سے عرب کے چار لاکھ افراد اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور سب نے امام حسینؑ بن علیؑ کے خون کے انتقام کی خاطر بغاوت جاری رکھی۔ یہ خطبہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا سب سے زیادہ بچان خیز اور لرزا دینے والا خطبہ تھا جس کو یزید بن معاویہ کی سلطنت کے سب سے بڑے دربار میں کامل ترین بے باکی و شجاعت سے ادا کیا گیا تھا۔“

اس خطاب ثانی زہراؑ کے اثرات کے لئے ہم فاضل مصنف کتاب ”زندگانی جناب امام حسینؑ“ جناب عماد زادہ کی اصل عبارت ذیل میں پیش کرتے ہیں جس کے بعد اس کا ترجمہ ہدیہ قارئین کریں گے:

”یکی از مواہب الہی بر بشر، نیروی بیان و قدرت کلام است. در خلقت این عالم پس از آفرینش آدم، بیان بہترین موهبت الہی است، و برخی کشور بیان را پس از وجود و علم می دانند. در قرآن مجید پس از گشایش باب رحمت و عطف، از تعلیم قرآن سخن بہ میان آورده، و خلقت انسان را با علم و دانش مقرون ساخته، و برای نیل بہ هدف اصلی و ساحل کنار دریای سعادت و کامیابی، آموزش بیان و نطق و خطابه را آورده. از این آیات شریفہ قرآن چنین استنباط می شود کہ غریزہ علم و بیان آن سرآمد کلیہ موفقیتهای زندگانی روحانی بشری است، و بانروی بیان میتوان بر مشکلات فائق آمد.“

”کشور سخن و سخن پردازی، در عالم خلقت بشریت بہ اتفاق تمام ارباب نطق و بیان سرتاسر مسخر خاندانِ عترت و طہارت و مخصوص بنی ہاشم بود. آنها در این رشتہ، کار خطابه و بیان را بہ جانی رسانیدند کہ دست کسی بر آن نرسید، آنها فرماندہان حروف و معانی بودند، کلمات و الفاظ همچون سربازان صف ہستہ و در فرمان این فصیحای ہی نظیر بودند.“

بلاغت و فصاحت در خاندان بنی ہاشم و تربیت شدگان مہد نبوت و ولایت از غرایز طبیعی آنها بہ شمار می رفت. چنان قوی پنجمہ در سخن بودند کہ ہر معنای رقیق درونی، و ہر احساسات لطیف روحانی را در قالب الفاظ رسای متناسب ریختہ، و ہر شنونده ای را ہر خود می لرزانیدند. باین خطاب بہ یزید کہ:

أَمِنَ الْعَدْلُ بَأْنِیَ الطُّلُقَاءِ تَخْدِيرُكَ حَرَائِرُكَ وَإِمَانُكَ وَ سَوْفَكَ بَنَاتُ رَسُولِ اللَّهِ سَبَايَا؟

آیا این است آن عدالت و مساوات کہ خدای اسلام فرو فرستادہ، و پیشوای اسلام در (جاری)

(باقی حاشیه صفحه سابقه)

زندگی مردم نهاده که تو زنان خود را پشت پرده زنبوری جادهی، و دختران پیغمبر را مانند اسرای روم و زنگبار بند اسارت در پیش چشم مردم در آوری، و محرم و نامحرم به ما چشم دوزند و از دور و نزدیک نماشا کنند؟

بزرگ ترین فرمانده سخن و پادشاه کشور نطق و بیان امیر مؤمنان علی بن ابی طالب است که در طول نیم قرن علاوه بر بزرگترین منصب شجاعت که جزو امثال سایرین عرب شد، و همه جابه هر زبان می گفتند: والشجاعة الحیدریة، با عالیتترین مدال و فرمان کشور بلاغت و فصاحت و حدت پیدا کرده و شمشیر و قلم را با نطق و زبان جمع کرده به سرحد کمال رسانیده بود.

حضرت زینب کبری آن تربیت شده مکتب علوی، استعداد و درس خود را از پرورش خاندان ولایت در بازار کوفه و شام و مجلس یزید، بروز داد و علت تأمه این قیام گردید، و کلمات پر حرارت و آتشین خود در موقع شناسی یک حرکت فکری و تحول روحی مردمی به وجود آورد، که چشم روزگار ندیده و گوش بشر نشنیده است. او با خطبه های خویش تخم انقلاب را برای نابودی دولت اموی و توجه مردم به دین اسلام و فداکاری رهبران آن جلب کرد، و نشان داد که ائمه دین همه بایک نقشه منظم و یک برنامه کامل و ثابت و غیر قابل تزلزل، نشر دین و تعظیم شعائر مذهب را تأیید می کنند، خواه به کشته شدن یا به کشتن، خواه به گوشه نشینی و انزوا یا در کنج سیاه چال رندان و مسمومیت، در هر حال مشغول انجام وظیفه خویش هستند و خط سیر مسلمین را نمی گذارند عوض شود، و اگر هم پرده های ظلم و جور چهره زیبای حقیقت را بپوشاند، پس از پاسی باز بر طرف خواهد شد.

پس از شهادت علی علیه السلام مردمی که در بازار کوفه، در مسجد کوفه، در میدان جنگ، در میدانهای عمومی، در اجتماعات ملی همه جا صدای علی امیر المؤمنین علیه السلام را می شنیدند، و با صدای سحر آمیز و لحن لرزاننده او آشنائی داشتند، آرزو می کردند یک بار دیگر صدای مولای خود را بشنوند.

بیست سال از شهادت امیر علیه السلام گذشته بود، بیست سال از مرکزیت کوفه گذشته بود که مردم برای دیدن اسرای جنگی تجمع کرده، در بحبوحه انقلاب در میان جمعیت انبوه، ناگهان صدای امیر المؤمنین علیه السلام به گوش پیر مردهای سالخورده و مردم کوفه رسید، همه مانند آدمی که در خواب بوده اند بر خود لرزیدند، متوجه شدند بینند صدا از کجا است! حس کردند از میان اسرا صدای علوی بلند است. با کمال شگفتگی نزدیک قافله شدند، شنیدند همان کلمات و الفاظ و معانی و سبک خطابه و بیان که بیست سال قبل از علی علیه السلام در گوش آنها بود، بلند است، بیشتر از این تعجب کردند که (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

قافلہ اسرارِ اخراجی می گفتند!!

حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا آن خطبہ مہیج را بیان کرد، و با این خطب و شہامت، اسرار قیام برادر را روشن ساخت، و ہر دنیا ثابت کرد کہ خصال آدمیت بالاترین مقامی است کہ اسلام برای آن مکتب خود را گشود، و مردم مسلمان را بدین ترتیب پرورش نمود:

باشد بہ جہان در نظر دانشور آغوش زن اولین دبستان بشر
این مکتب ابتدائی از عالی نیست از تربیت بشر مجوید اثر

این قدرت و نیروی نطق و فصاحت نہ تنها از دختر علی علیہ السلام بود بلکہ تربیت شدگان مکتب ولایت یکی بعد از دیگری شروع بہ نطق و خطابہ کردند، اما در آن اثنا تعجب و شگفتگی بیشتری برای دختر بزرگ علی علیہ السلام پیدا شد، زیرا او ہم چند روز بود صدای حسین را نشنیدہ بود، و الحان فرح بخش و جان پرور برادر بہ جان دلش نرسیدہ بود کہ ناگہان پس از نطقهای آتشین دختران علی علیہ السلام صدای حسین علیہ السلام بہ گوش خواہر رسید کہ می خواند:

”أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا“ (کہف: 9)

(تاریخ زندگانی امام حسینؑ، ج ۲، ص ۲۹۲ تا ۲۹۵، تالیف عماد الدین حسین اصفہانی، عمادزادہ)۔

”انسان پر اللہ تعالیٰ کی عنایت میں سے ایک زور بیان اور قدرت کلام ہے۔ حضرت آدمؑ کی پیدائش کے بعد دنیا میں قوت بیان اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی عنایت ہے۔ بعض لوگ قوت بیان کو جو انسان اور اس کے علم کے بعد قرار دیتے ہیں۔ قرآن مجید میں باب رحمت و شفقت کے کھلنے کے بعد تعلیم قرآن کی بات درمیان میں آئی اور خلقت انسان کو علم و دانش کے ساتھ متصل کیا اور ہدف اصلی و دریائے سعادت و کامیابی کے ساحل تک رسائی کے لئے بیان و نطق و خطابت کو درمیان میں لایا گیا۔ قرآن مجید کی آیات شریفہ کے مطالعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تحصیل علم اور اس کا بیان انسان کی روحانی زندگی کی توفیقات میں بلند ترین مقام ہے۔ نیز قوت بیان ہی سے تمام مشکلات پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

”تمام ماہرین خطابت و بیان اس بات پر بالکل متفق ہیں کہ عالم بشریت میں فنِ تقریر و ادب کی مہارت تامہ بلکہ اس دنیا کی کامل حکمرانی بنی ہاشم میں خصوصیت کے ساتھ خاندانِ عترت و طہارت یعنی اہل بیتؑ رسول اکرمؐ کو ہر لحاظ سے حاصل ہے۔ ان حضرات نے اس شعبہ زندگی یعنی خطابت و بیان کی دنیا کو ایسے بلند مقام تک پہنچا دیا جہاں کسی کو دسترس حاصل نہیں۔ یہ حضرات حروف و معانی کے فرماں روا ہیں، کلمات و الفاظ صف بستہ غلاموں کی طرح کھڑے ہیں اور ان بے نظیر فصیح و بلیغ حضرات کے زیر فرمان ہیں۔

”آغوش نبوت و ولایت میں پرورش پانے والوں کے لئے فصاحت و بلاغت ان کی فطرت طبعی میں شمار کی جاتی تھی۔ (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

مملکت سخن پران کی گرفت اس قدر مضبوط تھی کہ ہر قسم کے باریک ترین معانی اور روحانی احساسات کو متناسب الفاظ کے قالب میں اس طرح سنوار دیتے تھے کہ ہر سننے والا لرز اٹھتا تھا۔ یزید سے طرزِ مخاطب ملاحظہ ہو:

”أَمِنَ الْعَدْلُ يَابُنَیَّ الطُّغَاءَ تَخْذِیْرَكَ حَرَائِرَكَ وَ إِمَائِكَ وَ سَوْفَكَ بِنَاثَ رَسُولِ اللَّهِ سُبَايَا؟“

کیا یہی عدل و انصاف ہے جس کا پروردگار اسلام نے حکم دیا ہے اور اسلام کے پیشوا نے اپنی زندگی میں لوگوں کیلئے جس کا حکم دیا ہے کہ تو اپنی عورتوں کو تو پردہ کے پیچھے بٹھائے اور رسول کی بیٹیوں کو روم و زنجبار کے قیدیوں کی طرح اسیر کر کے لوگوں کے سامنے لے آئے اور محرم و نامحرم دور و نزدیک سے ان کا تماشا کریں؟

بہترین گفتگو کرنے والے اقلیم نطق و بیان کے بادشاہ امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں جنہوں نے پچاس برس کے طویل عرصہ تک نہ صرف بلند ترین منصب شجاعت کی ایسی مثال قائم کی کہ ہر جگہ ہرزبان ”والشجاعة المحمدية“ کا نعرہ بلند کرتی تھی بلکہ فصاحت و بلاغت کی دنیا پر ایسی حکمرانی و وحدت قائم کر دی کہ شمشیر و قلم کو نطق و زبان کی دنیا میں اس طرح جمع فرمایا کہ ہر طرح انہیں حد کمال تک پہنچا دیا۔

جناب ثانی زہرا جو اسی کتبِ علوی کی پرورش یافتہ تھیں، انہوں نے اپنی استعدادِ علمی اور خاندانی ولایت سے پرورش پا کر اپنے درس کو کوفہ و شام کے بازاروں اور یزید کے دربار میں اس طرح واضح فرمایا، اپنے قیام کی علت تا مدام اس طرح بیان فرمائی کہ اپنی گرمی گفتار اور آتش بیان سے موقع کو پہچانتے ہوئے لوگوں میں ایسی حرکت و فکر و انقلابِ روحانی پیدا کی جسے نہ کسی زمانہ کی آنکھ نے کبھی دیکھا اور نہ کسی گوشِ بشر نے کبھی سنا تھا۔ آپ نے اپنے خطبات سے سلطنتِ بنی امیہ کی بربادی کے لئے انقلاب کا بیج بو دیا، لوگوں کی توجہ کو دینِ اسلام و فداکارانِ رہبرانِ دین کی طرف منعطف کر دیا اور ثابت کر دیا کہ آئمہ دین سب کے سب ایک منظم طریقِ کار کے مطابق جس کا عنوان مکمل مستقل و ناقابلِ تزلزل ہوتا ہے، دین کی تبلیغ اور شعائرِ مذہب کی تعظیم کو قائم کرتے ہیں۔ وہ خواہ مارے جائیں یا خود قتل کریں، گوشہ نشین ہو جائیں یا زندانِ تاریک کے کسی کونہ میں بند ہوں یا زہر سے شہید کر ڈالے جائیں، ہر حال میں اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف رہتے ہیں، یہ نہیں ہونے دیتے کہ مسلمانوں کے حقوق کو بیچ ڈالیں اور اگر کبھی ظلم و جور کے پردے ان کے چہرہ ہائے زیبا کی حقیقت کو چھپانا چاہیں تو وہ اس کو خود نوچ کر الگ کر دیتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد وہ لوگ جنہوں نے بازارِ کوفہ، مسجدِ کوفہ، میدانِ جنگ، مجالسِ عمومی، اجتماعاتِ قومی، غرضیکہ جہاں کہیں صدائے امیر المؤمنین علی علیہ السلام کو سنا تھا، آپ کی سحر آمیز آواز اور لرزہ پیدا کر دینے والے لہجہ سے واقف تھے، آرزو رکھتے تھے کہ ایک بار پھر اپنے مولا کی پیاری آواز سن پائیں۔

(جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

امیر المؤمنین علیہ السلام کی شہادت کو بیس برس گزرے تھے، کوفہ کی مرکزیت کو بھی بیس سال ہی کا عرصہ ہوا تھا جب لوگ اسیران جنگ کو دیکھنے کیلئے جمع ہوئے تھے کہ دوران انقلاب لوگوں کی کثیر جمعیت کے دوران اچانک بوڑھے افراد کوفہ کے کانوں کو امیر المؤمنین علیہ السلام کی آواز سنائی دی۔ سب سننے والے اس طرح لرزنے لگے جیسے کوئی خواب میں لرز جاتا ہے۔ متوجہ ہو کر دیکھنے لگے کہ یہ آواز کہاں سے آرہی ہے۔ انہیں احساس ہوا کہ قیدیوں کے درمیان سے صدائے علی بلند ہو رہی ہے۔ نہایت تعجب کے ساتھ اس قافلہ کے قریب آئے۔ سنا کہ ویسے ہی کلمات والفاظ و معانی و خطاب پر معنی دیاں جو ان کے کانوں نے بیس برس پہلے حضرت علی علیہ السلام سے سنا تھا، بلند ہو رہا ہے۔ اکثر لوگوں کو تعجب ہوا کہ اس قافلہ اسیران کو تو خارجی بتایا گیا تھا!

حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا یہ پہچان آگئیں خطاب فرما رہی تھیں۔ آپ نے اسی شاندار خطاب میں اپنے بھائی کے قیام کے اسرار پر روشنی ڈالی اور دنیا پر ثابت کر دیا کہ انسانیت کے خصائل ہی وہ بلند ترین مقام رکھتے ہیں جن کی ترویج کی خاطر اسلام نے اپنے مکتب فکر کی بنیاد رکھی تھی اور مسلمانوں کی جس کے لئے پرورش کی تھی۔

ایک دانشور کی نظر میں یہ جاننا ضروری ہے کہ آغوشِ مادر ہی انسان کا سب سے پہلا مدرسہ ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بلند منصب ایسا مکتب نہیں جہاں انسان کی تربیت کے اثرات کی تلاش ممکن ہو۔

خطابت و فصاحت کلام کی یہ قدرت و قوت صرف دخترِ علی علیہ السلام ہی سے ظاہر نہیں ہوئی بلکہ مکتبِ ولایت کی تربیت یافتہ ہستیوں نے یکے بعد دیگرے ایسا ہی خطاب فرمایا، تاہم اسی اثناء میں سب سے زیادہ تعجب و حیرت حضرت علی علیہ السلام کی بڑی صاحبزادی کے کلام سے پیدا ہوئی جنہوں نے کئی روز سے امام حسین علیہ السلام کی مبارک آواز نہیں سنی تھی، ان کے عظیم بھائی کا فرح بخش اور جان پرور لہجہ ان کے قلب و جگر تک نہیں پہنچا تھا کہ اچانک امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی صاحبزادیوں کے آتشیں خطابات کے بعد امام حسین علیہ السلام کی آواز خدا کا رہن کے کان میں آئی جو فرما رہے تھے:

”أَمْ حَسِبْتُمْ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا“ (کہف: 9)

”کیا تو نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اصحاب کہف و رقیم ہماری تعجب انگیز نشانیوں میں سے تھے؟“

ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کے دربارِ یزید میں خطاب نے بہت سے لوگوں کو سوچنے پر مجبور کیا جن میں دیگر ممالک کے سفیر بھی شامل تھے۔ ان میں کئی لوگوں نے اپنے ممالک میں صحیح اطلاع پہنچانے کی خاطر حالات کی نوعیت معلوم کرنا چاہی۔ انہی میں سفیرِ روم کا تذکرہ بھی آتا ہے۔ جناب سید اولاد حیدر فوق بلگرامی نے اس کے واقعہ کو سوانحِ امام زین العابدین علیہ السلام یعنی اپنی کتاب ”صحیفۃ العابدین“ میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے جو ہم ہدیہ قارئین کرتے ہیں:

(جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

”یزید کے دربار میں جہاں اور ممالک کے سفیر حاضر تھے، وہاں سلطنت روم کا سفیر بھی موجود تھا۔ اُس نے یزید سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ یہ سر جوشت، طلا میں رکھا ہے، کس کا ہے؟ یزید نے پہلے تو اُسے یہ کہہ کر ٹال دینا چاہا کہ تجھے اس سے کیا غرض، کسی کا سر ہو؟ سفیر روم نے کہا کہ بات یہ ہے کہ جب میں اپنے بادشاہ کی خدمت میں جاتا ہوں تو وہ ذرہ ذرہ تمام حالات مجھ سے پوچھتا ہے۔ اس وجہ سے میں دریافت کرتا ہوں کہ اس سر پریدہ کی حقیقت حال سے مجھے مطلع فرمائیے۔

یزید نے کہا کہ یہ سر امام حسین ابن علی علیہما السلام کا ہے۔

پھر اُس نے پوچھا کہ ان کی ماں کا کیا نام ہے؟ اُس نے کہا فاطمہ علیہا السلام۔

اس سفیر نصرانی نے پوچھا کہ وہی فاطمہ جو تمہارے رسول کی صاحبزادی ہے؟ یزید نے کہا ہاں۔ اُس نے کہا افسوس ہے تجھ پر اور تیرے دین پر۔ میرا مذہب اور تیرا ایک نہیں ہو سکتا۔ مجھ کو دیکھو کہ میرا نسب حضرت داؤد علی نبینا وعلیہ السلام پر تمام ہوتا ہے۔ مجھ سے لے کر جناب داؤد علیہ السلام تک بہت سی پشتوں کا شمار ہوتا ہے لیکن تاہم یہود و نصاریٰ آج تک میرے قدم کی خاک کو تبرک سمجھ کر اپنی آنکھوں سے لگاتے ہیں اور تم ایسے بزرگوار کو جو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسب میں صرف ایک پشت سے جا ملتا ہے، قتل کرتے ہو۔ اب تو مجھ سے اس واقعہ کو ایسی تفتیش سے پوچھنے کا اصلی باعث کان لگا کر سن لے۔

یزید نے کہا اچھا بیان کر۔

اُس نے کہا مجھ کو ایک بار بحر عمان کا سفر درپیش ہوا اور میں ملک چین کے ایک جزیرے میں گیا۔ اُس جزیرہ میں ایک بہت بڑا شہر آباد ہے جہاں سے کافور، عنبر اور یاقوت احر لاتے ہیں اور اسی سرزمین سے عود بھی لاتے ہیں۔ اس شہر میں بہت سے عیسائیوں کے معبد ہیں اور انہیں میں سے ایک عبادت خانہ کا نام کنیرہ حاضر ہے۔ اس عبادت خانہ میں ایک یاقوت سرخ کا ظرف چھت سے لٹکا ہوا ہے اور اُس ظرف میں ایک سُم رکھا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کے گدھے کا سُم ہے۔ ہر سال ہزاروں عیسائی اُس کی زیارت کو آتے ہیں اور نہایت خلوص و اعتقاد سے اُس کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں۔ اور ایک تم لوگ ہو کہ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند کو قتل کرتے ہو۔ لا بارک اللہ فیکم ولی فی دینکم۔ خدائے سبحانہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے دینی امور میں کبھی برکت نازل نہ فرمائے۔

”یزید یہ تقریر سن کر آگ ہو گیا اور اُس نے فوراً حکم دیا کہ اس مرد نصرانی کی گردن ماری جائے۔ جب اُس کو اپنے قتل کئے جانے کی خبر معلوم ہوئی تو اُس نے یزید کو مخاطب کر کے کہا کہ سبحان اللہ ایک دوسرا امر عجیب مجھ پر ظاہر ہوا۔ اُس کو بھی سن لے۔ میں نے کل رات کو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روایا میں دیکھا کہ آپ مجھے بہشت کی بشارت دے رہے ہیں۔ وہ روز بھی تھا (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

میں اب صدقِ دل سے اسلام کو قبول کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر اُس نے کلمہ توحید زبان پر جاری کیا اور مسلمان ہو گیا اور سر مبارک امام حسینؑ کو اٹھا کر اپنے سینہ سے لگا لیا اور چشم و جبین مبارک کے پے در پے پے سے لیتا رہا، یہاں تک کہ ہوا خواہان یزید نے حکم یزید اُس سے وہ سر لے لیا اور اُس کو قتل کیا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ (صحیفۃ العابدین، ص ۴۲-۴۳)۔

اس نوعیت کے اور بھی بہت سے واقعات کتب تاریخ میں مذکور ہیں جن سب کا بیان طوالتِ کلام کا باعث ہوگا۔ ہم نے یہ واقعہ صرف اس لئے لکھا ہے کہ یہ اور اس طرح کے اور واقعات سب اسیرانِ اہل بیت کی دربارِ یزید میں موجودگی میں رونما ہوئے جبکہ وہاں اور ممالک کے نمائندگان بھی موجود تھے۔ انہیں واقعات کے دوران ہماری مخدومہ اور دیگر مخدرات عصمت و طہارت نے بھی کلام کیا۔ ہم ان سب کو چھوڑ کر اختصار کے پیش نظر ایک بار پھر جناب علی قاضی کی کتاب کے ترجمہ اور مناسب مقامات پر اس سے متعلق تبصروں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔



۵. ثانی زہراً کے خطبہ کی مختصر تحقیق و تشریح

اسیران اہل بیت کو دمشق لایا گیا اور جو کچھ کوفہ میں ہوا تھا، یہاں بھی وہی ہوا۔ ثانی زہراً دیگر قیدیوں کے ہمراہ جب دمشق میں وارد ہوئیں تو دیکھا کہ شہر کو آراستہ کیا گیا تھا، ہر جگہ چراغاں کیا گیا تھا اور حالات لوگوں پر بالکل واضح نہ تھے، بلکہ حقائق کو مسخ کر کے لوگوں میں شہرت دی گئی تھی۔ اہالیان کوفہ کے برعکس شام کے لوگوں میں مشہور کیا گیا تھا کہ دین سے برگشتہ و باغی ایک جماعت جنہوں نے مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنا چاہا تھا جس کو روکنے کی خاطر اُن کے امیر المؤمنین یزید ملعون نے اُن سے جنگ کی تھی۔

ہم اس سے پہلے کہہ چکے ہیں کہ دینی اعتبار سے شام کوفہ کی نسبت زیادہ ہمدامن و خاموش تھا۔ کوفہ حضرت علی علیہ السلام کا دار السلطنت رہ چکا تھا۔ آپ کا خاندان اور اولاد وہاں چند برس تک حکمران رہے تھے، لوگ حضرت علی اور آپ کے فرزندوں کے مواعظ سے کاملاً آشنا تھے۔ اس کے برعکس شام چالیس سال سے معاویہ کے زیر حکومت تھا۔ اس تمام عرصہ میں لوگ حضرت علی علیہ السلام اور آپ کے خاندان کے افراد کے ناموں سے واقف نہ تھے۔ وہاں کے لوگ معاویہ کو رہنمائے اسلام جانتے تھے۔ صرف یہی نہ تھا بلکہ اس کے بالکل برعکس حضرت علی اور آپ کے افراد خاندان کے بارے میں اُن کا عقیدہ یہ بن چکا تھا کہ یہ لوگ اسلام میں نفاق و تفرقہ کا موجب ہیں، اسلام اور مسلمانوں کے درمیان نا اتفاقی و منافرت کا باعث ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ اہالیان شام نے اسی ذہنی کیفیت کے تحت خاندان امیر المؤمنین علیہ السلام کے اسروں کا استقبال کیا۔

در بار یزید

اسیران آل رسول کو دربار یزید میں لے جایا گیا۔ اس دربار کا ماحول یہ تھا کہ پورا دربار جشن و سرور کا منظر پیش کر رہا تھا۔ اسی مناسبت سے یزید کے سامنے پیش کرنے کے لئے مرقعہ خطاب ترتیب دیا گیا تھا۔ شرکائے دربار کی تنظیم بھی اسی مناسبت کے مطابق اہمیت کی حامل تھی۔ سربراہان حکومت اور بنی امیہ کے بڑے بڑے لوگ دربار میں اپنے مقام پر حاضر تھے۔

دیگر ممالک کے نمائندگان بھی پوری شان و شوکت کے ساتھ دربار میں موجود تھے۔ ملک شام کے شیوخ، امراء، خوش حال تاجران شہر اپنی سوار یوں سمیت، درباری مسخرہ، گانے بجانے والے ماہرین موسیقی وغیرہ بڑی تعداد میں حاضر تھے اور یزید

کو اس کی کامیابی پر مبارک بادیں پیش کر رہے تھے۔ غرضیکہ ہر شخص اپنی جگہ پر موجود تھا۔ یزید تخت شاہی پر پورے جاہ و جلال و شکوہ و دبذبہ کے ساتھ اپنے غرور و تکبر و شراب کی مستی میں سید الشہداء علیہ السلام کے سر مبارک کو بظاہر طلائی طشت میں اپنے سامنے رکھے ہوئے عظمت و تکبر کا نمونہ بن کر متمکن تھا۔

داخلہ اسیران آل رسولؐ

اسیران اہل بیتؑ کو یزید کے دربار میں پیش کیا گیا۔ وہ ملعون اپنی اس فتح و کامرانی پر بے انتہا خوش و مسرور تھا۔ لیکن ساتھ ہی اپنے انجام کو سوچ کر اور نقشہ دور بار کے پیش نظر لرزاں و ترساں بھی تھا۔ تاہم اُس نے اپنے اشعار سے گفتگو کا آغاز کیا جو خالصتاً کفر سے مملو تھے۔ ان اشعار کا مطلب یہ تھا کہ کاش آج میرے وہ بزرگ اس دربار میں زندہ موجود ہوتے جو جنگ بدر میں رسولؐ اسلام اور اُن کے ساتھیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے، تو وہ دیکھتے کہ میں نے فرزند ان محمدؐ اور علیؑ سے کس طرح اُن کے خون کا انتقام لیا ہے۔ اگر وہ میری اس کارکردگی کو دیکھتے تو فوراً کہہ اٹھتے کہ یزید تیرے ہاتھ شل نہ ہوں کہ تو نے ان کو کیسی اچھی طرح قتل کیا.....

وہ بے عقل یہ نہیں سمجھ رہا تھا کہ اُس کا امارت و حکومت کو پہنچنا اور مسند خلافت پر بیٹھنا اللہ کے اُسی رسولؐ، انہی جنگوں اور اُسی رسولؐ کی فتوحات کا نتیجہ تھا۔ اگر آنحضرتؐ اُس زمانہ میں مشرکین کے خلاف جنگوں میں فتحیاب نہ ہوتے تو اسلام کے لفظ سے بھی کوئی واقف نہ ہوتا، نہ ہی معاویہ و یزید ان کے نام سے لوگوں پر حکمران ہوتے۔

اُس لعین نے وحی و نبوت کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا: (طبری، ج 2)

لَعَبْتُ بَنِي هَاشِمٍ بِالْمُلْكِ فَلَا
خُبْرَ جَاءَ وَلَا وَحْيٌ نَزَلَ

یعنی بنی ہاشم نے نبوت کا کھیل کھیلا تھا اور نہ حقیقت میں نہ تو کوئی خبر آئی تھی اور نہ ہی کوئی وحی نازل ہوئی تھی۔

وہ یہ کہہ رہا تھا اور ساتھ ہی اپنے ہاتھ میں چھڑی لئے ہوئے سید الشہداء علیہ السلام کے سرِ مظلوم کی اہانت میں مصروف آپؐ کے لب و دندان پر چھڑی مار رہا تھا۔ یہ دیکھ کر بعض اعتراض کرنے والے خاموش نہ رہ سکے۔ ثانی زہراؑ کو بھی بولنا پڑا اور آپؐ نے اپنا خطبہ شروع فرمادیا۔

ثانی زہرا کا یزید پر عتاب اور اُس کی توبخ

زینبؓ عالیہ کا خطبہ ایسے افکار و رموز کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے جن کے ترجمہ و تشریح اور تجزیہ کے لئے آپؐ کے فرمودہ اشارات و کنایات و استعارات کو پھیلایا جائے تو اس کے لئے بذات خود ایک الگ دفتر و تالیف کی ضرورت ہے۔ ہم اس خطبہ کے کچھ حصوں کی اس بحث میں تشریح کرنے کی کوشش کریں گے کیونکہ ثانی زہرا کا پورا خطبہ یزید پر آپؐ کے عتاب، توبخ اور سرزنش کا مرقع ہے۔

شہزادی نے یزید کو موردِ عتاب قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ جو حکم نامہ تو نے ہمارے بارے میں جاری کیا، تو سمجھتا ہے کہ تو نے اس سے اللہ تعالیٰ کے حضور بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے اور ہمیں تو نے ذلت کا مورد قرار دیا ہے؟ کیا تو اپنے ارد گرد جو کچھ دیکھ رہا ہے اس سے تیرا مقصد یہ ہے کہ تو نے دنیا میں اپنا مقصود پالیا ہے؟ یزید! ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اس سے مطمئن نہ ہو جا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو نہ بھول کہ اُس نے بدکاروں کی عاقبت کو دوزخ میں قرار دیا ہے، نیز کافروں اور بے دینوں کو مہلت دی ہے کہ اپنے گناہوں میں اضافہ کی فرصت پائیں۔

ثانی زہرا سلام اللہ علیہا یزید کو اس وقت موردِ سرزنش قرار دے رہی ہیں جب اس نے اپنی عورتوں کو پردہ کے پیچھے محفوظ بٹھا رکھا ہے جبکہ دخترانِ رسولؐ کو نا محرموں کے درمیاں اس طرح اسیر کر رکھا ہے کہ دور و نزدیک، شریف و ذلیل انہیں دیکھ رہے ہیں اور وہ اس حالت میں ہیں کہ سر پرستی و حمایت کرنے والا کوئی شخص موجود نہیں۔

آپؐ یزید کی مذمت کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ تو نے حسین علیہ السلام کو قتل کیا ہے اور اُن کی ذریت کو قیدی بنایا ہے۔ اگر تو نہ ہوتا تو ابنِ زیاد کو ہرگز خونِ حسینؑ بہانے کی جرات نہ ہوتی۔ کیا ایسا کرتے وقت تجھے بالکل خوفِ خدا دامن گیر نہ ہوا؟ تو ہی اولادِ رسولؐ کا قاتل اور ان کا خون بہانے والا ہے۔

”ارَافَتْكَ دِمَاءُ ذُرِّيَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ“۔

”تیرا ذریت محمدؐ کا خون بہانا“۔

آپؐ نے اسی طرح کی باتیں یزید کے بارے میں دربارِ ابنِ زیاد میں بھی فرمائی تھیں۔

یزید کی ذلت و شکست

ہم نے سابقہ مباحث میں زینبؓ عالیہ سلام اللہ علیہا کو خاتونِ بت شکن قرار دیا ہے۔ ہم دربارِ یزید میں بہت اچھی طرح

اس کیفیت کا نظارہ کرتے ہیں۔ یزید الیاس بن مفرک بیوی 'خندف' کو، جو اجداد قریش میں ایک عظیمہ عورت تھی، اپنی کئی نسل پہلے کی دادی قرار دیتا تھا۔ اپنے اس سچے ہوئے دربار میں یزید نے اپنے آپ کو کئی پشت قبل سے 'خندف' سے منسلک کر کے اس بات پر فخر کیا۔

سیدہ زینبؓ عالیہ نے فرمایا کہ تو 'خندف' پر فخر نہ کر کیونکہ اُس کے اور تیرے درمیان تیرہ پشتوں کا فاصلہ ہے۔ اپنی دادی 'ہندہ' جگر خوارہ (معاویہ کی ماں) کا ذکر کر جو ہر حیثیت سے تجھ سے زیادہ قریب ہے (سفینۃ البحار، ج 1، ص 580)۔

سیدہ ثانی زہراؓ نے اس حقیقت کے ذریعہ جملہ حاضرین دربار کے سامنے یزید کو ذلیل و حقیر کیا۔ (ہم جانتے ہیں کہ 'ہندہ' نے حضرت سید الشہداء جناب حمزہ ابن عبدالمطلب، عم رسول خدا کا جگر اپنے دانتوں سے چبایا تھا، میدان جنگ احد میں اُن کے اعضائے جسم کا مسئلہ کر کے ان کا ہار بنا کر اپنے گلے میں پہنا تھا (فردغ ابدیت، ج 1)۔

یزید کی ذلت اور سرکوبی کا ایک اور نمونہ ایک اور موقع پر بھی ہمیں نظر آتا ہے۔ یہ بھی ہم دربار یزید ہی میں دیکھتے ہیں۔ واقعہ یہ ہوا کہ دربار یزید میں ایک شامی کی نظر سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی جناب فاطمہؓ پر پڑی۔ اُس ملعون نے یزید سے درخواست کی کہ اُس صاحبزادی کو کنیز کے طور پر اُسے بخش دے۔ جناب فاطمہؓ بنت حسینؓ نے جب یہ بات سنی تو اپنے آپ کو زینبؓ عالیہ کے دامن سے لپٹا لیا۔ جناب زینبؓ نے اس شامی سے فرمایا کہ تو جھوٹ بکتا ہے اور کبواس کرتا ہے۔ نہ تجھے یہ حق پہنچتا ہے اور نہ ہی یزید کو۔

یزید کو شہزادگی کی اس بات پر بہت غصہ آیا اور بولا کہ خدا کی قسم میں یہ حق رکھتا ہوں اور اگر چاہوں تو ایب کر سکتا ہوں۔ زینبؓ عالیہ نے فرمایا کہ اللہ نے تجھے یہ حق نہیں دیا سوائے اس کے کہ تو ہمارے دین سے نکل جائے۔ یزید اور زیادہ غصہ سے بولا کہ کیا تو مجھ سے اس طرح کلام کرتی ہے؟ تیرا بھائی اور تیرا باپ دین خدا سے نکل گئے۔

ثانی زہراؓ نے فرمایا کہ تو نے، تیرے باپ نے اور تیرے دادا نے میرے باپ اور میرے بھائی کے ذریعہ ہدایت پائی۔ یزید نے زینبؓ عالیہ کو جھڑک کر کہا کہ اے دشمن خدا تو جھوٹ کہتی ہے۔ بی بیؓ نے فرمایا کہ تو اس وقت اپنی امارت اور بادشاہی پر نازاں ہے، اس لئے دشنام طرازی کرتا ہے۔ یہ سن کر یزید شرمندہ ہوا (اکاٹل، ج 4، ص 86) اور جب اُس ملعون شامی نے اپنی درخواست کو دہرایا تو یزید نے بڑے شدید غصہ سے اس کو جھڑک دیا اور کہا کہ خاموش ہو جا، خدا تجھے موت دے (کہ تو ہماری ذلت کا باعث بنا ہے)۔

تنبیہ یزید

ثانی زہرا اپنے خطاب میں یزید کو خبردار کرتی ہیں اور اُس سے فرماتی ہیں: ”اے یزید! تو نے اپنے اس ظلم سے خود اپنی ذہنیت کو بے نقاب کر لیا ہے۔ بہت جلد اپنے پروردگار کے تحت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے وارد ہو کر تجھے اس خون کے لئے جواب دہی کرنا ہوگی جو ان کی اولاد کا تو نے بہایا ہے۔ تیرے لئے یہی کافی ہے کہ قیامت کے دن تو خداوند متعال کے دربار میں، جو قاضی عادل ہے، رسول خدا کی طرف سے دائر کردہ دعویٰ کے لئے جواب دہ ہوگا، جہاں جبرئیل امین اُن کے پشت پناہ ہوں گے۔ اگر تو نے ہمارے قتل و اسیری کو اپنے لئے غنیمت و بہتر جانا ہے تو تجھے جانا چاہئے کہ تو اس بارے میں بہت بڑے وبال کا شکار ہوگا اور یہ اُس دن ہوگا جب کسی شخص کے پاس اس کے علاوہ کچھ نہ ہوگا جو اُس نے پہلے سے اپنے لئے جمع کر رکھا ہوگا۔“

مزید فرماتی ہیں: ”جو کچھ تو کر سکتا ہے کر لے، ہماری دشمنی کی راہ میں اپنی تمام کوششیں صرف کر دے، لیکن خدا کی قسم! تو ہماری طرف آنے والی وحی کو ہرگز نہیں روک سکتا، نہ ہی تو کبھی ہمارے طول حیات یا ہماری عزت و افتخار کو کسی طرح کم کر سکے گا اور نہ ہی اپنے دامن سے ننگ و عار کے دھبوں کو کبھی دھو سکے گا.....“

دُعا و نفرین از ثانی زہرا

ثانی زہرا کے خطبہ کے آخر میں شہیدانِ راہِ خدا کے لئے دعائے رحمت اور ذریتِ رسول و شہداء کیلئے افتخار آمیز جملے ہیں جبکہ اُن کے قاتلوں اور یزید کے لئے لعنت و نفرین و تحقیر و توبخ کے کلمات استعمال ہوئے ہیں۔

آپ دُعا فرماتی ہیں: ”خداوند! ان لوگوں سے ہمارا حق ہمیں دلا دے اور ظالموں سے ہمارا انتقام لے۔ جس نے شہیدانِ اسلام کے جگر پاک کو چبانا چاہا، اُس کے بیٹے سے ہمارا بدلہ لے جواب بھی بنی امیہ کی دیرینہ دشمنی کو یاد رکھتے ہوئے حسین مظلوم کے دندانِ مبارک سے بے ادبی کر کے خوش ہو رہا ہے۔“

(شہزادہ کی دعا کس قدر جلد اور کیسی قبول ہوئی کہ تھوڑا عرصہ نہ گزرا تھا کہ عتار بن ابوعبیدہ ثقفی نے کوفہ پر قبضہ کر کے ابنِ زیاد ملعون اور دیگر تمام قاتلانِ سید الشہداء علیہ السلام کو فی النار کر دیا کہ آج ان کا نام لینے والا تمام دنیا میں کہیں نہیں ملتا)۔

آپ یزید کو قاتل گردانتی ہیں کیونکہ اُس نے ذریتِ پاک رسول اکرم کا بے دریغ خون بہایا ہے۔ اس بات کو اُس کی بدبختی قرار دیتی ہیں کہ اُس کے باپ نے اُسے مسندِ حکومت پر بٹھا کر اُسے ذلیل کیا ہے۔ اُس کو بہت برا بھلا کہتی ہیں اور اُسے

اس سے بھی زیادہ زبردستی کا مورد قرار دیتی ہیں اس لئے کہ اُس نے جناب سید الشہداء امام حسین علیہ السلام اور اُن کے انصار کے جسم ہائے پارہ پارہ کو، اُن کے جسد ہائے بے سر کو بیابان صحرا کی آندھیوں اور طوفانوں میں کھلا، بے گوردکن چھوڑ دیا ہے۔ اپنے خطاب کے آخر میں جناب ثانی زہرا سلام اللہ علیہا ظالموں کو خداوند تعالیٰ کی لعنت کا مستحق اور خاندانِ رسول اکرم کو صحیح وارثِ خلافتِ رسول قرار دیتے ہوئے پروردگارِ عالم کو اپنی پناہ اور اپنے حقیقی مددگار کے طور پر متعارف کرواتی ہیں۔

ثانی زہرا کی گفتگو کی اہمیت

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے خطابات لاتعداد پہلوؤں سے اہمیت اور مخصوص قدر و قیمت کے حامل ہیں جن کی تفصیل ذیل کی سطور میں پیش کی جاتی ہے۔

ا۔ سب سے پہلی بات یہ کہ یہ خطبات ایک ایسی خاتونِ محترم کی زبانِ مبارک سے ادا ہوئے جو اپنے عزیزوں کی شہادت و خونِ ناحق کے داغ اپنے دل پر لئے ہوئے، ہجومِ مصائب سے دوچار، درد مند اور خستہ حال ہیں۔

ب۔ یہ خطبات ایسے موقعہ محل و ماحول میں ادا ہوئے جو خوف و رعب و وحشت سے پُر تھا اور جہاں کسی کو زبان کھولنے کی جرأت نہ تھی۔

ج۔ مخدومہ عالیہ کا کلام فصاحت و بلاغت کا عجیب ترین و عظیم مرقعہ تھا۔ یہ کلام اپنے مقام پر مکمل طور پر واضح و آشکار، ہر طرح کا مل اور کسی قسم کی گھبراہٹ و رکاوٹ کے بغیر صادر ہو رہا تھا۔

د۔ تمام کلام الہامِ قرآن، تاریخِ اسلام کے جملہ اسباق، مرقعہ یقینِ کامل، مستحکم اور اپنے دفاع کو پوری طرح انجام دے رہا تھا۔

ه۔ آپ کے پورے کلام میں خوف و اضطراب کی بجائے جرأت اور شجاعتِ قلبی، جو مخدومہ کی خاندانی وراثت ہے، صاف واضح نظر آ رہی تھی، اس لئے کہ اس کلام میں یزید کی ہر پہلو سے تحقیر، اُس کی زبردستی، اُس پر غم و غصہ کا اظہار، ظالموں کی مکمل ہستی کا اعلان، حتیٰ کہ اُن پر لعنتِ ذالی جاری تھی اور اللہ تعالیٰ سے اُن کے خلاف انتقام کی استدعا کی جا رہی تھی۔

و۔ جس دربار میں یہ خطاب ہو رہا تھا وہاں دیگر ممالک اور سلاطین کے نمائندگان بھی موجود تھے جن میں ہر ایک کیلئے اس دردناک و اندوہناک واقع سے باخبر ہونا لازم تھا۔

- ز۔ ہر سننے والے کے جذبات میں یہ عظیم فصیح و بلیغ کلام ہیجان پیدا کرنے کیلئے کافی تھا، درآنحالیکہ کلام کرنے والی ہستی کو اپنے آپ پر اس تمام ہنگامہ دار و گیر کے باوجود پورا اعتماد و اختیار کامل حاصل تھا۔
- ح۔ بات حاکم وقت یزید سے ہو رہی تھی جبکہ ثانی زہرا کی مبارک نظریں سید الشہداء کے بریدہ سر مبارک کی طرف تھیں اور آپ کا یہ عمل بذات خود ایسے عوامل کا حصہ تھا جو گفتگو میں رقت اور رکاوٹ پیدا کرنے کا باعث ہوتے ہیں۔
- ط۔ یزید کے گھر کی تمام عورتیں حتیٰ کہ کنیزیں تک پردہ کے پیچھے ہیں جبکہ ثانی زہرا، خواتین اہل بیت رسول اور دیگر تمام امیر سب حاضرین دربار کے سامنے تماشا بنے ہوئے ہیں۔
- ی۔ حاضرین دربار خاندان رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کسی طرح کی مناسب معلومات نہ رکھتے تھے، اگرچہ دربار کی کارروائی کا مشاہدہ کر رہے تھے، تاہم انہیں سمجھنا کوئی آسان کام نہ تھا۔
- ک۔ زمین پر عالیہ کا یہی معجزہ تھا کہ ایسے سنگین و ناگفتہ بہ حالات میں مصروفِ سخن ہوئیں، گفتگو بھی اس قدر فصیح و بلیغ و فیصلہ کن جو فکری انقلاب، سیاسی خلفشار اور معاشرہ کو متزلزل کر دینے والی تھی۔ عوام الناس میں اس سے لرزہ پیدا ہوا جبکہ یزید اور بنی امیہ کے صاحبان اقتدار و اختیار سب سے زیادہ لرزہ بر اندام ہوئے۔

۶۔ دشمن کے مواقع و کیفیت کا خلاصہ

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث پر توجہ فرمائیں۔ آنحضرت کا ارشاد ہے:

”إِذَا أَرَادَ اللَّهُ انْفَادَ قَضَائِهِ وَقَدَرَهُ سَلَبَ ذَوِي الْعُقُولِ عُقُولَهُمْ

یعنی جب اللہ چاہتا ہے کہ اپنی قضا و قدر کو نافذ فرمائے تو صاحبانِ عقل و خرد کی دانتی و عقل کو سلب کر دیتا ہے،

حَتَّى يُنْفَذَ فِيهِمْ قَضَاؤُهُ وَقَدَرُهُ

تاکہ وہ اپنی قضا و قدر کو نافذ فرمائے

فَإِذَا مَضَى أَثَرُهُ رُدَّ إِلَيْهِمْ عُقُولُهُمْ

اور اس کے بعد ان کی عقل کو واپس پھیر دیتا ہے (کافی ج 1)۔

یہی وہ مسئلہ ہے جو دوسرے لفظوں میں عوام الناس میں بالعموم پیدا ہوتا ہے۔ لوگ اس کے لئے کہا کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ دشمن کو احمق بنا دیتا ہے حتیٰ کہ وہ حقائق کا ادراک کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ (ہمارے پاس پوری اسناد کے ساتھ اس

موضوع سے متعلق روایات موجود ہیں۔

ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ واقعاً سید الشہداء امام حسین علیہ السلام اور خاندانِ رسول اکرم کا دشمنِ احمق و دیوانہ ہو چکا تھا، اسی لئے صحیح ارادہ اور عقائد اقدام اُس کے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ اگر یہ دشمنانِ رسول و آلِ رسول جانتے ہوتے کہ اس واقعہ کے نتیجہ میں انہیں کیسے کیسے نتائج کا سامنا ہوگا تو ہرگز ان امور کا اقدام نہ کرتے، نہ ہی امام حسین علیہ السلام کو شہید کرتے، کم از کم اس شہادت کے بعد خاندانِ اہل بیت کی اسیری کی طرف تو قدم نہ اٹھاتے۔

دُشمنِ اہل بیت کیلئے سامانِ وحشت

خاندانِ رسول کی اسیری اور اس سلسلہ میں اسیرانِ اہل بیت کے مختلف افراد کی گفتگو جو صرف ایک یا دو جگہ ہی واقع نہیں ہوئی تھی بلکہ سید الساجدین علیہ السلام کی باتیں، سیدہ ثانی زہرا، سیدہ فاطمہ بنتِ حسین، سیدہ سکینہ کی خطابت، وہ حوادث جو اسیرانِ آلِ رسول کو پیش آتے رہے، حضرت رقیہ، امام حسین علیہ السلام کی تین سالہ صاحبزادی کی دنیا سے رحلت اور ایسے ہی تمام حالات دشمن کیلئے وحشت پیدا کر رہے تھے۔

امام حسین علیہ السلام اور آپ کے فرزندان و انصاران کی شہادت، پھر اس کے بعد آپ کے خاندان و مخدرات کی اسیری، ان سب حالات نے ایسی صورت پیدا کر دی تھی جس کا کوئی مناسب حل دشمن کے پاس نہ تھا۔ دشمنانِ اہل بیت میں صرف امیر معاویہ ہی ایک فرد تھا جو ان مسائل کی گہرائی و سنگینی کو سمجھتا تھا۔ اسی لئے وہ اپنے فرزند یزید کی خیر خواہی کی خاطر امام حسین سے نبرد آزما ہونے سے خوفزدہ تھا اور اس نے یزید کو نصیحت کی تھی کہ اُن سے کوئی سروکار نہ رکھے (اکمال: ج 4)۔

لیکن یزید کا غرور و تکبر، اس کی خیرہ مری اور سب سے بدتر اس کے درباری چالپوس و خوشامدی افراد تھے جنہوں نے اپنا کام کر دکھایا۔ ان عناصر کے نتیجہ میں یزید ملعون امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ پر آگیا جس سے اس کے مسائل آسانی کی بجائے بڑھتے ہی چلے گئے۔ یزید اور اس کے خوشامدی سمجھتے تھے کہ سید الشہداء علیہ السلام سے مزاحمت کر کے وہ اپنے تمام کام آسانی سے انجام دے سکیں گے، درآنحالیکہ اس کے نتیجہ میں ان کی حالت و کیفیت یہاں تک پہنچ گئی کہ ان کو گھر سے باہر نکلنے اور عوام الناس کا سامنا کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

دُشمنانِ اہل بیت کے اقدامات

ہم عرض کر چکے ہیں کہ دشمنِ اہل بیت کو جانتوں نے اپنی لپیٹ میں لے کر بالکل احمق بنا دیا تھا۔ اتنے بڑے بلکہ عظیم

جرم کے بعد ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کریں، حالات پر کس طرح قابو پائیں۔ لہذا وہ پے در پے ایسے اقدامات کے مرتکب ہوئے کہ جن کا نتیجہ ان کی اپنی ہزیمت، تنزل و بدبختی اور اُمتِ اسلامیہ کیلئے بالعموم مصیبت کا باعث بنتا چلا گیا۔ ان کے اقدامات کی کسی حد تک اس طرح تشریح کی جاسکتی ہے:

(ن) تکبر و غرور

واقعہ شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بعد ہوائے کبر ان کے دماغوں میں بھر گئی اور وہ اپنے کبر و غرور کو مزید ہوا دینے لگے۔ انہوں نے اپنے لئے جشن و سرور کی محفلیں برپا کرنا شروع کر دیں، حتیٰ کہ شہروں میں تعطیل اور دوکانوں کو خوشی و جشن کے طور پر بند کر دینے کے احکام جاری کئے گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ شریف و پست یعنی ہر طبقہ کے لوگوں کے بڑے بڑے ہجوم بازاروں کی طرف کھینچے چلے آتے تھے۔ اس طرح کچھ لوگوں کو مقابلہ پر آنے کا خیال بھی پیدا ہوا جب کہ ہجوم کی بہت بڑی اکثریت کو اسیرانِ اہل بیت کی باتیں سننے کا موقعہ میسر آیا جس کے لئے اُن کے کان بہر حال کھلے ہوئے تھے۔

(ب) دشمن کی بے ہودہ سرائی

دشمن کے ہاتھ پاؤں پھول چکے تھے اور وہ نہیں جانتے تھے کہ کیا کریں۔ مثلاً ابن زیاد ملعون نے ثانی زہر اسلام اللہ علیہا کے جواب میں اسی انداز میں گفتگو کرنے کی کوشش کی لیکن لا جواب ہو کر مسخرہ پن پر اتر آیا اور کہنے لگا کہ یہ خاتون اپنے باپ کی طرح مقنع بات کرتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس یزید لعین ثانی زہر اُک کے سامنے اس قدر پریشان ہو گیا کہ تاریخی واقعات ہی سے انکار کر بیٹھا یعنی جب جنابِ زینبؑ عالیہ نے فرمایا کہ تیرے باپ اور دادا نے میرے باپ اور بھائی سے ہدایت پائی تھی تو وہ بولا کہ اے دشمنِ خدا! تو جھوٹ کہتی ہے.....

(ج) دشمن کی وحشیانہ حرکات

یہاں بھی دشمنانِ اہل بیت کے اضطراب و بے عقلی کا اظہار ہوتا ہے۔ ابن زیاد ملعون جو ثانی زہر اُک کے سامنے اپنے احساسِ شکست خوردگی کی آگ میں جل رہا تھا، اپنے آرام اور دل کو ٹھنڈا کرنے کی خاطر (جیسا کہ اُس نے خود کہا تھا) سید الشہداء علیہ السلام کے لب و دندانِ مبارک پر ضرب لگاتا تھا۔ اسی طرح یزید ملعون بھی امامِ مظلوم کی اولاد و ازواج، آپ کی غمزدہ بہنوں اور داخلی و خارجی امراء و سفراء کی موجودگی میں چھڑی سے اسی طرح کی بے ادبی کا مرتکب ہوتا رہا۔ یہ عمل دشمن کی انتہا درجہ کی کمینگی و پستی کی نشاندہی کرتا ہے۔

(د) دشمن کے رعب آور فرمان

وہ ایک بد اخلاق و جاہل قوم تھی۔ جب ان کی عقل و منطق نے جواب دے دیا تو انہوں نے اسیران اہل بیت کو خوفزدہ کرنا شروع کیا، اس طرح کہ ابن زیاد ملعون نے دیوانہ وار ثانی زہرا کے قتل کا حکم دے دیا۔ جب ایسا نہ کر سکا تو اس نے سید الساجدین کے قتل کر دینے کا حکم جاری کیا۔ اسی طرح یزید لعین چیخ کر بدتمیزی سے ثانی زہرا کو مخاطب کر کے بولا کہ تو اس طرح مجھ سے گفتگو کرنے کا حق نہیں رکھتی۔ اس کا خیال تھا کہ زینب علیہ اس کے مقابلہ میں خوفزدہ ہو کر خاموش ہو جائیں گی۔

(ه) نامردانہ ظلم

اہل بیت رسول کو کوفہ میں ایک نوٹے پھوٹے قید خانہ میں رکھا گیا جو ظاہر بظاہر بغیر چھت کے تھا۔ اس لئے اوپر سے، یا دیواروں پر سے پتھروں پر باندھ کر یہ تحریریں اس قید خانہ میں بھیجی جاتی تھیں کہ تم سب کو مار ڈالا جائے گا، سب کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا جائے گا، ہمیں صرف یزید ملعون کے حکم کا انتظار ہے۔ اسی طرح اسیری کے دوران راستہ میں کوئی بچہ تکان، پیاس یا بھوک سے رونے لگتا تو تازیانے مار کر اسے خاموش کیا جاتا۔

(و) حکومت کا انتظام

اس خوف سے کہ شہر میں کہیں ہنگامہ کھڑا نہ ہو جائے، یا ہجوم بے قابو نہ ہو جائے، شہروں کو حکومت کے حوالہ کر دیا گیا تھا۔ طبری اور دوسرے مؤرخین کے مطابق یہ کام کوفہ میں شروع ہوا (ناخ التواريخ، ج 4، ص 135)۔ کوفہ سے شام تک چند شہروں میں یہی کیا گیا۔ اس عمل سے لوگ کسی حد تک روک لئے گئے لیکن آخر ایک وقت آیا کہ لوگ نکل پڑے اور حکومت کے مقابلہ پر آ گئے۔

(ز) ملاقات کی ممانعت

فتنہ، فساد اور بغاوت کے خوف سے ابن زیاد ملعون اور خود یزید ملعون نے بھی پوری کوشش کی کہ لوگ اسیران اہل بیت سے کسی طرح کی ملاقات نہ کر پائیں۔ اس مقصد کی خاطر ان ظالموں نے ان کو ایسے مقامات پر قید رکھا جو ہر طرف سے بند تھے، جن کی دیواریں بہت بلند تھیں اور قید خانہ کے دارو غاؤں کو تائید تھی کہ اسیران آل رسول کا عوام الناس سے کسی طرح کا تعلق یا رابطہ ہرگز نہ ہونے دیں کیونکہ انہیں خوف تھا کہ اس قسم کا ہر رابطہ عوام الناس کی بیداری اور حالات سے مطلع ہونے کا سبب بن سکتا تھا۔

(ح) اسیران آل رسول کی نقل مکانی

یہ لوگ اسیران اہل بیت کی نگرانی و نگہداشت سے تنگ آچکے تھے۔ لہذا کچھ مدت کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ جو کوئی زیادہ عرصہ تک ان کو اپنی نگہداشت میں رکھے گا، اسی قدر رسوائی اور خطرات کا شکار ہوگا۔ لہذا چاہتے تھے کہ انہیں ایک سے دوسری جگہ منتقل کرتے رہیں۔ کوفہ سے اسیران آل رسول اور سرہائے شہداء کا شام میں یزید ملعون کی طرف بھیجنا بظاہر تو نشانِ فتح کے طور پر تھا لیکن درحقیقت مسئلہ یہ تھا کہ ابن زیاد اُن سے پیچھا چھڑانے کی فکر میں تھا۔

(ط) ایک دوسرے پر الزام و اتہام طرازی

ظالمین بہت زیادہ ذہنی پریشانی و دباؤ کا شکار ہو چکے تھے۔ اُن کی پریشانی و بے سکونی کا یہ عالم ہو گیا کہ یزید ملعون حضرت سید الساجدین علیہ السلام سے کہتا تھا کہ ابن زیاد ملعون نے میری اجازت کے بغیر حسین علیہ السلام کو قتل کر ڈالا۔ اگر میں وہاں ہوتا تو اُن کے قتل کی ہرگز اجازت نہ دیتا۔ اللہ تعالیٰ ابو عبد اللہ علیہ السلام پر رحمت فرمائے۔

ابن زیاد ملعون نے یہ بات سنی تو کہا کہ یزید ملعون جھوٹ بولتا ہے۔ خداوند تعالیٰ خود اسی پر لعنت کرے کہ قتل حسین کا حکم خود اُسی نے دیا تھا۔

اسی قسم کے اتہامات عمر بن سعد ملعون اور ابن زیاد (لح) کے درمیان بھی ہو رہے تھے۔

(ی) عزاداری کا بہانہ

آخر کار یزید ملعون اپنے اس عمل سے بالکل پریشان و وحشت زدہ ہو گیا اور سید الساجدین علیہ السلام کو اپنے پاس بلا کر کہنے لگا کہ انہیں ہر وقت پوری آزادی ہے کہ مدینہ واپس تشریف لے جائیں یا شام میں ہی قیام فرمائیں۔ اُس نے اپنے دربار میں بھی عزاداری کی اجازت دے دی تاکہ اس بہانہ سے اسیران آل رسول کی دلجوئی کر کے ان کی آواز بلند ہونے سے رُک جائے اور لوگوں کی توجہ اصل واقعہ سے ہٹ جائے۔ اُس نے حکم دیا کہ اُس کے دربار کو سیاہ پوش کر دیا جائے اور تین روز تک اس عزاداری کو جاری رکھا۔¹

1۔ ہم اس مقام پر دیگر مصنفوں کی تحقیق و تبصرہ کا ذکر ضروری جانتے ہوئے سب سے پہلے جناب آغا حسن رضا غدیری صاحب مدظلہ کی کتاب ”زیب، زینب“ سے ایک مختصر اقتباس پیش کرتے ہیں جس سے ظاہر ہو جائے گا کہ اسیران آل رسول کی دمشق میں آمد کے بعد جب لوگوں کو صحیح حالات کا علم ہوا تو ان کا ردِ عمل کیا تھا اور اس سے یزید ملعون اور اس کی حکومت کس قدر لرزہ بر اندام ہوئی۔ (جاری)

لیکن یہ سب کچھ ان آیات کا مصداق ثابت ہوا:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا

یہ وہ لوگ تھے جو گمراہی کے ذریعہ

وَالضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ

ہدایت خریدنا چاہتے تھے

فَمَا رِبْحُ تِجَارَتِهِمْ

لیکن اس معاملہ سے انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا،

وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ

اور وہ ہدایت نہ پاسکے

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي

ان کا واقعہ اُس شخص کی مانند ہے جس نے

اسْتَوْ قَدْ نَارًا

اپنے گرد روشنی کی خاطر آگ جلائی،

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

”رسول زاد یوں کی حالت زار کو دیکھ کر شام کے لوگوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی جس سے یزید ملعون کو یقین ہو گیا کہ اگر اہل بیت رسول مزید کچھ دیر کے لئے دمشق میں رہے تو لوگ پرچم بغاوت بلند کر دیں گے اور پھر لوگوں پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا اور من بن کہ صورت حال اس قدر خراب ہو جائے کہ انقلاب کا طوفان پوری مملکت کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔ لہذا یزید ملعون نے مناسب سمجھا کہ امام زین العابدین علیہ السلام سے گفتگو کر کے اُن سے معذرت خواہی کرے اور اپنے آپ کو اُن سے بری قرار دے کر ابن زید ملعون کو ان سب حوادث کا ذمہ دار ٹھہرائے۔

”چنانچہ آغوش مکرو فریب کے پروردہ یزید ملعون نے امام زین العابدین علیہ السلام سے کہا:

”خدا لعنت کرے مر جانہ کے بیٹے پر۔ خدا کی قسم! اگر میں اُس کے ساتھ ہوتا تو جو کچھ وہ مانگتا اُسے دے دیتا تاکہ وہ اتنے بڑے

جرم کا ارتکاب نہ کرے اور اس مقصد کے لئے اگر مجھے اپنی اولاد بھی قربان کرنا پڑتی تو اس کی بھی پرواہ نہ کرتا۔ لیکن جو ہونا تھا سو (حاری)

فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ

پس جب اس کے ارد گرد روشنی ہو گئی،

ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ

اللہ نے نورِ ہدایت کو اُن سے اٹھالیا،

وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمٍ

اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ

لَا يُبْصِرُونَ.

کچھ دیکھتے نہیں۔

صُمْ بُكُمْ عُمَىٰ فَهُمْ

یہ اندھے، بہرے اور گونگے ہیں کہ بالکل

لَا يَرْجِعُونَ.

عقل نہیں رکھتے۔ (سورۃ البقرہ: 16 تا 18)۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

ہو چکا اور اب تقدیرِ الہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ اے بیٹے! جو کچھ تجھے مطلوب ہے، وہ لکھ کر مجھے بتا دو تاکہ میں اُس پر عمل کروں اور مجھے معلوم ہے کہ تمہارے قبیلہ والے اس سلسلہ میں ضروری اقدامات بھی کریں گے لیکن تم ہرگز ان کا ساتھ نہ دینا۔

”امام زین العابدین علیہ السلام نے یزید ملعون کی مکارانہ گفتگوں کو منہ پھیر لیا اور کوئی جواب نہ دیا کیونکہ امام سمجھتے تھے کہ یہ اُس کی چال ہے جو وہ اپنی رسوائیوں پر پردہ ڈالنے کیلئے چل رہا ہے۔

”اس کے بعد یزید ملعون نے نعمان بن بشیر کو حکم دیا کہ آلِ رسول کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچنی چاہئے اور انہیں عزت و احترام سے مدینہ تک پہنچا دو اور ساتھ ہی یہ بھی تاکید کی کہ رات کی تاریکی میں انہیں دمشق سے باہر لے جایا جائے تاکہ لوگ پریشان نہ ہوں اور ان کے جذبات برا بھانتہ نہ ہو جائیں“ (ص ۲۸۰-۲۸۱)۔

اس عبارت سے، جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں تحریر کیا، یزید ملعون کی گھبراہٹ اور احساسِ جرم پر روشنی پڑتی ہے، نیز یہ (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

کہ اس جرم نے اسے عوام الناس کی نظروں میں کسی قدر ذلیل و خوار کر دیا تھا۔ اسی موضوع پر ہم جناب عماد زادہ کی کتاب ”تاریخ زندگانی امام حسین علیہ السلام“ سے بھی ایک مختصر اقتباس پیش کرتے ہیں جو یزید ملعون و قاتلانہ جناب سید الشہداء علیہ السلام کی گھبراہٹ اور خوف عوام کا مظہر ہے:

مصنف مذکور اپنی کتاب کی جلد دوم میں اس طرح لکھتے ہیں:

یزید خود را تبرہ می کند

یزید از این پیش آمد مولمہ سخت متاسف شد، ولی چون جوان و مست و مغرور و تحت تاثیر شراب و قمار و زنا و سگبازی و میمون بازی بود، دستخوش سیاستداران اطرافی قرار می گرفت۔ چون اسرا بہ شام آوردند، یزید خواست اول مفاخرہ کند و بہ فتح و فیروزی مباحات نماید و مقامی برای خود قائل شود، ولذا آن مجلس تاریخی را بہ چہار صد کرسی زرنگار آراست، و از اشراف و اعیان و بزرگان دعوت کرد، ولی چہرہ زیبای حق و حقیقت ظاہر شد، و سر بریدہ تکلم کرد، خطبہ حضرت زینب علیہا السلام و خطاب بہ یزید ہمہ را لرزانید، بیانات مہیج حضرت سجاد علیہ السلام در مسجد دمشق ہزاران نفر را منقلب کرد، یک ہفتہ عزاداری شہر شام را تکان داد و تخم انقلاب ریخت۔ یزید نزد همان مردم کہ معاویہ سفارش کردہ بود کہ مانند اسیر تو ہستند، چنان منفعیل شدہ و بدنام گردید کہ روی ملاقات با آنها نہ داشت، چارہ جز این ندید کہ اعیان شام را دعوت کند و خود را در این فاجعہ تبرہ سازد۔

یزید حس کرد کہ اشراف و اعیان شام از او متنفر و بیزار ہستند، و از دیدار و حمایت او کراہت دارند، لہذا بزرگان آنها را دعوت کرد و پس از پذیرائی شایان گفت: ای مردم شام! شما گمان کردہ اید کہ حسین بن علی را من کشتہ ام یا من بہ قتل او حکم دادہ ام! و حال آنکہ چنین نیست بلکہ پسر مرجانہ حسین را کشت، و لعنت خدا بر او باد۔ آنگاہ سر لشکراں و سر ہنگان سپاہ کوفہ را کہ در شام بودند مانند شبث بن ربعی، مصائب بن وہیہ، شمر بن ذی الجوشن، سنان بن انس نخعی، خولی بن یزید اصبحی و چند نفر دیگر را حاضر کردہ، بہ شبث بن ربعی رو کرد گفت: تو حسین را کشتی؟ پاسخ داد: مصائب بن وہیہ۔ یزید روی بہ او کرد گفت: تو قاتل حسینی؟ او گفت: خدا لعنت کند کسی کہ حسین را کشت۔ ثانویت بہ خولی رسید متحیر شد، در جواب چہ بگوید!! خاموش ایستاد، مردم ہمہ بہ او نگریستند و او را قاتل شناختند۔ یزید سخت بر آنها بانگ زد کہ: ہمہ از خود رفع می کنید، پس کی حسین را کشت؟ آنگاہ گفتند: قاتل، فیس بن ربیع بود، یزید روی بہ او کردہ گفت: تو حسین را کشتی؟ اگر تو کشتی بگو، (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سربقہ)

امان داری! قیس گفت: حسینؑ را آنکس کشت کہ رایات جنگ را برافراشت. یزید گفت: آنکس کیست؟ قیس گفت: واللہ یزید تو قاتل حسینؑ هستی؟ تو حسینؑ را کشتی!!

یزید در خشم شد، از آن جمع برخاست بہ سراى خود رفت و سر حسینؑ را برداشت بہ دستمالی بست و در مقابل او نشست و گفت: مالی و قتل الحسن.

در اینجا ہم یزید بہ جای تبر نہ ثابت کرد کہ عامل اصلی جنایت خود او بود، و تنفر قلبی مردم از او در مصیبت حسینؑ شدت گرفت.

یزید ملعون کا اپنے آپ کو برا گردانا

یزید ملعون اس المیہ پر سخت متاسف ہوا لیکن چونکہ جوان و مست و مغرور تھا، شراب و قمار بازی و زنا، کتوں اور بندروں سے کھیلتا تھا، اپنے گرد و پیش خوشامدی قسم کے سیاست دانوں کو رکھتا تھا۔

جب اسیران آل رسول کو شام لایا گیا تو یزید ملعون نے چاہا کہ پہلے اظہارِ فخر کرے، اپنی فتح و کامیابی کی خوشی منائے اور خود اپنے مقام پر مغرور ہو۔ لہذا اس نے اُس تاریخی محفل کو ہر طرف زنگار کر سیوں سے آراستہ کروایا اور شہر کے اشراف و امراء بڑے بوڑھوں کو آنے کی دعوت دی۔ لیکن حقیقت و حق کا خوبصورت چہرہ ظاہر ہو کر رہا اور امام حسینؑ کے بڑیدہ سر نے کلام کیا۔ پھر جناب ثانیؑ زہرا سلام اللہ علیہا کے خطبہ پر یزید ملعون کے ساتھ کلام نے سب کو لرزہ بر اندام کر دیا۔ اسی طرح و شوق کی مسجد میں سید سجاد علیہ السلام کے ہیجان خیز بیان نے ہزاروں افراد کے ذہنوں میں انقلاب برپا کر دیا۔ شام کے شہر کو ایک ہفتہ کی عزاداری نے ہلا کر رکھ دیا اور انقلاب کا بیج بودیا۔

یزید ملعون اُن لوگوں کے سامنے جن کے بارے میں معاویہ نے کہا تھا کہ تیرے غلاموں کی مانند ہیں، اس قدر شرمندہ و بدنام ہوا کہ ان کے سامنے آنا گوارا نہیں کرتا تھا۔ اب اسے اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ شام کے برگزیدہ لوگوں کو بلائے اور اس واقعہ فاجحہ سے اپنی علیحدگی کا اظہار کرے۔

یزید ملعون نے محسوس کیا کہ شام کے برگزیدہ و شرفاء اس سے متنفر و بیزار ہیں اور اس کو دیکھنے اور اس کی حمایت سے بیزار ہیں۔ لہذا اس نے لوگوں کے بزرگوں کو جمع کیا اور ان کی مناسب تعریف کرنے کے بعد کہنے لگا: ”اے شام کے لوگو! تم نے خیال کر لیا ہے کہ میں نے حسینؑ بن علیؑ کو مار ڈالا ہے یا ان کے قتل کا حکم دیا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ مرجانہ کے بیٹے نے حسینؑ کو قتل کیا ہے اور خدا اُس پر لعنت کرے۔“ پھر فوج کے سرداروں اور کوفہ کی فوج کے سالاروں کی طرف رخ کر کے جو شام میں موجود تھے، مثلاً حبیب بن ربیع، مصائب بن حصیب، شمر بن ذی الجوشن، سنان بن انس نخعی، خولی بن یزید المصہبی اور کچھ اور لوگوں کو طلب کر کے حبیب بن ربیع کی طرف رخ کر کے کہا: ”کیا تو نے حسینؑ کو قتل کیا؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے ان کو قتل نہیں کیا۔ خدا ان کو قتل کرنے والے پر لعنت (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

کرے۔ یزید نے پوچھا کہ پھر قاتل حسین کون ہے؟ اس نے کہا مصائب بن وہبہ۔ یزید نے اس کی طرف رخ کر کے پوچھا کہ کیا تو قاتل حسین ہے؟ اُس نے کہا کہ جس نے حسین کو قتل کیا، خدا اُس پر لعنت کرے۔ حتیٰ کہ نوبت خولی تک پہنچی۔ وہ حیران ہوا کہ کیا جواب دے۔ لہذا وہ خاموش کھڑا رہا۔ سب لوگ اسے دیکھنے لگے اور اسے قاتل سمجھے۔ یزید ملعون نے اس پر سخت ناراض ہو کر کہا کہ تم سب اپنے آپ کو بری قرار دیتے ہو تو پھر کس نے حسین کو قتل کیا۔ اس وقت انہوں نے کہا کہ قاتل قیس بن ربیع تھا۔ یزید نے اُس کی طرف رخ کر کے پوچھا کہ کیا تو نے حسین کو قتل کیا؟ اگر تو نے انہیں قتل کیا ہے تو بتا دے۔ تجھے امان دی جائے گی۔ قیس نے کہا کہ حسین کو اُس نے قتل کیا ہے جس نے ان کے خلاف علم بلند کیا۔ یزید نے پوچھا وہ کون ہے؟ قیس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم تو خود حسین کا قاتل ہے، تو نے ہی انہیں مارا ہے۔

یزید کو غصہ آگیا۔ اس مجمع سے اُٹھ کر اپنے گھر کے اندر گیا۔ سر امام حسین علیہ السلام کو اٹھا کر ایک رومال میں باندھا، اس کے سامنے بیٹھا اور بولا: مالی و قتل الحسین۔

یہاں بھی یزید ملعون نے اپنی بریت سے ثابت کر دیا کہ اس گناہ کا اصل مرتکب وہ خود ہی تھا۔ لوگوں کی اس سے نفرت بوجہ مصیبت امام حسین علیہ السلام اور بڑھ گئی (ص ۳۱۱-۳۱۲)۔

یزید ملعون کی ایسی ہی گھبراہٹ، جس کی اکثر مؤرخین نے تصدیق کی ہے، کے بارے میں جناب سید اولاد حیدر فوق بلگرامی اس طرح رقم طراز ہیں:

”ملا ابو اسحاق اسفرائنی اور صاحب تاریخ التواریخ اس مقام پر پہنچ کر یہ مخصوص واقعہ لکھتے ہیں کہ اس وقت یزید نے جملہ اہل بیت کے سامنے قاتلانِ امام حسین علیہ السلام کو جمع کر کے ایک انجمن قائم کی اور اہل بیت کے سامنے اُن سے یہ اظہار کرنا چاہا اور یہ ثبوت دلوانا چاہا کہ قاتلانِ امام حسین علیہ السلام میں میں نہیں شامل نہ تھا اور نہ میرے حکم سے اس واقعہ عظیم کی بنیاد پڑی۔

چنانچہ امام اسفرائنی کا بیان ہے کہ یزید نے اپنے سلسلہ کلام کا یوں آغاز کیا اور کہا: اے لوگو! تم لوگوں کا یہ خیال ہے کہ میں نے امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا ہے۔ خدا لعنت کرے اُس پر جس نے جناب امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا ہے۔ پھر اُس نے ان لوگوں کو بلایا کہ جو امام حسین علیہ السلام کا سر لائے تھے اور دریافت کیا کہ کیونکر امام حسین علیہ السلام قتل ہوئے تھے۔ پہلے اس نے شیث بن ربیع سے پوچھا کہ افسوس ہو تجھ پر کیا تو نے امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ خدا لعنت کرنے اُس پر جس نے امام حسین کو قتل کیا۔ پھر خولی ابن یزید الحمصی کی طرف اشارہ کیا اور اس سے کہا کہ کیا تو نے امام حسین علیہ السلام کے قتل کا حکم دیا؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ لعنت ہے اللہ کی اُس کے قاتل پر۔ اسی طرح وہ ایک ایک سے دریافت کرتا جاتا تھا تا ایک حصین بن نمیر ملعون کی نوبت آئی۔ اُس نے (جاری)

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

پہلے تو وہی کہہ جو اس سے پہلے اوروں نے کہا تھا۔ بعد اُس کے کہا کہ کیا واقعی تو یہی چاہتا ہے کہ جس شخص نے امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا اُس کا میں تجھے بتلا ہی دوں؟ یزید ملعون نے کہا کہ ہاں میں ایسا ہی چاہتا ہوں۔

حسین نے کہا: اچھا تو پہلے میری جان بخشی کی جائے اور مجھے امانِ جان ملے۔ یزید ملعون نے کہا کہ ہم نے تجھے امان دی۔ حسین ابنِ نمیر بولا کہ اے امیر! جس شخص نے علم قائم کئے اور مال لوگوں کو دیا اور لشکر آراستہ کر کے بھیجا اور ادھر ادھر خطوط روانہ کئے اور لوگوں کو ڈرایا اور دھمکایا، اُسی نے جنابِ امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا۔ یزید ملعون نے کہا: تو ایسا کس نے کیا؟ حسین بنِ نمیر نے کہا تو نے۔

یہ سن کر یزید ملعون غضب ناک ہوا اور فوراً محل کے اندر چلا گیا اور وہ طشت کہ جس میں سرِ مبارکِ امام حسین علیہ السلام تھا، اپنے سامنے رکھا۔ روتا تھا اور اپنے منہ پر مٹاچے مارتا تھا اور کہتا تھا کہ مجھ کو امام حسین علیہ السلام سے کیا کام پڑا ہے! دیکھئے مقتلِ امام سمرانی، ص 189 (صحیفۃ العابدین، ص 57، 58)۔



۱۔ مجومِ آلام

ہم ثانی زہرا اور اُن کی جدوجہد کے بارے میں بہت کچھ کہہ چکے ہیں۔ اُن کے کردار کے اعجازات، گفتگو کی سحر انگیزی، اثرِ کلام اور اُن کی روش و رفتار کے بارے میں بھی بہت کچھ کہا جا چکا ہے۔ ہم یہ بھی بتا چکے ہیں کہ اپنے پیغام کو دنیا والوں تک پہنچانے اور خونِ ناحق کی تشہیر و پھیلاؤ میں ثانی زہرا سلام اللہ علیہا نے کیسی کیسی دشواریوں کا سامنا کیا اور کیسی کیسی مشکلات کو برداشت کیا۔

اس سب کچھ کے باوجود ہمارے لئے یہ ممکن نہیں کہ ثانی زہرا کے ضمیر کے اندر جھانک کر دیکھ سکیں کہ اُن کے قلب و ذہن میں کشمکش کا کیا عالم تھا، قلبِ حزیں میں کیسے کیسے طوفان اٹھ رہے تھے اور اپنے ہدفِ زندگی کے حصول کی خاطر شہزادی کس کس نوعیت کے سوز اور غم اپنے اندر چھپائے ہوئے تھیں۔ مخدومہ عالمِ قلب سوزاں اور دلی مجروح سینہ میں رکھے ہوئے تھیں۔ ایک ایسے باغبان کی مانند تھیں جس کی آنکھوں کے سامنے اس کے پھولوں کی نازک ترین پتیوں کو نوچ کر اُن کا شیرازہ بکھیر دیا گیا ہو، جو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو کہ کس طرح اُس کا باغیچہ آتشِ سوزاں کی زد میں آچکا ہے اور خیامِ سید الشہداء علیہ السلام جو حقیقت میں خود اُن کے اپنے پروبال کی حیثیت رکھتے تھے، نذر آتش کئے جا رہے تھے۔

جو کچھ ہم نے اُن کی شان میں تحریر کیا ہے، اُس کو خود ہمارے ہی تخیل کی کمزور پیداوار کہا جاسکتا ہے جس کی بنیاد وہ تصور ہے کہ اگر ہم اس مقام پر ہوتے تو کیا کرتے۔ ثانی زہرا کی تصویرِ آلام اور اُن کے حالات کی تجسیم اسی طرح ممکن ہے کہ اپنے آپ کو ایک جاں نثار بہن، ایک اسیر خاتون، ایک کڑیل جوان کو حق کی خاطر قربان کر دینے والی، ایک دُرے کھانے والی اسیر معظمہ کے سانچے میں ڈھال سکیں۔ مگر کیا ایسا کرنا ممکن ہے؟ کیا کسی کی اتنی مجال ہے کہ ثانی زہرا کی مانند محبت و احساس پیدا کر سکے؟ کیا دنیا بھر میں کسی ایسے وجود کا پایا جانا ممکن ہے جو حسین کو زینب کی طرح محبوب رکھتا ہو؟ کیا کوئی زینبِ کبریٰ کے برابر سو زو دین اپنے دل میں رکھ سکتا ہے؟

غم و اندوہ کی شدت

ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کے مصائب و آلام لا تعداد و لامحدود ہیں۔ سب سے پہلے انہوں نے وفاتِ جنابِ رسولِ خدا

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صدمہ اٹھایا جن لی پناہ میں مخدومہ کا دامن تھا۔ پھر اپنی والدہ گرامی جناب سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی وفات اور اُن کے بیمار و زخمی جسدِ عالیہ کا نصف شب میں سپردِ خاک ہونا دیکھا۔ اس المیہ میں مخدومہ اپنی آواز گریہ تک کو بلند نہ کر سکتی تھیں۔ اس کے بعد بی بی کو اپنے پدرِ بزرگوار کا زہر آلود تلوار سے شگافتہ سر اور اُس کے اثر سے اُن کے زہر آلود جسم مبارک کا مشاہدہ کرنا پڑا، ایک ایسا باپ دنیا سے جا رہا تھا جو یگانہ روزگار تھا، جو اپنی صفتِ عدالت کے باعث شہید ہوا اور جس نے اپنے مدتِ العمر کوئی لمحہ چین و سکون کا نہ پایا۔ بعد ازاں گھر میں موجود دشمن کے ہاتھوں اپنے برادرِ بزرگ جناب امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی زہر خورانی اور شہادت کا صدمہ برداشت کیا۔ ان سب صدمات کے بعد کربلا میں تشریف لائیں جو بذاتِ خود کرب و بلا کی سرزمین تھی۔ یہاں لا تعداد ایسے مصائب جھیلنا پڑے جن کا ذہن انسانی تصور بھی نہیں کر سکتا اور نہ ہی چشمِ فلک نے کبھی یہ سب کچھ دیکھا تھا۔ دوستوں کی بے وفائی کی مصیبت، بچوں کی صدماتِ العطش کی مصیبت، شہدائے راہِ خدا کی شہادت اور ان کے جسدِ ہائے خون آلود کا مشاہدہ، جناب سید الشہداء علیہ السلام اور اُن کے انصارانِ با وفا کے سر ہائے بریدہ کا نوک ہائے نیزہ پر دیکھنا، خیامِ اہل بیت کے پسماندگان کے ساتھ درود، خواتین و بچوں پر کوزوں اور تازیانوں کی بارش وغیرہ وغیرہ ایسے مصائب ہیں جن میں ہر ایک مصیبت اتنی شدید تھی کہ قوی ترین مرد بھی اسے برداشت نہ کر سکتا۔

ثانی زہر آلود طوفانِ آلام

قافلہ اہل بیت علیہم السلام کربلا میں سات یا آٹھ روز سے زیادہ مقیم نہیں رہا۔ اس کوتاہ مدت میں عظیم تاریخِ مصائب رقم ہوئی۔ غم و آلام کے ایسے ایسے بڑے طوفان سر پر پڑے کہ اگر پہاڑوں پر گزرتے تو اُن کی کمر بھی بارِ مصائب سے جھک جاتی۔ موت کا چکر دیوانہ وار حرکت میں آیا اور ایک ہی دن میں ظہر کے وقت تک تمام انصارانِ سید الشہداء علیہ السلام کو اپنی لپیٹ میں لے گیا۔ انتہایہ ہوئی کہ اُس وقت تک امام حسین علیہ السلام کا کوئی ہدم و نا صر زندہ باقی نہ رہا۔ سب شہید ہو گئے، حتیٰ کہ فرزندانِ زینبؓ عالیہ بھی موت کی بھیٹ چڑھ گئے۔ اب معلوم ہوتا تھا کہ دستِ اجل اپنے کام سے فارغ ہو چکا لیکن اچانک گیارہ سالہ عبد اللہ ابن حسن علیہ السلام ثانی زہر آلود کے ہاتھوں سے چھوٹ کر میدان کی طرف بھاگ نکلا۔ مخدومہ عالم نے کوئی کوشش باقی نہ چھوڑی کہ اس بچہ کو پکڑیں یا روکیں، لیکن اُسے روکنا سی طرح ممکن نہ ہوا۔ یہ بچہ بھاگتا ہوا قتل گاہ میں پہنچا اور ایسا معلوم ہوا گویا سید الشہداء علیہ السلام سے راز و نیاز کر رہا ہے!

شاید کہتا ہو: ”چچا جان! یہاں کیوں لیٹے ہیں، انھیں اور خیمہ میں چلیں، وہاں ہم آپ کے زخموں پر پٹیاں باندھیں گے،

آپ کے درد کا علاج کریں گے.....“۔ اسی اثناء میں ایک غلام بے درد دشمن آن پہنچا۔ اُس نے تلوار سے امام حسین علیہ السلام پر حملہ کیا۔ بچہ نے اپنے ننھے ننھے بازو تلوار کے حملہ کو روکنے کے لئے آگے بڑھا دیئے۔ تلوار نے وہ نازک ہاتھ کاٹ ڈالے اور وہ کھال سے لٹکنے لگے۔ بچہ نے فریاد بلند کی: ”اماں، اماں!“۔ ثانی زہرا نے جواب دیا: ”لَبَّيْكَ يَا فَتْنَى“۔ ”میں آئی بیٹا!“..... سید الشہداء علیہ السلام پر ایک اور صدمہ گزر گیا کہ کتنا سخت وقت ہے کہ تو آواز دیتا ہے اور میں جلدی سے تیری مدد کو نہیں پہنچ سکتا! پھر اس حال میں میری مدد تجھے کیا فائدہ دے سکتی ہے؟

’عَزَّوَاللّٰهُ عَلٰی عَمِّكَ، اَنْ تَذْعُوْهُ فَلَا يُجِیْبُكَ اَوْ يُجِیْبُكَ فَلَا يَنْفَعُكَ صَوْتُهُ‘۔
”تیرے چچا پر بہت گراں ہے کہ تو اُسے پکارے اور وہ جواب نہ دے اور اگر جواب دے تو تجھے اُس کی آواز فائدہ نہ دے۔“

اتنی دیر میں معصوم بچہ نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی، زینبؓ عالیہ نے اُس کی لاش کو اٹھایا اور لاشِ علی اکبر کے پہلو میں لٹا دیا۔

شہادت گاہ سے کوفہ تک

ثانی زہرا سلام اللہ علیہا پر روزِ عاشور سے بارہ محرم تک بے پناہ مصائب کا ہجوم رہا جن کی مختصر تفصیل کچھ اس طرح ہے:

سید الشہداء علیہ السلام کی آوازِ استغاثہ ”ہل من ناصر.....“ کا سننا جس کا جواب کسی طرف سے نہ آتا تھا۔

سید الشہداء علیہ السلام کا قتل گاہ میں گھوڑے سے زمین پر گرنا اور آپ پر پتھروں، تیروں اور تلواروں کی بارش کا ہونا۔

سید الشہداء علیہ السلام کے مرکب کو بے سوار دیکھنا، جس کی زین خون میں غلطاں تھی۔ جب وہ درخیمہ پر آیا تو گویا شہادتِ حسین کی خبر سنانے آیا تھا۔

خیامِ اہل بیت کی آتش زدگی، ان میں سے بچوں کا نکل بھاگنا اور اُن صدمات کو جھیلنا جو اُن پر واقع ہوئے۔

عصرِ عاشور کو بچوں اور خواتین کو پانی ملنا اور اُن کا شہدائے تشیع لب کی پیاس کو یاد کر کے پانی پینے سے انکار۔

شبِ یازدہم جو امام حسینؑ کی شہادت کے بعد تنہائی و آلام کی شب تھی، بچے دشمن کے خوف سے سوتے نہ تھے۔

گیارہویں کی صبح کو قتل گاہ میں وارد ہو کر شہداء کے بے سراجاں کو دیکھنا جو کلڑے کلڑے ہوئے پڑے تھے۔

بچوں پر دشمن کے دُڑوں کی بارش جبکہ وہ میدانِ شہادت کو چھوڑتے نہ تھے۔

✽ خواتین و بچگان کو کوفہ کی طرف لے جانے پر انکالا شہ ہائے شہداء سے وداع۔

✽ خواتین و بچگان کی سفر کی تلخیاں، دشمنوں کے مظالم اور سر ہائے شہداء کو نیزوں پر بلند دیکھنا۔

کوفہ میں ثانی زہرا پر ہجومِ آلام کا نمونہ

آپ سن چکے کہ کوفہ میں ثانی زہرا نے خطاب فرمایا تو طوفان و انقلاب کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ شہر کوفہ کی فضا میں لوگوں کے آہ و نالہ کا سیلاب آ گیا، طوفانِ انقلاب کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ سیدہ زینبؓ عالیہ کو خاموش کرنے کیلئے دشمنوں نے اور کوئی چارہ کار نہ پایا سوائے اس کے کہ سر حسینؑ کو شہزادہ کی پہلو کی طرف لے گئے تاکہ ان کی نظر اپنے بھائی کے بریدہ سر پر پڑنے لگے۔

ثانی زہرا اس دل خراش منظر کو دیکھ کر بے چین ہو گئیں۔ لیکن پھر بھی انہوں نے اعتدال کو ہاتھ سے نہ جانے دیا، تاہم اپنے سوزِ دل کا اشعار کے ذریعہ اظہار فرمایا جن سے اپنی اندرونی قلبی بے چینی کو تسکین دینے کی کوشش کی۔ لوگوں کی طرف سے رُخِ موز کر سید الشہداء علیہ السلام پر اپنی نظروں کو مرکوز فرمایا اور یہ اشعار فی البدیہہ پڑھے: (ریاضین الشریعہ، ج 3، ص 138)

يَا هَلَالَ لَمَّا اسْتَمَّ كَمَالاً	عَالَهُ خَسَفَهُ فَأَبْدَى غُرُوباً
مَا تَوَهَّمْتُ يَا شَقِيقُ فَوَادِي	كَانَ هَذَا مُقَدَّرًا مَكْتُوباً
يَا أَخِي فَاطِمِ الصَّغِيرَةِ كَلَّمَهَا	فَقَدْ كَادَ قَلْبُهَا أَنْ يُذَوَّباً
يَا أَخِي قَلْبُكَ الشَّقِيقُ عَلَيْنَا	مَا لَهُ قَدْ قَسَى وَصَارَ صَلِيباً
يَا أَخِي لَوْ تَرَى عَلَيَّ لَدَى الْآ	سُرْمَعَ الْيَتِيمِ لَا يُطِيقُ وَحُوباً
كُلَّمَا أَجْعُوهُ بِالضَّرْبِ نَادَاكَ	بِذَلٍّ يَفِيضُ دُمْعاً سَكُوباً
يَا أَخِي ضُمَّهُ إِلَيْكَ وَقَرْنَهُ	وَلَكِنْ فَوَادَهُ الْمَرْغُوباً
مَا أَذَلَّ الْيَتِيمُ حِينَ يُنَادِي	دَى أَبِيهِ وَلَا يَرَاهُ مُجِيباً

ان اشعار کا خلاصہ یہ ہے:

✽ اے میرے شبِ اولِ ماہ کے چاند! ابھی تو بدر کی صورت میں کامل نہ ہو پایا تھا کہ غروب بھی ہو گیا۔

✽ اے میرے میوہِ دل! میں سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ تجھ پر یہ کچھ گزر جائے گا۔ یہ امر مقدور و محترم تھا۔

✽ اے میرے بھائی! اپنی چھوٹی (بیٹی) فاطمہؑ سے تو بات کر لے جو نزدیک ہے اور اُس کا دل غصہ و غم سے پانی پانی

ہور ہا ہے۔

✽ اے میرے پیارے بھائی! تیرا دل تو مجھ پر مہربان تھا۔ اب کیا ہوا کہ مجھ پر سخت ہو گیا اور میرا حال تک نہیں پوچھتا۔

✽ اگر علی اپنے بیٹوں کو اس حال میں دیکھیں تو طاقت برداشت باقی نہ رکھ سکیں گے۔

✽ اے میری جان حسین! اس بچہ سے تو بات کر جس کو تازیانے مارے جا رہے ہیں۔ وہ مجھ سے مدد طلب کر رہا ہے، اُس

کے آنسو بہہ رہے ہیں، اُسے اپنے سینہ سے لگا لے، اُس کے وحشت زدہ دل کو سکون عطا کر۔

✽ یہ یتیم بچہ کس قدر خوار و کمزور ہو گیا ہے کہ اپنے باپ کو پکارتا ہے لیکن اُس کا جواب نہیں سن پاتا۔

ثانی زہرا سلام اللہ علیہا یہی باتیں کر رہی تھیں کہ اپنا سر چوب محل پر مارا اور آپ کے سر سے خون جاری ہو گیا (منتخب التواریخ، طریقی)۔

۴. آزار و صدمات

اس سفر میں سیدہ ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کو بے انتہا صدمات کا متحمل ہونا پڑا جو جسمانی بھی تھے اور روحانی بھی۔ جسمانی طور پر دشمن کی طرف سے کوڑوں اور دُڑوں کی ضربیں لگائی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ دشمن کی ہر قسم کی دلازار باتیں بھی سننا پڑتی تھیں۔ دشمن جب اسیران اہل بیت کو دُڑے مارتا تھا تو مخدومہ عالم کو سب سے زیادہ انہیں برداشت کرنا پڑتا تھا، اس لئے کہ جب کسی بچہ کو دُڑہ مارا جاتا تو زمین پر عالیہ خود تازیانہ اور بچہ کے درمیان آ جاتیں، یا بچہ کو اپنی گود میں بھر لیتیں تاکہ تازیانہ کی ضرب بچہ پر نہ پڑے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں بے رحم دشمن کا تازیانہ آپ ہی کے جسم نازنین پر پڑتا۔

روحانی طور پر بھی آپ شدید صدمات سے دوچار تھیں کیونکہ آپ کا اور آپ کے خاندان کے افراد کا واسطہ اُن لوگوں سے پڑ رہا تھا جو آپ کے جذبہ رگوار کے آزاد کردہ غلاموں کی نسل سے تھے (جس کا تذکرہ تفصیل ہم مخدومہ سعالیہ کے خطبہ دمشق میں بیان کر چکے ہیں، مترجم)۔ یہ وہ لوگ تھے جن کا خون بہانا ناجائز تھا لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی کرم فرمائی اور جذبہ رحم کے پیش نظر اُن کو موت کے گھاٹ اتارنے کی بجائے (فتح مکہ میں) معاف فرما کر آزاد کر دیا تھا۔

اسیری کے تباہ کن حالات

دورانِ سفر اسیری دشمن کا ظلم، بداخلاقی ہر قدم پر موجود بلکہ بڑھ رہی تھی۔ ممکن ہے کہ ارباب حکومت نے تو شاید اس قدر سختی اور ظلم کا حکم نہ بھی دیا ہوتا، ہم جو لوگ اسیران آل رسول پر مامور تھے، اپنے سربراہوں اور حکمرانوں کی خوشنودی کی خاطر اور

اپنے مفادات کے حصول کی غرض سے ایسا کر رہے تھے اور ہر قسم کے ظلم و ستم ڈھارہے تھے۔

ایک مؤرخ رقم طراز ہے کہ اسیری کے دوران دشمن کی طرف سے شدت کی نگہبانی تھی، ظلم و ستم انتہا پر تھے، اسیروں کو رونے تک کی اجازت بھی نہ تھی۔ اگر قیدیوں میں کہیں صدائے گریہ بلند ہوتی تو اُس کو ضربِ تازیانہ یا لکڑی مار کر خاموش کیا جاتا تھا (معالی السطین، ج 2، ص 72)۔

اس قسم کے مظالم کے اور بہت سے نمونے اور اوراقِ تاریخ میں محفوظ ہیں جن کا ذکر بہت دردناک ہے۔ ایک اور مؤرخ لکھتا ہے کہ اسیروں کے قافلہ کو شام لے جایا جا رہا تھا۔ شرمعون بھی اس سفر میں ہمراہ تھا جو اس قدر وحشی، ظالم اور سنگدل تھا کہ افرادِ قافلہ میں اس کے خوف سے گریہ کرنے کی جرأت ہی باقی نہ رہی تھی۔ وہ ظالم گریہ کرنے والے کو نوکِ نیزہ سے خاموش رہنے پر مجبور کرتا تھا (زیئب بنت علی، ص 130)۔

سفرِ شام کے دوران قافلہ کو بے حد ظلم و ستمی سے چلاتے تھے، بلکہ کبھی کبھی تو رات کو بھی سفر جاری رکھتے تھے۔ اس سفر میں بچے اونٹوں یا اور جانوروں پر سوار کئے ہوئے تھے۔ بعض اوقات ایسا اتفاق ہوتا کہ کوئی بچہ شدید تکان کے باعث سواری سے گر جاتا۔ ثانی زہرا کو اس کی خبر ہو جاتی تو آپ اُن ظالم سپاہیوں سے اصرار فرماتیں کہ واپس مڑیں اور بچہ کو تلاش کر کے لائیں۔ وہ ظالم پلٹ کر بچہ کو تلاش کرتے، اُس غریب کو طمانچے مارتے کہ سواری سے کیوں گرا، خود سوار رہتے اور بچہ کو اپنے پیچھے بھاگاتے اور وہ معصوم اسی طرح قافلہ تک پہنچتا (منتہی الآمال، ج 1)۔

یہ حالات سیدہ زینبؓ کے لئے کس قدر دردناک و روح فرساتھے، اس کے بیان کے لئے دامنِ الفاظ تنگ و تنہی ہے۔

صرف تصور شرط ہے۔

قتلِ گاہِ امامؑ کے حالات

ہمارا خیال ہے کہ عظیم ترین صدمہ ورنہ ثانی زہرا کو سید الشہداء علیہ السلام کے بعد پہلے ہی روز ویکنا اور برداشت کرنا پڑا ہوگا۔ یہ دن سب سے زیادہ رونے، تنہائی اور اسیری کا پہلا دن تھا۔ اُس دن ظالموں نے اسیرانِ آلِ رسولؐ کے قافلہ کو روانگی کیلئے تیار کیا۔ خواتین اور بچگانِ آلِ رسولؐ اُس کیلئے نہ صرف یہ کہ تیار نہ تھے بلکہ جانتے بھی نہ تھے کہ اب کیا ہونے والا ہے۔

قتلِ گاہ میں شہداء کے اجساد بے سر پر گر یہ کرنا اور پھر اُن بے گور و کفن و بے سراجساد سے رخصت ہونا تھا۔ سیدہ زینبؓ کبریٰ لاشہ ہائے شہداء پر تشریف لائیں، ایک ایک پر گر یہ فرمایا اور اُن سے وداع ہوئیں۔ دشمن کے ظلم کا تقاضا تھا کہ یہ سب

مخدرات و بچگان بہت جلدی ان لاشہ ہائے بے گورہ کفن سے جدا ہوں اور کوفہ کو روانگی کیلئے اونٹوں پر سوار ہوں۔ ظالمین اس عمل میں کسی طرح تاخیر کو برداشت نہیں کر رہے تھے، لہذا اس مقصد کے لئے پسماندگان و وارثان شہداء کو تازیانوں یا لکڑی کی ضربوں سے ان کی جگہوں سے اٹھاتے اور لاشوں سے جدا کرتے تھے۔

سید الشہداء کی پیاری چھوٹی صاحبزادی سکیئہ نے یہ حالت دیکھی اور بے حال ہو گئیں۔ انہوں نے دیکھا کہ ظالم ان کی عزیز پھوپھی زینب کبریٰ کو تازیانہ مار رہا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ معصوم بچی دوڑیں اور بے اختیار ایک بار پھر دوڑ کو لاش پر مظلوم سے لپٹ گئیں۔ کہتی جاتی تھیں کہ بابا جان اٹھئے، دیکھئے کہ ظالم پھوپھی اماں کو تازیانے مارتا ہے (چہرہ خونین حسین)۔

اس طرح کے واقعات اور نمونہ ہائے حوادث تھوڑے نہ تھے، جسوں کو بھی کم ایذا ائیں نہیں پہنچائی جا رہی تھیں لیکن اللہ کی راہ میں ثانی زہرا سب کچھ برداشت کر رہی تھیں۔

شہر کوفہ اور دارالامارہ میں داخلہ

کوفہ میں ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کا داخلہ، دارالامارہ کا منظر اور عبید اللہ ابن زیاد ملعون کا مسند امارت پر بیٹھا ہونا، یہ سب کوئی چھوٹے یا معمولی واقعات نہ تھے۔ مخدومہ عالیہ کوفہ کی شہزادی اور آپ کے پدربزرگوار امیر و حکومت کے مالک رہ چکے تھے، وہی پدربزرگوار جو شہید محراب، عدالت پر قربان ہونے والے تھے، ایسے پدربزرگوار کی قدر تاریخ جن کے برابر کسی دوسرے حکمران اور دین حق کو جاری کرنے والے کو پیش نہیں کر سکتی۔

اب اسی معظّمہ کو دارالامارہ میں حاضر کیا جاتا ہے جس میں وہ اپنے پدربزرگوار کی جگہ پر ابن زیاد جیسی ملعون شخصیت کو بیٹھا ہوا پاتی ہیں۔ شدت تاثرات سے مخدومہ عالیہ کا گلاب بند ہونے لگتا ہے اور قریب ہے کہ حرکت لب بند ہو جائے۔ معظّمہ کی آنکھوں میں آنسو اُٹ آئے لیکن چاہتی نہیں ہیں کہ اشک بہہ نکلیں جنہیں دیکھ کر دشمن خوش ہو، نہ ہی یہ چاہتی ہیں کہ دوسرے انہیں گریاں، اشک بہاتا دیکھیں۔ اپنے دست مبارک سے قلب حزیں کو تھام لیا، اپنے آپ کو سنبھالا لیکن موقع مسئلہ آپ کے لئے بہت مشکل تھا اور صدمہ روحانی اپنی جگہ غیر معمولی تھا (زینب از عاشورا نقل گاہ)۔

کوفہ میں اسیران آل رسول کو بڑی مسجد کے پہلو میں رکھا گیا۔ یہ نظر بندی و قید سیدہ زینب کبریٰ کے لئے نہایت ہی غیر معمولی و غیر فطری بات تھی کیونکہ کہاں علی کی اولاد اور کہاں قید خانہ؟ اتنا بڑا انقلاب! شروع شروع میں تو لوگ صرف ان کو دیکھنے کیلئے آتے تھے لیکن بعد میں دیکھنے والوں کا تانتا بندھنے لگا۔ ثانی زہرا نے اعلان کر دیا کہ عرب کی عورتیں حق نہیں رکھتیں

کہ آن کر ہمیں دیکھیں سوائے لونڈیوں اور کنیزوں کے جو ہمارے جیسے حالات سے دوچار ہوں (سید ابن طاووس، بہوف)۔
رات کو اسی قید خانہ میں صبح تک عزاداری برپا ہوتی اور کوئی سونہ پاتا (مقتل الحسین، خوارزمی)۔

صدماتِ شام

شام کے روحانی صدمات کوفہ سے بہت زیادہ شدید تھے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ شام ابتداء ہی سے اہل بیت کیلئے ہر قسم کے مفاسد اور غیر سامانی کا مقام بنا ہوا تھا۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں سے ان کے قتل و اسیری و غصب حقوق کے احکام جاری ہوئے تھے۔ دوسری بات یہ تھی کہ شام کے لوگ عجیب طرح کی نگاہوں سے ان کو دیکھتے تھے۔ وہ لوگ اسیران آل رسول کو دین سے خارج جانتے تھے۔ سید الساجدین علیہ السلام سے جب پوچھا گیا کہ آپ پر سب سے بڑی مصیبت کہاں گزری تو آپ نے تین بار فرمایا:

”الشام، الشام، الشام!“ (مقتل الحسین، خوارزمی)۔

یہ شام ہی کا واقعہ ہے کہ اولادِ رسول کو عیسائی تک تو رحم و حمایت کی نظر سے دیکھتے تھے لیکن اسلام کا دعویٰ کرنے والے ان سے کسی طرح کی ہمدردی کے بارے میں سوچتے بھی نہ تھے۔ شام کے رہنے والے شہر کو سجا رہے تھے، شہر کی آئینہ بندی کر رہے تھے، شہر میں چراغاں ہو رہی تھی اور ان سب باتوں کو وہ لوگ فرض جان رہے تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ مکانات کی چھتوں سے اسیران آل رسول اور سرہائے شہداء پر پتھروں کی بارش ہوتی اور لوگ تماشا دیکھتے حتیٰ کہ ایک پتھر شہزادہ علی اکبر کے بریدہ سر پر لگا (چہرہ خونین حسین)۔

ظالموں نے خواتین اور بچوں کو رسیوں میں باندھ کر دربارِ یزید ملعون میں پیش کیا۔ اگر قیدی چلنے میں سستی کرتے یا آرام کیسے کہیں رکنے لگتے تو ستم شعار انہیں تازیانے مارتے۔ اس تازیانوں کی بارش میں ثانی زہر ابھی تختہ مشق بنی رہیں لیکن اس سب کے باوجود آپ نے حوصلہ نہ ہارا، نہ ہی ہمت و صبر کو ہاتھ سے جانے دیا۔

۳. بھوک اور تشمیر

آئیے پہلے ایک نکتہ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ انسان یا تو مظلوم ہو سکتا ہے یا مظلوم۔

مظلوم اس کو کہتے ہیں جو کسی ہنگامہ یا واقعہ کے دوران اچھی طرح مقابلہ نہ کر پائے۔ وہ سعی و کوشش تو کرے لیکن متعلقہ واقعہ کے سامنے پورا نہ اتر پائے۔ دشمن اُس پر ظلم و ستم کو روا رکھے اور وہ اپنے ہاتھوں اور دانتوں کی مدد سے اس پر ظلم و ستم سے بچنے

کی کوشش کرے لیکن بالآخر عاجز آجائے۔ ایسے شخص کی مدافعت خود خداوند تعالیٰ فرماتا ہے اور اُس کے لئے درجات کا تعین بھی فرماتا ہے۔

منظلم وہ ہوتا ہے جس پر ظلم ہوتا ہو لیکن وہ اپنا دفاع کرنے کے قابل نہ ہو۔ اس کو اصطلاحی طور پر کہتے ہیں کہ وہ خوگرِ ستم ہو چکا ہے۔ اس کو ظلم کا مورد قرار دیتے ہیں اور وہ خود کسی ظلم کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔ ایسا شخص ظالم ہی کی طرح آتشِ دوزخ کا مستحق ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب میں ہوتا ہے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام معاویہ کے نام اپنے ایک خط میں، جس میں آپؐ نے اسے سرزنش کی تھی کہ تو وہ شخص ہے جس کو رستی میں باندھ کر مسجد میں لایا گیا تھا، تحریر فرماتے ہیں: (نسخ البلاغ، نامہ: 38)

”وَمَا عَلَى الْمُسْلِمِ مِنْ عَفَاصَةٍ فِي أَنْ يُكُونَ مَظْلُومًا مَا لَمْ يَكُنْ شَاكًا فِي دِينِهِ“

”مسلمان کیلئے مظلوم ہونے میں کوئی عیب و ننگ نہیں جب تک کہ وہ اپنے دین کے بارے میں شک میں نہ ہو“۔

اس طرح ثانی زہرِ اسلام اللہ علیہا مظلوم تھیں، مظلم نہ تھیں۔ اپنے احقاقِ حق کی خاطر ہر طرح سعی و کوشش میں مصروف رہیں، اگرچہ آپؐ کی تمام کوششیں ناکام رہیں۔ آپؐ نے اپنی مظلومانہ فریاد بلند کی لیکن دشمن کوشش کرتا تھا کہ یہ آواز مخدومہٗ عالیہ کے گلے میں گھٹ کر رہ جائے۔ یہ اور بات ہے کہ زینبؓ عالیہ کی آواز فریاد پورے جہانِ ہستی میں گونجی اور اسی میں ثانی زہراؑ کی عظمت پوشیدہ ہے اور یہی بات آپؐ کے لئے باعثِ افتخارِ عظیم ہے۔

بھوک کی شدت میں بلند حوصلگی

اہل بیتؑ رسول خدا کو اسیرِ زنداں کر دیا گیا۔ تمام روحانی و ذہنی و جسمانی صدمات کے ساتھ ساتھ بھوک کی سختی کا بھی ان کو متحمل ہونا پڑا۔ بھوک کی شدت کا یہ عالم تھا کہ بقول جناب سید الساجدین علیہ السلام آپؐ کو مجبور ہونا پڑا کہ بڑھتی ہوئی نقاہت کے باعث نمازِ شب بیٹھ کر ادا فرمائیں (زندگانی علیؑ ابن الحسینؑ)۔ علیؑ ہذا القیاس بول چال، چلنے پھرنے اور عبادت کیلئے بھی قوتِ جسمانی کافی نہ رہی تھی۔

دشمن کا سلوک خاندانِ رسالتؑ کے ساتھ بے انتہا اہانت آمیز و ذلیل تھا۔ اسیری کے پورے عرصہ میں معمول یہ تھا کہ ہر اسیر کیلئے دو روٹیاں ثانی زہراؑ کو دی جاتی تھیں جو آپؐ خود بچوں میں تقسیم فرماتی تھیں۔ روٹیوں کی تعداد بمشکل بچوں کی تعداد کے مطابق ہوتی۔ لہذا اندیشہ ہوتا مبادا کوئی بچہ روٹی کے بغیر رہ جائے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ خود سیدہ زینبؓ عالیہ کے لئے کھانے کو

کچھ نہ بچتا، یا پھر حضرت کو اپنی روٹی سے کسی بچہ کو حصہ دینا پڑتا جس کے نتیجہ میں آپ خود بھوکا رہ جاتیں، لہذا آپ کی چلنے پھرنے کی قوت تک کم ہوتی گئی۔

بھوک سے بڑی مصیبت

یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ بھوک بذاتِ خود جنابِ ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کے لئے ایک بہت بڑی مصیبت تھی، لیکن اس سے شدید تر مصیبت یہ تھی کہ بچوں کے لئے غذا کافی نہیں ملتی تھی۔ لہذا معصوم بچے محدود عالم ہی سے کھانے کیلئے مانگتے تھے جس سے وہ معظّم مزید ذہنی و روحانی اذیت اٹھاتی تھیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ آپ ایسے خاندان کی بزرگ ترین فرد تھیں جو بخود و کرم و بخشش کرنے والا خاندان تھا جہاں سے غرباء و فقراء کی خورد و نوش کی تمام ضروریات، حتیٰ کہ خرما تک پوری ہوتی تھیں اور انہیں یہ تمام ضروریات اسی مقدس گھر سے تقسیم ہوتی تھیں۔ کیا یہ ثانی زہرا سلام اللہ علیہا ہی کا گھر نہ تھا جہاں سے مسلسل تین راتوں تک اہل خانہ کا سامانِ افطار مسکین و یتیم و اسیر میں تقسیم ہوتا رہا اور انہی کی شان میں آیہ مبارکہ ”وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ“ (دہر: 8) نازل ہوئی؟

کیا امیر المؤمنین علیہ السلام نے اہالیانِ کوفہ سے محبت کا کم اظہار کیا تھا؟ کیا یہ آپ ہی کا معمول نہ تھا کہ رات کو روٹیاں اور کھجوریں خود اپنی کمر پر لا کر یتیموں اور مسکینوں کے گھروں تک پہنچاتے تھے؟ کیا علی ہی اُس معظّم کے پدر بزرگوار نہ تھے جو یتیموں کیلئے آنسو بہاتے، خود اپنے ہاتھوں سے ان کیلئے روٹیاں پکاتے اور اُن کے منہ میں لقمہ دیتے؟ کیا یہ وہی سیدہ زینب کبریٰ نہ تھیں جن کا خانہ اقدس بے پناہ لوگوں اور ستم رسیدہ افراد کیلئے مرکزِ اُمید سمجھا جاتا تھا اور جہاں اُن کی تمام امیدیں و آرزوئیں پوری ہوتی تھیں؟ معاشرہ کے کتنے ایسے بھوکے و بے خوراک لوگ تھے جن کی صدائے دردناک صرف زینبؑ عالیہ اور اُن کے افرادِ خاندان کے گھروں ہی میں سنی جاتی تھی!

انقلاب تو یہ آیا کہ وہی سیدہ ثانی زہرا اور اولادِ علیؑ آج کوفہ میں بہ حالِ تباہ اسیرِ جفا ہیں، یا شام کے قید خانہ میں ہیں، جن کو اس عالمِ اسیری میں کافی غذا بھی میسر نہیں کی جاتی اور علیؑ کی نورِ نظر مجبور ہیں کہ خود بھوکا رہیں اور معصوم بچوں کو ممکن حد تک کھانا کھلانے کی کوشش کریں۔

بلند حوصلہ کی انتہا

باوجودیکہ جنابِ ثانی زہرا انتہا سے زیادہ کمزور و لاغر ہو گئیں، یہاں تک کہ ملنے چلنے کی قوت، قیام و قعود تک کی توانائی،

جس کی ثانی زہرا خور تھیں، آپؐ کے جسم میں باقی نہ رہی، لیکن یہ سب باتیں مل کر بھی مخدومہ عالم کے حوصلہ کو ٹھکست نہ دے سکیں، نہ ہی یہ جملہ مصائب و آلام آپؐ کو راستہ کی صعوبات اور اپنے ہدف و مقصد کے حصول سے روک سکے۔

جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا بے حد بلند حوصلہ کی مالک تھیں اور آپؐ کو اپنی ذات و اپنے استقلال پر مکمل تسلط حاصل تھا۔ مخدومہ عالم جانتی تھیں کہ کس موقعہ پر کیا کرنا لازم ہوگا یا دشمنوں کی طرف سے اور کیسے سلوک کا امکان ہو سکتا ہے۔ لہذا ایسے حالات میں کہ بچے بھوک سے بلک رہے تھے اور کوفہ کی عورتیں اُن کے لئے صدقات لے کر آتیں تو ثانی زہرا ہرگز ایسا نہ ہونے دیتیں کہ صدقہ کی روٹی کا ایک لقمہ بھی کسی بچے کے حلق تک پہنچے۔ آپؐ بلند آواز سے فرماتیں: ”تم پروائے ہوا صدقہ ہم پر حرام ہے“ (وَيَنْكُمُ الصَّدَقَةُ عَلَيْنَا مُحَرَّمَةٌ) (مقتل الحسین علیہ السلام)۔

روزِ عاشور عصر کے وقت (شہادتِ امامؑ اور خیام کی لوٹ مار و آتشزدگی کے بعد) جب پانی پیش کیا گیا تو باوجودیکہ ثانی زہرا خود شدید تشنگی کا شکار تھیں، پانی پینے کیلئے تشریف نہ لائیں کیونکہ آپؐ کے حوصلہ و استقلال مانع تھے کہ تمام عزیز و اقارب اور اصحاب سید الشہداء علیہ السلام تو تشنہ لب دنیا سے رخصت ہوئے ہوں اور آپؐ خود پانی سے اپنی پیاس بجھائیں۔ اس سلسلہ میں ثانی زہرا کا عظیم حوصلہ، آپؐ کی شوکت و جلال، خود اپنے مقام پر تشریح کے محتاج اور بے مثال ہیں۔

اہل بیت رسولؐ اسلام کی در بدری

جناب ثانی زہرا خود اپنا ایک آرام دہ و پر آسائش گھر رکھتی تھیں جہاں ہر قسم کے سامانِ آرام و آسائش موجود تھے۔ آپؐ کے نہایت محبوب شوہر اور افرادِ اولاد بھی تھے۔ لیکن آپؐ نے یہ سب کچھ چھوڑ کر بیابانوں کی اذیت اور در بدری کو ترجیح دی۔ اس تمام عرصہ در بدری میں مخدومہ عالم کے ناز اٹھانے والا ایسا کوئی نہ تھا جو سفر کی تکالیف میں پائے مبارک کیلئے کسی طرح کے آرام کا انتظام کر سکتا۔ لہذا کوئی ایسا موقعہ نہ تھا جہاں مخدومہ عالیہ سرسبز درختوں کے سایہ اور پانی کے چشموں کے قریب سفر کرتیں۔ اس کے باوجود صحرا و بیابانوں کا سفر اور تمازتِ آفتاب کی مسلسل شدت معظّمہ عالیہ کے حوصلہ کی ٹھکست کا باعث ہرگز نہ بن سکے۔ پھر بھی ایک عام و ذی شعور ذہن یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کتنا طویل عرصہ تھا جس میں اُن کو اپنے قافلہ سمیت تمازتِ آفتاب کی شدت کو برداشت کرتے ہوئے بیابانوں میں سفر کرنا یا پتھر ملی و گرم ریتیلی زمین پر سونا پڑا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی نورِ نظر اور اُن کے لئے ہوئے قافلہ کی کیفیت تو قابلِ صدا تاسف ہے ہی، لیکن حیرت و افسوس ان انسان نماد درندوں کی ذہنیت پر ہے کہ وہ حق ناشناسی کے اُس درجہ پر پہنچ چکے تھے کہ انہوں نے دخترِ علیؑ

اور فرزندِ رسول اکرم کو اس قدر کم جانا۔ اگر سیدہ زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا قیامت کے دن ان لوگوں کو معاف بھی کر دیں تو سوال یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ بھی اُن سے درگزر فرمائے گا؟ پھر اگر اللہ تعالیٰ بھی اُن سے درگزر فرمائے تو کیا ان کو ایسا حوصلہ ہوگا کہ بہشت میں داخل ہو کر جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدہ طاہرہ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا سامنا اور اُن سے ملاقات کرنے کا حوصلہ کریں؟

تبصرہ مترجم

سوانحِ ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کے واقعات کو آگے بڑھانے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ زندانِ کوفہ کا مختصر تذکرہ ہدیہ قارئین کریں تاکہ اندازہ لگایا جاسکے کہ خانوادہ رسول اکرم کو شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بعد دورانِ اسیری کن حالات کا سامنا کرنا پڑا اور ان لوگوں نے اہل بیت رسول کے ساتھ کس طرح قیدیوں جیسا سلوک کیا۔ یہ اُس رسول خدا کے گھر کے نہ صرف افراد بلکہ اولاد ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے باعثِ تخلیق کائنات قرار دیا تھا، جس کو مجسمہ اخلاق بنایا تھا، جس نے بنی نوع انسان کو سبقِ انسانیت دیا تھا، جو مخلوق پروردگار کے لئے رحمتِ مجسم تھا۔ ہم نے بہت تلاش کیا کہ ان قید خانوں کی تفصیل مل سکے جن میں ناز پروردگانِ رسالت پناہ کو رکھا گیا تھا، لیکن افسوس کہ سوانح نگاری کی تمام مشکلات ہمارے سامنے ہیں جن کا ہم گزشتہ صفحات میں مختصر ذکر کر چکے ہیں۔ بہر حال جو کچھ مل سکا، وہ نہایت اختصار کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ اس کے بغیر یہ سوانحِ عمری مکمل قرار نہ دی جاسکے گی، تاہم اس مختصر روئیداد سے قارئین کرام اندازہ لگا سکیں گے کہ آل رسول کو کن حالات کا سامنا تھا۔ ہمیں ایک بار پھر کہنا پڑے گا کہ واقعات کو بلا لکھنے والا سب سے پہلا شخص دشمنِ حسینِ مظلوم یزید لعین کا ملازم تھا۔ لہذا اس سے صحیح حالات کی کیسے توقع کی جاسکتی ہے۔ اس کے باوجود جو کچھ صفحاتِ تاریخ پر مرقوم ملتا ہے اسی سے پڑھنے والے کو اندازہ ہو سکتا ہے کہ شدتِ واقعات کا کیا عالم تھا۔

شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور کی شائع کردہ 'صحیفہ کاملہ' مرتبہ جناب سید قائم رضا نسیم امروہوی سے ہم مختصر سے دو اقتباس پیش کرتے ہیں:

ابن زیاد ملعون نے علی بن الحسین اور اُن کے لئے ہوئے قافلہ کو جامع مسجد کوفہ کے قریب ایک تنگ و تاریک مکان میں قید کر دیا اور یزید ملعون کے پاس فتح کی مبارکباد بھیجی اور دریافت کیا کہ قیدیوں کے ساتھ اب کیا سلوک کیا جائے۔ دو ہفتہ بعد یزید ملعون کا قاصد دمشق سے یہ حکم نامہ لے کر آیا کہ قیدیوں کو مع شہیدوں کے سروں کے دمشق روانہ کر دیا جائے (ص ۱۱۹)۔

اس قید خانہ میں اہل بیت کے قیام کی تصدیق ممکن نہیں۔ ہمارے قارئین کو اندازہ سے کام لینا ہوگا کہ آج سے چودہ صدیاں پیشتر ذرائع سفر، جبکہ تمام سفر زیادہ تر صحرا کا تھا اور اونٹوں یا گھوڑوں پر ہوتا تھا، کتنے دن میں آمد و رفت دونوں طرف طے ہوا ہوگا۔ اس تمام عرصہ میں اولاد رسول اکرم کو اسی تنگ و تنار یک قید خانہ میں رہنا پڑا۔

یہی مؤرخ اسی کتاب کے صفحہ ۱۲۶ پر زندانِ شام کا ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں:

”سید سجاد اور ان کی ماں بہنوں کو سرد دربارِ مجمع عام میں بلوانے اور بخیال خود رسوا کرنے کے بعد یزید نے حکم دیا کہ انہیں اس قید خانہ میں پہنچا دیا جائے جو مسجدِ شام کی پشت پر واقع ہے۔ یہ ایسا تکلیف دہ مکان تھا جس میں گرمی و سردی سے مطلق پناہ نہ تھی اور نہ ہی تنگ و تنار یک اور بوسیدہ تھا۔ ابتداء میں اسیرانِ آلِ محمد کی خورد و نوش سے کامل بے توجہی برتی گئی۔ کئی کئی وقت صاف گزر جاتے تھے، یہاں تک کہ بچے بھوک پیاس سے دم توڑنے لگتے تھے۔ علی بن الحسین کا بیان ہے کہ ایک دن انہوں نے اپنی عمرِ محترمہ جنابِ ثانی زہرا کو دیکھا کہ ہانڈی چولہے پر چڑھائے اس طرح بیٹھی ہیں جیسے آگ روشن کرنے کا عزم ہے۔ آپ نے پوچھا عمرِ گرامی! یہ کیا حال ہے؟ بولیں کہ بچے شدتِ گرسنگی سے بیتاب تھے۔ یہ انہیں بہلانے کا سامان کر رہی ہوں۔ کچھ عرصہ تک اسیرانِ کربلا اس خراب و خستہ مکان میں مقید رہے۔ اس کے بعد یزید ملعون کی چیمپی بی بی ہند بنت عبد اللہ نے اپنے محل ہی میں ایک مکان اُن قیدیوں کیلئے خالی کر دیا۔“

اسی موضوع کو جناب علامہ حسن رضا غدیری صاحب مدظلہ نے اپنی کتاب ”نہنب، نہنب“ ہے، جو ایک ترجمہ ہے اور بحثِ فاؤنڈیشن، لاہور سے شائع ہوئی ہے، جس میں سے کئی حوالہ جات ہم گزشتہ صفحات میں مناسب مقامات پر لکھ آئے ہیں، میں کو فہم و دمشق کے قید خانوں کی الگ الگ کیفیت رقم کی ہے جسے ہم یہاں پیش کرتے ہیں:

”ابن زیاد ملعون نے حکم دیا کہ رسولِ زاد یوں کو تنگ و تنار یک قید خانوں میں بند کر دیا جائے۔ چنانچہ علی کی بیٹیوں کو قید خانہ کی طرف لایا گیا تو شہر کی گلیاں اور کوچے مردوں اور عورتوں سے کچھا کچھ بھرے ہوئے تھے۔ اس منظر کو دیکھ کر مخدراتِ عصمت دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں اور اپنی مظلومیت کا ماتم کرتے ہوئے قید خانہ میں داخل ہو گئیں۔“

”اشقیاء نے رسولِ زاد یوں کو ایسی کوٹھڑیوں میں بند کر دیا جہاں نہ تو روشنی آتی تھی اور نہ ہی ہوا۔ شہر کی عورتوں نے سیدہ ثانی زہرا سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تو سیدہ نے فرمایا: ”ہم اس وقت قیدی ہیں اور ہماری آزادی سلب ہو چکی ہے۔ لہذا غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی کنیروں اور بے بس لوٹڈیوں کے سوا کوئی عورت ہماری ملاقات کیلئے نہ آئے۔“

”بنی امیہ نے جو ستم اہل بیت رسولؐ پر ڈھائے، اس کی مثال تاریخ انسانیت میں کہیں نہیں ملتی۔ تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں رسولؐ زاد یوں کو محبوس کر کے فتح و کامیابی کا جشن منانے والے آمروں کا وجود تاریخ بشریت کے پاکیزہ دامن پر بدنام داغ ہے اور انہی بدطینت لوگوں نے اپنے گھناؤنے کردار سے اسلام کے مقدس نام کی عظمتوں کو پامال کر دیا“ (ص ۲۴۶-۲۴۷)۔

آگے چل کر علامہ مذکور اسیران آل رسولؐ کے قید خانہ شام کے حالات اس طرح لکھتے ہیں:

”یزید ملعون نے اہل بیت رسولؐ کو اپنے دربار سے کسی ایسی جگہ منتقل کر دینے کا حکم دیا جہاں وہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہیں تاکہ لوگ اُن کی حالت زار کو دیکھ کر یزید ملعون کے خلاف قیام نہ کر سکیں۔ چنانچہ اس ستم پرور شخص نے تمام انسانی اقدار کو پامال کرتے ہوئے اولاد رسولؐ کو ایک ایسے خرابے میں بند کروادیا جہاں نہ تو ہوا آتی تھی اور نہ ہی روشنی۔ گرمی کی شدت کا یہ عالم تھا کہ اُس خرابے میں رسولؐ زاد یوں اور معصوم بچوں کے چہرے جھلس گئے۔

”ایک اور روایت کے مطابق تین دن تک مسلسل اس خرابے میں رہنے کی وجہ سے سب کی حالت غیر ہو گئی۔ تنگ و تاریک فضا میں عترت رسولؐ کے لئے سانس تک لینا دشوار ہو گیا تھا۔

’جب تک اس خرابے میں ان مظلوموں کو رکھا گیا، اُن کی زبانوں پر ہائے حسینؑ، ہائے حسینؑ کی صدائیں جاری تھیں۔

”ایک دن بیمار کربلا امام زین العابدین علیہ السلام خرابے سے باہر ہوا خواری کے لئے نکلے تو منہال بن عمر نے آپؑ کو دیکھ لیا۔ اُس نے امام سے پوچھا: ’اے فرزند رسولؐ! آپ کس حال میں ہیں؟‘

بیمار کربلا نے جواب دیا: ہمارا حال وہی ہے جو بنی اسرائیل کا آل فرعون میں تھا۔ آل فرعون بنی اسرائیل کے جوانوں کو ذبح کرتے اور اُن کی عورتوں کو زندہ چھوڑ کر انہیں اپنے مظالم کا نشانہ بناتے تھے۔ آج عربوں کا بھی یہی حال ہے کہ وہ عجیبوں پر فخر و مباہات کرتے ہیں کہ محمدؐ حاکم الانبیاء عربوں میں سے تھے اور بنی قریش سب عرب قبائل کے مقابلہ میں فخر کے ساتھ کہتے ہیں کہ محمدؐ ہم میں سے تھے۔ لیکن ہم اسی محمدؐ کی اولاد و عترت ہیں کہ جنہیں ان لوگوں نے اپنے ظلم و استبداد کی چکی میں پیس دیا ہے۔ ہمارے جوانوں کو قتل کر دیا گیا اور ہماری مستورات اور معصوم بچوں کو قید میں ڈال دیا گیا ہے۔ اب ہم اپنی حالت پر یہی کہہ سکتے ہیں: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

”منہال نے کہا ابھی ہم آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ خرابے سے ایک خاتون نکلیں۔ انہوں نے جناب زین العابدینؑ کی طرف متوجہ ہو کر کہا: ’اے آل محمدؐ کی آخری نشانی اور اے سر پر امامت کے تاجدار! آپ کہاں چلے گئے؟‘ اُس خاتون

کی آواز سن کر جناب زین العابدینؑ فوراً اس کی طرف چل دیئے۔ میں نے اُس خاتون کے متعلق دریافت کیا تو بتایا گیا کہ وہ اُن کی پھوپھی سیدہ زینبؓ تھیں۔“

قید خانہ و خرابہ شام کی کیفیت یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ اس سے آگے علامہ مذکور تحریر فرماتے ہیں:

”ابھی رسول زادیاں خرابہ شام میں تھیں کہ ایک رات رقیہ بنت الحسینؓ نے اپنے پدر بزرگوار امام حسینؑ کو خواب میں دیکھا۔ (بہت سے مؤرخین نے اس صاحبزادی کا نام فاطمہ بنت الحسینؓ لکھا ہے جنہیں امام مظلوم علیہ السلام پیار سے سکیٹہ کہا کرتے تھے)۔ مظلومؑ کربلا کو خواب میں دیکھ کر رقیہ کی چیخ نکل گئی اور وہ بیدار ہو کر زار و قطار رونے لگیں۔ معصوم بچی کے گریہ و شیون کی آواز سن کر خرابہ میں موجود سب بی بیوں اور بچے گریہ کنساں ہو گئے۔

”یزید ملعون کو صورت حال کی اطلاع دی گئی تو اُس نے حکم دیا کہ حسینؑ کا سر لا کر اس بچی کے سامنے رکھا جائے۔ جب سرِ امامؑ لایا گیا تو مظلومؑ کربلا کی مظلوم صاحبزادی اپنے باپ کی طرف دیکھ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ رقیہؓ نے کہا: بابا! تیرے بعد ہمارے خیموں کو آگ لگا دی گئی، ہماری چادریں اتار لی گئیں، ہمارا سامان لوٹ لیا گیا، ہمیں قیدی بنا کر جنگلوں اور بیابانوں سے گزرا گیا، ہمیں سر برہنہ کر کے دربار و بازار میں لایا گیا اور بابا جان! اب ہم اس خرابہ میں ہیں اور آپ کی مظلومیت کو یاد کر کے رو رہے ہیں۔ بابا آپ کا سر اقدس کس شقی نے کاٹا؟ بابا! آپ کا نازنین بدن کیا ہوا؟ بابا! ذرا ہماری درد بھری حالت کو بھی دیکھئے!“

”اس کے بعد رقیہ بنت الحسینؓ مظلومؑ کربلا کے سر اقدس کے بوسے لینے لگیں اور روتے روتے اس معصوم بچی کی روح پرواز کر گئی۔

”رقیہؓ کی وفات سے آل رسولؐ کا غم شدید ہو گیا۔ ہر عورت اور ہر بچہ شدتِ غم سے نڈھال تھا۔ لیکن حضرت ام کلثومؓ کی حالت غیر ہو گئی (الایفاد للعظیمی منقول از عوالم للطبرانی) اور وہ رقیہؓ کے غم میں دھاڑیں مار مار کر روتی تھیں۔ حضرت ثانی زہراؓ نے ام کلثومؓ سے کہا: بہن صبر سے کام لو، یہ امتحان کی منزل ہے۔ رقیہؓ کے غم نے ہم سب کو پریشان کر دیا ہے اور ہم سب عزا دار ہو گئے ہیں۔ آپ اس قدر کیوں نڈھال ہو چکی ہیں۔

”حضرت ام کلثومؓ نے کہا: بہن زینبؓ ارقیہؓ کے غم نے میرا دل توڑ دیا ہے..... شام کے بچوں کو دیکھ کر رقیہؓ نے مجھ سے ایسا جملہ کہا تھا جو میں کبھی نہیں بھلا سکتی اور اسی جملہ کو یاد کر کے غم سے نڈھال ہوتی ہوں۔ معصوم بچی نے کہا تھا: پھوپھی جان! کیا

ہمارا کوئی گھر نہیں اور ہم اسی خرابہ میں ہی رہیں گے؟ (مقتل الحسینؑ، سید محمد تقی بحر العلوم، ص 296)۔

”جب قیدیوں کو دمشق میں لایا گیا تو ایک عورت یزید ملعون کی بیوی ہند (ہند بنت عبد اللہ یزید سے شادی کرنے سے قبل امیر المؤمنین کے گھر میں خادمہ تھی اور گھر کا کام کیا کرتی تھی۔ اُس کا دل اہل بیت کی معرفت و محبت سے سرشار تھا) کے پاس آئی اور اُس سے کہا ’اے ہند! ابھی ابھی کچھ قیدی آئے ہیں اور مجھے معلوم نہیں کہ وہ کون ہیں۔ بہتر ہے آپ بھی آئیں اور انہیں دیکھ کر دل بہلائیں۔“

”ہند اٹھی اور اُس نے عمدہ لباس زیب تن کیا، اپنی چادر اوڑھ لی.... اور اپنی خادمہ کو حکم دیا کہ اُس کیلئے کرسی لگا دی جائے تاکہ آرام و اطمینان سے بیٹھ کر قیدیوں کا تماشا دیکھ سکے۔“

”جب وہ کرسی پر بیٹھ گئی تو سیدہ زینبؑ کی نظر اُس پر پڑی۔ آپؑ نے غور سے اُس کی طرف دیکھا تو اُسے پہچان لیا اور اپنی بہن ام کلثومؑ سے کہا: ’بہن! کیا آپؑ نے اس عورت کو پہچانا ہے؟‘

”حضرت ام کلثومؑ نے جواب دیا: ’نہیں، میں نے اُسے نہیں پہچانا۔‘

”سیدہ زینبؑ نے فرمایا: ’بہن! ہماری کینز ہند بنت عبد اللہ جو ہمارے گھر میں کام کاج کیا کرتی تھی۔“

”ثانی زہراؑ کی بات سن کر ام کلثومؑ نے خاموش ہو کر اپنا سر نیچا کر لیا اور اسی طرح ثانی زہراؑ نے بھی اپنا سر نیچا کر لیا تاکہ ہند ان کی طرف متوجہ نہ ہو۔ لیکن ہند ان دونوں بیبیوں کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ چنانچہ اُس نے آگے بڑھ کر پوچھا:

”’بہن! آپؑ نے آپس میں گفتگو کر کے پُر اسرار طور پر اور خاص انداز میں اپنے سر جھکا لئے ہیں۔ کیا کوئی خاص

بات ہے؟‘

”حضرت زینبؑ نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموش کھڑی رہیں۔“

”ہند نے پھر پوچھا: ’بہن! آپؑ کس علاقہ سے ہیں؟‘

”اب سیدہ زینبؑ خاموش نہ رہ سکیں اور فرمایا: ’ہم مدینہ کے رہنے والے ہیں۔‘

”ہند نے مدینہ منورہ کا نام سنا تو اپنی کرسی چھوڑ دی، احترام سے کھڑی ہو گئی اور پوچھنے لگی: ’بہن! کیا آپؑ مدینہ والوں

کو جانتی ہیں؟‘

”سیدہ زینبؑ نے فرمایا: ’تم کن مدینہ والوں کے متعلق دریافت کرنا چاہتی ہو؟‘

”بند نے کہا: میں اپنے آقا امام علی کے گھرانے کے متعلق پوچھنا چاہتی ہوں۔“

”سیدہ زینبؓ نے فرمایا: تم علیؑ کے گھرانے کو کیسے جانتی ہو؟“

”علیؑ کے گھرانے کا نام سن کر ہند کی آنکھوں سے اشکِ محبت جاری ہو گئے اور کہنے لگی: میں اُس گھر کی خادمہ تھی اور وہاں کام کیا کرتی تھی۔ مجھے اُس گھر سے بہت محبت ہے۔“

”سیدہ ثانیؓ زہراؓ نے پوچھا: تم اُس گھر کے کن افراد کو جانتی ہو اور کن کے متعلق دریافت کرنا چاہتی ہو؟“

”ہند نے کہا: میں امام علیؑ کی اولاد کا حال معلوم کرنا چاہتی ہوں، میں حسینؑ و اولادِ حسینؑ اور علیؑ کی پاکہا ز صاحبزادیوں کا حال معلوم کرنا چاہتی ہوں، خاص طور پر میں اپنی آقا زادیوں حضرت زینبؓ و ام کلثومؓ کی خیریت دریافت کرنا چاہتی ہوں اور اسی طرح حضرت فاطمہؓ زہراؓ کے متعلق معلوم کرنا چاہتی ہوں۔“

”سیدہ زینبؓ نے ہند کی بات سن کر اٹھکبار آنکھوں کے ساتھ جواب دیا: تو نے جو کچھ پوچھا ہے میں اُس کی تفصیل تجھے بتاتی ہوں۔ تو نے علیؑ کے گھر کے متعلق پوچھا ہے تو ہم اُس گھر کو خالی چھوڑ کر آئے تھے۔ تو نے حسینؑ کے متعلق دریافت کیا ہے تو یہ دیکھ تیرے آقا زادے حسینؑ کا سر تیرے شوہر یزید کے سامنے رکھا ہے۔ تو نے اولادِ علیؑ کے متعلق دریافت کیا ہے تو ہم ابو الفضل العباسؑ سمیت سب جوانوں کو کربلا کے رگزاروں پر بے گور و کفن چھوڑ کر آئے ہیں۔ تو نے اولادِ حسینؑ کے متعلق پوچھا ہے تو اُن کے سب جوان مارے گئے ہیں۔ صرف ایک علیؑ بن الحسینؑ باقی ہیں جو تیرے سامنے ہیں اور بیماری کی وجہ سے اٹھ بیٹھ نہیں سکتے۔ اور جو تو نے زینبؓ کے متعلق دریافت کیا ہے تو دل پر ہاتھ رکھ کر سن کہ میں زینبؓ ہوں اور یہ میری بہن ام کلثومؓ ہے اور یہ سب بیٹیاں فاطمہؓ زہراؓ کی مظلوم بیٹیاں ہیں۔“

”ثانیؓ زہراؓ کا دردناک جواب سن کر ہند کی چیخ نکل گئی اور منہ پیٹ کر کہنے لگی: ہائے میرے آقا زادے کیا ہوئے؟ ہائے میرے مولا کا حال کیسا ہے؟ ہائے میرے مظلوم آقا حسینؑ! کاش میں اس سے پہلے اندھی ہو جاتی اور فاطمہؓ کی بیٹیوں کو اس حالت میں نہ دیکھتی۔“

”روتے روتے ہند بے قابو ہو گئی اور ایک پتھر اٹھا کر اپنے سر پر اتنے زور سے مارا کہ اُس کا سارا بدن خون خون ہو گیا اور وہ بے ہوش ہو گئی۔ جب ہوش میں آئی تو سیدہ ثانیؓ زہراؓ اُس کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگیں: اے ہند! تم کھڑی ہو جاؤ اور اپنے گھر چلی جاؤ کیونکہ تمہارا شوہر یزید ایک ظالم شخص ہے۔ ممکن ہے تمہیں اذیت و آزار پہنچائے۔ ہم اپنی مصیبت کا وقت گزار

لیں گے۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہماری وجہ سے تمہارا سکون تباہ ہو جائے۔

”ہند نے جواب دیا: خدا کی قسم! مجھے اپنے آقا و مولا حسینؑ سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں۔ میری زندگی کا سکون ختم ہو چکا ہے اور اب میں اپنی زندگی کے باقی لمحات اسی طرح روتے ہوئے گزار دوں گی، اور اے میری آقا زاد یو! میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ آپ سب میرے گھر آئیں ورنہ میں بھی آپ کے ساتھ یہیں بیٹھی رہوں گی اور قطعاً اپنے گھر نہیں جاؤں گی۔“

”یہ کہہ کر ہند اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنی چادر اتار کر منہ پیٹتی ہوئی سر بر ہند یزید کے پاس آگئی۔ یزید اس وقت لوگوں کے عام مجمع میں بیٹھا ہوا تھا۔ ہند نے یزید سے کہا: اے یزید! کیا تو نے حکم دیا ہے کہ میرے آقا زادے حسینؑ کا سر نوک نیزہ پر سوار کر کے دروازہ پر لٹکایا جائے، تو اسے رسولؐ کا سر اور میرے دروازہ پر؟“

”یزید نے اپنی زوجہ کو اس حالت میں دیکھا تو فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور بھرے مجمع میں اُسے سر بر ہند دیکھ کر برداشت نہ کر سکا، اُسے چادر پہنائی اور کہنے لگا: ہاں یہ حکم میں نے دیا ہے۔ اب تو نواسہ رسولؐ پر گریہ و ماتم کرنا چاہتی ہے تو بے شک کر لے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابن زیاد نے جلد بازی سے کام لیتے ہوئے حسینؑ کو قتل کر ڈالا ہے۔“

”جب یزید نے ہند کو چادر اوڑھائی تو ہند نے کہا: اے یزید! خدا تجھے تباہ و برباد کرے۔ اپنی زوجہ کو بھرے مجمع میں سر بر ہند دیکھ کر تیری غیرت جاگ اٹھی ہے، مگر تو رسولؐ زاد یوں کو کھلے عام سر بر ہند کر کے بازار اور دربار میں لایا ہے اور اُن کی چادریں چھین کر انہیں نا محرموں کے سامنے لاتے وقت تیری غیرت کہاں گئی تھی اور انہیں ایک خرابہ میں بند کر کے خود امن و سکون کی نیند سونا چاہتا ہے۔ خدا کی قسم! جب تک انہیں میرے ساتھ نہیں بھیجے گا، اس وقت تک میں تیرے گھر میں قدم نہیں رکھوں گی! (معالی السطین، ج ۲، ص ۱۷۲، منقول از مقتل الحسینؑ، ابن نما)۔“

”ہند کی گفتگو سن کر یزید نے حکم دیا کہ رسولؐ زاد یوں کو فوری طور پر مدینہ روانہ کر دیا جائے۔“ (”زینب، زینب ہے“،

ص 271 تا 279)۔

ہم اپنے تبصرہ کو یہاں ختم کر کے سلسلہ واقعات سوانح کو آگے بڑھاتے ہیں۔



۱۔ یزید لعین کی پشیمانی

حالاتِ زمانہ اور معاشرہ کی دستبرد نے یزید کو اُس کے ظلم و عمل پر پشیمان و شرمندہ کر دیا۔ یزید ایسا تو ہرگز نہ تھا کہ اپنے گناہ پر نادم ہوتا، یا اولادِ امیر المؤمنین علیہ السلام کے خلاف اُس کے بغض و کینہ میں کسی طرح کی کمی واقع ہوتی۔ اس کے برعکس وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ اُس نے جو کام کیا ہے اور جس نغمہ کو نکلنے کی کوشش کی ہے وہ بہت بُرا اور سنگین ہے۔ اس کا نگلنا یا اگلنا اس کے لئے ناممکن ہے اور یہ عمل کسی طرح اُس کو ضم نہیں ہو پائے گا۔ اس سوچ کے تحت اُس نے ارادہ کیا کہ کسی طرح اس کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کرے۔

اس سلسلہ میں اُس نے کئی لوگوں سے، جن میں نعمان بن بشیر اور مروان بن حکم بھی شامل تھے، مشورہ کیا۔ اس مشورہ کے نتیجہ میں اُس نے محسوس کیا کہ جتنی جلدی ممکن ہو، قافلہ اہل بیت کو مدینہ واپس پہنچا دیا جائے تاکہ شام میں شور و احتجاج ختم ہو جائے اور بغاوت کا خطرہ بھی جاتا رہے۔ خود یزید اپنے دل میں بھی اسی نتیجہ پر پہنچ چکا تھا کیونکہ وہ سخت پریشانی میں گرفتار تھا اور نہیں جانتا تھا کہ کرے تو کیا کرے۔ لہذا اُن لوگوں کا یہ مشورہ اور مسئلہ کا یہ حل اُسے پسند آیا۔

رہائی اہل بیت رسول خدا

یزید ملعون نے اس بات میں مصلحت نہ پائی کہ اسیرانِ آلِ رسول کو اپنے قریب رکھے۔ لہذا وہ ان کی دل جوئی پر آمادہ ہوا۔ نتیجہ کے طور پر اس نے حضرت سید الساجدین علیہ السلام کو اپنے دربار میں طلب کیا، اپنے پہلو میں بٹھایا، بڑی شفقت کی نظر سے اُن کو دیکھا اور کہنے لگا کہ خدا ابنِ زیاد پر لعنت کرے جس نے آپ کے والدِ بزرگوار کے ساتھ یہ سلوک کیا اور اُن پر یہ ظلم روا رکھا۔ خدا کی قسم! اگر وہ اور میں آمنے سامنے آجاتے تو میں ان کی جملہ خواہشات کا ثبوت جواب دیتا۔

اس کے بعد اُس ملعون نے امام علیہ السلام کو اختیار دیا کہ شام میں رہیں، مدینہ چلے جائیں یا جہاں چاہیں تشریف لے جائیں۔ سید الساجدین علیہ السلام نے ثانی زہرا کی رائے و مشورہ پر عمل کرنے کو ترجیح دی جس کے نتیجہ میں طے پایا کہ قافلہ اہل بیت شام سے عازمِ مدینہ ہو جائے۔ یزید اس رائے سے خوش ہوا اور اُس نے اس سفر کے انتظامات کا حکم دے دیا۔

۱۔ یزید ملعون نے کن حالات سے مجبور ہو کر اہل بیت رسول کو اپنی اذیت ناک قید سے رہا کیا اور کتنا عرصہ انہیں مجبوس رکھا، تاریخ کے نہایت اہم سوال ہیں جن پر ہم بحث کریں گے۔ ہم اس سلسلہ میں علامہ حسن رضا غدیری صاحب کی کتاب ”نہ نب، نہ نب“ (جاری)

سید الشہداء علیہ السلام کے خون بہا کا مسئلہ

یزید ملعون کی تباہ کاریوں میں سے ایک بات جو اس کی جہالت و نااہلی کی مظہر ہے، سید الشہداء علیہ السلام کے خون بہا کا مسئلہ ہے۔ اُس نے ایک خاص دربار منعقد کیا جس میں اُس نے سید الساجدین علیہ السلام، ثانی زہرا اور دیگر اسیران آل رسول کو طلب کیا۔ اس دربار میں ان حضرات کے ساتھ اس نے نہایت احترام و عزت کا مظاہرہ کیا۔ ایک بار پھر اُس نے اپنے سابقہ الفاظ کو دہراتے ہوئے قتل سید الشہداء علیہ السلام کے سلسلہ میں عذر خواہی پیش کی اور پہلے جیسی باتیں کیں، یعنی اُن حضرات کے سامنے اُس نے اپنے حسن نیت کے متعلق انہیں مطمئن کرنا چاہا۔ اپنی گفتگو کے اختتام پر اس نے زرو جواہر سے بھرا ہوا ایک برتن سید الساجدین علیہ السلام اور ثانی زہرا کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ یہ امام حسینؑ کا خون بہا ہے، اسے قبول فرمائیں۔ یہ ایک ایسی جاہلانہ گفتگو تھی جسے سن کر ثانی زہرا کو تاب ضبط نہ رہی اور آپؑ نے بہ آواز بلند فرمایا:

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔ علامہ لکھتے ہیں:

”رسولؐ زاد یوں کی حالت زار کو دیکھ کر شام کے لوگوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی جس سے یزید ملعون کو یقین ہو گیا کہ اگر اہل بیتؑ رسولؐ مزید کچھ دیر کے لئے دمشق میں رہے تو لوگ پرچم بغاوت بلند کر دیں گے اور پھر لوگوں پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا اور ممکن ہے کہ صورت حال اس قدر خراب ہو جائے کہ انقلاب کا طوفان پوری حقیقت کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔ لہذا یزید ملعون نے مناسب سمجھا کہ امام زین العابدین علیہ السلام سے گفتگو کر کے ان سے معذرت خواہی کرے اور اپنے آپ کو ان سے بری قرار دے کر اہل زیناد ملعون کو ان سب حوادث کا ذمہ دار ٹھہرائے۔

”چنانچہ آغوشِ مکر و فریب کے پروردہ یزید ملعون نے امام زین العابدین علیہ السلام سے کہا:

”خدا لعنت کرے مر جانہ کے بیٹے پر۔ خدا کی قسم! اگر میں حسینؑ کے ساتھ ہوتا تو کچھ وہ مانگتا اسے دیدیتا تاکہ وہ اتنے بڑے جرم کا ارتکاب نہ کرے اور اس مقصد کے لئے اگر مجھے اپنی اولاد بھی قربان کرنا پڑتی تو اس کی بھی پرواہ نہ کرتا۔ لیکن جو ہونا تھا سو ہو چکا اور اب تقدیر الہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔

اے بیٹے! جو کچھ تجھے مطلوب ہے، وہ لکھ کر مجھے بتا دتا کہ میں اس پر عمل کروں اور مجھے معلوم ہے کہ تمہارے قبیلہ والے اس سلسلہ میں ضروری اقدامات بھی کریں گے لیکن تم ہرگز ان کا ساتھ نہ دینا۔

’امام زین العابدین علیہ السلام نے یزید ملعون کی مکارانہ گفتگو سن کر منہ پھیر لیا اور کوئی جواب نہ دیا کیونکہ امامؑ سمجھتے تھے کہ یہ اُس

کی چال ہے جو وہ اپنی رسوائیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے چل رہا ہے (ص ۲۸۰-۲۸۱)۔ (جاری)

”یزید! تو کس قدر شرم و حیا سے عاری ہے، کس قدر دیدہ دلیر و بے شرم ہے، میرے بھائی کو تو نے قتل کر دیا، میرے پورے خاندان کو شہید ستم کر دیا اور اب اُن کا خون بہا پیش کرتا ہے؟“

”مَا أَقُلْ حَيَاتِكَ، وَأَصْلَبَ وَجْهَكَ، تَقْتُلُ أَخِي وَاهْلِي بَيْتِي وَتُعْطِينِي عَوَضَهُمْ“

بالفاظ دیگر ہم عمل یزید ملعون کو اسی لئے جاہلانہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اس کے خیال میں قتل حسین نہایت آسان بات تھی اور ان کی دیت دے دینا بھی آسان تھا۔ پس اُس کا خیال تھا کہ حضرت کو قتل کر کے ان کا خون بہا دے کر اس جرم سے بری ہو (باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

یزید کن حالات کی وجہ سے رہائی اہل بیت پر تیار ہوا، ان کے متعلق سید قائم رضا نسیم امرہوی نے صحیفہ کاملہ، مطبوعہ شیخ غلام علی ایڈسنز، لاہور میں سوانح امام زین العابدینؑ کے ذیل میں مزید تفصیل سے لکھا ہے۔ ہم ان کی تحریر کے اقتباسات پیش کرتے ہیں:

”علی بن الحسینؑ کی گرفتاری، اہل بیت کی اسیری اور سرہائے شہداء کے ساتھ بازاروں اور درباروں میں خاندان رسولؐ کی تشہیر کی غرض اصلی یہ تھی کہ اولاد رسولؐ اس قدر رسوا ہو جائے کہ لوگوں کے دل پھر ان کی طرف مائل نہ رہیں۔ نیز ان عبرت ناک سزاؤں کے خوف سے عوام کے حوصلے اتنے پست ہو جائیں کہ پھر کسی کو حق گوئی اور اعلان صداقت کی جرأت ہی نہ ہو۔ لیکن اس کا یہ منصوبہ کامیاب نہ ہوا بلکہ الٹا اسی کے حق میں مضرب زد کیونکہ اسیران آل رسولؐ کی مظلومیت اور مصائب پر اُن کے صبر و تحمل نے صرف مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ عیسائیوں اور یہودیوں تک کو چند ہی روز میں یزید ملعون اور یزیدیت سے سخت متنفر کر دیا۔ اس پر سید سجاد اور جناب زینبؑ کے خطبات اور تقریروں نے لوگوں کو واقعات اور حقائق سے باخبر کر دیا جس کے بعد ان کی آنکھیں کھل گئیں، ضمیر جاگ اٹھے اور ان میں باطل کو باطل اور حق کو حق سمجھنے کی جراتیں پیدا کر دیں۔ دنیا اس نفسیاتی نکتہ کو ہرگز نظر انداز نہیں کر سکتی تھی کہ پورے خاندان کی تباہی، اسیری، در بدری اور قید و بند کی سخت ترین سزاؤں کے باوجود علی بن الحسینؑ اور ان کے گھرانے کی بی بیایاں اور بچے تک کس قدر جری اور نڈر ہیں اور ان کے بالمقابل یزید ملعون اور اس کے ساتھی اخلاقی جرأت سے بالکل محروم ہیں..... یزید کے جاسوس اُسے اُن تمام باتوں کی خبر پہنچا رہے تھے جو عوام میں اس کے مظالم اور اہل بیت کے صبر و تحمل کے متعلق کئی جاری تھیں..... یزید ملعون چند روز اس شش و پنج میں رہا کہ اب اسے عوام کو قابو میں رکھنے کے لئے اہلیت کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے..... تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ جب علی بن الحسینؑ کی اسیری اور شہادت امام حسین علیہ السلام کی خبر یزید ملعون کی چیت بی بی ہند بنت عبد اللہ بن عامر کریم نے سنی تو وہ محل سرا سے دربار میں نکل آئی اور یزید ملعون سے پوچھا: ”کیا یہ حسین بن علیؑ کا سر ہے؟“

”یزید ملعون نے جواب دیا: ہاں! اب تم حسینؑ کا ماتم برپا کرو اور اُن کا سوگ مناؤ۔ خدا عبید اللہ ابن زیاد ملعون پر لعنت کرے

(جاری)

جس نے انہیں جلد بازی میں شہید کر دیا۔“

جائے گا اور اس طرح بہشت کا سزاوار بن جائے گا۔ لیکن اس گفتگو کے باوجود یزید ملعون معظمہ عالیہ کے الفاظ سے بالکل شرمندہ نہ ہوا۔ انہوں نے بھی خوں بہا قبول نہ فرمایا اور یہ مسئلہ کسی اور طریقہ پر اختتام پذیر ہوا۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

”..... تاریخِ ابنِ خلدون“ اور ”تاریخ طبری“ میں درج ہے کہ جب یزید کے حرم کو قتل حسین اور اسیری اہل بیت کی اطلاع ملی تو اس کے زمان خانہ میں کھرام مچ گیا جس کے بعد یزید یہ سوچنے پر مجبور ہوا کہ خود اُس کے اہل خانہ بھی اُس کے اس عمل سے رنجیدہ ہیں۔

”اُسی زمانہ میں یزید نے ایک دن امام زین العابدین علیہ السلام کو دربار میں طلب کیا۔ امام نے اس سے پوچھا: ’یزید! کچھ بتانا کہ اگر رسول اللہ ہمیں اس حالت میں دیکھتے تو کیا رنجیدہ نہ ہوتے؟‘

’یزید نے سر جھکا کر کہا: ’آپ ٹھیک کہتے ہیں‘۔ (ص ۱۳۰ تا ۱۳۲)

اہل بیت رسولؐ کے مصائب اور یزید و دیگر دشمنان آل رسولؐ کی کیفیت اس بیان سے اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ جس جرم کو بنی امیہ کی استبدادی حکومت نے اتنا آسان سمجھ رکھا تھا، اس کے ارتکاب کی کیفیت اب انہیں عملی طور پر نظر آرہی تھی۔ سید الشہداء علیہ السلام کا خون ناحق اب رنگ لارہا تھا اور یزید ملعون اب سمجھ چکا تھا کہ مصائب میں ان حضرات کو مبتلا رکھ کر آٹا یا انقلاب پیدا ہو چکے تھے، حتیٰ کہ خود اس کے اپنے گھر میں اس کی مخالفت شروع ہو چکی تھی اور اس کا اس کے پاس کوئی علاج نہ تھا۔

(حاشیہ صفحہ ۱۷۱)

1۔ اسی موضوع پر علامہ حسن رضا غدیری صاحب لکھتے ہیں:

”جب یزید نے اولادِ رسولؐ کو مدینہ بھیجے کا اٹل فیصلہ کر لیا تو اُس نے سوچا کہ اگر عزتِ رسولؐ مدینہ میں جا کر میرے جرائم اور گھنہ و نے کردار سے لوگوں کو آگاہ کریں تو ممکن ہے میرا یہ تخت و تاج خاک میں مل جائے۔ لہذا مناسب ہے کہ انہیں کچھ مال و دولت دے کر اُن سے خاموش رہنے کا معاہدہ کر لیا جائے۔ اس مقصد کیلئے اُس نے حکم دیا کہ میرے تخت کے سامنے مال و دولت اور زرو جواہر کا ڈھیر لگا دیا جائے۔ چنانچہ کثیر رقم اور قیمتی اشیاء جمع کر دی گئیں۔ پھر اُس نے حکم دیا کہ اب اہل بیت کو قید خانہ سے یہاں لایا جائے۔

”جب قیدیوں کو دربار میں لایا گیا تو یزید نے ثانی زہراؑ سے اس دولت کے لینے کو کہا۔

”یزید کی اس مکروہ حرکت پر علیؑ کی بیٹی کو جلال آگیا اور غصہ کی حالت میں فرمایا: ’کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ نواسہ رسولؐ کو قتل کر کے اس کے مقدس خون پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے؟ بھائی کو شہید کر کے بہن کو رشوت کی پیشکش کرتے ہوئے تجھے حیا آتی چاہئے۔ خدا کی قسم! زمین و آسمان ایک ہو سکتے ہیں لیکن تیرے مذموم عزائم پورے نہیں ہو سکتے۔‘ (زینب الکبریٰ، ص ۶۰) (زینب زینبؑ ہے، ص ۲۸۲-۲۸۳)۔

سید الشہداء علیہ السلام کی عزاداری کا مسئلہ

اس دربار میں جو باتیں فریقین کے درمیان ہوئیں ان میں سیدہ ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کا یہ اعلان بھی شامل تھا کہ کوفہ و شام میں انہیں عزاداری حسین کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ اب اجازت دی جائے کہ اُس شہر میں عزاداری سید الشہداء برپا کریں۔ یزید ملعون شام میں آل رسول کی سوگواری و عزاداری پر ہرگز رضا مند نہ تھا بلکہ اس کے خلاف اور اس سے خوفزدہ تھا۔ لیکن عوامی ماحول و افکار اور عوام الناس کے غم و غصہ کو کم کرنے کی خاطر، نیز سب سے زیادہ یہ کہ سوگواری و عزاداری کے جذبات کو قابو میں رکھا جاسکے، اُس نے سوگواری کی اجازت تو دیدی لیکن وہ بھی صرف اپنے دربار تک محدود رکھی۔

خلاصہ یہ کہ عمومی عزاداری کا یزید نے اعلان کر دیا اور تین روز تک اس کے دربار میں عزاداری ہوئی۔ اس مقصد کی خاطر دربار کو سیاہ پوش کیا گیا، خواتین عزاداری کے لئے جمع ہوئیں، عزاداری کی ملکہ ثانی زہرا پورے شکوہ و جلال کے ساتھ دربار میں عزاداری کے لئے تشریف لائیں، خواتین نے دختران رسول خدا کے دست ہائے مبارک کو بوسہ دیا اور سید الشہداء اور ان کے اصحاب پر محفل گریہ برپا ہوئی۔

ہم کتب مقاتل میں پڑھتے ہیں:

‘فَلَمَّا دَخَلَتِ النِّسْوَةُ اسْتَقْبَلَهُنَّ نِسَاءُ آلِ أَبِي سُفْيَانَ، قَبَلْنَ أَيْدِي بَنَاتِ رَسُولِ اللَّهِ وَبُكَيْنَ وَأَقَمْنَ الْمَائِمَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ’ (نفس المهموم: ص 293)

یعنی ”جب خواتین داخل ہوئیں تو زنان آل ابوسفیان نے اُن کا استقبال کیا، انہوں نے دختران رسول کے ہاتھ چومے اور روئیں اور تین دن تک ماتم برپا رکھا۔“

غرض یہ سید الشہداء علیہ السلام کی رسم عزاداری کی پہلی مجلس تھی جو دشمن یعنی اُن حضرت کے قاتل کے گھر میں برپا ہوئی، جس کے بعد آج تک پے در پے شہادت حسین مظلوم کی مجالس دنیا بھر میں پھاڑتی چلی آرہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے عزت و وقار

ہمیں قرآن مجید کی اس آیہ مبارکہ ”فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا“ (نساء: 139) کو سامنے رکھنا ہوگا کہ عزت اللہ کے لئے ہے اور اُسی کی طرف سے ملتی ہے۔ وہ جس کو چاہے عزت عطا فرماتا ہے، بالخصوص جو اپنے آپ کو اُس کے ساتھ متصل کرے اور اُس کی ذات کے ساتھ اپنا رابطہ بحال رکھے، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

”وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ“ (آل عمران: 26)۔

سید الشہداء علیہ السلام بارگاہ پروردگار میں اس لئے گرفتار عزت و آبرو کے حامل ہیں کہ انہوں نے راہ پروردگار میں اپنے نہ صرف جان و مال بلکہ پوری ہستی کو قربان کر دیا، لہذا اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں عظیم عزت سے نوازا، ایسی عزت بے مثال جس نے خود آپ کے قاتل کے دل میں گھر کیا اور خود اس کا گھر عام عزا خانہ بنا اور اسی کی سر زمین پر عزائے ملی حسین کا اعلان ہوا۔

سیدہ ثانی زہرا سلام اللہ علیہا سید الشہداء کی بہن ہیں۔ زمانہ نے واقعہ کربلا کے بعد انہیں بھوکا، تشنہ لب اور گرفتار بلا مشہدہ کیا۔ زمانہ نے انہیں اسیر کر بلا اور خاک نشین دیکھا اور آج وہی زینبؓ عالیہ ہیں کہ آل ابوسفیان اور دربار یزید ملعون کے امراء کی عورتیں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی طرف سے تعزیت پیش کر رہی ہیں۔ یہی وہ مجالس عزائے سید الشہداء ہیں جن میں ”حسینؑ اور ان کے اصحاب و انصار پر سلام اور قاتلان حسین علیہ السلام پر لعنت خدا“ کا نعرہ ایجاد ہوا۔

۲. کربلا میں اربعین سید الشہداء علیہ السلام

شام میں چند روز عزاداری برپا ہونے کے بعد اسیران آل محمدؑ کے اس قافلہ کیلئے جواب عملی طور پر بالکل آزاد تھے، مجلس تیار کی گئیں اور قرار پایا کہ پورے جلال و شان و شوکت و عظمت کے ساتھ ان کو مدینہ واپس پہنچایا جائے۔ حکم ہوا کہ اونٹوں کو پوری زینت سے سجایا جائے اور انہیں اس طرح آراستہ کیا جائے جس طرح اشراف زمانہ دوران سفر آراستگی کا اہتمام کرتے ہیں۔ لیکن ظاہری طور پر ثانی زہرا کے حکم کی تعمیل کی گئی کہ محملوں کو سیاہ پوش کر کے عزاداری شہداء کی تمام علامات کو قائم کیا جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

1۔ حقیقت یہ ہے کہ یزید یونہی رہائی آل رسولؐ پر تیار نہیں ہوا۔ اب وقت آ گیا تھا کہ لوگ اصل واقعات اور ظلم و ستم کا نشانہ بننے والی اولاد رسولؐ کو جانے لگیں۔ اس کی انتہا یہ ہوئی کہ یزید کو خود اپنے گھر میں آمار انقلاب نظر آنے لگے۔ اس کی بیوی ہند بنت عامر نے خواب دیکھا جس کا ذکر مختلف کتب تاریخ میں ملتا ہے، جس سے اس نے یزید کو مجبور کیا کہ اس ظلم کو بند کرے اور آل رسولؐ کو قید سے رہا کرے۔ قطع نظر اس کے کہ اس نے کوئی خواب دیکھا بھی یا نہیں، لیکن اس کی تفصیلات جو مؤرخین نے تحریر کی ہیں، جناب سید قائم رضا نسیم امر وہوی کی تحقیق کے مطابق ”یزید انہیں اپنے دل کی آنکھوں سے عالم بیداری میں دیکھ رہا تھا اور یقیناً اس نے اسی وقت جبکہ حجرہ میں زانو پر سر رکھ کر بیٹھا تھا، معمم ارادہ کر لیا تھا کہ صبح ہونے پر امام زین العابدینؑ اور ان کے اہل حرم کو رہا کر دے گا، چنانچہ اس نے (جاری)

کاروان عزاداران سید الشہداء علیہ السلام اس طرح روانہ ہوا کہ بنی امیہ کے سب ارباب اقتدار و سرداران قبیلہ نے اس کاروان کی مشایعت کی۔ یہ وہ وقت تھا کہ دیکھنے والے اس متحرک کارواں کو چشم ہائے تاسف سے مشاہدہ کر رہے تھے اور کتنا بڑا انقلاب تھا کہ بنی امیہ کے مشایعت کرنے والے اپنی تمام کارکردگیوں پر شرمندہ و منفعل تھے کیونکہ انہیں یاد تھا اور یہ خیال اُن کے ذہنوں و ضمیر پر ضربیں لگا تھا کہ کوئی تو اُن میں سے انہی اسیروں کے ساتھ دشنام طرازی کا مرتکب ہوتا رہا تھا، کوئی اور ان کی مظلومیت و مصائب کا مذاق اڑاتا رہا تھا، وغیرہ وغیرہ۔ (یعنی ہر قسم کا برتاؤ ان مظلوموں کیساتھ روا رکھا گیا تھا)۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) صبح ہوتے ہی امام زین العابدین علیہ السلام کو بلایا اور بغیر کسی تمہید کے بولا:

”علیٰ ابن الحسین! میں آپ کو رہا کرتا ہوں۔ کوئی حاجت ہو تو بیان کیجئے۔“

”یہ سن کر امامؑ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور فرمایا: ”میرے دل میں کسی بات کی تمنائیں۔ البتہ اتنی خواہش ضرور ہے کہ بزرگوں کے تبرکات جو تیری فوج نے کر بلا میں لوٹے تھے، مجھے واپس کر دے۔“

”یزید نے کہا: علیٰ ابن الحسین! اگر آپ شام میں رہنا چاہیں تو یہاں آپ کیلئے انتظام کر دیا جائے اور اگر مدینہ جانا چاہیں تو اس کا بندوبست کیا جائے۔“

”امام زین العابدین علیہ السلام نے جناب ثانی زہرا کے مشورہ سے جواب دیا کہ ہم لوگوں کا مدینہ جانا ہی بہتر ہے۔“ (صحیفہ کاملہ، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ص ۱۳۳)۔

اسی قسم کا ایک واقعہ سید اولاد حیدر فوق بلگرامی نے بھی تحریر فرمایا ہے۔ فوق صاحب لکھتے ہیں:

”علامہ ابواسحاق اسفرائینی سہل شہر دزی کی اسناد سے بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ایک دن یزید ملعون کے سامنے موجود تھے کہ ایک عورت نہایت حسینہ و جمیلہ کی مثل اس کے کبھی نہیں دیکھی تھی اور اس کے کپڑوں کے دامن نیچے لٹکتے تھے، یزید کے پاس آئی اور اس سے پوچھا کہ یہ کس کا سر ہے جو ملک عراق سے تیرے دربار میں لایا گیا ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ یہ سر امام حسین علیہ السلام کا ہے۔ اس عورت نے کہا قسم خدا کی بہت شاق ہے یہ امر اس کے دادا اور اُس کے باپ، ماں اور اس کے اہل پر۔ قسم خدا کی جب میں سو گئی تھی تو میں نے دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھلے ہیں اور وہاں سے پانچ بادشاہ اترے۔ اُن کے ہاتھوں میں آگ کے لو کے تھے اور وہ کہتے تھے کہ خدائے جبار نے حکم کیا ہے کہ اس گھر کو جلا دیں۔ پس یزید اس کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ افسوس ہے تجھ پر کہ تو میرے ملک میں رہتی ہے اور پرورش پاتی ہے اور پھر ایسی بات کہتی ہے۔ میں تجھ کو بری طرح سے قتل کروں گا۔ اس عورت نے کہا کہ کوئی ایسی شرط بھی ہے جس سے مجھ کو پناہ ملے۔ یزید نے کہا ہاں البتہ اس شرط سے میں تیرے قتل سے باز رہ سکتا ہوں کہ تو منبر پر جا کر اور جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام اور ان کی اولاد کو سب دشتم سے یاد کر۔ اُس عورت نے کہا کہ اچھا ایسا ہی کروں گی۔ پس یزید نے سب لوگوں کو جمع کرنے کا حکم (ری)۔“

المختصر کاروان اہل بیت ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف رواں دواں تھا۔ اس طرح یہ قافلہ شام سے دور ہوتے ہوئے اپنے مقصد و منزل کے نزدیک پہنچ رہا تھا۔ آخر یہ کارواں ایک دورا ہے پر پہنچا جہاں سے ایک راستہ کر بلا کی جانب اور دوسرا مدینہ کی جانب جاتا تھا۔ یہاں ثانی زہرا سلام اللہ علیہا سے پوچھا گیا کہ آپ کہاں کا قصد رکھتی ہیں؟ معظمہ نے ارشاد فرمایا کہ پہلے کر بلا کا قصد ہے تاکہ زیارت اربعین سید الشہداء علیہ السلام بجالائیں۔ سردار قافلہ نے اس حکم پر سر تسلیم خم کیا۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

دیا۔ سب لوگ فراہم ہوئے اور وہ عورت منبر پر گئی اور اس نے کہا: ایہا الناس! تم کو معلوم ہے کہ یزید نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں حضرت علی علیہ السلام اور ان کے اہل بیت علیہم السلام کو برا کہوں، حالانکہ وہ ساقی کوثر ہے اور بروز قیامت لوائے حمد اسی کے ہاتھ میں ہوگا اور اس کی اولاد سردارانِ جوانانِ بہشت ہیں۔ آگاہ ہو تم لوگ کہ لعنت ہے خدا کی اور لعنت ہے لعنت کرنے والوں کی یزید پر اور ان پر جنہوں نے اس کی بیعت کی اور قتلِ امام حسین علیہ السلام پر قدم بڑھایا اور صلوات و سلام ہو علی اور اولاد علی علیہم السلام اور شیعانِ علی رضوان اللہ علیہم پر جب سے کہ اللہ نے ان کو پیدا کیا اور جب تک قیامت ہو اور اسی پر میں زندہ ہوں اور اسی پر میں مردوں گی اور اسی کے اوپر انشاء اللہ تعالیٰ میں قیامت کے روز مبعوث ہوں گی۔ یس کر یزید کو بہت غصہ آیا اور اس کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ اسی وقت قتل کی گئی۔ (صحیفہ العابدین، ص ۴۸-۴۹)۔

غرض اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن سب کے سبجا کرنے کے لئے ایک علیحدہ کتاب درکار ہے۔ اس لئے ہم اس موضوع کو یہیں ختم کر کے اسیری آلِ رسول کے بارے میں مزید واقعات پیش کرتے ہیں۔

ہم نے بہت کوشش کی کہ اہل بیت کی اسیری کی مدت کا تعین ہو سکے۔ لیکن اس موضوع پر بڑی کاوش کے باوجود مصدقہ تفصیلات مہیا نہیں آسکیں جس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ واقعہ کر بلا کے بعد کوئی دور ایسا نظر نہیں آتا جب شیعانِ علی کو اس قدر فرصت و اجازت ہوئی ہو کہ وہ مطلوبہ حالات سپرد قلم کر سکیں۔ جناب سید قائم رضا نسیم امر و ہوی نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور نہایت اختصار کے ساتھ گفتگو کی ہے جسے ہم انہی کے الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

”اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ علی ابن الحسین کتنے عرصہ شام میں قید رکھے گئے؟ اس سلسلہ میں مؤرخین نے مختلف اور متضاد باتیں لکھی ہیں۔ بعض نے مدت قید نو ماہ، بعض نے دو ماہ، بعض نے چالیس روز لکھی ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ صرف نو دن قید رہے۔

”اس مسئلہ کی تحقیق کیلئے چند باتوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

1- ”اسیرانِ آلِ رسول شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بعد ۱۱ محرم ۶۱ھ کو کر بلائے معلیٰ سے دمشق کی جانب روانہ ہوئے تھے۔

2- ”۱۴ ربیع الاول ۶۱ھ کو یہ قافلہ دمشق میں پہنچا تھا۔ (جاری)

اربعین سید الشہداء علیہ السلام کی تاریخ

اربعین سید الشہداء علیہ السلام و شہدائے کربلا رضوان اللہ علیہم اجمعین کس دن واقع ہوا، ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب بہت سے اہام و روایات میں چھپ چکا ہے۔ بہت سے حضرات مؤرخین شہادت امام حسین علیہ السلام کے بعد دوسرے اربعین کے معتقد ہیں۔ ایک جماعت کا بیان ہے کہ شہادت امام حسین علیہ السلام کے دوسرے سال اربعین منعقد ہوا جو ہمارے

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

3۔ ”جابر بن عبد اللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ جب میں ۲۰ صفر ۶۲ھ کو کربلائے معلیٰ میں زیارت امام کے لئے پہنچا ہوں تو اسی روز امام زین العابدین علیہ السلام بھی مع اہل حرم کے قید سے چھوٹ کر واپس کر بلا ہوئے تھے۔

”ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ آپ کم و بیش ۲۰ رزی الحجہ کو دمشق سے عراق روانہ ہو گئے ہوں گے اور ربائی کے بعد چار چھ دن دمشق میں بھی ٹھہرے ہوں گے، جیسا کہ کتب مقاتل میں بھی مذکور ہے۔ ۱۳ ربیع الاول سے ۲۰ رزی الحجہ تک ۹ ماہ اور چند دن کی مدت ہوتی ہے۔ اس حساب سے ۹ ماہ زندانی شام میں مقید رہنے کے قرائن زیادہ قوی ہیں اور ہمارے نزدیک یہی درست ہے اور اس کے علاوہ اس سلسلہ کے باقی اقوال خلاف قیاس اور غلط ہیں۔“ (مصحف کاملہ، شیخ غلام علی ایندلسز، لاہور، ص ۱۳۴)۔

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں اسیران آل محمد کی ربائی و روانگی اور مدینہ واپس پہنچنے کے راستہ یا تاریخ کا تعین بہت مشکل ہے۔ مؤرخین اور ناقدین سب کے بیانات مختلف ہیں جس سے قید کے دورانیہ اور واپسی کے راستہ یا تاریخ ربائی کے بارے میں وثوق کے ساتھ کوئی فیصلہ کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ صرف اہم خیال ہی کسی اندازہ تک پہنچنے میں مدد کر سکتا ہے۔ جہاں تک ۱۱ محرم ۶۱ھ کو اسراء کی کوفہ کی طرف روانگی کا تعلق ہے، یہ بات بھی مشکل ہے کیونکہ اس بات پر سب مؤرخین متفق ہیں کہ فوج یزید ملعون کے سرداروں نے ۱۱ محرم کو اپنے مقتولین کو کوفہ کی طرف روانگی سے پہلے دفن کیا تھا۔ اس میں بھی کچھ وقت یا کم از کم ایک دن یقیناً صرف ہو گیا ہوگا۔ اسی طرح کوفہ پہنچنے اور وہاں کی قید کے ایام بھی متعین نہیں ہو سکتے۔ اس بات کا قطعاً کوئی امکان نہیں کہ قافلہ آل رسول کے کوفہ پہنچنے ہی ابن زیاد ملعون نے آئندہ کیلئے ان کے بارے میں یزید سے حکم حاصل کرنے کی کارروائی کی ہوگی۔ پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ یزید ملعون کے احکام کتنے عرصہ بعد موصول ہوئے ہوں گے اور کب یہ قافلہ اندونگیں کوفہ سے دمشق کی طرف روانہ ہوا ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ لشکر یزید کو، جیسا کہ ہم سابقہ صفحات میں لکھ آئے ہیں، راستہ میں کئی قسم کی دشواریاں پیش آئیں جن میں وقت صرف ہوا۔ اس کے علاوہ لشکر کا سفر یوں بھی کافی سست رفتاری سے انجام پاتا ہے۔ لہذا اس بات کا یقین کہ اسیران اہل بیت کتنا عرصہ قید رہے، تقریباً ناممکن ہے۔ دراصل اہل بیت کی قید اس دن سے شروع ہوتی ہے جب حُر نے امام حسین علیہ السلام کے لشکر کا ورود کربلا سے پہلے محاصرہ کیا تھا۔ اس کے بعد کربلا میں قید اور جنگ، کوفہ میں ابن زیاد ملعون کی قید جس کیلئے یزید کا حکم آئندہ کے (جاری)

خیال میں بعید از قیاس ہے۔ بعض لوگ تو سرے سے زیارت اربعین ہی کے منکر نظر آتے ہیں۔¹

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

لائحہ عمل کی خاطر حاصل کیا گیا، اس حکم کے حاصل کرنے والے کتنے عرصہ میں حکم لے کر واپس پہنچے جبکہ صحرا کا سفر ایک مشکل مرحلہ تھا بالخصوص جبکہ ذرائع سفر بھی نہایت ست رفتار تھے۔ یہ سب عرصہ اہل بیت رسول کی قید ہی کا زمانہ ہے جو کسی صورت میں مختصر عرصہ قرار نہیں پاسکتا۔ شہادت امام حسین علیہ السلام ۱۰ محرم ۶۱ھ کو واقع ہوئی۔ ۱۵/۱۶ رجب ۶۲ھ ہماری خدمتِ عالم کی تاریخ وفات ہے۔ قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ خدمتِ مدینہ پہنچنے کے صرف چند ماہ بعد ہی خالقِ حقیقی سے جا ملیں۔ اس اعتبار سے اہل بیت کی اسیری کا زمانہ نو دس ماہ سے کم تصور نہیں کیا جاسکتا جس کی تاریخوں کا تعین ناممکن ہے۔ واللہ عالم بالصواب۔

(حاشیہ صفحہ ۵۱۱) ۱۔ اپنے اس بیان کو آگے بڑھانے سے پہلے ہم ”تاریخ زندگانی امام حسین علیہ السلام“ مؤلفہ عماد الدین حسین اصفہانی عماد زادہ سے اسی موضوع پر اقتباس پیش کرتے ہیں جس سے قارئین کرام کسی حد تک اندازہ لگاسکیں گے۔ حقیقت وہی ہے جس کا ہم گزشتہ صفحات میں کئی جگہ اظہار کر چکے ہیں کہ تاریخ کر بلا چونکہ دشمن کے ہاتھ سے لکھی جانی شروع ہوئی اس لئے یہ تمام شکوک و ابہامات پیدا ہوئے۔ لہذا ہمیں زیادہ تر روایت ہی پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ جناب عماد زادہ اپنی تحقیق کے سلسلہ میں اس طرح رقم طراز ہیں:

باز گشت قافلہ شام بہ کربلا، اربعین

بہ همین جہات جابر بن عبد اللہ انصاری بہ محض آنکہ شنید حسین شہید شدہ، خود را بہ کربلا رسانید و قافلہ آزاد شدگان اسرائیلی ابی عبد اللہ علیہ السلام از شام کہ حرکت بہ مدینہ کردند، بدون تردید از همان راہ شام بہ کوفہ براہ اقصیٰ فاصلہ را طی کردند و گفتند: ما را از طریق کربلا بہ مدینہ باز گردانید. و بدون شک این قافلہ بہ کربلا باز گشتہ اند و سہ روز در کربلا ماندہ و عزاداری کردہ، زیارت خواندہ، و بہ طرف مدینہ از راہ بغداد و اردن ہاشمی حرکت کردہ اند (۱) و در این سفر جابر را سر قبر حسین علیہ السلام دیدہ اند، و بدون تردید اطراف قبر حسین از نی علامت و آثار داشتہ، زیرا زنان شیعہ کوفہ برای عزاداری و زیارت می آمدند. (تہذیب شیخ طوسی؛ لہوف سید ابن طائوس، ص ۱۱۲؛ ریاض الاحزان، ص ۱۵۷؛ مقتل الحسین، ص ۲۴۴).

اینجا بہ یک حساب بر خورد نمودہ باید تحلیل کرد بینیم طول این سفر چگونہ بودہ، و اربعین اول یا دوم بودہ، و اربعین دوم یعنی سال دوم چگونہ بہ کربلا آمدہ اند، و مشکلات تاریخ را اینجا حل کنیم، انشاء اللہ تعالیٰ.

جای تامل نیست کہ بہ اتفاق کلیۃ مؤرخین، روز دہم محترم سال ۶۱ھ ہجری حضرت سید الشہداء علیہ السلام در کربلا شہید شد، و روز ۱۱ اہلبیت اوراہ کوفہ بردند، صبح ۱۲ وارد شہر (جاری)

سید الشہداء علیہ السلام کے اربعین اور آپ کی قبر اطہر کی زیارت کے سلسلہ میں کچھ اور باتیں بھی سامنے آتی ہیں جن میں ایک یہ ہے کہ اگر اس واقعہ کو درست تصور کیا جائے تو کیا یہ ممکن ہے کہ ابن زیاد ملعون اس کو برداشت کر سکتا؟ پھر اگر یہ ممکن تصور نہ کیا جائے تو کیسے مانا جائے کہ اہل بیت عظام کربلا میں وارد ہوئے ہوں گے، اس کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ یا تو ابن زیاد ملعون نے اس بارے میں یزید سے حکم لے لیا ہو یا اسے اس واقعہ کی بالکل خبر ہی نہ ہوئی ہو.....

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

کردند، یک هفته ہم در خرابہ بی سقف و سایان جا دادند و یک هفته ہم در منزلی بردند. اگر همان روز ۱۱ محرم ابن زیاد خیر قتل و فتح خود را بہ یزید گزارش داده باشد، در این مدت بیست روز طول کشیدہ، زیرا ارباب مقاتل موثق می نویسند: روز اول ماه صفر اسرا را بہ سرہای بریدہ از راہ تکریت و موصل بہ شام حرکت دادند، بنا بر این قاصدی کہ از کوفہ بہ شام رفتہ و آمدہ بیست روز طول کشیدہ، و تحقیقاً در این مدت اسرا با سرہای بریدہ در کوفہ بودہ اند.

در "آثار الباقیہ" و در "کامل" بھائی می نویسند: روز اول ماه صفر وارد دمشق شدند، و روز اربعین سرہارا در کربلا بہ ابدان ملحق نمودند، بنا بر این توقف آنها در کوفہ یک هفته بیشتر نبودہ است (کامل بھائی، آثار الباقیہ بیرونی، مصباح کفعمی، ص ۳۶۹؛ تقویم المحسنین فیض، ص ۱۵؛ قمقام، ص ۴۷۳).

راہ کوفہ بہ شام چنانچہ می بینیم دارای ۱۲ منزل بودہ، کہ علی الحساب باید ۲۱ روز بین راہ باشند، ولی خبری هست کہ می فرماید: چھل منزل در راہ بودیم. این منازل بہ نظر نویسندہ از کوفہ بہ شام و از شام تا مدینہ است، و گرنہ بہ هیچ ترتیب نمی توان گفت کہ چھل روز از کوفہ تا شام طول کشیدہ باشد؛ در ہر حال اگر این طور باشد باید اول ماه صفر ۲ روز بین راہ، یک روز ہم پشت دروازہ شام، یک روز ہم در بازار و معابر، و یک هفته ہم در خرابہ بی سقف و سایان شام، یک هفته ہم تحقیقاً در خانہ آزادی برای عزاداری در شام زیستہ اند، مجموعاً می شود یک ماہ، یعنی تا آخر ماہ صفر شام بودہ اند. و روایتی در دست داریم کہ اول ماہ ربیع المولود از شام بہ طرف مدینہ حرکت کردند، در این صورت اربعین اول مسلمان بہ کربلا نرسیدہ اند، زیرا اگر ۱۲ روز ہم در سیر برگشتن باشند، باز ہم ۱۲ ربیع المولود باید کربلا رسیدہ باشند.

اگر بگوئیم اربعین سال دوم بود، آنہم درست نیست، زیرا ما خبر و ماخذی در دست نداریم کہ زینب علیہا السلام بہ کربلا در اربعین دوم آمدہ باشد، در حالی کہ فاصلہ سہ ماہ پس از اربعین دوم در شام رحلت کردہ است یعنی ۱۵ رجب سال ۶۲.

اگر بگوئیم در کربلا ماندہ باشند تا اربعین دوم، آن ہم صحیح نیست، زیرا ۱ در ماہ ربیع (جاری)

علی بذالقیاس ایک اور بحث بھی اس سلسلہ میں قابل ذکر معلوم ہوتی ہے، وہ یہ کہ اس محدود عرصہ یعنی عاشورہ محرم ۶۱ھ کے بعد صرف پچاس دن میں کر بلا سے کوفہ، کوفہ سے شام، شام سے پھر کر بلا کا سفر، علاوہ ازیں کوفہ و شام میں قیامِ اسیری، یہ سب کچھ کیسے ممکن ہوا؟ اس سے یہ گمان غالب آتا ہے کہ اس تمام سفر اور قیام میں یقیناً اس سے زیادہ وقت لگنا چاہئے۔ تاہم اس سلسلہ میں بعض امکانات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کر بلا میں اربعین سید الشہداء علیہ السلام پہلے اربعین ہی میں برپا ہوا، گویا اسیرانِ آلِ رسول کا قافلہ گیارہ محرم کو وارد کوفہ ہوا، پھر کوفہ میں زیادہ سے زیادہ بیس محرم تک قیام، اس کے بعد دس روز کوفہ سے دمشق کے راستہ میں صرف ہوئے ہوں، اسی طرح دس دن دمشق میں قیام اور اس کے بعد دس دن کا دمشق سے کر بلا کا سفر رہا ہو، تو سفر کا یہ طریقہ بھی ملحوظ رکھا جاسکتا ہے۔ تاہم اصل حالات تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

المولود قافلة جوان کشتگان به مدینه باز گشتند.

مسلم است کہ راہی از کوفہ به شام بودہ کہ در یک هفته می رفتہ اند، چنانچہ امروز با اتومبیل ۳۶ ساعت می روند، و بنا بر این آنچه کہ به نظر اینجانب تحقیق و تتبع شدہ این است کہ دو نظر برای ما حاصل می شود:

اول اینکه روز اول ماه صفر از کوفہ به شام حرکت کردند، اگر ۱۲ روز راہ رفتہ باشند، در مراجعت شش روزہ زیر آ آزاد بودہ و راہ بریدہ، اقصر فاصلہ را گرفتہ اند، برگشتند، چنانچہ ابو ریحان بیرونی می نویسد:

فی اليوم الاول من صفر ادخل راس الحسين مدينة دمشق و وضعه يزيد بين يديه و نقر ثاباه بقضيب في يديه ويقول:

من بنی احمد ماکان فعل

لست من عند ان لم انقم

و اگر ہم سہ روز در خرابہ، و سہ روز در خانہ آزادی زیستہ باشند می شود ۱۸ روز، و ۱۸ روز و ۶ روز می شود ۲۴ ماه صفر. و خبر سید ابن طائوس این است کہ بہ جابر در اربعین تلافی کردہ اند، یعنی جابر بن عبداللہ کہ برای زیارت اربعین آمدہ بود چند روز بعد با اودر همان کنار قبر ملاقات کردند، کہ اربعین روز زیارت جابر می شد، و ملاقات با زیارت اربعین جابر بودہ است، نہ درک روز اربعین، یعنی چہلمین روز توقف جابر در کر بلا ملاقات رخ دادہ است!!

دوم آنکہ بگوئیم منظور از اربعین چنانچہ شیخ طوسی رضوان اللہ علیہ در ”تہذیب“ می نویسد: یعنی اربعین دوم (چہل روز دوم شہادت) کہ درست ۲۰ روز کوفہ ماندہ ۱۲ روز بین راہ کوفہ بہ شام، (جاری)

مزار سید الشہداء علیہ السلام پر اہل بیت رسول کا ورود

خلاصہ یہ کہ اربعین سید الشہداء علیہ السلام کا واقعہ بہت سی تاریخی و اسلامی کتب میں ذکر کیا گیا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ ثانی زہر اسلام اللہ علیہا سیران آل رسول کے قافلہ کے ہمراہ سرزمین کربلا پر تشریف لائیں۔ زیارت قبر امام حسین علیہ السلام سے پہلے جابر بن عبد اللہ انصاری سے ملاقات ہوئی۔ جابر اصحاب رسول اکرم میں سے تھے، بہت ضعیف اور نابینا ہو چکے تھے۔ یہ اپنے دو شاگردوں (یا غلاموں) کے ہمراہ جن کے نام عطا و عطیہ بتائے جاتے ہیں، قبر جناب سید الشہداء علیہ السلام کی زیارت کے لئے کربلا آئے۔ زیارت سے پہلے انہوں نے فرات میں غسل کیا، احرام باندھا اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اُن کا ہاتھ پکڑ کر قبر حسین علیہ السلام پر پہنچائیں (مقتل الحسین علیہ السلام)۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

دو روز ہم پشت دروازہ و بازار ہای شام، ۱۴ روز ہم توقف در شام و ۱۲ روز ہم برگشتن از شام تا کربلا، مجموعاً می شود ۵۸ روز، یعنی در اربعین دوم شہادت نہ اربعین سال ۶۲ قافله اسرا بہ کربلا رسیدہ اند، و سہ روز ہم آنجا ماندہ، سہس از بغداد و اردن ہاشمی بہ مدینہ باز گشتہ اند، یا از راہ دوماہ الجندل یا راہ عقبہ و واقعہ، بہ کربلا برگشتہ اند۔ روی این حساب کہ ۲۰ روز ربیع المولود بہ مدینہ باز گشتہ باشند، از اربعین اول دست یک ماہ باز گشت بہ مدینہ ہوہے است۔ و بہ گمان ما صحیح ترین سند ہمین است کہ در اربعین دوم یعنی پس از عاشورا ۸۰ روز بہ کربلا آمدہ و جابر ہم آنجا ہوہے، و از آنجا بہ مدینہ رفتہ اند۔ ترجمہ اقتباس عماد زادہ:

زیارت قبر حسین کے ثواب کے پیش نظر جابر بن عبد اللہ انصاری نے جو نبی یہ سنا کہ حسین شہید ہو گئے، اپنے آپ کو کربلا پہنچایا۔ ادھر اسرائیلی عبد اللہ علیہ السلام کا آزاد شدہ قافلہ جو شام سے مدینہ کی طرف روانہ ہو چکا تھا، بلا خوف و تردید اسی راستہ سے شام سے کوفہ کی طرف چھوٹے راستہ سے فاصلہ طے کرنے کی خاطر کہا کہ ہمیں کربلا کے راستہ سے مدینہ واپس لے چلو۔ لہذا بلا شک و شبہ یہ قافلہ کربلا واپس آ کر تین روز کربلا میں رہا، عزاداری کی، زیارت پڑھی اور پھر بغداد و اردن ہاشمی کے راستہ مدینہ کو روانہ ہوا۔ اسی سفر میں انہوں نے جابر کو قبر امام حسین علیہ السلام پر پایا۔ اس بات کی تردید بھی نہیں ہوتی کہ قبر حسین کی علامت و آثار کو بانس وغیرہ کے پودوں سے قائم رکھا گیا تھا کیونکہ شیعیان کوفہ کی خواتین وہاں عزاداری اور زیارت کیلئے آیا کرتی تھیں۔

یہاں ہمیں ایک اندازہ لگانا پڑے گا۔ ہمیں تجزیہ کر کے دیکھنا چاہئے کہ یہ سفر کتنا طویل تھا اور یہ اربعین پہلا تھا یا دوسرا، نیز یہ کہ دوسرے اربعین کو کس طرح یہ حضرات کربلا آئے۔ ہم یہاں انشاء اللہ تاریخی مشکلات حل کریں گے۔ (جاری)

جابر بن عبد اللہ انصاری سید الشہداء علیہ السلام سے کیسی عقیدت رکھتے تھے، ایک الگ بحث ہے۔ ہم صرف اس قدر عرض کریں گے کہ حسین علیہما السلام انہیں دوست رکھتے تھے اور ان کو چچا کہہ کر بلاتے تھے۔ جابر بھی ان دونوں شہزادوں سے غیر معمولی دلی تعلق رکھتے تھے، چنانچہ انہوں نے مزار سید الشہداء علیہ السلام پر ”حبیبی یا حسین“ کا نعرہ مارا اور غش کھا کر گر پڑے (چہرہ خونین حسین علیہ السلام)۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

اس بات میں قطعاً کسی طرح شک و شبہ کی گنجائش نہیں اور تمام مؤرخین متفق ہیں کہ دس محرم ۶۱ھ کو حضرت سید الشہداء کو کربلا میں شہید ہوئے، ۱۱ محرم کو ان کے اہل بیت کو کوفہ لے جایا گیا، ۱۲ محرم کی صبح کو یہ حضرات شہر کوفہ پہنچے۔ وہاں ایک ہفتہ تک ایسے نوئے پھونے مکان میں مقید رہے جس کی نہ چھت تھی اور نہ ہی اس پر کوئی سائبان تھا۔ ایک ہفتہ ایک مکان میں بھی قید رکھے گئے۔ اگر اسی روز یعنی ۱۱ محرم کو ہی ابن زیاد ملعون نے امام حسین علیہ السلام کے قتل اور اپنی فتح کی خبر یزید ملعون کو بھیج دی ہو تو بیس (۲۰) دن کا وقفہ لازمی ہونا چاہئے کیونکہ بادثوق ارباب مقاتل لکھتے ہیں کہ ماہ صفر کی پہلی تاریخ کو قیدی افراد آل رسول کو سر ہائے بریدہ کے ساتھ تکریت و موصل کے راستہ سے شام کی طرف روانہ کیا گیا۔ اس طرح لازم ہے کہ قاصد کے شام جانے اور اس کی واپسی میں بیس (۲۰) دن کا عرصہ صرف ہوا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ حقیقتاً اس مدت کے دوران اسیران آل محمد سر ہائے شہداء کے ساتھ کوفہ ہی میں رہے۔

”آثار الباقیہ“ اور ”کامل“ بہائی میں لکھا گیا ہے کہ یہ صفر کی پہلی تاریخ کو دمشق میں وارد ہوئے اور اربعین کے دن سر ہائے شہداء کو کربلا میں بدلوں کے ساتھ کجا کیا گیا۔ اس طرح کوفہ میں ان کا قیام ایک ہفتہ سے زیادہ نہیں بنتا۔

جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کوفہ سے شام تک بارہ (۱۲) منازل کا فاصلہ ہے۔ اس حساب سے بارہ دن ہر حالت میں راستہ میں گنا چاہئیں۔ لیکن ایک روایت یہ بھی ہے جس کے مطابق اس راستہ کی چالیس منازل ہیں۔ راقم کا خیال ہے کہ یہ منازل کوفہ سے شام اور شام سے مدینہ تک کی ہیں کیونکہ کسی حساب سے بھی یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ کوفہ سے شام تک پہنچنے میں چالیس دن کا عرصہ لگا ہو۔ بہر حال اگر حساب لگایا جائے تو پھر اول ماہ صفر تک بارہ دن راستہ کے، ایک دن دروازہ شام کے چپھے، ایک دن بازار، ایک دن عبور بازار، ایک ہفتہ شام کے بے چھت و سائبان خرابہ میں، تحقیق کے مطابق ایک ہفتہ شام میں آزادی کے بعد اس مکان میں جہاں عزاداری منعقد ہوئی، اس طرح مجموعی طور پر ایک مہینہ کا عرصہ یعنی ماہ صفر کے آخر تک اہل بیت شام میں رہتے معلوم ہوتے ہیں۔ نیز ہمارے پاس یہ روایت موجود ہے کہ رجب الاول کی پہلی تاریخ کو یہ حضرات شام سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس صورت میں کسی طرح ممکن نہیں کہ اہل بیت رسول اربعین اول کو کربلا پہنچ گئے ہوں کیونکہ اگر واپسی کیلئے بارہ (۱۲) دن کا عرصہ بھی لگایا جائے تب بھی لازم ہے کہ یہ حضرات ۱۲ رجب الاول کو کربلا پہنچے ہوں گے۔

(جاری)

قبر امام حسین علیہ السلام پر جا بڑ کا یہ حال دیکھ کر جو قلع ثانی زہرا کے قلبِ حزین پر گزرا محتاجِ بیان نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس دیگر مخدرات کی کیفیت بھی جو اپنے اعزہ کی لاش ہائے پارہ پارہ اسی سر زمین پر دیکھ چکی تھیں، انہوں نے اُن کو تشنہ لب بھی دیکھا (ہاتی حاشیہ صفحہ سابقہ)

اگر یہ کہا جائے کہ اربعین دوم کو ایسا ہوا تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ ہمارے پاس کوئی روایت یا سند اس بات کی موجود نہیں جس سے اندازہ ہو کہ جناب ثانی زہرا سلام اللہ علیہا دوسرے اربعین کو کربلا میں تشریف لائی ہوں گی بالخصوص جبکہ دوسرے اربعین کے صرف تین ماہ بعد یعنی ۱۵ رجب ۶۲ھ کو محمد و مہ عالم نے شام میں رحلت فرمائی۔

اگر ہم یہ کہیں کہ شہزادی دوسرے اربعین تک کربلا میں رہی ہوں گی تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ ربیع الاول کے مہینہ میں جو اناب مقتولین کا قافلہ مدینہ واپس پہنچ چکا تھا۔

اس طرح یہی صحیح معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ سے شام پہنچنے کے سفر میں ایک ہفتہ صرف ہوا کیونکہ آجکل موٹر گاڑیوں کے ذریعہ یہ سفر چھتیس (۳۶) گھنٹہ میں طے ہوتا ہے۔ ان حالات میں یہی تحقیق صحیح معلوم ہوتی ہے کہ اس سلسلہ میں دو نظریات ہمارے سامنے آتے ہیں:

اول یہ کہ یہ قافلہ کم سفر کو کوفہ سے شام کی طرف روانہ ہوا۔ اگر راستہ میں بارہ (۱۲) دن صرف ہوئے ہوں اور واپسی میں چھ (۶) دن لگے ہوں کیونکہ اس وقت یہ حضرات آزاد تھے اور مختصر راستہ سے تھوڑا فاصلہ طے کیا ہوگا جس سے وطن واپس ہوئے جیسا کہ ابوریحان بیرونی نے لکھا ہے:

”فی اليوم الاول من صفر اُدخل راس الحسين مدينة دمشق و وضعه يزيد بين يديه و نقرنا ياه بقضيب
فی يديه و يقول:

لست من خندق ان لم انظم من بنی احمد ما كان فعل

”میں بنی خندق میں سے نہیں اگر میں احمد کی اولاد سے اس فعل کا جو انہوں نے کیا، انتقام نہ لوں۔“

اور اگر خرابہ شام میں تین دن اور تین دن آزاد رہنے کے بعد عزا داری والے مکان میں رہے ہوں، تو اس طرح اٹھارہ (۱۸) دن نہیں گئے، یعنی اٹھارہ دن اور چھ دن ملا کر چوبیس (۲۴) سفر قرار پائے گی۔ سید ابن طاووس کی روایت یہ ہے کہ یہ حضرات جابر سے اربعین میں ملے، یعنی جابر بن عبد اللہ جو زیارت اربعین کیلئے آئے تھے، ان سے چند روز بعد انہوں نے قبر امام حسین علیہ السلام پر یہی ملاقات کی، یعنی جابر کی زیارت کا دن اربعین ہی کا دن تھا اور زیارت اربعین ہی کے موقع پر ان کی جابر سے ملاقات ہوئی تھی نہ کہ بالکل اربعین کے دن یعنی ان کی ملاقات جابر سے کربلا میں چالیسویں روز ہی ہوئی۔

دوسری صورت کے مطابق ہم تسلیم کریں گے کہ جیسا کہ شیخ طوسی رضوان اللہ علیہ نے ”تہذیب“ میں لکھا ہے: یعنی (جاری)

تھا، روشن و آشکار ہے 1۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

دوسرے اربعین (شہادت کے دوسرے چالیس دن) گویا اہل بیت پورے بیس (۲۰) دن کوفہ میں رہے، بارہ دن کوفہ سے شام کے راستہ میں صرف ہوئے، دو دن دروازہ کے باہر اور بازار شام میں لگے، چودہ (۱۴) دن شام میں قیام کیا، بارہ دن شام سے کربلا تک واپسی کے، تو اس طرح مکمل اٹھارہ (۱۸) دن بنیں گے، یعنی شہادت کے بعد دوسرے اربعین ۱۲ھ کو اسیران آل رسول کا قافلہ کربلا پہنچا۔ پھر یہ حضرات تین دن وہیں رہے، اس کے بعد بغداد اور اردن ہاشمی کے راستہ مدینہ واپس آئے، یادوۃ الجندل یا عقبہ واقعہ کے راستہ کربلا سے واپس ہوئے۔ اس حساب سے ربیع الاول کی بیس تاریخ کو یعنی اربعین اول کے پورے ایک ماہ بعد مدینہ واپس لوٹے۔

ہمارے خیال میں صحیح ترین سند اسی بات کی ملتی ہے کہ دوسرے اربعین کے زمانہ ہی میں یعنی روز عاشورا کے اسی (۸۰) دن بعد یہ کربلا پہنچے، جاہر بھی وہاں موجود تھے اور وہاں سے یہ حضرات عازم مدینہ ہوئے۔ (تاریخ زندگانی امام حسینؑ، ج ۲، ص ۳۱۸ تا ۳۲۱)۔ (حاشیہ صفحہ ۱۸) 1۔ واقعات کو آگے بڑھانے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دیگر مؤرخین و مؤلفین کی اس سلسلہ میں تحقیق کا ذکر بھی کیا جائے تاکہ جاہرؑ کی موجودگی کی واقعیت اور نوعیت واضح ہو سکے۔ علامہ حسن رضا ندیری صاحب نے اہلبیتؑ کے کربلا پہنچنے کے منظر میں جاہرؑ کی موجودگی کا ذکر کیا ہے۔ رہائی اہل بیتؑ اور ان کے کربلا میں ورود کے بارے میں لکھتے ہیں:

”قیدیوں کا قافلہ شام سے مدینہ کی طرف چل دیا۔ اولاد رسولؐ کا مظلوم کارواں جب عراق کے راستہ سے گزرنے لگا تو انہوں نے سپاہیوں سے کہا: ہمیں کربلا کے راستے لے چلو۔

”چنانچہ آل محمدؑ کے ستم رسیدہ افراد کو کربلا کی طرف لے جایا گیا، یہاں تک کہ قافلہ قتل گاہ شہداء تک پہنچ گیا۔ مظلوم سادات نے وہاں جاہر بن عبد اللہ انصاری کو دیکھا جو تنہائی میں قتل گاہ کے گرد گھوم رہے تھے۔

”قتل گاہ کا دردناک منظر دیکھ کر رسولؐ زادیاں اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکیں اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ ہر طرف رونے اور پینے کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ آل رسولؐ کے نوحہ و ماتم کی صداؤں سے صحرائے کربلا لرز اٹھی۔

”سیدہ فاطمہؑ زہراؑ منہ پیٹتی ہوئی ہائے مظلوم بھائی، ہائے رسولؐ خدا کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور ہائے میرے حسینؑ کے بین کرنے لگیں۔ گریہ و ماتم کی شدت سے رسولؐ زادی پر غش طاری ہو گیا۔ اتفاقاً ہوا تو امام زین العابدین علیہ السلام نے چلنے کا حکم دیا۔“

(”نہ نبؑ، نہ نبؑ ہے“، ص ۲۸۴)

اسی سلسلہ میں جناب سید قائم رضا نسیم امر وہوی لکھتے ہیں:

”نعمان بن بشیر جزم کے ساتھ علی بن الحسینؑ اور ان کے اہل حرم کا یہ قافلہ عام راستہ سے ہٹ کر دمشق سے کربلا کی (جاری)

کربلا میں وارثانِ شہداء کے ورود سے واقعاتِ روزِ عاشور زندہ و تازہ ہو گئے۔ مختلف مقامات گزرے ہوئے واقعات کی یادیں تازہ کر رہے تھے۔ خواتین اور بچوں کو یاد آنے لگا کہ خیمہ گاہ اس جگہ تھی، قتل گاہ یہاں تھی، سید الساجدین علیہ السلام کا خیمہ اس جگہ تھا، مقامِ رخصتِ امام یہ تھا، یہاں ظالموں سے تازیانے کھائے تھے، یہ وہ جگہ تھی جہاں خیام میں آتشِ زندگی کے بعد بچے اپنی جانیں بچانے کے لئے اپنے آپ کو چھپاتے تھے، تلہ زینبیہ یہ تھا، وغیرہ وغیرہ۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

طرف چلا اور جلدی جلدی منزلوں کو طے کرتا ہوا صفر المظفر ۱۱ھ کے وسط میں کربلائے معلیٰ میں پہنچ گیا۔ (ہم اس سلسلہ میں گزشتہ طور میں اپنی تحقیق پیش کر چکے ہیں۔ مؤلف کو اس سلسلہ میں اشتباہ ہوا ہے، مترجم)۔

حسینؑ مظلوم اور دوسرے شہیدوں کے مزاراتِ مقدسہ پر پہنچ کر علیؑ بن الحسینؑ اور ان کی ماں بہنوں اور پھوپھیوں کا ماضی کی یاد میں کیا حال ہوا ہوگا اور ان کے دلوں پر کیا قیامت گزر گئی ہوگی، اسے سوائے اُن غم زدوں کے دوسرا محسوس نہیں کر سکتا۔ اربابِ مقاتل نے لکھا ہے کہ سید سجادؑ اپنے پدر بزرگوار کی قبر پر پہنچتے ہی اس قدر روئے کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ یہی کیفیت ثانی زہراؑ و اُمّ کلثومؑ پر گزری اور گریہ و بکا کا اس قدر شور بلند ہوا کہ قریب کے لوگ (مرد اور عورتیں) آوازیں سن کر رو پڑے۔ یہ بنی اسد کے قبیلہ کے لوگ تھے جنہوں نے گزشتہ سال ان لاوارث لاشوں کو رحم کھا کر دفن کیا تھا اور جنہیں امام حسینؑ علیہ السلام نے اپنی حیات میں ماریہ کی زمین خرید کر بہہ کر دی تھی۔ ان لوگوں نے امام زین العابدینؑ علیہ السلام اور آپؑ کے ہمراہیوں کی ضیافت کی اور ان کی عورتوں نے مخدراتِ عصمت و طہارت کی خدمت میں حاضر ہو کر امام مظلومؑ کا پرسہ دیا۔

”علامہ طبری اور دیگر مؤرخین نے لکھا ہے کہ اُس روز رسول اللہؐ کے صحابی جابر بن عبد اللہ انصاری مشہدِ حسینؑ کی زیارت کو مدینہ منورہ سے تشریف لائے تھے اور کربلا میں مقیم تھے۔ جابرؓ پہلے شخص ہیں جنہیں مزارِ امام حسینؑ علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ جابرؓ کو جب معلوم ہوا کہ علیؑ بن الحسینؑ بھی اپنی پھوپھیوں کی طرح دمشق سے واپس آگئے ہیں تو امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زین العابدینؑ علیہ السلام سے لپٹ کر رونے لگے۔ جنابِ نسیبؓ کو جب خبر پہنچی کہ جابر بن عبد اللہ انصاری آئے ہیں تو تانا کا زمانہ یاد آ گیا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ جب تک کربلا میں رہیں، گریہ و زاری بند نہ ہوئی۔ چند روز قیام کے بعد سید سجادؑ اہل حرم کے قافلہ کو لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔“ (صحیفہ کاملہ، مطبوعہ لاہور، ص ۱۳۵)۔

جنابِ عمادِ زادہ اپنی کتاب ”تاریخِ زندگانیِ امام حسینؑ علیہ السلام“ میں لکھتے ہیں:

”خبرِ شہادتِ حسینؑ علیہ السلام را ابن زیاد بہ مدینہ فرستاد، مردم کم و بیش اطلاع داشتند تا

(جاری)

حضرت سجاد علیہ السلام بہ مدینہ رسیدند۔

ان مناظر میں شورِ نالہ و گریہ بلند ہوا، درِ ودل کی انتہا نہ تھی، ہر کوئی کسی گوشہ میں یا کسی قبر پر بیٹھا اشک افشانی میں مصروف تھا، فرق صرف یہ تھا کہ آج سب اطمینان و آرام کے ساتھ محوِ غماں تھے کہ اب طمانچوں اور تازیانوں کا کوئی خوف یا خطرہ نہ تھا۔ سب آزادی سے جی بھر کر مصروف گریہ تھے اور بلا خوف و خطر شہداء کی یاد میں گریاں تھے۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

”حضرت علی بن الحسین السجاد و زین العابدین علیہ السلام با ۸ نفر زنانِ اہلبیت و چند کودک کہ ہمہ از بنی ہاشم بودند بہ کربلا رسیدند، آنجا سر ہارا بہ بدنہا ملحق کردند، و سہ روز از گریہ و نالہ و اشک و آہ آرام نداشتند۔ کنار ہر قبرے می نشستند، آنہا را بلند می کردند؛ طرف دیگر قبر افتادہ، بہ صبحہ و نالہ آغاز مطلع نمودہ، اشک می ریختند و آہ می کشیدند.....“

”سہ روز بدیس منوال گذشت، حضرت سجاد علیہ السلام دید دیگر طاقتِ زنان طاق شدہ، آنہا را تکلیف بہ حرکت نمود۔“ (ج ۲، ص ۳۲۵)۔

”ابن زیاد ملعون نے امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر مدینہ بھیجی۔ لہذا جب سید سجاد علیہ السلام مدینہ پہنچے تو کم و بیش سب لوگوں کو یہ اطلاع مل چکی تھی۔

”حضرت علی بن الحسین زین العابدین علیہ السلام اہل بیت کی اٹھارہ خواتین اور چند ایک بچوں کے ہمراہ، جو سب کے سب بنی ہاشم سے تھے، کربلا پہنچے، وہاں سر ہائے شہداء کو ان کے اجساد کے ساتھ کجا کیا گیا اور تین دن تک کوئی گریہ و نالہ و اشک و آہ کئے بغیر نہ رہ سکا۔ ایک ایک قبر پر بیٹھ جاتے، تعویذِ قبر بلند کرتے اور دوسری قبر کی طرف چلے جاتے۔ ان مقابر پر نالہ و فریاد بلند کرتے، آنسو بہاتے اور آہیں بھرتے.....“

”تین دن اسی کیفیت میں بسر ہوئے۔ جناب سید الساجدین علیہ السلام نے دیکھا کہ ان مخدرات بے کس میں اب مزید طاقتِ گریہ و ماتم باقی نہیں، لہذا آپ نے ان سب کو کربلا سے چلنے کی ہدایت فرمائی۔“

اسی سلسلہ میں ایک اور سوال سامنے ابھرتا ہے کہ اس تمام سلسلہ مصائب و قید و اسیری کے بعد کتنے آدمی اور کون کون کر بلا آ سکے جنہوں نے مندرجہ بالا عزا داری کی طرح ڈالی۔ جناب عماد زادہ اس بارے میں لکھتے ہیں:

”از تتبع تاریخ جنیس برمی آید کہ پس از مراجعتِ عمر بن سعد از کربلا بہ کوفہ و اسارتِ زنانِ اسرائے یاورانِ امام علیہ السلام و اصحاب بہ شفاعتِ خویشاوندان در کوفہ ماندند و از اسارت خارج شدند، ولی زنانِ ہاشمیات و اہل بیت اطہار را بہ اسارت بہ شام بردند“ (ص ۳۳۶، ج ۲)۔

”تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عمر بن سعد ملعون کے کربلا سے کوفہ کی طرف روانگی کے بعد کوفہ پہنچ کر امام حسین (جاری)

ثانی زہرا کی کیفیت

زینب عالیہ سلام اللہ علیہا مرقہ سید الشہداء علیہ السلام پر تشریف لائیں۔ سوزِ قلب اور چشم گریاں کے ساتھ بھائی کی قبرِ مطہر پر روداد سفر بیان فرمائی۔ اپنے زخم ہائے قلب اور دینِ خدا کی پیغام رسانی کی تمام کیفیات و حالات کی وضاحت فرمائی۔ راستہ بھر کے تمام صدمات و آفات و تکالیف، جن کا ابھی تک کسی سے تذکرہ ممکن نہیں ہوا تھا، تمام شقتیں و مظالم جو برداشت کئے تھے اور جن پر ایک لفظ بھی کہنے کی ابھی تک اجازت نہ ملی تھی، تفصیل سے شہید راہِ خدا پر واضح فرمائے۔

سیدہ ثانی زہرا سلام اللہ علیہا نے اپنے برادرِ عالی قدر سے امانتوں کی حفاظت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے کس کس طرح معصوم و یتیم بچوں کی حفاظت کی تھی، مگر افسوس کہ سید الشہداء علیہ السلام کی پیاری صاحبزادی رقیہ (اکثر کتبِ مقاتل میں اس بچی کا نام سکیئہ بنت الحسین تحریر کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب) کو ہمراہ نہ لائیں جن کو وہ بطور امانت دمشق کی خاک کے سپرد کر کے آئی تھیں (منتہی الآمال)۔

ان سب باتوں اور واقعات کے باوجود مخدومہ عالم اپنے افرادِ کارواں کے آرام و سکون کی ذمہ دار بھی ہیں۔ ان کی ذمہ داری میں ان کی دلداری اور انہیں جہاں تک ممکن ہو آرام پہنچانا بھی شامل ہے۔ انہیں گوارا نہیں کہ یہ بچے اپنے حواس کھو بیٹھیں یا غش کر جائیں۔ اپنی ذمہ داری کو محسوس فرماتی ہیں کہ انہیں اپنے اس مصیبت و آفت زدہ کارواں کو جس قدر بھی یہ باقی ہے، صحیح و سالم مدینہ الرسول تک واپس پہنچانا ہے اور یہی مقصدِ حسین علیہ السلام کی کامیابی کی زندہ دلیل ہوگی۔

۳۔ مدینہ میں اہل بیت کا ورود

یہ لٹا ہوا پریشان حال قافلہ کتنے دن کر بلا میں مقیم رہا، تاریخ اس کا تعین نہیں کرتی۔ بعض نے تین روز کی مدت کا تعین کیا

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

علیہ السلام کے انصار ان کی خواتین کو ان کے رشتہ داروں کی سفارشات کی بنا پر کوفہ ہی میں رہنے دیا گیا تھا اور یہ تمام خواتین اسیری سے آزاد ہو گئی تھیں، لیکن ہاشمی خواتین اور اہل بیت اطہار ہی باقی رہ گئے تھے جنہیں قید کر کے شام کی طرف لے جایا گیا تھا۔

یہ بیان باعتبار درایت صحیح معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ کتبِ مقاتل میں بھی کسی مصنف نے انصار ان سید الشہداء علیہ السلام کی، جو کر بلا میں حضرت کی حمایت میں شہادت پر فائز ہوئے تھے، خواتین اور بچوں کا کوفہ کے بعد کہیں تذکرہ نہیں کیا، جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کر بلا کے اسیروں میں کوفہ کے بعد صرف بنی ہاشم ہی کے بچے اور خواتین جناب سید الساجدین علیہ السلام کے ہمراہ دمشق میں قید رہے اور ان میں سے صرف اٹھارہ افراد اور چند بچے ہی کر بلا اور بعین کیلئے پہنچ پائے۔

ہے، بعض نے سات دن کہا ہے۔ جو کچھ ثانی زہرا کا ارشاد ہے وہ یہ ہے کہ مزار سید الشہداء علیہ السلام کو اپنی زندگی کی مستقل منزل بنانا چاہتے تھے اور خواہش رکھتے تھے کہ اور کہیں نہ جائیں۔ لیکن عنوان و پیغام شہادت کو ہمیشہ کے لئے مستقل حیثیت دینا بھی مخدومہ عالم کے فرائض میں شامل تھا۔ لہذا اس مقدس و ستم رسیدہ کارواں نے مدینہ کی راہ اختیار کی۔ بعض روایات کے مطابق اہل بیت رسول کو تمازت آفتاب سے بچانے اور گرمی کی شدت سے محفوظ رکھنے کی خاطر یہ قافلہ رات کو سفر کرتا تھا۔ یہ خطرہ بھی تھا کہ راستہ میں صحرا کے خطرناک طوفانوں سے بچنے کے لئے سالار کارواں نعمان بن بشیر کو، جو رہبر و رئیس کارواں تھا اور جس کو اور کئی قسم کے خطرات کا اندیشہ تھا، یہ حکم تھا کہ غیر معروف راستوں سے سفر کرے۔ بہانہ یہ تھا کہ انہیں جلد از جلد منزل تک پہنچایا جائے۔ البتہ ہم یہ ضرور کہیں گے کہ راستہ بھر افراد کارواں پر بہت مہربان رہا اور طریق و منازل سفر و رفتار حرکت کو مستقلاً افراد کارواں کے اختیار میں رکھا۔

مدینہ کو واپسی

جناب ثانی زہرا سلام اللہ علیہا مدینہ واپس لوٹیں، لیکن اب وہ پوری طرح اپنے پیغام و فرائض کو انجام دے کر آئی تھیں۔ یہ وہ فرائض تھے اور ایسی تبلیغ تھی جسے کسی نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ شہر میں پہنچنے سے پہلے ایک شخص کو بھیجا گیا کہ شہر والوں کو خبر کر دی جائے کہ کاروان آل رسول کوٹ آیا ہے۔ بشیر جزلم شہر میں آیا، سیدہ حمزہ اور رسول اکرم پر پہنچا اور اس طرح گویا ہوا:

يَا أَهْلَ يَثْرَبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ
قِيلَ الْحُسَيْنُ فَأَذْمَعِيَ مِذْرَارًا
وَالْجِسْمُ مِنْهُ بِكَرْبَلَاءَ مُصْرَجٍ
وَالرَّأْسُ مِنْهُ عَلَى الْقَنَاطَةِ يُدَارُ

”اے مدینہ کے لوگو! تمہارے لئے اب کوئی جائے پناہ باقی نہیں۔ امام حسین علیہ السلام مار ڈالے گئے، لہذا بے حد آنسو بہاؤ۔ اُن کا بدن خاک گرم پر پھینک دیا گیا اور اُن کا سر مبارک نوک نیرہ پر بلند کیا گیا“ (چہرہ خونین حسین علیہ السلام)۔ غرض مدینہ ایک عزراخانہ میں بدل گیا۔ سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کی خبر ہر جگہ پہنچ گئی۔ لوگ آنسو بہانے اور نالہ و نغاں میں مصروف ہو گئے۔ آواز گریہ زنان و مردان مدینہ کو جلانے لگی۔ سب لوگ خاندان رسول کے استقبال کیلئے تیار ہو کر دروازہ شہر کی جانب روانہ ہونے لگے۔

اہالیان مدینہ دروازہ شہر پر ثانی زہرا اور سید الساجدین علیہ السلام کے لئے ہوئے قافلہ سے ملاقی ہوئے اور انہوں نے اسیران آل محمد کی زیارت کی جن کے چہرے اترے ہوئے اور ظاہری و باطنی کیفیت ہر طرح پریشان و الم خوردہ تھی۔ پریشانی و

جہاں کا یہ عالم تھا کہ ثانی زہرا کے شوہر ہر طرف دیکھتے تھے لیکن معظّمہ کو پہچان نہ پاتے تھے۔ 1۔

1۔ سید الشہداء علیہ السلام کے پس ماندگان کے مدینہ واپس پہنچنے کے حالات کو مختلف مؤرخین نے اپنے اپنے انداز میں تحریر کیا ہے، تاہم ان تمام کیفیات کو درایت انسانی کو قبول کئے بغیر کوئی چار نہیں۔ اہل بیت رسولؐ پر جو مصائب گزرے، ان کا تصور ہی اپنے اندر غم و اندوہ کی ایک دنیا سمیٹے ہوئے ہے۔ ان تمام بیانات میں زیادہ تر ذکر سید الساجدین علیہ السلام تک محدود رکھا گیا ہے لیکن چونکہ یہ تمام حالات و واقعات جملہ پسماندگان سید الشہداء علیہ السلام پر گزرے ہیں اس لئے ان کو صرف امام زین العابدین علیہ السلام تک ہی محدود نہیں رکھا جاسکتا ہے۔ اس لئے ہم ان تمام حالات میں خصوصیت کے ساتھ ثانی زہرا کو شریک جانتے ہیں کیونکہ کربلا کے پورے المیہ میں آپؑ ہر طرح شریک ہیں اور ان تمام ذمہ داریوں کو جو امام مظلوم علیہ السلام نے بطور اولی الامر آپؑ کے سپرد کیا تھا، آپؑ نے سر دیا اسراء کی حیثیت میں رہتے ہوئے ایسا پورا کیا کہ ہر ذی شعور انسان نہ صرف سید الساجدین علیہ السلام بلکہ سید الشہداء تک کے ساتھ آپؑ کو برابر کا شریک تسلیم کرے گا۔ لہذا ہم چند ایک واقعہ نگار حضرات کے تاثرات نہایت اختصار کے ساتھ ہدیہ قارئین کرتے ہیں جس سے ثابت ہو جائے گا کہ ”نہب“ کسی بے بس و بے کس و مجبور خاتون کا نام ہی نہیں بلکہ ”نہب“ اس کردار کا نام ہے جس کی وجہ سے شہادت عظیم زندہ ہے، مگر توحید و شہادت سید المرسلینؐ زندہ ہے، اسلام زندہ ہے اور یہ سب کچھ اس وقت تک زندہ رہے گا جب تک ہماری اس خدمتِ عالم کا ذکر زندہ ہے۔

جناب سید اولاد حیدر فوق بلگرامی لکھتے ہیں:

”رہائی کے بعد سات روز تک اہل بیت علیہم السلام نے شہر دمشق میں اور قیام کیا۔ اس کے بعد یزید ملعون نے ان حضرات کو مدینہ کی طرف روانہ کیا اور نعمان بن بشیر انصاری کو پانچ سو سواروں کے ساتھ راہداری کی غرض سے ہمراہ کر دیا۔ المختصر یہ حضرات شہر دمشق سے روانہ ہو کر کربلا میں داخل ہوئے اور قبر امام حسین علیہ السلام سے وداع ہوتے ہوئے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے..... (مدینہ میں داخلہ اور حضرت محمد حنفیہ سے ملاقات کے بعد) جس وقت محمد راسو علیا کی نظر روضہ مقدسہ نبویؐ پر پڑی تو ایک قیامت مچ گئی..... جناب ام کلثومؑ نے اپنے نانا کے روضہ پر فی البدیہہ اشعار پڑھے جن کا ترجمہ اس طرح ہے:

”اے ہمارے جد کے مدینہ! تو ہمارے آنے کو قبول نہ کر کہ ہم حسرتوں اور مصیبتوں کے ساتھ تیرے پاس آئے ہیں۔ ہم جب تجھ سے نکلے تھے تو ہمارے ساتھ سب اہل و عیال موجود تھے۔ اب ہم جب واپس آئے ہیں..... تو ناامید و مایوس ہیں..... ہم ضائع ہو گئے اور کوئی ہمارا کفیل و مددگار نہیں ہے۔ ہم نوحہ کرتے اور روتے ہیں۔ ہم وہ ہیں جو در بدر اونٹوں پر پھرائے گئے اور ان اونٹوں پر سوار کئے گئے جو بڑے اور بے سامان تھے۔ ہم دخترانِ یسین و طہ ہیں..... ہم وہ لوگ ہیں جو بلاؤں پر صبر کرتے ہیں اور ہم وہ ہیں جو روتے ہیں ان لوگوں کو جو پیشوا تھے۔ آگاہ ہوا ہے جد بزرگوار! کہ لوگوں نے حسینؑ کو قتل کر ڈالا..... ہماری ہتک حرمت کی اور ننگے اونٹوں پر سوار (جاری)

عزاداری سید الشہداء علیہ السلام

سید الشہداء علیہ السلام کی عزاداری اس طرح شروع ہوئی گویا پورامدینہ عز خانہ بن گیا۔ پورے شہر مدینہ میں عزاداری و سوگواری کے مرثی و عنوانات پھیلنے لگے اور مدینہ کی تمام آبادی شب و روز مختلف انداز میں رسوم عزاداری ادا کرنے لگی۔ مختلف لوگوں کے ہجوم، مختلف خاندانوں کے افراد مرد و زن تعزیت کے لئے خاندان رسالت میں حاضر ہونے لگے۔ ثانی زہرا کیلئے دو صورتیں تھیں۔ ایک تو مجالس عزاداری میں شرکت، اس طرح کہ آپ خود عزاداری کرنے والی ہوتیں اور پورا خاندان رسالت آپ کے شریک کار ہوتا، جو سب مجلس عزاء منعقد کرنے والے ہوتے۔ دوسری صورت یہ ہوتی کہ حادثات و واقعات خود ثانی زہرا بیان فرماتیں اور خاندان رسول اکرم کے مرد و خواتین سننے والے ہوتے۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

کر کے ہمیں در بدر پھرایا۔ زینب کو انہوں نے بے پردہ کیا اور فاطمہ کا کوئی معین نہ تھا۔ سیکڑ شدت گرمی سے شکایت کرتی تھی..... زین العابدین کو قید کیا اور اس کے قتل کا ارادہ کیا..... ہائے ہمیں شہر پھرایا۔ تمام خلقت کے سامنے ہم کو رسوا کیا۔ یہ ہے ہمارے واقعہ کی تشریح۔ پس اے مسلمانو! ہمارے واقعہ پر بکا کرو۔ (مقتل ابی اسحاق، ص ۱۹۶) (صحیفۃ العابدین، مؤلفہ سید اولاد حیدر فوق بلگرامی، ص ۵۸-۶۰)۔

اس سلسلہ میں مؤرخین نے تھوڑا بہت اختلاف کیا ہے جس کی وجہ جیسا کہ پہلے ہم عرض کر چکے، واقعات کو بلا لکھنے کی ابتداء دشمن کے دلائل نگاروں نے کی، تاہم تفصیلات ملتی جلتی ہیں اس لئے ہم چند ایک مصنفوں کے بیانات پر اس سلسلہ میں اکتفا کریں گے۔ علامہ حسن رضا غدیری صاحب لکھتے ہیں:

”مظلوموں کا قافلہ مدینہ کے قریب پہنچ گیا اور شہر کے آثار نظر آنے شروع ہو گئے تو امام زین العابدین علیہ السلام نے بشیر بن جذلم کو حکم دیا کہ جلدی جلدی جا کر مدینہ والوں کو نواسہ رسول کی شہادت کی اطلاع دو۔

”بشیر بن جذلم امام کا حکم ملتے ہی جلدی سے شہر میں داخل ہو گیا اور مسجد نبوی کے سامنے پہنچا تو اس کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو نکل آئے اور وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگا اور روتے ہوئے بلند آواز سے اس نے کہا:

”اے مدینہ والو! اب تم اس شہر میں رہنے کے قابل نہیں رہے ہو۔ تمہاری عزت خاک مل گئی ہے، نواسہ رسول حسین بن علی کو بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا ہے اور صحرائے کربلا پر ان کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے بے گور و کفن چھوڑ دیا گیا ہے اور ان کا سر اقدس نوک نیزہ پر سوار کر کے ہر طرف پھرایا گیا ہے۔

”بشیر کے دردناک بیان کو سن کر مدینہ کے لوگوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ مدینہ میں صف ماتم بچھ گئی اور ہر طرف (جاری)

ثانی زہرا حوادثِ کربلا تفصیل کے ساتھ بیان فرماتیں۔ آپ بیان فرماتیں کہ آپ پر اور آپ کے خاندان پر کہاں کہاں کیا گزر گیا، سید الشہداء علیہ السلام اور آپ کے فرزندوں و بھائیوں پر کیا گزری۔ اہل بیت رسولؐ کو کس طرح اسیر کیا گیا اور اسیری کے دوران کیسے کیسے مسائل و حادثات کا سامنا تھا، وغیرہ۔ درحقیقت ثانی زہرا انقلابِ حسینی کی زندہ تاریخ کی حیثیت رکھتی تھیں، خود واقعات بیان فرماتیں اور سننے والے ان تمام واقعات کو اپنے قلوب میں محفوظ کر کے اوراقِ تاریخ کی زینت بناتے۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

نوحہ و ماتم کی صدائیں آنا شروع ہو گئیں۔ سب لوگ آل رسولؐ کے استقبال کیلئے نکل پڑے۔ شہر میں غم و الم کی ہولناک کیفیت چھا گئی۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے آل رسولؐ کا جنازہ اٹھ رہا ہے۔ سب لوگ اشکبار، غم زدہ اور ماتم کناں تھے، روتی ہوئی آنکھوں اور دھڑکتے ہوئے دلوں کے ساتھ امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونا شروع ہو گئے۔ لوگوں کا جھوم اتا تھا کہ امامؑ کا ہر ایک سے گفتگو کرنا دشوار ہو گیا۔ ہر شخص کی خواہش تھی کہ نواسہ رسولؐ کو پرسہ دے اور اپنے احساسِ غم کا اظہار کرے۔

”بالآخر لوگوں کے اظہارِ محبت و اخلاص کو دیکھ کر امامؑ اپنے آنسوؤں پر قابو نہ پاسکے۔ امامؑ کو روتا دیکھ کر ہر طرف نالہ و شیون کی صدائیں گونج اٹھیں۔ سب لوگ منہ پینے اور ماتم کرنے لگے۔ امامؑ نے انہیں صبر و تحمل کی تاکید فرمائی اور خاموش رہنے پر زور دیا۔ جب سب لوگ خاموش ہو گئے تو امامؑ نے استقبال کے لئے آنے والوں سے خطاب فرمایا اور بنی امیہ کے ظلم و ستم اور بربریت کا تمام حال بیان کیا اور آل محمدؐ کی دکھ بھری داستان سنائی۔

”اولادِ رسولؐ کی مظلومیت کی کہانی سن کر لوگ دھوازیں مار مار کر رونے لگے۔

”اس کے بعد کاروانِ آل محمدؐ شہر میں داخل ہو گیا۔ رسولؐ اللہ کے حرمِ مطہر کے آٹار نظروں کے سامنے آئے تو حضرت اُم کلثومؓ نے یہ نوحہ پڑھنا شروع کیا: ”اے ہمارے نانا کے شہر مدینہ! اب ہم یہاں آنے کے قابل نہیں رہے۔ ہم غموں اور حسرتوں سے بھرے ہوئے دلوں کے ساتھ آئے ہیں۔ ہم جب گئے تھے تو بھرا گھر ساتھ تھا اور اب واپس آئے ہیں تو نہ تو ہمارے مرد واپس آئے ہیں اور نہ ہی ہمارے بچے.....“

”روتے روتے سیدہ ثانی زہرا مسجد کے دروازے سے لپٹ گئیں اور چیخیں مار مار کر کہنے لگیں: ”نانا، میرا بھائی مارا گیا، نانا، میرا حسینؑ شہید کر دیا گیا۔“ (زینبؓ، زینبؓ ہے، ص ۲۸۶-۲۸۷)

جناب قائم رضائیم امر و ہوی مدینہ میں امام زین العابدین علیہ السلام اور آل رسولؐ کی واپسی پر لکھتے ہیں:

”جب علی بن الحسینؑ کا قافلہ کربلائے معلیٰ سے چل کر مدینہ کے نواح میں پہنچا تو امام زین العابدینؑ نے شہر کے باہر قیام کیا اور بشیر بن جہلم کو حکم دیا کہ اے بشیر! خدا تمہارے والد مرحوم کی مغفرت کرے، وہ بڑے اچھے شاعر تھے اور میں نے سنا ہے کہ تم بھی (جاری)

جناب زینب سلام اللہ علیہا کے شوہر حضرت عبداللہ ابن جعفر ایک عزا دار کی حیثیت سے مجالس عزا میں موجود ہوتے بلکہ خود اپنے گھر میں بھی عزائے حسینؑ میں گریہ کناں رہتے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان کے صاحبزادے عونؑ و محمدؑ معیت سید الشہداء علیہ السلام میں شہید ہوئے تھے، لیکن وہ مجالس عزاء امام حسین علیہ السلام کے لئے برپا کرتے، اپنے فرزندوں کیلئے نہیں۔ شاید انہیں اپنے صاحبزادوں کا خیال بھی آتا ہو، مگر ثانی زہراؑ کیلئے یہ ممکن نہ تھا..... 1۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

اچھے شعر کہتے ہو۔ مدینہ میں جاؤ اور مرثیہ امام مظلوم کے چند اشعار کہہ کر اہل شہر کو ہماری واپسی سے آگاہ کر دو۔ شیخ مفید ارشاد میں لکھتے ہیں کہ بشیر گھوڑے پر سوار ہو کر شہر میں آئے اور مسجد رسولؐ میں جا کر بہ آواز بلند کہا:

”اے مدینہ والو! علی بن الحسینؑ اپنی پھوپھیوں، بہنوں اور باقی اہل بیتؑ کے ساتھ واپس آ گئے ہیں اور آپؐ نے شہر کے باہر قیام فرمایا ہے اور میں انہی کے ارشاد کے مطابق تمہارے پاس آیا ہوں۔“ (صحیفہ کاملہ، ص ۱۳۵، ۱۳۶)

مدینہ میں داخلہ آل رسولؐ کے سلسلہ میں یہی مؤلف لکھتے ہیں:

”تاریخ انجیس اور مقاتل التواریخ میں ہے کہ جب یہ قافلہ تمام ہموطنوں کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوا تو سب کے آگے جناب سید سجاد ایک سیاہ علم لئے ہوئے تھے اور آپؐ کے عقب میں جناب ام کلثومؑ یہ نوحہ پڑھتی جاتی تھیں:

”اے ہمارے نانا کے مدینے! ہمیں قبول نہ کر۔ ہم بڑے دکھ درد لے کر آئے ہیں۔“

”طبری اور دیگر مؤرخین کا بیان ہے کہ جب یہ قافلہ شہر میں داخل ہوا تو حضرت عقیل بن ابی طالبؑ کی صاحبزادی (مسلم بن عقیل کی بہن) اشعار پڑھ رہی تھیں جن کا ترجمہ یہ ہے:

”تم جو اپنے کو خیر الامم کہتے ہو، کیا جواب دو گے رسولؐ کو جب وہ سوال کریں گے کہ تم نے میرے بعد میری اولاد میں سے بعض کو قیدی بنایا اور بعض کو خون میں نہلا دیا“ (صحیفہ کاملہ، ص ۱۳۷)۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) 1۔ اہل بیت رسولؐ کے مدینہ میں ورود کے سلسلہ میں جناب عماد زادہ، مؤلف کتاب ”تاریخ زندگانی امام حسینؑ“ لکھتے ہیں:

”چوں حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا وارد شہر شد، مستقیمآرو بطرف آرامگاہ جدش بہ مسجد رفتند، آنجا دودست بہ بازوان بگرفت و در مقابل جدش باگردن کج و اشک ریزان دل سوزان گرفت: یا جداه النی ناعیہ الیک اخی الحسن و صحبہ زد. پس ازاو سکنہ عرض کرد: یا جداه الیک المشعکیٰ مهاجرئ الننا فاللہ ما رایت القسیٰ من یزد ولا رایت کافراً ولا مشرکاً شراً منه ولا اجفی (جاری)

بنیاد انقلاب

واقعاتِ کربلا کے بیان، سید الشہداء علیہ السلام اور ان کے اصحاب اطہار کی خبرِ شہادت پہنچانے میں ثانی زہر اسلام اللہ علیہا نے بنی امیہ کے اقتدار کے خلاف عواملِ انقلاب کا مآثر فراہم کر دیئے۔ لوگ پوچھتے تھے کہ اس طرح کی طاقت و قوت کے ساتھ یہ لوگ ہرگز برداشت نہیں کئے جاسکتے تھے، نہ ہی یہ (بنی امیہ) دین کی نمائندگی کرنے کے قابل ہیں۔

ثانی زہر آنے واقعاتِ کربلا کے بیان سے لوگوں میں بنی امیہ کی حکومت کے خلاف جذبات کو بیدار کر دیا اور یہی ان کا اصل ہدف تھا کہ بنی امیہ کے ظالمانہ نظامِ حکومت سے لوگوں کو نجات حاصل ہو۔ آپؐ چاہتی تھیں کہ استبداد کی بساطِ ناحق کو لوگوں کے درمیان سے پلٹ دیا جائے اور اسلام کے جھوٹے داعیوں کو رسوا کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی خونِ امام حسین علیہ السلام کے انتقام کا مسئلہ تھا جو اللہ تعالیٰ کو لینا تھا، جس کا تعلق روزِ محشر سے تھا (زیارتِ وارث میں آتا ہے ”السلام علیک یا ثار اللہ وابن ثارہ والوتر الموتور“ یعنی ”میرا سلام ہو تجھ پر جس کا انتقام اللہ کو لینا ہے اور اس کا فرزند ہے جس کے خون کا انتقام بھی اللہ ہی کو لینا ہے اور ابھی تک یہ انتقام نہیں لیا گیا“۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

واخلط للقد کان یفرع نغرابی بمعصرته وهو یقول: کیف دامت العُرب یا حسین۔ ہمہ بنی ہاشم و خاندانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ حالِ گریہ و زاری بازنانِ اصحاب و زنانِ قریش اطرافِ قبرِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم را گرفتند، و از قساوتِ قلبِ یزید و مصیبتی کہ بر آنها وارد آورده سخن گفتند و اشعار و مرثیہ سرودند (ج ۲، ص ۳۳۲)۔

”جب حضرت ثانی زہر اسلام اللہ علیہا شہرِ مدینہ میں وارد ہوئیں تو سیدھی اپنے جدِ بزرگوار کی آخری آرامگاہ مسجدِ نبویؐ میں تشریف لے گئیں۔ وہاں دونوں ہاتھوں سے دروازہ کو پکڑ لیا اور گردن جھکا کر آنسو بہاتے ہوئے چلتے ہوئے دل کے ساتھ عرض کیا: اے نانا! میں آپؐ کو اپنے بھائی حسینؑ کی موت کی خبر سناتی ہوں۔ اے نانا جان! جو کچھ ہم پر گزری، اس کی آپؐ کے حضور شکایت کرتی ہوں۔ اللہ کی قسم! میں نے یزید سے زیادہ شقی اور اس سے بُرا کافر و مشرک اور اس سے بڑھ کر جفا کار اور سخت گیر نہیں دیکھا۔ وہ میرے بابا کے دانتوں پر چوٹ لگا رہا تھا اور کہتا تھا: اے حسینؑ! تو نے میری ضرب کو کیسا پایا؟“ اور گریہ کرتے ہوئے چیخ ماری۔

تمام بنی ہاشم اور خاندانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گریہ و زاری کرتے ہوئے اصحابِ رسولؐ اور قریش کی خواتین کے ہمراہ قبرِ رسولِ اکرمؐ کو پکڑ لیا اور یزید ملعون کی سنگدلی اور مصیبتِ جوان پر وارد ہوئی تھی، کے بارے میں عین کئے اور اشعار و مرثیہ جات کہے۔

لہذا ثانی زہراؑ نے شہدائے کربلا کی خاموشی کی ہوئی فریادوں کو لوگوں کے کانوں تک پہنچا کر دم لیا، آپؑ نے اہل بیتؑ رسولؐ کی رسوائی کے تمام حالات جو دشمنانِ دین نے پیدا کئے تھے، طشت از با م کر دیئے۔ یہ سب کچھ آپؑ نے ایسے اسلوب کے ساتھ انجام دیا کہ دشمنانِ آلِ رسولؐ بالکل رسوا ہو جائیں اور عوام الناس کو بھی پتہ چل جائے کہ ان مسائل کے پس پشت کیا واقعات و حقائق کار فرما تھے۔

پس نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں میں بیداری پیدا ہوئی اور دشمنانِ اہل بیتؑ کے جرائم و ظلم و خیانتیں بے نقاب ہو گئیں۔ لہذا "یہ اماراتِ احسینؑ" (اے حسینؑ کے خون کے دعویٰ دارو) کے نعرے مدینہ میں گونجنے لگے۔ نہ صرف یہ بلکہ مدینہ، کوفہ اور دیگر مقاماتِ اسلامیہ پر بھی ان نعروں کی صدائے بازگشت گونج دینے لگی۔

حکومتِ وقت کا احساسِ خوف

سید الشہداء علیہ السلام جامِ شہادت سے سیراب ہوئے لیکن غیر معمولی قابلیت و اہلیت کے مبلغ اپنی جگہ دنیا کو دے گئے جن میں ہر ایک فصاحت و بلاغت کے درجہ کمال پر تھا۔ مردوں میں سید الساجدین علیہ السلام تھے جو اپنی باتوں سے طوفانِ عظیم برپا کر سکتے تھے جبکہ خواتین میں امام حسینؑ علیہ السلام کی صاحبزادیاں سیکندہ وفا طمہ تھیں اور ان سب کی راس و رئیس خود ثانی زہراؑ جنابِ زینبؑ کبریٰ تھیں۔

ان تمام حضرات کی موجودگی میں مدینہ شورش و طوفان کیلئے آمادہ ہو گیا۔ والی مدینہ عمرو بن سعید اس کیفیت سے بہت خوفزدہ ہوا۔ اُس نے ایک خط کے ذریعہ یزید ملعون کو مطلع کیا اور اس سے حکم طلب کیا۔ اُس نے لکھا: "سیدہ ثانی زہراؑ کا وجود مدینہ والوں کے احساسات کو ہيجان میں لانے اور بے چین کرنے کا سبب ہے۔ وہ ایک فصیح و عقل مند خاتون ہیں۔ اُن کے ساتھیوں نے اور خود انہوں نے خونِ حسینؑ کا انتقام لینے کا مصمم ارادہ کر رکھا ہے۔ لہذا ہمیں کیا کرنا چاہئے؟"

یزید ملعون نے جواب میں لکھا:

"ان لوگوں سے میل جول قطع کر دے" (ہڑو ہشی) (تحقیق) از زندگانی امام حسینؑ (ص ۴۰۱)۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ واقعہ کی ایک اور اساس پیدا ہو گئی اور ایک نئی صورتِ حال سامنے آئی جس کے نتیجے میں ہمارے ان محترم مسافروں کیلئے ایک اور دور دراز سفر کی راہ کھل گئی جس میں ثانی زہراؑ کو ایک بار پھر شریک ہونا پڑا۔

1۔ اس سلسلہ میں ہم جنابِ م۔ صادق کی کتاب "زننب، زننب ہے" مترجمہ جناب مولانا حسن رضا غدیری صاحب سے اقتباس پیش کرتے ہیں جس سے کیفیتِ اہل بیتؑ رسولؐ کی مزید وضاحت ہوتی ہے:

(جاری)

۴. ثانی زہرا کے سفروں کی تفصیل اور ایک اور سفر

ثانی زہرا کو زندگی میں بہت سفر کرنا پڑے۔ ہر سفر میں مقصد و ہدف سفر ہمیشہ آپ کے پیش نظر رہا۔ معظمہؑ کا کوئی سفر شوق و سیر و تفریح کے لئے نہ تھا۔ ان سفروں کی مختصر تفصیل اس طرح ہے:

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

”یزید ملعون کو ثانی زہرا کا مدینہ میں قیام ناگوار بلکہ خطرناک لگا۔ چنانچہ اس شقی نے حضرت زینبؑ کو دالی مدینہ کے ذریعہ کہلاوا بھیجا کہ آپ مدینہ چھوڑ کر کسی اور شہر میں چلی جائیں، اور آپ جہاں جانا چاہیں، ہم وہاں آپ کے قیام کا مکمل بندوبست کر دیں گے۔“

”ثانی زہرا یزید ملعون کا پیغام سن کر غصہ میں آگئیں اور جواب دیا:

”ہم اپنے گھریاں لٹنے اور رسولؐ زادوں کے قتل کا غم دل میں لئے ہوئے ہیں اور اس بات سے حاکم وقت اچھی طرح آگاہ ہے کہ اُس نے کس طرح آلِ محمدؐ کو ستایا اور رسولؐ زادیوں کے گلوں میں رسیاں ڈال کر اُن کے ساتھ جانوروں سے زیادہ برا سلوک کیا۔ ہم اب تک ہر قسم کے مظالم برداشت کرتے آئے ہیں، لیکن خدا کی قسم! اب ہم اپنے نانا کے شہر مدینہ سے کبھی نہ نکلیں گے خواہ ہمارے خون کی ندیاں بہا دی جائیں۔“

”سیدہ زینبؑ کے اس جرأت مندانہ جواب کے باوجود یزید ملعون کی طرف سے پیغام پر پیغام آنے شروع ہو گئے۔ بنی ہاشم کی مستورات جو پہلے ہی خوفزدہ تھیں اور حاکم وقت کے مظالم کا شکار ہو چکی تھیں، انہوں نے مدینہ چھوڑ دینا ہی مناسب سمجھا۔ چنانچہ زینب بنت عقیل بن ابی طالبؑ نے سیدہ زینبؑ سے کہا: بہن! خدا کا وعدہ سچا ہے اور اُس نے آلِ محمدؐ کو ساری زمین کا وارث بنایا ہے۔ ہم جہاں بھی جائیں، وہیں ہمارا گھر ہے۔ خدا ان خالموں اور ستم گردوں کو سزا دے گا۔ بہتر ہے کہ ہم کسی امن کے شہر میں چلے جائیں۔“

”بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ خاندانِ رسولؐ مصر چلا گیا اور بعض نے لکھا ہے کہ شام چلے گئے۔“ (السیدہ زینبؑ، مؤلفہ بنت

الشاطی، ص ۱۵۳) (زینبؑ، زینبؑ ہے، ص ۲۹۱-۲۹۲)۔

مدینہ سے ثانی زہراؑ کے تشریف لے جانے سے پہلے ہمیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم رواگئی سے قبل کے مخدومہؑ عالم کے حالات و کیفیت مزاج و مصروفیات کا ذکر کریں۔ لہذا اس مقصد کے لئے ہم ایک بار پھر ”زینبؑ، زینبؑ ہے“ کا حوالہ پیش کرتے ہیں جس سے ثانی زہراؑ کے غم کا کسی قدر اندازہ ہو سکے گا اگرچہ مخدومہؑ کی اصلی کیفیت کا تصور بھی عام ذہن کے لئے قطعاً ناممکن ہے۔ مؤلفہ کتاب رقم طراز ہیں:

”وطن پہنچ کر ثانی زہراؑ کو سکون نصیب نہ ہوا۔ دن رات کا بیشتر حصہ امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس بیٹھ کر مظلوم کر بلا کی

یاد میں روتے ہوئے گزارتی تھیں، کبھی عباس کے کئے ہوئے بازو یاد آتے تو کبھی علی اکبرؑ کے سینہ میں پیوست برجھی کا کھل۔ (جاری)

۱۔ کوفہ کا سفر

یہ سفر اُس زمانہ میں واقع ہوا جب آپ کے پدر بزرگوار حضرت علی علیہ السلام خلافتِ ظاہری پر فائز ہوئے اور اس شہر کو حضرت نے اپنا دار الحکومت قرار دیا۔ معظمہ اپنے شوہرِ نامدار اور صاحبزادوں کے ہمراہ کوفہ کو روانہ ہوئیں اور وہاں قیام فرمایا۔

۲۔ کوفہ سے مدینہ کا سفر

امام حسن علیہ السلام کی صلح کے بعد گمان غالب ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کا پورا خاندان مدینہ واپس آ گیا۔ سیدہ ثانی (باقی حاشیہ سابقہ) کبھی قاسم کی لاش پر گھوڑے دوڑتے ہوئے آنکھوں کے سامنے مجسم ہو جاتے تو کبھی علی اصغر کا تبسم یاد آ جاتا۔

”کبھی عوں کی جوانی کا تصور دل میں موجزن ہو جاتا تو کبھی محمد کا ابھرتا شباب!

”کبھی مسلم بن عقیل کا دارالامارہ کی چھت سے گرنا آنکھوں کے سامنے آ جاتا، تو کبھی طفلانِ مسلم کی ننھی ننھی لاشیں دریائی

طوفانی موجوں میں بہتی نظر آتیں۔ کبھی مسلم بن عوجہ یاد آتے تو کبھی حبیب ابن مظاہر!

”کبھی حسینؑ کا گھوڑے سے گرنا یاد آتا تو کبھی ذوالجناح کا خالی واپس آنا! کبھی خیموں میں آگ لگتی یاد آتی تو کبھی صحرائے کر بلا پر

بکھری ہوئی لاشوں کا دردناک منظر!

”کبھی سیکڑے کے دُراتر تے یاد آتے تو کبھی سجادؑ کو تازیانے لگتے!

”کبھی رسولِ زادیوں کی چادریں چھنٹی یاد آتیں تو کبھی ہاتھوں میں جھنڈیاں اور پاؤں میں بیڑیاں لگتی!

”کبھی سہے ہوئے قییموں کی فریادیں سنائی دیتیں تو کبھی سیدانوں کی درد بھری آہیں!

”کبھی شام کے بازاروں میں تماشائیوں کا ہجوم یاد آتا تو کبھی دمشق کی چراغانی اور لوگوں کے جشن و سرور کے آوازے۔

کبھی ابنِ زیاد ملعون کے دربار میں پیش ہونا یاد آتا، کبھی یزید ملعون کے ایوانِ سلطنت میں کئی گھنٹے کھڑے رہنا، کبھی زندان کی

جنگ و تار یک فضا یاد آتی تو کبھی خرابہ شام کی ٹوٹی ہوئی دیواریں! اور بالآخر کبھی مدینہ یاد آتا اور کبھی اپنا آباد گھرانا!

یہ سب غمِ دالم اور مصیبت و درد کے وہ حالات تھے جو علیؑ کی صاحبزادی کے دل کو کباب کر دیتے تھے اور جن کا تصور کرتے کرتے

ثانیؑ ہر ایک بے جان ڈھانچے کی طرح ہو گئیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے رسولِ زادی کے بدن میں روح ہی نہیں۔

زینبؑ عالیہ نے اپنے گھر یعنی عبداللہ ابنِ جعفر کے گھر کو عزرا خانہ بنالیا اور ہمیشہ گریہ و بکا میں مشغول رہیں، آپ کے ساتھ

دوسری بیبیاں بھی سیاہ لباس پہن کر شب و روز نوحہ و ماتم میں مصروف رہتی تھیں، سید الساجدین امام زین العابدین علیہ السلام بچوں کیلئے

کھانا تیار کرتے اور مستورات کو تسلیاں دیتے تھے۔

امام جعفر صادق سے روایت کی گئی ہے کہ دس محرم ۶۱ھ سے لے کر پانچ سال تک اہل بیت کے گھر میں نہ کسی بی بی (جاری)

زہراؑ بھی مدینہ تشریف لے آئیں۔

۳۔ مدینہ سے عراق کا سفر

یہ سفر معظمہؑ نے امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ اختیار کیا، چند ماہ مکہ میں قیام فرمایا، اُس کے بعد عراق کو روانہ ہوئیں اور کر بلا جا کر رکیں۔

۴۔ کر بلا سے کوفہ اور پھر وہاں سے شام کا سفر

یہ سفر بحالت اسیری تھا جس میں ثانی زہرا حضرت زینب سلام اللہ علیہا رئیس کارواں نظر آتی ہیں۔

۵۔ شام سے مدینہ کا سفر

یہ سفر اسیری کے اختتام و آزادی اور یزید ملعون کی پشیمانی (اگرچہ یہ پشیمانی محض دکھاوا تھی) کے بعد وقوع پذیر ہوا۔

۶۔ مدینہ سے شام یا مصر کا سفر

یہ سفر ثانی زہرا کی وفات، آپ کے دفن اور راحتِ اخروی سے عبارت ہے۔

مدینہ کو واپسی کے بعد

ہم بیان کر چکے ہیں کہ معظمہؑ شام سے (کر بلا ہوتی ہوئی) مدینہ واپس تشریف لائیں۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ اپنی عمر کا باقی حصہ اپنے جدِ بزرگوار کی قبر مبارک کے پہلو میں گزار دیں گی اور اپنے موجودہ حالات کے ساتھ یا دِ خدا میں مصروف رہیں گی۔ فطری امر ہے ثانی زہراؑ نے اپنے مقصدِ حیات کو ہرگز فراموش نہ کرنا تھا، نہ ہی آپ کیلئے اپنے شہداء کے خونِ ناحق کو اپنے ذہن سے محو کرنا ممکن تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ ثانی زہرا کا ہدف زندگی اب بنی امیہ کے مظالم کو بے نقاب کرنا تھا، آپ کو کر بلا کے خونِ ناحق سے متعلق تمام حقائق کی وضاحت کرنا تھی، تفصیل سے بتلانا تھا کہ خانوادہ علی علیہ السلام پر کیا کچھ گزر گیا اور سقیفہ بنی ساعدہ کی سیاست کا نتیجہ آخر کیا نکلا! انہیں لوگوں کو سمجھانا تھا کہ اختیارِ اقتدارِ اسلامی پر کیسے کیسے کمینہ و اوباش و عیاش حکمران قبضہ جما چکے (باقی حاشیہ صفحہ سابقہ)

نے آنکھ میں سرمہ لگایا اور نہ ہی سر میں تیل ڈالا، نہ ہی مہندی لگائی اور نہ ہی مسکرائیں، یہاں تک کہ جب مختارؑ نے ابنِ زیاد ملعون کا سر آلِ رسولؐ کے دل کی تسلی کیلئے مدینہ بھیجا تو اہل بیتؑ کے گھر میں دشمنِ خدا اور رسولؐ کی ہلاکت کی پہلی خوشی ہوئی“ (ص ۲۸۸ تا ۲۹۰)۔

تھے۔ آپ کی یہی حقیقت گوئی اور اظہار حق اس بات کا سبب بن گیا کہ آپ کو حالات سے دور رکھا جائے۔

مدینہ کا عامل آپ کے وجود کو اس شہر میں خطرہ کا سب سے بڑا سبب جانتا تھا۔ لہذا اس نے یزید ملعون کو لکھا کہ ثانی زہرا کی مدینہ میں موجودگی لوگوں کے احساسات و جذبات کو برا بھونچنے کرنے اور انقلاب لانے کا باعث ہے اور ان کا مدینہ میں قیام مصلحت کے خلاف ہے۔ لہذا یزید ملعون نے حکم دیا کہ ثانی زہرا کے لوگوں سے رابطہ اور تعلق کو منقطع رکھا جائے۔ لیکن مدینہ کے عامل نے دیکھا کہ موجودہ حالات میں ایسا کرنا ممکن نہیں۔

اس سب کچھ کے باوجود ثانی زہرا کو کہا گیا کہ مدینہ کو چھوڑ دیں۔ لیکن معظمہ نے فرمایا کہ وہ ہرگز مدینہ سے باہر نہ جائیں گی، خواہ خون ہی کیوں نہ بہہ جائے۔ تاہم بنی ہاشم کے کچھ خیر خواہوں نے ملاقات کر کے انہیں مدینہ چھوڑ دینے پر رضامند کر ہی لیا۔

(بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ ثانی زہرا اپنے پیغام کے پہنچانے اور واقعات کربلا سے متعلق اپنے فرائض کے پیش نظر مدینہ چھوڑنے پر آمادہ ہو گئیں۔ اس سلسلہ میں مؤرخین کے بیانات بہت زیادہ اختلافات و تضادات کے حامل ہیں، اس سلسلہ میں مختلف اسناد پیش کی گئی ہیں جن کیلئے تاریخ طبری، الکامل، منتخب التواریخ اور کتب مقاتل کی طرف رجوع فرمائیں)۔

ثانی زہرا کی شام کو واپسی

کئی مؤرخین نے لکھا ہے کہ ثانی زہرا دوبارہ شام کی طرف تشریف لے گئیں۔ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ اس بارے میں مختلف نظریات پیش کئے گئے ہیں جن میں اہم ترین وجوہات کی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا ہے:

۱۔ یزید ملعون کے سامنے نئی اسیری کی شکل میں آپ کی موجودگی، یا اس کی خواہش کہ آپ اس کی نظروں کے سامنے زندگی بسر کریں اور وہ مدینہ میں آپ کی موجودگی کے اثرات سے محفوظ رہے (بعض کتب مقاتل)۔

ب۔ مدینہ میں قحط سالی جس کے زیر اثر حضرت عبداللہ ابن جعفر نے ارادہ کیا کہ ثانی زہرا پہلے ہی بہت زیادہ غم و اندوہ و مصیبت کے ایام دیکھ چکی ہیں، لہذا انہیں قحط کی صعوبات سے دور رکھنا بہتر ہوگا۔

ہماری نظر میں یہ سب بالکل بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے کیونکہ ہمارے خیال میں زینبؓ عالیہ کی شان اس بات سے بہت زیادہ بلند ہے کہ نانا کی اُمت کو قحط کا نشانہ بننے کیلئے چھوڑ کر اپنی جان کو قحط سے محفوظ کر لیں (منتخب التواریخ)۔

ہمارے اس خیال کی مؤید ایک اور وجہ بھی ہے کہ شام کی طرف جانا آپ کے ان مصائب و ظلم و ستم و تلخی ہائے روزگار کو

زندہ کرنا تھا جو وہاں آپؐ کو پیش آئے تھے، لہذا ممکن نہ تھا کہ آپؐ ایک بار پھر یزید ملعون اور اہل بیانِ شام کا سامنا کریں۔
ج۔ ایک اور وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ شام کے علاقہ میں کچھ باغات و اراضی حضرت عبداللہ ابن جعفر کی ملکیت تھے۔ لہذا انہوں نے معظمہؓ کو مدینہ کے غم زدہ و ستم آلودہ ماحول سے دور کرنے کی خاطر اور تبدیلیِ آب و ہوا کے پیش نظر یہ سفر اختیار کیا ہو۔
چنانچہ ثانی زہراؓ وہاں تشریف لے جا کر سکونت پذیر ہوئیں لیکن تھوڑی مدت کے بعد ہی راہی ملکِ عدم ہوئیں اور وہی جگہ آپؐ کا دفن قرار پائی جہاں آپؐ اب مجواستراحت ہیں۔ وہیں آپؐ کا حزارِ مبارک ہے۔ یہ مقام عمدہ آب و ہوا رکھتا ہے اور شہر دمشق سے کافی فاصلہ پر ہے۔

جو لوگ ثانی زہراؓ اسلام اللہ علیہا کی شام میں رحلت کے قائل ہیں اور وہیں آپؐ کا دفن قرار دیتے ہیں، وہ غالباً اس کی یہ توجیہ پیش کرتے ہیں کہ آپؐ کو دوبارہ شام لے جایا گیا اور وہ معظمہؓ تھوڑے عرصہ بعد شام ہی کے دوردراز علاقہ میں دُنیا سے رخصت ہوئیں۔

ثانی زہراؓ کا مصر کی جانب سفر

اس سلسلہ میں مستند ترین دلیل ممکن ہے اس بات کو قرار دیا گیا ہو کہ زینبؓ عالیہ اپنے بہت سے طرفداروں کے ہمراہ مصر تشریف لے گئیں (یا اس طرح مدینہ سے بعید مقام پر پہنچائی گئیں) جہاں انہوں نے اپنے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کا اہتمام فرمایا۔ مصر کا حاکم بڑی جمعیت کے ساتھ آپؐ کے استقبال کو اپنے مستقر سے باہر آیا اور آپؐ کے ساتھ عقیدت و مہربانی سے پیش آیا۔

ثانی زہراؓ نے اسی مقام کو تبلیغ و اشاعتِ دین کا مرکز قرار دیا، وہیں سے حقائقِ کربلا کی اشاعت فرمائی، لوگوں کو حکومت کے ظلم و استبداد کے خلاف بیدار کیا اور آخر کار اسی جگہ یعنی قاہرہ میں وفات پا کر اپنی آخری آرام گاہ کو پہنچیں (زینبؓ بطلة کربلا)۔
خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے خیال میں ثانی زہراؓ مدینہ سے نکل کر کسی ایک جگہ مستقل قیام نہ کر پائیں، ایک شہر سے دوسرے شہر تشریف لے گئیں، مختلف مقامات پر در بدری سے دو چار ہوئیں اور ہر جگہ واقعہ کربلا کی تبلیغ و اشاعت فرمائی۔ لیکن معظمہؓ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہیں اور اسی ہجرت کے دوران اس دنیا سے عالم جاودانی کو سدھار گئیں (زینبؓ اخت الحسین، ص ۴۵)۔



۱۔ عوام الناس میں بیداری و شعور

ثانی زہرا نے جس طرز و روش کو اختیار کیا تھا، اس نے بنی امیہ کو اس قابل نہ چھوڑا کہ اپنے فاسد مقاصد میں کامیاب ہو سکیں یا معظمہ عالم کی تبلیغات کا جواب دے سکیں۔ آپ کی گفتگو اور مباحث نے لوگوں کی آنکھیں کھول دیں، ان کے شعور و عقول کو جھنجھوڑا لا اور انہیں اس قدر بیدار کیا کہ بنی امیہ کے ظالم حکمرانوں میں یہ سکت ہی باقی نہ رہنے دی کہ اپنے ظلم و جور پر جمع ہو پائیں اور اپنی آرزوؤں کو عملی جامہ پہنا سکیں۔

زمینِ عالیہ کے طریق کار، خطابت، گفتگو، تنقید اور حکومت پر اعتراضات نے بنی امیہ کی فاسد حکمرانی کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ لوگوں پر بالکل واضح ہو گیا کہ یزید ملعون کون ہے اور اس کے بزرگ کس نسل و خاندان سے ہیں۔ عوام الناس جس قدر بھی ان سے حسن ظن رکھتے تھے اس کے بدلہ میں انہیں یقین ہونے لگا کہ یہ لوگ دین سے خارج ہو چکے ہیں۔ شرم کے لوگوں پر خصوصیت سے یہ بات واضح و روشن ہو گئی کہ یہ معظمہ، خواتین قافلہ اور بچے جو طوق و زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں، کس نسل و خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہی وہ آگہی تھی جس کی بدولت کونے کونے سے بنی امیہ کے خلاف لوگ آمادہ بہ مخالفت ہونے لگے اور ہر طرف سے ان کے مظالم کے خلاف آوازیں اٹھنے لگیں۔

ثانی زہرا کے پیغام کی گونج

ہم عرض کر چکے ہیں کہ ثانی زہرا سلام اللہ علیہا شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بعد سے ہی ان کی شہادت کے پیغام اور آپ کے خونِ ناحق کی صدائے بازگشت کو اپنے لئے فرض قرار دے چکی تھیں۔ چنانچہ ان مخدومہ نے اپنے اللہ سے عہد کر لیا تھا کہ اعلیٰ کلمۃ الحق، خونِ ناحق کی قدر و قیمت اور اس کے تقدس کی خاطر کسی چیز کو عزیز نہیں رکھیں گی۔ ان کی جان ہو یا مال، عزت ہو یا آبروئے خداداد، گھر و خاندان ہو یا ان کی حیات، اور حق یہ ہے کہ اس راہ میں کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کو معظمہ نے اپنے ان فرائض سے عزیز تر جانا ہو۔

کر بلا کے میدانِ کارزار میں دو منظم گروہ، جن کی حیثیت کسی طرح آپس میں برابر نہ تھی، ایک دوسرے کے مقابل آئے تھے۔ ایک جماعت وہ جس کی تعداد تیس ہزار افراد بلکہ بعض مؤرخین کے نزدیک یہ تعداد ایک لاکھ افراد سے بھی متجاوز تھی۔ (اس

تعداد کے بارے میں شاعر مشرق علامہ اقبال رموز بے خودی میں لکھتے ہیں:

دشمنانِ چوں ریگ صحرا لاتعد دوستان او بہ یزداں ہم عدد

یہ لوگ ہر قسم کے سلاح جنگ سے مسلح تھے اور انہیں اپنے دفاع کیلئے ہر قسم کے لوازمات آب و غذا و خیاں وغیرہ وافر مقدار میں حاصل تھے، یہاں تک کہ جو لوگ سلاح جنگ نہ رکھتے تھے وہ بھی اور کچھ نہیں تو وحشیوں کی طرح پتھروں سے اپنی جھولیوں بھرے ہوئے تھے اور لشکر سید الشہداء علیہ السلام پر سنگ باری کرتے تھے۔

دوسری جماعت وہ تھی جس کی تعداد بہتر (۷۲) سے لے کر ایک سو دس (۱۱۰) افراد تک بیان کی گئی ہے جن میں کم سن بچے، نوجوان اور ضعیف لوگ بھی شامل تھے۔ ان کو کسی طرح کے وسائل جنگ و اسلحہ حاصل نہ تھے، ان کی زبانیں تشنگی سے خشک اور ان کے شکم بھوک کے باعث غذا سے خالی تھے۔ اُن کی نظریں بار بار خیاں کی طرف اٹھتی تھیں جہاں خواتین و بچے اسی حالت میں پریشان حال تھے اور بچوں کی شدتِ پیاس ان افراد کیلئے اور زیادہ آزر دگی و پریشانی پیدا کر رہی تھی۔

فطری بات ہے کہ اس قدر شدید جنگ میں چھوٹی و قلیل جماعت کو ایک دن ہی میں اپنے اختتام کو پہنچنا تھا اور ممکن تھا کہ تمام واقعہ فراموشی و نسیان کی نظر ہو جاتا، لیکن ثانی زہرا کا کمال کردار تھا جس نے اس طویل و خوفناک جنگ کو نہ ذہنوں سے نکلنے دیا اور نہ ہی اس تمام ستیزہ کاری کو طاقِ نسیان کی نظر ہونے دیا۔ آپ نے اس جنگ کی روئیداد و وقائع کو، جو ذہنوں سے مٹ جانے کے قریب تھیں، اپنی سنی و لازوال شخصیت کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ فاسے بچا لیا بلکہ اس عظیم واقعہ کو ایسا دوام بخشا کہ زمین کر بلا پر جس پیغامِ حریت و استقامت نے جنم لیا تھا، وہ عوامِ الناس کے کانوں اور ذہنوں تک پہنچ کر رہا۔ مخدومؒ عالم کا یہ اقدام سبب بنا کہ ہر شخص پوچھنے اور سوچنے پر مجبور ہوا کہ آخر روئے زمین پر یہ کتنا بڑا ظلم ہوا اور کتنا سنگین حادثہ گزر گیا! ۱

اسراِ ظلم کی بے نقابی

عراق و شامات پر معاویہ کی چالیس سالہ حکومت، استبداد اس حقیقت کا سبب بن چکی تھی کہ خاندانِ بنی امیہ کے فسق و فجور و مظالم اور سنگریاں چھپتے چھپتے لوگوں کے ذہنوں سے مٹ ہو کر پردہِ نسیان میں گم ہو چکی تھیں۔ لوگ یہ بھی نہ جانتے تھے کہ ۱ شاعر مشرق رموز بے خودی میں لکھتے ہیں:

مقصدا و حفظِ آئین است و بس

ملتِ خوابیدہ را بیدار کرد

یعنی آن اجمال را تفصیل بود

تبغ بھر عزتِ دین است و بس

خونِ او تفسیرِ این اسرار کرد

سرِ ابراہیم و اسماعیل بود

حکمران طبقہ کس حسب و نسب و نسل سے تعلق رکھتا ہے اور ان کی رغبت و دینی کا معیار کیا رہ گیا ہے؟ یہ لوگ سالہا سال سے لوگوں کے سامنے جھوٹ بولتے آرہے تھے، مدتوں سے ان کے ہاتھوں ہونے والی قتل و غارتگری چھپائی جاتی رہی تھی، کئی سال دہشت گردی میں گزر چکے تھے۔ (معاویہ کہتا تھا کہ اللہ نے اپنے لشکر کو شہد میں پنہاں رکھا ہے، اس سے اُن کا اشارہ شہد کے ذریعہ لوگوں کو زہر سے ہلاک کرنے کی طرف تھا جنہیں وہ زہر آلود شہد بطور تحفہ بھیجا کرتا تھا)۔ لیکن اس کے باوجود حکمران نماز جماعت کی امامت بھی کرتے تھے اور نماز جمعہ بھی پڑھاتے تھے۔

یہ ثانی زہرائی کی ہستی تھی کہ ان سنگین حالات میں آپ نے ابن زیاد ملعون کا بطور فاسق و فاجر تعارف کروایا، یزید ملعون کا تعارف کروادیا کہ وہ جگر خوارہ ہندہ کے خاندان سے تھا، بلکہ اس کا پوتا تھا، اور لوگوں کو یقین دلایا کہ حکام کا اختیار نہ صرف عدل سے عاری ہے بلکہ انسانیت کے بنیادی و ابتدائی اصولوں سے بھی دور ہے۔ ان کی بھیبت کا یہ عالم ہے کہ زخم خوردہ بچوں کے سامنے ان کے پدر بزرگوار کے کٹے ہوئے سر کو چھڑی سے مارتا ہے۔

مارٹن (ایک کتاب سے ماخوذ جس کے ترجمہ کا نام ”سیاست الحسینیہ“ رکھا گیا) نامی ایک جرمن مؤرخ کے بقول حادثہ کربلا کے بعد بنی امیہ کے رموز بے نقاب ہونے لگے، اُن کی بدکاریاں آشکار ہونے لگیں، اُن کے خلاف خروج اور ان کی بد اعمالیوں کی باتیں شروع ہوئیں۔ زینبؓ عالیہ نے چند مقامات پر اپنی تقاریر و خطابات میں بنی امیہ کے تمام چالیس سالہ دور کے نقوش کو نقش بر آب کی طرح مٹا کر رکھ دیا، اُن کے جنشوں کو سوگواروں میں بدل دیا اور واقعہ کربلا کو لوگوں میں بنی امیہ کی سیاہ کاریوں کا فطری و عادی نتیجہ قرار دیا۔

عوام الناس کی حیرت و دہشت

کوفہ اور بالخصوص شام میں جو کچھ ہوا، ثانی زہرائی کی جانب سے جو جو مظالم بنی امیہ آشکار ہوئے، جس قدر ان کے کرداروں کی صراحت ہوئی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ بقول مؤرخین لوگ دریائے حیرت میں غوطہ زن ہو گئے۔ لوگ مسلسل آنسو بہاتے تھے اور حیرت سے اپنی انگلیاں دانتوں میں چباتے تھے۔ دشمنوں نے سالہا سال سے جھوٹ بولا تھا، علیؑ اور خاندان علیؑ کا اس طرح تعارف کروایا تھا کہ یہ لوگ قرآن و اسلام و مقدسات اسلام سے بہت دور تھے۔ حد یہ ہے کہ قاضی شریعہ جیسے شخص نے خروج امام حسین علیہ السلام کے لئے آپ کے جد کے دین کے خلاف ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔

اب یہی لوگ دیکھ رہے تھے کہ ثانی زہرائی اپنے خطبات میں رسول پاکؐ کا اپنے جد امجد کے طور پر تعارف کروا رہی ہیں،

دورانِ خطاب آپؐ کے دہن مبارک سے آیاتِ قرآن کی بارش ہو رہی ہے، آپؐ قیامت و معاد، راہِ و رسمِ حکمرانی، عدالت و حق طلبی جیسے عنوانات پر تقریریں فرما رہی ہیں اور ساتھ ہی ظالموں پر نفرین بھی کرتی جاتی ہیں..... لوگ سمجھ رہے ہیں کہ جو کچھ وہ دیکھ رہے ہیں اس کے بالکل برعکس ہے جو انہوں نے سُن رکھا ہے۔ اسی لئے لوگ مرقعہٴ حیرت و استعجاب تھے۔ ان کا تاسف و غم خصوصیت کے ساتھ اس بات پر تھا کہ انہی غلط سنی ہوئی باتوں کے نتیجہ میں انہوں نے خاندانِ رسالتؐ کی بے حرمتی اور ان پر سنگباری کا ارتکاب کیا ہے۔ اب وہ لوگ یہ سوچنے پر مجبور تھے کہ اپنے ان مظالم کا کیا علاج کریں۔

عمومی پشیمانیاں

لوگ اپنے اعمال سے پریشان تھے اور مار ڈالنے والی حسرت و پشیمانی ان کو دامن گیر تھی۔ مشہور عرب ادیب جاحظ لکھتا ہے کہ کوفہ میں عورتوں کے نالہ و فریاد کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے سر و سینہ کو پیٹتی تھیں اور صدائے بلند کے ساتھ اس طرح گریہ کناں تھیں جس طرح ایک فرزندِ مردہ کے لئے گریہ کیا جاتا ہے (البیان والتبيين)۔ مختصر یہ کہ ان کے ضمیر نے ان پر عذابِ روحانی کو مسلط کر دیا۔ یہ ایسا عذاب تھا جو لوگوں کو قاتل بنا دیا کرتا ہے۔ بعض لوگ اپنی اس اندرونی روحانی اذیت کے باعث اپنے ہاتھوں کو اپنے ہی دانتوں سے کاٹتے تھے۔ یہ کیفیت شام میں کوفہ سے بڑھ کر تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شام والے خاندانِ امیر المؤمنین علیہ السلام کو پہچانتے ہی نہ تھے بلکہ ان میں سے اکثر تو یہ سمجھتے تھے کہ بنی اُمیہ کے سوا جنابِ رسول اکرمؐ کا اور کوئی خاندان یا رشتہ دار ہے ہی نہیں۔

ثانی زہرانے اپنے پیغام کے ابلاغ کے ذریعہ ایک آتشِ جاودانی عوامِ الناس کے ذہن و قلوب میں بھڑکا دی، ایسی آگ جس کو ان کے دلوں اور ضمیروں میں واقعہٴ کربلا کی یاد کو سالہا سال تک مستحضر باقی رکھنا تھا۔ کوفہ و شام کے لوگوں کی ذریتِ رسولؐ کے بارے میں بیداری اسیرانِ آلِ رسولؐ کی حیثیت ہی سے کافی تھی اور یہی وجہ تھی کہ ابنِ زیاد ملعون حتیٰ کہ خود یزید ملعون بھی ان کو زیادہ عرصہ اپنی حفاظت و نگہداشت میں رکھنے کو قرینِ مصلحت نہ جانتا تھا۔

بیداریِ عوامِ الناس

ثانی زہر اسلام اللہ علیہا کے اختیار کردہ طریق کار سے شہیدانِ اہل بیتؑ کی روئیداد اور ان کے پسماندگان کی فریاد و غمِ عوام کے کانوں تک پہنچی جس نے سب لوگوں کو خوابِ غفلت و جہالت سے بیدار کیا۔ سب سننے والوں کو اپنی غفلت کا احساس ہوا اور وہ تلافیِ مافات کیلئے تیار ہونے لگے۔ یکے بعد دیگرے صدائے احتجاج بلند ہونے لگیں، حتیٰ کہ بعض لوگوں نے اپنے آپ کو

حرمِ موسیٰ کی سزا کے قابل جان لیا، اپنی ناشکری و لاپرواہی کو محسوس کرتے ہوئے اپنے آپ کو آیہ مبارکہ:

”فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ“ (بقرہ: 54)

کا مصداق جاننے لگے۔

المختصر عوام کی خوشی و سرور فتحِ عزاداری میں تبدیل ہو گئی۔ شام اور کوفہ میں ہر طرف ”وَاحْسِينَا“ کے نعرے بلند ہونے لگے۔ لوگ اپنے بدترین عمل کو جو مہمان کشی کا عمل تھا، سمجھنے لگے، جواب ان کے دامنوں پر سیاہ ترین اور تاریک ترین و شرمناک دھبوں کی صورت میں نمایاں ہو رہا تھا۔

وہ سب لوگ تو دنیا سے بے نیل و مرام رخصت ہوئے لیکن حسین و زینب علیہم السلام اور ان کے ہمراہی فدا کار شہداء ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دنیا میں باقی و زندہ ہیں۔ اُن کے فضائل و توصیف کرہٴ ارض پر ہر طرف نشر ہونے لگے، ہو رہے ہیں اور رہتی دنیا تک ہوتے رہیں گے۔ ان کے پرچم ہر مقام پر لہرا رہے ہیں۔ کلمہ طیبہ یعنی ”كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ. تُؤْتِي أُكْلَهَا كُلَّ حِينٍ“ (ابراہیم: 24، 25) کے معنی اس کے سوا اور کیا ہیں!

۲۔ دشمنانِ آلِ رسولؐ کی تکفیر اور اُن سے نفرت

سید الشہداء علیہ السلام کے قتل اور آپؐ کے خاندان کو اسیر کرنے میں دشمن نے ایسی تندہی و تیزی اور ارادہ کی پختگی کا مظاہرہ کیا گویا ایسا کرنا ایک غبار و بخار کی طرح اس کے ذہن پر سوار تھا۔ لیکن یہ بخار جس قدر تیزی سے چڑھا تھا اسی تیزی سے اس نے تمام بدکرداروں کو عرقِ آلود کر کے رکھ دیا، بالکل جس طرح تیز بخار کے اُترتے وقت انسان کا جسم پسینہ سے شرابور ہو جایا کرتا ہے۔ حکمرانوں نے شدید قسم کی سرعت کے ساتھ اپنے ارادوں کو لوگوں پر مسلط کر کے انہیں امام حسین علیہ السلام کے خلاف لڑنے کیلئے روانہ کیا تھا، اُن کی تمام تر کوشش یہ ہوئی کہ اسی سرعت کے ساتھ میدانِ جنگ میں وارد ہو کر حضرتؑ کو جلد شہید کر کے فارغ ہوں کہ میدان سے واپس بھاگ سکیں۔

کاش اس سلسلہ میں انہوں نے کسی صاحبِ عقل و ادراک شخص کے ساتھ مشورہ کر لیا ہوتا۔ ان ظالموں نے ہرگز ایسا نہ کیا اور اپنی غلٹ میں کربلا کے میدان میں فرزندِ رسولؐ خدا کے بالقابل صف آراء ہو گئے! کاش پھر بھی یہ ظالم عاشورہ محرم کے دن امام حسینؑ کی نصیحت پر کان دھرتے، جب آپؑ نے فرمایا تھا:

”اے لوگو! میرے ساتھ جنگ کرنے میں جلدی نہ کرو، ایسے عمل کو اختیار نہ کرو جو بعد میں تمہارے لئے غم و درد و پشیمانی

کا باعث بن جائے۔“ لیکن ”فاجمعوا امرکم و شروا نکم“ (یعنی اپنے کام اور شرکاء کو اکٹھا کرلو) کے مصداق ان لوگوں نے غلبت سے سب اقدام کیا اور اسی طرح بہت جلد پشیمانی کا شکار ہوئے۔

طولی تاریخ میں لڑائیوں اور جنگوں کے حالات نظروں سے گزرتے رہتے ہیں لیکن کوئی ایسا واقعہ ہماری نظر سے نہیں گزرا جہاں روزِ عاشورہ محرم کی کارکردگی کی طرح کوئی دشمن اتنی جلدی اپنے عمل پر پشیمانی کا شکار ہوا ہو یا اپنے انجام دادہ عمل پر اس نے اتنی جلدی آنسو بہائے ہوں، یا اسے اپنے عمل کے نتیجہ میں اس قدر جلد احساسِ ناکامی ہوا ہو۔ عصرِ روزِ عاشورہ خود عمر بن سعد ملعون رونے لگا، اگلے ہی روز خولی ملعون نے جب ابنِ زیاد ملعون کے سامنے سید الشہداء علیہ السلام کا سرِ مبارک پیش کیا تو اپنے دینی نقصان کا اظہار کیا جس کے نتیجہ میں ابنِ زیاد ملعون نے اسے انعام و اکرام سے محروم کر دیا، بلکہ اپنی طرف سے اُس کے ساتھ ذلت و بے عزتی سے پیش آیا۔ اس کے صرف دو روز بعد ہی اسی نقصان کا عمر ابنِ سعد ملعون کو بھی احساس ہونے لگا اور حادثہ کربلا کے ذمہ دار یہ سب افراد ایک ماہ سے کم عرصہ میں ہی ہر طرف سے لعنت و پھنکار کے مورد ٹھہرائے جانے لگے، حتیٰ کہ یہ سب خود بھی اپنے جرائم کی ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈالنے لگے۔

دشمنانِ آلِ رسول کی حماقتیں

دشمنانِ اہل بیت متعدد قسم کی حماقتوں کے مرتکب ہوئے تھے جو سیاسی نوعیت کی تھیں اور انتظامی نوعیت کی بھی۔ ہم نے سابقہ مباحث میں ان حماقتوں اور حالات کا کسی حد تک تذکرہ کیا ہے۔ ہم ان امور کو پھر یاد دلاتے اور انہیں مزید روشن کرتے ہیں:

۱۔ ان حماقتوں میں ایک امیر المؤمنین علیہ السلام کے خاندان اور اُن کے انصار کے بارے میں صحیح واقفیت حاصل نہ کرنا شامل تھا جس سے ایک عظیم معرکہ پیدا ہو گیا۔

ب۔ سید الشہداء علیہ السلام کے خلاف مزاحمت، انہیں کربلا اور دیگر مقامات پر لئے پھرنا دوسری حماقت تھی۔

ج۔ تیسری حماقت امام حسینؑ کا جنگ کے لئے راستہ روکنا، جنگ کو اس قدر طول دینا، مظالم کی تفصیل، جنگ کے دوران ظلم اور دہشت انگیزی اور انہیں ان کے ہمراہیوں سمیت پیاسا رکھنا تھا۔

د۔ ایک اور حماقت جو ہمارے نزدیک سب سے بڑا جرم قرار پاتا ہے، یہ ہے کہ خاندانِ رسالت کی شہادت کے بعد ہمساندگان یعنی بیوگان و یتیمگان کو اسیر کیا گیا اور ان کی شہر بہ شہر تشہیر کی گئی، اس حقیقت کو اہمیت دینے اور سمجھے بغیر کہ ان

میں ہر شخص فصیح و بلیغ مبلغ، بہترین مقرر اور شہدائے راہِ خدا کے پیام کو دنیا بھر میں پہنچانے کی صلاحیت رکھتا تھا، یہاں تک کہ ان میں جہاں بھی کسی فرد کو بات کرنے کی فرصت ہوتی تو کوئی ان سے بحث کرنے کے قابل اپنے آپ کو ہرگز نہ پاتا۔

اگر یہ لوگ شہادتِ سید الشہداء علیہ السلام کے بعد ان کے پسماندگان کے ساتھ نرمی و مدارات سے پیش آتے، ان کا ادب و احترام ملحوظ خاطر رکھتے تو شاید رسوائی کی اس قدر حدود کو نہ پہنچتے۔ انہوں نے امام حسین علیہ السلام کو اپنا مزارعِ جان کر قتل تو کر دیا لیکن اس کے بعد چاہنے یہ تھا کہ لاشہ ہائے شہداء کی تکفین و تدفین کرتے، خانوادہٴ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ واپس پہنچا دیتے اور اس تمام واقعہ کی تفصیلات پر مکمل سکوت و خاموشی اختیار کر لیتے۔ لیکن اس کے برعکس انہوں نے ان سب حضرات کو اسیرِ ظلم کیا جو خود اپنے اپنے مقام پر بہترین خطیب تھے، اپنی حماقتوں کی حدود کو نہ سمجھتے ہوئے بھی ان کے لئے خود بھی منبر اور مقاماتِ تقریر فراہم کئے اور عوام الناس کو ان کی تقاریر و خطابات و گفتگو سننے کیلئے جمع کیا۔

عوامی ملامت کی ابتداء

عوام الناس شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے صرف دو دن بعد ثانی زہرِ اسلام اللہ علیہا کی خطابت سننے کے لئے کوفہ میں بارہ محرم کو جمع ہو گئے اور اس سلسلہ میں انہیں جو کچھ سمجھنا لازم تھا، وہ سب کچھ سمجھ گئے۔ جس چیز نے معظمہٴ عالم کی خطابت کو دوام سے ہمکنار کیا، وہ ظالموں اور ستم گاروں کے انتہائے ظلم سے آگاہی تھی جو سننے والوں کے تاسف و شرمساری میں اور زیادہ اضافہ کا باعث تھی۔

لوگ اسی وقت گلوگیر گریہ ہو گئے، ہاتھ ملتے، امام حسین علیہ السلام کی نصرت میں کوتاہی، اپنے فرائض کی ادائیگی میں غفلت، نصرتِ حق میں سستی، جہاد میں بے توفیقی اور رکابِ سید الشہداء علیہ السلام میں فیضِ شہادت سے محرومی پر افسوس کنناں اپنے آپ کو ہر طرح ملامت کرتے تھے۔

ایک اور روایت کے مطابق شہادت کے بعد والی رات اور اگلے روز گہرے غم و اندوہ کے بادل ان پر چھائے رہے۔ اب وہ سوچ رہے تھے کہ رمزِ شہادتِ امام حسین علیہ السلام اور امتِ اسلامیہ کو اس سے جو نقصانِ عظیم پہنچا تھا، اس کی وجہ ان کی فرائض میں کوتاہی اور قضیہٴ بیعت تھا۔ اب وہ ایک دوسرے کو ملامت کرتے اور برا بھلا کہتے تھے کہ انہوں نے امام حسین علیہ السلام کو بلانے کیلئے کیوں خطوط لکھے، اُن کو اپنی طرف آنے کی کیوں دعوت دی، پھر جبکہ حضرتؑ کو بلایا تھا اور آپؑ نے ان کی

دعوت کو قبول بھی فرمایا تھا، پھر کیوں ان کی نصرت میں سرگرمی نہ دکھائی، امام کو کیوں نرغہ اعداء میں تنہا رہے یا رومد دگار چھوڑ دیا، وغیرہ.... نعرہ زن تھے کہ ہائے افسوس امام حسینؑ ہماری بزدلی کی وجہ سے مار ڈالے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرزند ہمارے درمیان ہماری ہی تلواروں سے قتل ہوا، ہائے افسوس، ہائے افسوس! کیا اب ہم قیامت کے دن ان کے جد بزرگوار کی شفاعت کے امیدوار ہو سکتے ہیں؟ کیا اس ظلم کے بعد اسی دنیا میں انہی ظالم و ستم شعار حکمرانوں کے ماتحت رہ کر ہم کبھی خوشی دیکھ پائیں گے، وغیرہ.....

یہ سب سوالات ثانی زہرا کی خطابت نے ہی ان کے ذہنوں میں ڈالے اور پیدا کئے تھے۔

بنی اُمیہ کے خلاف کینہ و بغض کی آگ

ثانی زہرا کے خطبات، ان کی حالت و ضمیر کی کیفیت کو اس طرح واضح و آشکار کر دینے سے اُن کی اپنی کیفیت اور ان کی حکومت کے کردار سے سب لوگ واقف ہو گئے، غصہ کی آگ اور عوام الناس کے اندرونی کینہ کے شعلے بھڑک اٹھے جس کا نتیجہ حکومت کے خلاف ان کی علی الاعلان نفرت اور بنی اُمیہ پر ظاہر بظاہر لعن و تکفیر و تبرا کی صورت صاف نظر آنے لگی۔

کوفہ میں ثانی زہرا کے خطاب کے دوران ہی صدائے اشک و گریہ حکومت کے خلاف بلند ہونے لگیں۔ آپ کے ہر کلمہ سے سینکڑوں لوگ اور ہزاروں زبانیں غصہ و انتقام و نفرت کے شعلے اگلنے لگیں جنہوں نے بعد ازاں خرمین آل اُمیہ کو جلا کر رکھ دیا۔

حقائق معلوم ہو جانے کے بعد بنی اُمیہ کے خلاف نعرے و انتقام کا لاوا اُبل پڑا۔ حالت یہ ہو گئی کہ سرداران بنی اُمیہ لوگوں کے غصہ اور حقارت کے خوف سے بہت کم باہر دکھلائی دینے لگے۔ عمر بن سعد ملعون کی تو یہ حالت ہوئی کہ وہ جب بھی کسی کوچہ میں نکلتا تو کوفہ کے بچے ایک دوسرے کو بتاتے اور کہنے لگتے کہ یہی ہے قاتل حسین علیہ السلام۔ عمر بن سعد ملعون اب اپنے آپ کو ”خُسْرَالِدُنْیَا وَالْآخِرَةِ“ کا صحیح ترین مصداق قرار دینے لگا۔ اس کے دوسرے ہمراہیوں کی حالت بھی اس سے کسی طرح بہتر نہ تھی۔ خولی ملعون جیسے لوگوں کی نہ تو عوام میں کوئی آبرو باقی تھی اور نہ ہی ان میں اس قدر جرأت تھی کہ ایک بار پھر دارالامارہ تک ابن زیاد ملعون ہی کے پاس تک جاسکتے۔

سرداران لشکرِ یزید کی باہم لعنت و ملامت

آجیے عوام الناس کی سطح سے باہر نکل کر سردارانِ لشکرِ یزید ملعون و عوام الناس کی کیفیت کا مشاہدہ کریں اور جائزہ لیں کہ

وہ کس حال و کیفیت میں مبتلا ہیں۔ تاریخی حقائق سے یہ سامنے آتا ہے کہ ان کی حالت عام لوگوں سے بہت زیادہ خراب تھی۔ یہ لوگ ایک طرف تو اپنے ضمیر میں شرمندگی و آتش احساسِ عذاب میں جل رہے تھے اور دوسری طرف عوام الناس کے شور و ہیجان سے بہت زیادہ خوفزدہ تھے۔ لہذا کر بلا کے قتل عام کے بعد یہ لوگ بہت کم عوام کے سامنے آتے، جہاں بھی جانا ہوتا محافظ اپنے ساتھ رکھتے، حتیٰ کہ رات کو بھی ان لوگوں کو سکون و چین کی نیند نصیب نہ ہوتی تھی۔

دربارِ یزید ملعون میں ثانی زہرا کے کلام نے اس ظالم و جابر حکمرانِ وقت کو اس قدر شرمندہ کیا کہ وہ مجبور ہو کر ابنِ زیاد ملعون کو برا بھلا کہنے لگا، یہاں تک کہ بول اٹھا کہ پسرِ مر جانہ پر لعنت ہو جو اس تمام کام کا باعث ہے (نہبُ اُختِ الحسینؑ، ص 44) اور علی الاعلان کہنے لگا کہ میں نے ابنِ زیاد ملعون سے نہیں کہا تھا کہ حسین علیہ السلام کو قتل کرے۔ اُس نے خود اپنی طرف سے یہ کام کیا۔ یہ بھی کہا کہ اگر میں کر بلا میں ہوتا تو ہر طرح مرگ و شہادتِ حسینؑ کو روک دیتا اگرچہ اس کام کیلئے مجھے اپنے فرزند ہی کی جان سے ہاتھ دھونا پڑتے (تاریخ طبری، ج 6، ص 265)۔

جب یہ بات ابنِ زیاد ملعون تک پہنچی تو وہ کہنے لگا کہ یزید جھوٹ بولتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود اُس پر لعنت کرے۔ اُس نے خود مجھے قتلِ حسین علیہ السلام کا حکم دیا تھا اور میں اس کی بجا آوری پر اُسی کے حکم سے مامور ہوا تھا۔ یہ لعنت و تکفیر اس کے بعد دوسرے ملائین کے دامنوں تک بھی پہنچی۔ ان میں ہر شخص کوشش کرتا کہ اپنے آپ کو اس لعنت سے بچائے یا اپنے دامن سے اس خونِ ناحق کو صاف کرے۔

ابنِ زیاد ملعون نے عمر بن سعد ملعون سے کہا کہ وہ فرمان واپس کر جو میں نے تجھے قتلِ حسین علیہ السلام کے لئے جاری کیا تھا۔ وہ فرمان عمر بن سعد ملعون سے گم ہو گیا تھا، اس لئے اس نے کہا کہ وہ فرمان مجھ سے گم ہو گیا ہے اور میرے پاس نہیں ہے۔ جس قدر بھی وہ کہتا ابنِ زیاد ملعون کو اعتبار نہ آتا اور وہ کہتا کہ تو اسے محفوظ رکھنا چاہتا ہے تاکہ لوگوں کو دکھلائے اور کہے کہ قتلِ حسین علیہ السلام کا فرمان میری طرف سے تھا۔ تو اس طرح مجھے رسوا و ذلیل کرنا چاہتا ہے۔ جب تک تو وہ فرمان مجھے نہ دے گا، عہدہ حکومت تجھ کو حاصل نہ ہوگا۔ عمر بن سعد ملعون قسمیں کھاتا کہ وہ فرمان مجھ سے گم ہو گیا ہے لیکن ابنِ زیاد ملعون پر اس کی قسموں کا کوئی اثر نہ ہوتا (اکامل: ج 4)۔ اس طرح وہ بھی اپنے آپ میں ”خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ“ کا مصداق قرار پایا۔

نتیجہ

عوام الناس اپنے غم و نفرت کا اعلانیہ مظاہرہ کرنے لگے۔ یزید ملعون اور اُس کے طرفداروں کے خلاف عمومی نفرت پھیل

گئی اور انقلاب کی ایک خوفناک لہر ان کے خلاف اٹھنے لگی۔ ظالمین کے اہم نمائندوں نے عوام کے روبرو آنا کم کر دیا تاکہ ان کے خلاف طوفانِ نفرت میں تیزی نہ آتی رہے۔ یزید ملعون جس نے خود ”لعبت بنی ہاشم بالملک“ جیسے نازیبا اشعار کہے تھے، اب اہل بیتؑ رسولؐ کیلئے شفقت و مہربانی کے سلوک کا اظہار کرنے لگا تھا۔ ظالمین سے اظہارِ بیزاری کی خاطر اب وہ خود لوگوں کی مجالس تشکیل دیتا اور ان میں سید الساجدین علیہ السلام کو اپنے پہلو میں بٹھاتا۔ اس کی کوشش ہوتی کہ امام زین العابدین علیہ السلام کے قریب رہے تاکہ آپؑ کیلئے احترام کا مظاہرہ کر کے عوام الناس کے غم و غصہ کو کم کر سکے۔ ابنِ زیاد ملعون سے نفرت کا علی الاعلان اظہار کرتا۔ عمر بن سعد ملعون، شمر بن ذی الجوشن ملعون اور دوسرے ملائین جو اس کی طرف سے اپنی کارکردگی کے صلہ میں انعام و اکرام کے منتظر تھے، انعامات کی بجائے اب اس سے دور ہوتے گئے اور ان کی یزید ملعون کے ساتھ ہمدردیاں ان کیلئے نکتہ و ذلت میں بدلتی گئیں۔ اس طرح وہ اپنے انجام کو پہنچتے ہوئے ”وَاللّٰهُمَّ اشْعَلِ الظَّالِمِيْنَ“ کا مصداق بن گئے۔ یزید ملعون خود اپنے مقام پر اس قدر مجبور ہوا کہ آتش انتقام کو بجھانے اور عمومی ردِ عمل کو کم کرنے کی خاطر شام میں امام حسین علیہ السلام کی مجالسِ عزاداری کا اہتمام کرنے لگا، اس نے اہل بیتؑ کو اسیری سے رہا کیا اور انہیں شام یا مدینہ میں سکونت اختیار کرنے کی آزادی دیدی، جیسا کہ ہم ذرا قی تاریخ میں دیکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے قیام کیلئے بالآخر مدینہ ہی کو پسند فرمایا۔

۳. تاریخ کا مستقل فیصلہ

اسیری کی مدت کے دوران ثانی زہرا کا اہم ترین فرض عاشورہ محرم کے تاریخی واقعات اور مقصدِ سید الشہداء کو صفحاتِ تاریخ بلکہ قلوبِ عوام میں دوام بخشا تھا۔ لہذا آپؑ نے اپنے بیان کو بیانِ حوادث، گفتگو میں بیانِ واقعات کر بلا، اپنی مرثیہ گوئی، کر بلا کے واقعات و حادثات پر بحث و تنقید کو تاریخ کی زینت بنا کر دوام سے ہمکنار کر دیا۔

بے شمار وقائع نگار اور مؤرخین اس کوشش میں ہی مصروف نظر آتے ہیں جو واقعہ کر بلا کی ایسے الفاظ میں تشریح و اشاعت کرتے رہے جو خاندانِ بنی امیہ کی خوشی کا باعث تھے۔ اُن کے مقابلہ میں اگر ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کا اہم وجود نہ ہوتا تو شاید وہ واقعات زہرِ حال اس طرح توڑ مروڑ کر پیش کرنے میں یقیناً کامیاب ہو جاتے جس سے آلِ امیہ کی جواں مردی اور خدمتِ دین کا اظہار ہونے لگتا اور عوام الناس سے انقلابِ جنابِ سید الشہداء علیہ السلام کے تقدس و معراج کو چھپانے اور کم کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ جس چیز نے اب تک اہلِ ایانِ شام کو جہالت و غفلت کی تاریکی میں رکھا تھا، وہ بنی امیہ کے ہوا خواہ مؤرخین

اور وقائع نگاروں کی مسلسل کوششیں تھیں، شاعروں اور درباری قصیدہ خوانوں کی چالوسیاں اور مدح سرائیاں تھیں جن میں خاندان امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کیلئے تو کوئی جگہ نہ تھی بلکہ امیر معاویہ کا ایک مجدد اسلام کے طور پر رکن دین کی حیثیت سے تعارف کروایا جاتا تھا۔ ان سب کے مقابلہ میں صرف ثانی زہر اسلام اللہ علیہا کی ذات اقدس تھی جنہوں نے نہ صرف بنی امیہ کے ماضی کی تاریخ سے پردہ اٹھایا بلکہ ان کی اصلی حیثیت کا عوام الناس کو تعارف کروایا اور بتایا کہ یہ لوگ ”ابن اسکلة الاکباد“ یعنی ماور معاویہ بندہ جگر خوارہ کی اولاد ہیں جس نے اُحد میں امیر حمزہؓ کا جگر بعد شہادت کچا چھایا تھا۔

تاریخ کی تصحیح

ثانی زہر اسلام اللہ علیہا کے وجود اور خطابت سے واقعات تاریخ میں تصحیح واقعہ ہوئی۔ پچاس سال کے عرصہ میں یعنی خلفائے راشدین کے دور اقتدار میں، جس میں امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کا زمانہ بھی شامل ہے، شام میں بنی امیہ نے اپنے اثر و نفوذ کا مکمل انتظام کر لیا تھا، یہاں تک کہ اُس دور کی جدید نسل کے ذہن حقائق اصلی سے کامل طور پر خالی ہو چکے تھے۔ پہلی دو خلافتوں میں لوگ حقائق سے کسی قدر شناسائی رکھتے تھے لیکن ایسے لوگ آہستہ آہستہ بتدریج ختم ہوتے جا رہے تھے اور نسل نو ان کی جگہ لیتی جا رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ ماضی کے واقعات و حادثات سے بالکل ناواقف تھے، بالکل نہیں جانتے تھے کہ پہلے کیا کچھ ہو چکا ہے اور ماضی میں نوعیت واقعات کیا رہی ہے۔ لہذا جو صورت حالات ان کے سامنے تھی، وہ اسی کو درست تسلیم کئے ہوئے تھے۔ بڑی عجیب اور حیرت انگیز بات یہ تھی کہ یہی ذہن آنے والی نسل کو منتقل ہوتے جا رہے تھے، حتیٰ کہ نئی نسل کے نزدیک یہی حالات ابتداء ہی سے اس طرح چلے آ رہے تھے۔

ان حالات میں ثانی زہر نے جو عظیم ترین کارہائے نمایاں انجام دیئے ان میں آپ کا تاریخ کی تصحیح کے لئے اقدام بھی شامل اور بہت زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔ آپ کی ہستی سے لوگوں نے جانا کہ تاریخ بالکل غلط و فاسد لکھی گئی ہے۔ جو لوگ برسر اقتدار آئے وہ تمام حالات مابعد کیلئے ذمہ دار تھے اور انہوں نے واقعات کو یہ سمجھ کر تشکیل دیا تھا کہ وہ اسلام ہی کو اپنی اولاد و ماتحت جانتے تھے اور ہرگز نہ چاہتے تھے کہ اسلام ان کی کشمکش کے اعتبار سے ضعیف ہو یا اُن کے ہاتھ سے نکل جائے۔

ثانی زہر اسلام اللہ علیہا نے لوگوں کو خبردار کیا کہ بنی امیہ بنیادی طور پر طلقاء یعنی آزاد شدہ غلام ہیں۔ یہ لوگ اُن احادیث کی بنیاد پر جن کو اہل سنت حضرات نے بھی بیان فرمایا ہے، یہ حق ہی نہیں رکھتے کہ اسلام کے بلند و پست یا کسی طرح کے کلیدی مقامات پر قبضہ کریں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کیلئے اقتدار کی ممانعت فرمائی تھی اور اسلام کی تاریخ میں

خود اپنے اثر و اختیار کو دوام بخشا تھا۔

ثانی زہر اسلام اللہ علیہا کی تبلیغ

سیدہ زہرا سلام اللہ علیہا نے اپنی تبلیغ کیلئے خود اپنے مقرر کردہ عنوانات ہی کو سامنے رکھا۔ آپؑ جانتی تھیں کہ کہاں کیا بات کرنا موزوں و مناسب ہے، خطابت کس جگہ اور مرثیہ سرائی کو کہاں اختیار کرنا چاہئے۔ فطرت و عقلندی کی باتیں آپؑ کے دہن مبارک سے دریا کے پانی کی طرح رواں ہوتیں جن میں تمام ضروری اور مستقل طور پر باقی رہنے والی باتیں بیان ہوتیں۔

آخر ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کی تبلیغ ثمر آور ثابت ہوئی۔ آپؑ کے پیغامات کامل طور پر اشاعت پذیر ہوئے۔ کہنے والی تمام ضروری باتیں آپؑ نے برملا کہہ ڈالیں اور کسی موقعہ پر کسی کہنے کے قابل بات کو آپؑ نے دشمن کے خوف یا جھجک کے باعث ناگفتہ نہ رہنے دیا۔ ان مواقع میں ابن زیاد ملعون و یزید ملعون جیسے جابروں کے دربار، مسلح افسران فوج اور جلا دوں کی موجودگی سب شامل ہیں، حتیٰ کہ سید الشہداء علیہ السلام کی قتل گاہ بھی، جو ملائین کے نیزہ برداروں کے گھیرے میں تھی۔

مقررین و مؤرخین، شاعروں اور مرثیہ نگاروں نے ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کے پیغام کو دور و نزدیک پہنچایا جن سے تمام بلاد اسلامیہ میں روح بیداری و آثار انقلاب پیدا ہوئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان پیغامات و خطبات کے اثر سے ہر طرف آثار انقلاب نظر آنے لگے، ہر قسم کی بے چینی و نشر و افاعت کر بلا کے مراکز قائم ہو گئے اور لوگ بنی امیہ کے خلاف کھلم کھلا اٹھنے لگے۔

ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کے جذبہ ایثار کے سایہ میں تاریخ عاشورہ محرم ۶۱ھ نہایت شان و شوکت اور جوش و خروش کے ساتھ ابھری۔ اس تاریخ کے صفحات پر سید الشہداء علیہ السلام اور آپؑ کے انصاران کے کوئی مجاہدات نے مستقل و امنت نقوش قائم کر دیئے۔ دنیا کو معلوم ہو گیا کہ حسین مظلوم کا ہدف و مقصد کس بلندی کا حامل تھا۔ دنیا بھر نے جان لیا کہ اس نذرانہ خون کا مقصد و ہدف صرف اپنے ذاتی مقام کو بلند کر کے دکھانا تھا یا اس سے اعلائے کلمۃ الحق تھا جس کے پرچم کے سایہ میں بنی نوع انسان کی سعادت مضمحل ہے؟ یہی وجہ تھی کہ جب عوام الناس کو نوعیت واقعہ سمجھ میں آگئی تو وہ اپنے سر و سینہ کو پیٹنے اور اشک و نالہ میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دشمن کی سزا

دشمن چاہتا تھا کہ نہ صرف چراغ حسینؑ بلکہ چراغ اسلام ہی کو بجھا دے لیکن وہ تو آیہ مبارکہ ”وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَ لَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ“ (الف: 8) کا مصداق بن گیا۔ اُس کی خواہش تھی کہ سید الشہداء علیہ السلام کے قتل اور اُن کے خاندانہ کو

اسیر بنا کر نور خدا کو بجھا ڈالے گا لیکن نتیجہ اس کے برعکس نکلا اور اُس کی سیاہ کاریاں اور زیادہ نمایاں و آشکار ہوتی گئیں۔ پھر دشمن کا خیال تھا کہ اسیران آل محمد کی شہر بہ شہر تشہیر اور نوک ہائے نیزہ پر سرہائے شہداء کی نمائش سے لوگوں کی مختلف باتوں میں انہیں مرعوب کر لے گا، لیکن اس کے برعکس اس کی بغاوت و کارگزاری گناہ اور بھی لوگوں پر آشکار ہوتی گئی اور اس مسلسل تشہیر سے قاتلان حسین کا کردار زیادہ سے زیادہ واضح و آشکار دے نقاب ہوتا گیا۔ خود اپنے دور میں تو وہ عوام کو کسی حد تک مرعوب و خاموش کر سکے لیکن یہ روداد ہمیشہ کیلئے خاموش نہ ہو سکی۔ یہ لوگ نیک اقدار انسانیت پر پردہ ڈالنے میں ہر طرح کوشاں رہے لیکن اس عظیم واقعہ کو ہمیشہ کے لئے دبا دینا ان کے بس میں نہ رہا۔ باطل ہمیشہ پانی کے چھینٹنے کی مانند ہوتا ہے جو جلد ہی ختم ہو جاتا ہے لیکن اس میں جو باقی رہ جاتا ہے، وہی آب خوشگوار ہوا کرتا ہے۔

عدو شود سبب خیر

کر بلا کا حادثہ قتل عام اولاد رسول و انصار ان دین اپنے اختتام کو پہنچ گیا، لیکن اس کے اثرات نہ صرف یہ کہ آج تک زندہ و موجود و قائم ہیں بلکہ انسانیت کے مستقبل میں ہمیشہ روشن تر و واضح تر مستقل طور پر موجود و قائم رہیں گے۔ جس دن نواسہ رسول خدا امام حسین کو مظلومانہ طور پر شہید کر رہے تھے، ثانی زہرا جب کوچہ بازار، میدانوں اور درباروں میں علی کی عظیم خطابت کے نمونے دکھا رہی تھیں اور اُس خون ناحق کے خلاف احتجاج اور قربانی اعظم کی نقابت کر رہی تھیں، تو کون تصور میں لاسکتا تھا کہ اس کے آئندہ اثرات کیا ہوں گے!

اب یہ 1420ء ہے، یعنی واقعہ کر بلا کو، سادات کے قتل عام کو ایک ہزار تین سو اٹھ برس گزر چکے ہیں۔ آج دنیا بھر میں کتنے منبر، کتنی امام بارگاہیں، ثانی زہرا کی کتنی یادگاریں، کتنے واعظ و مداحان الہی بیت، کتنے مرثیہ خوان و مرثیہ نگار، کتنے مواظظ تبلیغ، کتنی مجالس و نیازیں قائم ہو چکیں، جو سب اُسی روز عاشور کی برکات کا نتیجہ ہیں!

علیٰ ہذا القیاس کتنے احتجاج، کتنے معرکے، کتنی صداہائے بازگشت، کتنے ایثار برائے شہدائے مظلوم، ظلم کی کتنی رسوائیاں، ظالمین ذمہ داران واقعہ کی کتنی بدبختی، باطل پرستوں کی کس قدر رسوائی ہو چکی ہے، ہو رہی ہے اور تا قیامت ہوتی رہے گی! یہ سب کچھ دونوں بھائی بہن، حسین و زینب علیہما السلام کی بدولت ہے جس کی اثر آفرینی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور اسی طرح قائم و دائم رہے گی!

۴۔ دوام ذکرِ حسین علیہ السلام

کربلا کی ریتلی زمین پر جو پاکیزہ و معصوم خون بہا، وہ زمین کے ذرہ ذرہ میں پہنچا اور تمام سطح زمین کو رنگین کر گیا۔ اس خونِ ناحق نے ہر جگہ جوش مارا اور اُس دن سے لیکر ہر زمانہ میں اس خون نے دوام پایا۔ جنابِ ثانی زہرا سلام اللہ علیہا نے سید الشہداء علیہ السلام کے پیغامِ فداکاری کا پرچم بلند کر کے اس پیغام کو بنی نوع انسان کے ہر فرد کے کانوں تک پہنچا دیا۔ اس طرح اُس معظمہ کو زمین نے آئندہ کی تمام نسلوں کے لئے ظلم کے خلاف انقلاب و احتجاج کی بنیادوں کو مستقل طور پر قائم کر دیا، بنی نوع انسان کو سبق دیا کہ احتجاجِ حقیقی میں ان کا حملہ نہایت تیز و گرم ترین الفاظ میں ہونا چاہئے، سننے والا اور متاثر ہونا چاہئے۔ کوئی بھی ہو!

بد نصیب، ناخوار دشمن ہرگز نہ جانتا تھا کہ یہ خونِ ناحق جو وہ بہا رہا ہے، کیسے کیسے بیجوں کی آبیاری کرے گا، یا بقولِ ثانی زہراؑ سنگدل دشمن کو معلوم نہ تھا کہ یہ خود اپنا مقام پیدا کرے گا (خطباتِ زینبؑ کبریٰ در کوفہ و شام)۔ تاہم دشمن ظلمِ خوار کینہ جو نے شیعانِ آلِ رسولؐ کے دلوں میں خون بہایا اور ثانی زہراؑ کے الفاظ میں جگرِ رسولؐ اکرمؐ کو جلا کر رکھ دیا (خطباتِ زینبؑ کبریٰ در کوفہ و شام)۔ دوسرے لفظوں میں ظالم و شتمن دشمنوں نے اپنی قبریں خود ہی کھود ڈالیں اور خود اپنے ہی ہاتھوں اپنی نابودی کا اہتمام کر لیا۔

سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی عظیم صاحبزادیؑ نے تو اپنی اسیری و مجبوری میں کوفہ و شام کے درباروں، بازاروں اور اجتماعات میں، کوفہ و شام کے راستوں میں امام حسین علیہ السلام اور خاندانِ علی و فاطمہ علیہما السلام کی شہادتوں کا مکمل جان داری سے دفاع کیا جس سے تمام فرسودہ افکارِ ماضی کے بتوں کو ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیا، بلکہ عوام الناس کے قلوب میں نورِ ہدایت کے چراغ روشن کر دیئے۔ یہی نہیں بلکہ معظمہ عالیہ نے اپنی گفتگو اور علم سے ان کے فکر میں ان، جذبات میں بیجان اور نوریت پیدا کر دیا، ان میں ظلم و ستم کے مقابلہ کے حوصلہ کو جنم دیدیا اور ہر قلب و ذہن میں مقابلہِ ظلم کی راہ ہموار کر دی۔

نعرۂ انقلاب

عوام الناس کی ناراضی، غم اور غصہ کے اظہار کی ابتداء نعرہ ہائے انقلاب، دشمنانِ اہل بیتؑ کے خلاف نفرت، خاندانِ رسالتؑ سے وفاداری و محبت و عقیدت سے ہوئی۔ ان نعرہ ہائے انقلاب نے لوگوں کے شعور کو بیدار کیا جس کے باعث جمع ہو کر جماعتوں کی شکلیں بننے لگیں جنہوں نے ظلم و ظالم کے خلاف بغاوت و انتقام کی شکل پیدا کی۔ ایک راوی کے مطابق اس مقصد

کے لئے بہت سے نعرے درود یوار پر نظر آنے لگے جو بعد ازاں زباں زدِ خلاق ہوتے گئے۔ ان میں چند ایک نعرے اس طرح کے تھے:

قاتلانِ حسینؑ کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے؟

لوگو! انتقامِ خونِ ناحق کی تیاری کرو؛

قاتلانِ حسینؑ سے انتقام لینا ہمارا حقِ ہدف ہے؛

انتقام لینے کیلئے تیار ہو جاؤ؛

اسیرانِ آلِ رسولؐ کا قافلہ جو جنگی قیدیوں کی شکل میں اس شہر سے گزرے گا، وہ ہمارے لئے باعثِ صدا احترام ہے؛

اس شہر کے ہم سب کے سب باشندگان شہادتِ حسینؑ کے سوگوار ہیں؛

شہادتِ حسینؑ کے سلسلہ میں یعنی اس کے حق میں احتجاج، وغیرہ وغیرہ۔

چھوٹے چھوٹے مختصر نعرے لوگوں کی زبانوں پر عام طور پر سنائی دینے لگے، مثلاً ”یا ثاراتِ احسینؑ“ (اے خونِ حسینؑ

کے دعویٰ دارو!)۔

فطری امر ہے کہ یہ سب نعرے اور سخن ہائے احتجاج انتقام اور انقلاب کے داعیوں کی زبانوں پر روز بروز بڑھتے

جارہے تھے اور دن بہ دن ان سے حکمرانوں اور خواہانِ بنی امیہ کی وحشت و سراسیمگی و اضطراب میں اضافہ ہو رہا تھا۔ لہذا

کیفیت یہ پیدا ہو رہی تھی کہ جو لوگ اس تحریک کے مستقبل سے آشنا تھے، اُن کی کوشش تھی کہ اپنے آپ کو ہر ممکن حد تک اقتدار و

اختیار سے دور رکھیں اور عوامِ الناس کے نزدیک آنے کی کوشش کریں۔

تحریکِ عام اور احتجاجِ عوام

واقعہ کربلا اور سادات کے قتلِ عام کو پانچ برس گزر گئے۔ اس عرصہ میں لوگوں نے کیا کچھ کیا، بذاتِ خود ایک مستقل

سوال ہے جس میں عمیق تحقیق کی ضرورت ہے۔ اس مدت میں نعرے بلند کرنے یا درود یوار پر نعرہ ہائے انقلاب ثبت کرنے سے

بہت آگے بات نکل گئی اور اجتماعات و صداہائے احتجاج نے ان کی جگہ لے لی۔ عوامِ الناس نے ایک مستقل تنظیم کی شکل اختیار کی

اور تحریک شروع کرنے کے اہتمام اور عہد و پیمان ہونے لگے۔ بعض لوگوں نے تو باقاعدہ اعلانِ قیام کر دیا، اگرچہ مکمل حمایت نہ

پاکر لقمہٴ شمشیر ہی ہو گئے (جیسا کہ توابعین کی جماعت کا حشر ہوا)۔ ان حالات میں کچھ لوگوں نے زبردست تحریک بھی شروع کی،

تاہم ہر حالت میں تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ اجتماعات خطابتِ ثانی زہرِ اسلام اللہ علیہا سے پہلے شروع نہیں ہوئے تھے، اگرچہ ان میں شامل تمام لوگ انہی خطبات سے متحرک ہوئے تھے۔

اس عرصہ میں یزید ملعون اس دنیا سے رائی دار فنا و عازم سفرِ آخرت ہوا اور اس کا بیٹا معاویہ ثانی اس کی جگہ تخت نشین ہوا جس نے تحریکِ انتقامِ خونِ حسینؑ کے نتائج کے خوف سے دو تین ماہ ہی میں حکومت و اختیار سے دستبردار ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ حکومت اب اس قدر ذلیل و رسوا ہو چکی تھی کہ کوئی شریف انسان اسے قبول کرنے کو تیار نہ تھا۔ لوگ سوچتے تھے کہ ایسی ہستی و ذلت کو شریف انسان کس طرح اختیار کر سکتے ہیں اور اس سے انہیں کیا سربکار حس کی خاطر امام حسین علیہ السلام جیسی ہستی کو شہید کر دیا گیا؟

قاتلانِ حسینؑ کی سرگزشت و انجام

ہم 65 ہجری میں کوفہ کے شہر میں بہت بڑے قتلِ عام کا منظر دیکھتے ہیں۔ یہ قتل و غارت تو ابن کی جماعت سے پہلے سید الشہداء اور ان کی اولاد کے قتل کے انتقام میں نہیں بلکہ خونِ حسین علیہ السلام بہانے کے خلاف واقع ہوئی جس کے نتیجہ میں چوبیس گھنٹہ کے اندر اندر قاتلانِ سید الشہداء علیہ السلام سے دو سو اسی افراد، جو میدانِ کربلا میں موجود تھے، مار ڈالے گئے جن میں قیس بن اشعث، حصین بن نمیر، شیث بن ربیع اور شمر ملعون جیسے سردارانِ فوج شامل تھے (تاریخ طبری)۔

یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا تھا، وہی بد بخت جنہوں نے ثانی زہرِ اسلام اللہ علیہا اور ان کے ہمراہیوں کو آزر دہ کیا تھا، ان کی حالت اس مقام پر پہنچ چکی تھی کہ یہ ملائین بے یار و مددگار بے چارگی کے عالم میں ہر طرف بھاگتے پھرتے تھے اور جو کوئی بھی ان میں سے لوگوں کے ہاتھ لگ جاتا، اس کو پکڑ لیتے، اُسے مار ڈالتے اور بازار میں اس کے قتل کی خبر مشہور ہو جاتی۔ ہر روز اس قسم کی خبریں گشت کرتیں کہ فلاں مارا گیا اور فلاں گرفتار ہو گیا۔

لوگ اس قدر غم و غصہ میں تھے کہ قاتلانِ حسینؑ کو دردناک انجام تک پہنچاتے، مثلاً کسی کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالتے اور اسی طرح جھڑ دیتے، کسی کو زندہ نذر آتش کر دیتے، کسی کی گردن کو سفید قربانی کی طرح کاٹ دیتے، کسی ایسے شخص کو جس نے سید الشہداء علیہ السلام کو تیر مارا ہوتا، اتنے تیر مارتے کہ اس کا جسم چھلنی ہو جاتا، کسی کو زمین پر لٹا کر پتھروں سے اس کا سر ریزہ ریزہ کر دیتے، حتیٰ کہ وہ اسی طرح تڑپ تڑپ کر فی النار ہو جاتا۔ یہ الفاظ دیگر شعلہٗ انتقام اپنے عروج پر تھا، یہاں تک کہ بعد میں بنی امیہ کے تڑپتے ہوئے نیم جان لاشوں پر دستِ خوان بچھایا گیا اور اس پر کھانے کیلئے لوگ جمع ہوئے (بنی عباس)۔

جماعتِ توابین

عاشورہ محرم الحرام کو اہل بیت رسول اکرم کے میدانِ کربلا میں قتل عام کے بعد عوام الناس کی ایک جماعت کا غم و غصہ اس انتہا کو پہنچا کہ انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہ بخشے گا سوائے اس کے کہ وہ اپنی جانیں قربان کر ڈالیں اور ان کی توبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح ہی قبول ہو سکے گی جن پر موت کو خود اپنے ہاتھوں مسلط کیا گیا تھا جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

”فَتَوْبُوا إِلَيَّ بَارِكْ لَكُمْ فَافْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ذَلِكَْ لَكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ“۔ (بقرہ: 54)

یعنی ”پس اپنے رب کی طرف توبہ کرو اور اپنے آپ کو قتل کرو، یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔“

تو ابین کی جماعت وہ ہے جنہوں نے مصمم ارادہ کیا تھا کہ سید الشہداء علیہ السلام کی دعوت کے جواب میں ان کی امداد نہ کرنے کا گناہ صرف اسی طرح بخشا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی جانیں دینے کا اقدام کریں۔ چنانچہ ان کے نعروں نے کوفہ کو ہلا کر رکھ دیا۔ یہ سب لوگ کوفہ میں شیعانِ علی کے سربراہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بزرگ صحابی جناب سلیمان بن صرد خزاعی کے گھر پر جمع ہوئے، اپنی کوتاہیوں کا اقبال کیا اور مصمم ارادہ کیا کہ اس گناہ کو اپنے دامن سے دور کر کے رہیں گے۔

چنانچہ اس جماعت کے سب لوگ اکٹھے ہو کر کربلا میں جناب سید الشہداء علیہ السلام کی قبرِ مطہر کی جانب روانہ ہوئے، اسی کیفیت میں مندرجہ بالا آیت قرآن مجید (بقرہ: 54) کی تلاوت کرتے ہوئے قبرِ مبارک پر پہنچے، قبرِ اطہر کی زیارت سے مشرف ہوئے، گریہ و ماتم میں مشغول ہوئے، قبرِ مبارک پر مناجات پروردگارِ عالم ادا کی اور دعا کی کہ خداوند! ہماری توبہ کو قبول فرما کہ ہم نے فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنہا چھوڑ دیا، ہمارے اس گناہ سے درگزر فرما کہ اگر تو نے ہمیں معاف نہ فرمایا تو ہم بد بخت و گنہگار قرار پائیں گے۔

یہاں انہوں نے خود آپس میں اور سید الشہداء علیہ السلام کے ساتھ عہد کیا کہ قاتلانِ حسین علیہ السلام سے جنگ کریں گے اور اپنے خون کے آخری قطرے تک ان سے لڑیں گے۔ اس کے بعد تلواریں سونت کر قبرِ مبارک امام حسین علیہ السلام سے رخصت ہو کر حضرت کے قاتلوں کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ جماعت قاتلانِ سید الشہداء علیہ السلام کے مقابلہ پر صف آرا ہوئی، ان کو دردناک طور پر قتل و غارت کیا اور اپنی جماعت کے آخری فرد تک اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے قتل ہو گئے۔



۱۔ شمعِ پرسوز

تاریخ اسلام کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ثانی زہر اسلام اللہ علیہا تاریخ اسلام کی اہم ترین فرد ہیں۔ یہ وہ ممتاز و کامیاب ترین ہستی ہے جو اپنے فرض کی ادائیگی میں ایمان کامل اور عقیدہ مستقل کے ساتھ گامزن ہے۔ یہ وہ عظیم ہستی ہے جس نے اپنے کردار کی استقامت سے نہ صرف تاریخ اسلام بلکہ تاریخ انسانیت کو از سر نو تحریر فرمایا۔

واقعہ کربلا، بلکہ یوں کہہ لیں کہ (جنس سید امیر علی مرحوم کی زبان میں) کربلا کے قتل عام کے بعد آپ کی عمر زیادہ نہیں ہوئی۔ لیکن یہ سب عرصہ برکات سے پُر تھا۔ آپ نے لاتعداد آثارِ جاودانہ اوراقِ تاریخ پر ثبت فرمائے، بے شمار ایسے اسباقِ عالم انسانیت کو تعلیم فرمائے جنہیں بھلایا نہیں جاسکتا۔ یہ اسباق فرض شناسی، عبادت پروردگار، وفاداری و تقویٰ، شہید پروری و حق گوئی، بنی نوع انسان کے اخلاق جیسے موضوعاتِ جلیلہ پر مشتمل ہیں۔

ثانی زہر اسلام اللہ علیہا کی پوری زندگی میں ایک لمحہ بھی ایسا نہیں ملتا جب اتنے شدید قسم کے هجومِ آلام کے باوجود ان فرائض کی بجا آوری میں، جو آپ کے ذمہ تھے، آپ نے کسی قسم کی کمزوری یا سستی کا مظاہرہ کیا ہو۔ ایک لمحہ کیلئے بھی آپ نے اپنے آپ کو اپنی فطری نورانیت کی شعاعوں کے پھیلنے یا فردغِ انسانیت سے نہیں روکا۔ تمام عمر راہ پروردگار میں عبادت گزاری میں بسر کی اور اپنی پوری ہستی کو انسانیت کی اعلیٰ ترین اقدار کے احیاء میں صرف کر دیا۔ طولِ تاریخ میں ہمیں کوئی ایسی عظیم خاتون آپ کے اور آپ کی مادرِ گرامی سلام اللہ علیہا کے سوا نظر نہیں آتی۔

ثانی زہر کے مصائب و آلام

ہم اس سلسلہ میں قبل ازیں انہی اوراق میں عرض کر چکے کہ اپنے فرائض کی ادائیگی، اپنی ہمت و سعی کی راہ میں ثانی زہر کو بے انتہا مصائب و آلام برداشت کرنا پڑے۔ کس کس مصیبت و غم کو بیان کریں! سید الشہداء امام حسین علیہ السلام اور ان کے صاحبزادوں کی شہادتیں، اپنے دوسرے بھائیوں کی شہادتوں کے صد ماتِ جاں سوز، اپنے جوان صاحبزادوں کی شہادت، اسیری کی مصیبت، بھوک و پیاس، سید الشہداء علیہ السلام جیسے بھائی کی مفارقت، دشمن کے انسانیت سوز مظالم، دُڑے کھانا، بچوں کے صد مات، غارتِ خیام، ان کی آتش زدگی اور ان سب پر مستزاد دشمن کی زبان سے لگائے جانے والے زخم!

کیسے ممکن ہے کہ ثانی زہر اسلام اللہ علیہا پر کئے گئے مصائب و مظالم کا ہمارے ذہن اندازہ لگا سکیں! کیسے ممکن ہے کہ زینب کبریٰ کے حالات زندگی کا احصاء کر سکیں! ایک عام ذہن کے لئے کس طرح ممکن ہے کہ معظمہ کو نبین کے درد کو محسوس کر سکے جبکہ درد جسمانی بھی ہے، ذہنی بھی اور روحانی بھی! صرف ایک واقعہ ہی کو لے لیجئے اور تو سن خیال کو مہیر کر کے گرمی احساس کی شدت کو محسوس کرنے کی کوشش کیجئے! خرابہ بوشق میں ثانی زہرا کی بھتیجی، سید الشہداء علیہ السلام کی لاڈلی صاحبزادی، باپ کے سینہ پر سونے والی رقیہ (سیکنڈ) کی المناک رحلت! تاریک رات ہے، بے سرو سامانی کا عالم ہے، کفن کیلئے کپڑا میسر نہیں، ان حالات میں غم کے بے حساب تاثر کو ذہن میں لانے کی کوشش کریں اور پھر اندازہ لگائیں کہ مخدومہ عالم کے صبر و تحمل و برداشت کا معیار و موقعہ و مقام کیا ہے!

عاشورہ کے دن سے اسیری کے اختتام تک دو ماہ سے زیادہ (یہاں معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کو اشتباہ ہوا ہے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں اور مؤرخین کے نزدیک کر بلا سے شام اور پھر ہائی کے بعد کر بلا واپس پہنچنے کا عرصہ کسی طرح نو ماہ سے کم نہیں بنتا) عرصہ نہیں گزرا تھا لیکن زینبؑ عالیہ اپنے آپ پر بظاہر غم و آلام کو حاوی کئے بغیر اپنے اندر بالکل ٹوٹ پھوٹ گئیں، لیکن اپنے صبر و قرار کو اس حد تک ہاتھ سے نہ جانے دیا کہ دشمن کے سامنے اشک ریز ہو جائیں، تاہم ان تمام اندوہ و آلام اور ذمہ داریوں نے معظمہؑ کو بالکل ضعیف کر ڈالا، سر مبارک کے بال سفید ہو گئے بلکہ روایت تو یہاں تک ہے کہ مدینہ واپسی پر آپؑ کے شوہر جناب عبداللہ ابن جعفر طیار بھی آپؑ کو پہچان نہ پائے اور پوچھنے لگے کہ کیا آپؑ ہی زینبؑ ہیں؟

ثانی زہرا کا موقع و مقام ظاہری

ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ ثانی زہر اسلام اللہ علیہا اپنی خاندانی زندگی میں کسی وقت، کسی طرح بھی بے چارگی و بے بسی سے دوچار نہ تھیں۔ آپؑ ہر گز ہر گز ایسی زندگی کی خوگر نہ تھیں جو درد و غم سے مملو ہو۔ آپؑ کا اپنا گھر اور بے سکون زندگی تھی، اپنی حیات عالیہ میں ہر طرح سرگرم و مطمئن تھیں، شان و شوکت کی مالک تھیں جو ہر طرح ایک مطلق العنان شہزادی کے شایان شان ہو، چاہنے والا شوہر رکھتی تھیں، صاحب اولاد تھیں، زندگی کی ہر آسائش آپؑ کو حاصل تھی، لیکن وقت آنے پر یہ سب کچھ آپؑ نے راہِ خدا میں قربان کر دیا۔

آپؑ کی حیات مقدس ایک شمع کی مانند تھی جو ماحول حیات کو زیادہ سے زیادہ روشنی دینے کے لئے تیزی سے جلتی اور اپنے اختتام کو پہنچنے لگتی ہے۔ یہی مثال اچھی طرح آپؑ پر صادق آتی ہے کہ آپؑ نے بھی جلد ہی اس عالم فانی کو خیر باد کہا۔ واقعہ

کر بلا کے بعد اپنی پوری ہمت و قوت کے ساتھ آگے بڑھیں 1، اپنی پوری ہستی کو اپنی سعی میں صرف کر دیا اور اس طرح خرابہ دمشق سے رہائی کے بعد آپ چند ماہ سے زیادہ زینت و حیات نہ رہ سکے۔

سیدہ زینب عالیہ سلام اللہ علیہا کی موجودہ ناسازگار حالت کا اندازہ لگانے کی کوشش کریں۔ سامنا ایسے جاہل و غافل لوگوں سے ہے جن کا روز حساب پر ایمان ختم ہو چکا ہے اور وہ مال و عہدوں کے لالچ و ہوس میں فرزندِ رسول اثنین کو قتل کر رہے ہیں۔ یہ کیفیت آپ کو اندر ہی اندر ختم کرتی چلی گئی، آتشِ غم اندر ہی اندر آپ کو جلاتی رہی، اسی آتشِ درونی نے کمرِ مبارک کو جھکا ڈالا، جسم کو بالکل لاغر کر دیا، حتیٰ کہ قوتِ جسمانی جاتی رہی، لیکن روحانی طور پر اب بھی حالات و مظالم کا مقابلہ کرنے کی پوری ہمت و توانائی حاصل رہی۔

ثانی زہرا کے سفر کا دوام

عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ شہادتِ امام حسین علیہ السلام اور طویل اسیری و مصائب سے واپسی کے بعد ثانی زہرا سلام اللہ علیہا ایک طویل عرصہ تک آرام فرمائیں گی اور اپنی مساعی دینی کو ملتوی رکھیں گی۔ یہ خیال اس لئے پیدا ہوا تھا کہ آپ کی جسمانی تندرستی و توانائی انتہا سے زیادہ لاغری میں بدل چکی تھی اور آپ ظاہری طور پر بھی بہت کمزور و ضعیف نظر آتی تھیں۔ لیکن اس طرح کے گمان کے برعکس زمانہ نے دیکھا کہ زینب کبریٰ ہرگز آرام طلب خاتون نہیں ہیں۔ آپ کو ہرگز اس احساس کی ضرورت نہ پڑی کہ اب آرام و سکون سے زندگی بسر کرنا چاہئے۔ اس کے برعکس سید الشہداء علیہ السلام کے عظیم پیغامِ شہادت کی تبلیغ کو آپ نے قطعی طور پر اپنی زندگی کی سب سے بڑی ذمہ داری تصور فرمایا۔ آپ کا قلب حزین لوگوں کی طرف سے غم و اندوہ کے شعلوں سے روشن تھا۔ آپ چاہتی تھیں کہ ان شعلوں کو روشن رکھیں اور ان حقائقِ دینی کو جن کی خاطر معظّمہ عالیہ کے والدین شریفین، بھائیوں، تمام عزیزوں نے اپنی جانیں قربان کی تھیں اور جن کی تبلیغ کی ذمہ داری آپ کے کاندھوں پر تھی، عوام الناس کے کانوں تک پہنچا کر، بلکہ ذہن نشین کروا کے انہیں اچھی طرح اسرارِ دین سے آشنا کریں۔

دین کی تبلیغ کی اس ذمہ داری و اہمیت کے پیش نظر ثانی زہرا نے مدینہ میں صرف اس لئے اور اس قدر قیام فرمایا کہ انقلاب کی بنیاد رکھ سکیں اور اہلِ ایمان مدینہ کو ان حقائق سے آشنا کریں جو آپ پر گزرے تھے۔ اس کے بعد ایک اور فرض آپ نے

1۔ اسی موقعہ کیلئے کہا گیا:

نقیب فتح شد مشرقین بن کے اٹھی
نہ تھے حسین تو زینب حسین بن کے اٹھی

اپنے ذمہ لیا جو یہ تھا کہ مدینہ رسولؐ کے باہر دیگر مقامات کا سفر اختیار کر کے خونِ ناحق سید الشہداء علیہ السلام کے پیغام اور تفصیلات و حقیقتِ شہادت کو عوام کے کانوں تک پہنچائیں۔ اس ضرورتِ دینی کے تحت معظمہؑ عالم نے ایک اور سفر اختیار فرمایا جو آپؐ کی حیاتِ طاہرہ کے ہدف کے عین مطابق تھا۔

پیغام شہادت کی ابتداء اور اس کا انجام

ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کی ذمہ داری تبلیغِ پیامِ خونِ حسینؑ روزِ عاشور سے شروع ہوئی، عین اس وقت جب سید الشہداء علیہ السلام نے امورِ امامت کو اپنی عظیم بہن کے سپرد کیا تھا اور اہل بیتؑ رسولؐ سے حضرتِ آخری رخصت کے لئے تشریف لائے تھے۔ اس کے بعد پے درپے جو واقعات پیش آئے وہ شہادتِ سید الشہداء علیہ السلام، آتشِ زدگیِ خیامِ آلِ رسولؐ، پسماندگان کا قتل گاہ میں ورود اور لاشِ حسینؑ سے وداعِ آخری پر مشتمل ہیں، جبکہ جسدِ پاکِ نواسہ رسولؐ سے آخری وداع اس حالت میں تھا کہ وہ جسدِ پاک ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا تھا۔

قتل گاہِ سید الشہداء علیہ السلام میں آپؐ کے سامنے دو باتیں یادِ پیمان تھے؛ ایک سید الشہداء علیہ السلام کیساتھ جن کا یہ آخری دیدار تھا؛ دوسرا جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان الفاظ میں:

”هَذَا حُسَيْنُكَ مَرْمَلٌ بِاللَّهِ مَاءٌ، مُقَطَّعٌ إِلَّا عُضَاءً، وَبَنَاتُكَ سَبَايَاً“۔

یعنی ”اے اللہ کے رسولؐ! یہ ہے آپؐ کا پیارا حسینؑ جو خود اپنے خون میں غلطاں ہے، جس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہے اور آپؐ کی بیٹیاں اسیر ہیں“ (مناقب، ج ۴، ص ۱۱۳)۔

اس طرح آپؐ نے اپنی تبلیغ کی ابتداء کا اعلان فرمایا اور لاشِ سید الشہداء علیہ السلام کے ساتھ عہد باندھا۔ اس پیغامِ تبلیغ کا انجام اور اختتام اسیری سے واپسی پر مدینہ میں پیغمبرِ اکرمؐ کے مزارِ مقدس پر واقع ہوا جب معظمہؑ نے قبرِ رسولؐ پر پہنچ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اسیری سے واپس آگئی ہوں اور آپؐ کیلئے آپؐ کے نورِ نظرِ حسینؑ کی شہادت کی خبر لائی ہوں۔

(یا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي نَاعِيَةُ إِلَيْكَ أَخِي الْحُسَيْنُ) (ریاض الشریعہ، ج ۳، ص ۲۰۴)۔

حقیقت یہ ہے کہ ثانی زہراؑ نے کب امام حسین علیہ السلام کے پیغام کی تبلیغ کو ختم کیا، اس سوال کا جواب یہ ہے کہ آپؐ نے اپنا آخری پیغام اپنے بسترِ مرگ پر دیا، اُس وقت جب آپؐ نے اپنی جانِ عزیزِ جانِ آفریں کے سپرد کی۔

۲۔ ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کی وفات

ہم عرض کر چکے ہیں کہ شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بعد ثانی زہرا سلام اللہ علیہا زیادہ عرصہ زندہ نہ رہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ زندگی بھر آپ کو بہت زیادہ اور کئی نوعیت کے مصائب کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ نے جو کارِ تبلیغ برائے خونِ ناحق اپنے ذمہ لیا تھا، وہ انجام پا چکا تھا۔ شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بعد آپ کے زمانہ وفات کے بارے میں مؤرخین اختلاف کا شکار ہیں۔ بعض مؤرخین واقعہ کربلا کے بعد آپ کا عرصہ حیات ایک سال پانچ ماہ، بعض دو سال پانچ ماہ، بعض کم و بیش چار سال بیان کرتے ہیں (عمر رضا گھالہ، ص 501) لیکن بیشتر معتبر تر اسناد تاریخ کے مطابق یہی بات سب سے زیادہ قابل اعتبار اور قرینِ درایت ہے کہ جناب سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کے بعد آپ صرف ایک سال پانچ ماہ زندہ رہیں اور اس کے بعد دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کا سن وفات و تاریخ

اس سلسلہ میں بھی روایات و اسنادِ تاریخ میں اختلاف ہے۔ اس اختلاف کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آپ کی تاریخ ولادت میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ایسا ہی اختلاف آپ کی تاریخ وفات میں بھی ہے۔

اگر مشہور روایات کی بنا پر آپ کا سن ولادت 6ھ اور تاریخ وفات بعض راویان کے خیال کے مطابق ۱۵ھ/ربیع الثانی ۶۲ھ تصور کیا جائے تو اس حساب سے حضرت کا سن مبارک بوقت وفات چھپن (۵۶) سال بنتا ہے یعنی سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کے وقت آپ کی عمر چھپن (۵۵) سال سے بھی کسی قدر کم معلوم ہوتی ہے۔ ایسا اس وقت ہی ممکن ہے جب آپ کی وفات ۶۵ھ میں واقع ہوئی ہو جیسا کہ بعض راویوں نے روایت کی ہے۔ تاریخ وفات بھی بعض لوگوں نے ۱۵ھ/ربیع الثانی ۶۵ھ میں واقع قرار دی ہے اور وہ لوگ معتقد ہیں کہ حضرت کی وفات شبِ یکشنبہ میں واقع ہوئی۔ تاہم آپ کی وفات ماہِ ربیع کے نصف ہی میں متفقہ طور پر تسلیم کی گئی ہے۔

مقام وفات و محل دفن

ثانی زہراؑ نے کس جگہ دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ فرمایا اور آپ کا مزارِ اقدس کہاں واقع ہے، اس بارے میں بہت سی بحثیں وجود میں آئی ہیں جن میں اہم ترین ہم آئندہ طور میں پیش کر رہے ہیں۔ تاہم اس امر میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ ثانی زہراؑ نے جس جگہ بھی وفات پائی، اسی جگہ آپ کو سپردِ خاک کیا گیا اور پھر وہیں آپ کا مزار بنا۔

۱۔ مدینہ منورہ

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سیدہ ثانی زہرا سلام اللہ علیہا نے مدینہ میں وفات پائی۔ صاحب اعیان الشیعہ اسی روایت کو تسلیم کرتے ہیں۔ ان کا استدلال اسی امر پر موقوف ہے کہ آپؑ مدینہ ہی میں مدفون ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ معظمہ عالیہ کا اسیرئ اہل بیت کے بعد مدینہ آنا ایک قطعی امر ہے، جبکہ اس کے بعد آپ کے مدینہ سے باہر جانے کی قطعی کوئی روایت نہیں ملتی (اعیان الشیعہ، ج ۳۳)۔

ب۔ شام

بعض راویوں کا خیال ہے کہ ثانی زہراؑ نے شام کا سفر کیا اور وہیں دنیا سے سفر آخرت اختیار فرمایا۔ ان راویوں نے مدینہ سے شام کے سفر کی وجہ مدینہ میں قحط بتلائی ہے جو ہمارے خیال میں بعید از حقیقت ہے (مختب التواریخ، ص ۱۱۳)۔ بعض کا خیال ہے کہ آپؑ کو یزید ملعون کے حکم سے شام بلایا گیا۔ یہ روایت بھی بالکل بعید از قیاس ہے۔ یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ شام کے کسی مقام پر آپؑ کے شوہر حضرت عبداللہ ابن جعفر کی زمینداری تھی جہاں آپؑ زندگی بسر کرنے اور آرام کی غرض سے تشریف لے گئیں۔ وہیں بیمار ہوئیں، سفر آخرت اختیار فرمایا اور وہاں چھ قبروں میں ایک قبر آپؑ کی ہے، تاہم فیصلہ نہیں ہو سکتا کہ زینبہؑ میں موجود قبروں میں آپؑ کی قبر کون سی ہے۔ اس سلسلہ میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور صورت بھی ہے کہ ان میں ایک قبر زینبؑ عالیہ کی ہے، لیکن وہ زینب کون ہے، بحث طلب بات ہے۔ ہم اس سے پہلے عرض کر چکے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام کی زینب نام کی تین بیٹیاں تھیں (دوسرے مؤرخین نے مصر میں آپؑ کی قبر مبارک کے بارے میں بھی یہی شک پیدا کیا ہے)۔

ج۔ مصر و قاہرہ

بعض معتبر راویان نے دلائل کے ساتھ آپؑ کی قبر مبارک کو مصر میں قرار دیا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ثانی زہرا سلام اللہ علیہا ۶۱ھ میں مصر تشریف لائیں (یہ خیال بعید از قیاس ہے کیونکہ 61ھ میں تو واقعہ کربلا رونما ہوا جس کے بعد طویل عرصہ اہل بیت کی اسیری کا ہے جس کا صحیح تعین کسی نے کرنے کی کوشش ہی نہیں کی)۔ مصر کے رہنے والوں اور وہاں کے عامل نے آپؑ کا استقبال کیا (زینب بانوؑ قہرمان کربلا ص ۲۳۸)۔ آپؑ ایک عرصہ تک مصر میں بقید حیات رہیں، وہیں انتقال فرمایا اور آپؑ کو اسی مقام پر جو آپؑ کے نام نامی سے موسوم ہے، سپرد خاک کر دیا گیا۔ چوتھی صدی ہجری میں فاطمی حکمرانوں نے آپؑ کے مزار

کی ایک اور مزار کے ہمراہ، جسے مزارِ اس الحسینؑ کہتے ہیں، بنیاد رکھی۔ اس روایت کے معتقدین کا گمان یہ ہے کہ زینبؑ کبریٰ کا مزار اسی جگہ ہے۔ شام میں جناب زینبؑ صغریٰ کا مزار ہے جو امیر المؤمنین حضرت علیؑ علیہ السلام کی دوسری صاحبزادی ہیں۔

تشریحات دیگر

لوگ اس بارے میں بہت سی تشریحات پیش کرتے ہیں اور ان کے دلائل کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ ہم بنظرِ اختصار ان میں سے چند ایک موارد کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپؐ کا مزار مصر میں ”قطر السباع“ نامی ایک جگہ پر ہے اور یہ لوگ اس بات پر مصر ہیں اور پورا یقین رکھتے ہیں (عمر رضاؒ حالۃً ص ۵۰۱)۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ زینبؑ کبریٰ کا مصر میں مدفن ہونا قطعاً غلط ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ علیہ السلام کی ایک اور صاحبزادی زینبؑ صغریٰ (ام کلثوم) ہیں جو جناب سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی صاحبزادی نہیں ہیں بلکہ امیر المؤمنینؑ کی ایک اور زوجہ سے ہیں جن کا نام ”صہباء ثعلبہ“ تھا (ترجمہ زینبؑ کبریٰ، نقدی، ص ۲۱۲)۔

بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ مصر میں جو بی بی دفن ہیں وہ زینب بنت یحییٰ بن زید بن حسن بن علی بن ابی طالبؑ ہیں جو 93ھ میں مصر تشریف لائیں اور وہیں انہوں نے وفات پائی (ریاحین الشریعہ، ج ۳ ص ۳۶)۔

ایک اور تجزیہ

حضرات کلینیؒ، شیخ صدوقؒ، شیخ مفیدؒ اور اسی پایہ کے دیگر بزرگ مؤرخین و مفکرین مقام مدفن ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کا ذکر ہی نہیں کرتے۔

اپنی اپنی تحقیق کی بناء پر ابن عساکر، ابن طولون وغیرہ جیسے حضرات آپؐ کے مزار مبارک کے مصر میں واقع ہونے کے ہی قائل ہیں اور اسی بارے میں اپنی اپنی اسناد پیش کرتے ہیں۔

بعض تو یہ بھی کہتے ہیں کہ ہر شخص نے اپنے لئے افتخار کے حصول کی خاطر کوشش کی ہے کہ آپؐ کے مدفن کو خود اپنے ہی شہر میں قرار دے۔ یہ ذہنیت بھی بحث کے الجھ جانے کی وجوہات میں سے ایک ہے۔

ان تمام دلائل کے علاوہ ندرتِ خیال رکھنے والے حضرات بھی ہیں جو اس بات کے معتقد ہیں کہ ثانی زہراؑ کے مدفن عالیہ کے مقام میں اختلاف خود اقوال آل رسولؐ سے بھی ظاہر ہوتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ سیدہ زینبؑ سلام اللہ علیہا ایک

کر بلا کے قتل عام، پھر اسیری و در بدری آل رسولؐ نے کس قدر شورش برپا کی ہوگی۔ ان حالات میں سید الشہداء علیہ السلام کے پسماندگان کی مدینہ واپسی اور اہالیان مدینہ کے رد عمل کے بارے میں کچھ کہنا ضروری نہیں۔ یہی واقعات اور ان کے نتائج پورے حجاز بلکہ جہاں جہاں سے قافلہ آل رسولؐ کا گزر ہوا، وہاں اثرات انقلاب کا رونما ہونا ایک منطقی عمل تھا۔ لہذا تاریخ میں اس قسم کے شواہد ملتے ہیں کہ حاکم مدینہ کو خصوصیت کے ساتھ یزید ملعون کی طرف سے ہدایات مل رہی تھیں کہ اس شورش کا مقابلہ کرے جو استحکام حکومت کے لئے لازمی تھا۔

ان حالات میں یہ بات قطعاً ناممکن تھی کہ ان شہروں کے عامل کسی طرح بھی بنی ہاشم کے افراد کو سختی یا نرمی، خوف و خوشامد، کسی طرح بھی کر بلا کے سلسلہ میں خاموش رہنے پر آمادہ یا مجبور کر سکتے۔ لہذا ان کو دیکھ کر ایسے لوگوں کا خاموش و پرسکون رہنا بھی ممکن نہ تھا جنہوں نے یا جن کے بزرگوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے مظاہرات ان حضرات کے ساتھ اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ یہ دونوں شہر اور دیگر تمام وہ مقامات جہاں رسول اسلام و آل رسولؐ کے عقیدت مند موجود تھے، کسی طرح خاموش نہ رہ سکتے تھے۔ لہذا حکومت وقت جہاں آل رسولؐ و اولاد رسولؐ کے بارے میں اپنی قوت و طاقت کے زعم میں فحش حماقتیں کر چکی تھی، اب عافیت اسی میں جان سکتی تھی کہ جہاں تک ممکن ہو ان افراد کو لوگوں کی آنکھوں کے سامنے سے جیسے بھی ممکن ہو، اوجھل کریں۔ معظمہ کنوین کے مدینہ چھوڑنے کیلئے ایسے حالات کا پیدا کرنا حکومت کیلئے نہایت ضروری تھا اور انہوں نے ایسے حالات پیدا کئے جن کے تحت ثانی زہراؑ کو جوالیہ کر بلا کی اُس وقت سب سے بڑی نمائندہ تھیں، مدینہ مع اہل و عیال ترک کرنا لازمی ہو گیا۔ اب رہا یہ سوال کہ مخدومہ اور ان کے شوہر جناب عبداللہ ابن جعفر جو بذات خود بڑی اہمیت کے حامل تھے، مدینہ چھوڑ کر دمشق تشریف لے گئے یا مصر کی طرف ہجرت کر گئے، کسی طرح طے نہیں کیا جاسکتا۔ بہر حال یہ بات تسلیم کرنا پڑے گی کہ ان کو مدینہ چھوڑنا پڑا اور عالم غربت ہی میں اس دنیا سے راہی ملک عدم ہوئیں۔ آپ کے مقام وفات و مدفن کا تعین تاریخ سے ممکن نہیں اس لئے کہ تاریخ کر بلا تحریر کرنے کیلئے مہمان اہل بیتؑ کو بہت عرصہ بعد اس قدر فرصت و اجازت حاصل ہوئی کہ کچھ لکھ سکتے۔ لہذا ان واقعات سے پردہ اٹھانا کسی طرح ممکن نہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جہاں بھی ان حضرات کی کوئی نسبت اور اس نسبت کے معتقدین موجود ہیں، وہی ہمارے لئے مقام احترام ہے۔

اس سلسلہ میں اپنے بیان کو ختم کرنے سے پہلے ہم اپنے مندرجہ بالا بیان و عقیدہ کے بارے میں مؤرخین کے بیانات پیش کرتے ہیں۔ کتاب ”کر بلا کی شیردل خاتون“ کی مؤلفہ ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطی مصری تحریر فرماتی ہیں:

”زینبؓ چاہتی تھیں کہ وہ اپنی عمر کا جو کچھ زمانہ باقی رہ گیا تھا، اپنے نانا کے مزارِ اقدس کے سایہ میں گزاریں۔ لیکن بنی اُمیہ اس بات پر راضی نہ ہوئے کیونکہ ثانی زہراؓ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ کر بلا سے واپس آئے تھے، مؤمنین کو یزید ملعون کی فوج کے مظالم اور دردناک بدعتوں کا حال، جو انہوں نے امام حسینؑ اور ان کے رفقاء کے ساتھ کی تھیں، سناتے تھے۔

”زینبؓ کا مدینہ میں قیام اس بات کیلئے کافی تھا کہ غم کی آگ لوگوں کے سینوں میں شہیدوں کی مصیبت پر روشن کرے اور عوام کو یزید ملعون کی حکومت کے خلاف براہیختہ کرے یہاں تک کہ مدینہ کے حاکم نے یزید ملعون کو خط لکھا کہ زینبؓ نے اپنی دانائی اور گویائی کی قوت سے مدینہ کے باشندوں میں ہيجان پیدا کر دیا ہے اور چاہتی ہیں کہ ان کی امداد سے امام حسینؑ کے خون کا بدلہ لیا جائے۔

”یزید نے حکم دیا کہ حسینؑ کے باقی ماندہ خاندان والوں کو مختلف شہروں اور اطراف میں متفرق کر دیا جائے۔ اس پر مدینہ کے حاکم نے زینبؓ کو بلا کر کہا کہ مدینہ سے نکل جائیے اور جہاں دل چاہئے جا کر قیام کیجئے۔

”زینبؓ نے غصہ اور جوش میں آ کر جواب دیا: خدا گواہ ہے کہ ہم پر کیا کیا مصائب گزرے ہیں، ہمارے بہترین لوگ قتل کر دیئے گئے اور جو باقی بچے، ان کو مثل چوپایوں کے ایک جگہ سے دوسری جگہ ہٹایا گیا اور ہم کو شتران بے کجاوہ پر بھرایا گیا۔ خدا کی قسم! اگر تم ہم کو مار بھی ڈالتو تب بھی ہم مدینہ سے باہر جانا پسند نہ کریں گے۔

”بنی ہاشم کی خواتین نے جو ظالم یزید ملعون کے قہر و غضب سے ڈر رہی تھیں، زینبؓ سے نہایت نرمی اور لجاجت سے درخواست کی کہ وہ مدینہ چھوڑ دیں۔

”زینبؓ دخترِ عقیل نے کہا: اے چچا کی بیٹی! خدا کا وعدہ ہمارے حق میں سچا ہے۔ روئے زمین میں جس جگہ ہم رہنا چاہیں، اس کو ہماری میراث کر دیتا ہے اور ظالموں کو سزا دیتا ہے۔ ایسی جگہ چاہئے جہاں آپ کو امان ملے۔

”زینبؓ مجبور اپنے نانا رسول اللہؐ کے مدینہ سے چلی گئیں اور اس کے بعد مدینہ والوں نے ان کو کبھی نہ دیکھا۔

”زینبؓ مصر تشریف لے گئیں۔ افسوس زینبؓ نے کس قدر زیادہ سفر اپنی زندگی میں کئے..... قافلہ جازکی زمین سے جو آباء و اجداد کا وطن اور بچپن کی پرورش کا گہوارہ تھا، گزر کر نیل کی وادی میں پہنچا، ایسی سرزمین جہاں نہ کوئی وطن والا اور نہ کوئی عزیز.....۔

”جونہی سیدہ زینبؓ نے مصر کی سرزمین میں قدم رکھا، شعبان 61ھ (یہ تاریخِ درایت کے مطابق نہیں کیونکہ یہ زمانہ تو

اہل بیت کیلئے یزید کے قید خانہ کا ہے جس کا عرصہ نو ماہ کے قریب بنتا ہے) کا چاند نمودار ہوا اور اس کی روشنی میں معلوم ہوا کہ مصر کا ایک گروہ قافلہ کے استقبال کیلئے آیا ہے۔

”جیسے ہی یہ لوگ قریہ بلیوس کے قریب قافلہ کے ساتھ ساتھ پہنچے، ایک دوسری جماعت جو دار السلطنت سے آئی تھی، وہاں اُن سے آکر مل گئی۔ اس جماعت میں مسلمہ بن مخلد انصاری، امیر مصر اور علماء اور اراکین سلطنت کا ایک گروہ شامل تھا جو دختر زہرا اور امام شہید کی بہن کی زیارت کے لئے آئے تھے۔

”جس وقت ان کی نگاہ نہنب پر پڑی، اُن پر گریہ طاری ہوا اور ان کو حلقہ میں لے لیا اور دار السلطنت تک پہنچایا۔ مسلمہ بن مخلد اُن کو اپنے گھر لے گئے اور نہنب نے وہاں ایک سال کے قریب قیام کیا اور اس عرصہ میں شب دروز مصر و عبادت رہیں۔ بعد ازاں گردشِ ایام اختتام کو پہنچی۔

”مشہور ترین قول کے مطابق سیدہ نہنب نے بروز یکشنبہ بوقت شام ۱۴ رجب ۶۲ھ کو انتقال فرمایا اور اُن آنکھوں کو جنہوں نے کربلا کی قتل گاہ دیکھی تھی، ہمیشہ کیلئے بند کر لیا۔۔۔۔۔ اُن کو مسلمہ کے مکان میں جہاں ان کا قیام تھا، دفن کیا (ملاحظہ ہو اخبار زینبیات، ص ۷، ۱۹، ۵۹، بحثۃ الاخبار علامہ سخادی حاشیہ ص ۱۱۱؛ طبقات الکبریٰ علامہ شعرائی، ص ۲۹، الخطط مؤلفہ مبارک شاہ)۔ ان کی قبر آج تک زیارت گاہ ہے اور مسلمان دور دراز گوشوں سے زیارت کیلئے وہاں جاتے ہیں“ (ص ۲۳۷ ۲۵۱)۔

اسی موضوع پر ہم جناب علامہ غدیری کی کتاب ”نہنب، نہنب ہے“ سے ایک مختصر اقتباس پیش کرتے ہیں۔ علامہ رقمطراز ہیں: ”سیدہ نہنب کی وفات کے سلسلہ میں مؤرخین کے درمیان شدید اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ اسی طرح مرقہ مطہر کے بارے میں بھی مؤرخین کا کسی ایک نکتہ پر اتفاق نظر نہیں، یہاں تک کہ بعض اہل تحقیق نے آپ کی تاریخ وفات اور مرقہ مطہر کے سلسلہ میں کسی قسم کا اظہار رائے کرنے کی بجائے اسے مورد بحث قرار نہیں دیا اور نہایت اجمالی بیان کے ساتھ اس سلسلہ میں چند باتیں کرنے پر اکتفا کر لیا۔

”جن مؤرخین نے سیدہ کی تاریخ وفات کے سلسلہ میں اپنی تحقیقی رائے کا اظہار کیا، ان کے مطابق اس سلسلہ میں تین

نظریات ملتے ہیں:

- 1- سیدہ نے مدینہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہیں؛
- 2- مصر میں فوت ہوئیں اور وہیں آپ کو دفن کیا گیا چنانچہ وہاں آپ کا مرقہ مطہر بھی موجود ہے جو اہل ایمان کی عظیم

زیارت گاہ ہے۔

3- آپ اپنے شوہر جناب عبداللہ ابن جعفر کے ساتھ شام گئیں اور وہاں بیمار ہو گئیں اور وہیں آپ کی وفات ہوئی اور ”راویہ“ نامی بستی میں آپ کو دفن کیا گیا چنانچہ آپ کا مشہور و معروف مرقہ مطہر بھی وہیں ہے۔

اگرچہ مذکورہ نظریات کی روشنی میں کسی واضح نتیجہ تک پہنچنا دشوار ہے لیکن ان نظریات کے حامل مؤرخین نے اپنے اپنے تحقیقی زاویہ نگاہ کی صحت پر ٹھوس دلائل بھی پیش کئے ہیں۔

”چنانچہ مؤرخین جو پہلے نظریہ کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کی وفات مدینہ میں ہوئی، انہوں نے دلیل پیش کی ہے کہ سیدہ زینبؓ اہل بیت کے دوسرے افراد کے ساتھ شام کی قید سے رہا ہو کر مدینہ آئیں اور پھر مدینہ سے باہر جانے کے متعلق کوئی ٹھوس تاریخی ثبوت نہیں۔ لہذا یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سیدہ کی وفات مدینہ ہی میں ہوئی اور وہیں آپ کو دفن کیا گیا۔ اس نظریہ کی تائید کتاب اعیان الشیعہ کے فاضل مؤلف نے بھی کی ہے۔

”جن مؤرخین کی نظر میں آپ کی وفات مصر میں ہوئی اور وہیں آپ کا دفن ہے، انہوں نے چند ایسے اہل تاریخ کے اقوال کا سہارا لیا ہے جو اپنے اس منفرد نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ثانی زہراؓ نے مصر کا سفر کیا اور وہاں کے مؤمنین و مومنات کے بھرپور اصرار پر وہیں قیام پذیر ہو گئیں اور وہیں آپ کا انتقال ہوا۔

”جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سیدہ کا مزار شام میں ہے، وہ اس سلسلہ میں ٹھوس دلائل پیش کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ جب مدینہ میں قحط پڑ گیا (1) تو سیدہ نے دمشق کی طرف کوچ کیا اور دمشق کو اس لئے منتخب کیا کیونکہ حضرت عبداللہ ابن جعفر کی کچھ زمینیں دمشق کے قریب ایک گاؤں میں تھیں۔ قحط کی شدت کے خوف سے جناب عبداللہ ابن جعفر نے دمشق کی طرف ہجرت کرنے کو پسند کیا۔ وہاں پہنچ کر سیدہ علیل ہو گئیں اور وہیں انتقال فرما گئیں۔ اسی گاؤں میں جس کا نام ”راویہ“ بیان کیا جاتا ہے، سیدہ کو دفن کر دیا گیا اور اب موجودہ مرقہ مطہر اسی مقام پر ہے۔

”بہر حال تمام واقعات اور تاریخی بیانات کی روشنی میں یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ مصیبتوں اور دکھوں نے سیدہ زینبؓ کا سکون لوٹ لیا اور رسولِ زادتؐ واقعہ کر بلا کے بعد زیادہ دیر زندہ نہ رہیں بلکہ ۱۲ ماہ کی قلیل مدت کے بعد ۱۵ رجب ۶۲ھ کو اس

1- مدینہ میں قحط کے بارے میں روایات کسی طرح بھی اصولی درایت پر پوری نہیں اترتیں، نہ ہی مؤرخین نے اس کے بارے میں کوئی مستند حوالہ جات پیش کئے ہیں جبکہ قبل اسلام قحط کے واقعات کے سلسلہ میں بالخصوص مکہ اور مدینہ کے شہروں کے بارے میں کافی مستند روایات ملتی ہیں حالانکہ یہ وہ دور تھا جب واقعات تاریخ کی قلمبندی کا کوئی طریق کار بھی ایجاد نہ ہوا تھا۔ (جاری)

دارِ فانی سے کوچ کر گئیں۔

”سیدہ زینبؓ کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام کی کٹھن منزلیں طے کرتی ہوئی زندان کی سختیاں جھیل کر وطن پہنچیں مگر عزیزوں کی شہادت کا آنکھوں دیکھا حال سیدہ کیلئے ناقابلِ برداشت بن گیا اور بالآخر زندگی کی تلخیوں سے تنگ آ گئیں اور آخرت کا سفر اختیار کر لیا۔

”سیدہ کا مدفن شام میں ہو یا مصر میں یا مدینہ میں، بہر صورت آپؓ کی عظمت و جلالت اور روحانی اقدار کے فیض سے بہرہ مند ہونے والے اپنی اخلاص بھری نگاہوں کو آپؓ کی زیارت سے مشرف و منور کرتے رہتے ہیں اور آپؓ کی نورانی شخصیت کے پرتو میں رضائے الہی کے حصول کی امید پر تمام اہل حق اور صاحبانِ ایمان کے دل ہی آپؓ کا مزار ہیں اور وہ ہمیشہ آپؓ کی عظیم شخصیت سے فیض یاب ہوتے رہیں گے۔

”سیدہ کی وفات اور مزار کے متعلق تاریخ کے اختلافی زاویے، آپؓ کی شخصیت پر اثر انداز نہیں ہو سکتے، بلکہ وہ جہاں بھی ہوں، اپنے کردار کی بلندی سے تاریخِ اسلام میں اپنی عظمت کے اُمتِ نقوش سے پہچانی جاتی ہیں اور تاریخِ بشریت کی قد آور شخصیات سیدہ زینبؓ کی دہلیزِ عظمت پر سجدہ ریز نظر آتی ہیں۔“ (زینبؓ، ص ۲۹۳ تا ۲۹۵)۔

اس سلسلہ میں ہم جناب سید ابنِ حسن نجفی صاحب کی تحقیق بھی پیش کرتے ہیں۔ علامہ مذکور رقم طراز ہیں:

”مصر کے باشندے یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ قاہرہ کے قاطر السباع والے علاقہ میں شاہراہ سیدہ زینبؓ پر جو مزار ہے، وہ ثانی زہرا جناب زینبؓ علیا کی درگاہ ہے..... مصر میں ایک سے زیادہ ایسے مقامات ہیں جنہیں شاہدِ زمینی کا نام دیا گیا ہے اور خیال ہے کہ جناب زینبؓ علیا وہیں آرام فرما رہی ہیں۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) اس کے علاوہ یہ بھی پیشِ نظر رکھنا لازم ہے کہ عرب کے خاندانِ ہائے نجیب بالخصوص قریش و بنی ہاشم محض قحط کی وجہ سے ہجرت کر جاتے۔ ہجرت کی کوئی اور وجہ تھیں کی جاتی تو شاید قابلِ فہم ہوتی۔ ان خاندانوں کا قحط کی وجہ سے مدینہ چھوڑنا سمجھ میں آنے والی بات ہرگز نہیں ہو سکتی۔

ان سب باتوں کے علاوہ اہم ترین بات یہ ہے کہ اگر قحط ہی سیدہ کی مدینہ سے ہجرت کا باعث ہوتا تو پھر پورے قبیلہ بنی ہاشم کو ہجرت کرنا چاہئے تھی جن میں عبداللہ ابنِ عباس اور دیگر افرادِ اولادِ عباس ابنِ عبدالمطلب اور دیگر اولادِ عبدالمطلب جو اشرافِ عرب میں شمار ہوتے تھے، کا بھی شامل ہونا لازم آتا ہے حالانکہ یہ سب حضرات اپنے اپنے مقام پر کافی صاحبانِ اقتدار و مالک تھے۔ اس اعتبار سے مدینہ میں قحط اور اتنا شدید قحط جس کی وجہ سے صرف عبداللہ ابنِ جعفر جیسے متمول شخص کو ہجرت کرنا پڑی، کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔

”مثلاً اسوان شہر کے قبرستان میں ایک مقبرہ ہے جو قبۃ زینبیہ کہلاتا ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ اس جگہ حضرت زینب بنت علیؓ نہیں بلکہ اموی دور کی ایک مشہور خاتون عباسیہ بنت جریح (متوفی ۱۷۷ھ) دفن ہیں۔

”دوسرا مرقہ باب النصر قاہرہ کے شہر خوشاں میں ہے۔ عام لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ یہ جناب ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کی قبر مطہر ہے، لیکن باخبر حضرات جانتے ہیں کہ اس احاطہ میں جناب محمد حنفیہ کے پڑپوتے احمد بن محمد کی صاحبزادی مدفون ہیں۔ ان کا نام بھی زینب تھا۔

”تیسرا روضہ مقابر قریش میں ہے اور اس متبرک جگہ کے بارے میں زیادہ زور دیا جاتا ہے کہ یہی جناب زینب کا مزار ہے۔

”لیکن تحقیق کرنے والے کہتے ہیں کہ اس مقام پر حضرت امام حسینؓ کی پڑپوتی زینب بنت یحییٰ المتوکل کا مزار ہے۔ ۱۹۳ھ میں آپ نے وفات پائی۔ بڑی صاحب کرامت بی بی تھیں۔

”فاطمی خلیفہ خافرا نے محل سے ننگے پاؤں چل کر آپ کے دربار میں حاضری دیتا تھا..... واقع نگار لکھتے ہیں کہ کربلا کے روح فرسا اور جاں گداز المیہ کے بعد جب اہل حرم مدینہ پہنچے تو پورا شہر عزرا خانہ بن گیا۔ شہیدوں کی یاد، مصائب کے ہجوم اور شب و روز کی گریہ وزاری سے جناب زینبؓ کی حالت دیگر گویا ہو گئی۔ پھر ایک مشکل یہ پیش آئی کہ مدینہ میں کال پڑ گیا۔ ان حالات کے پیش نظر جناب عبداللہ ابن جعفر نے طے کیا کہ کچھ عرصہ کیلئے باہر چلے جائیں۔ چنانچہ آپ نے اپنی شریک حیات جناب ثانی زہرا کے ساتھ جانے کا ارادہ کیا۔ دمشق کے آس پاس آپ کے باغات تھے۔ زرخیز زمینیں تھیں اور عام طور پر وہاں موسم خوشگوار رہتا ہے۔

مشہور مؤرخ مرزا حسن خان مراغی (متوفی ۱۳۱۲ھ) اپنی تصنیف ”الخیرات الحسان“ کی دوسری جلد کے صفحہ 29 پر اور معروف محقق سید حسن صدر اپنی علمی کاوش ”نزہۃ اہل الحرمین“ کے صفحہ 67 پر لکھتے ہیں:

”امیر المؤمنین علیہ السلام کی صاحبزادی ثانی زہراؓ اثر ب میں خشک سالی کے باعث عبدالملک بن مروان کے زمانے میں اپنے شوہر کے ہمراہ شام تشریف لائیں مگر جلد ہی آپؓ کی صحت جواب دے گئی اور آپؓ دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ جناب عبداللہ ابن جعفر کے باغ ہی میں آپؓ کا مزار بنا۔“

”..... ابو بکر موصلی اپنی تصنیف ”فتوح الرحمن“ میں تحریر کرتے ہیں:

”سیدہ ثانی زہرا جو علیؑ کی دخترِ گرامی اور فاطمہؑ کے فرزند حسنؑ اور حسینؑ اور محسنؑ کی بہن تھیں، واقعہ کربلا کے بعد شام آئیں اور دمشق کے نواحی علاقہ ’راویہ‘ میں اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ وہیں آپؑ کی لحد پر آسمان شبنم افشانی کرتا ہے۔ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ اکثر زیارتِ قبرِ زینبی کے لئے جاتا تھا مگر ہم میں سے کوئی شخص روضہ کے اندر داخل نہیں ہوا کہ ادب و احترام کا یہی تقاضا تھا۔“

”نویں صدی ہجری کے مصری عالم ابوالقاء بدری اپنی کتاب ”زینۃ الانام فی محاسن الشام“ میں رقم طراز ہیں:
 ”ثانی زہرا سلام اللہ علیہا بنت علیؑ ابن ابی طالبؑ اپنے بھائی حسینؑ کی شہادت کے بعد شام آئیں اور یہاں آنے کے بعد بیمار پڑ گئیں۔ یہیں آپؑ کا انتقال ہوا اور دمشق کے نواحی علاقہ ’راویہ‘ میں دفن ہو گئیں۔ اب اس مقام کو ’بندۃ الست‘ (سیدہ کا شہر) کہا جاتا ہے۔ (ص ۴۷، ۴۸ طبع مصر)۔“

”حافظ ابن طولون دمشقی متوفی 953ھ اپنی کتاب ’سیدۃ العقیلہ زینب کبریٰ‘ میں رقم فرماتے ہیں:
 ”علیؑ ابن ابی طالبؑ کی صاحبزادی زینب کبریٰ دمشق کے قریہ ’راویہ‘ میں مدفون ہیں۔ یہ جگہ ’قبر الست‘ کے نام سے شہرت رکھتی ہے۔“

”اسی طرح علامہ شیخ حسن یزدی، شیخ الفہما میرزا علی، آیۃ اللہ الفقید میرزا محمد حسن شیرازی، محدث کبیر میرزا حسین نوری اور مؤرخ جلیل شیخ عباس قمی کی بھی یہی تحقیق ہے کہ جناب زینب سلام اللہ علیہا شام میں آرام فرما ہیں۔“

”مگر ’راویہ‘ جہاں ثانی زہرا کا مزار ہے، اب دمشق کا ایک قریہ یا مضافاتی بستی نہیں بلکہ ایک سجا ہوا شہر ہے جس میں چوڑی چوڑی سڑکیں، بھرے ہوئے بازار، خوشنما مکان، شاندار ہوٹل، آرام دہ ذرائع آمد و رفت، اطمینان بخش مواصلاتی نظام، عصری طرز کے مدرسے، قابلِ فخر علمی ادارے اور سب سے بڑی بات امن و امان کی فضا، روحانیت سے بھرا ہوا ماحول اور اس میں ثانی زہرا کے روضہ اقدس کی نور برساتی ہوئی جاذبِ نظر عمارت جہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں، کرامتوں کا ظہور ہوتا ہے اور قلب و ضمیر کو زندگی ملتی ہے۔“ (حضرت زینب کبریٰ کے تاریخ ساز اور عہد آفرین خطبے، مطبوعہ ادارہ تمدن اسلام، کراچی، ص 59 تا 63)۔

ہم اپنی اس حقیر کاوش کو ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کے ان کلمات پر ختم کرتے ہیں:
 ”جو شخص اپنے کردار کی روشنی سے لوگوں کے دلوں کو منور کر کے خدا کی بارگاہ میں سرخرو ہونا چاہتا ہے تو اُسے چاہئے کہ

اپنی زبان کو حمد الہی کے تقدس سے بہرہ ور کرے کیونکہ پروردگار متعال ہر حمد کرنے والے کی حمد کو سنتا ہے اور جو شخص دل کی گہرائیوں سے حمد الہی بجالاتا ہے، گویا وہ قدرتِ خدا کی لازوال عظمتوں کے سامنے تواضع و اخلاص کا عظیم مظاہرہ کرتا ہے جس سے تقرب الہی کے حصول کی راہیں ہموار ہو جاتی ہیں“ (اعیان الشیعہ، احوال سیدہ زینبؑ)۔

۲. ثانی زہرا اور ہمارے فرائض

ہمارے لئے اب زینبؑ عالیہ کا دوسرا وجود قائم کرنا ممکن نہیں۔ چودہ صدیاں گزر گئیں کہ آپؑ نے اپنے خون اور اپنے خانوادہ پر کئے جانے والے مظالم کا پیغام دنیا بھر کو پہنچا کر اسے تاریخ کا مستقل حصہ بنا دیا اور خود نیاۓ فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ فرما گئیں۔ اب ہمارا فرض ہے کہ اپنے ضمیر کا تجزیہ کریں، زینبؑ عالیہ کے بارے میں غور کریں اور یہ جاننے کی کوشش کریں کہ یہ عظیم ہستی تھی کون، انہوں نے دینِ خدا کی خاطر اور اس کی ترویج کی راہ میں کیا کیا فرائض انجام دیئے اور ہمیں ان سے کیا حاصل ہوا۔

اس حقیقت میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ نہ صرف شیعہ بلکہ دنیا بھر کے تمام حریت پسند انسان اور وہ حضرات جنہوں نے حسینؑ و زینبؑ کی تاریخ اور کربلا کے قتلِ عام کی تفصیلات کا بغور مطالعہ کیا ہے، ان دونوں ہستیوں اور کربلا میں شہدائے راہِ حق کے ساتھ عقیدت رکھے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ایران، مصر، شام، عراق، پاکستان، ہندوستان، حتیٰ کہ یورپ و امریکہ جیسے ترقی یافتہ ممالک میں ایامِ محرم و صفر کے بارے میں ہمارے پاس کیسے حالات کی تفصیل پہنچتی ہیں، کس قدر مرثیہ خوانی دنیا کی ہر زبان میں ہوتی ہے، کس قدر گریہ ہوتا ہے اور سید الشہداء و ثانی زہراؑ شہدائے کربلا کے لئے کس قدر نالہ و زاری ہوتی ہے، اس کی تفصیل پیش کرنا کسی شخص کے لئے بھی ممکن نہیں۔

ہمارے خیال میں یہ اشک افشانی و گریہ و ماتم بہت اچھے کام ہیں، لیکن اس سے بہتر ہے کہ ہم ثانی زہراؑ کی حیاتِ مقدسہ اور واقعات سے سبق حاصل کریں، ان کے اسوۂ حسنی کو زندگی کا نصب العین و دستور العمل قرار دیں، سید الشہداء اور زینبؑ عالیہ کے فرمودات پر عمل کریں، ان فرمودات کی روشنی میں ایسا کردار تعمیر کرنے کی سعی کریں جس کا مطالبہ ہمارا دینِ ہم سے کرتا ہے اور کوشش کریں کہ ان کی مقدس زندگیوں سے ہر گوشہ اور ان کے تمام احکام و نصائح پر عمل کر کے ان کی پیروی کریں۔

ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کا مختصر تعارف

حضرات علی و فاطمہ علیہما السلام کی عظیم دختر، پروردہ آغوشِ رسولِ اعظم، خدیجۃ الکبریٰ، ملکیت العرب کی نورِ نظر، نسل

عبدالمطلب کا سرمایہ ناز، فرزند مدینہ و شرب، خانہ وحی میں تربیت یافتہ، حسن و حسین سردارانِ جوانانِ جنت کی پیاری بہن، ان کے ساتھ پلنے اور کھیلنے والی، پھر آخر کار اپنے دونوں عظیم و معصوم بھائیوں کی ہماز و ہمد و ہم پلہ، اپنے عہد پر قائم و دائم، شریعت رسول کی نمائندہ و مکلف، فرض شناس، انسان دوست، پیکرِ اخلاقی حسنہ، مصائب و آلام برداشت کرنے والی بردبار، میدانِ عمل کی آزمودہ کار و تجربہ کار، سیاسی معلم و مربی، مفسرِ قرآن، راویِ احادیثِ رسول و معصومین، تاریخ دان، امور و مسائلِ معاشرہ کی بصیر و پختہ کار و فہیدہ، اپنے قلبِ پاک میں اندوہ دین و غمِ امت کے شعلہ ہائے فروزاں رکھتی ہیں۔ عجیب و حیرت انگیز کیفیات، بے سروسامانی کی ایک دنیا اور جاہل و نادان قوم سے سابقہ رکھے ہوئے ہیں، یہ ایسی قوم ہے جو حق کو اس کے مقام پر نہیں دیکھتی، اس کے برعکس باطل کو حق کے مقام پر رکھے ہوئے، ہمیشہ سے اس فکر میں ہے کہ مقامِ امام اور والیِ امر سے آگے نکل جائے اور انہیں نظر انداز کرے، یہ سمجھے ہوئے ہے کہ اپنے آپ کو آتشِ دوزخ میں جلا کر بھی راہِ حق پر ہی رہے گی۔

ثانی زہرا سلام اللہ علیہا شہیدِ تاریخ ہیں۔ آپ کی والدہ محترمہ، پدیر بزرگوار، برادرانِ عالی قدر، فرزندانی ذی وقار، غرضیکہ آپ کے گھر کے سب افراد ایسے ہیں کہ اپنی جان ہائے عزیز و گرانقدر کو اعلائے کلمہ حق کی خاطر قربان کئے ہوئے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ معظمہ عالیہ عرصہ حیات میں آہستہ آہستہ درجہ بدرجہ اپنی منزلِ آخر تک پہنچیں۔ سفر میں ہر قسم کے اندوہ و غم سے دوچار رہیں جبکہ آپ کے برادرانِ بزرگ اور پدیر بزرگوار علیہم السلام نے ایک دم داعیِ اجل کو لبیک کہا، لیکن آپ ان سب آلام کو دیکھنے اور برداشت کرنے کیلئے زندہ رہیں۔ آپ کی مادرِ گرامی بھی گویا ہر روز موت سے ہمکنار ہوتیں، ہر لمحہ سانس کم ہوتے جاتے، حتیٰ کہ حیاتِ طیبہ سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا، اسی طرح اپنے اختتام کو پہنچی۔

ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کے کارہائے نمایاں

زیب کبریٰ نے حیاتِ تازہ بخشی:

- ✽ دین کو
- ✽ شرافت و تقویٰ کو
- ✽ عفت و حیا کو
- ✽ وفائے عہد و پیمان کو
- ✽ راہِ رسم حیاتِ عقیدت کو

✽ عزت کی زندگی کو

✽ اسلام کے فراموش کردہ آثار و اصول کو

✽ اسلام کی تاریخ کو

✽ خواتین عالم کے حقیقی و صحیح شعار کو

✽ خواتین کے لئے فرائض و پیغام دین کو

(کہاں تک بیان کیا جائے کہ معظمہ عالم کے اسوہ حسنی و کارہائے عظیم کی انتہا نہیں)۔

سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی عظیم نورِ نظر نے معجزانہ اقدام پیش کئے:

✽ اپنے فرائض کی قبولیت میں

✽ ہمت و سعی میں

✽ خاندان، اپنی زندگی کے نصب العین و سخاوت میں

✽ اپنے صاحبزادوں کی راہِ دین میں قربانی میں

✽ آرام و آسائش کو دین کی خاطر ترک کرنے میں

✽ آبرو کو خطرات سے دوچار کرنے میں

✽ مال و روزِ یور حتیٰ کہ اپنی ردا کو قربان کر دینے میں

✽ اپنے جسمِ ناتواں کو دشمن کے تازیانوں کی نظر کرنے میں اور یہ سب کچھ نانائے دین کو حیاتِ دائمِ مہیا کرنے کی خاطر کیا۔

اپنے فرائضِ دین کی انجام دہی کیلئے، پیغامِ دین کو نشر کرنے کیلئے علی و فاطمہؑ کی عظیم بیٹی:

✽ سید الشہداء علیہ السلام کے ساتھ وطن سے بے وطن ہوئیں،

✽ بھوک و پیاس میں ان کا پوری طرح ساتھ دیا

✽ بیٹوں کی مصاحب و سرپرست بنیں

✽ اسیر ہوئیں

✽ دربارِ ابنِ زیاد ملعون میں گئیں

✽ دربارِ یزید ملعون میں جانا

✽ کوفہ و شام کے بازاروں میں در بدر ہوئیں

✽ خطبات دیئے جن سے غیرتِ انسانی جھجھوڑی گئی

✽ غالیین کو اپنے فرمودات سے شرمندہ کیا

✽ فرائضِ منہی انجام دیئے

✽ اپنے حصہ کا کھانا بچوں کو کھلا کر گرسنگی کا مسلسل شکار رہیں

✽ اپنے جسمِ نازنین کو سید الشہداء علیہ السلام کے بچوں اور دشمن کے تازیانوں کے درمیان رکھ دیا

✽ خونِ ناحق اور شہادتِ عظمیٰ کے پیغام کو دنیا بھر کے کانوں تک پہنچانے کیلئے قیام فرمایا۔

ثانی زہرائے کیا دیکھا اور آپؐ پر کیا کچھ گزر گیا

ثانی زہرائے لا تعداد داغ ہائے ستم دیکھے، تلخیوں کو برداشت کیا، بے حیاؤں کا مشاہدہ و سامنا کیا، بے وفائیوں کو ملاحظہ

فرمایا، دشمنوں کی نامردیوں اور اپنوں کی نامردیوں کو دیکھا، ایسے مصائب و آلام سے گزریں کہ چشمِ فلک نے جنہیں کبھی دیکھا

نہ تھا، اپنی عزیز ترین ہستی، امام حسین علیہ السلام کو زبردستی غلام دیکھا، شہید صاحبزادوں کی لاشیں خیام میں لائی گئیں لیکن احترام

سید الشہداء اور انتہائے صبر کے پیشِ نظر ان کے دیدار کیلئے بھی آگے نہ بڑھیں۔

ثانی زہرِ اسلام اللہ علیہا غربت نصیب اور رنجِ دالم کی تختہ مشق ہستی تھیں۔ دشمن نے ان کو اور ان کی زیرِ سرپرستی خواتین کو

شہروں اور قصبوں میں تشہیر کیا لیکن نہ سببِ عالیہ نے اپنی اس آوارہ وطنی کو اپنے مقدس ہدف کے حصول کا ایک وسیلہ قرار دیا۔ ان

تمام حادثات و آلام کو برداشت کیا تاکہ:

✽ اسلام زندگی پائے

✽ بھوک کو برداشت کیا تاکہ عوامِ الناس کے دستِ خوان پر روٹی مہیا ہو سکے

✽ پیاس کی تحمل ہوئیں تاکہ معاشرہ کے چشمہ جات میں پاکیزہ پانی بہہ سکے۔

آپؐ حزن و ملال و غم اور اس کے تاثرات و تاسف کی خوگر ہوئیں لیکن ان کیفیات کو ہرگز ظاہر نہ ہونے دیا مبادا کہ یہ

اظہارِ دشمن کے دل کی خوشی کا سبب بنے۔ قلبِ حزین اندر ہی اندر اٹک ریز تھا لیکن مکار و کمینہ دشمن کے سامنے ایک آنسو بھی

آنکھ سے نہ گرایا کہ وہ آپ کی اشک افشانی کو اپنی فتح و کامرانی نہ جاننے لگے۔ اس طرح دشمن آپ کے لب ہائے مبارک سے ایک آہ سننے کو بھی ترس گیا۔

ان سب باتوں کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اپنے دوستوں کے قلوب میں غم و الم اور گریہ و ماتم کے ایسے شعلے بھر دیئے کہ ہم صدیوں سے آپ کے غم میں گریہ کناں ہیں لیکن پھر بھی یہ احساس رکھتے ہیں کہ ابھی وہ سیل اشک ہمارے قلوب میں موجزن ہے جس کا نہ تو ہم اندازہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی اسے پوری طرح بہا کر اشک افشانی سے سیر ہو سکتے ہیں۔

ثانی زہرا کی حیاتِ اقدس سے حاصل کردہ دروس

افسوس کہ من حیث القوم ہماری اکثریت نے زینبؓ کبریٰ کی یاد اور آپ کے مصائب پر گریہ کرنے اور اشک افشانی کے سوا اور کچھ نہیں کیا۔ ہماری خواتین نے ثانی زہراؓ سے اظہارِ محبت و عشق میں ان کی مہربانیوں کے عوض مرثیہ خوانی، اشک ریزی یا آپ کے یوم ولادت پر مجالس و محافلِ جشن کے انعقاد سے آگے کچھ نہیں کیا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کے کردارِ عظیم کے راہ و رسم کو اپنانے، ایک خاتون کی حیثیت سے اپنے فرائض کی انجام دہی اور اپنے پیغام کو پہنچانے، عرصہٴ حیات میں آپ کی سیرت و کردار کو بطور نمونہ اختیار کرنے، اپنے ہدف کے حصول کی خاطر آرام و زینت و آسائش و سکون کو ترک کرنے، حصولِ مقصد کیلئے لذتِ دنیاوی کو ٹھکرا دینے، اپنے آپ کو صدمات و مصائب کا تختہٴ مشق بنانے..... ان سب کیفیات میں ہمیں کوئی فرد ایسا نظر نہیں آتا جس نے کسی طرح کوئی پیش قدمی کی ہو۔

اس مقصد کے حصول کیلئے ضروری ہے کہ ثانی زہراؓ اسلام اللہ علیہا کے بارے میں سابقہ صفحات میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے، اس پر نظرِ ثانی کی جائے۔ کم از کم ہم اپنے ان مطالب کی فہرست ہی کا ایک بار پھر مطالعہ کر لیں جو ہم نے معظمہٴ عالم کے متعلق اس کتاب میں قائم کئے ہیں۔ اس صورت میں ہمیں اندازہ ہو سکے گا کہ زینبؓ عالیہ کی حیاتِ اقدس سے ہمیں کیا سبق لینا ہے۔ زینبؓ عالیہ جیسا کون ہو سکتا ہے جو اپنے حصولِ مقصد کے لئے ایسی ایسی بلیات و مصائب کا مقابلہ کرے اور اس قدر صبر و استقامت کا اظہار کر سکے؟ ہم زینبؓ عالیہ جیسے تو ہرگز نہیں ہو سکتے لیکن کم از کم اتنا تو کرنا ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کے نقوشِ قدم کی پیروی کرتے ہوئے ان کے کردار کی کسی حد تک نقل کرنے کی کوشش کریں۔

مرثیہ نگاری

ثانی زہراؓ اسلام اللہ علیہا کے مداحوں نے آپ کی مدح میں قصائد کی صورت میں ہر زمانہ میں مدح سرائی کی ہے اور

مرثیہ نگاروں نے بھی نہایت عمدہ و دقیق اشعار و عبارات نثر آپ کے غم میں موزوں کئے ہیں جن سب کا جمع کرنا ہماری اس تالیف کے مقاصد میں شامل نہیں۔ ہم یہاں کاشف الغطاء مرحوم کے چند اشعار ان کے ایک مرثیہ سے پیش کرتے ہیں جو ان کے وسیع مجموعہ اشعار کا حصہ ہیں:

رَأَتْ مِنَ الْخُلُوبِ وَالرَّزَايَا امراً تَهُونُ دُونَهُ الْمَنَايَا

انہوں نے مشکلات و مصائب کو مسلسل برداشت کیا جن کے مقابلہ میں موت بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

رَأَتْ رُؤْساً بِالْقَنَاتِ شَالَ وَجُثَّتْ أَكْفَانُهَا الرِّمَالُ

انہوں نے سروں کو نیزوں پر دیکھا جو جسموں سے الگ کئے گئے تھے اور ان کے جسموں کے کفن معرا کی خاک و ریت تھی

رَأَتْ رَضِيعاً بِالسَّهَامِ لَفِظَمَ وَصَبِيَّةً بَعْدَ أَبِيهِمْ أُتِيمُوا

انہوں نے دیکھا کہ ان کے شیرخوار بچہ کو تیر مار کر دودھ سے محروم رکھا گیا اور بچوں کو دیکھا جو باپ کی موت سے یتیم ہو گئے

رَأَتْ شِمَاتَةَ الْعَدُوِّ فِيهَا وَصُنْعَهَا مَا شَاءَ فِي أَحْيِهَا

وہ دشمن کی شامت و سرزنش سنتی تھیں اور دیکھ رہی تھیں کہ وہ ان کے بھائی کے (حسین مظلوم کے بریدہ سر) ساتھ کیا کر رہے تھے!

مَغْلُولَةٌ الْآيْدِي إِلَى الْأَعْتَاقِ تَسْبِي عَلَى عَجْفٍ مِنَ الْبُنْيَاقِ

اُن کے اور سب اسیروں کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور ان سب کو ایک ہی زنجیر میں باندھ رکھا تھا

قَدْ تَرَكْتُ عَزِيزَ هَا عَلَى الثَّرَى وَخَلَفْتُهُ فِي الْهَجِيرِ وَالْعَرَى

انہوں نے اپنے عزیزوں کو اس وادی و بیابان میں خاک پر بکھرے ہوئے بے کفن و برہنہ دیکھا تھا

إِنَّ نَظَرْتُ لَهَا الْعُيُونُ وَلَوْلَتْ أَوْ نَظَرْتُ إِلَى الرَّؤُوسِ وَلَوْلَتْ

اگر چشم (انسانی) ان عریاں جسموں کو اور آنکھیں اُن بریدہ سروں پر پڑیں تو نالہ و فریاد بلند ہونے لگیں

حَاسِرَةُ الْوَجْهِ بِغَيْرِ بُرْقِعٍ لَا سِتْرَ غَيْرَ سَاعِدٍ وَأَذْرُعٍ

چادر اُن کے سر سے چھین لی گئی تھی اور انہوں نے اپنے چہروں کو اپنی ہتھیلیوں سے چھپایا ہوا تھا۔



۱۔ تبصرہ اختتام

عظیم علی کی عظیم بیٹی کی سوانح حیات ختم ہوئی۔ ہمارے کمزور و ناتواں و بے بضاعت ہاتھوں کی کاوش کسی طرح بھی ایسی عظیم ہستی کے بارے میں کما حقہ طور پر کچھ بھی کہنے کے قابل نہیں بلکہ کسی گوشہ حیات کے بارے میں کچھ بھی کہنا ناممکن ہے۔ معظمہ مکتونین وہ ہیں جن کی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم توصیف فرماتے ہیں، باب مدینۃ العلم ابوالآتمہ امیر المؤمنین علیہ السلام جن پر فخر کرتے ہیں، حسن مجتبیٰ علیہ السلام برادر بزرگ ہوتے ہوئے جن کے مشورہ کو ہر شعبہ زندگی میں لازم جانتے ہیں اور سب سے آخر میں سید الشہداء امام حسین علیہ السلام نہ صرف آپ کو رموزِ امامت سپرد فرماتے ہیں، نماز شب میں مخدومہ عالمین سے اپنے آپ کو یاد رکھنے کی درخواست کرتے ہیں، اپنے پورے قافلہ کی نگران مقرر فرماتے ہیں بلکہ دنیا پر ثابت کر رہے ہیں کہ وراثت سید المرسلینؐ اور آنحضرتؐ کی ولایت کیلئے جواب سید الساجدین علیہ السلام کی صورت میں دنیا میں باقی ہے، آپ ہی محافظ ہو سکتی ہیں۔ ہم جیسے کمزور خادم کی نجات کیلئے تو اتنا ہی کرم بہت کافی ہے کہ مخدومہ کربلا، غلط یا صحیح، کسی طرح بھی اپنے ادنیٰ ترین ذکر کرنے والوں کی صفحہ آخر ہی میں کھڑے ہونے والوں میں ہمیں قبول فرمائیں، تو یہ ہم ایسے بے بضاعت کے لئے سہارہ عاقبت ہو جائے۔ ہمارے پاس ان کے لئے ہے کیا؟ چند حقیر آنسو اور انہی سے درخواست کہ ہمیں اپنے یاد کرنے کی صلاحیت عطا فرمادیں کہ:

مگر قبول اللہ زہے عز و شرف



۲۔ زیارۃُ الْمُفْجَعَةِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(شروع کرتا ہوں) اللہ کے نام سے جو رحمن و رحیم ہے۔

السَّلَامُ عَلَیْكَ يَا بِنْتُ سَيِّدِ الْأَنْبِیَاءِ ،

سلام ہو آپ پر اے سیدہ الانبیاء کی نورِ نظر۔

السَّلَامُ عَلَیْكَ يَا بِنْتُ صَاحِبِ الْحَوْضِ وَاللَّوْآءِ ،

سلام ہو آپ پر اے والی کوثر اور لواءِ الحمد کے مالک کی لختِ جگر۔

السَّلَامُ عَلَیْكَ يَا بِنْتُ مَنْ عُرِجَ اِلَى السَّمَاءِ ،

سلام ہو آپ پر اے قَابِ قَوْسَیْنِ اَوْ اَذْنٰی کی منزل

وَوُصِّلَ اِلٰی مَقَامِ قَابِ قَوْسَیْنِ اَوْ اَذْنٰی ،

تک افلاک کی بلند یوں سے گزر کر پہنچنے والے کی صاحبزادی۔

السَّلَامُ عَلَیْكَ يَا بِنْتُ نَبِیِّ الْهُدٰی، وَ سَيِّدِ

سلام ہو آپ پر اے سرچشمہ ہدایت نبی کی پارہ جگر جو سردارِ

الْوَرٰی، وَمُنْقِذِ الْعِبَادِ مِنَ الرَّدٰی،

دو جہاں اور خلقِ خدا کے محافظ ہیں

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتَ صَاحِبِ الْخُلُقِ الْعَظِيمِ،

سلام ہو آپ پر اے صاحبِ خلقِ عظیم کی بیٹی،

وَالشَّرَفِ الْعَمِيمِ، وَالْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ،

جو شرف بے پایاں کے مالک، مظہرِ آیات پروردگار، صاحبِ قرآنِ حکیم ہیں۔

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتَ صَاحِبِ الْمَقَامِ

سلام ہو آپ پر اے صاحبِ مقامِ محمود، ساقیِ واردانِ

الْمَحْمُودِ، وَالْحَوْضِ الْمَوْزُودِ، وَاللَّوْآءِ الْمَشْهُودِ،

تسلیم، روزِ قیامت جس کا علم بلند ہوگا

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتَ مَنْهَجِ دِينِ الْإِسْلَامِ،

سلام ہو آپ پر دینِ اسلام کے رہنما،

وَصَاحِبِ الْقِبْلَةِ وَالْقُرْآنِ، وَعَلِمِ الصِّدْقِ

قبلہ و قرآن کے مالک، سچائی و حق و

وَالْحَقِّ وَالْإِحْسَانِ،

نیکی کے والد نشان کی فرزند۔

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتَ صَفْوَةِ الْأَنْبِيَاءِ،

سلام ہو سرتاجِ انبیاء کی نورِ نظر پر،

وَعَلِمِ الْأَتْقِيَاءِ، وَمَشْهُورِ الذِّكْرِ فِي السَّمَاءِ

پرہیزگاروں کے سرمایہ افتخار، عالمِ افلاک کی محبوب ہستی

وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ،

جس کو اللہ کی رحمت و برکات حاصل ہیں۔

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتَ خَيْرِ خَلْقِ اللَّهِ، وَسَيِّدِ

سلام ہو اُس کی عظیم صاحبزادی پر جو مخلوق خدا میں بہترین، اس کی مخلوق کا

خَلْقِهِ، وَأَوَّلِ الْعَدَدِ قَبْلَ إِبْجَادِ أَرْضِهِ

سردار، جو زمین و آسمان کی تخلیق سے پہلے عالم وجود

وَسَمَاوَاتِهِ، وَ آخِرِ الْأَبَدِ بَعْدَ فَنَاءِ الدُّنْيَا

میں لایا گیا، جو دنیا اور دنیا والوں کی فنا کے بعد حیات جاوداں

وَأَهْلِهِ، الَّذِي رُوحُهُ نُسخَةُ اللَّاهُوتِ

سرشار ہوگا، جس کی روح کتاب خدا کا نسخہ مفروضہ،

وَصُورَتُهُ نُسخَةُ الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوتِ،

جس کی صورت اقتدار و عظمت کا صحیفہ یکتا،

وَقَلْبُهُ خُزَانَةُ الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ.

جس کا قلب حی و قیوم پروردگار کا خزانہ، جس پر اللہ کی رحمت و برکات نازل ہوتی ہیں۔

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتَ الْمُظَلَّلِ بِالْغَمَامِ،

سلام ہو اس کی لخت جگر پر جسے رفعتوں کا سایہ حاصل ہے،

سَيِّدِ الْكُونَيْنِ، وَمَوْلَى الثَّقَلَيْنِ، وَشَفِيعِ

دنیا و آخرت کی سیادت جس کے لئے ہے، جن و انس کے آقا،

الْأَمَّةِ يَوْمَ الْمَحْشَرِ، وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ.

یوم حشر امت کے شفیع، آپ پر اللہ کی رحمت و برکات ہوں۔

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتَ سَيِّدِ الْأَوْصِيَاءِ

سلام ہو آپ پر اے سید الاوصیاء کی صاحبزادی

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتَ إِمَامِ الْأَتْقِيَاءِ

سلام آپ پر اے متقیوں کے امام کی نور نظر

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتَ رُكْنِ الْأَوْلِيَاءِ

سلام ہو آپ پر اے اولیاء کے سہارے کی نخت جگر

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتَ عِمَادِ الْأَصْفِيَاءِ

سلام ہو آپ پر اللہ کے منتخب بندوں کی ڈھارس کی فرزند

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتَ يَغْسُوبِ الدِّينِ

سلام ہو آپ پر اے دین داروں کے سردار کی صاحبزادی

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتَ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ،

سلام ہو آپ پر اے امیر المؤمنین کی بیٹی

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتَ سَيِّدِ الْوَصِيِّينَ

سلام ہو آپ پر اے سید الاوصیاء کی نور نظر

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتَ قَائِدِ الْبَرَّةِ،

سلام ہو آپ پر اے تمام لوگوں کے قائد کی آرام جاں

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتَ قَامِعِ الْكُفْرَةِ

سلام ہو آپ پر اے کفر اور برائیوں کی بیخ کنی

وَالْفَجْرَةِ،

کرنے والی نور چشم

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتَ وَاِثِ النَّبِيِّنَ

سلام ہو آپ پر اے انبیاء کے وارث کی بیٹی

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتَ خَلِيفَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ

سلام ہو آپ پر اے انبیاء کے سردار کے خلیفہ کی دختر عظیم

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتَ ضِيَاءِ الدِّينِ

سلام ہو آپ پر اے دین کو ضیاء بخشنے والی کی نور نظر

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتَ النَّبَاءِ الْعَظِيمِ عَلَى الْيَقِينِ

سلام ہو آپ پر اے نباء عظیم (علی مرتضیٰ) و سر چشمہ یقین کی راحت جان

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتَ مَنْ حِسَابُ

سلام ہو آپ پر، اس کی فرزند جو لوگوں کا حساب و کتاب

النَّاسِ عَلَيْهِ. وَالْكَوْثَرِ فِي يَدَيْهِ.

چکانے والا، حوض کوثر سے اپنے ہاتھ سے سیراب کرنے والا،

وَالنَّصَّ يَوْمَ الْغَدِيرِ عَلَيْهِ، وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ.

اور غدیر کے دن خلافت الہیہ کی سند پانے والا، اللہ کی رحمت و برکات ہوں آپ پر

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتَ مَنْ قَادَ زَمَامَ

سلام ہو آپ پر اس کی صاحبزادی جس کے ناقہ کی مہار

نَافَتْهَا جَبْرَ آئِيلَ وَشَارَ كَهَا فِي مُصَابِهَآ

جبریل کے ہاتھ میں ہوگی، اسرافیل جس کے غم و اندوہ میں برابر

إِسْرَافِيلُ وَغَضِبَ بِسَبَبِهَا الرَّبُّ الْجَلِيلُ

شریک رہے، جس کے مصائب ربِ جلیل کے غضب کا باعث،

وَبَكَى لِمُصَابِهَآ إِبْرَاهِيمُ الْخَلِيلُ، وَنُوحٌ.

جس کے صدمات پر اللہ کے خلیل ابراہیم، اور نوح و

وَمُوسَى الْكَلِيمُ. فِي كَرْبَلَاءِ الْحُسَيْنِ الشَّهِيدِ الْغَرِيبِ.

موسیٰ کلیم اللہ، کربلا میں حسین شہید و غریب پر رویا کئے۔

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتَ الْبُدُورِ السَّوَاطِعِ

سلام ہو آپ پر اے چاند کی طرح اُجالا کرنے والوں کی لختِ جگر،

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتَ الشُّمُوسِ الطَّوَالِعِ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ،

سلام ہو آپ پر اے سورج کی طرح روشنی برسانے والے کی روح رواں، اللہ کی رحمت و برکات ہوں آپ پر،

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتَ زَمْزَمَ وَصَفَا،

سلام ہو آپ پر اے زمزم و صفا کی صاحبزادی،

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتَ مَكَّةَ وَمِنَى

سلام ہو آپ پر اے مکہ و منیٰ کی روشنی۔

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتُ مَنْ حُمِلَ عَلَى الْبُرَاقِ فِي الْهَوَاِ .

سلام ہو آپ پر ہوا میں برق پر سوار ہونے والے کی صاحبزادی

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتُ مَنْ حَمَلَ الزَّكَاةَ

سلام ہو آپ پر اے عبا میں بھر بھر کر فقراء میں

بِاطْرَافِ الرِّدَاِ، وَبَذَلَهُ عَلَى الْفُقَرَاِ،

زکوٰۃ تقسیم کرنے والے کی مایہ ناز صاحبزادی۔

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتُ مَنْ أُسْرِى بِهِ

سلام ہو آپ پر اُس کی فرزند جس کو مسجد الحرام سے

مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى،

مسجد اقصیٰ تک سیر کروائی گئی۔

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتُ مَنْ ضَرَبَ بِالسَّيْفَيْنِ،

سلام ہو آپ پر اے دو تلواروں سے جہاد کرنے والی کی نورِ نظر

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتُ مَنْ صَلَّى قِبْلَتَيْنِ،

سلام ہو آپ پر اے دونوں قبلوں کی جانب نماز پڑھنے والے کی فرزند

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتُ مُحَمَّدٍ نِ الْمُصْطَفَى

سلام ہو آپ پر اے محمدؐ کی نختہ جگر

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتُ عَلِيٍّ نِ الْمُرْتَضَى

سلام ہو آپ پر اے علیؑ مرتضیٰ کی فرزند

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتَ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ

سلام ہو آپ پر اے فاطمہ زہرا کی پارہ دل

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتَ خَدِيجَةَ الْكُبْرَى

سلام ہو آپ پر اے خدیجہ کبریٰ کی صاحبزادی

السَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ جَدِّكَ مُحَمَّدٍ الْمُخْتَارِ

سلام ہو آپ پر اور آپ کے جد محمد مختار پر

السَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ أَبِيكَ حَيْدَرَ الْكَرَّارِ

سلام ہو آپ پر اور آپ کے پدر بزرگوار حیدر کرار پر

السَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ السَّادَاتِ الْأَطْهَارِ

سلام ہو آپ پر اور سادات پاک پر جو خیرات کرتے تھے

الْأَخْيَارِ، وَهُمْ حُجَّجُ اللَّهِ عَلَى الْإِقْطَارِ،

اور دنیا بھر کے لئے اللہ کی حجت تھے،

سَادَاتُ الْأَرْضِ وَالسَّمَاءِ، مِنْ وَلَدِ أَخِيكَ

زمین اور آسمانوں کے سردار تھے، آپ کے برادر بزرگ

الْحُسَيْنِ الشَّهِيدِ الْعَطْشَانِ الظَّمْثَانِ،

حسینؑ پر جو تشنہ لب و تشنہ کام شہید ہیں،

وَهُوَ أَبُو التَّسْعَةِ الْأَطْهَارِ، وَهُمْ حُجَّجُ

نومعصوموں کے باپ ہیں، اللہ کی حجت ہیں

اللّٰهُ فِي الشَّرْقِ وَالْغَرْبِ وَالْأَرْضِ وَالسَّمَاءِ.

مشرق و مغرب و زمین و آسمان پر

الَّذِينَ حُبُّهُمْ فَرَضَ عَلَيَّ أَغْنَاكِ كُلِّ

جن کی محبت فرح ہے کائنات کی تمام

الْخَلَائِقِ الْمَخْلُوقِينَ لِخَالِقِ الْقَادِرِ السُّبْحَانِ

مخلوق پر جو قادر و سبحان نے خلق فرمائی۔

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتَ وَلِيِّ اللَّهِ الْأَعْظَمِ،

سلام ہو آپ پر اے اللہ کے سب سے بڑے ولی کی صاحبزادی

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتَ وَلِيِّ اللَّهِ الْمُعْظَمِ.

سلام ہو آپ پر اے اللہ کے ولی معظم کی دختر

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بِنْتَ يَاعَمَّةَ وَلِيِّ اللَّهِ الْمُكْرَمِ.

سلام ہو آپ پر اے اللہ کے مکرم ولی کی پھوپھی

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أُمَّ الْمَصَائِبِ يَا زَيْنَبُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ.

سلام ہو آپ پر اے اُم المصائب، اے زینب (علیہا) اور آپ پر اللہ کی رحمت و برکات ہوں۔

السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الصِّدِّيقَةُ الْمَرْضِيَّةُ.

سلام ہو آپ پر اے صدیقہ و راضی برضائے پروردگار ربی بی

السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْفَاضِلَةُ الرَّشِيدَةُ،

سلام ہو آپ پر اے فاضلہ و علم پرور معظمہ،

السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْكَامِلَةُ الْعَالِمَةُ الْعَامِلَةُ،

سلام ہو آپ پر اے علم و عمل میں کامل خاتونِ مکرم
السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْكَرِيمَةُ النَّبِيلَةُ،
سلام ہو آپ پر اے گرامی مرتبت و کرامت نسب مخدومہ

السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا التَّقِيَّةُ النَّقِيَّةُ،
سلام ہو آپ پر اے تقویٰ سرشت و پاک نہاد مخدومہ

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مَنْ ظَهَرَ ثَمَحِبَّتُهَا
سلام ہو آپ پر جس کی عظیم محبت نے اپنے برادر

لِلْحُسَيْنِ الْمَظْلُومِ فِي مَوَارِدَ عَدِيدَةٍ،
مظلوم حسینؑ کو لاتعداد مواقع پر سہارا دیا،

وَتَحْمِلُ الْمَصَائِبَ الْمُحْرِقَةَ لِلْقُلُوبِ
ایسے مصائب میں ساتھ دیا جن سے قلوب جل جائیں

مَعَ تَحْمُلَاتٍ شَدِيدَةٍ.

اور شدید حالات میں ہمراہ رہیں۔

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مَنْ حَفَظْتَ الْإِمَامَ فِي

سلام ہو آپ پر جس نے عاشور کے دن امام وقت

يَوْمَ عَاشُورَ آءٍ فِي قَتْلِي،

کی حفاظت کا فرض انجام دیا،

وَبَدَّلْتُ نَفْسَهَا فِي نَجَاتِ زَيْنِ الْعَابِدِينَ

اور امام زین العابدین (علیہ السلام) کو شقی ترین شخص

فِي مَجْلِسِ أَشْقَى الْأَشْقِيَاءِ،

یعنی (بادشاہ) کے دربار میں اپنی جان لڑادی،

وَنَطَقْتُ كَنُطْقِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فِي

اور کوفہ کے کوچہ بازار میں حضرت علیؑ کے

بِسُكِّ الْكُوفَةِ، وَحَوْلَهَا كَثِيرٌ "مِنَ الْأَعْدَاءِ،

لہجہ میں کثیر دشمنوں سے خطاب فرمایا

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مَنْ نَطَحَتْ جَبِينُهَا

سلام ہو آپ پر کہ آپ نے نیزہ کی اُنی پر

بِمُقَدِّمِ الْمُحْمِلِ، إِذْ رَأَتْ رَأْسَ سَيِّدِ الشُّهَدَاءِ

سید الشہداء علیہ السلام کا سر دیکھ کر کجاوہ کی چوب سے اپنا سر زخمی کر لیا

وَيَخْرُجُ الدَّمُ مِنْ تَحْتِ قِنَاعِهَا، وَمِنْ

اور آپ کا خون جب محمل سے گر کر زمین میں جذب ہوا تو

مَحْمِلُهَا، بِحَيْثُ يَرَى مِنْ حَوْلِهَا الْأَعْدَاءُ.

دُشمن کی آنکھوں نے بھی یہ سماں دیکھا۔

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا تَالِيَّ الْمَعْصُومِ،

سلام ہو آپ پر اے مظہر عصمت

الْسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُتَحِنَةً فِي نَحْمَلَاتِ

سلام ہو آپ پر اے مصائب کی یورش میں

الْمَصَائِبِ كَالْحُسَيْنِ الْمَظْلُومِ، وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ.

حسین مظلوم کی طرح کامیاب و کامران اور آپ پر اللہ کی رحمت و برکات ہوں

الْسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيَّتُهَا الْبُعِيدَةُ مِنَ الْأَوْطَانِ.

سلام ہو آپ پر اے غریب الوطن مخدومہ

الْسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيَّتُهَا الْأَسِيرَةُ فِي الْبُلْدَانِ

سلام ہو آپ پر اے اسیر محن معظمہ

الْسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيَّتُهَا الْمُتَحَيِّرَةُ فِي خَرَابَةِ الشَّامِ.

سلام ہو آپ پر اے خرابہ شام میں قید رہنے والی عظیم بی بی

الْسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيَّتُهَا الْمُتَحَيِّرَةُ فِي وَقُوفِكَ

سلام ہو آپ پر اے سید الشہداء علیہ السلام کے جسد پاک

عَلَى جَسَدِ سَيِّدِ الشُّهَدَاءِ

پر حیران و پریشان کھڑی ہونے والی جو اس وقت

وَخَاطَبْتَ جَدَّكَ رَسُولَ اللَّهِ، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، بِهَذَا النَّدَاءِ،

کہہ رہی تھی اے نانا! آپ پر تو

صَلَّى عَلَيْكَ مَلَائِكَةُ السَّمَاءِ، هَذَا

آسمانوں کے ملائکہ درود بھیجتے ہیں، یہ ہے آپ کا

حُسَيْنٌ بِالْعَرَاءِ، مَسْلُوبُ الْعِمَامَةِ

حسینؑ جس کی عبادِ عمامہ سب لوٹ لئے گئے،

وَالرَّدَّ آءٍ، مُقَطَّعُ الْأَعْضَاءِ،

جس کے جسم کے ٹکڑے میدان میں بکھرے پڑے ہیں،

وَبَنَاتُكَ سَبَايَا، وَالِی اللّٰهِ الْمُشْتَكٰی وَقَالَتْ:

آپ کی بیٹیوں کو قید کر دیا گیا، اللہ کے سوا جن کی کوئی شکایت سننے والا نہیں۔

يَا مُحَمَّدُ! هَذَا حُسَيْنٌ تُسْفِي عَلَيْهِ

اے محمدؐ! یہ آپ کا حسینؑ ہے جس پر بادِ صبا خاک کی چادر چڑھا

رِيحُ الصَّبَا، مَجْدُودُ الرَّأْسِ مِنَ الْقَفَا،

رہی ہے، جس کو پسِ گردن سے ذبح کیا گیا،

قَتِيلَ أَوْلَادِ الْبَغَايَا،

جسے بدکاروں کی اولاد نے قتل کیا،

وَاحْزَنَاهُ عَلَيْكَ يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ!

ہائے! ابا عبد اللہ الحسینؑ

السَّلَامُ عَلٰی مَنْ تَهَيَّجَ قَلْبُهَا لِلْحُسَيْنِ

سلام ہو اس بہن کے ہيجان آمیز قلب پر جس نے حسینؑ مظلوم

الْمَظْلُومِ الْعُرْيَانِ الْمَطْرُوحِ عَلَى الثَّرَى،

کی میت بے کفن زمین پر پڑی دیکھی

وَقَالَتْ بِصَوْتٍ حَزِينٍ ،

اور انتہائی دردناک لہجہ میں کہا:

بَابِي مَنْ نَفْسِي لَهُ الْفِدَاءُ

میرا باپ قربان اس مقتول راہِ حق پر

بَابِي الْمَهْمُومُ حَتَّى قَضَى

میرا باپ قربان ہو اس افسردہ خاطر قتل پر

بَابِي الْعَطْشَانُ حَتَّى مَضَى

میرا باپ قربان اس پر جو زندگی کے لمحہ آخر تک پیاسا رہا

بَابِي مَنْ شَيْبَتُهُ تَقَطَّرُ بِالِدِمَاءِ

میرا باپ قربان اس شہید پر جس کی ریش سے خون کی بوندیں ٹپک رہی تھیں

الْسَّلَامُ عَلَى مَنْ بَكَتْ عَلَى جَسَدِ أَخِيهَا بَيْنَ الْقَتْلَى

سلام ہو اس عظیم بہن پر جس نے مقتول بھائی پر گریہ کیا، اس طرح کہ

حَتَّى بَكَى لِبُكَائِهَا كُلُّ عَدُوٍّ وَصَدِيقٍ

دُشمن و دوست سب اس پر رونے لگے

وَرَأَى النَّاسُ دُمُوعَ الْخَيْلِ تَنْحَدِرُ عَلَى

اور لوگوں نے دیکھا کہ سواری کے گھوڑے بھی اس پر اس قدر اشکبار

خَوَافِرُهَا عَلَى التَّحْقِيقِ ،

ہوئے کہ ان کے سُم بھیگ گئے

السَّلَامُ عَلَى مَنْ تَكَفَّلْتُ وَاجْتَمَعَتْ

سلام ہو اس پر جس نے کفالت کی اور جمع کیا

فِي عَصْرِ عَاشُورَ آءِ بَنَاتِ رَسُولِ اللَّهِ، وَ أَطْفَالِ الْحُسَيْنِ.

عصرِ عاشور کو رسول اللہ کی صاحبزادیوں کو اور حسین مظلوم کے بچوں کو

وَقَامَتْ لَهَا الْقِيَمَةُ فِي شَهَادَةِ الطِّفْلِينِ

اور جس پر اس وقت قیامت گزر گئی جب دو بچے غریب و مظلوم

الْغَرِيْبَيْنِ الْمَظْلُومَيْنِ

ان کے سامنے شہید ہو گئے۔

السَّلَامُ عَلَى مَنْ لَمْ تَنْمَ عَنْهَا لِأَجْلِ

سلام ہو اس مخدومہ پر جس نے اللہ والوں یعنی اہل بیت کی

حِرَاسَةِ آلِ اللَّهِ، فِي طَفِّ نَيْنَوِ آءِ،

حفاظت میں تمام رات جاگ کر نینوا کے ریگستان میں گزاردی،

وَصَارَتْ أَسِيرًا ذَلِيلًا بَيْدَ الْأَعْدَاءِ

جو معظّمہ اسیر ہوئی جسے دشمنوں نے اس کے مرتبہ سے گرانے کی کوشش کی

السَّلَامُ عَلَى مَنْ رَكِبَتْ بَعِيرًا بَغِيرٍ وَطَاءِ،

سلام اس پر جسے بے عماری کے ناقہ پر سوار کیا گیا اور اس وقت

وَنَادَتْ أَخِيهَا أَبَا الْفَضْلِ بِهَذَا النَّدَاءِ:

جس نے اپنے بھائی ابوالفضل کو دردناک آواز میں پکارا

اَخِيَّ اَبَا الْفَضْلِ، اَنْتَ الَّذِي رَكِبْتَنِي اِذَا
اے بھائی ابو الفضل! تو نے مجھے حمل میں سوار کرایا تھا جب
اَرَدْتُ الْخُرُوجَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ
ہم مدینہ سے چلے تھے۔

السَّلَامُ عَلٰی مَنْ خَطَبْتُ فِيْ مَيْدَانِ الْكُوفَةِ،
سلام ہو اس عظیم خاتون پر جس نے میدانِ کوفہ میں خطاب فرمایا
بِخُطْبَةٍ نَّافِعَةٍ، حَتّٰی سَكَنْتِ الْاَصْوَاتُ مِنْ كُلِّ نَاحِيَةٍ
اس قدر عبرت خیز تقریر کی کہ آوازیں خاموش ہو گئیں اور سناٹا چھا گیا۔
السَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَحْتَجَّتْ فِيْ مَجْلِسِ ابْنِ زِيَادٍ
سلام ہو اس پر جس نے ابنِ زیاد کے دربار میں احتجاج کیا
بِاِحْتِجَاجَاتٍ وَّاضِحَةٍ، وَقَالَتْ فِيْ جَوَابِهِ بَيِّنَاتٍ صَادِقَةٍ
ایسا احتجاج جو واضح تھا، اس کے دربار میں اس کے جواب میں حقیقت کو آشکار کر دیا
اِذْقَالَ ابْنُ زِيَادٍ لِّزَيْنَبَ سَلَامَ اللّٰهِ عَلَيْهَا:
جب ابنِ زیاد نے زینبؓ کو سلام اللہ علیہا سے کہا کہ
كَيْفَ رَأَيْتَ صُنْعَ اللّٰهِ بِاَخِيْكَ الْحُسَيْنِ
اللہ نے تمہارے بھائی حسینؓ کے ساتھ کیا کیا
قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ اِلَّا جَمِيْلًا!
تو فرمایا کہ ہمیں اللہ نے نیکی و بھلائی عطا فرمائی۔

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَسِيرًا بِأَيْدِي الْأَعْدَاءِ
 سلام ہو آپ پر اے مخدومہ جسے دشمنوں نے اسیر کیا، جسے
 فِي الْفُلُوتِ، وَرَأَيْتُ أَهْلَ الشَّامِ فِي حَالَةٍ
 صحرا نوردی کرنا پڑی، جس نے شام والوں کو جشنِ مسرت مناتے
 الْعَيْشِ وَالسُّرُورِ وَنَشْرِ الرَّايَاتِ
 اور جھنڈے لہراتے دیکھا۔

السَّلَامُ عَلَى مَنْ شَدَّ الْحَبْلُ عَلَى عُضْدِهَا
 سلام ہو اس معظّمہ پر جس کے بازو اور زین العابدینؑ کی گردن
 وَعُنُقِ الْإِمَامِ زَيْنِ الْعَابِدِينَ
 ایک ہی رشتی میں باندھی گئیں

وَأَذْخَلُوهُمْ مَعَ سِتَّةَ عَشَرَ نَفَرٍ مِنْ آلِ
 جس کے ہمراہ سولہ افرادِ آلِ رسولؐ کو عام

رَسُولِ اللَّهِ، وَهُمْ كَأَلَا سَرَآءٍ مُقَرَّنِينَ بِالْحَدِيدِ
 قیدیوں کی طرح جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے،

مَظْلُومِينَ، وَقَالَ عَلِيُّ ابْنُ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِيَزِيدَ:

یزید کے دربار میں لایا گیا اور علی بن الحسینؑ نے یزید سے کہا

يَا يَزِيدُ مَا ظَنُّكَ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ،

اے یزید! تیرا کیا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

لَوْ رَأَى عَلَى هَذِهِ الْحَالَةِ

ہمیں اس حالت میں دیکھتے تو ان پر کیا گزرتی

ثُمَّ قَالَتْ أُمُّ الْمَصَائِبِ زَيْنَبُ، لَهُ قَائِلًا:

پس جناب ام المصائب زینب کبریٰ نے یزید سے کہا جب وہ شعر پڑھ رہا تھا

فَاهْلُوْا وَاسْتَهْلُوْا فَرَحًا،

کہ میرے بزرگ میری کامیابی کو دیکھ کر کتنے خوش ہوتے

ثُمَّ قَالُوا يَا زَيْدُ لَا تَسْلُ،

تو کہتے اے یزید! ترے بازو شل نہ ہوں

مُنْتَحِيًا عَلَى ثَنَاءِ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ، سَيِّدِ

ساتھ ہی چھڑی سے حسینؑ مظلوم پر بے ادبی کر رہا تھا جو جوانان

شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، تَنَكُّهًا بِمُخَصَّرِ نِكَ، ثُمَّ قَالَتْ:

جنت کے سردار ہیں، ان کے دندان مبارک سے بے ادبی کرتا تھا، پس مخدومہ نے فرمایا:

وَلَيْنُ جَرَتْ عَلَى الدَّوَاهِي مُخَاطِبُكَ،

یہ زمانہ کے نشیب و فراز ہیں کہ میں آج تجھ سے مخاطب ہوں،

إِنِّي لَا سَتَصِغُرُ قَدْرُكَ، وَاسْتَغْظَمُ تَقْرِيعُكَ

میں تجھے انتہائی کم ظرف و چھوڑا جاتی ہوں، تیری سرزنش بڑا

وَاسْتَكَثِرُ تَوْبِيْخُكَ، لَكِنَّ الْعُيُونَ عَبْرًا

کام اور تیری ملامت میری نظر میں ایک

وَالصُّدُورَ حَرَىٰ.

اچھی بات ہے لیکن آنکھیں آنسو برسا رہی ہیں اور کلیجہ سلگ رہا ہے۔

أَلَا فَالْعَجَبُ كُلُّ الْعَجَبِ! مِنْ إِقْدَامِكَ

افسوس کس قدر حیرت کا مقام ہے اللہ کے وہ بندے جن پر شرافت کونا ہے،

لِقَتْلِ حِزْبِ اللَّهِ النَّجَبَاءِ، بِحِزْبِ الشَّيْطَانِ الطُّلَقَاءِ

ہمارے آزاد کردہ غلاموں کی جماعت، شیطانی ٹولے کے ہاتھوں قتل ہوں۔

وَلَيْنِ التَّخَذُ تَنَا مَغْنَمًا لَّتَجِدُنَا، وَشِيكًا

(یزید!) اگر تو ہمیں آج مال غنیمت سمجھ رہا ہے تو کل تجھے اس کی بڑی قیمت

مَغْرَمًا حِينَ لَا تَجِدُ إِلَّا مَا قَدَّمْتُ يَدَاكَ

ادا کرنا ہوگی۔ یہ نہ بھول کہ جو اعمال تو آگے بھیج گا وہی تجھے ملے گا کیونکہ

وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ

اللہ عادل ہے، کبھی ظلم روا نہیں رکھتا۔

وَالِی اللّٰهِ الْمُشْتَكٰی،

ہم اللہ کے حضور ہی فریاد کرتے ہیں

وَعَلَيْهِ الْمُعْوَلُ فِي السِّدَّةِ وَالرَّخَاءِ

اور ہمیں اچھے یا برے وقت میں اسی پر بھروسہ ہے۔

فَكَذْ كَيْدِكَ، وَاسِعٌ سَعِيكَ، وَنَاصِبٌ

پس (اے یزید) اپنے مکر و فریب کو آزمائے، کسی اقدام میں کسر اٹھانہ رکھ، جاں فشانی

جَهْدَكَ، فَوَاللّٰهِ لَا تَمُحُودُ كُرْنَا، وَلَا تُمِيتُ

میں کوئی فرق نہ آنے پائے، اس کے باوجود تو ہمارے ذکر کو بخدا نہیں مٹا سکتا، نہ ہی

وَحَيْنًا،

ہمارے پیغام پر اثر انداز ہونا تیرے امکان میں ہے۔

وَلَا تُذْرِكُ أَمَدَنَا

تو ہمارے بلند مقصد کا ادراک نہیں کر سکتا

وَلَا تُرْخِصُ عَنْكَ عَارَهَا

اپنے چہرہ سے بے شرمی کے داغ تو مٹا نہیں سکتا

وَهَلْ رَأَيْكَ إِلَّا فَنَدًا،

تیری رائے غلط ہے،

وَأَيُّامَكَ إِلَّا عَدَدًا،

تیرے دن پورے ہو چکے ہیں۔

وَجَمْعُكَ إِلَّا بَدَدًا،

تیرے ساتھی تجھے چھوڑ کر بھاگنے والے ہیں۔

يَا يَزِيدُ! أَمَا سَمِعْتَ قَوْلَ اللَّهِ تَعَالَى:

اے یزید! کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا قول نہیں سنا کہ

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ

اللہ کی راہ میں قتل ہونے والوں کو مردہ نہ سمجھنا

اللّٰهُ اَمْوَاتًا، بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ؟

بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب سے رزق پاتے ہیں؟

وَحَسْبُكَ بِاللّٰهِ حَاكِمًا، وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِہٖ
تیرے لئے یہی کافی ہے کہ روزِ حشر منصفِ حقیقی فیصلہ دے گا، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ

خَصِيْمًا وَبِجِبْرِیْلَ ظٰہِرًا، ثُمَّ قَالَتْ:

اور جبریل ان کے مددگار ہوں گے۔ اس کے بعد معظمہ نے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَتَمَ لِاَوْلِنَا بِالسَّعَادَةِ

سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے ہمارے اسلاف کو سعادت کی دولت دی ہے

وَالْمَغْفِرَةِ، وَلاَ خِرْنَا بِالشَّہَادَةِ وَالرَّحْمَةِ،

اور ہمارے خاندان کے بعد میں آنے والوں کو شہادت و رحمت سے سرفراز فرمایا۔

اِنَّہٗ رَحِيْمٌ وَدُوْدٌ، وَہُوَ حَسْبُنَا وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ،

بے شک وہ بڑا شفیق کرم گستر، بہترین کارساز ہے،

وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِہٖ، وَآہْلِ

محمد، ان کی آل و پاک و پاکیزہ آل بیت پر جنہیں

بَيْتِہٖ الطَّاهِرِیْنَ اِلَّا نِمْۡةَ الْمُعْصُوْمِیْنَ.

معصوم آئمہ کا مرتبہ حاصل ہوا۔

اٰمِیْنَ یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ.

اے رب العالمین ہماری دعا کو شرف قبولیت عطا فرما۔ آمین۔



واقعہ کربلا کے بارے میں مرثیہ جات

واقعہ کربلا کے متعلق ہر زبان میں مفکرین و شعراء نے اپنی آراء و مرثیہ پیش کئے ہیں جو جناب سید الشہداء علیہ السلام کے ساتھ ان کی عقیدت کے مظہر ہیں۔ نہ صرف مسلمان شعراء نے اس عظیم شہادت کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے بلکہ غیر مسلم حضرات بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے۔ یہ خیال کہ واقعہ کربلا کے سلسلہ میں صرف شیعہ قوم کے ارباب فکر و شعراء نے اظہار تخیل کیا ہے، بالکل غلط ہے۔ تاریخ کے اوراق اس حقیقت کے داعی ہیں کہ صرف مسلمانوں ہی نے نہیں بلکہ غیر مسلم مؤرخین نے بھی اس عظیم حادثہ کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، اہل سنت شعرائے کرام بھی اس سلسلہ میں پیچھے نہیں رہے۔

ان حالات کے پیش نظر ہم نے مناسب بلکہ ضروری جانا کہ اپنی اس کاوش کے آخری باب کو مرثیہ سے مزین کریں، اس لئے ہم اس سلسلہ کی ابتداء جناب آغا شورش کاشمیری مرحوم کے کلام سے کرتے ہیں، پاکستان میں جن کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ان کا یہ کلام اس لئے بھی ہمیں ضروری معلوم ہوا کہ واقعہ کربلا اگرچہ نواسہ رسول و جگر گوشہ بتول و نور نظر علیٰ ہی کی عظیم قربانی ہے۔ تاہم آپ کے ہمراہی کسی زاویہ نظر سے ایسی کوئی چیز پیش نہیں کرتے جس میں اپنے عظیم رہبر کے زہر سایہ ان میں سے کسی فرد نے کسی موقع پر، وہ آقا ہو یا غلام، اپنے قبیلہ کا رئیس ہو یا غلام حبشی، مرد ہو یا خاتون، بچہ ہو یا بڑا، کسی قسم کی کمزوری یا کردار میں جھول دکھلایا ہو۔ ثانی زہر تو بہر حال اپنے عظیم بھائی کی شریک کار ہیں، اسی عظیم ماں کے دودھ سے پلے ہیں جس نے نانا کے دین کو بچانے کی خاطر کسی قسم کی مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ثابت کر دیا کہ اگر حسینؑ ہے تو نام رسولؐ باقی ہے اور اگر نام رسولؐ باقی ہے، بلکہ جب تک باقی ہے، تو کلمہ توحید باقی ہے۔ اس لئے لازم آتا ہے کہ کربلا کی تمام شخصیات کو جو اپنے رہبر کے نہ صرف اشارہ چشم کی منتظر ہیں بلکہ اپنے قائد کو جو زمین پر نمائندہ پروردگار کی حیثیت سے قیام کر رہا ہے، مجبور کر رہے ہیں کہ انہیں جہاد کی اجازت دی جائے تاکہ اپنے آقا کے قدموں میں جان دے کر اللہ کے دین کی حفاظت کرتے ہوئے اپنے رسولؐ کے سامنے سرخرو ہو سکیں۔ اسی جذبہ کے پیش نظر ہم اپنی اس مختصری تمہید کے ساتھ آغا شورش کاشمیری مرحوم کے کلام سے ابتداء کر رہے ہیں تاکہ کربلا کے عظیم ہیرو کے ہمراہیوں کا ذکر بھی ہو جائے جو ایسی شخصیات کے حامل تھے جن پر خود

سید الشہداء امام حسین علیہ السلام فخر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ مجھے ایسے انصار ملے جیسے نہ میرے عظیم نانا کو مل سکے جو باعث تخلیق کائنات ہیں، نہ میرے بابا کو مل پائے جو قسم النار والجنہ واشجع عالم ہیں، نہ میرے بھائی حسن مجتبیٰ کو ملے جو تصویرِ رسول ہیں۔

آغا شورش کاشمیری کی نظم کا عنوان ہے ”مسلمان (دولت کے بھکاری، طاقت کے پجاری)“، مرحوم فرماتے ہیں:

سوچتا ہوں کہ اُسی قوم کے وارث ہم ہیں	جس نے اولادِ پیمبرؐ کا تماشا دیکھا
جس نے سادات کے خیموں کی طنائیں توڑیں	جس نے لختِ دلِ حیدرؐ کو ترہتا دیکھا
برسرِ عام سیکنہ کی نقائیں اٹھیں	لشکرِ حیدرؐ کرار کو لتا دیکھا
اُم کلثومؓ کے چہرے پر طمانچے مارے	شام میں زینبؓ و صفرائی کا تماشا دیکھا
شہِ کونین کی بیٹی کا جگر چاک کیا	سبطِ پیغمبرؐ اسلام کا لاشہ دیکھا
دیدہ قاسمؓ و عباسؓ کے آنسو لوٹے	قلب پر عابدِ بیمار کے چہرہ دیکھا
توڑ کر اصغرؓ و اکبرؓ کی رگوں پر خنجر	جورِ دوراں کا بہیمانہ تماشا دیکھا
بھائی کی نقش سے ہمشیر لپٹ کر روئی	فوج کے سامنے شہیدؐ کو تنہا دیکھا
پھاڑ کر گنبدِ خضریٰ کے مکیں کا پرچم	عرش سے فرشِ تلک حشر کا نقشہ دیکھا
قلبِ اسلام میں صدمات کے خنجر بھونکے	کربلا میں کفِ قاتل کا تماشا دیکھا
ابوسفیان کے پوتے کی غلامی کر لی	خود فروشوں کو دناوت سے پنپتا دیکھا
اے مری قوم ترے حسنِ کمالات کی خیر	تو نے جو کچھ بھی دکھایا وہی نقشہ دیکھا

یہ سبھی کیوں ہے یہ کیا ہے مجھے اب سوچنے دے

کوئی تیرا بھی خدا ہے مجھے اب سوچنے دے

مرثیہ میں ذکرِ ثانی زہرا سلام اللہ علیہا

ہمیں بے حد افسوس ہے کہ فارسی یا اردو زبان میں خالصتاً جنابِ ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کے بارے میں مستقل مرثیہ جات بالکل دستیاب نہیں ہیں۔ چند ایک اردو شعراء نے اس سمت میں سعی کی ہے لیکن ان کے کہے ہوئے مرثیہ جات کسی

طرح تاریخی کیفیات پر پورے نہیں اترتے، مثلاً یہ کہ ثانی زہرا نے اس لئے مدینہ چھوڑا کہ اس وقت کی حکومت نے جناب سید الساجدین علیہ السلام کو قید کر کے دوبارہ دمشق بلوایا تھا۔ یہی سفر ثانی زہرا کی دمشق میں شہادت کا سبب بنا۔ ایسی ہی روایت مصر کے متعلق پائی جاتی ہے جہاں ثانی زہرا کا حزار بنا ہوا ہے۔ اس قسم کی کوئی روایت اصول تاریخ پر پوری نہیں اترتی۔ یہی وجہ ہے کہ تمام شعراء نے بی بی کا کر بلا کے المیہ میں ایک مصیبت زدہ خاتون ہی کے طور پر ذکر کیا ہے جس سے کردارِ زہب کبرئی پر روشنی نہیں پڑتی جن کا جہاد جناب سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کے بعد سے شروع ہوتا ہے جب آپ نہ صرف کر بلا کے لئے ہوئے قافلہ کی سالاریں بلکہ امام وقت یعنی سید الساجدین علیہ السلام سمیت اس تمام قافلہ کی محافظ و رہبر بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام وقت کسی بھی فیصلہ سے پہلے اپنی عظیم پھوپھی سے مشورہ کرتے ہیں جو ہر موقعہ پر امام سمیت تمام ارکان قافلہ پر کئے گئے مظالم اپنی ذات پر لے رہی ہیں اور اسی حالت میں نماز شب تک کی ادائیگی کو نظر انداز نہیں کرتیں جس کے بارے میں خود سید الشہداء علیہ السلام کا ارشاد صفحات تاریخ کی زینت نظر آتا ہے جب آپ فرماتے ہیں کہ بہن! اپنی نماز شب میں مجھے فراموش نہ کرنا۔

اس سلسلہ میں جناب سید العلماء سید علی نقی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کا ایک جملہ سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ علامہ مرحوم فرماتے ہیں کہ حسینؑ کے جہاد میں زہب شریک تھیں لیکن جب زہب کا جہاد شروع ہوا تو حسینؑ ان کے ہمراہ نہ تھے۔ بالفاظ دیگر جہادِ زہب کی ایک جداگانہ کیفیت ہے جس کے بغیر واقعہ کر بلا میں رنگ بھرتے ہوئے نظر نہیں آتے۔

افسوس ہے کہ اتنی عظیم شخصیت کو مرثیہ نگار حضرات صرف بین کرتے ہوئے دکھاتے ہیں۔ فارسی زبان کے شعراء نے قدرے بہتر صورت پیش کی ہے۔ اردو کے شعراء میں میر انیس مرحوم اور ان کے افرادِ خاندان یعنی ان کے والد بزرگوار میر خلیق و برادران میر منس و میر انس اور پھر ان کے بعد میں آنے والے میر نفس و غیر ہم نے اردو مرثیہ گوئی کو بہت عروج دیا لیکن جہاں تک جناب ثانی زہرا کا تعلق ہے، جن کو بجا طور پر عقیلۃ القریش یا عقیلۃ بنی ہاشم کے القاب حاصل ہیں، کے بارے میں کہیں بھی کوئی مستقل مرثیہ نہیں کہا۔ زیادہ سے زیادہ جو چیز پائی جاتی ہے وہ شہدائے کر بلا کے لاشوں کے گنج شہداء میں لانے پر بی بی کے کچھ بین ملتے ہیں جن میں حضرات عون و محمدؑ کی شہادتوں پر نہایت اختصار کے ساتھ بی بی کے جذبات کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

انیس و دہیر کے بعد ایک زمانہ مرثیہ کی صنف میں خموشی کا نظر آتا ہے جس میں شاعروں کی توجہ زیادہ تر قومیات کی طرف

نظر آتی ہے۔ یہ زمانہ انگریز کے تسلط کا زمانہ ہے جس میں طویل دور حکمرانی کے بعد مسلمانوں کا دور غلامی شروع ہوتا ہے جس کے بعد عصر حاضر کے نوجوان شعراء مجالس عزا کے سلسلہ میں اس میدان میں کسی قدر فعال نظر آتے ہیں۔ ان میں محسن نقوی شہید مرحوم پیش پیش ہیں جنہوں نے مرثیہ کی صنف کو اپنانے کی بجائے سلام و قطعات تک اکتفا کی ہے۔ لاہور نے کافی مرثیہ گو حضرات پیدا کئے لیکن انہوں نے بھی پرانے شعراء کے طریق کار پر عمل کر کے اپنی شاعری کو زینت مجالس بنانے سے زیادہ کاوش نہیں کی یعنی کربلا کی اس اہم ترین شخصیت کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں کی۔ ہم انشاء اللہ جہاں تک ہماری قلیل معلومات نے اجازت دی، عصر حاضر کے بی بی سے متعلق کلام کے چند نمونے پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

غرض شعراء کرام نے سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کے سلسلہ میں ثانی زہر اسلام اللہ علیہا کے تاثرات اپنے اپنے الفاظ اور طرز بیان کے مطابق پیش کئے ہیں جو معظّمہ کے غم دیدہ واقعات کی انسانی ذہن کے مطابق تشریح کرتے ہیں، تاہم جن لوگوں نے کربلا کے واقعات اور شہادتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ان کے تاثرات کو جامعہ الفاظ میں پیش کرنا قطعاً ناممکن ہے کیونکہ یہ ایسی شہادتیں ہیں، ظلم کے ایسے مظاہرات ہیں جن کی نظیر چشم فلک نے کبھی نہ دیکھی تھی۔

اسی سلسلہ میں ہم نے بہت کوشش کی کہ اردو زبان میں شعراء کے کلام پیش کریں لیکن ہم ایسے حالات و بیانات کی تلاش میں ناکام رہے جن سے مخدومہ عالم کے کربلا اور اس کے بعد کے واقعات میں کردار پر روشنی پڑتی ہو۔ زیادہ تر شعراء کرام نے یہی کیا ہے کہ لاشہ ہائے شہداء پر مخدرات کے بن و فریاد کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور اس سے آگے نہیں بڑھے۔ عصر حاضر کے بعض شعراء نے البتہ اس سلسلہ میں اپنی اپنی مساعی پیش کی ہیں جن کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

سب سے پہلے ہم سید شمیم رضا یدتی صاحب کا کلام عقیدت پیش کرتے ہیں:

گو ظاہری شکست ہوئی کربلا کے بعد	نازاں تھا کفر معرکہ کربلا کے بعد
اے رب ذوالجلال یہ توفیق ہے تری	تفسیر کربلا ہے رقم کربلا کے بعد
سر سے ردائیں چھن گئیں اور ظلم سب ہے	سیدانیاں اسیر ہوئیں کربلا کے بعد
کوئی نہ تھا جو روکتا شمر و یزید کو	اسلام ڈمگانے لگا کربلا کے بعد
زینب نے کربلا میں نچھاور کئے پسر	بے مقصد و ردا بھی ہوئیں کربلا کے بعد
اللہ رے فراستو زینب تجھے سلام	اسلام کی حیات بنی کربلا کے بعد

اسلام کو بچاتی رہیں کربلا کے بعد
 زینب کی شام، شام تلک کربلا کے بعد
 اسلام کو سہارا دیا کربلا کے بعد
 فکرِ رسولؐ لے کے چلیں کربلا کے بعد
 اسلام پھر سے زندہ کیا کربلا کے بعد
 اسلام کی بقا کے لئے کربلا کے بعد
 میدانِ شام فتح کیا کربلا کے بعد
 وہ پاسانِ دین بنیں کربلا کے بعد
 تشہیرِ ظلم شام تلک کربلا کے بعد
 ذکرِ حسینؑ وب نہ سکا کربلا کے بعد
 دیکھی فلک نے یہ بھی فضا کربلا کے بعد
 بخشی حسینیت کو جلا کربلا کے بعد
 زہرا کی جان، بنتِ علیؑ کربلا کے بعد
 اک انقلاب لا کے رہا کربلا کے بعد
 لطفِ حیات ختم غم کربلا کے بعد

شبیرؑ کے مشن کو بڑھاتی چلی گئیں
 شبیرؑ کی تو شام ہی مقتل میں ہو گئی
 کوفہ میں جا کے قافلہ اہل بیتؑ نے
 ذکرِ حسینؑ کرتی چلیں زینبؑ حزیں
 انسانیت کا درس سکھاتی چلی گئیں
 زینبؑ نے رازِ فاش کیا کون لٹ گیا
 لہجہ میں مرتضیٰؑ کے دیا خطبہٴ بلخ
 بے شک وہ پاسانِ امامت تو ہیں مگر
 کرتا رہا کمال دلیری سے کارواں
 اس طرح سے بساطِ اُلٹ دی یزید کی
 تختِ یزید ہلنے لگا ظلم جھک گیا
 تجھ پر سلامِ شیعہ امامت کی پاسان
 اسلام کی بقا کے لئے در بدر پھریں
 دربار میں یزید کے زینبؑ کا وہ خطاب
 زیدی کی شاعری سے حقیقت ہے آشکار

اب جناب ضمیر امام زیدی صاحب کا کلام پیش خدمت ہے:

غاصبو! انکار تھا، انکار ہے
 بنتِ حیدر! شام کا دربار ہے
 عزمِ راسخ جذبہٴ ایثار ہے
 محو حیرت چرخِ کج رفتار ہے
 ہر تعدی کے لئے تیار ہے

بیعتِ باطل پہ کیوں اصرار ہے
 کربلا سویا نہیں بیدار ہے
 نیکی میں اور کیا درکار ہے
 ہل گیا ہے پایہٴ تختِ یزید
 ہر محاذِ ظلم پر ثابت قدم

کیا طلاق، کیا فصاحت، کیا بیاں
 آج اکبر ہیں نہ عباس و حسین
 اللہ اللہ عالم بے چارگی
 کٹ رہا ہے زعم باطل کا گلا
 شیر دل بیٹی نے ثابت کر دیا
 ”بلدیہ زینب“ ہے اب شہر دمشق
 بس یہی کہنا ہے محشر میں صمیر
 کیا لب و لہجہ ہے، کیا گفتار ہے
 اک بھتیجا عابد بیمار ہے
 سر برہنہ برسر پیکار ہے
 خطبہ زینب ہے یا تلوار ہے
 ورثہ دار حیدر کرار ہے
 کارفرما اب یہی سرکار ہے
 میرے مولا تو بڑا غفار ہے

جدید مرثیہ گو شعراء میں جناب قیصر بارہوی کی تعارف کے محتاج نہیں۔ ہم اپنی معظمہ کے عنوان پر دو ایسے مرثیے پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہے ہیں جو نہ صرف مرثیہ گوئی کے میدان کی زینت ہیں بلکہ اردو ادب میں ان کا مقام بہت بلند ہے۔

ایک مرثیہ کا عنوان ”جہاد زینب“ ہے اور دوسرے کا ”جناب زینب“۔ اول الذکر مرثیہ سے پہلے قیصر مرحوم کے دو قطعے پیش کئے جاتے ہیں، عنوان ہے ”جہاد زینب“:

ہاتھوں میں لئے چادر زینب کی ترازو
 اب اور کہاں جائے گی اے شوکتِ اسلام
 اکبر کی جوانی سے تجھے تول لیا ہے
 شبیر نے سردے کے تجھے مول لیا ہے
 قطعہ ثانی:

سن لیں یہ بات ملتِ جعفر کی بیٹیاں
 وقت آگیا تو چہرہ پر بالوں کو ڈال کر
 بے یردگی خلل ہے خدا کے نظام میں
 زینب نے پردہ رکھ لیا بازارِ شام میں

ہم سابقہ صفحات میں تاریخ کے اس المیہ کا ذکر کر آئے ہیں کہ شام کے ملک میں عوام الناس کو یہ تاثر بلکہ یقین دلایا گیا تھا کہ بنی امیہ سے زیادہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور کوئی رشتہ دار نہیں۔ انتہا یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ جب شام والوں کو اطلاع ملی کہ کسی نے علی کو محرابِ مسجد میں شہید کر دیا ہے تو وہ لوگ حیرت زدہ تھے کہ علی کا مسجد سے کیا تعلق! لہذا جب لٹا ہوا قافلہ اہل بیت شام کے بازار میں سے گزر رہا تھا تو لوگوں کو بتایا جا رہا تھا کہ ایک (معاذ اللہ) باغی نے امیر المؤمنین یزید کے خلاف

بغاوت کی تھی جس کو فرو کر کے باغیوں کے پس ماندگان کو قید کر کے لایا جا رہا ہے جن کا اسلام سے کوئی تعلق و واسطہ نہیں۔

اسی سلسلہ میں جب شام کے عوام کو اصلیت کا علم ہوا تو لوگ اس کیفیت کو پہنچ گئے کہ یزید ملعون کو شام میں انقلاب اور حکمرانی کا تختہ اُلٹنے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ لوگوں کو بتدریج معلوم ہونے لگا کہ یہ عام قیدی نہیں بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کے ساتھ وفا کے وہ مدارج پیش کئے ہیں عقل انسانی جن کا تصور پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہی وہ مقام تھا جہاں اسلام کے وفادار مردوں کے سر عوام شام نیزوں پر دیکھ رہے تھے لیکن ایک آواز زندہ انہیں وفائے اسلام کی صورت میں سنائی دے رہی تھی۔ یہ آواز علی کی بیٹی کی آواز تھی جس نے بنی امیہ کے ایوان اقتدار کو ہلا کر رکھ دیا۔

جناب قیصر بارہوی مرحوم شریکۃ الحسین کا ان الفاظ میں تعارف کرواتے ہیں:

زیبٹ کے نام سے ہے بقائے حسینیت زیبٹ کا تذکرہ ہے صدائے حسینیت

ہو کیوں نہ سر بلند لوائے حسینیت زیبٹ کی محنتیں ہیں ندائے حسینیت

طوفان سے بچا کے حسینی چراغ کو

زیبٹ نے روح دی ہے محمدؐ کے باغ کو

تاریخ کربلا یہ سناتی ہے بار بار زیبٹ کا حوصلہ ہے شہیدوں کی یادگار

قرآن کا احترام ہو یا دین کی بہار زیبٹ کے بے نقاب سفر سے ہے برقرار

جتنا بھی غیرت بشری کا نظام ہے

زیبٹ کے بازوؤں کی رسن کا پیام ہے

صحرا میں کارنامہ مردانِ حق مآب زیبٹ کی جراتوں سے بنا روح انقلاب

کام آچکا جو اکبر و عباس کا شباب زیبٹ کا صبر بن گیا تیغِ ابوتراب

ظلم آشنا دلوں کو فنا کر کے دم لیا

باطل کے بازوؤں کو جدا کر کے دم لیا

کیا تھے مخالفانِ محمدؐ کے بیچ و خم زیبٹ نے پاش پاش کئے پیکرِ ستم

لے کر اٹھی جو غیرتِ شبیرؑ کا علم توڑیں یزیدیت کی چٹانیں قدم قدم

قانونِ کبریا کی طنائیں سنبھال لیں

جو دین پر اٹھی تھیں وہ آنکھیں نکال لیں

قلب جفا میں موت کا خنجر اُتار کے فرقِ ستم پہ ضبط کی تلوار مار کے
 بیداریِ ضمیر کی زلفیں سنوار کے مظلومیت کی راہ سے خود کو گزار کے
 اربابِ اقتدار کی دنیا جھجھوڑ دی
 زینب نے ہر غرور کی یوار توڑ دی
 رفتارِ وقت دین کی صورت مٹا نہ دے ظلمت کہیں چراغِ شریعت بجھا نہ دے
 قربانیوں کا رنگ یہ دنیا چھپا نہ دے کیا کر گئے حسینِ زمانہ بھلا نہ دے
 اس دلولے میں شام کی تسخیر کے لئے
 زینب اسیر ہو گئی تشہیر کے لئے
 کیوں لٹ گیا رسولؐ کا مہکا ہوا چمن مقتل میں کیوں بکھر گئے زہراؑ کے گلبدن
 کیوں نہر کے قریب تھے سوکھے ہوئے دہن مظلوم کیوں پڑے رہے صحرا میں بے کفن
 کیا کیا چراغِ بادِ مخالف بجھا گئی
 زینب کی بیکی یہ کہانی سنا گئی
 سنئے تو ڈوبتے ہوئے سورج کی گفتگو زینب ہے کاروانِ قیادت کی آبرو
 کہہ دے گا خود حسینؑ کے ہر زخم کا لہو زینب کے دم قدم سے امامت ہے سرِ مژد
 عاشور کے جلے ہوئے گھر کا بیان ہے
 زینب کے آنسوؤں سے رسالت کی شان ہے
 وہ کوفہ و دمشق کی گلیاں وہ بام و در اب تک زبانِ حال سے کہتے ہیں چیخِ کر
 خطبوں کا لفظ لفظ نکھا ہے فضاؤں پر زینب کا انقلاب ہے بیداریِ بشر
 اسلام کیا ہے غم کے اُجالوں سے لکھ گئی
 دربار میں کھلے ہوئے بالوں سے لکھ گئی
 فرعونیت کے شیش محل کا پٹنے لگے خوتِ مزاج دیو اجل کا پٹنے لگے
 نامِ آورانِ جنگ و جدل کا پٹنے لگے زینب اُٹھی تو اہلِ دَول کا پٹنے لگے
 لہجہ ملا جو ضیغِ رورِ دگار کا!!
 لفظ و بیاں سے کام لیا ذوالفقار کا

سفیائیت کا زہر گھلا تھا فضاؤں میں زنجیرِ زر پڑی تھی زمانے کے پاؤں میں
 لادینیت کا رنگ تھا دولت کی چھاؤں میں انسان کی حیات چھپی تھی جفاؤں میں
 شبیر کی بہن نے یہ نقشہ بدل دیا!
 تاج یزید اپنے قدم سے کچل دیا!
 سیلابِ اقتدار نے روکا ہزار بار دُنیا نے بامِ درد سے کئے پتھروں کے دار
 چاروں طرف تھے قہقہہ پرور ستم شعار دُڑوں سے جسمِ پاک ہوا سرخ آبشار
 لیکن رعوتوں کے کلیجے ہلا دیئے
 زینب نے انقلاب کے دریا بہا دیئے
 پانی کا شہر شہر ہوا کا چمن چمن آبادیوں کی محفلیں ویرانیوں کے بن
 صحراؤں کی بساط پہاڑوں کی انجمن دُنیا کا ہر مقام ہے اس طرح نعرہ زن
 ماتم سے ”یا حسین“ کی جتنی بہار ہے
 زینب کے احتجاج کی اک یادگار ہے
 زندانِ شام ، دشتِ بلا ، مرقدِ بتول زینب نے ہر زمیں کو دیئے آنسوؤں کے پھول
 غم کی بہارِ نوحہ گر خانہ رسول ہوگی نہ کائنات میں زینب سی دل ملول
 زینب دلوں کا درد بھی ہے اور دوا بھی ہے
 یہ سوگوارِ بانیِ بزمِ عزا بھی ہے
 خوشبوئے گلستانِ عمل معدنِ وقار مریمِ نظرِ خدیجہ اثرِ حاجرہ شعار
 قرآنِ مزاجِ ثانیِ خاتونِ روزگار مثلِ حسنِ حسینِ شرافت کی تاجدار
 تقدیسِ دو جہاں کے صدف میں ڈھلی ہوئی
 دامانِ مصطفیٰ و علی میں پٹی ہوئی
 ظاہر ہے صاف اسمِ گرامی سے زین اب زینب کے سامنے ہے مودب ہر اک ادب
 کس کو ملا ہے ذاتِ الہی سے یہ نسب اجدادِ منتخب ہیں تو ماں باپ منتخب
 سب سے عظیم گھر ہے یہ تحریرِ ساتھ ہے
 یعنی گواہِ آئیۂ تطہیرِ ساتھ ہے

ناتا محمدؐ عربی ختمِ مرسلین وجہ وجود کون و مکاں نورِ اولیں
ترکینِ عرش صاحبِ معراج بالیقین بعدِ خدا ملے کوئی ایسا نہیں نہیں
کس کی مجال حق تعارف ادا کرے
ہو کوئی انتہا تو کوئی انتہا کرے

پورے ہوئے نہ تھے سنِ ہجری کے پانچ سال بزمِ جہاں میں آگئی زینبؓ فحشتہ حال
ناتا کے بازوؤں میں دوبالا ہوا جمال یا صاحبِ نصیب ہوئی سیدہ کی آل
آنکھیں کھلیں تو اپنی ہی تقدیر بن گئی
زینبؓ خدا کے نور کی تصویر بن گئی

فطرت ہوئی جو شاہِ رسالتؐ سے بہرہ ور ساری فضیلتیں ہوئیں زینبؓ کی ہم سفر
لیکن رسولؐ اپنی نواہی کو دیکھ کر انجام کی خبر سے یہ بولے پچشم تر
زینبؓ اسے کہو یہ مری نورِ عین ہے

یہ مہ لقا محافظ نامِ حسینؑ ہے
زینبؓ کے باپ ضیغم یزداں ابوترابؓ نفسِ رسولؐ گوہرِ کعبہ شرفِ مآب
جرات کے آسمانِ شجاعت کے آفتاب عینِ خدا لسانِ خدا وارثِ کتاب

قرآن گواہ صاحبِ تاجِ غدیر ہیں
مثلِ رسولؐ دونوں جہاں کے امیر ہیں
قربان ہو شعور وہ حسنِ شعور بھی فاقہ کشی بھی سجدۂ حق کا سرور بھی
لوحِ جبین میں گیارہ اماموں کا نور بھی کرتیں اگر غرور تو جتنا غرور بھی
لیکن جہنمِ درد میں شکرِ خدا کیا

زینبؓ کو صبر و ضبط کا زیور عطا کیا
ابھری جو قصرِ شام سے رسمِ ملوکیت چھائی دلوں پہ ساغر و مینا کی سلطنت
ظاہر ہوا تمام خمارِ منافقت اب ہر طرح تھی آلِ نبیؐ سے مخالفت
کس کو رہی تمیزِ گناہ و ثواب میں
قرآن ڈوبنے لگا جامِ شراب میں

بعد حسن چلیں وہ پُر آشوب آندھیاں تاریکیوں میں ڈوب گیا گلشنِ جہاں
 انسانیت کے خون کا دریا ہوا رواں بیٹھا سر پہ شام پہ خونخوار حکراں
 پنہاں جو سرکشی تھی وہ منظر میں آ گئی
 اہلیست یزید کے پیکر میں آ گئی
 پھر اس کے بعد گردشِ حالات کی نظر غم کا پہاڑ بن گئی زینب کے حال پر
 ماں کا مزار ناتا کی تربت کو چھوڑ کر بھائی کے ساتھ جانبِ صحرا کیا سفر
 بڑھتی رہیں مصیبتیں ابنِ رسول کی
 مثل بتول ساتھ تھی بیٹی بتول کی
 پھر کوفہ و دمشق کے بازار اور عوام پیشِ عوام عترتِ پیغمبرِ انام
 زنجیر و طوق پہنے ہوئے وقت کا امام نیزوں پہ ساتھ ساتھ محمدؐ کے لالہ فام
 ایسے میں فاطمہ کا جگر چومتی رہی
 زینب نظر سے بھائی کا سر چومتی رہی
 آنکھوں میں اب نہ اشک نہ چہرے پہ کچھ ملال اب زندگی تھی مقصدِ شبیر کا خیال
 خاموشیوں کی تیغ سے کاٹے ستم کے جال ظلمت کا دم نکل گیا بکھرے جو سر کے بال
 اک اک عمل تھا حق کی بھلائی کے واسطے
 بازو بندھے تھے عقدہ کشائی کے واسطے
 اب مقصدِ سفر تھا سفر کی تھکن نہ تھی اب درد کے چراغ تھے فطرت کی روشنی
 زخموں کی ٹیس ہمتِ سجاد بن گئی اب فتح کائنات کی سرخی تھی بیکی
 دربارِ شام قلعہ خیبر سے کم نہ تھا
 زینب کا انقلاب بھی حیدر سے کم نہ تھا
 قیصر مری نگاہ میں زندانِ شام ہے پلکوں پہ خونِ دل نہیں طوفانِ شام ہے
 احساس میں حدیثِ اسیرانِ شام ہے یہ مرثیہ بھی نذرِ غریبانِ شام ہے
 قرطاسِ عقل و فکر پہ حرفِ دوام ہوں
 میں خواہرِ حسینؑ کا ادنیٰ غلام ہوں

موجودہ زمانہ میں جناب وحید الحسن ہاشمی کسی خاص تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ موصوف ایک عرصہ تک شعبہ درس و تدریس سے منسلک رہے ہیں، ایک بلند پایہ شاعر ہیں اور آجکل کئی پرچوں میں ان کے مضامین نکلتے رہتے ہیں۔ ہاشمی صاحب مدت تک امامیہ مشن لاہور کے روح رواں رہے ہیں اور امامیہ مشن کا ماہنامہ ”پیامِ عمل“ انہی کی ادارت میں قوم کی خدمت کرتا رہا ہے۔ انہوں نے بھی ”ناموسِ وفا“ کے عنوان کے تحت جناب خاتونِ کربلا کا مرثیہ کہا ہے جس کے کچھ بند ہم ہدیہ قارئین اور اپنی اس کاوش کی زینت کے طور پر معرضِ تحریر میں لا رہے ہیں کہ پڑھنے والے حضرات خاتونِ کربلا کے عزم و ہمت سے شناسائی حاصل کر کے یہ سمجھ سکیں کہ دنیا کے اس عظیم واقعہ کی تکمیل کیلئے جس عزم و کردار کی ضرورت تھی، وہ ہماری خدمت کے وجود کے بغیر نہ صرف یہ کہ ممکن نہیں بلکہ اس سانحہ کے صحیح خدوخال خدمتہ کی موجودگی کے بغیر ابھر نہیں سکتے۔ ہاشمی صاحب موصوف کے مرثیہ کے چند بند ملاحظہ ہوں:

ماضی کا حال، حال کے منظر میں دیکھئے کل کا شباب آج کے پیکر میں دیکھئے
جوہر صدف کا تابشِ گوہر میں دیکھئے اوصافِ انبیاء رُخِ حیدر میں دیکھئے

دیروز ایک نقشِ غمِ ناتمام ہے

امروز حُبِ آلِ محمد کا نام ہے

تہذیب کے چمن میں کھلے بے شمار پھول رنگینِ جمال پہ دل سے غار پھول
صورتِ گمِ حیات کے آئینہ دار پھول بھاری ہزار خار پہ دو تین چار پھول
اکھڑی ہوا تو زیست کا نقشہ بگڑ گیا
ہر خار ڈر کے پھول کی پتی میں گڑ گیا

دولت کو زندگی کی سمجھتے تھے جو اساس جن کے بدن پہ زر کی غلامی کا تھا لباس
پھرتے تھے جو مالِ تکبر سے بے ہراس اندھا کئے ہوئے تھی جنہیں مال و زر کی آس

پلٹا ہوا کا رُخ تو مصیبت میں پھنس گئے

خود اپنے ہی غرور کی دلدل میں دھنس گئے

ترپا کبھی شبیہِ پیہر کے رُوپ میں اٹھی کبھی جلالتِ حیدر کے رُوپ میں
چمکی کبھی تبسمِ اصغر کے رُوپ میں نکلی کبھی حسین کی خواہر کے رُوپ میں

بھائی نہ تھے تو دیں کی نگہدار بن گئی

زینب وفا کی قافلہ سالار بن گئی

زینب وفا کی منزلِ رفعت کا نام ہے زینب شعور و فکر کی عظمت کا نام ہے
 زینب حسینیت کی حمایت کا نام ہے زینب یزیدیت سے بغاوت کا نام ہے
 لٹنے نہ دی عزیزِ کمائی حسین کی
 زینب نے خود لڑی ہے لڑائی حسین کی
 زینب کا نام مقصدِ اسلام کا پیام زینب کا نام فکر کی تطہیر کا قیام
 زینب کا نام امن کی کوشش کا احترام زینب کا نام ضامنِ آزادیِ عوام
 ٹوٹے ہوئے قلوب کی دم ساز بن گئی
 بعدِ علی رسول کی آواز بن گئی
 زینب سوالِ ظلم کا بے ساختہ جواب زینب قیامِ سطوتِ شاہی کا سدِ باب
 زینب ہے احتجاج کی اک مستقل کتاب مرحب اگر یزید تو زینب ہے بو تراپ
 کیونکر مقابلہ ہو بھلا ایسے وار کا
 اس کے بیان میں ہے اثرِ ذوالفقار کا
 زینب ہے جسمِ عالمِ انسانیت کی جان زینب کے نور سے ہے عیاںِ نچتین کی شان
 زینب جہاں میں مقصدِ شبیر کی زبان زینب نمازِ خالقِ کونین کی اذان
 زینب کی چاہ جزوِ درود و سلام ہے
 زینب نہیں تو نصِ عبادتِ حرام ہے
 زینب سے آدمی کے چلن کو بھا ملی زینب سے ہمتِ بشری کو جلا ملی
 زینب سے اہلِ درد کو سچِ وفا ملی زینب سے شام میں خبرِ کربلا ملی
 شاہی کے جم سکے نہ قدمِ تھر تھرا گئی
 زینب حسینیت کی صدا بن کے چھا گئی
 اسلام کے لباس میں شاہی تھی جلوہ گر دینِ خدا تھا دستِ حکومت میں بے اثر
 دھندلا گئی تھی شام میں قرآن کی نظر بیٹھا تھا کفرِ مندِ آلِ رسول پر
 بس اک نظر سے وقت کے فرعون کٹ گئے
 زینب بڑھی تو کفر کے سائے سٹ گئے

تشمیر غمزدوں کی جو تقدیر بن گئی زینب حیا کی بولتی تصویر بن گئی
 اُمت کی فکر پاؤں کی زنجیر بن گئی زنجیر شانِ آیۂ تطہیر بن گئی
 زینب کے رخ پہ دیکھ کے جلوہ حسین کا
 پڑھنے لگی حیاتِ قصیدہ حسین کا

بڑھنے لگا تھا دہر میں نام و نسب کا زہر تھی ساحلِ عوام پہ حرص و ہوا کی لہر
 اخلاص کے ضمیر پہ تھا آدمی کا قہر لوگوں کے ذہن میں تھی رواں خود سری کی نہر
 قصرِ نمائشِ اُموی خاک کر دیا
 زینب نے شیطنت کا گلا چاک کر دیا

قاتل کو فکر تھی کہ جفا کی خبر نہ ہو مظلومیت کا قلبِ جہاں پر اثر نہ ہو
 تخریب کار کو کسی جانب سے ڈر نہ ہو مجرم کا اقتدار محلِ نظر نہ ہو
 زینب مگر حریفِ جفا کار بن گئی
 پیشِ یزید آہنی دیوار بن گئی

ہو رائیگاں حسین کا غم کیا مجال ہے پرچمِ حسینیت کا ہو خم کیا مجال ہے
 انھیں شتی کے سبز قدم کیا مجال ہے زین العبا کا سر ہو قلم کیا مجال ہے
 آئے تو کوئی قصیدِ شہادت کے واسطے
 زینب کھڑی ہے حفظِ امامت کے واسطے

پھیلائیں لاکھ اہلِ ریا سازشوں کے جال باطل ہزار رخ سے چلے مکر و فن کی چال
 قوت کے جس قدر بھی نمایاں ہوں خود خال مردہ مگر یزید ہے ، زندہ علی کا لال
 ظلمت کی اس فضا میں اکیلا نہیں حسین
 زینب علمِ بدوش ہے تنہا نہیں حسین

خیر النساء کے دودھ کی تاثیر دیکھنا گفتار سے جہاد کی تصویر دیکھنا
 قرآنِ لبو میں غرق ہے تفسیر دیکھنا قائد ہے اب حسین کی ہمشیر دیکھنا
 دُنکا حسینیت کا بجے گا عوام میں
 جیتے گی کربلا کی لڑائی کو شام میں

عباسؑ اب نہیں ہیں کہ دیکھیں بہن کی جنگ بالکل بدل گیا ہے جہادِ وفا کا رنگ
 طاقت نہ ہو تو یہ ہے لڑائی کا خاص ڈھنگ اس زبانی جہاد پہ عقلِ یزید دنگ
 جور و جفا کی آخری دیوار توڑ دی
 زینبؑ نے دستِ ظلم کی تلوار توڑ دی
 شانے بندھے ہوئے ہیں مگر حوصلہ وہی سر پر ردا نہیں ہے مگر دبدبہ وہی
 کیا کیا زکاویں ہیں مگر راستہ وہی بھائی نے جو کہا تھا بہن کی صدا وہی
 یہ ارتباطِ فکر و نظر کا مقام ہے
 زینبؑ حسینیہؑ کی اشاعت کا نام ہے
 دُنیا سمجھ رہی تھی کہ زینبؑ ہے مضمحل عباسؑ کے فراق میں ٹوٹا ہوا ہے دل
 دردِ جدائی علیؑ اکبر ہے جاں گسل بیٹوں کا زخمِ قلب میں ہوگا نہ مندمل
 ہنگامِ امتحان نہ الم ہے نہ آہ ہے
 زینبؑ کے لب پہ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلاَّہُ ہے
 محبوس ہے مگر منزلِ قدم نہیں ظالم کا سامنا ہے مگر کوئی غم نہیں
 دل میں لگی ہے آگ مگر آنکھ نم نہیں بکھرے ہوئے ہیں ہاں مگر شان کم نہیں
 تیغِ زباں چلے گی اگر اژدھام میں
 اک اور کر بلا نظر آئے گی شام میں
 اب ہے اسیرِ ظلم و شقاوت کا امتحان دربار میں حسینؑ کی غیرت کا امتحان
 ہمتِ رسولؐ پاک کی محنت کا امتحان نامحرموں میں دین کی عزت کا امتحان
 زینبؑ نے سرِ اُتار کے قاتل کی آن کا
 معیار کر دیا ہے بلند امتحان کا
 دل رکھ دیا تھا درد کے منظر کے سامنے زہراؑ بنی کھڑی تھی شکر کے سامنے
 لہرائی لاکھ تیغِ جفا سر کے سامنے زینبؑ جھکی نہ ممکنہ شر کے سامنے
 ختم الرسلؑ نہ فاتحِ بدر و حنین سے
 بیٹی علیؑ کی داد طلب تھی حسینؑ سے

طوفان اٹھا جو قلب میں بھائی کی یاد کا خطبوں کی روح بن گیا جذبہ جہاد کا
 سیفِ زباں سے توڑ دیا سرِ عناد کا دل ہل گیا یزید کا ابنِ زیاد کا
 جانے کو قید خانے میں وہ نوحہ گر گئی
 دربار میں حسینؑ کی مجلس تو کر گئی
 اب قید کی فضا میں عزاداری حسینؑ ماتم بلا کی دھوپ میں تاریکیوں میں بین
 عابد کی دیکھ بھال میں ٹھکرا کے دل کا چین زینبؑ تھی اور مقصدِ سلطانِ مشرقین
 سمجھا کے سطحِ صدق بیانی حسینؑ کی
 بچوں سے کہہ رہی تھی کہانی حسینؑ کی
 زنداں میں ضعفِ عابدِ منظر کا بھی خیال زخموں کی فکر طوق کے لنگر کا بھی خیال
 اکبرؑ کا غم سیکٹہ کے گوہر کا بھی خیال بے پردہ بیبیوں کے کھلے سر کا بھی خیال
 خود کو بدل لیا تھا غموں کے نظام میں
 عباسؑ بن گئی تھی بہن ، قیدِ شام میں
 اٹھا جو دردِ مادرِ اکبرؑ سے بات کی تڑپا جو قلبِ شاہ کی دختر سے بات کی
 آنسو رُکے تو عابدِ مضطر سے بات کی نیند آگئی تو شہ کے کٹے سر سے بات کی
 قابو جگر پہ رکھ نہ سکی اضطراب میں
 چوما بہن نے بھائی کے ہونٹوں کو خواب میں
 پیہم معویتوں سے بدن ہو گیا تھا پُور چھلنی غمِ فراق سے تھا قلبِ ناصبور
 آتا تھا یادِ اکبرِؑ گلغام کا شعور روتا تھا دُور ہو کے نظر سے نظر کا نور
 یہ غم تھا موت جانے کہاں دیکھتی رہی
 بیٹے کا دم نکل گیا ، ماں دیکھتی رہی
 زنداں کا جس اور وہ کعبے کے پاسباں زنداں کا جس اور وہ ملت کے میہماں
 زنداں کا جس اور وہ حیدرؑ کے قلب و جاں زنداں کا جس اور وہ زہراؑ کی بیٹیاں
 آئیں مصیبتیں جگہ و دل کے سامنے
 زینبؑ مگر جھکی نہیں باطل کے سامنے

لاہور کی مجالس جناب سید ظہور حیدر ظہور جارچوی سے نامانوس یا غیر آشنا نہیں ہیں۔ موصوف آج ضعیفی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ انہوں نے ہماری خاتونِ معظم کے تعارف پر کچھ بند کہے ہیں۔ ہم یہ سب بند بعینہ ہدیہ قارئین کرتے ہیں جس کا مقصد صرف اس حقیقت کی وضاحت ہے کہ بی بی کے جہاد کے بغیر دنیا کر بلا اور اس کی اہمیت سے بالکل بے خبر رہ جاتی۔ یہ سب اسی خاتونِ معظم کا جہاد ہے جس سے نہ صرف واقعہ کر بلا زندہ ہے بلکہ اقدارِ انسانیت زندہ ہیں جن کو شام کا لاڈلا حاکم اپنے مشرک بزرگوں کے قتل کے انتقام کے طور پر اپنے غصہ شدہ تختِ اقتدار کے نیچے دفن کرنا چاہتا تھا اور واضح الفاظ میں اولادِ رسولِ معظم کو قتل کر کے ان مشرکین کا بی بی ہاشم سے بدلہ لے رہا تھا۔ ظہور حیدر جارچوی فرماتے ہیں:

زینب کمالِ صانعِ قدرت کا نام ہے

زینب جمالِ روئے مشیت کا نام ہے

زینب آلِ کارِ صداقت کا نام ہے

زینب جلالِ صاحبِ غیرت کا نام ہے

زینب ہے نامِ عزمِ رسالتِ مآب کا

زینب ہے نامِ دبدبہٗ بوتراپ کا

زینب شعاعِ نورِ الہی کا نام ہے

زینب شعورِ دینِ پناہی کا نام ہے

زینب یزیدیت کی تباہی کا نام ہے

زینب حسنینت کی بقاء کا نام ہے

زینب ہے نامِ عظمتِ آلِ رسول کا

زینب ہے نامِ دین کی اصلِ اصول کا

زینب عظیم باپ کی بیٹی، عظیم ہے

زینب فہیم ہی نہیں، فہمِ سلیم ہے

زینب نقیب علمِ علیم و حکیم ہے

زینب خطابِ عارفِ ذاتِ کریم ہے

زینب لقب ہے عدلِ خدا کے گواہ کا

زینب ہے نعرہٗ اشہد ان لا الہ کا

زینبؓ دل حبیبِ الہی کا چین ہے
 زینبؓ نظیرِ فاتحِ بدر و حنین ہے
 زینبؓ جنابِ فاطمہؓ کی نورِ عین ہے
 زینبؓ ثباتِ عزمِ امامِ حسینؑ ہے

زینبؓ حسینیت کی کھل کتاب ہے
 زینبؓ یزیدیت کا مدلل جواب ہے

زینبؓ ہے گلستانِ سیادت کی پاسباں
 زینبؓ ہے مصطفیٰؐ کی شریعت کی پاسباں
 زینبؓ ہے کاروانِ ہدایت کی پاسباں
 زینبؓ ہے ہر نبی کی نبوت کی پاسباں

زینبؓ کی والدہ ہے رسالت کے ساتھ ساتھ
 زینبؓ رہے گی زندہ، امامت کے ساتھ ساتھ

زینبؓ وہ جس سے منزلتِ ہاشمی رہی
 زینبؓ وہ شمعِ حق جو ہوا میں تھمی رہی
 زینبؓ ستم کی جس پہ نہ کوئی کمی رہی
 زینبؓ جہادِ راہِ خدا میں جی رہی

زینبؓ کو قید، دُڑوں سے مضروب کر سکے
 زینبؓ کو اہلِ ظلم نہ مرعوب کر سکے

زینبؓ وہ جس کے عہد سے قائم ہے بزمِ دیں
 زینبؓ وہ جس کے صبر سے باقی ہے یہ زمیں
 زینبؓ وہ جس کی مثل نہ ہو گی کبھی کہیں
 زینبؓ وہ جس کی فوج ہے دُنیاۓ مومنین

زینبؓ کی درس گاہ ہے بزمِ غمِ حسینؑ
 زینبؓ کو ہے عزیز تو بس ماتمِ حسینؑ

زینبؓ ہے سوگوار شہیدانِ کربلا
 زینبؓ نگاہدارِ اسیرانِ کربلا
 زینبؓ سکوتِ شامِ غریبانِ کربلا
 زینبؓ سکونِ قلبِ تیمانِ کربلا

زینبؓ تیر ہے ہر سرِ جلاّد کے لئے
 زینبؓ سپر ہے ہاتھِ و سجاد کے لئے

زینبؓ وہ باب ہے کہ مدینے کو ناز ہے
 زینبؓ وہ ناخدا کہ سفینے کو ناز ہے
 زینبؓ ہے وہ حیات کہ جینے کو ناز ہے
 زینبؓ وہ بندگی کہ قرینے کو ناز ہے

زینبؓ اسیر ہو کے بھی با اختیار ہے
 زینبؓ جہاد میں بھی تہجد گزار ہے

زینبؓ ہوئی ہے خلقِ بڑے کام کے لئے
 زینبؓ ہے روحِ پیکرِ اسلام کے لئے
 زینبؓ ہے انقلابِ خوشِ انجام کے لئے
 زینبؓ ہے آفتابِ سحرِ شام کے لئے

زینبؓ کے نور ہی سے مکمل ہے نور بھی
 زینبؓ کے فیض ہی سے ہے قائم ظہور بھی

زینبؓ اسیر ہو کے جدھر بے ردا گئی
 زینبؓ کے ساتھ ساتھ خدا کی رضا گئی
 زینبؓ یزیدیت کے پرچے اڑا گئی
 زینبؓ علیؓ کے نام کا ڈنک بجا گئی

زینبؓ نے فاطمہؓ کا دوبالا حشم کیا
 زینبؓ نے فتحِ قلعہٴ ظلم و ستم کیا

زینبؓ جو ننگے سر گئی دربارِ عام میں
 زینبؓ سے تھر تھری تھی یزیدی نظام میں
 زینبؓ کئے ہوئے تھی جو ضبطِ اژدہام میں
 زینبؓ کے دم سے صبحِ قیامت تھی شام میں

زینبؓ وہ سیفِ صبر کے جوہر دکھا گئی
 زینبؓ کی آہ ، تخت کو تختہ بنا گئی

زینبؓ کے خشک انکوں میں ہے آبِ دُعا عزم
 زینبؓ کی سرد آہِ بنی ہے سحابِ عزم
 زینبؓ کی بیکسی میں ہے زورِ شبابِ عزم
 زینبؓ ہے شاہکارِ رسالتِ آبِ عزم

زینبؓ نے فتحِ پائی خطابت کے دار سے
 زینبؓ نے تاجِ چھین لیا اقتدار سے

زینبؓ مرقعِ حسانتِ رسولؐ ہے
 زینبؓ نگاہانِ وقارِ بتوں ہے
 زینبؓ وکیلِ صدق و فروع و اصول ہے
 زینبؓ جوابِ دعویٰ فردِ جہول ہے

زینبؓ نے یوں ذلیل کیا ہے پلید کو
 زینبؓ نے زندہ گاڑ دیا ہے یزید کو

زینبؓ کا آج مملکتِ غم پہ راج ہے
 زینبؓ حسینیوں کے لئے سر کا تاج ہے
 زینبؓ یزیدیت کے خلاف احتجاج ہے
 زینبؓ محمدؐ عربی کا مزاج ہے

زینبؓ کلیم بھی ہے علیؑ کا کلام بھی
 زینبؓ ہے عورتوں میں نبی بھی امام بھی

زینبؓ مبصرِ اثرِ واردات ہے
 زینبؓ کی ذات آئینہٴ واقعات ہے
 زینبؓ خلاصہٴ کتبِ حادثات ہے
 زینبؓ شہیدِ کرب و بلا کی حیات ہے

زینبؓ کا دل ہزارِ اَلَم سے نگار ہے
 زینبؓ خزاں کے رنگ میں رُوحِ بہار ہے

زینبؓ ادبِ نواز بھی ہے اور ادیب بھی
 زینبؓ گلِ فردہ بھی ہے عندلیب بھی
 زینبؓ بلا نصیب بھی ہے خوش نصیب بھی
 زینبؓ ہے شاہزادی ، بظاہر غریب بھی

زینبؓ طیبِ رُوح و ضمیرِ عوام ہے
 زینبؓ خطیبِ منبرِ خیرِ الانام ہے

زینبؓ عزیزِ مریم و سارہ کہیں جسے
 زینبؓ شبیہِ فاطمہؓ زہرا کہیں جسے
 زینبؓ علیؓ کے دل کی تمنا کہیں جسے
 زینبؓ کنیزِ خالقِ یکتا کہیں جسے

زینبؓ صاحبِ لطفِ خدا بالعموم ہے
 زینبؓ فصیلِ عظمتِ شہرِ علوم ہے

زینبؓ مآلِ آرزوئے بچتِ بھی ہے
 زینبؓ کے سر پہ سایہٴ حلمِ حسنؓ بھی ہے
 زینبؓ کا پاسباں سرِ شاہِ زمنؓ بھی ہے
 زینبؓ امامِ وقت پہ سایہٴ فکرنؓ بھی ہے

زینبؓ کے بازوؤں میں بندھی رہسماں ہے
 زینبؓ کے صبر و ضبط کا یہ امتحان ہے

زینبؑ نے زندگی میں سب سے بے شمار دکھ
 زینبؑ کے دکھ زمانے میں ہیں یادگار دکھ
 زینبؑ نے ایک دن میں اٹھائے ہزار دکھ
 زینبؑ کو کر سکے نہ مگر بے قرار دکھ

زینبؑ کو غم تو تھے ، نہ مگر اضطراب تھا
 زینبؑ کے دل میں حوصلہ بوتراب تھا

زینبؑ صغیر بن تھی جو نانا کو روٹی تھی
 زینبؑ کے سر سے والدہ بھی جلد اٹھ گئی
 زینبؑ نے دیکھا کونے میں زخمی سر علیؑ
 زینبؑ حسنؑ کے غم کو نہ دل سے بھلا سکی

زینبؑ تھی کربلا میں بھرے گھر کی سوگوار
 زینبؑ ہے قبر میں بھی بہتر کی سوگوار

زینبؑ کتابِ علم و عمل کا مقدمہ
 زینبؑ فقیہہ ، عالمہ ، غیر معلّمہ
 زینبؑ نگاہِ اہلِ کرم میں مکرمہ
 زینبؑ عظیم ہستیوں میں ہے معظمہ

زینبؑ حق آشنا ہے حقیقت شناس ہے
 زینبؑ نظامِ مصطفویٰ کی اساس ہے

زینبؑ نے پائی عظمتِ آغوشِ مصطفیٰ
 زینبؑ کو بھی نصیب ہوا دوشِ مصطفیٰ
 زینبؑ کو گھٹنیوں میں ملا جوشِ مصطفیٰ
 زینبؑ حواسِ مرتضیٰ ہوشِ مصطفیٰ

زینبؑ مصیبتوں میں بھی حاضر دماغ ہے
 زینبؑ نبیؐ کی عقل کا روشن چراغ ہے

زینب کے ساتھ ساتھ ہے توفیقِ کبریا
 زینب کے ہر عمل میں ہے تصدیقِ مصطفیٰ
 زینب کا لفظ لفظ ہے تحقیقِ مرتضیٰ
 زینب کا حرف حرف ہے توثیقِ مجتبیٰ

زینب کے کارناموں پہ حیراں سماج ہے
 زینب کی ٹھوکروں میں سرِ سامراج ہے

زینب نے پایا ورثہ میں بنتِ اسد کا دل
 زینب کا دل ہے اصل میں زینب کے جد کا دل
 زینب ہلا کے سنگدلِ مستند کا دل
 زینب جھکا رہی ہے ہر اہلِ خرد کا دل

زینب کے دل میں بند جو طوفانِ نوح ہے
 زینب کے خستہ تن میں خدیجہ کی روح ہے

زینب کو حوریں جھولا جھلاتی رہیں مدام
 زینب کو جبریل بھی کرتے رہے سلام
 زینب کو بھی خدا نے دیئے خلد کے طعام
 زینب کا ہر امام کے دل میں ہے احترام

زینب اسی لئے نہ کبھی مرقش ہوئی
 زینب کی شیرِ فاطمہ سے پردش ہوئی

زینب ثبوتِ علمِ حسن ، شوکتِ علی
 زینب شجاعِ کفر شکن ، صورتِ علی
 زینب کو خود علی نے کہا ، عظمتِ علی
 زینب کی ذاتِ جنتِ حق ، حجتِ علی

زینب جسے نصیب ہیں معصوم والدین
 زینب سی بیٹیوں سے ہیں محروم والدین

زینبؓ ہے دعائے رسولؐ فلک وقار
 زینبؓ ہے بارگاہِ خدا میں بافتخار
 زینبؓ ہے وجہِ عظمتِ نسوانِ روزگار
 زینبؓ نے پانچ اماموں میں رہ کر شریکِ کار

زینبؓ نے دین اپنی روا میں چھپا لیا
 زینبؓ نے خود کو حاصلِ ایمان بنا لیا

زینبؓ بقائے عترتِ اطہار بن گئی
 زینبؓ شفاءِ اُمتِ بیمار بن گئی
 زینبؓ صدائے احمدؑ مختار بن گئی
 زینبؓ خدائے قوتِ اظہار بن گئی

زینبؓ کی ذات پاک ہے اعجاز کی طرح
 زینبؓ ملی ہے دین کو اعزاز کی طرح

زینبؓ زبان جس کی ہے توقیرِ ذوالفقار
 زینبؓ وہ جس کا خطبہ ہے ایمان کی پکار
 زینبؓ وہ جس کے عزم سے لرزاں ہیں کوہِ سار
 زینبؓ جو لائی دین کی کشتی بھنور سے پار

زینبؓ کی چشمِ اشکوں کا بحرِ محیط ہے
 زینبؓ غم و الم کی فضائے بسیط ہے

زینبؓ نے دیکھے بعدِ نبیؐ دکھ بھرے سماں
 زینبؓ نے دیکھا حیدرِ صفدر کا امتحان
 زینبؓ نے دیکھی باپ کی گردن میں ریشماں
 زینبؓ نے دیکھیں ٹوٹی ہوئی ماں کی پسیاں

زینبؓ کی ماں بقیع میں جا کر جو روتی تھی
 زینبؓ کبھی تو ماں کبھی ناناً کو روتی تھی

زینبؓ نے دیکھا طشت میں کلڑے دلِ حسن
 زینبؓ ہوئی حسینؑ کے ہمراہ بے وطن
 زینبؓ نے دیکھا لٹا ہوا باغِ نجات
 زینبؓ نے دیکھے لاشے شہیدوں کے بے کفن

زینبؓ نے دیکھا آخری سجدہ حسینؑ کا
 زینبؓ کا وعدہ بن گیا وعدہ حسینؑ کا

زینبؓ سے حالِ شامِ غرباں نہ پوچھئے
 زینبؓ ہے کلمہ گویوں کی مہماں نہ پوچھئے
 زینبؓ کے میزباں ہیں مسلمان نہ پوچھئے
 زینبؓ سے کب ملے شہِ مرداں نہ پوچھئے

زینبؓ دلِ حرم میں ہے احساس کی طرح
 زینبؓ ہے سب کا حوصلہ عباؑ کی طرح

زینبؓ کی زندگی ہے شریعت کی زندگی
 زینبؓ نے کی ہے پردہ نشینوں کی رہبری
 زینبؓ کے ہر عمل سے عیاں سیرتِ نبیؐ
 زینبؓ سے دشمنی ہے محمدؐ سے دشمنی

زینبؓ کی خاکِ پا کو جو سرمہ بنائیں گے
 زینبؓ کی بارگاہ سے وہ فیض پائیں گے

زینبؓ کے خادمو! حقِ خدمت ادا کرو
 زینبؓ کے پیارے مر گئے آہ و بکا کرو
 زینبؓ اسیر ہو گئی محشرِ ہپا کرو
 زینبؓ کے ہاتھ بندھ گئے ماتم سوا کرو

زینبؓ کے ساتھ بچوں پہ دڑے برستے ہیں
 زینبؓ کے ساتھ اسیر مدد کو ترستے ہیں

زینبؓ کے غم میں سینہ و سر پیڑ مومنو
 زینبؓ کو کربلا کے شہیدوں کا پرسہ دو
 زینبؓ کی طرح خاکِ عزا سر پہ ڈال لو
 زینبؓ کے بدلے روؤ امام حسینؑ کو

زینبؓ کی بے بسی کا ہے صدمہ خدائی کو
 زینبؓ نہ دفن کر سکی مظلوم بھائی کو

زینبؓ کو ہر شہید کا صدمہ شدید ہے
 زینبؓ کو فکرِ دفنِ حسینؑ شہید ہے
 زینبؓ کہاں سے لائے کفنِ ناامید ہے
 زینبؓ کی سداً راہِ سپاہِ یزید ہے

زینبؓ نہ جانے پائی تنِ پاش پاش پر
 زینبؓ نہ روئی بیٹھ کے بھائی کی لاش پر

زینبؓ کے خیمے آگ کی زد میں ہیں آہ آہ
 زینبؓ کی حالِ عابدِ یکس پہ ہے نگاہ
 زینبؓ کے اجتہاد نے شعلوں سے لے لی راہ
 زینبؓ کو جب ملا نہ کوئی اور خیر خواہ

زینبؓ نے خود ہی چوتھی امامت بچائی ہے
 زینبؓ بچا کے آگ سے عابد کو لائی ہے

زینبؓ کا حالِ زار نہیں قابلِ بیاں
 زینبؓ کے گرد و پیش ہیں خونخوار برچھیاں
 زینبؓ پہ ظلم و جور کی بارش ہے الاماں
 زینبؓ کا دل فگار ہے ملبوس دھجیاں

زینبؓ لہو میں ڈوبی ہوئی سرخ پوش ہے
 زینبؓ کے دل میں نصرتِ ایمان کا جوش ہے

زینب شہید ظلم کی ہمیشہ ، السلام
 زینب معین حضرت شہید ، السلام
 زینب اسیر ، غمزہ ، دلگیر ، السلام
 زینب غم و ملال کی تصویر ، السلام

زینب سلام آپ کو ہر ذی شعور کا
 زینب کریں قبول یہ ہدیہ ظہور کا

ہمارا موضوع بالکل نامکمل رہ جائے گا اگر ہم یہاں عصر حاضر کے حماد اہل بیت جناب محسن نقوی شہید مرحوم کے تخیل کا ذکر نہ کریں جنہوں نے ثانی زہرا اسلام اللہ علیہا کے بارے میں نہایت قیمتی فکر پیش کیا ہے اور کربلا کے شہیدوں سے عقیدت رکھنے کے جرم ہی میں عصر حاضر کے یزیدوں نے انہیں بھرے بازار میں شہید کر دیا اور پھر چوروں کی طرح چھپ گئے۔

محسن شہید مرحوم اپنے مجموعہ کلام کے مقدمہ میں جو انہوں نے ”سُر لوج چشم تر“ کے عنوان سے اپنے مجموعہ کلام ”موج ادراک“ کے شروع میں پیش کیا ہے، لکھتے ہیں:

”میں نے جب بھی اسلام کی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا ہے مجھے اسلام کا بچپن ابوطالب کی گود میں بہلتا ہوا نظر آیا، جوانی عبداللہ کے یتیم اور پیغمبر انسانیت کے دامن کی چھاؤں تلے محو آرام ملی، بڑھاپا علی کے طاقتور بازوؤں کے آگن میں سانس لیتا دکھائی دیا، اسلام کی عصمت کا نام بتول، عظمت کا لقب حسن، زندگی کا ضامن حسین اور ہیبت کا تخلص ”اُم المصائب“ ٹھہرا۔“

ہم شہید مرحوم کے اس پیارے فکر پر کوئی تبصرہ کرنے کے قابل تو نہیں ہیں البتہ اتنا ضرور کہیں کہ اُم المصائب کی ہیبت کا اس قدر خوف و قہر انہوں نے فرعون حکمرانوں پر طاری ہوا کہ پھر کسی کو نہ تو کسی امام معصوم سے وہ مطالبہ کرنے کی جرأت ہوئی جو امام حسین سے کیا گیا اور نہ ہی انہوں نے ہماری مخدومہ کی مدینہ النبی میں موجودگی کو برداشت کیا جس کی ہیبت زمانہ پر اس قدر چھائی ہوئی تھی کہ وقت کے سب سے بڑے فرعون کو اپنا سنگھاس ڈولتا ہوا نظر آ رہا تھا جس کو بچانے کی یہی صورت اسے نظر آ رہی تھی کہ جیسے بھی ممکن ہو ثانی زہرا کو مدینہ میں رہنے نہ دے جس کی خاطر وہ بار بار مدینہ کے اپنے عامل کو ہدایات دے رہا تھا۔ آخر کار حضرت عبداللہ ابن جعفر نے اپنے خاندان سمیت مدینہ کو چھوڑ دیا۔ تاریخ کا کتنا بڑا ظلم اور ستم ظریفی ہے کہ وہ ہماری مخدومہ کے مدفن کا تعین نہیں کر پاتی کہ مخدومہ کا مزار دمشق کے مضافات میں ہے یا قاہرہ کے۔

بہر حال ہماری معظمہ کی اتنی بڑی شخصیت ہے کہ نقوی شہید مرحوم اپنے مجموعہ کلام ”موج ادراک“ میں جو مسدس

”نگہبان رسالت“ کے عنوان سے پیش کرتے ہیں، اس کا اختتام مخدومہ عالم کے ذکر کے بغیر نہیں کرتے اور کہہ اٹھتے ہیں کہ:

اے مورخِ وقت کے مغرور کرداروں سے پوچھ! پوچھ! تاریخِ عرب کے سب ستمگاریوں سے پوچھ!

کربلا میں ٹوٹی بے لوجِ تلواروں سے پوچھ! شام کی گلیوں سے، چوہاڑوں سے بازاروں سے پوچھ!

ذریعہ کس کی یزیدی حوصلوں پر چھا گئی؟

کس کی پوتی ظلم و استبداد سے نکلا گئی؟

بول اے تاریخ کے زندہ اصولوں کی زباں کس کے بام و در سے ٹکراتی رہی ہیں بجلیاں!

کون باطل کے مقابل آج تک ہے کامراں! سوئے کوفہ پا بجولاں تھا وہ کس کا کارواں!

کس نے صدموں کی صدا دی حق پسندی کے لئے!

کس کا گھر اُڑا تھا دیں کی سر بلندی کے لئے!

شہید نقوی نے اپنے تمام اصنافِ سخن میں مخدومہ عالم کے ذکر کو ضروری جانا ہے کیونکہ اس کے بغیر تصورِ کربلا میں رنگ بھرنے کا قطعاً ناممکن ہے۔ اسی لئے مرحوم تقریباً اپنے ہر سلام میں مخدومہ عالم کا ذکر کرتے ہیں۔

ایک سلام میں کہتے ہیں:

ہر ستم پر چھا گئی بختِ علی

مدتوں میں عقدہ خیبر کھلا

علیٰ ہذا القیاس ایک سلام کے اشعار ملاحظہ ہوں:

پشتِ عابد پہ ہے تحریرِ سفرِ زیارت کا

نوکِ نیزہ سے نہ دیکھا گیا سرِ زیارت کا

خونِ شبیر ہے مقروضِ مگر زیارت کا

چاند لگتا ہے مجھے دیدہ تر زیارت کا

یہ الگ بات کہ لوٹا گیا گھرِ زیارت کا

کس نے چھلنی کیا برچھی سے جگرِ زیارت کا

ذکر ہوتا ہے وہاں تا بہ سحرِ زیارت کا

بے ردا شہر کی گلیوں سے گزرِ زیارت کا

گر پڑا خاک پہ عباس کا سرِ مقتل میں

خونِ شبیر کی ہر بوند کا مقروضِ بشر

رات لگتی ہے مجھے بختِ پیبر کی ردا

یہ الگ بات کہ محفوظ رہا دینِ رسول

لاشِ اکبر پہ حسین ابنِ علی کہتے تھے

جس جگہ شامِ غریباں کی ہو مجلسِ برپا

شہید نقوی مدحتِ سرکارِ ثانی زہرِ اسلام اللہ علیہا میں ”عقیلہ بنی ہاشم“ کے عنوان سے لکھتے ہیں:

اسلام کا سرمایہ تسکین ہے زینبؓ ایمان کا سلجھا ہوا آئین ہے زینبؓ
 حیدرؓ کے خدوخال کی تزئین ہے زینبؓ شبیرؓ ہے قرآن تو لئین ہے زینبؓ
 یہ گلشن عصمت کی وہ معصوم کلی ہے
 تطہیر میں زہراؓ ہے تو تیور میں علیؓ ہے
 آزادی اسلام کی تقدیر ہے زینبؓ نبیوں کے ہر اک خواب کی تعبیر ہے زینبؓ
 بولے تو سدا جراتِ شبیرؓ ہے زینبؓ چپ رہ کے بھی قرآن کی تفسیر ہے زینبؓ
 اسلام تو قائم ہے حوادث کے بھنور تک
 زینبؓ نے ضمانت دی قیامت کی سحر تک
 سلطانہ تقدیسِ حرم ، پیکرِ ایثار تاریخ کی نظروں میں دمکتا ہوا کردار
 ہر دور کی عظمت کے لئے نقطہ معیار زینبؓ ہے خواتین میں خود حیدرؓ کرار
 باطل کے ارادوں کو جو مٹی میں ملا دے
 تیور جو بدل جائیں تو دنیا کو ہلا دے
 آئی جو زرخ دیں پہ کبھی آنچِ ذرا سی چھائی جو نبوت کے تصور پہ اداسی
 پل بھر کو شریعت جو ہوئی عدل کی پیاسی تڑپی ہے کچھ اس طرح محمدؐ کی نواسی
 اسلام کا سرمایہ انفاسِ نبی ہے
 زینبؓ کبھی حیدرؓ کبھی عباسؓ نبی ہے
 بازو کو ترازو کی طرح تولنے والی بھائی کی شہادت کی گرہ کھولنے والی
 تاریخ کی آنکھوں میں حیا گھولنے والی وہ فاتحِ خیبر کی طرح بولنے والی
 اسلام کو روشن بصد اعزاز کیا ہے
 عباسؓ کے پرچم کو سرافراز کیا ہے
 قدیلِ شہستانِ مناجاتِ امامت وہ ضبط کہ خود حوصلہ مندی میں قیامت
 وہ عزمِ مسلسل کہ مصائب میں سلامت زینبؓ ہے شریعت کے تقدس کی علامت
 اے فاطمہؓ زہراؓ تیری تقدیر بھلی ہے
 بیٹے جو محمدؐ ہیں تو بیٹی بھی علیؓ ہے

اُلجھے جو کبھی عدل سے جاں دادۂ منصب یا حد سے بڑھی سازش کم ظرفی مرحب
 یہ طے ہے کہ اسلام پریشاں ہوا جب جب توحید کا پرچم لئے آگے بڑھی زینب
 بولی تو ستم خوف سے خود خاک بہ سر تھا
 ہر لفظ میں اک ضربِ ید اللہ کا اثر تھا
 زینب کے وہ خطبات وہ آیات کا طوفان جذبوں کا تلاطم وہ تہہ تابشِ ایمان
 ہر حرف کے ادراک میں کھلتا ہوا قرآن یک جنبش لب صورتِ برقی سرِ فاران
 جل بجھ گیا باطل کہ دُھواں تک نہیں ملتا
 اب بیعتِ فاسق کا نشان تک نہیں ملتا
 جب ظلم کا خنجر ہوا پیوستِ رگِ جاں! جب سو گئے صحرا میں شریعت کے حدی خواں
 نیزوں پہ سجائے گئے جب مبر کے قرآن نازل ہوئی افلاک سے جب شامِ غریباں
 آوازِ دل شیر جلی بن گئی زینب
 اظہارِ شجاعت میں علی بن گئی زینب
 عباس کے پرچم کو بڑی دھج سے سنبالا لہجہ کو امامت کے خم و پیچ میں ڈھالا
 جلتے ہوئے خیموں سے تیہوں کو نکالا یوں خونِ شہیداں سے رُخِ عزم اُجالا
 آئی یہ صدا آج سے تو محور دیں ہے
 زینب تو شریعت کے لئے فتح میں ہے
 تجھ سے ہے رُخ دیں پہ صاحت مری بی بی تو مصحفِ ناطق کی وضاحت مری بی بی
 تفسیرِ حیا تیری فصاحت مری بی بی اے دہر میں محرومۂ راحت مری بی بی
 اس واسطے بگڑی ہوئی تقدیر بنی ہے
 اسلام کے سر پر تری چادر جو تئی ہے
 اے تاجورِ کشورِ عصمت ، دلِ اجداد اے جرأت بے باک کی تجدیدِ خداداد
 انبوہِ مصائب میں بھی بے بہرہ فریاد ماںِ فخرِ جتاں باپ ہے جبریل کا اُستاد
 دُنیا کی خواتین میں یہ عزم کہاں ہے
 تاریخ کی نظروں میں مصائب کی تو ماں ہے

اے مصحفِ ناطق کے ہر اک لفظ کی تفسیر
اللہ رے وہ حشر جگاتی ہوئی تقریر
ہر ظلم پہ غالب رہی آخر تری تدبیر
اک پل میں پکھلنے لگی ہر جبر کی زنجیر

زینب تری آواز سے وہ ضرب پڑی ہے
تاریخ ابھی گوش بر آواز کھڑی ہے
آباد ہے اُمت کا ہر اک گھر ترا صدقہ
شاہوں سے غنی تیرے گداگر ترا صدقہ
بہنوں کے سلامت ہیں برادر ترا صدقہ
ماؤں کے سروں پر بھی ہے چادر ترا صدقہ
ہر رسم عزا تجھ سے زمانے میں چلی ہے
تو شارحِ کردار حسین ابنِ علی ہے

ہم ایک بار پھر اپنے قارئینِ کرام کی توجہ شہیدِ محسن نقوی کی کتاب ”موجِ ادراک“ کی طرف مبذول کرواتے ہیں۔
ایسے ایسے بلند پایہ اشعار جس کے صفحات کی زینت ہیں۔ ایک سلام میں شعر ہے:

حسینؑ کی لاش بے کفن سے یہ کہہ کے زینبؑ جدا ہوئی ہے
جو تیرے مقتل میں بچ گیا ہے وہ کام میری ردا کرے گی

اس میں کوئی مبالغہ آمیزی نہیں کہ بقائے اسلام کیلئے جو کام خونِ حسینؑ نے کیا، رزائے زینبؑ کسی طرح اس سے پیچھے

نہیں رہی۔

ایک اور سلام میں کہتے ہیں:

یہ ابر کا کلوا جو بکھرتا ہے فضا میں
بنے لگا ہر ظلم مثالِ خس و خاشاک
زینب تری تقدیر بھی اک سیلِ رواں ہے
زینبؑ یہی سمجھی علی اکبرؑ کی ازاں ہے
سجادؑ سے پوچھو مرا عباسؑ کہاں ہے
بازار کے ہر موڑ پہ زینبؑ نے صدا دی

علیٰ ہذا القیاس:

شبیّر کے مقتل سے گزرتا ہے جو اکثر
زینبؑ کی صدا سن کے یہ جبریلؑ نے پوچھا
وہ ابر نہیں ثانیِ زہراؑ کی ردا ہے
یہ حیدرؑ کرار کہاں بول رہا ہے

آخر کیوں نہ ہو کہ صدائے خطبہِ مٹانیِ زہراؑ کو سن کر کوفہ کے سب لوگ جنہوں نے خطابتِ علیؑ کو سنا تھا، حیران تھے کہ میں

برس پہلے شہید راہِ خدا علی واپس کیسے آگئے ہیں!!

اسی طرح ایک سلام میں کتنا بلند پایہ شعر ہے جو شاعر کے ذہن پر بی بی کے دین کے بغیر نہیں کہا جاسکتا:

ثابت ہوئی یہ بات دیارِ دمشق سے زمیٹ! خدا کے دیں کو ہے تیری ردِ پسند

شاعر مشرق علامہ اقبال نے اپنی مثنوی ”رموزِ بے خودی“ میں جناب سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کا موازنہ حضرت مریمؑ سے کرتے ہوئے ایک خاتون کے تین روپ دکھائے ہیں، یعنی بطور ایک بیٹی، ایک زوجہ اور ایک ماں۔ لیکن بطور بہن بھی ایک خاتون کا رُخ ہے جس کا ذکر انہوں نے اپنی مثنوی میں نہیں کیا۔ اس کی کوشید محسن نقوی نے پورا کیا ہے۔ مسدس کا عنوان ہے ”مریم کر بلا“ سلام اللہ علیہا۔

ہم اس مسدس کو برائے مطالعہ قارئین عظام سطورِ ذیل میں نقل کرتے ہیں جو ثانی زہرا کی مددِ غیبی سے ایک الہامی کلام سے کسی طرح کم نہیں:

”مریم کر بلا (سلام اللہ علیہا)“

زمیٹ ، نبیؑ کا ناز ، امامت کی آبرو جس کے شرف کی دھوم ہے عالم میں چارو
شرم و حیا کی جھیل ، شرافت کی آبرو جبریلؑ جس کا نام نہ لیتا ہو بے وضو
وہ جس کا نام سن کے فضا عطر بیز ہے تعظیم دیکھنا کہ قلم سجدہ ریز ہے
بزمِ نساء کی صدر ، مصائب میں حق شناس جس کی ردِ اتھی دیں کے لئے فُس میں لباس
جس کا وجود ، حق کے ارادوں کا اقتباس کوثر کی موج بن گئی جس کے لبوں کی پیاس
جو لٹ کے بھی وجودِ خدا کی دلیل تھی اپنی صداقتوں کی جو تنہا وکیل تھی
مہکا گئی جو اپنے چمن کی کلی کلی جس نے حسینیت کو سجایا کلی کلی
کانٹوں بھرے سفر میں جہاں تک چلی چلی لیکن سکھا گئی ہے جہاں کو علیؑ علی
اسلام بچ گیا یہ اسی کا کمال تھا ورنہ خدا کے دیں کا تعارف محال تھا

ہر چند اُس کے باغ کی ہر شاخ جھڑ گئی لیکن مثالِ برقِ ہواؤں سے لڑ گئی
 بھائی کے ساتھ ساتھ اصولوں پہ اڑ گئی زینبِ ضمیرِ سنگ میں آئینے جڑ گئی
 بھائی سے یوں بہن نے تڑپ کر علم لیا
 آخر یزیدیت کو فتح کر کے دم لیا
 طاعت میں بے مثال، شجاعت میں بے بدل قدموں میں بھی ثباتِ ارادوں میں بھی اٹل
 سیرت میں بُردبار، بصیرت میں بے خلل معیارِ باوقار تو گفتارِ بر محل
 انسان کو زندگی کا قرینہ سکھا گئی
 زینبِ حسینیت کو بھی جینا سکھا گئی
 اللہ رے عزم و ہمتِ بنتِ شہِ نجف حالاتِ غمِ بجاں تھے تو جذباتِ سرِ بکف
 ہر چند ریزہ ریزہ تھا احساس کا صدف پھر بھی بصدِ خروش چلی شام کی طرف
 ظلمت کو عکسِ صبحِ درخشاں بنا دیا
 پاؤں کے آبلوں کو گلستاں بنا دیا
 زنداں میں حریت کے درپچوں کو وا کیا ہر فرضِ کردگار اُجڑ کر ادا کیا
 اسلام کو حسینؑ سا بھائی عطا کیا پھر بھی یہ پوچھتے ہو کہ زینبؑ نے کیا کیا؟
 دیں کی خزاں کو تھی جو ضرورتِ بہار کی
 زینبؑ نے ہنس کے چادرِ زہراؑ ثار کی
 پردے میں رہ کے ظلم کے پردے اُلٹ گئی پہنی رن تو ظلم کی زنجیر کٹ گئی
 نظریں انھیں تو جبر کی بدلی بھی چھٹ گئی لبِ سی لئے تو ضبط میں دُنیا سمٹ گئی
 بولی تو پتھروں کو بگھلنا سکھا گئی
 انسان کو لغزشوں میں سنبھلنا سکھا گئی
 مریم مزاج، عرشِ مکاں، آسمانِ قدم عصمتِ مآب، غلہ زمیں، کہکشاںِ حرم
 زہراؑ شعور، حاجرہ خو، مصطفیٰ حشم خالقِ صفت، کلیمِ زباں، مرتضیٰ کرم
 بہرِ ستم یہ مہر کی شمشیر بن گئی
 زینبؑ دیارِ شام میں شبیر بن گئی

دیکھا جو کربلا میں دل دیں کا انتشار نکلی نیام خیمہ سے شمشیر کردگار
 ملنے لگا زمیں میں تشدد کا اقتدار مجبور ہو کے رہ گیا شاہی کا اختیار
 حملہ کیا تو کر گئی اعلان عام بھی
 تا حشر آب نہ لے کوئی بیعت کا نام بھی
 روح وفا ، مزاج حیا ، پیکر حجاب وہ جس کے سائے سے بھی گریزاں تھا آفتاب
 لیکن گہن میں دیکھ کر زہرا کا ماہتاب آیا کچھ اس طرح سے طبیعت میں انقلاب
 بعد از حسین صبر کی عکاس بن گئی
 بہت علی جلال میں عباس بن گئی
 گرتے ہوئے علم کو سنبھالا کچھ اس طرح بھائی کے خوں سے دیں کو اُجالا کچھ اس طرح
 تاج شہی نضا میں اُچھالا کچھ اس طرح نطقِ پدر میں لہجہ کو ڈھالا کچھ اس طرح
 ہر بات ذوالفقار کی جھنکار بن گئی
 پردہ نشیں تھی حیدر کرار بن گئی
 طے ہو چکے جو صبرِ مسلسل کے مرطے دیکھو وہ لب ہلے وہ کھلے دیں کے مسئلے
 چونکے خارِ خواب سے مدت کے دلولے زینب جگا رہی ہے سرِ شام زلزلے
 آواز گونجتی ہے جو عرشِ برین پر
 جبریل پر بچائے ہوئے ہے زمین پر
 لوگو! زمین بھی ہم ہیں، فلک بھی فضا بھی ہم حق آشنا بھی، خالق حق کی رضا بھی ہم
 لوح و قلم بھی ہم ہیں، قدر بھی قضا بھی ہم عادل بھی ہم، تقسیم جزا و سزا بھی ہم
 دیکھو ہمیں کہ ہم ہی رُخِ ذوالجلال ہیں
 پہچان لو کہ ہم ہی محمد کی آل ہیں
 سوچو کجا یہ رُخ و محن اور ہم کجا دیکھو کجا یہ طوق و رسن اور ہم کجا
 لوگو! کجا یہ سرخ کفن اور ہم کجا بولو، کجا یہ بھیڑ، گھٹن اور ہم کجا
 پوچھو، مرے چمن کے شگوفے کدھر گئے
 کتنے یتیم تھے جو سفر ہی میں مر گئے

یہ بے ردا اسیر محمدؐ کے گھر کے ہیں سارے ہی تشنہ لب ہیں اور آٹھوں پہر کے ہیں
 مہمان کچھ یتیم یہاں رات بھر کے ہیں پاؤں میں آبلے بھی ابھی تک سفر کے ہیں
 تحریر کس طرح کی یہ لوح جہاں پہ ہے
 نمبر پہ بے نماز ، نمازی سناں پہ ہے
 کھلنے لگی وہ بات جو آب تک تھی راز میں آیا جو زلزلہ سا ضمیرِ حجاز میں
 یہ احتجاج بارگہ بے نیاز میں یارب! سر حسینؑ کٹے اور نماز میں
 یہ کہہ کے جب حسینؑ کو دیکھا تو رک گئی
 زینبؑ خموش ہو کے سیکنہ پہ جھک گئی

اپنی اس حقیر کاوش کے آخر میں ہم صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ہماری محدود عالم کا مقام اس قدر بلند وارفیع ہے کہ ہمارے طائر خیال کی حدود پرواز سے بالکل باہر ہے۔ صرف نذر عقیدت ہی پیش کر سکتے ہیں جو اگر شرف قبولیت پالے تو اس بے بضاعتی کے باوجود ہمارے لئے توشہ آخرت بن سکتی ہے۔ آخر کلام میں ہم سید محسن نقوی شہید کی ایک نظم پیش کر کے اس حقیر کاوش کو اختتام پر پہنچاتے ہیں۔ نظم کا عنوان ہے ”علیؑ کی بیٹی“۔ اس کے ساتھ ہی شہید کیلئے بلندی درجات اور خالق کائنات کے حضور ان کی مغفرت و جوار شہدائے کربلا میں جگہ پانے کی دعا کرتے ہیں، اس امید و یقین کے ساتھ کہ خالق غفور و رحیم و ستار العیوب شہید مرحوم کے کلام اور ہماری کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

علیؑ کی بیٹی

قدم قدم پر چراغ ایسے جلا گئی ہے علیؑ کی بیٹی
 یزیدیت کی ہر ایک سازش پہ چھا گئی ہے علیؑ کی بیٹی
 کہیں بھی ایوانِ ظلم تعمیر ہو سکے گا نہ آب جہاں میں
 ستم کی بنیاد اس طرح سے ہلا گئی ہے علیؑ کی بیٹی
 عجب سیما مزاج خاتون تھی کہ لفظوں کے کیمیا سے
 حسنینت کو بھی سانس لینا سکھا گئی ہے علیؑ کی بیٹی
 بھٹک رہا تھا دماغِ انسانیت جہالت کی تیرگی میں
 جنم کے اندھے بشر کو رستہ دکھا گئی ہے علیؑ کی بیٹی

دکانِ وحدت کے جوہری دم بخود ہیں اس معجزہ پہ اب تک
 کہ سنگریزوں کو آگینے بنا گئی ہے علی کی بیٹی
 خبر کرو اہل جور کو اب حسینیت انتقام لے گی
 یزیدیت سے کہو سنبھل جائے، آگئی ہے علی کی بیٹی
 نبی کا دیں اب سنو سنو کے یہ بات تسلیم کر رہا ہے
 اُبڑ کے بھی انبیاء کے وعدے نبھا گئی ہے علی کی بیٹی
 نہ کوئی لشکر، نہ سر پہ چادر، مگر نہ جانے ہوا میں کیونکر
 غرورِ ظلم و ستم کے پُزے اڑا گئی ہے علی کی بیٹی
 پہن کے خاکِ شفا کا احرام، سر برہنہ طواف کر کے
 حسین! تیری لحد کو کعبہ بنا گئی ہے علی کی بیٹی
 کئی خزانے سفر کے دوران کر گئی خاک کے حوالے
 کہ پتھروں کی جڑوں میں ہیرے چھپا گئی ہے علی کی بیٹی
 یقین نہ آئے تو کوفہ و شام کی فضاؤں سے پوچھ لینا
 یزیدیت کے نقوش سارے مٹا گئی ہے علی کی بیٹی
 ابد تلک اب نہ سر اٹھا کے چلے گا کوئی یزید زادہ
 غرورِ شاہی کو خاک میں یوں ملا گئی ہے علی کی بیٹی
 گزر کے چپ چاپ لاشِ اکبر سے پا برہنہ رسن پہن کر
 خود اپنے بیٹوں کے قاتلوں کو زلا گئی ہے علی کی بیٹی
 میں اس کے در کے گداگروں کا غلام بن کے چلا تھا محسن
 اسی لئے مجھ کو رنج و غم سے بچا گئی ہے علی کی بیٹی





۷۸۶
۹۲۱۱۰
یا صاحب الزماں اور کئی



لیک یا حسینؑ

نذر عباس
خصوصی تعاون: رضوان رضوی

اسلامی کتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری -

NOT FOR COMMERCIAL USE

www.ziaraat.com

SABEEL-E-SAKINA

Unit#8,

Latifabad Hyderabad

Sindh, Pakistan.

www.sabeelesakina.co.cc

sabeelesakina@gmail.com